

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نورستان

سوانح و فرمودات

امام قطب الاقطاب مولانا محمد امین بن قسطنطین شیری

تصنیف و تالیف

محب محمد نور الدین بنی جاب کز محمد رمضان اوی

مطبعه اشاعت  
عالمیہ پبلیکیشنز  
کراچی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الظُّلُمِ

# نور الابرار

سوانح و فرمودات

احسان قطب الاقطاب مولیٰ محمد امین قریشی اویسی کشمیری

تصنیف و تالیف

جناب محمد نور الدین اویسی جناب کٹر محمد رمضان اویسی

شعبۂ نشر اشاعت سلسلۂ عالیہ اویسیہ سید طاہر آباد (ہزارہ)

سلسلہ اولیہ پہلی کیشنری۱۲  
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں  
ترمیم و تصحیح شدہ ایڈیشن (چہارم)

طباعت : دسمبر ۲۰۱۶ء



ملنے کا پتہ

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ اولیہ

۳۴۰۴ لنک روڈ۔ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان

کتابت : محمد صدیق چشتی۔ لاہور



# فہرست مشمولات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حمد باری تعالیٰ	۱	۱۸	حضرت مولانا نور الزمان شاہ صاحب	۵۳
۲	درود منظوم	۲		سے تحصیل علم	
۳	نعت از امام اعظم ابو حنیفہؒ	۶	۱۹	حضرت مولانا نور الزمان شاہ	۵۵
۴	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	۸		صاحب سے بیعت	
۵	فقیر	۹	۲۰	نابینا استاد کی مرتے دم تک خدمت	۵۷
۶	شجرہ عالیہ اویسیہ	۱۰	۲۱	فراق شیخ کی تڑپ	۵۸
۷	دیباچہ طبع چہارم	۱۱	۲۲	ویران مقبرے میں خلوت	۶۰
۸	دیباچہ طبع سوم	۱۲		اور تکمیل ولایت کی خوشخبری	
۹	عرض حال	۱۶	۲۳	صاحبزادہ فخر الزمان کے عقیدت	۶۳
۱۰	تلاش حق	۱۸		مندوں کا حضورؐ سے بدظن ہونا	
۱۱	گزارش احوال	۲۰	۲۴	خلافت کا اشارہ	۶۵
۱۲	ذَالِکَ الْکِتَابُ	۲۱	۲۵	ماٹری انڈس اسٹیشن کے	۶۶
	حصہ اول			مجذوب کا واقعہ	
۱۳	سلسلہ اویسیہ کا اجمالی بیان	۲۶	۲۶	حب کی اصلیت	۶۸
۱۴	مسئلہ تقدیر	۳۳	۲۷	صدیقؑ کے لیے ہے خدا	۶۹
۱۵	کائنات خداوندی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع ہے	۳۷		کا رسولؐ بس	
۱۶	حضور قبلہ عالمؑ کی فضیلت نسبی	۴۵	۲۸	حج بیت اللہ کا واقعہ	۷۱
۱۷	حضور قبلہ عالمؑ کی ابتدائی تعلیم	۴۹	۲۹	عطائے خلافت	۷۷



## (ب)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	حضور قبلہ عالم کا وطن کو مراجعت	۷۸	۴۵	عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس اور	۱۶۸
۳۱	حاجی فتح محمد خان کے گھر مولانا	۸۲		ان کے خاندان کا بیعت ہوتا	
	سید رسول صاحب تحصیل علم		۴۶	محترم سارہ بیگم کا قبول اسلام	۱۶۹
۳۲	علاقہ پٹھوہار کے استاد کا	۸۷	۴۷	سخی صاحب کے والد کی وفات	۱۷۲
	حضور ہی ہونا		۴۸	میم صاحب کا پاکستان جانے سے	۱۷۶
۳۳	مصنوعی پیر کی فقیری کا حقیقی	۸۸		انکار اور سخی صاحب کی وفات	
	روپ اختیار کرنا		۴۹	پینڈت شری دھر دئی الیا (او)	۱۷۹
۳۴	موروثی جائیداد بھائیوں کو بخشنا	۹۳		کی درود خوانوں میں شمولیت	
۳۵	مولانا عبدالرزاق بخاری سے ملاقات	۹۴	۵۰	ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری کا	۱۸۲
۳۶	بارہمولہ کی مسجد میں مناظرہ پر	۹۵		قبلہ پیر صاحب سے مجادلہ	
	حضور کی تنبیہ		۵۱	نور الدین کی کہانی خود	۱۸۴
۳۷	ارسلان خان کا بیعت ہونا	۹۷		ان کی زبانی	
۳۸	ایک ولی موت پر قادر ہے	۱۰۰	۵۲	محمد لطیف قریشی اور ان کے	۱۹۶
۳۹	انسان ملائکہ سے افضل	۱۰۳		خاندان کا بیعت ہوتا	
	بن سکتا ہے		۵۳	حضرت امام مہدی علیہ السلام	۲۰۳
۴۰	خواجہ عبدالکریم زرگر کا بیعت ہونا	۱۱۱		اور مہدیت	
۴۱	خوف آخرت اسلام کا بنیادی	۱۲۷	۵۴	نور الدین صوفی فرماتے ہیں	۲۰۷
	مقصد ہے		۵۵	نور محمد شرابی کا خواب	۲۲۱
۴۲	اسلام میں خلافت کا تصور	۱۳۲		اور اس کا درود خوانوں میں	
۴۳	اسلام میں خلیفہ کیلئے خصوصی شرائط	۱۳۴		شامل ہونا	
۴۴	راجہ سخی ولایت خان کا قبول	۱۵۶	۵۶	حب رتہ اللعالمین کے اثرات	۲۵۱
	اسلام اور ولایت کے مشرف ہونا		۵۷	سلسلہ اویسیہ کی خصوصیت	۲۵۸



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۸	ماسٹر غلام محمد مریدوں میں شامل ہو گئے	۲۶۰	۴۰	نور الدین کی ہجرت	۳۷۸
۵۹	عبدالعزیز درود شریف پڑھنے سے صحت مند ہو گئے	۲۶۳	۴۱	حضور کے تین پھل	۳۸۲
۶۰	ایک واعظ صاحب کے عجیب و غریب حالات	۲۶۸	۴۲	مسز ہوگن۔ ایک امریکی خاتون کی سرگزشت	۳۹۱
۶۱	پیر غلام نبی رفوگر۔ ناؤ پورہ	۲۷۲	۴۳	ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری درود خوان بن گئے	۴۰۲
۶۲	محکمہ جنگلات کے ٹھیکیدار	۲۷۶	۴۴	پنڈت جیا لعل کا بیعت ہونا	۴۰۳
۶۳	عبدالاحد کا واقعہ	۲۷۹	۴۵	حبیب آخون کی وفات پر دستگیری	۴۰۶
۶۴	مقام محبوبیت	۲۸۴	۴۶	معجزات انبیاء کی حقیقت	۴۰۷
۶۵	راجہ علی اکبر خاں اور اس کے خاندان کی عجیب کہانی	۲۸۸	۴۷	سید عبدالخالق اندرابی کا واقعہ	۴۱۱
۶۶	(نور الدین کی زبانی)	۲۹۱	۴۸	تراں کے نقشبندی پیر کی بیعت	۴۲۰
۶۷	شیرو ڈاکو کا مرید بن کر ولایت سے سرفراز ہونا	۳۰۲	۴۹	سید حسین شاہ کشتواری کا مرید ہونا	۴۲۲
۶۸	لالہ وارث علی کا مرید ہونا	۳۰۸	۸۰	مولوی عبدالجبار سوپوری کا مرید ہونا	۴۲۲
۶۹	چکار میں مریدوں کے عجیب و غریب حالات	۳۰۹	۸۱	جنگلی درندوں کا مسخر ہونا	۴۲۸
۷۰	حضور کا اپنے مریدوں کی وقتِ آخرت دستگیری فرمانا	۳۱۷	۸۲	ومن یعمل مثقال ذرۃ شریرہ	۴۳۱
۷۱	ول کے کمالات تین طرح کے ہوتے ہیں	۳۲۱	۸۳	ڈاکٹر غلام محمد شاہ کے والد بزرگوار کی بیعت	۴۳۲
۷۲		۳۲۷	۸۴	غلام قادر آہنگر کا واقعہ	۴۳۵
۷۳		۳۳۱	۸۵	شریعت اور طریقت علیحدہ نہیں	۴۳۶
۷۴		۳۳۶	۸۶	استدراجی عمل اور مراتب تصوف	۴۴۱
۷۵		۳۴۰	۸۷	صلوات کی تشریح	۴۵۰



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۸	حضرت خواجہ اویس قرنیؓ	۴۵۵	۱۰۳	کبریائی	۴۹۲
	کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم		۱۰۴	ان اکرمکم عند اللہ اتقکم	۴۹۳
۸۹	وظائف اویسیہ	۴۵۹	۱۰۵	خلیفہ فی الارض	۴۹۴
۹۰	آپؐ پر بھی آزمائشیں ہوئیں	۴۶۳	۱۰۶	انسان کی پستی کا سبب	۴۹۵
۹۱	سفر حج	۴۶۸		فطری قانون سے انحراف ہے	
۹۲	محمد اسماعیل اور محمد صدیق	۴۷۰	۱۰۷	نماز میں اجتماعیت کا تصور	۴۹۵
	میمنی کا بیعت ہونا			محض دین کے لیے ہے	
۹۳	واقعات حرمین شریفین	۴۷۲		حصول دین کے لیے نہیں	
۹۴	حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۷۳	۱۰۸	عبدیت	۴۹۶
۹۵	سقوطہ کے قریب طوفان	۴۷۶		فرمودہ ”اکثر عذاب قبر عذاب حشر	۴۹۷
	کا ٹلنا		۱۰۹	کا تصور کیسے کرو“	
۹۶	بخشی غلام محسد کی	۴۷۸	۱۱۰	فرمودہ اللہ کی خوشنودی کیلئے	۴۹۸
	وزارتِ غظمی سے برطرفی			رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ“	
۹۷	موتے مقدس کی چوری اور بازیابی	۴۷۹	۱۱۱	حضور قبلہ عالم ”کا وعظ سننے	۵۰۱
۹۸	سفر آخرت کی تیاری	۴۸۰		سے بھی حضوری ہو جاتے ہیں	
۹۹	سلسلہ الحزن	۴۸۲	۱۱۲	نفسِ امارہ کی تفصیل	۵۰۲
	حصہ دوم		۱۱۳	شہوانی قوتوں کو خیر میں استعمال	۵۰۵
	فرمودہ حضور قبلہ عالم (رحمۃ اللہ علیہ)	۴۸۷		کرنے اور قابو میں رکھنے کے لیے	
۱۰۰	حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴۸۹		خوف پیدا ہونا ضروری ہے	
۱۰۱	علم و دانائی	۴۹۰	۱۱۴	فرمودہ ”انسانیت کی تکمیل	۵۰۸
۱۰۲	تقویٰ	۴۹۱		حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	
				سے ہے“	



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۵	آدابِ انسانیت	۵۱۱	۱۳۰	اہلِ حدیث حضرات کے	۶۳۰
۱۱۶	آدابِ مجلس	۵۲۵		سوال کا جواب	
۱۱۷	آدابِ معاشرت	۵۲۸	۱۳۱	تصویرِ پیر	۶۳۸
۱۱۸	آدابِ ہمسائیگی	۵۴۶	۱۳۲	حضورؐ کے اوصافِ حمیدہ	۶۴۵
۱۱۹	آدابِ دوستی	۵۴۹	۱۳۳	آدابِ مریدی	۶۵۳
۱۲۰	آدابِ شریعت	۵۵۶	۱۳۴	آدابِ مریدی میں خدمت	۶۶۷
۱۲۱	آدابِ طریقت	۵۸۰		پیر کے چند آداب	
۱۲۲	حقیقتِ حمد	۵۹۲	۱۳۵	ہمہ اوست و ہمہ دراوست	۶۷۰
۱۲۳	طریقتِ شریعت الگ نہیں	۵۹۷		کی تفصیل	
۱۲۴	حقیقتِ بنائے اسلام	۶۰۹	۱۳۶	روحانی اور مادی محقق	۷۰۰
۱۲۵	مشابہاتِ علم کے تین ذرائع	۶۱۰		میں فرق	
۱۲۶	فتا	۶۱۶	۱۳۷	نظریہ ڈارون و نظریہ آواگون	۷۰۶
۱۲۷	اقطاب کی مجلسِ مشاورت	۶۲۰		کارِ داور مسئلہ وحدت وجود	
۱۲۸	اصولِ طریقت	۶۲۵	۱۳۸	سنداتِ علوم ظاہری	۷۱۷
۱۲۹	آدابِ مرشدی	۶۲۷		و باطنی	



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# حَمْدُ بَارِي تَعَالَى

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ ۝

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ  
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ  
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ  
إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا  
يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ  
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ  
الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ  
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ  
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ  
لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝



# دُرودِ منظوم

از

رأس التابعين امام العاشقين  
سیدنا خواجہ ابوسعید قرنی رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى رَأْسِ فَرِيقِ النَّاسِ  
رحمت نازل کر آئے رب اپر سردارِ گروہِ انسانی کے  
مِنْهُ لِلْخَلْقِ أَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَاسِ  
اسی سے امان ہے واسطے خلق کے خوف کے زمانہ میں  
صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ هُوَ فِي حُرِّ غَدٍ  
رحمت نازل کر اپر اس ذات کے جو قیامت میں شدتِ گرمی میں  
كُلُّ مَنْ يَظْمَأُ يَسْقِيهِ رَحِيقَ الْكَأْسِ  
تمام پیاسوں کو پلائیں گے شرابِ رکوثر کے پیالے  
صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ بِرَجَاءِ الْكَرَمِ  
رحمت نازل کر اپر اُس ذات کے جو اُمیدِ کرم پر  
خَصَّ مَنْ جَاءَ إِلَيْهِ لِعُمُومِ النَّاسِ  
خاص کر دیتا ہے۔ جو آئے اُن کی طرف عوامِ الناس میں سے



صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مُؤْنِسِ كُلِّ الْبَشَرِ

رحمت نازل کر اپر عنم خوار تمام بشر کے

مُبْدِلِ الْوَحْشَةِ فِي الْقَبْرِ بِإِيْتِنَاسٍ

جو بدلنے والے ہیں وحشت کو بیچ قبر کے ساتھ محبت کے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى رُوحِ رَئِيسِ الرُّسُلِ

رحمت نازل کر اپر رُوحِ سَردارِ رُسُلوں کے

نَقْتَدِي نَحْنُ عَلَى أَرْجُلِهِ بِالرَّاسِ

ہم اقتدا کرتے ہیں اپر ان کے قدموں کے اپنے سروں سے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى ذِي نِعَمٍ دَائِمَةٍ

رحمت نازل کر اپر صاحبِ نعمت کے جو ہمیشگی نعمتوں کے مالک ہیں

أَنْعَمَ الْيَوْمَ عَلَى الْخَيْرِ بِلَا مَقْيَاسٍ

انعام کریں گے قیامت کے دن بہتر انعام بغیر حساب و پیمانہ کے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنِ

رحمت نازل کر اے رب اپر صاحبِ شریعتِ حسنہ کے

فَرَّقَ النَّاسَ مَتَى جَاءَ مِنَ النَّسْنَسِ

علیحدہ کیا گیا لوگوں کو جب آیا رُدنیا پر، رذیل لوگوں سے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى ذِي كَرَمٍ أُمَّتِهِ

رحمت نازل کر اے رب اپر ذاتِ کریم کے اُس کی اُمت

تَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِي الْحَشْرِ بِلا وَسْوَاسٍ

داخل ہوگی جنت میں حشر کے دن بغیر وسواس کے



صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ هُوَ لَوْلَاهُ لَمَّا

رحمت نازل کرے رب اپر اس ذات کے اگر وہ نہ ہوتے

يَشْمَلُ النَّامِيَةَ الْكَوْنُ مَعَ الْحَسَّاسِ

اکٹھے ہو جاتے کائنات میں جمادات نباتات ساتھ جانداروں کے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ هُوَ عِصْمَتُهُ

رحمت نازل کرے رب اُس ذات پر جس کی پاکیزگی کے سبب

يَعِصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّيَّهِ مِنَ الْخَنَاسِ

بچاتا ہے حق اپنے دوستوں کو شیطانوں کی شر سے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ هُوَ عَاذِبُهُ

رحمت نازل کرے رب اپر اُس ذات کے جس نے پناہ لی اس سے

لَمْ تَصِلْ قَطُّ إِلَيْهِ يَدِي الْوَسْوَاسِ

نہیں پہنچیں گے کبھی طرف اس کے ہاتھ شیطان و وسوسہ ڈالنے والے کے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى مَنْ هُوَ بَارِقَةٌ

رحمت نازل کرے رب اپر اس ذات کے جس کی چمک

السَّيْفِ قَدْ أَذْهَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسِ

تلوار کی سی تحقیق اچک لے جاتی ہے روشنی سورجوں کی

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَى صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ

رحمت نازل کرے رب صاحب اشرف المخلوق کے

مَيِّزَ النَّاسِ بِهِ الْفَصْلَ مِنَ الْأَجْنَاسِ

ممتاز ہوتے لوگ ان کے الگ کرنے سے باقی جنسوں سے



صَلِّ يَا رَبِّ عَلَيَّ مَنْ لِنَحِيلِ الْكَرَمِ

رحمت نازل کر اے رب اس ذات پر جو بخشش کے درخت

فِي رِيَاضِ الْأُمَمِ الْيَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسُ

لگائیں گے بیج باغ امت کے واسطے ہمارے قیامت کے دن

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَيَّ مَنْ بِغِنَاءِ الْكَرَمِ

رحمت نازل کر اے رب اپر اس ذات کے جس کی کرم کی دولت سے

مِنْ بُيُوتِ الْفُقَرَاءِ يَذْهَبُ بِالْأَفْلَاسِ

نقیہوں کے گروں سے چلی جائے گی مفلسی

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَيَّ عِثْرَتِهِ الظَّاهِرَةِ

رحمت نازل کر اے رب اپر آل پاک محمد کے

وَعَلَى الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ

اور اپر اصحاب مع حمزہ و حضرت عباس کے

صَلِّ يَا رَبِّ عَلَيَّ مَنْ لَا وَيْسَ مِنْهُ

رحمت نازل کر اے رب اپر اس ذات کے اوپر کے اس سے

طَهَرَ الْقَالِبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْأَدْنَسِ

پاک ہو جائے جسم و قلب تمام میلوں سے





# نعت از امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَنَّتُكَ قَاصِدًا اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں	اَرْجُو رِضَاكَ وَاحْتِمَى بِحِمَاكَ آپ کی خوشنودی کا امیدوار! آپ کی پناہ کا طلب گار
وَاللّٰهُ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِيْ اللّٰه کی قسم اے بہترین خلایق! میرا دل صرف	قَلْبًا مَّشُوقًا لَا يَرُومُ سِوَاكَ آپ کی محبت سے لبریز ہے وہ آپ کے سوا کسی کا نہیں
اَنْتَ الَّذِيْ كُوْلَاكَ مَا خُلِقَ اَمْرٌ آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا	كَلًّا وَلَا خُلِقَ الْوَرَى لَوْلَاكَ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں
اَنْتَ الَّذِيْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ نے آپ کا واسطہ اختیار کیا	مِنْ شَرِّ لِّئِكَ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ اپنی لغزش پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جد بزرگوار ہیں
وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت برہم خلیل اللہ نے دعا کی	بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُورِ سَنَّاكَ اُن کی آگ سرد ہو گئی، وہ آگ آپ کے نور کی برکت بجھ گئی
وَدَعَاكَ الْيُوْبُ بِضُرِّ مَّسَّهُ اور حضرت یٰؤبؑ نے اپنی بیماری میں آپ کے وسیلے سے دعا کی	فَاُزِيلَ عَنْهُ الصُّرْحَيْنِ دَعَاكَ تو اُن کی دُعا مقبول ہوئی اور بیماری دور ہو گئی
وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتَى بِشَيْرٍ اَمَّ خَيْرًا اور آپ ہی کے ظہور کی خوشخبری نے کہ حضرت مسیحؑ نے	بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَا دَحَّ اِلْعَلَّاكَ انھوں نے آپ کے حسن و جمال کی طرح دنیا کی اور آپ کے رتبہ بلند کی خبر دی
وَكَذٰلِكَ مُوسٰى لِحَزْلِ مُتَوَسِّلًا اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کرتے رہے	بِكَ فِي الْقِيَمَةِ مُحْتَمَى بِحِمَاكَ اور قیامت میں بھی آپ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے



وَجَمَالَ يُوسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَ  
اور حضرت یوسفؑ کا جمال بھی آپ ہی کے جمال با صفا کا پرتو تھا

طَرًّا فَسُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَاكَ  
پاک ہے وہ جس نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی

فِي الْعَالَمِينَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاكَ  
نہ کوئی ہو وہ ہے نہ ہو گا قسم ہے اسی کی جس نے آپ کو سربلند کیا

عَجَزُوا وَكَلُّوا مِنْ صِفَاتِ عِلَّاكَ  
عاجز رہ گئے، آپ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں

وَحُشَّاشَةٌ مُحْشَوَةٌ بِهَوَاكَ  
اور میرے اندر تو آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے

جُدُّ لِي بِجُودِكَ وَارْضِنِي بِرِضَاكَ  
مجھے اپنی بخشش و عطیے نازل دے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشنے

لَا أُنِي حَنِيفَةٌ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ  
اس جہان میں ابو حنیفہ کیلئے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے

وَهُودٌ وَيُونُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا  
اور حضرت ہودؑ اور حضرت یونسؑ بھی آپ کی حسن سے زینت پاتے

قَدْ فُقِّتَ يَا ظَهَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ  
اے ظہ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی

وَاللَّهِ يَا يَسِينُ مِثْلُكَ لَحَرِيكُنْ  
خدا کی قسم اے یسین لقب! آپ جیسا تو تمام مخلوق میں

عَنْ وَصْفِكَ الشُّعْرَاءُ يَا مُدَثِّرُ  
اے گل والے! آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء

بِكَ لِي قَلِيبٌ مُعْزَمٌ يَا سَيِّدِي  
میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرَى  
اے تمام موجودات کے بزرگ و برتر! اے حاصل کائنات!

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ  
میں آپ کے جود و کرم کا دل سے طلب گار ہوں، کہ

صَلِّ عَلَىكَ اللَّهُ يَا عِلْمَ الْهُدَى

اے ہدایت کے علم سر بلند! مشتاقانِ زیارت کے شوق بے حد

مَا حَنَّ مُشْتَقُّ إِلَى مَشْوَاكَ

کے مطابق، قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپ پر نازل رہا ہے



## نعت رسول مقبول ﷺ

نہیں تعریف ممکن انس و جاں سے      کہ وہ محبوب ربِّ کبریا ہے  
 بشر تمثیل یک حرفِ عیاں ہے      وجود ان کا خلق سے ماوریٰ ہے  
 انہیں کے نور سے روشن جہاں ہے      کہ وہ وجہِ ظہورِ دو سرا ہے  
 زمین و آسمان صرف ثنا ہے      ہوا جب سے ظہورِ مصطفیٰ ہے  
 مشرف کر دیا انساں کو جس نے      وہ نورِ مصطفیٰ ازابتدا ہے  
 مثالِ حسنِ احمدیت جزایں      کہ یوسف پر تو بدر اللہیٰ ہے  
 نہیں جز عشقِ احمد کام اپنا      کہ وہ ہر انس و جاں کا مدعا ہے  
 فرشتے کیوں نہ دیں سجدہ بشر کو      کہ اس میں پر تو شمسِ لضحیٰ ہے  
 رضائے حق اسی پر منحصر ہے      ملی جس کو رضائے مصطفیٰ ہے  
 کشادہ کیجئے اب دستِ رحمت      کھڑا مدت سے ذریعہ گدا ہے

ملی ہے نور کو نسبت اویسی

کرم اس پر امین کا یہ ہوا ہے



# فقير

فَأَ الْفَقِيرُ فَتَأْتُهُ فِي ذَاتِهِ  
 وَالْقَافُ قُوَّتُ قَلْبِهِ بِحَبِيبِهِ  
 فَرَاعُهُ عَنْ يَّعْنِهِ وَصِفَاتِهِ  
 رَجُوعُهُ لِلَّهِ عَنْ مَرَضَاتِهِ  
 وَالْيَأْ يُرْجُو رَبُّهُ وَيُخَافُهُ  
 وَالرَّاءُ رِيقَةُ قَلْبِهِ عَنْ حَبِيبِهِ  
 وَيُقِيمُ بِالتَّقْوَى بِحَقِّ تَقَاتِهِ  
 مَرَجُوعُهُ لِلَّهِ عَنْ شَهَوَاتِهِ

(جناب شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ)



## شجرہ عالیہ اویسیہ

میتزر رکھ ہمیں تاحد عالم	الہی نسبت شاہ دو عالم
بحق حضرت شاہ ولایت	علی مرتضیٰ شاہ معظم
بحق واقف سر حقیقت	اویسیٰ قرن آں عاشق مکرم
بحق وارث فیض اویسیٰ	لطیف نکتہ داں مشہور عالم
بحق عالم علم لدنی	فقیر لونگ سندھی قبلہ عالم
بحق کامل علم شریعت	ولی بے بدل عارف مکرم
بحق آفتاب علم و عرفان	شبہ نور الزمان فخر دو عالم
بحق ماہ کامل قبلہ ما	متاع جاں آمین حرز جانم
بحق تحفہ شاہ رسالت	ولی عبد الکریم آل خواجہ عالم
بحق اوسحیٰ است در ولایت	عطیہ مصطفیٰ و ابن مریم
بحق وارث فیض امینی	امین الدین امانت دار دینم
دریا شجرہ مرتب نور الدین نے	بگوید پیر ماہست ایں علامم
الہی میرے احباب و فاکو!	اویسی سلسلہ پر رکھ تو قائم
ملے عرفان حق ہر یک نفس کو	رہیں مسرور سب در عشق دائم





حضرت الحاج مولوی محمد امین قریشی اویسی کشمیریؒ



## دیباچہ طبع چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اللہ کے فضل و کرم اور حضور سرور کائنات، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے ”نور العرفان“ کا ایڈیشن چہارم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اولیاء اللہ کی مروجہ سوانح عمریوں میں اکثر ناسوتی کرامات (دل کے حال بتانا۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ کشف قبور۔ طے مقامات۔ ماضی و مستقبل کے احوال بیان کرنا وغیرہ) تزکیہ و مجاہدہ کے حالات و واردات اور عقیدت و وارفتگی کے واقعات ہوتے ہیں۔ لیکن ”نور العرفان“ اس مروجہ ڈگر سے ہٹ کر اچھوتے رنگ میں لکھی گئی۔ جس میں ناسوتی کرامات کے بجائے ایک ولی اکمل صاحب فنا و بقا ہستی کے کمالات ملکوتی اور ان کے میدان کی ملکوتی وارداتوں اور مراتب کا تذکرہ احسن اور دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک ولی اکمل کی سیرت و کردار میں ملکوتی علم کو شامل کر کے ان کی سوانح حیات ترتیب دی گئی ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ حقیقی روحانیت کیا ہے؟ ”نور العرفان“ کا حصہ دوم نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں حضور قبلہ عالم شیخ طریقت الحاج مولانا محمد امین ادیسی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب کے فرمودات کو مختلف موضوعات کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں آداب انسانیت۔ آداب مجلس۔ آداب معاشرت۔ آداب دوستی۔ آداب پیری و مریدی۔ اصول شریعت و طریقت اور دیگر متعلقہ موضوعات کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ فرمودات قرآن و سنت کی روشنی میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہونے کے لیے ایک مکمل عملی نمونہ فراہم کرتے ہیں۔

”نور العرفان“ میں طریقت کے سر بستہ رازوں سے انتہائی خوبصورتی سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ قبلہ و کعبہ حضرت مولائی و مرشدی محمد نور الدین ادیسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ذالک الکتاب“ میں فرمایا کہ ”ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اس صحیفہ کا مطالعہ اپنے ذہن میں تخلیق کردہ عقائد و نظریات



سے علیحدہ ہو کر کیا جاتے۔ تاکہ ہر شخص کو کتاب میں دیئے گئے حقائق پر غور و تحقیق۔ میں اصل و فرع کی تمیز کرنے میں حق و باطل کی پہچان ہو سکے۔ اس کتاب میں پیش کردہ ملکوئی علم آقائے دو جہاں شہنشاہ دو جہاں۔ تاجدارِ ظاہر و باطن۔ منبع و مرکز کائنات۔ وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور اسوۂ کا مظہر ہے۔ جہاں یہ متلاشانِ حق کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ وہیں یہ گم کردہ انسانیت کے لیے ایک واضح چیلنج کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ اس ملکوئی علم سے استفادہ کر کے ہٹکی ہوئی انسانیت اپنے مقصدِ زندگی (مقصدِ پیدائش) کو پانے میں جستجو کرے تاکہ آخرت میں اللہ کے حضور سرخرو ہو سکے۔

حضور قبلہ عالم حضرت مولانا محمد امین اویسی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ ادیبیہ کی خصوصیت میں ارشاد فرماتے ہیں ”اَطْرُقُ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ طَرِيقَةُ الْأَوْسِيَّةِ“۔ ”اور طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب سلسلہ۔ سلسلہ ادیبیہ ہے“۔ بسبب محبوبیت حضرت خواجہ اویسی قرنی رضی اللہ عنہ کہ آپ کو محبوبیت کا اصلی و ارفع مقام حاصل ہے۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ ادیبیہ نے فقیر کو بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت چاہے۔ جتنی بار چاہے۔ بلا اجازت اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو سکتا ہے۔ ”یہ فیض دعائے ادیبیہ کا نتیجہ ہے کہ قیامت تک طالبانِ حق اس سلسلہ سے حقیقی فیض و معرفت الہی حاصل کرتے رہیں گے۔

”نور العرفان“ کا پہلا مختصر ایڈیشن جو چھوٹی تختی کے ۱۶۸ صفحات پر مشتمل تھا ۱۹۷۳ء میں سرینگر سے شائع ہوا۔ دوسرا مفصل ایڈیشن جو کتابت شدہ ۶۷۰ صفحات پر مشتمل تھا ۱۹۸۲ء میں سرینگر سے طبع ہوا۔ تیسرا ترمیم و تصحیح شدہ ایڈیشن جو کمپوٹر کمپوز کیا گیا۔ حضور قبلہ و کعبہ محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ ادیبیہ ایسٹ آباد نے ۱۹۹۳ء میں شائع کرایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ قلیل مدت میں اس کے تمام نسخے طالبانِ حق نے ہاتھوں ہاتھ لیے اور جلد ہی یہ کتاب اسٹاک سے مفقود ہو گئی۔ لہذا سلسلہ ادیبیہ کے عقیدت مند مریدوں کے اصرار پر ایک نئے دیدہ زیب اور دلکش ایڈیشن کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ایڈیشن چہارم جواب قارئین کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس پر کتابت کا کام حضور قبلہ و کعبہ حضرت محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ میں ۱۹۹۵ء



میں شروع ہو چکا تھا۔ حضور نے اس نئے ایڈیشن کے لیے چند مقامات پر اضافی تحریریں بھی بطور وضاحت فرمائیں۔ اس ایڈیشن کو جاذبِ نظر اور خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور گزشتہ ایڈیشن میں رہ جانے والی اغلاط اور کمپیوٹر کمپوزنگ میں پائی جانے والی خامیوں کی درستی/اصلاح بھی کر دی گئی ہے۔ انشاء اللہ اب یہ نیا ایڈیشن اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور یہ کتاب - حقیقی طریقت جو شریعت کے عین مطابق ہے کو سمجھنے اور متلاشانِ حقیقت کو صراطِ مستقیم پر لے جا کر حقیقی مقصد ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ پانے یعنی عرفانِ حقیقت کی طرف راہنمائی کرے (راہین)

### العارض

(۱) محمد بشیر اویسی

(۲) ریاض احمد خیال اویسی

از غلامانِ شیخ طریقت قبلہ و کعبہ

حضرت محمد نور الدین اویسی - امینی کشمیری

۱۹ نومبر ۲۰۱۰ء



## دیباچہ طبع سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط اَلَا اِلٰی اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲-۵۳)

گذشتہ نور العرفان میں جناب الحاج محمد امین صاحب ادیبیؒ قطب الاقطاب۔ ولی اکمل کے اوصاف۔ صفات ولایت کا ذکر ہوا تھا کہ ولی اکمل کی سوانح کے مطالعہ سے۔ ان کے کردار و عمل سے راہِ مستقیم کی نشان دہی حاصل ہو۔ لیکن کسی مستند صحیفہ کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ قاری کے ذہن میں۔ صحیفہ کی تنقید و تائید میں۔ قبل از وقت ایک مستند علم محفوظ ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ صحیفہ کی مقبولیت میں کتاب کا وسیع مطالعہ ہو۔ یعنی کتاب میں بجائے افشاری واقعات کے مدلل حقائق پیش کیے گئے ہوں تاکہ قارئین کو جو کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ اپنی علمی حیثیت پر کھنے کا موقع ملے۔ کہ کوئی کس حد تک علمی مواد رکھتے ہوئے اپنے مقصد حقیقی پانے میں۔ کامیابی حاصل کرنے میں صحیح راہِ مستقیم پر منزل مقصود پر جا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں صحیفہ ”نور العرفان“ میں بعض مقامات معرفت کی ضمناً نشان دہی کی گئی تھی۔ ایک ولی کی سیر میں جو مقامات۔ یا مراتب پیش آتے ہیں۔ اولیائے ان مراتب کی درجہ بندی کی ہے۔ جن میں خصوصی طور پر چند مراتب کا ذکر آتا ہے۔ جو (۱) عالم ناسوت (۲) عالم ملکوت (۳) عالم جبروت (۴) عالم لاہوت سے متعارف ہیں (ان عالموں کی تفصیل۔ کتاب حقیقت تصوف میں بیان کی گئی ہے)۔

ان مراتب کی کُل تکمیل پر ایک طالب حق۔ ”ولی اکمل“ کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ یعنی ایک ولی اکمل ان تمام منازل و مراتب کو طے کر کے معرفت الہی کی تکمیل کر چکا ہوتا ہے ایسا فرد ہی جو اسرار الہی کے مشاہدہ اور معرفت میں کُل طور مراتب طے کر چکا ہو۔ اس قابل ہو سکتا



ہے کہ اس کی راہنمائی میں منازلِ عرفان طے کر کے مقصدِ حقیقی پایا جائے۔  
 مذکورہ مراتب کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ فی زمانہ طریقت میں ایسے شیعہ باز فکر پاتے جاتے ہیں جن کی اطاعت میں بعض فہمیدہ اور صاحبِ علم لوگ عقیدت میں غلط راستہ پر عمل کرتے ہیں حالانکہ طریقت ایسے عمل کو تسلیم نہیں کرتی۔ ایسے قرار بد قسمتی سے عالمِ ناسوت کے مراتب میں چند کرامات کے مظاہرہ سے لوگوں کو اپنا مطیع بناتے ہیں جن سے حقیقتاً راہِ حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقتاً ان منازل میں عالمِ ناسوت ایسا ادنیٰ مقام ہے جس میں ادنیٰ طریق تزکیہ نفس سے کمالات و کرامات کا صدور ہوتا ہے مثلاً دل کے چھپے راز سے آگاہ ہونا۔ قبروں کے حالات بتانا۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ ہوا میں اڑنا وغیرہ۔ رجن کا اظہار ایک غیر مذہب۔ ہندو۔ عیسائی وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ عمل ولایت (فقر) میں شمار نہیں ہوتا جنہیں دیکھ کر عام سادہ لوگ۔ نا سمجھی میں حقیقی فقیری (طریقت) سمجھ کر قبول کر کے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ضرورت ہے کہ عوام المسلمین کو اصل راہِ حقیقت کی نشاندہی کر کے ایک ایسے علم کو پیش کیا جائے جو فی الواقع قرآن و حدیث سے ماخوذ ہو جس کے لیے ایک پیر اکمل صاحبِ ولایت ہستی کے اوصاف حمیدہ کے تذکرہ سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے یقین کیا جاسکتا ہے کہ نور العرفان میں ایک لی اکل کے کردار و اوصاف کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کہ طریقت اور ولی اکمل میں راہِ مستقیم میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے جن سے مقصدِ حقیقی (معرفتِ الہی) کی تکمیل ہو۔  
 اس واحد مقصد کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے۔ گذشتہ مضامین میں چند اضافی حقائق کی وضاحت کو۔ نور العرفان میں شامل کیا گیا۔ تاکہ قارئین کے لیے حصولِ مقصد میں۔ توجہ۔ دل چسپی سے مقصد پانے میں آسانی میسر ہو۔ نیز کتاب کی اصلاح سے راہِ مستقیم کی صحیح نشاندہی ہو کر مخلوق کے لیے۔ آسان راہِ معرفت حاصل ہونے میں آسانی ہو۔

العارض

محمد نور الدین اویسی امینی کشمیری

محرمہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## عرضِ حال

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَفْتَحُ بِحَمْدِهِ كُلَّ رِسَالَةٍ وَمَقَالَةٍ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى  
سَيِّدِ الْأَوْلِيَّيْنَ وَالْآخِرِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ مِنَ الصَّلَاةِ ط

اپریل ۱۹۶۸ء میں حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم پر جب کہ  
خطہ کشمیر کے مختلف قصبات اور دیہات سے مریدوں کا ایک جم غفیر کاشیراہ میں موجود تھا۔ راقم نے  
حضور قبلہ عالم کی مبارک زندگی کے کچھ حالات حاضرین کے سامنے پیش کیے جن کو سن کر سب حاضرین  
انتہا درجہ محظوظ ہوئے۔ اسی وقت چند حضرات نے یہ خواہش کی کہ حضور قبلہ عالم کی زندگی کے حالات  
قلب بند کرنا نہ صرف سلسلہ اویسیہ کے مریدوں کی اشد ضرورت ہے۔ بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی ایمان  
کی تازگی اور حقیقت سے لگاؤ کے سامان فراہم ہوں گے۔ تم ظریفی یہ کہ بارِ عظیم اپنے سر لے لیا۔

سیرت نگاری ایک بہت بڑا فن ہے۔ جس کے لیے علمی۔ ادبی۔ فنی صلاحیتوں سے ایک  
مصنف کا پوری طرح آراستہ ہونا ضروری ہے۔ راقم کو ہر لحاظ سے اپنی کم مائیگی اور لاعلمی کا احساس  
ہے۔ تاہم ”مشکلے نیست کہ آساں نہ شود“ کے مصداق میں نے ایک مبارک صبح کو اس کی ابتداء کی۔ اور  
پہلی ہی نشست میں چند صفحے لکھ ڈالے۔ راقم حضور قبلہ عالم کی زندگی کے تمام حالات سے آگاہی  
نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس سلسلہ میں حضور کے بعض مریدوں کے ساتھ جو برصغیر ہندوستان کے  
مختلف شہروں میں سکونت رکھتے تھے۔ رابطہ قائم کر کے آپ کی زندگی کے متعلق جو واقعات فراہم  
ہو سکے حاصل کیے۔ ان واقعات کی چھان بین میں کافی وقت صرف ہوا۔ اگر وہ سب حالات  
سپر دقلم کیے جائیں تو آپ کی سوانح حیات ایک ضخیم کتاب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اس  
لیے حضور کی زندگی کے حالات میں سے چند مختصر واقعات کو منتخب کر کے اس ”تذکرہ“ میں شامل کیا گیا۔



جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ راقم کو اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ اس لیے قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس تذکرہ میں سیرت کے کسی پہلو کو تشنہ دیکھ کر دل برداشتہ نہ ہوں مجھے اُمید ہے کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سے مستقبل قریب میں کوئی اہل قلم ہوگا۔ جو حضورؐ کی زندگی کے حالات ہر پہلو سے مکمل کر لے گا۔ اور یہ سلسلہ ادیبیہ کے ساتھ وابستہ جماعت پر احسانِ عظیم ہوگا۔

حضورؐ کی ولایت عظیم الشان تھی۔ اس وقت بھی ہزاروں لوگ ایسے موجود ہیں۔ جو آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ آپؐ کے تبحرِ علمی کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ کوئی عالم آپؐ کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ہم تن گوش ہو کر آپؐ کا وعظ سنا پسند کرتا۔ میں نے اس تذکرہ کو صرف اس اُمید پر قلمبند کیا ہے کہ عِنْدَ ذِكْرِ الْأَبْرَارِ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ اللّٰهِ۔ اللہ کے قریب بندوں کا تذکرہ نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری یہ کوشش مقبول ہو۔ اور میرے گناہوں کی مغفرت کا وسیلہ ہو۔ اور اس کو میرے لیے باقیات الصّٰلِحٰت میں ذخیرہ کرے۔ آمین۔

العارض

محمد رمضان اولیسی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تلاشِ حق

۱۹ فروری ۱۹۵۲ء کی ایک شام کو میں — ”یارِ بد بدتر بود از ماری بد“ کی محفل سے گھر پہنچتے ہی اپنے اعمال کا جائزہ لینے لگا۔ تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔ اور قائلِ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ کے پڑے میں خسارہ ہی خسارہ نظر آیا۔ سخت مایوسی ہوئی کہ زندگی کے چند روز اگر اسی طرح لہو و لعب میں صرف ہوئے تو حشر کے دن نبی آفرانِ مآل صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اسی غور و فکر اور پریشانی میں مجھ پر غنودگی چھلنے لگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری رُوح قبض ہو چکی ہے۔ رشتہ دار۔ احباب اور دیگر لواحقین ماتم کر رہے ہیں۔ اور مجھے آخرت کے سفر کی پہلی منزل کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ جنازہ اٹھایا گیا۔ اور لحد میں ڈال کر سب لوگوں کے جانے کے بعد دو برقع پوش سائے نمودار ہوئے اور مجھ سے متعدد سوالات پوچھے۔ لیکن میں کسی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ مجھ پر سخت خوف چھایا تھا اور میرا ذرہ ذرہ کانپ رہا تھا۔ اتنے میں ان دو حضرات میں سے ایک نے کہا۔ ابھی اس سخت کا وقت نہیں آیا۔ یہ کہہ کر اُس نے میرے شانوں پر ایک زوردار لات ماری اور کہا اس کو ایک اور موقع دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی میں ہوش میں آ گیا۔ یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ میرا سارا جسم۔ کپڑے اور بستر کی چادر تک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہے۔ گھر پر نوکر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اُسے آواز دی۔ اُس کی مدد سے کپڑے تبدیل کیے۔ دیکھا تو رات کے چار بج چکے تھے اٹھا اور وضو کر کے بارگاہِ ایزدی میں ندامت کے آنسو بہا کر سربسجود ہوا۔ اور عہد کر لیا کہ آئندہ زندگی کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔ اسی روز صبح کے وقت کسی دینی رسالے کا مطالعہ کرتے کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قولِ مبارک پر نظر پڑی مَنْ دَخَلَ الْقَبْرَ بِلَا ذَاذٍ فَكَانَتْ مَأْوَاةً رَكِبَ الْبَحْرَ بِلَا سَفِينَةٍ جو شخص بغیر توشہ عمل قبر میں داخل ہوا۔ پس اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بغیر کشتی سمندر میں داخل ہو۔ یہ قول پڑھتے ہی رات کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا یارِ بد بن کا۔

۱۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہونے پر ایسے مثالِ مزاب کے ذریعہ تنبیہ کی جاتی ہے۔



اٹھا۔! عاجزانہ دل لے کر پھر سر بسجود ہوا۔ اور گناہوں کی مغفرت مانگی۔ یہ دوسری وارنگ تہیہ

تھی حیران و پریشان تھا کہ اسی کتاب کے دوسرے صفحہ پر عربی کا یہ شعر نظر سے گذرا۔

الْمَوْتُ يَأْتِي بَغْتَةً وَالْقَبْرُ صَنْدُوقُ الْعَمَلِ

دو دن سخت اضطراب میں گذرے۔ تیسرے دن ایک دوست کے ہمراہ حضرت شیخ نور الدین ولی

نورانی کی زیارت پر چار شریف چلا گیا۔ رات وہیں پر قیام کیا۔ اور ہر نماز کے بعد روضہ پاک پر جا کر درود

پڑھتا رہا۔ نماز فجر کے بعد روضہ شریف کے سامنے نیند نے غلبہ کیا۔ اسی حالت میں جناب نور الدین

نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں شرف حضور ی بلائیں نے اپنی بے بسی اور بے مائیگی کا رونا

رویا۔ جناب علمدار کشمیر نے محبت و شفقت سے میرے سر پر دست شریف رکھ کر فرمایا۔ کہ میں تمہیں

ایسی جگہ بھیج رہا ہوں۔ جہاں سے مدینہ شریف ”ڈیڑھ قدم“ کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے تعارفی خط کے

لیے استدعا کی جو انہوں نے مرحمت فرمایا۔ میں بیدار ہوا۔ تو میرا دل ہشاش بشاش تھا۔ اور ظلمت کی تمام

کدورتیں دل سے دور ہو چکی تھیں۔ شاداں و فرحاں گھر لوٹ آیا۔ چند دن گذرے کہ ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب

خاں نیاری سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے پیر کا ذکر پھیرا۔ اور ان کے اوصاف حمیدہ اور فقیری کے

کمالات کا پُر جوش انداز میں ذکر کیا۔ کہ میرا جذبہ شوق بھڑک اٹھا۔ میں نے جان صاحب کو اسی وقت ہمراہ

چلنے کی استدعا کی آپ بھی تیار ہو گئے۔ عصر کی نماز کے وقت حضور پر صاحب کے در دولت پر ہمیں

باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر علمدار کشمیر کا اشارہ حضور کی طرف ہو۔ تو ان کو

خود تعارفی خط کا تذکرہ کرنا چاہیے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور نے پہلی ہی نظر میں میرا نام لے کر فرمایا۔ تیرے

بالے میں چار شریف سے سفارشی خط موصول ہوا ہے۔ یہ سن کر میں حضور کے قدموں پر گر پڑا۔ ہمان <sup>نمازی</sup>

کے لوازمات کے بعد حضور بھی ہمارے ساتھ سری نگر تشریف لائے۔ رات ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب

کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ صبح کے وقت مجھے حاضری کا حکم ہوا۔ یہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روز سید

تھا۔ اسی دن میں حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔ اور اپنے ظاہر و باطن۔ دین و دنیا

کو ان کی نذر کر دیا۔

ڈاکٹر محمد رمضان اولیسی



## گزارش احوال

گذشتہ دور میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب محترم نے مجھے فرمائش کی تھی کہ میں حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات سے متعلق جو کچھ واقعات میرے علم میں ہیں تحریراً پیش کروں چنانچہ میں نے حضور قبلہ عالم سے متعلق چند واقعات مختصراً تحریر کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ موصوف نے حضور قبلہ عالم کی سوانح حیات المعروف ”نور العرفان“ مرتب کی۔

نور العرفان کے مطالعہ سے میں نے محسوس کیا کہ یہ سوانح آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ آپ کی ذات قابل تحسین ہے۔ جنہیں یہ سعادت عطا کی گئی۔ نور العرفان میں ایک اولوالعزم ولی سے متعلق آپ کے روحانی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر اولیاء اللہ کے سوانح حیات میں ان کے ناسوتی زاری کمالات کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے جو عام لوگوں کے لیے کسی حد تک قابل یقین ہو سکتے ہیں۔ لیکن ولی کے کمالات۔ کمالات ملکوتی۔ اصل تذکرہ ہوتا ہے جسے معرفت الہی یا عرفان الہی سے تعبیر دیا گیا ہے۔ بغیر ان کمالات کے اظہار کے ولی کی سوانح مکمل تصور نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضور سے متعلق خصوصیات ولایت کا اس کتاب میں تفصیلاً ذکر ہو۔ اس سے قبل جو واقعات حضور سے متعلق میں نے تحریر کیے۔ نور العرفان کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان واقعات کو دوبارہ تفصیل کے ساتھ بیان کروں اس خیال کے مد نظر میں نے ارادہ کیا کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں رہ کر جو واقعات میرے علم میں ہیں اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ درج کیے جائیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری یہ سعی ڈاکٹر صاحب کی خواہش اور نیک تمناؤں کا ثمر ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے اول سے لے کر اس وقت تک جب مجھے آپ کی مبارک صحبت سے حادثاتی طور پر محروم ہونا پڑا۔ واقعات کو تفصیل سے لکھا۔ اس حال میں کہ ان واقعات کے بیان میں میری حیثیت ”معاون راوی“ کی ہوگی۔

العارض

محمد نور الدین اویسی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ذَالِكَ الْكِتَابُ

”نور العرفان“ کے نام سے موسوم اس کتاب میں ایک ولی اکمل صاحبِ طریقت ہستی کے کمالاتِ ملکوتی اور آپ کی ذاتی سیرت میں اسوۂ حسنہ (اوصافِ حمیدہ) کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کا مطالعہ محض طریقت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔

\_\_\_\_\_ لیکن یہ کتاب اہل طریقت سے سوئی۔ عام حیثیت میں عام عقلِ انسانی کے لیے بھی حصولِ مقصدِ حقیقی میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کتاب کے مطالعہ کے لیے ہر مکتبِ فکر کی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہ یہ کتاب ہر نوعِ فکر کے لیے ایک راہنما اصول۔ طریقِ عمل۔ اور راہِ عمل کی نشاندہی کرنے میں عالمگیر علمی مواد پیش کرتی ہے۔ اس لیے کہ اس صحیفہ میں مجملہ اقسامِ مضامین۔ قرآن و حدیث۔ دفعہ اور دیگر علومِ ظاہری (مادی) کی روشنی میں ترتیب دیئے گئے ہیں جس کا مطالعہ بحیثیتِ عمومی۔ ہر صاحبِ شعور کے لیے بلا تمیز مذہب و فرقہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔

درحقیقت جہاں تک طریقت کا تعلق ہے۔ یہ علمِ شریعتِ اسلامی کی حقیقی بنیاد ہے۔ جس کی اساس قرآن و حدیث اور دفعہ پر ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن ایک عالمگیر علمِ انسانی کی راہنمائی و علم کا داعی ہے۔ جو علم۔ آفاقی۔ قانونِ فطرت اور نظامِ کائنات کے فطری قانون (FUNDAMENTAL LAW) سے مطابقت رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کے الہامی علم۔ الہامی مضامین کے مواد کے عین مطابق ہی کائناتِ عالم کے نظام کی سیئت و ترتیب پائی جاتی ہے۔ قرآن ہو یا حدیث۔ دفعہ ہو یا اجتہاد۔ فلسفہ ہو یا سائنس۔ ہیئت ہو یا کوئی اور علم۔ انسان کے لیے اپنی صحتِ مند نشو و ارتقار کے لیے زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں ایک حقیقی عالمگیر۔ مستند علم سے استفادہ کرنا لازمی اور ضروری ہے جس کے لیے قرآن و شریعت ہی عالمِ انسانی



کی راہنمائی کے لیے۔ ایک عالمگیر اصلاح انسانی کا مواد فراہم کرتے ہیں۔ اسی علم کی ایک شق علم طریقت ہے۔ جو بحیثیت انسان ہر انسان کے لیے واجب التسليم ہے۔ کہ اس علم سے ہر انسان بلا فرق فرقہ بندی۔ اپنے مقصد زندگی میں ایک نتیجہ خیز راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہذا۔  
ذَالِکَ الْکِتَابُ۔ نور العرفان کا مطالعہ عام حیثیت میں۔ ہر مکتب فکر کے لیے صحیح فکر۔ صحیح علم صحیح راہنمائی کی ضامن ہونے میں ”لَا رَیْبَ فِیْہِ“۔ شک نہیں رکھتی۔

اس ضابطہ طریقت میں۔ کائناتی ضابطہ سے ہٹ کر اپنا کوئی فرقہ پرستانہ تصور نہیں بلکہ طریقت۔ کائنات فطرت کے آثار و اسرار کا مشاہدہ و علم حاصل کرنے کا ایک عالمگیر ذریعہ و اصول ہے۔ جو ہر انسان پر۔ بحیثیت انسان ہونے کے حاصل کرنا ضروری ہے۔

بلاشبہ ”نور العرفان“ میں جب کہ اس کتاب میں ایک ولی اکمل۔ صاحب طریقت کی سیرت۔ شریعت و طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کی گئی ہے۔ اور عامی حیثیت میں کسی شخص کے لیے بظاہر اس میں دلچسپی اور مطالعہ کی تحریک نہیں پائی جاتی لیکن یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اسلام میں شریعت و طریقت کا علم تمام کائنات کی تحقیق و مشاہدہ پر محیط ہے۔ اس اعتبار سے اگرچہ حقائق طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن حُسنِ نیت اور طلبِ حقیقت کے جذبہ کے تحت اس کتاب کے مطالعہ سے۔ ہر مکتب فکر کے طالب علم کے لیے ان اصطلاحات کی شکل میں بھی ایک وسیع علمی مواد میسر آ سکتا ہے۔ جو کسی شخص کی راہنمائی کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

طریقت سے تعلق رکھنے والی شخصیت (ولی) ایک عام انسان کی طرح یکساں جسم و روح۔ یکساں قوائے (ORGANS) علمی۔ حواس و عقل و شعور۔ قلب و ذہن رکھتا ہے۔ انہی عام قوتوں کو ایک اصول اور ضابطہ کے تحت استعمال کر کے۔ وہ غیر معمولی قوت حاصل کرتا ہے۔

یہی عمل اسے عام انسانوں میں افضل اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ یہ قوتیں اسی طرح ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر انسان بلا تیز مذہب و ملت۔ انہیں اصولوں اور ضابطوں کے تحت اپنی قوتیں استعمال کر کے یہ فضیلت و مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مقام حاصل کرنے میں فطری صلاحیت۔

فطری طور۔ پاتا ہے۔ گویا۔ دین سے تعلق رکھنے سے ہی انسان کی قوت علمی۔ یا جسم و روح کی خصوصیت کوئی نئی حیثیت حاصل نہیں کرتی بلکہ ہر انسان فطری تخلیق کے تحت یکساں قوتیں حاصل



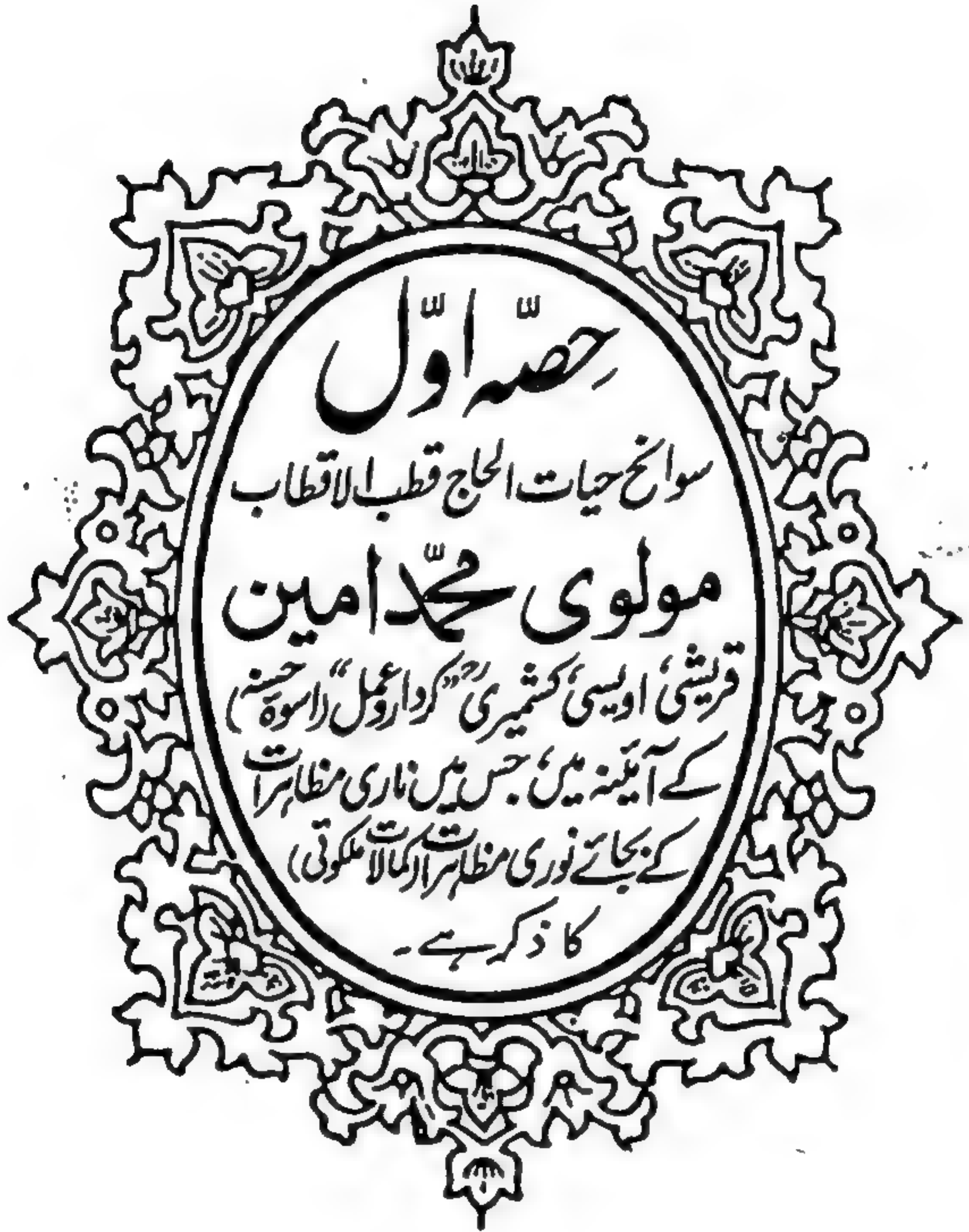
کیے ہوتا ہے۔ اور ان قوتوں کے استعمال کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دین کے مرتب کردہ اصول و ضوابط پر عمل کرنے سے خصوصیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہر دین کے اپنے متعین کردہ اصول و ضوابط طے ہوتے ہیں۔ اور اسلام کے اصول و ضوابط۔ قرآن و حدیث اور فقہ سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جو اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اُمت اولیائے کاملین کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کے تحت اس صحیفہ میں اگرچہ اصول و ضوابط پر عمل سے حاصل شدہ کمالات طریقت کی اصطلاح میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ اصول ہر انسان کے لیے بحیثیت انسان واجب العمل اور واجب التسليم ہیں۔ کہ ان سے اپنی نشو و ارتقاء مادی۔ اور روحانی حاصل کرنے کے لیے رجوع کرے۔ تو ہر شخص اس صحیفہ میں بیان کیے گئے کمالات اور فضائل حاصل کر سکتا ہے۔

الغرض! انفرادی حیثیت میں انسان پر تحقیق کا بنات میں غور و فکر سے تلاش حقیقت کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ صحیفہ ہر انسان کے لیے ایک حقیقی راہ اور حقیقی منزل کی شانہ سی کرنے میں۔ تحقیق و مشاہدہ۔ اور صحیح عمل کے ساتھ راہنمائی کرنے میں مکمل مواد فراہم کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اس صحیفہ کا مطالعہ اپنے ذہن میں تخلیق کردہ عقائد و نظریات سے علیحدہ ہو کر کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص کو کتاب میں دیئے گئے حقائق پر غور و تحقیق میں اصل و فرع کی تمیز کرنے میں حق و باطل کی پہچان ہو سکے!

العارض

محمد نور الدین اویسی امینی







## سلسلہ اولیسیہ کا اجمالی بیان

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)

ہم نے لوگوں میں ایک جماعت کو مخصوص کر دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کے لیے شاہد ہوں۔ اور اس جماعت کے لیے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہوں۔ حصول معرفت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اللہ نے اپنے احکام کی تعمیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی اور وہی عمل ایک خاص جماعت کے لیے اُسْوۃً حَسَنَةً نمونہ عمل بنا اور اس جماعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حاصل کیا گیا نمونہ عمل۔ جو اس جماعت نے اپنایا۔ دُنیا کے لیے نمونہ عمل مقرر ہوا۔ یہی نمونہ عمل سلسلہ دار قیامت تک جاری رہے گا۔

أُمَّةً وَسَطًا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چار خلفاء کو مرتبہ اعلیٰ حاصل ہوا یعنی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ابن عفان جامع القرآن رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کو خلفائے شریعت و طریقت کا اولوالعزم مقام حاصل ہے۔ ان چار خلفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ عالی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا دَامَ الْحِكْمَةُ وَعَلَى بَابِهَا

”ہم پوشیدہ اسرار کا گھر ہیں اور اس گھر کا دروازہ علیؑ ہیں جس دروازہ سے یہ حکمت لوگوں تک پہنچے گی۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ قرآنی علم۔ حقیقت و معرفت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وسیلہ سے لوگوں تک پہنچنا مقرر ہے۔ اس کے علاوہ باقی تین خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی یہ خلافت عطا ہوئی۔ لیکن اجرائے قرآن



میں جیب باطل قوتوں نے مزاحمت کی۔ تو اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام نے وسیع اقتدارِ اعلیٰ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت خلیفۃ المؤمنین۔ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ کیونکہ اب اجماع قرآن کے ساتھ ساتھ اقتدارِ اسلامی کی وسعت اور تحفظ کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے لیے کردار و عمل تقویٰ اور سیاست تدبیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ عالی اس مقام کی اہل تصور کی جاتی تھی۔ آپؓ کے زمانہ خلافت میں اقتدارِ اسلامی کو مزید وسعت ملی جس کے لیے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ انتخاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرآنی آیات الہی کے نزول اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ کہ آپ کی تعریف میں خود اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی نازل فرمائیں۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو ”فاروق“ کا خطاب عطا فرمایا کہ ہمارے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ البتہ ان صفات کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور محبوبیت کا مقام اعلیٰ تھا۔ جس بنا پر انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فوقیت عطا ہوئی۔ اور ان کے بعد اقتدارِ اسلامی کی وسعت و تحفظ کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی آپ کے تقویٰ و تدبیر و سیاست کی خصوصیت پر ہی عمل میں آیا۔ کہ آپ کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کو حد درجہ وسعت و استحکام عطا ہوا۔ آپ کے بعد خلفائے اربعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ مقام حاصل ہونا تھا۔ لیکن اس زمانہ پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اقتدارِ اسلامی نے عرب و عجم میں ایک وسیع سلطنت کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس کے مقابل باطل قوتیں اقتدارِ اسلامی کو ختم کرنے میں ہر چار اطراف سے کوشاں تھیں۔ ایسے وقت میں اقتدارِ اسلامی میں جیب کہ خلیفۃ المؤمنین کے لیے سب سے زیادہ قرآنی علم میں عالم اور متقی ہونا شرط تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے صاحب تدبیر و سیاستدان ہونا بھی ضروری ہوا۔ یہی وہ بنیادی وجہ پیدا ہوئی۔ جس ”وجہ“ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دشمنانِ اسلام کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع دیا۔ اور یہی وہ وجہ تھی جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و وسعت کے نظریہ پر اختلاف



پیدا کیا۔ جب کہ حصولِ خلافت میں نہ ذاتی اقتدارِ حاکمیت۔ نہ ذاتی مالی منفعت کا کوئی تصور موجود تھا جس کے لیے کوئی صحابی حصولِ خلافت کے لیے کوشش کرتا۔ سوائے اس کے کہ مخلوقِ خدا کو اللہ کی حاکمیت میں لانے کے لیے اسلام میں داخل کر کے۔ ایمان و نجاتِ آخرت کے حصول میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ ظاہر ہے اس عمل میں بنیادی تصورِ رضائے الہی کا ہی تھا۔ جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خصوصی طور پر منتخب فرمایا۔ یہ حقیقتِ معرفت کا مقام تھا جو خصوصی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوا تھا۔ یہی خصوصیتِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں عطا ہوئی اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ علماء انبیاء کی ولایت و نبوت کے وارث ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ عَلِيُّ يَا أَيُّهَاكَ مَصْدَقُ وَلَايَتٍ وَمَعْرِفَتُكَ خَلِيفَةُ الْكَبِيرِ مقرر ہوئے۔ جن کے ذریعہ مخلوق کو معرفتِ الہی حاصل ہونا مقرر ہوا۔ یہی خصوصیت درحقیقت طریقت و ولایت سے تعبیر ہے۔ اور آپ کی نسبت سے یہ سلسلہ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ خلفائے طریقت کے ذریعہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ آپ نے اس طریق کو بحکم کمالِ عروج تک پہنچایا۔ آپ کا زہد و ورع مثالی تھا۔ آپ نے علومِ قرآنی کو بھی حد درجہ کمال تک پہنچا کر مخلوق کو اسلام میں داخل کر کے معرفتِ الہی عطا کی۔ آپ کی جدوجہد مجاہدہ۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر نہیں ملتی۔ اس لیے اس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شدید ریاضت و تقویٰ کے صلہ میں آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل ہوا۔ اور زمانہ میں محی الدین محبوبِ سبحانیؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسی لقب سے آپ کے سلسلہ کو ”قادر سلسلہ“ کے نام سے شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی سلسلہ میں حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت ولی کا ظہور ہوا۔ اور آپ کی نسبت سے سلسلہ چشتیہ کو خصوصیت حاصل ہوئی۔ اسی سلسلہ کی اولوا العزم ہستیوں میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے ولایت میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کیا۔ انہیں مقدس ہستیوں سے ہندوستان میں اسلام کا نام روشن ہوا۔ مخلوقِ خدا کو حقیقی راہِ میسر آئی اور انہیں ہستیوں کے مقدس قدموں کی برکت



سے ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود قائم ہوا۔ بلاشبہ — دُنیا کے کونہ کونہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو کہ شریعت و طریقت کا جو سلسلہ ان ہستیوں سے ہندوستان میں قائم ہوا جس سے شریعت و طریقت اور کرامات کا اجرا ہوتا رہا — اور ہو رہا ہے — دُنیا کے کسی ملک میں نہ اس کا چرچا ہے نہ ایسا عمل موجود ہے۔ ان ہستیوں کی بدولت آج دُنیا میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے آج تک ان مقدس ہستیوں کے مزارات مرجع خلافت بنے ہیں۔ یہ زندہ جاوید ہستیاں تھیں جن کا فیض اب بھی زندہ جاوید ہے۔ حضرت معین الدین چشتی حضرت نظام الدین اولیاء حضرت بابا فرید الدین گنج شکر حضرت علی احمد صابری رحمۃ اللہ علیہم جمعین کے مزارات آج بھی فیض و برکات کی روشنی طالبان حق کے دلوں کو منور کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان رُوحوں کو بشارتِ انوار و تجلیات سے سرفراز فرماتے۔ یہ سلسلہ قادریہ چشتیہ صابریہ کی عظمت کا واضح نشان ہے جو ہمیشہ دُنیا پر قائم رہے گا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان میں سندھ و پنجاب کی وہ اولوالعزم ہستیاں شمار ہیں جن میں پنجاب کے اولیاء میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ۔ اور دیگر پنجاب کے ولیوں کی درگاہیں۔ ہمیشہ مرجع خلافت بنی رہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک شاخ میں سندھ کے اولیاء میں شاہ عبدالکریم ملہڑی رحمۃ اللہ علیہ ایک اولوالعزم ہستی کا ظہور ہوا — اور آپ کے فرزند شاہ حبیب اللہ کو آپ سے سلسلہ قادریہ کی خلافت ملی — شاہ صاحب کا بھی زمانہ کے اولوالعزم اولیاء میں شمار ہوتا ہے۔ شاہ عبدالکریم صاحب کی حیات میں شاہ حبیب اللہ کے ایک فرزند شاہ عبداللطیف ہوئے۔ انہیں۔ دونوں۔ دادا اور والد کی تربیت میسر آئی۔ اور یہ مشہور ہے کہ انہیں اپنے دادا شاہ عبدالکریم ملہڑی رحمۃ اللہ علیہ سے قادریہ سلسلہ کی خلافت ملی۔ قادری سلسلہ سے علاوہ شاہ عبداللطیف کو براہِ راست حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے فیض باطنی عطا ہوا۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفاء میں سے ہیں انہیں بھی براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت و خلافت باطنی عطا ہوئی۔ جیسا کہ قادری سلسلہ میں خلافت کا سلسلہ ظاہر جاری ہوا۔ مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں کسی خلیفہ کی شہادت نہیں ملتی۔ سوائے اس کے کہ آپ کسی کو باطنی طور خلافت ملی ہو۔ لیکن یہ امر محقق و مسلم ہے کہ حضرت شاہ عبداللطیف کو حضرت اویس قرنیؒ سے باطنی فیض اور خلافت اویسیہ حاصل



ہوئی۔ اس لحاظ سے سلسلہ ادیبہ کو "غنا" کہا گیا کہ یہ سلسلہ ظاہر نہیں۔ نہ کسی کو ظاہر اور نہ فیض ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبداللطیفؒ کی پیدائش سندھ میں ہوئی۔ جہاں عرصہ دراز تک آپ نے ایک ٹیلہ پر سکونت رکھی۔ اس نسبت سے آپ سندھ میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار مبارک بھی اسی جگہ پر ہے۔ اور علاقہ سندھ کے اکثر عقیدتمند۔ زائرین مزار پر صبح و شام حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا سالانہ عرس بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کی سلسلہ ادیبہ سے متعلق روحانی نسبت تاریخی طور پر منظر عام پر نہ آ سکی۔ سوائے اس کے کہ یہ مشہور ہے کہ آپ کی وفات کی مدت گزرنے کے بعد حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے روحانی طور فیض و خلافت ملی۔ گویا آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی نسبت سے فیض ادیبہ حاصل ہوا۔ حضرت شاہ لونگ سندھیؒ کی حیات میں حضرت شاہ محمد عارف صاحب اردووی کو سلسلہ ادیبہ کی خلافت ملی۔ اور حضرت شاہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب موضع کوٹ چاند نہ کالا باغ ضلع میانوالی کی ایک باکمال ہستی کو سلسلہ ادیبہ کی خلافت ملی اور اسی عظیم و مقدس ہستی سے حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب قریشی موضع کاشیرا تحصیل کمپوڑہ کشمیر کی ذات عالی کو سلسلہ ادیبہ کی خلافت عطا ہوئی۔ یہی وہ ذات گرامی ہے۔ جن کے روحانی کمالات کا اس صحیفہ میں تذکرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شجرہ ادیبہ کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے :

منبع و مخزن نبوت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ



حضرت شاہ محمد عارف صاحب اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضور کے بعد آپ کے خلفاء میں خلیفہ اکبر

جناب خواجہ عبد الکریم صاحب راجہ سخی ولایت خان صاحب

سجادہ نشین جناب امین الدین صاحب

فرزند اکبر حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب

ان خلفاء کے علاوہ حضور کے مریدوں میں کثرت سے ایسے ولی ہیں جن کے ذریعہ سلسلہ اویسیہ کا اجر ہندوستان کے وسیع علاقہ میں بحسن و خوبی تاحال جاری ہے۔ ان مریدوں میں جناب صاحب جزا وہ امین الدین سجادہ نشین کی معیت میں سلسلہ امینی کے اجر میں کشمیر میں جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کو بحیثیت خلیفہ ثانی خصوصی مقام حاصل ہے۔ پاکستان میں بھی اکثر لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہیں جن کی کوششوں سے سلسلہ اویسیہ امینیہ پاکستان کے وسیع علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔

۱۔ تعارف روضہ اویسی جناب شبیر شاہین صاحب چنیوٹ

حضور قبلہ عالم جناب محمد نور الدین اویسی نے وصال سے چند ہفتے قبل فرمایا۔ نور العرفان کے آئندہ ایڈیشن میں چنیوٹ میں جناب شبیر شاہین صاحب کے روضہ کی تعمیر و اراں کی نسبت اویسی پر اضافی مضمون شامل کیا جائے لہذا اس حکم کی تعمیل میں درج ذیل مضمون اضافی حاشیہ کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (محمد بشیر اویسی۔ نوری)

پاکستان کے علاوہ برطانیہ امریکہ اور دیگر ممالک میں بھی سلسلہ عالیہ اویسیہ سے وابستہ مرید کثرت سے موجود ہیں۔ حضرت الحاج مولوی محمد امین اویسی کی نسبت سے پاکستان اور دیگر بیرونی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

ممالک میں ایسی سلسلہ کی داغ بیل ڈالنے اور اجراء کا تمام تر سہرا حضرت قبلہ مولائی و مرشدی محمد نور الدین ایسی امینی کے سر ہے۔ آپ کے مریدوں میں جناب شبیر شاہین صاحب حبیبی باکمال ہستی نے سلسلہ ایسیہ میں داخل ہو کر قلیل مدت میں منازل عرفان تا ذات الہی طے کر کے سلسلہ امینیہ۔ نوریہ میں منفرد مقام حاصل کیا۔ سلسلہ میں داخل ہو کر انہوں نے اپنا ظاہر و باطن پیرا کمال کے حوالے کر کے تادم آخر اجرائے سلسلہ (الدین) جاری رکھا۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۹۴ء کو آپ کی اچانک (معجزاتی) وفات پر آپ کا جتانہ بلیک برن (برطانیہ) سے چنیوٹ (پاکستان) میں ان کے آبائی شہر میں لانے کا فیصلہ ہوا۔

حضرت مولائی و مرشدی کے ارشاد کی تعمیل میں چنیوٹ میں جناب شبیر شاہین صاحب کار و روضہ (روضہ ایسی) سلسلہ ایسیہ کے نشان کے طور پر تعمیر کیا گیا ہے۔ حضور قبلہ عالم کا فرمان ہے۔ کہ سلسلہ ایسیہ حضرت اویس قرنی عاشق رسولؐ۔ خلیفہ باطنی۔ کا طریق ایسی۔ دعائے ایسی۔ فرمودہ رسولؐ (خفی رہا۔ اب ضروری ہے کہ آپ کے ظاہر علم و عمل کا اجرا ہونے کی خاطر۔ مخلوق انسانی تک علم پہنچانے کے لیے سلسلہ ایسیہ کا نسبت ایسی سے نشان دنیا پر قائم ہو سکے۔ دنیا میں مثل روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ روضہ حضرت علی۔ امام حسین و امام حسن علیہم السلام۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور سلاسل کے اولیاء کے روضے مشہور عام مرجع خلائق، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح حضرت اویس رضی اللہ عنہ کا روضہ نہ ظاہر ہے نہ معروف ہے۔ حضرت شاہ عبد الطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے سلسلہ ایسیہ کے اولیاء حضرت شاہ لونگ سندھی۔ حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی۔ سید مولانا نور الزمان شاہ صاحبؒ اور خانوادہ کاظمی فخر الزمان شاہ صاحبؒ اور ان کی اولاد سے سلسلہ ایسیہ جاری ہے۔ مگر ان کی حقیقی ہیئت ادینی معروف نہیں جس وجہ سے مخلوق کو سلسلہ ایسی سے عام حالت میں اجرائے شریعت و طریقت میں۔ سلسلہ ایسی کا فیض میسر نہیں۔ انشاء اللہ شبیر شاہین صاحب سلسلہ ایسیہ (قرنی) کے باسند اولوالعزم ولی کی ذات سے یہ کمی پوری ہو سکے گی۔ کہ مخلوق کو شریعت و طریقت کا ”ملکوتی علم“ میسر ہو گا۔ اور اُمت کو دعائے ایسی کا فیض عام میسر ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



## مسئلہ تقدیر

کائنات کی کسی بھی شے پر خواہ وہ جمادات ہوں یا نباتات ہوں۔ حیوانات ہوں یا انسان غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ ہر شے میں کسی مقصد کی تلاش میں جستجو کا مادہ پایا جاتا ہے۔ کسی شے کی جستجو میں حرکت و عمل کا پایا جانا تب تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں ایک روح کا وجود موجود نہ ہو۔ اور روح کے عمل میں ”جس“ کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک جامد پتھر سے لے کر انسان تک ہر شے میں قانونِ فطرت کے تحت اپنی ہیئت تبدیل کرنے کا مادہ موجود ہے۔ جسے ”فنا“ کہا جاتا ہے۔ فنا بغیر روح اور جس کے نہیں ہو سکتی۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر

بقیہ گزشتہ سے پیوستہ

اگرچہ حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نشاندہی میں شکوک پیدا ہیں۔ اس کا سبب عرصہ دراز سے حضرت خواجہ کے روضہ کی تعمیر میں تاہل ہو سکتا ہے۔ قدرتی طور پر یہ چیز پوشیدہ رکھی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خواجہ ادیس کو اپنی امت کی بخشش کی دعا کے لیے حکم فرمایا ہے۔ اس حکم (حقیقت) سے واضح ہے کہ حضرت خواجہ کا روضہ منشاء الہی کے مطابق سلسلہ اولیٰ سے تعمیر ہوا ہے جو حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے شجرہ سے واضح ہے۔

اسلام میں فی زمانہ جو علم جاری ہے۔ وہ علماء اسلام کا خود ساختہ ہے۔ دین میں جب تک قرآنی تزکیہ نفس کو شامل نہ کیا جائے۔ تب تک دین کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابتدائی تعلیم دی۔ اس مدنی علم کی طرز میں اجرائے دین اور فیضیائی کے لیے چنیوٹ میں ہزار (درگاہ) حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ الغرض الحاج مولوی محمد امین اویسی قطب الاقطاب کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ جس کا مرکز ایبٹ آباد میں ہے معرفت الہی کی کیا دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ منتخب آدمی کا سینہ کھول دے۔ اس مقام پر اللہ کی ذات اور اس کی کائناتی حکمت کو بغیر دلیل کے قبول کیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سینہ کشادہ کر دیتا ہے اور قبولیت کا مادہ ڈال دیتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست      تانہ بخشنده خدائے بخشنده را



حال تک کسی وجود میں دائمی بقا ثابت نہیں۔ بلکہ ہر شے معدوم ہو جاتی رہی۔  
 معدوم — عدم سے ہے۔ اور ”عدم“ میں فنا کو دخل ہے۔ یعنی ایک ہیئت سے دوسری  
 ہیئت میں ظہور کرنا۔ اس سے مراد کسی شے کا وجود — ماقبل کے کسی وجود کی جز یا  
 اجزاء سے بنتا ہے۔ اس ترکیب میں ماقبل کا وجود باقی رہتا ہے۔ اور اس کی جز یا اجزاء  
 سے مابعد کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ مابعد کے وجود کی فنا یہ ہے۔ کہ یہ وجود عدم ہو کر اپنی اصل  
 کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یعنی اپنی ہیئت معدوم کر کے اصل میں مل جاتا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَى أَصْلِهِ

”ہر شے اپنی جزوی ہیئت میں معدوم ہو کر کل میں سما جاتی ہے۔ اسی انتقال شے کو فنا“  
 سے تعبیر دیا گیا۔

اس عمل میں مختلف اجزاء کا — مختلف ہیئتوں میں ظاہر ہونا۔ اور اپنی ظاہری ہیئتوں  
 میں قائم رہنا — یا اپنی ہیئتوں کو ایک معین مدت تک قائم رکھنے میں۔ سامانِ حیات کا حاصل  
 ہونا یا حاصل کرنا اور اپنی وجودی تاثیرات کا الگ الگ اقسام میں قائم رہنا۔ پیدا ہونا۔ فنا ہو  
 جانا۔ اس عمل میں ایک ”جستجو“ کو دخل ہے۔ اس مجموعی عمل کو جس میں ہر شے کا ایک فطری ضابطہ  
 کے تحت پیدا ہونا — فنا ہو جانا — اور اپنی بقا کو قائم رکھنے میں جستجو سے —  
 سامانِ حیات حاصل کرنا۔ ہر شے کی ”تقدیر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے — سونا — لوہا  
 — تانبا — پتیل بظاہر معدنیات میں شامل وجود غیر متحرک۔ غیر ذی رُوح محسوس ہوتے  
 ہیں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان اشیاء کا مختلف شکلوں میں پیدا ہونا۔ ان میں الگ  
 الگ تاثیر کا پایا جانا۔ اور پھر ان کی ساخت اور ہیئتوں کا ایک معین مدت تک باقی رہنا۔ اور  
 پھر فنا ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان اشیاء میں اپنی بقا و فنا کے عمل میں ایک جستجو کا تصور پایا  
 جاتا ہے۔ یہ حرکت و عمل بغیر ”حس“ اور ”رُوح“ کے ممکن نہیں۔ اور ان اشیاء کی بقا و فنا میں  
 حرکت و عمل ایک تقدیر کے تابع ہی مقرر ہے۔ یہ عمل بظاہر بلا ارادہ۔ ایک فطری تحریک کے تابع  
 ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عمل کسی غالب قوت کی تحریک پر ہی منحصر ہے۔ جس  
 قوت کی مرضی کی ہر شے پابند و مجبور ہے۔ یہی نظام کائنات میں ہر شے کا کسی امر کے تحت پیدا



ہونا اور ایک متعین ضابطہ کی حدود میں رہ کر اپنی بقا کے لیے ایک عمل جاری رکھنا "تقدیر" سے تعبیر ہو سکتا ہے۔ اسی تقدیر کے نظام کے تحت ہر شے کی بقا و فنا میں جو عمل متحرک ہے۔ اسے "سعی" یا "جستجو" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگر چند اجزاء — پارہ — شگرف — ابرک — گندھک — نیلا تھوٹھا — زمین کی نمی — سورج کی تپش باہم ایک دوسرے سے متصل نہ ہوں۔ سونا بن نہیں سکتا۔ یہ اتصال خواہ کسی تحریک سے ہو۔ یا بغیر کسی تحریک کے۔ تاہم اس اتصال کے عمل میں ایک تحریک ضرور ہے جس میں "جستجو" کا عمل پایا جاتا ہے۔ اس عمل میں اصل تصور ایک کیفیت کا سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک وجود کا اپنے منبع — اپنی اصل — اپنی علت — سے الگ ہو کر — اپنی تقدیر کے تابع عمل جاری رکھتے ہوئے — اپنی فنا تک پہنچ کر۔ پھر اپنی اصل کی طرف جستجو کر کے لوٹ جانا۔ لہذا یہ تصور لازم ہوگا کہ فنا کے بعد کوئی وجود تقدیر کے تحت نہ یکسر معدوم ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنی ثانوی ہیئت میں معدوم ہو — نہ ہی کوئی شے کسی غیر جنس — یا کسی دوسری اصل میں انتقال کر کے اپنی ہیئت یکسر معدوم کر سکتی ہے۔ کہ اس کا نام و نشان مٹ جائے اور یہ امر خلاف فطرت تصور ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ امر ہے۔ کہ اس مخلوق میں انسان پیدائشی اعتبار سے افضل ترین پیدائش ہے لیکن اس کی پیدائش بھی۔ ایک تقدیر کی پابند ہے۔ انسانی وجودی ہیئت مستقل نہیں — بلکہ چند اجزاء کا مرکب ہے۔ انسان — مٹی — نار — نور کا مرکب ہے۔ اس کی پیدائش بھی۔ تقدیر کے تابع ہے۔ نہ خود مستقل ہے۔ نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ بشری شکل و صورت میں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری ہیئت میں پیدا نہیں ہو سکتا — زمین پر خشکی میں رہ سکتا ہے۔ نہ تاروں میں رہ سکتا ہے۔ نہ جان سکتا ہے۔ پانی میں اپنی مرضی سے رہنے سے مجبور ہے۔ ہوا (آکسیجن) کے بغیر جی نہیں سکتا۔ اپنی ہیئت کے مطابق وہی شے استعمال کر سکتا ہے۔ جو اس کی نشو و نما کے لیے مقرر ہے۔ اور پھر اپنی حیات پر قادر ہے۔ نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔ گویا انسانی زندگی پیدائش سے لے کر موت تک ایک فطری ضابطہ کی محتاج اور مقید ہے۔ کہ ان ضابطوں پر ہی اس کی بقا کا انحصار ہے۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔ جس کا انسان چار و ناچار پابند ہے۔ اور اپنے ارادہ سے اپنی تقدیر بدل نہیں



سکتا۔ اس کے بعد تخلیقی اعتبار سے انسان عام مخلوق میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے عام مخلوق اپنی پیدائش میں فنا کی طرف جانے کے لیے اپنی حیات میں سامانِ حیات کی فراہمی میں۔ اپنی تقدیر میں پابند ہے۔ کہ فطری طور سے جس شے کی ضرورت ہے۔ وہی شے میسر آتی ہے۔ اور وہی شے حاصل کرتی ہے۔ اس کے سوا وہ خلافِ قانونِ فطرت کسی غیر جنس کی طرف جستجو نہیں کرتی۔ بلکہ قانونِ فطرت کی عمدہ اُقتدا پابند رہتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ان کی ذہنی قوتیں محدود ہیں۔ دوسرے ان کے ذہن میں کسی غیر جنس کی پہچان کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ ان کی ”حس“ بھی محدود ہے۔ اس کے مقابل انسان کو اپنی تقدیر میں بہتر حس۔ بہتر ذہنی صلاحیت ملی ہے۔ کہ انسان کائنات کی ہر شے کو اپنے استعمال میں لانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی ذہنی صلاحیت پر وہ اپنے ارادے کو استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ مگر اس کا آزاد ارادہ۔ اور اختیار بھی۔ ایک تقدیر کا پابند ہے کہ فطری حدود سے باہر اپنے ارادے۔ اپنی طاقت استعمال نہیں کر سکتا۔ فطری حدود کے خلاف اپنا ارادہ استعمال کرنے سے انسان حادثات کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی بقائے زندگی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لہذا انسان فطری طور۔ اختیار رکھنے کے باوجود ایک اٹل تقدیر میں پابند و محصور ہے۔ اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تقدیر کی حدود میں رہ کر خیر کو قبول کرے۔ اور شر کے لیے جستجو نہ کرے۔ ایک اہم بات یہ کہ عام مخلوق حیوانی۔ اپنی ذہنی استعداد کے مطابق مختصر سوچ رکھتی ہے۔ اس کی رُج صرف سامانِ حیات کی جستجو تک محدود ہے۔ مگر انسان اپنی پیدائشی خصوصیات کے مطابق۔ جب کہ اس میں دو خصوصی قوتیں نار اور نور پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی فکر۔ اس کی سوچ۔ اس کی جستجو۔ بقائے زندگی سے سوا۔ نوری حدود تک وسیع ہو جاتی ہے۔ اس لیے حصولِ سامانِ حیات سے سوا۔ انسان کے لیے ناری۔ نوری قوتوں سے استفادہ اور علم حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس طرح انسانی عمل میں ناری۔ نوری قوتوں کی تسخیر اور ان کا مشاہدہ و علم حاصل کرنا۔ اس کی زندگی کے مقصد میں شامل ہے۔

انسانی زندگی پر غور کیا جائے۔ تو ظاہر ہو گا کہ نوری رُوح۔ اس کی اصل زمین کی جز نہیں۔ اور ناری رُوح بھی ناری سیاروں کی جنس ہے۔ نوری اعتبار سے اس نوری قوت کا



انسانِ مرکب میں شامل ہونا۔ اس کی زندگی کی بقا کے لیے معاون نہیں۔ نہ اس قوت کا جسمانی بقا سے تعلق ہے۔ لہذا یہ قوت روحانی حیثیت میں استعمال کی جائے گی۔ اس روح کی اصل عالم نوری سے ہے۔ اس سے اس کا عمل واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا عمل نوری عالم کی تسخیر اور علم و مشاہدہ تک وسعت رکھتا ہے۔ نوری قوت کا ودیعت ہونا۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کے ذمہ نوری قوتوں تک رسائی علم اور مشاہدہ اصل عمل ہے۔

اس تمام عمل کا ما حاصل قانونِ فطرت کے مطابق۔ اپنی تقدیر کے تابع اپنی بقا کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ۔ اپنی زندگی میں اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا۔ اس حال میں کہ خاک۔ خاک میں لوٹ جائے۔ نار۔ نار میں لوٹ جائے۔ اور نور۔ نور میں لوٹ جائے۔ جب کہ قانونِ فطرت کے تحت۔ اس کائنات اور انسان کے وجود کا منبع حقیقی نور الہی ہے۔ سو انسان کے لیے لازم ہے کہ فطری تقدیر اور ضابطہ کے تابع رہ کر اپنے منبع حقیقی۔ وصالِ الہی کی جستجو میں اپنے عمل کو وقف کر دے۔ ورنہ انسان اپنی ذمہ داری سے تغافل اور کوتاہی کی صورت میں اپنی اصل سے دور۔ اندھیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھٹکتا رہے گا۔

## کائناتِ خداوندی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطیع ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانی راہنمائی کے لیے ایک خصوصی انتظام کیا ہے کہ اپنی طرف سے ایک کتاب اور ایک راہنما۔ ”ہادی“ بھیجا۔ اس کتاب اور ہادی کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کے لیے۔ عالم نوری کے اسرار و آثار تک رسائی۔ اور اس کا علم و مشاہدہ۔ حاصل کرنا۔ اس عمل میں جستجو کرنا۔ انسانی فرائض میں شامل کیا گیا۔ اسی خصوصیت کے تحت ”قرآن“ اور ایک ”ہادی“ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ یہ طریق جیسا کہ کائنات کی فطری تخلیق ریا خود بخود کیفیات کے ظہور میں آنے میں شامل نہیں بلکہ ارادہ الہی کے تحت ایک اضافی عمل ہے۔ جو ہر انسان کے لیے بلا تین مذہب و ملت یکساں طور پر واجب التسلیم ہے۔ اور اس پر ہر اس پیدائش کے لیے عمل کرنا ضروری ہے جو زمین پر بحیثیت انسان پیدا ہوتا ہے۔ لہذا ہر انسان پر الہی کتاب (قرآن) اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔



خواہ وہ دنیا کا بڑے سے بڑا شہنشاہ ہو۔ یا عظیم محقق۔ سائنس دان ہو۔ یا عظیم سیاستدان  
لیڈر ہو۔ یا قومی قوت کا جرنیل سپہ سالار ہو۔ اس کے لیے قرآنی احکام پر ایمان۔ اور حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت محض ایک مسلمان تک محدود نہیں۔ بلکہ زمین پر پیدا ہونے  
والے ہر انسان پر اس اطاعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اصول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ  
قرآن کا دنیا میں نفاذ ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں آپ کے تابعین۔  
ایک جماعت اسلامی اور دین اسلام کا قیام ہوا اسی جماعت اسلامی کے ذمہ۔ قرآنی تعلیم اور  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اجراء و نفاذ ہونا مقرر ہے۔ یہی جماعت اسلامی علمائے امت  
سے موسوم ہے۔ جن کی اطاعت ہر انسان کے لیے لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں  
علمائے اسلام نے قرآن و سنت کے اجراء میں راہنمائی نہ کر دار ادا کیا۔ انہیں علمائے امت کو۔  
”علمائے شریعت و طریقت“ سے موسوم کیا گیا۔ اس عمل میں جیسا کہ بیان ہوا کہ ہر عالم امت کے لیے  
اُمّۃٌ وَّ سَطْرًا مخصوص جماعت کی حیثیت میں۔ تسلیم قرآن اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے لیے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے مطابق اپنا شخصی  
کردار بطور نمونہ عمل پیش کرنا ہے۔ جس میں کراماتِ اولیاء سے سوا۔ اپنی شخصیت اور کردار پیش  
کرنا ہے۔ اسی بنیادی اصول کے تابع جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ  
کی شخصیت میں۔ ان کے کردار و عمل کو آپ کی سوانح کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ کسی دلی  
کی سوانح حیات میں بنیادی تصور۔ دلی کی سیرت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ بحیثیت انسان۔ سیرت  
کے تصور میں انسانی وجود کی خصوصیات اور اس وجودی خصوصیات کے کیا مظاہر ہوتے ہیں۔  
اس تصور کے مطابق۔ گذشتہ صفحات میں انسانی مرکبات، خصوصیات کا تفصیلی ذکر ہوا کہ انسان تین  
قوتوں سے مرکب ہے۔ یعنی خاک۔ نار۔ اور نور۔ خاکی مظاہرات مادی اور عقلی ہوتے ہیں۔ جن کا مظاہرہ مادی محققین  
سے ہوتا رہتا ہے۔ ان مظاہرات ظاہری کی وسعت مادی حدود تک محدود ہے۔ لہذا ایسے محققین

۱۔ جیسا کہ مادی محققین کائنات کی قوتوں کا علم اور ان قوتوں کے راز کیسے۔ بائیڈروجن۔ برقی قوت۔ ایٹم بم وغیرہ  
سے متجرب کن مظاہرات کرتے ہیں۔



ناری مظاہرات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ ان مظاہرات میں ناری قوت کو کام میں لایا جائے۔ ایسے مظاہرات کی حامل ہستیاں۔ اولیاء میں شامل ہیں جن کے مظاہرات کو کرامات (ما فوق العقل مظاہرات) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مظاہرات ناری ہیں۔ جس میں شریعت کی پابندی سے باہر رہ کر ہر انسان بلا تیز شریعت ایسے مظاہرات کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور ایسے مظاہرات۔۔۔ غیر ولی بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ مظاہرات طریقت میں شامل نہیں۔ سوائے اس کے کہ حقیقی ولی سے۔۔۔ نوری قوت کا استعمال ہو۔ اور اس سے نوری (ملکوتی) مظاہرات کا صدور ہو۔ (نوری مظاہرات باطنیہ)

اولیاء کی سوانح میں اکثر ناری مظاہرات کی خصوصیات کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن اس خصوصیت سے ولی کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے نوری مظاہرات (کمالات) کا اظہار نہ کیا جائے۔ اسی تصور کے ساتھ حضور پر نور جناب الحاج مولوی محمد امین ادیسی رحمۃ اللہ علیہ کے نوری مظاہرات میں۔ کمالات ملکوتی کا تذکرہ اس صحیفہ میں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم جناب محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف سے ابتدا کی جاتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سوانح کے مطالعہ میں۔ گذشتہ بیان کیے گئے بنیادی حقائق کی روشنی میں۔ واقعات و کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس سوانح کے مطالعہ سے ہر مکتب فکر کے طالب علم کو خواہ وہ کسی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ حقیقت پہچاننے میں تشنگی باقی نہ رہے گی۔ اس سے پیشتر حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے متعلق آپ کی روحانی نسبت (قادری۔ ادیسی) کا ذکر ہوا۔ کہ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہ واسطہ حضرت شاہ عبدالکریم بلہڑی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے فیض کے امین ہیں۔ اور حضرت عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ۔ محبوب خدا۔ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی فیض نبوت کے امین ہیں۔ جہاں تک آپ کی شخصیت میں اتباع شریعت کا تعلق ہے۔ آپ نے بحیثیت پیر اپنی شرعی عبادتوں میں کسی نمائش کا اظہار و اہتمام نہیں کیا۔ نہ ہی اپنے لباس میں کسی ظاہری نمائش کا اظہار کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ کامل صاحب شریعت ہیں۔ آپ اتباع شریعت کو ایک



اہم فریضہ سمجھ کر عام آدمی کی حیثیت میں — سادہ انداز میں نماز ادا کرتے — اس حال میں کہ اس عبادت میں نمائش کا احساس نہ ہو۔ نماز کا وقت ہوا — مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ سادگی سے اٹھتے نماز ادا کی — یہاں تک اہل مجلس پر بھی تنقید نہ کرتے۔ کہ تم بے نمازی ہو۔ ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے! — یارات میں تہجد کے لیے اٹھیں تو آہستگی سے اٹھتے۔ مبادا کسی شخص کی نیند میں خلل واقع ہو۔ آپ نے اپنی صحبت میں رہنے والے مریدوں کو تہجد کے لیے اٹھنے کے لیے کبھی شدت سے کام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ جس نے چاہا اپنی مرضی سے تہجد میں شرکت کی۔ آپ سادہ۔ عام غریبانہ لباس پہنتے۔ جس سے پیرانہ نمائش محسوس نہ ہوتی۔ جو لباس گھر کی خلوت میں ہوتا — وہی لباس ہر مجلس میں ہوتا — اس میں تخصیص نہ تھی۔ کہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے یا اپنی شخصیت کا تاثر دینے کی غرض سے فقیرانہ نمائش کے خیال سے لباس کی وضع قطع میں صفائی کا خاص خیال فرماتے یا چغہ۔ عمامہ تبیح کے ذریعہ آپ کی فقیرانہ ہیئت محسوس ہو۔ اس وجہ سے ان کی ظاہری شخصیت۔ ان کے ظاہری لباس کی محتاج نہ رہی — یہاں تک کہ گھر میں ہوں۔ یا گھر سے باہر دوران سفر۔ ان کی شخصیت کو پہچانا نہ جاسکتا تھا۔ دوران سفر آپ کی غریبانہ حیثیت کو دیکھ کر کوئی آپ کو حقارت سے دیکھتا۔ تو آپ نے ایسی حقارت کو خاطر میں نہ لایا۔ نہ ان کے قلب و ذہن پر ”انا“ کا تاثر پیدا ہوا۔ حضور کی شخصیت تو نوری تاثر رکھتی تھی — ٹھنڈا دل و دماغ پرسکون — آپ سوائے ”آواز دوست کسی آواز سے متاثر نہ ہوتے“ — یہ آپ کی عظیم وسعت قلبی کی دلیل تھی — اپنے احباب کی صحبت میں آپ اپنی روحانی برتری حیثیت کو نہ خود محسوس کرتے۔ نہ کسی کو محسوس ہونے دیتے۔ اپنی پاک مجلسوں میں آپ ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز سے منزہ تھے آپ کی مجلس و صحبت میں اعلیٰ پایہ کی امیر ترین ہستیاں بھی ہوتیں۔ اور غریب ترین فرد بھی ہوتے۔ عالم بھی ہوتے اور بے علم بھی ہوتے۔ مگر — واللہ! کسی شخص کو آپ کی مجلس میں اپنی برتری — یا کمتری کا احساس باقی نہ رہتا۔ امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل کی تفریق ذہنوں سے محو ہو جاتی — اور کسی شخص پر یہ احساس یا رعب پیری طاری نہ رہتا۔ کہ آپ پیر ہیں۔ اور باقی لوگ مرید! مجلس میں تشریف فرما ہوں۔ تو یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ ان میں پیر کون ہے۔ جب تک کہ کسی مرید سے آپ کے لیے اظہار عقیدت نہ ہوتا — یا آپ کی



زبان مبارک سے کلامِ حکمت ادا ہوتا۔ اس صورت میں لوگ شش و پنج میں پڑ جاتے کہ آیا یہ شخص ولی ہے۔ — آپ کی مجلس میں آدابِ مجلس کا یہ حال تھا کہ اگر آپ پلنگ پر تشریف فرما ہیں تو مرید آپ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے بلکہ بعض اوقات آپ کے گلے میں باہیں ڈال کر اس حالت میں بیٹھتے جیسے ایک دوست آزادانہ دوسرے دوست سے گلے مل کر بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ میں احساسِ برتری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اکثر ایسے بھی دیکھنے میں آیا کہ محفل میں آزاد خیال بحث شروع ہوتی۔ مرید آپس میں آپ کی موجودگی میں ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ آداب کا خیال نہیں۔ — حضور بھی سن رہے ہیں۔ آپ کی طرف سے اس تکرار میں کوئی تعرض نہیں ہو رہا ہے۔ درمیان میں خوش گئی ہو رہی ہے۔ حضور بھی اس ماحول میں شریک ہوتے ہیں۔ خوش کلامی میں خوش گئی کے لفظ کو آپ کے لیے استعمال نہیں کر سکتا فرما رہے ہیں۔ مگر آپ کی خوش کلامی میں۔ رسمی مذاق کے انداز میں رموزِ حکمت و موعظت ادا ہو رہے ہیں۔ دورانِ بحث مرید بھی بعض اوقات آپ پر لطیف طنز استعمال کرتے ہیں خوفِ جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ایسا بھی ہوا۔ دورانِ گفتگو ہاتھ پائی کی نوبت بھی آئی۔ مرید آپس میں زور آزمائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ — عملی طور گشتی رہنا شروع کرتے۔ یعنی رکلاتی پکڑنے میں زور آزمائی کرتے تو آپ بھی اس زور آزمائی میں شریک ہوتے۔ حضور کے مریدوں میں جناب قبلہ راجہ سخی ولایت خان صاحب اور محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان اکثر نوک جھونک ممتی اور کبھی زور آزمائی شروع ہوتی۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب لحیم وقد آور تھے۔ اُنکے مقابلہ میں محمد لطیف صاحب نحیف اور پستہ قد تھے۔ آپس میں بینی پکڑتے۔ — کبھی لطیف صاحب غالب آتے تو کبھی قبلہ سخی صاحب اس زور آزمائی کا مقابلہ حضور قبلہ عالم کی موجودگی میں ہوتا۔ تو ان میں جیتنے والے خواہ قبلہ سخی صاحب ہوں یا محمد لطیف صاحب۔ تو حضور انہیں دعوتِ مبارزت دے کر ان سے بینی پکڑتے۔ اس کشمکش میں کبھی قبلہ سخی صاحب پیر صاحب کے اوپر ہو جاتے۔ اور کبھی پیر صاحب اوپر ہو جاتے اور آخر قبلہ سخی صاحب شکست کھا جاتے۔ سبحان اللہ! اس ہستی کے ماتھے پر کبھی بل نہیں آیا۔ سوائے مثل آفتاب روشن چہرے کے آپ کے لبِ نور پر کدورت کا کبھی تاثر نہ ابھرا۔ اِنْدَ اِھِ اُرْمٰی وَاٰی — حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں سے ملتے تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے متما اٹھتا۔ اور مریدوں کی بھی خوشی کی انتہا نہ ہوتی۔ جیسے —



کائنات کی سعادتیں مل گئیں۔ آپ ملتے جیسے دوست دوست سے ملتا ہے۔ ایک شفیق باپ بیٹے سے ملتا ہے۔ آپ کی موجودگی میں ہر شخص خود کو بھول جاتا۔ ماں باپ کو بھول جاتا۔ بیوی بچوں کو بھول جاتا۔ دنیا کی ہر لذت کو بھول جاتا۔ یہ ایک فطری اثر تھا۔ کہ آپ کی ذات سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ تھی۔ ہر فرد اپنی تمام محبتوں میں صرف آپ ہی کا شیدا ہوتا۔ کیوں نہ ہو اس اندازِ شفقت پر کون آپ کی ذات سے سوا۔ لائقِ محبت ہو سکتا ہے۔ سچ پوچھتے کسی کو علم ملے یا نہ ملے۔ کسی کو معرفت ملے یا نہ ملے۔ آپ کی ذات کا ملنا ہی ہمارا مطلع نظر ہو کر رہ گیا تھا۔

○ نہ غرض حرم کے وقار سے نہ صنم کدے کی بہار سے  
ہمیں کام ہے درِ یار سے درِ یار بھر درِ یار ہے  
یہ شعر ہمارا وظیفہ بن کر رہ گیا تھا۔ یہی تو بات ہے۔ کہ لوگ فقر اور معرفت کی خواہش لے کر آتے۔ مگر چند محبتوں میں ہی۔ وہ اپنا مقصد بھول جاتے۔ پھر کسی نے یہ نہ کہا کہ مجھے کچھ دکھادیں۔! مجھے کچھ بتادیں۔ بس ایک سوز کی جلن ملی۔ یہی ہمارا مقصد۔ یہی ہمارا عمل۔! یہی کچھ آپ کی بیعت میں ملا۔ یہی کچھ آپ کی صحبت میں ملا۔ اسی کی تناہ اس شخص نے کی۔ جس نے رمزِ فقری کو سمجھا۔ خدا گواہ ہے۔ ایہ افسانہ نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے۔ آپ کے مواعظِ حسنہ میں حقیقت کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے دکھائی دیتے۔ آپ ہمیں آدابِ طہیّت۔ آدابِ محبت سے آراستہ کرتے۔ کہ محبت ہی طریقت کی رُوح ہے۔ رات کے تہجد سے نہیں۔ تزکیہ و مجاہدہ سے نہیں۔ فنا کشی سے نہیں۔ صرف محبت۔ محبت پر ہی اصل ہے۔ حصولِ معرفت کی۔ پس جس میں جتنی استعداد ہوئی۔ اس نے معرفتِ حقیقی میں مراتب کا خود بخود اتنا ہی مشاہدہ کیا۔ ہاں! حضور کی صحبت نے۔ یہ ادب سکھایا کہ کسی فرد کو اپنے مراتب میں ”فخر و انا“ کا احساس نہ ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ ایسی سلسلہ میں آپ کی شخصیت نہ عام فقراء کی طرح مشہور ہوئی۔ نہ آپ نے کسی کرامت کا اظہار کیا۔ نہ ان کے مریدوں سے فقیری کا مظاہرہ ہوا کیونکہ آپ کے مریدوں میں بھی کسی پر آدابِ شریعت میں لباس و وضع قطع کی مخصوص پابندی نہ ڈالی گئی۔ خود حضور نے بھی ولی اکمل ہوتے ہوئے فقر کی انکساری کی



ظاہری نمائش نہ کی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی اپنی فقیری کا احساس نہیں کہ میں  
 ولی ہوں۔ یوں کہا جائے کہ حضور اس عمل کو ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتے جس میں کسی خصوصیت  
 کا احساس نہ پایا جاتا۔ حضور قبلہ عالم ایک بے پایاں سمندر تھے جس کی وسعت پانا ممکن نہ تھا۔  
 طریقت میں ایک ولی سے مافوق العقل کرامات کا صدور۔ ولایت کی دلیل کے لیے ضروری  
 ہوتا ہے۔ جیسا گذشتہ زمانوں میں انبیاء کو معجزات دیتے گئے۔ لیکن حضور قبلہ عالم نے ایسی کرامات  
 کو نہ اہمیت دی۔ نہ ان کرامات کا دلیل ولایت میں سہارا لیا باوجود صاحب کمال ہونے کے  
 آپ نے ارادۂ کسی کرامت کا اظہار نہ کیا۔ حالانکہ آپ کے مریدوں سے اکثر کرامات کا  
 صدور ہوتا رہا۔ برعکس اس کے آپ نے دنیوی معاملات میں مشکل سے مشکل وقت پر بجائے  
 کرامات استعمال کرنے کے۔ تدبیر و فکر سے کام لیا۔ ظاہری تدبیر میں بھی آپ بحد کمال فہم  
 رکھتے تھے۔ گھر کے کاروبار میں اپنی ذات سے محنت کرنے۔ اور مریدوں کو بھی تدبیر و فہم  
 استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا۔ تو فوراً اُس تک پہنچ جاتے۔  
 اور اس کی مشکل میں شریک ہو جاتے۔ حضور اپنی ذات کے لیے کسی سے مدد کے طلب گار  
 نہ رہتے۔ نہ کسی مرید کے آگے دست سوال دراز کرتے۔ اپنی ذات اور محنت سے جو کچھ میسر آیا  
 ۔ اسی پر قناعت فرماتے۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ گھر میں اپنے ہمان مرید کی خود خدمت  
 کرتے۔ جب ہمان رخصت ہوتے۔ تو اس کے ساتھ گاؤں سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر بازار  
 تک الوداع کرنے جاتے۔ ہمان کا سامان خود اٹھاتے۔ اپنے مریدوں کو خوش آمدید کہنے  
 میں خوشی کا اظہار فرماتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ کسی ہمان۔ یا کسی مرید کو آپ کے  
 دولت کدہ پر آپ کی ملاقات کے لیے۔ باہر رہ کر انتظار کرنا پڑتا۔ بلکہ جب تک ہمان گھر پر  
 موجود رہے۔ ہر لمحہ اس کی صحبت میں رہتے۔ اور کسی پر اپنی تکلیف یا ذاتی مصروفیت کا احساس  
 نہ ہونے دیتے۔ تاکہ اسے محسوس نہ ہو۔ کہ میرا آنا ان کے لیے باعث تکلیف ہوا ہے۔  
 حضور قبلہ عالم زمینداری کرتے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں ہل جوتا اور فصل بونا۔ ان کے لیے  
 معیوب نہ تھا۔ فصل سے کچھ بچ جاتا تو وہ اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ حقیقت ہے  
 کہ اس سے بڑھ کر آپ کے اسوۂ حسنہ کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ اصل فقر بھی یہی ہے۔ البتہ



کبھی کبھی کسی نازک مرحلہ پر آپ نے مرید کی مشکل میں رحیم وقت تدبیر کی حد سے باہر ہو کر امانت کا اظہار فرمایا۔ مگر وہ بھی مصلحت کے تابع۔ یا خود بخود اظہار ہوا۔ ورنہ فقیری کی ضمانت کے لیے آپ نے کبھی کرامت کو وجہ دلیل نہیں بنایا۔

ہجرت حبشہ کے وقت جب ہاجرین مکہ کا ایک قافلہ حبشہ پہنچا۔ تو ابوسفیان نے شہنشاہ حبشہ سے ہاجرین کو واپس لینے کی درخواست کی۔ شہنشاہ حبشہ نے ابوسفیان کو دربار میں بلا کر پوچھا کہ رسالت کا دعویٰ کرنے والی ہستی تمہیں کیا کہتی ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا وہ فرماتے ہیں۔ اللہ ایک ہے۔ وہی قابلِ عبادت ہے۔ اسی کی پرستش کرو۔ بت پرستی سے منع کرتے ہیں وغیرہ۔ شہنشاہ حبشہ نے پوچھا۔ اس کے کہ دار کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ وہ سچا اور شریف ہے۔ شہنشاہ حبشہ نے پوچھا اس ہستی کے ساتھیوں میں کیسے لوگ ہیں امیر ہیں یا غریب؟ اس کے اجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوا۔ تو ابوسفیان نے جواب دیا۔ کہ ان کے اجداد میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ ان کے ماننے والوں میں اکثر غریب اور غلام ہیں۔ شہنشاہ حبشہ نے کہا۔ ان حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رسالت کی یہ دعویٰ درہستی۔ نہ شہنشاہی چاہتی ہے۔ نہ حکمرانی نہ اقتدار کی ہوس ان میں ہے۔ نہ مال و زر کی خواہش۔ بلاشبہ یہ ہستی رسول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں آپ کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کو وحی کی راہنمائی ابھی میسر نہ تھی۔ اسی دور کا کہ دار آپ کی شخصیت کی ضمانت بنا۔ یہ آپ کا اس زمانہ کا کردار تھا جب کہ معاشرے کا کردار پست و ذلیل ہو چکا تھا۔ انسان بد اخلاق۔ فسق و فجور کا مجسمہ تھا۔ ماحول میں۔ زمین کے ایک ذرہ پر بھی حسنِ اخلاق۔ حسنِ کردار کی ایک رقم بھی پائی نہ جاتی تھی۔ جس سے کسی انسان کو حسنِ کردار کی تحریک ملتی۔ ہاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامی زندگی۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کا ذاتی کردار تھا جو کسی تربیت سے حاصل نہ ہوا تھا۔ یہی وہ کردار تھا۔ جس پر۔ مکہ کے ان لوگوں نے۔ جو بد کرداری کا مجسمہ تھے۔ جن میں شراب۔ ہوا۔ زنا بے حیائی اور ہریدی معیوب نہ بھی جاتی تھی۔ وہ کسی نیک خصلت کو نہ پسند کرتے تھے۔ نہ نیک کا ان کے ذہنوں میں کوئی تصور تھا۔ لہٰذا صورت میں ایسے لوگوں کا کسی خوبی سے متاثر ہونا ممکن نہ تھا۔ مگر۔ انہی لوگوں



نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی کردار سے متاثر ہو کر آپ کا امین و صادق و شریف و حلیم ہونا تسلیم کیا۔ جہالت کے تصور میں۔ یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ وہ لوگ عقل و خرد سے خالی تھے۔ نہیں۔ زمانہ کا تصور کیا جاتے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جن میں باکمال ادیب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے۔ محقق بھی تھے۔ سپاہ گری بھی تھے۔ جرنیل بھی تھے۔ مدبر سیاست دان بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن ہم گذشتہ محققین لقمان۔ ارسطو۔ افلاطون۔ ارسطیدس کے تمام علوم۔ فلسفہ۔ علم ہیئت و نجوم۔ پہنچ چکے تھے۔ کمی تھی تو اخلاق حسنہ کی اور خیر و شر کی تمیز کا فقدان۔ مگر۔ ہاں!۔ یہ وہ آفتاب عالم تاب تھا۔ جس کی تجلی کی شعاعوں سے کوئی ذہن۔ کوئی قلب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مکہ کے لوگوں کو یہ علم نہ تھا کہ یہ ہستی رسول ہے کہ اس رسولی حیثیت پر آپ کا تقدس و جہ شرافت و صداقت ہوتا۔ نہیں۔ صرف آپ کی عامی زندگی کا کردار۔ ہاں! بعد رسالت بھی۔ یہی کہ دار آپ کی رسالت کا ضامن ہوا۔ کسی نے عمر بن ہشام (ابو جہل) جسے ابو الحکم بھی کہا جاتا ہے۔ ابو الحکم کے معنی حکمت کا باپ۔ سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سچا ہے؟ اس نے کہا۔ میں تسلیم کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے۔ تو پھر اس کے قول کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں غلام کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وہ کردار ہے جسے قرآن نے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۳ آیت ۲۱)

کے تصور میں بیان کیا۔ یہ عبادت و عمل نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی کا کردار و اسوہ ہے۔ یہی اسوہ حسنہ عالم امت کے لیے مقرر ہوا۔ اسی اسوہ حسنہ پر عالم امت کے کردار کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔

## حضور قبلہ عالم کی فضیلتِ نسبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نبوت و رسالت میں آپ کی شخصیت کے تسلیم میں اگرچہ کسی حکمرانی یا بادشاہت کا تصور نہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں۔ کہ آپ کی شخصیت



میں اعلیٰ نسب کی خصوصیت کو دخل تھا۔ کہ آپ کو صداقت و شرافت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ ذریت اسماعیل علیہ السلام سے ورثہ میں ملی کہ آپ قریش و ہاشم کے اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتے تھے جس خاندان کی شرافت و نجابت تمام قوم عرب میں مسلم تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں پکار کر فرمایا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ہمارے دعوے نبوت میں جھوٹ کا شائبہ نہیں۔ ہماری سچائی کی دلیل ہماری نسب برتری بھی ہے۔ ہم نسل عبدالمطلب سے ہاشمی و قریشی ہیں۔ لہذا دعوے صفات نبوت و ولایت میں۔ نسب شرافت کو بھی دخل ہے۔ ایک مقتدر ہستی کے لیے اعلیٰ نسب ہونا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ کسی حیثیت میں وہ ادنیٰ درجہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسب شخصیت بھی عظیم تر تھی۔ آپ کشمیر کے ایک گوجر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جن کی اصل قبیلہ قریش سے تھی۔ قبیلہ قریش کے مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا شجرہ ملتا ہے۔ اور حضرت دحیہ کلبی کا شجرہ نسب پانچ پشتوں سے حضرت کعب علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ حضرت کعب علیہ السلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد۔ قبیلہ قریش۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کے بعد۔ دحیہ کلبی بھی آپ پر ایمان لائے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کے ایمان لانے کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی راہ میں ردائے مبارک بچھا دی۔ حضرت جبریل امین اکثر اوقات (فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا)

دحیہ کلبی کی شکل میں متثل ہو کر دربار اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا مکہ کی معزز ترین شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ وجہ و خوبصورت تھے۔ اور علم و تدبیر میں بھی

---

۱۔ عرب کے دستور کے مطابق کسی شخص کے لیے اظہار عزت افزائی اور خوشنودی کا مظاہرہ اپنی چادر (رداء) بچھانے سے کیا جاتا تھا۔



مکہ کی مدبر شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ کا ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث مسرت ہوا۔ آپ کی کنیت ”کلبی“ تھی۔ آپ مکہ کے امراء میں سیر و شکار کے بے حد شوقین تھے۔ آپ نے شکار کے لیے کتے پال رکھے تھے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ بعض شخصیتوں کے القاب و کنیت۔ ان کی مخصوص صفات پر رکھے جاتے۔ جیسے حضرت عبدالمطلب — کی کنیت شیبہ تھی۔ شیبہ کے معنی بوڑھا۔ وہ اس لیے کہ آپ کے سر کے چند بال بچپن سے ہی سفید تھے۔ اس صفت پر آپ کو شیبہ کے لقب سے پکارا جاتا۔ اسی طرح آپ کی کنیت۔ کتوں کے پالنے کی وجہ سے ”کلبی“ رکھی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک — دھیہ کلبی اپنی شخصیت کے اعتبار سے پسندیدہ تھے۔ اس لیے آپ کے اسلام میں داخل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفور مسرت میں آپ کے آگے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ یہ آپ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور عزت افزائی کا اظہار تھا سبحان اللہ! — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کا اعزاز ملنا۔ کائنات کا عظیم ترین اعزاز تھا۔! — آہ! — یہ وہ ردائے مقدس ہے۔ جس کی عظمت عرش — سدرۃ المنتہی — سے بھی بلند — جس کی ہوا کو ملائکہ کی قدسیت بھی نہ پاسکے۔ اس کی ہمسری۔ ملائکہ کے سردار جبریل بھی نہ کر سکے۔ جہاں سدرۃ المنتہی سے آگے جبریل کو ٹھہنے کی ہمت نہ ہوتی — کہا:

اگر یک سرموئے برتر پریم فروغ تجستی بسوزد پریم

وہاں

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ ۖ أَوْ أَدْنَىٰ ۚ

کے مقام شانہائے نبوت پر انوار و تجلیات و تدلیات الہی کو اس ردائے مقدس نے اپنے میں سمیٹا — جہاں تمام انبیاء صاحب منزل صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہاں یہ ردائے مقدس امام الانبیاء کے دوش اطر پر چمک رہی تھی۔ شہنشاہ کون و مکان کا علم بن کر لہرا رہی تھی — کہاں انبیاء کے سروں کا سایہ! — کہاں حضرت دھیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے لیے فرشِ راہ کا اعزاز! — کہاں حاملانِ عرش کا فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گردنعلین کی تمنا! — جب ہی تو حضرت جبریل امین سردار ملائکہ کا آپ کی شیبہ کے متحمل ہونا پسندیدہ ہوا —



یہ وہ اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔ جو خاندانِ دحیہ کلبیؑ کو ورثہ میں ملا۔ جس اعزاز پر اس خاندان کو فخر حاصل ہے۔ یہی نسبِ فضیلت حضور قبلہ عالم حضرت الحاج مولوی محمد امینؒ کی ذاتِ عسالی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبِ ورثہ میں ملی۔ جس شجرہ مقدسہ کے اشجار حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے فرزندِ بزرگ حضرت عبداللہ بن دحیہ کلبی سے سلسلہ وار۔ جناب عبدالجمال۔ جناب عبدالعارف جناب حافظ کمال۔ جناب حافظ مراد۔ جناب حافظ محمود۔ جناب میاں غازی۔ جناب حافظ رحمان۔ جناب حافظ شمس۔ جناب حافظ سرخہ۔ جناب حافظ لکھن۔ جناب حافظ غلام۔ جناب میاں عمر۔ جناب میاں امیر جناب میاں مالک۔ جناب میاں حاجی۔ جناب میاں موسیٰ۔ جناب میاں سکر۔ جناب حافظ لقمان۔ جناب حافظ خوشحال۔ جناب حافظ شفیع۔ جناب حافظ قائم۔ جناب حافظ الیاس جناب میاں شکر اللہ۔ جناب میاں نظام الدین۔ جناب میاں مراد۔ جناب چوہدری میاں پٹھانہ۔ جناب چوہدری میاں راتہ۔ جناب چوہدری میاں عبداللہ۔ جناب چوہدری محمد اسماعیل۔ جناب چوہدری برخوردار۔ جناب میاں رحن۔ جناب چوہدری سنان۔ جناب چوہدری جیون۔ جناب میاں نصر۔ جناب میاں جمال۔ جناب میاں سلام۔ جناب میاں سید۔ جناب حبیب اللہ۔ جناب میاں تاج محمد۔ جناب میاں کالا۔ جناب امام الدین۔ جناب رحیم الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اسی شجرہ مقدسہ کے بار آور ثمر جناب رحیم الدین کے فرزندِ جلیل۔ حضور پُر نور حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحبِ قسری۔ قادری۔ قلندری۔ اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جو اپنے خاندان کی وراثتِ خاصہ کے صحیح منظر ثابت ہوئے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثتِ نبوت و رسالت کے حقیقی منظر و وارث۔ قرآن و شریعت و طریقت کے حامل۔ معنوی صوری فرزند اور آلِ عب (ردا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیضِ حکمت کے بواسطہ قادری سلسلہ وارث۔ اور ردائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز یافتہ شہنشاہِ عشاق حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبوبیت کے وارث جنہیں۔ معنوی۔ صوری حیثیت میں ہر سہ جانب سے ردائے نبوت کا اعزاز و وراثت میں عطا ہے۔ جنہوں نے مخلوقِ انسانی کے لیے حصولِ علم و عرفان۔ آسان کر دیا۔ جنہوں نے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضِ محبوبیت کو جو مدتوں طالبانِ حق کے لیے ”عنقا“ کہا۔ عام کر دیا۔



## حنور قبلہ عالم کی ابتدائی تعلیم

حنور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے آبا و اجداد کشمیر کے کوہستانی علاقہ شاردہ۔ درادہ میں پنجاب سے منتقل ہو کر کشمیر میں وارد ہوئے۔ یہ قبیلہ زمینداری سے تعلق رکھتا تھا۔ نیز علاقہ درادہ ایک دور افتادہ — پہاڑی علاقہ تھا۔ جسے اس خاندان نے اپنی طبع کے مطابق پسند کیا۔ اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی اس کی تفصیل نہ مل سکی کہ اس خاندان کی کونسی ہستی تھی۔ جو پہلے اس علاقہ میں وارد ہوئی، علاقہ درادہ کشمیر کے دور دراز پہاڑوں میں واقع ہے۔ جہاں انسانی آبادی کے لئے آمد و رفت میں آسانی نہیں۔ اس اعتبار سے یہ علاقہ معاشی۔ تعلیمی اور تہذیبی حیثیت میں شہری زندگی کے مقابل پسماندہ تھا۔ اس علاقہ میں یہی ایک خاندان تھا۔ جو اسلامی تہذیب اور اسلامی تعلیم کو اپنے ساتھ لایا۔ حنور قبلہ عالم کے والد محترم بھی وقت کے مشائخ صاحب بصیرت فرائیں سے تھے۔ انہیں بھی یہ خصوصیت اپنے خاندان سے ورثہ میں ملی تھی۔ حنور قبلہ عالم کی پرورش اور تربیت اپنے والد کے ہاتھوں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میں قرآن کریم کی تلاوت اور چند فارسی کتب کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی۔ لیکن قدرت نے جس امر کے لیے آپ کو منتخب کیا تھا۔ اس کے لیے پائالتین۔ چین کی حدوں تک بادیہ پیمانی مقدر تھی۔ یہ ماحول آپ کی علمی تشنگی کو پورا نہ کر سکا۔ چنانچہ فطری وجدان نے آپ کو کائنات کی وسعتوں میں پرواز پر اکسایا۔ آپ نے حصول حق کے لیے ہاجر الی اللہ ہو کر وطن سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ اور طلب حقیقت پر والدین۔ عزیز و اقارب کی شفقتوں۔ اور زندگی کی آسودگیوں۔ آسائشوں کو قربان کر کے۔ حادثاتِ زمانہ کی مشکلات۔ مصائب و آلام اور حصولِ علم میں دشواریوں کو بیک کہہ کر سفر کا آغاز کیا۔ والدین سے اجازت چاہی۔ آپ کے والد بھی صاحبِ علم۔ صاحبِ بصیرت ہستی تھے۔ آپ پہلے ہی اندازہ کر چکے تھے کہ اس معصوم ذرے میں۔ آفتابِ عالم تاب کی ضیائیں عالمِ شہود میں جلوہ گر ہونے کے لیے کائنات کی وسعتوں میں پھیلنے کے لیے وسعت چاہتی ہیں۔ جس کے لیے ہجرت اور سفر کے آلام سے جلا پانا لازمی سنت ہے۔ انہوں نے امید و بیم۔ غم و مسرت کے طے مجلے جذبات سے نکلے ہوئے آنسوؤں سے الوداع کہی۔ اور آپ نے



کوہستان کشمیر کے گنام پہاڑوں سے نکل کر ہندوستان کی وسیع وادیوں کی طرف سفر کا آغاز کیا۔ ابتدائی منزل میں اتر کر ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) میں قیام فرمایا۔ غالباً یہ ۱۹۲۰ء (۱۳۴۰ھ) میں سوہیسی (سوہی) کا زمانہ تھا۔ صوبہ سرحد۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں۔ علم اسلامی کی درس و تدریس کے لیے دینی درسگاہیں۔ علمائے اسلام کی زیر نگرانی قائم تھیں۔ جہاں طالبان علم کو۔ دینی تعلیم سے متعلق۔ قرآن و حدیث۔ فقہ۔ منطق۔ معقول۔ تاریخ۔ حکمت و فلسفہ وغیرہ کا درس دیا جاتا تھا۔ حضور قبلہ عالمؐ نے ضلع ہزارہ سے ہی تعلیم کی ابتدا کی۔ جہاں مسجدوں میں بھی غریبار مساکین یتیم طلباء کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی دور میں چند عربی فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ضلع ہزارہ کے مدرسوں میں تعلیم محدود تھی۔ چنانچہ آپ نے یہاں قرآن کریم کی تلاوت۔ قرأت۔ تجوید اور مزید چند فارسی کتب سے استفادہ کر کے پنجاب کا رخ کیا۔ یہاں بھی چند استادوں سے استفادہ کر کے وسط ہند۔ ریوپی (پٹی) میں دہلی امروہہ۔ دیوبند اور مختلف شہروں میں مشہور اساتذہ سے سبق لیا۔ اس زمانہ میں مسلمانان ہند اور خصوصاً اکابرین علمائے اسلام میں دینی تعلیم کے اجراء کا پورا جذبہ موجود تھا۔ مسلمانوں میں مخیر حضرات دینی تعلیم کے اجراء میں درسگاہوں کی مالی امداد بہم پہنچاتے۔ جن میں ہندوستان میں مسلمان والیان ریاست خصوصاً نظام حیدر آباد میر عثمان علی خان علیہ الرحمۃ نے اسلامی درسگاہوں کے لیے اپنی دولت کے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے۔ اپنی ذات کے لیے موصوف نے حد درجہ سادگی اختیار کر رکھی تھی۔ سادہ خوراک استعمال کرتے۔ معمولی کپڑے استعمال کرتے۔ یہاں تک کہ موسم سرما میں اوڑھنے کا کپڑا تین روپے میں استعمال شدہ خرید کر استعمال کرتے۔ اور جہاں کسی درسگاہ کے عالم نے مدرسہ کے لیے امداد کی فرمائش کی تو یہ رقم لاکھوں روپوں میں ایشا فرماتے۔ ہندوستان کی درسگاہیں ایسی ہی امداد پر چلتی تھیں۔ چنانچہ اسی امداد پر ہندوستان کے بیشتر شہروں میں۔ جملہ علوم دینی کی تعلیم عام تھی۔ حضور قبلہ عالمؐ نے ایسی ہی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں تعلیم کے ساتھ نادار طلباء کے لیے۔ کھانے۔ رہائش کا انتظام بھی میسر ہوتا۔ حضور قبلہ عالمؐ حد درجہ ذہین تھے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ درسگاہوں میں ذہنی صلاحیت اور قابلیت پر داخلہ ملتا تھا۔ آپ کی قابلیت پر آپ کو ہر درسگاہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور خوراک و رہائش کی بہت مہیا کی جاتی۔ اور وظیفہ بھی دیا جاتا۔ اساتذہ آپ پر خصوصی توجہ دیتے۔ حضور خود اپنی تعلیم



میں پوری دلچسپی اور مشقت و محنت سے کام لیتے — ذہن رساتھا۔ اس لیے آپ کو حصول تعلیم میں دقت پیش نہ آئی۔ آپ زیادہ تر وقت تنہائی میں تعلیم پر صرف کرتے — دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جو بھی فراغت کا وقت میسر آیا۔ آپ نے تعلیم میں صرف کیا۔ آپ اکثر اتوں کی تنہائی میں مطالعہ میں مشغول رہتے۔ آپ کی علمی مشغولیت کے مد نظر اساتذہ بھی دل کھول کر علمی

۱۔ حضور قبلہ عالمؐ کے مریدوں میں اکثر تبا کو۔ سگریٹ نوشی کے عادی تھے۔ وہ لوگ حضور کی موجودگی میں بلا جھجک سگریٹ تبا کو استعمال کرتے لیکن آپ کسی شخص سے تعرض نہ فرماتے۔ بعض غیر واقف لوگ اس حرکت کو برا محسوس کرتے۔ لیکن حضور ایسی حرکت کو اہمیت نہ دیتے۔ آپ خود بھی نسوار استعمال کرتے تھے۔ دیوبندی حضرات اس پر اعتراض کرتے۔ لیکن حضور ایسی باتوں پر توجہ نہ فرماتے۔ اس سلسلہ میں ایک دن اپنے نسوار استعمال کرنے کا ایک واقعہ سنایا کہ آپ نے نسوار کیسے شروع کی۔ فرماتے ہیں کہ دوران تعلیم ایک درس گاہ میں۔ آپ کے ساتھ اور بھی طالب علم تھے جو رات کو مطالعہ میں دیر تک مشغول رہتے۔ لیکن حضور پر نیند غالب آجاتی اور زیادہ دیر مطالعہ نہ کر سکتے۔ آخر ایک طالب علم سے پوچھا کہ تم لوگ رات کو مطالعہ کرتے رہتے ہو۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ دیر تک مطالعہ کروں مگر جھپٹ نیند غالب آجاتی ہے۔ اس طالب علم نے کہا رات آپ ہمارے ساتھ مطالعہ میں شامل ہوں — رات جب حضور ان کے ساتھ شریک ہوئے تو طالب علم نے نسوار کی ایک چٹکی منہ میں ڈال دی۔ — چٹکی کا منہ میں ڈالنا تھا کہ آپ کا سر جھپٹنے لگا۔ منہ کڑوا ہو گیا۔ حضور اس کی اس حرکت سے ناراض ہو گئے۔ طالب علم نے ہنس کر کہا — یہی وہ نسخہ ہے — جس سے ہم نیند پر قابو پاتے ہیں۔ اب آپ دیر تک نہ سو سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد سر جھپٹنا موقوف ہوا — اور نیند کا غلبہ بھی نہ ہوا دوسرے دن پھر نسوار کی چٹکی لی جس سے نیند کا غلبہ کم ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ ترکیب کار آمد ثابت ہوئی۔ اب حضور قبلہ عالمؐ نے بھی نسوار کی ڈیبا رکھ لی۔ ایک چٹکی منہ میں ڈالی اور اطمینان سے مطالعہ میں مشغول رہے۔ اسی طرح آپ نسوار کے عادی ہو گئے۔ ذہن نے ذرا تھکاوٹ محسوس کی۔ آپ نے چٹکی بھر لی۔ ذہن حاضر ہو گیا۔ فرمانے لگے یہ عادت ناقص تو تھی۔ مگر اس ناقص چیز نے ہمیں مطالعہ میں کافی مدد دی۔ ذہن اس کا عادی ہو گیا۔ جب کبھی ذہن پر بوجھ ہوا۔ چٹکی لے لیتے ہیں تو کسی حد تک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



حقائق سے انہیں آراستہ فرماتے۔ حضور کی استعدادِ علمی کا یہ عالم تھا کہ دقیق مسائل پر آپ کو عبور حاصل ہوا۔ امتحانی مقابلوں میں آپ اپنے علمی سوالات کا ایسا اجتہادی حل پیش کرتے کہ خود اساتذہ آپ کی ذہانت کی داد دیتے۔ قدرت نے آپ کو القائی قوت عطا فرمائی تھی۔ جیسے آپ کے ذہن میں غیب سے علم آتا ہو۔ اس وجہ سے اساتذہ آپ سے عزت و شفقت سے پیش آتے حضور کو علم سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ علمی نصاب میں مختلف علوم کی کتابیں ہوتیں۔ جن میں اس زمانہ میں ہر نصاب۔ ہر قسم کے علم کے لیے۔ جلیل القدر ماہرین استاد علیحدہ علیحدہ کتاب میں بھی درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کو جہاں کسی جید عالم کا علم ہوا۔ آپ اس کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حصولِ تعلیم میں۔ اساتذہ طالب علم کو ذہنی استعداد کے مطابق پڑھایا کرتے تھے۔ جس میں کم قوت دیکھی اسے اس کی ذہنی استطاعت کے مطابق علم دیا۔ جہاں کسی طالب علم میں ذہنی وسعت دیکھی تو اسے اس کی ذہنی وسعت کے مطابق دقیق علمی حقائق سمجھاتے حضور قبلہ عالم کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ کو استاد اس طرح پڑھاتے جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے سامنے علمی حقائق پیش کرتا ہو۔

(بقیہ ماشیہ ص ۵۵) سکون محسوس ہوتا ہے۔ لہذا ہم نے اس بدعت کو مفید سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ بات ہے کہ سوائے وقتی مفاد کے ہمیں اس سے کوئی مضرت نہیں۔ آپ کے نسوار استعمال کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔ کبھی دورانِ گفتگو جب آپ وعظ فرماتے۔ ذہنی تھکاوٹ محسوس کی۔ ایک چٹکی منہ میں سامنے کے دانتوں میں چند منٹ رکھ کر تھوک دیتے۔ اور ساتھ ہی پانی منگا کر دانت صاف کر لیتے۔ نسوار کی آلائش دانتوں میں نہ رہنے دیتے۔ نہ آپ کے دانتوں سے یہ ظاہر ہوتا کہ آپ نسوار استعمال کرتے ہیں۔ حضور اپنے مریدوں کی ایسی ناقص عادتوں پر نہ تعرض فرماتے نہ انہیں اہمیت دیتے آپ کا قول تھا کہ نسبتِ پیر۔ نسبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روح سے روح کا رابطہ قائم رکھو۔ فرماتے ہیں۔ یہ اصول ہے کہ نورِ نار پر غالب ہوتا ہے۔ اور نارِ خاک پر غالب ہوتی ہے۔ نسبتِ پیر سے نوری روح کو تقویت ملتی ہے۔ اگر جسم میں کوئی ناری۔ خاکی قوت داخل ہو تو نور اسے جلا کر اثر باقی نہیں رہنے دیتا۔ نار و خاک مشاہدہ نوری میں فرق ڈالتے ہیں۔ جس کی نوری نسبت قوی ہو اس کے مشاہدہ میں ایسی ناقص چیزوں سے فرق نہیں آتا ہے۔ نہ عبادتیں ایسی کیفیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔



## حضرت مولانا نور الزمان شاہ صاحب سے تحصیل علم

اس زمانہ میں ہندوستان کے مشہور اکابرین اسلام میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مشہور جید علماء میں سے تھے۔ جن کی سرپرستی میں ہندوستان کی درسگاہوں میں علوم دینی کا اجراء ہوتا تھا۔ ان مقدس ہستیوں سے حضور قبلہ عالمؒ کو علمی فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بالآخر مختلف مقامات میں زمانہ کے جید علماء سے علم حاصل کرتے۔ آپ دارالعلوم امروہہ تک پہنچے۔ دارالعلوم امروہہ بھی حضرت محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے زیر نگرانی چل رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی درسگاہوں میں دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم امروہہ مشہور درسگاہوں میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے دارالعلوم دیوبند میں بھی داخل ہو کر علمی سند حاصل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم امروہہ میں داخلہ لیا۔ اس دارالعلوم میں ان علماء کرام سر۔ مشہور زمانہ عالم حضرت مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب بھی تھے۔ جن کی زیر نگرانی دارالعلوم امروہہ چل رہا تھا۔ آپ کی علمی شہرت سن کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے آپ کو دارالعلوم کی نگرانی کی دعوت دی۔ جو آپ نے قبول فرما کر اس کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی۔ آپ کو مجملہ علوم دینی پر کئی عبور حاصل تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا سید نور الزمان شاہ صاحب کو علوم دینی کے علاوہ علوم باطنی میں بیکتاے روزگار علمائے باطنی میں اونچا مقام حاصل تھا۔ ابتداءً آپ علم طریقت کے قائل نہ تھے۔ لیکن قدرت نے آپ کو اس علم کے اجراء کے لیے ازل طور پر منتخب کیا تھا۔ آپ نے دوران مطالعہ قدیم اولیاء کے مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ جس میں تزکیہ نفس۔ تصور و مراقبہ کے اشغال کا ذکر۔ اور عالم باطنی کے اسرار و معارف کی کیفیات کا ذکر تھا۔ آپ نے فطری تحریک کے تابع اس علم پر توجہ دی۔ اور بغیر کسی راہنمائی کے تصور و مراقبہ شروع کیا۔ شرعی اعتبار سے آپ مزکی قلب رکھتے تھے۔ دوران مراقبہ آپ پر کیفیات نوری کا نزول ہونا شروع ہوا۔ اسی شاہدہ میں آپ کو حضورؐ کی شہنشاہ کوئین حضرت



محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔ آپ باگتی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک مجذوب لی نقشبندی شاہ مظفر صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی سکونت موضع کوٹ چاندنہ ”کالاباغ“ ضلع میانوالی — ماڑی انڈس سٹیشن کے قریب تھی۔ یہ جگہ دریائے سندھ کی گزر گاہ تھی۔ اسی جگہ حضرت شاہ مظفر صاحب کا مسکن تھا۔ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ — حضرت شاہ مظفر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ مظفر صاحب ”چپ فقیر“ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ مجذوب حالت میں کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو دیکھ کر آگے تشریف لائے۔ فرمایا۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے متعلق اطلاع فرمائی ہے۔ آپ کو جھونپڑی میں بٹھا کر توجہ دی — جس سے آپ کا مشاہدہ صاف ہو گیا۔ حضرت شاہ مظفر صاحب نے فرمایا ہمارے ذمہ اتنا ہی کام تھا۔ اب آپ علاقہ سندھ میں قصبہ اروڑ میں حضرت شاہ محمد عارف صاحب کی خدمت میں جا کر سلسلہ اویسیہ کی بیعت لیں۔ چنانچہ عالی جاہ شاہ صاحب۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ تو آپ کو بھی اپنا منتظر پایا۔ عارف صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیں اطلاع ملی ہے۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحب نے انہیں بیعت میں لیا۔ عالی جاہ۔ حضرت شاہ عارف صاحب کی خدمت میں رہ کر ایک غار میں اکثر چلکشی رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو اپنی تربیت میں لے کر مجلہ علوم باطنی سے مزین فرما کر۔ آپ کو مراتب الہی کی فنا و بقا کے ذات الہی میں اکمل فرما کر خلافت اویسیہ عطا کی۔ اس طرح آپ کو علم ظاہری کی کمالیت کے ساتھ علم باطنی میں بھی اکملیت کا مقام عطا ہوا۔ حدیث ہے۔

”جو شخص جس چیز کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ وہ اسے پاتا ہے۔“

برینیاں سے نکلا ہوا۔ ایک قطرہ۔ جب پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکراتا۔

حادثات کی ندیوں سے ہمکنار ہوا۔ اس معصوم قطرے میں اپنے منبع حقیقی۔ بے پایاں سمندر سے۔ وصال کی شدت سے تڑپ تھی۔ یہ قطرہ۔ ندیوں نالوں۔ دریاؤں



سے سرٹکراتا۔ وقت کے دھارے میں بہتا۔ کبھی پتھروں سے ٹکراتا۔ کبھی دریا کی پہنائیوں میں ڈوبتا۔ اُبھرتا۔ صحراؤں کے دل چیرتا۔ منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس معصوم قطرے میں بلا کا طوفان سمایا تھا۔ جو اسے آخر اس صدف تک لایا۔ جو اس قطرے کے انتظار میں۔ مدتوں مُنہ کھولے تھا۔ اس قطرے نے اپنی آغوش پالی۔ جس آغوش نے اس مضطرب قطرے کو سکون بخش کر اسے گوہر آبدار کی شکل دی۔ یہ صدف اس بحر محیط کا گوہر ساز برتن تھا۔ جس کے بغیر گوہر آبدار بننا ممکن نہیں۔ بغیر پیرا کمل کی فنا کے۔ وصالِ حق حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ حضور قبلہ عالمؑ اپنے مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جس مقصد کے لیے قدرت نے انہیں پیدا کیا تھا۔ عالی جاہ مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت نے آپ کی پنہاں خوبیوں کو پہچانا۔ اور آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ فرمائی۔ حضور قبلہ عالمؑ کی بصیرت پنہاں نے بھی۔ اس خزینہ عطر بیز کی خوشبو پالی۔ آپ نے بھی حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی مصاحبت کا مستقل ارادہ کر لیا۔ حضور قبلہ عالمؑ کے دل میں تلاشِ حق کی تڑپ مچل رہی تھی۔ اسی تڑپ نے تو۔ آپ کو کم سنی کی حالت میں والدین کی شفقتوں۔ وطن کی آسائشوں کو خیر باد کہہ کر قریہ قریہ۔ شہر شہر۔ ملک ملک۔ بادہ پیمائی پر اکسایا۔ یہاں پہنچ کر اس آفتابِ عالم تاب کی ایک جھلک نے آپ کے مضطرب قلب میں سکون پیدا کر دیا آپ کو اپنی تمناؤں کے بار آور ہونے کی اُمید بندھی۔ آپ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں کمر بستہ ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت شاہ صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے آپ پر توجہ فرمائی۔ اور حصولِ علم میں کشادہ دل سے۔ آپ کی راہنمائی فرمائی۔

## حضرت مولانا نور الزمان شاہ صاحبؒ سے بیعت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ کسی طرح علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی بھی آپ سے حاصل ہو۔ لیکن دل میں یہ طے کر لیا کہ حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ خود مجھے ارشاد فرمائیں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ ایک دن حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ درس دے رہے تھے۔ مجلس میں بہت سے طلباء درس لے رہے تھے۔ حضور قبلہ عالمؑ ایک کونہ میں بیٹھ کر درس سن



رہے تھے۔ درس سے فراغت پا کر۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے آپ کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک طالب علم سے فرمایا۔ اس چھوکرے کو ہمارے پاس لاؤ۔ حضور قبلہ عالم بصد شوق و نیاز خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے حضور پر نظر ڈالی۔ اور درود شریف کی تلقین فرمائی۔ ہاں! معرفت کے خزانوں کی کنجی آپ کو سونپ دی۔ یہ وہ وقت تھا جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اور تلاشِ حق کی جستجو میں غوطہ زن ہو گئے۔ اس طرح حضور قبلہ عالم نے علمِ طاہری کے ساتھ تصور و استغراق کا شغل جاری رکھا۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ اس علم میں حد درجہ لذت تھی۔ تصور و استغراق میں ایک سرور حاصل ہوا۔ اور اب بغیر حصولِ علم۔ اور مشاہدہِ علم۔ کسی شے پر طبیعت مائل نہ رہی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ بیشتر وقت مسجد کے گوشہ تنہائی میں۔ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے ساتھ ہی۔ آپ پر اسرارِ باطنی کے دروازے کھلنے لگے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے حصولِ طریقت میں۔ شدید محنت کی۔ یہاں تک کہ شدت کی جھلکا دینے والی گرمی میں مسجد میں مراقبہ ہوتے۔ تو گرمی کی شدت سے آپ کے جسم سے پانی کی طرح پسینہ بہتا اور جسم کی کھال اُتر جاتی۔ اس حال میں بھی مراقبہ سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا۔ کھال اُترنے کی وجہ سے جسم پک جاتا۔ اور سخت جلن رہتی۔ لیکن مشاہدہ کی لذت ہمیں اس طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دیتی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ طالبِ علمی میں انتہائی مشقت سے علم حاصل کیا۔ کم سنی کا زمانہ۔ غریب الوطنی۔ محتاجی۔ بے سرو سامانی کی حالت میں حصولِ علم کی لگن میں۔ اپنی سعی و جہد میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ لباس بوسیدہ پیراہن میں پیوند۔ فاقہ۔ سفرِ دراز کی صعوبتیں۔ اور حصولِ معرفت میں محنتِ ثاقہ۔ یہ خصوصیات آپ کی بلند ہمتی اور پُر عزم استقلال۔ اور ادلوا العزیم کی مظہر تھیں۔ آپ مجتہم محنت تھے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا حَافِلٌ فَمَلِّقِيهِ ۝ پارہ ۳۰ سورہ ۸۴ آیت ۹

اے انسان تو مجتہم محنت ہے۔ طرف اپنے رب کی محنت کرنے کے۔ پس تو نے اللہ سے وصال پانا ہے۔ حضور قبلہ عالم اس آیت کے کامل نمونہ تھے۔



## نابینا استاد کی ممتہ دم تک خدمت

حضور قبلہ عالم اپنے تعلیمی زمانہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں — غالباً یہ پوٹھوہار (راولپنڈی) کا واقعہ ہے۔ ابتدائی زمانہ میں یہاں ایک استاد سے ایک درسی کتاب پڑھنے کے لیے آئے۔ استاد علوم دینی کے عالم تھے۔ ان کے ہاں اور بھی طالب علم درس لیتے تھے۔ استاد صاحب مجدد تھے۔ طالب علم ان کا کام کاج بھی کرتے کھانے پینے کے لیے خیرات سے کچھ ملتا۔ گھر پر ہی پکا کر کھا لیتے اور کچھ گھر والوں سے کھانا مل جاتا۔ ایک دن گھر میں کھانا پکانے کے لیے لکڑی موجود نہ تھی۔ استاد نے طالب علموں کو — نزدیک ہی ایک زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لیے حکم دیا۔ طالب علم زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ اور کھانا پکایا۔ دوسرے دن صبح استاد اُٹھے تو اچانک ان کی بینائی جاتی رہی — طلباء نے قیاس کیا کہ زیارت سے لکڑی کاٹنے پر ولی ناراض ہو گئے۔ زیارت میں مدفون ولی نے۔ استاد صاحب کی بینائی سلب کی۔ استاد صاحب نے اس قیاس پر اتفاق نہ کیا۔ کچھ دیسی دوا استعمال کی۔ چند دن بعد بینائی واپس آگئی — کچھ دنوں بعد پھر لکڑی کی ضرورت پڑی تو استاد صاحب نے پھر زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لیے طلباء سے کہا۔ طلباء نے استاد سے کہہ دیا کہ زیارت سے لکڑی نہ لائیں۔ ولی ناراض ہوں گے۔ مبادا پھر آپ کی بینائی جاتی رہے۔ مگر استاد صاحب اس بات پر بضد رہے۔ طلباء زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ رات کھانا پکایا۔ دوسرے دن اچانک استاد صاحب کی بینائی ضائع ہو گئی۔ بہت دوا کی۔ مگر پھر بینائی واپس نہ آئی۔ استاد صاحب نے بہت دعا کی، فاتحہ پڑھی۔ مگر بینائی ایسی گئی کہ استاد صاحب مستقل نابینا ہو گئے۔ اور درس دینے سے رہ گئے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ سب طالب علم استاد صاحب کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے — یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم نے فیصلہ کر لیا کہ اس بے کسی کے عالم میں استاد کو تنہا چھوڑنا — مناسب نہیں۔ آپ نے خود استاد کی خدمت اپنے ذمہ لی — اور جس طرح بھی ہوا۔ محنت مزدوری کی۔ یا رات گھروں سے کھانا مانگ کر استاد کو کھلاتے۔ اور خود بھی کھاتے۔ نابینا استاد کو سبق سُنا کر



ان سے شرح پوچھ لیتے۔ اسی حالت میں ہینوں گزرے آپ استاد کی خدمت میں مستعد رہے۔ آپ ان کے کپڑے دھوتے۔ جھاڑو دیتے۔ بستر لگا دیتے۔ وضو کراتے پانی لاتے۔ گھر کا تمام کام کرتے۔ کچھ عرصہ بعد استاد صاحب بیمار ہو گئے۔ تو حضور پر ان کی تیمارداری کا بھی بوجھ آن پڑا۔ آپ استاد صاحب کو اٹھاتے۔ باہر لے جا کر رفع حاجت کراتے۔ جب نقاہت بڑھ گئی استاد صاحب چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ تو حضور حجرے میں ہی انہیں بٹھاتے۔ اور ان کا پاخانہ باہر پھینک آتے۔ رات دن ان کی خدمت میں جاگتے رہتے۔ بیماری طویل ہو گئی۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ نے استاد صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قدرت نے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا۔ استاد صاحب وفات پا گئے۔ حضور نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور یہاں سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے۔ بالآخر حضور قبلہ عالمؒ کو عالی جاہ شاہ صاحب کی نسبت میسر آئی۔ اور آپ نے ان کی مستقل صحبت اختیار کی —

## فراق شیخ کی تڑپ

حضور قبلہ عالمؒ نے عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں عجیب و غریب واقعات کا ذکر فرمایا — جس میں آپ کی جلی صفاتِ علیا۔ آپ کے علمی کمال۔ اور طریقت میں پیر سے نسبت و مصاحبت کا اظہار ہوتا ہے — حضور فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ تھا جب عالی جاہ شاہ صاحبؒ امر وہم یونیورسٹی کے نگران تھے۔ آپ کی نگرانی کا دائرہ وسیع تھا۔ دہلی دیوبند اور مختلف شہروں کے دینی مدارس کی نگرانی کے سلسلے میں دورہ فرماتے۔ آپ ہر جگہ ان کی خدمت گزاری میں ساتھ رہتے۔ حضور کو حضور عالی جاہ سے والہانہ عشق ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ عالی جاہ شاہ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں ایک جید عالم سے ملاقات ہوئی — وہ کسی مخصوص مضمون میں درس دیا کرتے تھے۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے حضور قبلہ عالمؒ سے فرمایا کشمیری ان دنوں ہم بہت مصروف ہیں۔ تم ان عالم سے اپنی درسی کتاب کا سبق لو۔ یہ اس کتاب کے مضمون میں ہندوستان بھر میں کامل درس دیتے ہیں۔ اس لیے ان سے اس کتاب کی تکمیل کرو۔ ہم واپس امر وہم جاتے ہیں۔ فارغ ہو کر ہمارے پاس چلے آنا۔ حضور عالی جاہ



شاہ صاحبؒ کی صحبت سے علیحدہ نہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر پیر کے حکم سے روگردانی کی جرات بھی نہ کر سکے۔ مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اسی اثنا میں عالی جاہ شاہ صاحبؒ امر وہہ تشریف لے گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے استاد سے سبق لینا شروع کیا۔ مگر آپ کے ذہن نے استاد کے ایک حرف کو قبول نہ کیا۔ ایسے لگا جیسے دماغ ماؤف ہو گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ دل میں بے چینی شروع ہوئی۔ بار بار عالی جاہ کا تصور سامنے آتا۔ سبق پر دھیان نہ لگا۔ گم گم ہو گئے۔ تین چار دن دل کو بہلانے کی کوشش کی مگر صبر کا دامن لبریز ہو گیا۔ عالی جاہ کی محبت نے سینہ میں جوش مارا۔ فیصلہ کر لیا۔ کہ سبق چھوڑ کر ان کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ بے قراری میں شیش کی طرف بھاگے۔ اور ریل میں سوار ہو کر امر وہہ کا رخ کیا۔ زاد سفر سوائے چند پیسوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ چھ پیسوں کے چنے لے کر رکھ لیے۔ ریل روانہ ہو گئی۔ فراق کی شدت اتنی تھی۔ کہ طویل سفر کا فاصلہ بھی ناقابل برداشت ہوا۔ مجبوراً ایک شہر میں۔ ریل سے اتر گئے۔ طبیعت پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ شہر کی کسی مسجد میں چلے گئے۔ جیسے برسوں کا بیمار۔ ناتوانی کی حالت میں نڈھال ہو۔۔۔ جوں جوں رات قریب ہوتی گئی۔ حضور کی بے چینی بڑھتی گئی۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کا فراق ہمارے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ دفور جذبہ سے کہیں جسم پھٹ کر خون نہ بہہ نکلے۔۔۔ سر سے پگڑی اُتار کر پھاڑ دی اور اپنے بازو اور سینہ کس کر باندھ دیئے۔ دوسرے دن پھر ریل میں سوار ہو گئے۔ ریل منزل کی طرف جا رہی تھی۔ ہم امر وہہ اسٹیشن پر اترے۔ اور اس حالت میں حضور کی خدمت میں پیش ہوئے۔ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے آپ کی حالت دیکھ کر فرمایا کشمیری یہ تمہاری حالت کیا ہو گئی۔ تمہیں تو ہم دہلی چھوڑ آئے تھے۔ حضور نے عرض کی کہ حضور ہم سے آپ کی جدائی برداشت نہ ہو سکی مجبوراً دہلی چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں آپ کی صحبت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے اب علم کی ضرورت نہیں صرف اپنے قریب رہنے دیں۔ اب یا تو مجھے بے حال کر دیں۔ کہ یہ بار مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا۔ یا مجھے با حال کر دیں۔ کہ میں ”فنا“ ہو جاؤں۔



## دیران مقبرے میں خلوت اور تکمیل و لایت کی خوشخبری

اعلیٰ حضرت آپ کا حال دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کشمیری — جنگل میں چلے جاؤ — اور خلوت میں بیٹھو — حضور قبلہ عالم اسی حالت میں اُٹھے اور سیدھے جنگل کی راہ لی — راستہ میں ایک مسجد سے پانی کا ایک کوزہ بھر کر ساتھ رکھ لیا۔ جنگل میں ایک پُرانا مقبرہ دیکھا۔ جس میں صرف ایک قبر تھی۔ پاس التحیات کی صورت میں بیٹھنے کی جگہ تھی۔ آپ اسی مقبرہ میں داخل ہو گئے۔ غم فراق سے بدن چور چور تھا۔ طویل سفر — فاقہ — بے چینی سے نڈھال۔ اسی حالت میں مراقبہ ہو گئے۔ شام ہوئی تو نپکے ہوئے چنے کھا کر پانی پی لیا۔ اور پھر اسی حالت مراقبہ میں رات گزاری — دن گذرا — شام افطار کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ کوزے سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ اور پھر مراقبہ میں رات گزاری — دن گذر گیا۔ پھر پانی سے افطار کیا۔ مگر کئی دنوں کے فاقہ کی وجہ سے نقاہت بڑھ گئی — حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں تقریباً رات کا ابتدائی حصہ تھا۔ کہ ہم پر یکسر غشی طاری ہونے لگی۔ سو اس جواب دے گئے۔ اعضا بھی حرکت چھوڑنے لگے۔ ہم سمجھے کہ جان جسم عنصری سے نکل گئی۔ موت کی غشی میں خود کو نہ سنبھال سکے۔ ایک طرف گرنے لگے اس عالم میں یہ خیال آیا کہ لاتیں قبر پر آ رہی ہیں کہیں یہ بزرگ ناراض نہ ہوں۔ دل نے کہا جو کہنا ہے کہ لے۔ اب تو ہم مر ہی چکے۔ بس مافیہا سے بے خبر ہو گئے — ہاں! یہ عالم اجل کی موت کا عالم نہیں بلکہ مَوْتُوا قَبْلَ اَنْتَ مَوْتُوا کا حقیقی مظاہر تھا — حضور فرماتے ہیں — کہ اچانک ہم پر ایک نورانی عالم ظاہر ہوا — جہاں کی ہر شے سنہری نور میں دمک رہی ہے — اور ہم ایک سنہری ریل کے سٹیشن پر کھڑے ہیں — اتنے میں دائیں جانب سے ایک سنہری ریل آ کر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے — اس ریل سے عالی جاہ جناب حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب اُترے۔ اور میرے قریب آ کر بتسم فرما کر۔ مجھے تحسین فرما کر پھر واپس ریل میں بیٹھ کر تشریف لے گئے۔ ریل جس طرف سے آئی اُسی طرف چلی جاتی ہے۔ کچھ وقفہ ہوا۔ تو پھر ریل اسی انداز سے آ کر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے۔ اس بار ریل سے حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ اُتر کر میرے پاس تشریف لاتے۔ آپ نے بھی بتسم فرمایا — اور تحسین



فرما کر۔ پھر واپس ریل میں تشریف لے گئے۔ ریل اسی انداز میں واپس چلی گئی۔ کچھ وقفہ ہوا۔۔۔  
تو پھر ریل میرے قریب آکر رُک گئی۔ ریل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خواجہ ادیس قرنی  
رضی اللہ عنہ اور عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب اکٹھے میرے قریب تشریف لائے۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت و محبت سے نوازا۔۔۔ اور مجھے تحسین دے کر فرمایا۔ ”محمد امین“  
تمہاری ولایت کی تکمیل ہو گئی۔ جاؤ اب علم دین کی تکمیل کرو۔۔۔ آپ حضرات تشریف لے گئے۔  
تو ہمیں ہوش آگیا۔ محسوس ہوا کہ ہم واپس عالم ظاہری میں آگئے۔ اپنی ذات کو ایسے محسوس کیا کہ  
جیسے ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ جسم میں نہ نقاہت تھی۔ نہ درد۔ ذہن پر سکون۔۔۔ مزار سے باہر  
نکلے تو دن چڑھا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں۔ باہر نکلے تو تمام فضا نورانی نظر آرہی تھی۔ ابھی تک نورانی  
تجلی ذہن پر طاری تھی۔ ہم چلتے تو ایسے لگتا کہ جسم نہیں رُوح چلتی ہے۔ جسم ہلکا ہو چکا تھا۔ جنگل  
سے نکل کر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ امر حضور سے پوشیدہ نہ تھا۔ حضور  
نے تبسم فرمایا۔۔۔ شفقت سے قریب بٹھایا فرمایا۔ کشمیری۔۔۔ اب تم با حال ہو گئے! ہم نے  
عالی جاہ کے قدموں میں سر ڈال دیا۔۔۔ حضرت شاہ صاحب نے سینہ سے لگایا۔ ہمارے کھانے  
کے لیے لطیف غذا پکوائی۔ ہم حضور کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ طاقت بحال ہو گئی حضور  
قبلہ عالم نے۔ عالی جاہ شاہ صاحب سے اجازت چاہی۔ کہ مجھے اجازت دیں۔ کہ میں دہلی جا کر  
کتاب مکمل کر لوں۔ عالی جاہ نے فرمایا۔ کشمیری اب دہلی جانے کی ضرورت نہیں۔ اب ہم  
خود تمہارے علم کی تکمیل کر دیں گے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے دہلی جانے پر اصرار کیا۔ کہ ہم دہلی جائیں  
گے۔۔۔ تو عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ تمہاری مرضی۔۔۔ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔۔۔  
حضور قبلہ عالم امر وہمہ سے روانہ ہو گئے۔ دہلی اسٹیشن پر ریل سے اتر رہے تھے کہ کشف کی حالت  
طاری ہو گئی۔ دیکھتے ہیں کہ سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ ساتھ عالی جاہ شاہ صاحب  
بھی کھڑے ہیں۔ میں قریب گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ محمد امین تمہیں نور الزمان  
صاحب نے اپنے پاس ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اور تم دہلی چلے آئے! فوراً ان کی خدمت میں  
حاضر ہو جاؤ۔ اور ان سے علم کی تکمیل کرو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ تاخیر نہ کرو۔! حضور قبلہ عالم لرز گئے۔  
خیال آیا۔۔۔ کہاں ہم ان کے فراق کو برداشت نہ کر سکے۔ اور کہاں ہم نے خود ان سے دُوری



چاہی۔ دل میں ندامت طاری ہوئی۔ انہی قدموں ریل پر سوار ہو کر اردو بہ روانہ ہو گئے۔ اردو بہ پہنچ کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر — معافی طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری! محبت کی بے قراری بھول گئے ڈانٹ کھائی۔ تو واپس آ گئے۔ ہم نے تو محض تمہارے فائدے کے لیے یہ انداز اختیار کیا تھا۔ کہ تمہیں آتے وقت کھانے کے لیے نہ پوچھا۔ ہم دیکھتے تھے۔ کہ تمہارا تزکیہ کامل ہو چکا ہے۔ وقت غنیمت ہے۔ اس حالت میں تم جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے کھانا کھاتے۔ آرام کرتے۔ تو یہ امر تزکیہ میں فرق ڈال دیتا۔ یہ تو تمہارے حق میں بہتر تھا۔ اچھا بیٹھو۔ جو علم باقی ہے وہ ہم سے پورا کرو۔

اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے اپنی زندگی کو عالی جاہ صاحب کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ عالی جاہ جب تک اردو بہ میں تشریف فرما رہے۔ حضور ہر لمحہ آپ کی خدمت میں شب و روز مصروف رہ کر انوار و تجلیات سے سیراب ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد عالی جاہ شاہ صاحب نے اپنے خانگی امور کی ذمہ داری کے باعث دارالعلوم کی سرپرستی سے فراغت چاہی۔ مستغنی ہو کر اپنے دولت کدہ کوٹ چاندنہ کالاباغ تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ کوٹ چاندنہ تشریف آ گئے۔ کوٹ چاندنہ تشریف قیام کے بعد عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ کہ عبادات سے فارغ ہو کر طالبانِ علم کو درس دیتے۔ اس کے بعد دینی و علمی مسائل پر بحث فرماتے۔ اور وعظ فرماتے۔ اور باقی وقت کا بیشتر حصہ مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ حضور قبلہ عالم اور صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب فرزند اکبر جناب عالی جاہ شاہ صاحب دونوں بیک وقت عالی جاہ شاہ صاحب سے درس لیتے۔ درس سے فارغ ہو کر جناب صاحبزادہ صاحب گھریلو مصروفیات میں مصروف ہوتے۔ گھر کے

---

لے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ ہمارے دل میں رنج پیدا ہوا کہ دہلی سے اتنا طویل سفر فاقہ و پریشانی کے عالم میں طے کیا حضور کو ہم پر ترس بھی نہ آیا۔ نہ ہمیں کھانے کے لیے پوچھنا آرام کرنے دیا۔ لا پرواہی میں ہمیں جنگل میں بھیج دیا۔ ہمیں اس بات سے رنج ہوا اور نادانستگی میں یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہم دہلی چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ مگر اس وقت کمسنی کی وجہ سے ہم اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔



انتظامات ہمانداری کے فرائض سرانجام دیتے۔۔۔ بقیہ وقت امرار و خوانین کی صحبت میں رہتے۔  
 عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں کالاباغ (ضلع میانوالی) کے امراء و خوانین بھی تھے۔ جو اکثر  
 عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے خصوصاً جناب صاحبزادہ صاحب سے عقیدت  
 لگاؤ رکھتے۔۔۔ صاحبزادہ صاحب بھی بیشتر وقت ان سے مجلس کرتے۔ انہیں سیر و شکار کا شوق  
 بھی تھا۔ مریدین انہیں سیر و شکار کے لیے ساتھ لے جاتے۔ حضور قبلہ عالم کی حیثیت ایک غلام  
 کی سی تھی۔ آپ پر کسی مرید کی نظر نہ پڑتی تھی۔ نہ انہیں کسی امیر کی صحبت میسر تھی۔ سوائے  
 اس کے کہ آپ درس سے فارغ ہو کر کچھ مختصر وقت مطالعہ میں صرف کرتے۔ باقی وقت  
 عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گزاری میں رہتے۔

## صاحبزادہ فخر الزمان کے عقیدت مندوں کا حضور سے بدظن ہونا

عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں صاحب کمال ولی بھی تھے۔ انہیں مریدوں کے  
 ساتھ آپ کو صحبت کا موقع ملتا۔ ان میں ہر مرید عالی جاہ شاہ صاحب کی مجلس اور توجہ سے  
 فیض یاب رہتا۔ لیکن عالی جاہ شاہ صاحب کی توجہ اور شفقت باقی مریدوں کی نسبت  
 حضور قبلہ عالم پر زیادہ رہتی اس وجہ سے۔۔۔ صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب سے  
 عقیدت رکھنے والے مریدوں نے یہ محسوس کیا۔ کہ یہ مسکین بچہ شب و روز کی خدمت گزاری  
 اور قربت و توجہ کے باعث پیر کی نظروں میں مقبول ہو کر صاحبزادہ صاحب سے سبقت نہ لے  
 جاتے کہیں عالی جاہ شاہ صاحب اسے خلافت نہ دے دیں۔ اس خیال کے بد نظر صاحبزادہ  
 صاحب کے عقیدت مندوں نے قبل از وقت صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب کے لیے خلافت  
 حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔۔۔ اور مختلف ذرائع سے یہ تاثر پیش کرنا شروع کیا کہ  
 صاحبزادہ صاحب کو ورثہ میں خلافت عطا کی جائے۔۔۔ یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی تعریف  
 میں۔ ان کی خدمات اور مریدوں میں قدر و منزلت اور عقیدت کا نقشہ عالی جاہ شاہ صاحب  
 کی نظر میں پیش کرتے۔۔۔ لیکن شاہ صاحب کسی شخص کو کھل کر جواب نہ دیتے۔۔۔ عالی جاہ  
 شاہ صاحب ان کے خیالات اور ان کے طرز عمل کو سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ سب کاروائی معصوم کشمیری



کی خدمت گزاری کے پیش نظر عمل میں آ رہی ہے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی سے صاحبزادہ صاحب سے عقیدت رکھنے والوں پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ تو انہوں نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی طرف رجوع کیا۔ کہ وہ ان کے ارادوں کو عالی جاہ شاہ صاحب پر واضح کر دیں۔ اور صاحبزادہ صاحب کو خلافت ملنے کے لیے اپنا اثر استعمال کر کے سفارش کریں۔ لیکن یہ عرب بھی عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ ہم نے یہ محسوس کیا۔ کہ صاحبزادہ صاحب کی صحبت میں رہنے والے مریدوں میں اندرون لا تعلقی اور نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ مجھ سے معمولی باتوں پر الجھنے لگے۔ اور صاحبزادہ صاحب کے امراء مرید بھی مجھے حقارت سے دیکھتے اور مجھے بے جا کاموں کا حکم دے کر الجھانا چاہتے۔ لیکن میں ان کے احکام کو ٹال دیتا۔ اس طرز عمل سے ان کا خیال تھا۔ کہ کشمیری تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔ ان کے اس طرز عمل سے میں ان کے مقصد کو بھانپ گیا۔ کہ یہ لوگ مجھے اپنے محبوب کی صحبت و شفقت سے محروم کرنے کے لیے ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن میں یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ کہ یہ لوگ کس بنا پر مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ میں ان کے حقارت آمیز سلوک کو اپنی کٹر حیثیت ہونے پر محمول کرتا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے رویہ میں شدت آنے لگی۔ اور ہر شخص مجھ سے الجھنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ناشائستہ کلام اور مار پیٹ پر بھی اتر آتے۔ لیکن میں ہر موقع پر برداشت اور خاموشی اختیار کرتا۔ نتیجتاً میں نے ہر شخص سے کلام۔ نشست و برخاست ترک کر کے ہر لمحہ عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ یہ امر مخالفین کے لیے مزید حسد و کدورت کا سبب بنا اور ان کے عزائم خطرناک صورت اختیار کرنے لگے۔ کبھی صاحبزادہ صاحب مجھے سیر و شکار میں ساتھ لے جاتے۔ میں ان کے ساز و سامان اٹھا کر جنگل میں لے جاتا۔ وہاں ان کی یہ کوشش ہوتی کہ کسی طرح مجھے ٹھکانے لگایا جائے۔ لیکن یہاں بھی مجھے اپنے محبوب پیر اکمل کی توجہ نے محفوظ رکھا۔ میں کسی طرح ان کی زد میں نہ آ سکا۔ اور یہ لوگ کسی طرح بھی مجھے اپنے محبوب سے جدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہوتے بھی کیسے؟ انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ جس شخص نے کم سنی کے زمانہ میں والدین



کی شفقتوں — وطن کی آسائشوں کو قربان کر کے — بے وطنی — محرومیت — مسافت کے کٹھن مراحل میں — فاقہ کشی — مصائب — خود مول لے کر حصول مقصد کا غیر متزلزل عزم کیا ہو — اس کے لیے ایسی مشکلات کا مقابلہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا — اور پھر اپنے پیر کو عزیز از جان — اور اپنی ہر خواہش و راحت سے عزیز رکھا ہو — وہ کب اپنی جان کی پروا کرتا ہے — اور پھر اپنے محبوب کو چھوڑ کر — وہ کون سا مقام امن ہو سکتا ہے — جس کا سہارا لیا جائے بغرض ہر طرح کے مصائب سہتا رہا — لیکن میں نے ان واقعات کا کبھی عالی جاہ شاہ صاحب سے ذکر نہیں کیا — بلکہ میں نے انہیں یہ محسوس تک نہ ہونے دیا — کہ یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کر رہے ہیں — یہ بھی نہیں — کہ عالی جاہ ان واقعات سے بے خبر ہوں — مگر عالی جاہ نے کسی شخص سے تعرض نہیں کیا —

## خلافت کا اشارہ

عالی جاہ شاہ صاحب اکثر مجلسوں میں — طالب علم مریدوں میں — دقیق مسائل پیش کرتے اور ان مسائل کا حل پوچھتے — لیکن بہت کم مسائل ہوتے جن کا ان سے حل پیش ہوتا — تو آخر میں عالی جاہ — حضور سے مخاطب ہو کر فرماتے — ”کشمیری تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو؟“ تو آپ مصنومانہ انداز میں — اپنی طرف سے ایک مدلل اجتہادی حل پیش کرتے — جس پر عالی جاہ آپ کو شاباش دیتے — ایک بار مسجد میں زیر بحث ایک مسئلہ پر مریدوں نے کئی دلائل پیش کیے — مگر عالی جاہ شاہ صاحب نے ان کی ہر دلیل کو رد کر دیا — آخر حضور سے مخاطب ہو کر فرمایا — کشمیری تم اس کے متعلق کوئی حل پیش کر سکتے ہو؟ آپ نے بھی قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے — مگر عالی جاہ نے آپ کے دلائل بھی رد کر دیئے — بالآخر حضور نے دلائل جاری رکھتے ہوئے زیر بحث مسئلہ پر ٹھوس دلائل دے کر اپنے نظریہ کو ثابت کر دیا — عالی جاہ نے بھی تصدیق فرمائی — اس پر عالی جاہ شاہ صاحب بہت خوش ہوئے — اور جوش میں آکر حضور قبلہ عالم کو خیف سی محبت آمیز گالی دے کر فرمایا — لوگ تو مجھے خلافت دینے کے متعلق مشورے دے رہے ہیں — لیکن یہ تمہارا انداز دکھا رہا ہے کہ خلافت دینے کا



فیصلہ شاید تمہارے حق میں ہو۔ فِداۃُ اُمّی وَاٰیٰت۔ اس اعلان سے حضور کے مخالفین کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور پھر انہیں خلافت کے سلسلہ میں عالی جاہ شاہ صاحب پر اثر انداز ہونے کی ہمت نہ رہی۔ لیکن حضور کے خلاف ان کی کدورتیں کم نہ ہوئیں۔ —

## ماڑی انڈس اسٹیشن کے مجذوب کا واقعہ

اسی طرح ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا ماڑی انڈس اسٹیشن پر عالی جاہ شاہ صاحب کے ایک مرید پر جذب طاری ہو گیا۔ بے خودی کی حالت میں پھر رہا تھا۔ انگریز حکومت کا زمانہ تھا۔ ادھر سے کسی انگریز افسر کی بیوی ریمیم صاحبہ آرہی تھی۔ مجذوب نے اُسے پکڑ کر سینے سے چٹالیا۔ اور اللہ — اللہ پکارا مارا — ریمیم صاحبہ خوفزدہ ہو کر چیخنے لگی۔ — بمشکل لوگوں نے ریمیم صاحبہ کو مجذوب کی گرفت سے پھر لایا — ریمیم صاحبہ نے اپنے خاوند سے جا کر شکایت کی۔ انگریز افسر نے پولیس کو حکم دیا۔ کہ مجذوب کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دو، پولیس فوراً موقع پر پہنچی۔ مجذوب کی تلاش کی — تو دیکھا مجذوب دریا پر سے دوسرے کنارے کی طرف جا رہا ہے۔ پولیس مجذوب کی کرامت کو دیکھ کر اس کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کر سکی — اور انگریز افسر کو ماجر اسٹایا کہ وہ تو مجذوب ہے۔ اور پانی کے اوپر چل کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ — انگریز افسر بھی متعجب ہوا۔ کہ وہ کیسے پانی پر سے گذرا۔ دریافت کیا کہ یہ کون ہے — لوگوں نے بتایا — کہ یہاں گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ یہ ان کا مرید ہے۔ انگریز افسر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ادب سے سلام کیا اور اپنی بیوی کا ماجر اسٹایا۔ عالی جاہ نے معذرت کی — فرمایا — اس نے دیوانگی کی حالت میں یہ حرکت کی ہے ہوش مند ہوتا تو ایسا نہ کرتا — حضور نے فرمایا — یہ فقیر ہے۔ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ یہ دریا پر سے چل کر پار ہوا — آپ عسوس نہ کریں ہم اسے پکڑ کر لاتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ انگریز افسر اس واقعہ سے متاثر ہوا۔ اور حضور کو عقیدت کی نظروں سے دیکھتا واپس چلا گیا۔

عالی جاہ شاہ صاحب نے مریدوں کو حکم دیا کہ مجذوب کو پکڑ کر لے آئیں۔ اتنی دیر میں مجذوب خود عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا — آپ نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر



کمرے میں بند کر دو۔ مریدوں نے اسے پکڑ کر مسجد کے حجرے میں بند کر دیا۔ اور دروازے پر قفل لگا دیا۔ مجذوب رات کمرے میں بند رہا۔ صبح ہوئی تو دیکھا۔ مجذوب اسی حالت میں باہر پھر رہا ہے۔ عالی جاہ کو اطلاع دی تو آپ نے اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ مجذوب کو پکڑ کر عالی جاہ شاہ صاحب کے پاس پیش کر دیا۔ آپ نے صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب کو حکم دیا کہ اُسے مسجد میں لے جاؤ۔ اور توجہ دو۔ تاکہ اس کا جذب دُور ہو۔ صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب مجذوب کو مسجد میں لے گئے اور توجہ دینا شروع کی۔ لیکن ہوا یہ کہ خود صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ عالی جاہ کو خبر دی گئی کہ صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ تو عالی جاہ نے حضور قبلہ عالم سے فرمایا۔ کشمیری تم جاؤ اور مجذوب کو توجہ دو۔ حضور گئے۔ اور مجذوب کو پکڑ کر سامنے بٹھا کر توجہ دی۔ مجذوب نے آپ پر بھی توجہ ڈالی۔ آپ نے شدت سے توجہ فرمائی۔ تو اس پر سے جذب ہٹ گیا۔ اور صاف باتیں کرنے لگا۔ حضور اسے پکڑ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے۔ عالی جاہ نے قسم فرمایا اور حضور کو شاباش دی۔ مریدوں نے مجذوب سے پوچھا کہ تم حجرے سے کیسے باہر نکل آئے۔ اس نے کہا۔ میں نے دروازے پر توجہ ڈالی مگر اس پر عالی جاہ صاحب کا حکم لگا تھا۔ دروازہ نہ کھل سکا۔ میں نے عقب والی دیوار کو حکم دیا کہ مجھے راستہ دے۔ دیوار نے مجھے راستہ دے دیا۔ میں نے دیوار کو اپنی جگہ واپس آنے کا حکم دیا۔ وہ اپنی جگہ قائم ہو گئی۔ اس طرح میں حجرے سے باہر آیا۔ اس واقعہ کو صاحبزادہ صاحب کے عقیدتمندوں نے صاحبزادہ صاحب کی تحقیر سمجھی۔ ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کے خلاف کدورت بڑھتی گئی۔ انہوں نے آپ کو عالی جاہ شاہ صاحب کی قربت سے دُور رکھنے کی تدبیریں کیں لیکن وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس امر کی عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی اطلاع تھی۔ لیکن آپ نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ سوائے اس کے کہ آپ کبھی کبھی مریدوں کے درمیان۔ مباحث اور حضور کی رُوحانی حیثیت کے مظاہرہ سے۔ آپ کی رُوحانی خصوصیت کا مظاہرہ پیش کرتے جن سے حضور قبلہ عالم کی علوم مرتبت ظاہر ہو جاتی۔ لیکن صاحبزادہ صاحب کے عقیدت مندوں کی عقیدت و محبت انہیں۔ اس امر پر مجبور کرتی تھی۔ کہ وہ طریقت و خلافت میں صاحبزادہ صاحب کو اُونچے مقام پر فائز دیکھنے کے متمنی تھے۔ ان کی عقیدت انہیں حقیقت سمجھنے



اور آدابِ طریقت ملحوظ رکھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔

## حُب کی اصلیت

دیکھا گیا ہے کہ انسان حصولِ دین میں بھی فطری طور پر جذباتی ثابت ہوا ہے۔ یہ انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا ہے۔ کہ وہ اپنے مطلوب کی طلب میں قرب و وصالِ مطلوب میں ہر سطح پر پیش قدمی کرنے کا جذبہ رکھتا ہے اس پیش قدمی میں ہر وہ کیفیت جو اسکے محبوب کے قرب وصال میں حائل ہو اسے راہ سے ہٹانے میں دیوانگی کی حد تک جذباتی ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی جہد و سعی کا ایک لازمی عمل بن جاتا ہے۔ کون شخص تھا — جو ہادی برحق — محبوب رب العالمین — محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وصال میں سبقت نہ لے جانا چاہتا تھا — اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کے جان نثار اصحاب میں ہر شخص کی یہی خواہش رہتی تھی کہ ”ہیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہو جاؤں — کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نظرِ شفقت فرمائیں۔ اسی جذبہ کے تحت — ہر شخص نے اپنی جان، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردِ راہ پر قربان کرنے میں سبقت لینے کی کوشش کی۔

مسجد نبوی میں کوئی شخص علی الصبح جھاڑو دے کر چلا جاتا — حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کوشش میں ہیں کہ میں اس فضیلت کو حاصل کرنے میں سبقت حاصل کروں۔ مگر ہر بار کوئی دیوانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش کے باوجود سبقت لے جاتا۔ یہ سبقت لے جانے کا ہی عمل تو تھا! — دیکھا تو یہ یارِ غار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقی ہیں — ہاں! اس مقام پر حُب کی نوعیت مختلف نظر آتی ہے۔ ایک ذات ہے۔ جو محبوب کو محبوب کے رُوپ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اس مقام پر اپنا ذاتی تصور یکسر معدوم ہو جاتا ہے جب ذات نہ رہی۔ تو طلب کیسی؟ — اور سبقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی مرتبہ صدیقیت کا مقام ہے۔ اور ایک ذات ہے۔ جو محبوب کو اپنی ذات میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ — وَفِي أَنْفُسِكُمْ — کا باطن ہے۔ اپنی ذات میں محبوب کو پہچاننا — یہ مقام فاروقیت کا ہے۔ ہر وجود کو ہر ذات میں قائم رکھنا۔ فاروقیت نے فرق کو قائم رکھا — جو اَنَا اَعْرِفُ رَمِيں پہچانا جاؤں، میں فرقِ مراتب کا لحاظ رکھتا ہے — یہی دونو عینیں ہیں۔ جن پر ”حُب“ کی اساس ہے — حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد



کے لیے صحابہ سے مدد طلب فرماتے ہیں۔ مسجد نبوی میں مال جمع کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابہ مال لاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دکھا کر ڈالتے جا رہے ہیں۔ عثمان غنیؓ بھی ہیں۔ عمر فاروقؓ بھی ہیں۔ مگر ابوبکر صدیقؓ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ نہ انہیں مال ڈالتے دیکھا۔ سب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر صدیقؓ! اپنا مال چھپا کر ڈالتے ہیں۔ انہیں بدلہ راجر کا خیال ہی نہیں۔ انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے۔ کہیں محبوب کی قلب اطہر پر احسان مندی کا تاثر پیدا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے صحابہ سے مال طلب کرتے ہیں۔ اعلان فرماتے ہیں۔ کہ آج جس نے سب سے زیادہ مال دیا۔ اُسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔

## صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ آج میں سب پر سبقت لے جاؤں گا۔ معلوم نہیں ان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ حضرت عمرؓ اونٹوں پر مال لا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاتے ہیں۔ مال جمع ہوا تو سب صحابی خوشنودی کے اعلان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منسریں۔ آج اللہ کا رسول ہم سے راضی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ عمرؓ تم اپنے مال سے کیا لاتے ہو؟ آپ نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی جائیداد کا نصف حصہ اللہ کی راہ میں لایا۔ اور آدھا اپنے اہل و عیال کے لیے رکھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہیں۔ چہرہ اطہر پر بشارت و مسرت ہے۔ شاید عمرؓ سمجھے ہوں کہ یہ اظہار مسرت میرے لیے ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہے۔ مگر واقعہ اصل میں یوں ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ ایک کھر درے کبل میں ملبوس۔ جو کانٹوں سے جوڑا گیا ہے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں۔ آج اس لباس میں آنے کا سبب کیا ہے۔؟ جبرائیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجھے اللہ کی طرف سے یہ لباس پہننے کا حکم ہوا ہے۔ اور آسمان کے تمام ملائکہ کو ایسا ہی لباس پہننے کا حکم ہوا ہے۔ مجھے اللہ جل شانہ نے حضور کی طرف بھیجا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کو میری طرف سے



اور تمام ملائکہ کی طرف سے سلام پہنچا دو۔ میں ابوبکر سے راضی ہوا۔ وہ بھی مجھ سے ارضی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی لباس میں آتا دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر نہایت حلم و عجز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے پوچھا۔ اے یارِ غار! آپ نے مال سے کیا کچھ دیا۔ عرض کی میں نے بھی کچھ دیا۔ مگر ہمیں بھی بتائیں کیا دیا! عرض کی میں نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ دے دیا۔ باقی یہی ایک لباس ہے جو زیب تن ہے۔ فرمایا اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے۔ عرض کی ہاں پروانے کو چراغ ہے ببل کو پھول بس صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس یارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہے۔ حقیقی حُب کی اصل رُوح ہے۔ حُب کا دوسرا درجہ۔ محبوب سے قرب و وصال کے جذبہ کا پایا جانا۔ کہ محبوب مجھ سے خوش ہوتا کہ اس کا قرب و وصال نصیب ہو۔ یہ عام انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ فطرتِ انسانی کی اسی جذبہ پر تخلیق ہوتی ہے۔ یہ صفت بھی احسن ہے۔ کہ محبوب کے وصال کی تڑپ دل میں موجزن ہو۔ اسی تمنائے قرب میں ہر شخص دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسی جذبہ میں انسان دوسرے کے مقابل اپنی ذات کو تقدم ر سبقت میں دوسرے سے آگے ہونا، دینا چاہتا ہے۔ یہی جذبہ جب ایک دوسرے سے متصادم ہو۔ تو انسان میں ایک موہوم کدورت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ عمل صرف حصولِ حق کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اس جذبہ میں وہ تاثر نہیں ہوتا۔ جو ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی شخص محض اپنی مادی منفعت کے لیے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے۔ حُب میں اگرچہ کدورت کا تاثر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں حصولِ حق میں جہد و سعی کا اصل تصور قائم ہو تو ایسی صفت مذموم نہیں ہوتی اسی نسبت سے ایک ولی اپنے مرید کے کسی غلط اقدام کو قابلِ مواخذہ قرار نہیں دیتا۔ سوائے اس کے کہ ایسے شخص کی یہ صفت اس کے مراتب میں پیش قدمی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے۔ ولی خود مرید کی اصلاح کر کے ایسی عادت سے باز رکھتا ہے۔

عالی جاہ شاہ صاحب کی نظر اس کیفیت پر تھی۔ کہ یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی خلافت



حاصل ہونے میں نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی ذاتی منفعت یا برتری کو دخل نہیں سوائے اس کے کہ ان سے آدابِ طریقت کی خلاف ورزی ہو۔ دوسرے ایسے لوگ ابھی طریقت کی حقیقت سے آگاہ ہی نہ رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ عیسٰی میں مباحثہ میں مسائل پیش کرتے کہ لوگوں کے دلوں پر حضور قبلہ عالم کی خصوصیت اثر انداز ہو۔ تاہم یہ انداز ذاتی طور پر قابلِ افسوس تھا۔ لیکن اس امر میں بھی حضور قبلہ عالم کے لیے وسعتِ قلبی عیزم و استقلال۔ صبر و تحمل کا ایک اصلاحی سبق تھا۔ جس سے آپ خلافت کے اہل ثابت ہوئے ہوتے۔

## حج بیت اللہ کا واقعہ

یہ حقیقت ہے کہ حضور قبلہ عالم پر ایسے ابتلا کا مقدر ہونا قدرت کی مصلحت کے تابع تھا۔ کہ ولی کے لیے حصولِ ولایت میں ابتلا کا وارد ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اب اس دورِ ابتلا کا خاتمہ ہونا تھا کہ حضور پر ایک اور آزمائش وارد ہوئی۔ — عالی جاہ شاہ صاحب نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سفرِ حج کے انتظامات مکمل کر لیے گئے۔ آپ کے مُریدوں میں چند امراء بطورِ منتظمین سفرِ حج شامل ہوئے۔ — عالی جاہ شاہ صاحب مع اپنے مصاحبین کے سفرِ حج پر روانہ ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم چونکہ ہر وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گزاری میں رہتے۔ اس لیے آپ نے حضور قبلہ عالم کو اپنے ساتھ رکھا۔ اندرونِ حضور قبلہ عالم کی شاہ صاحب کی رفاقت پر کوئی راضی نہ تھا۔ لیکن انہیں روکنے میں کسی شخص کی مزاحمت ممکن نہ تھی۔ حضور بھی شاہ صاحب کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس زمانہ میں کراچی کی بندرگاہ سے بھی جہاز کے ذریعہ سمندری سفر ہوتا تھا۔ کراچی پہنچ کر منتظمین کو ٹکٹ خریدنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے ہر مُرید کے لیے ٹکٹ خریدا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے لیے ٹکٹ نہ لیا گیا۔ یہاں یہ بنایا گیا کہ اتنے ہی آدمیوں کے لیے ٹکٹ مل سکا۔ حضور قبلہ عالم کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ مجھے اپنے محبوب سے جدا کرنے کا شدید حربہ استعمال کیا گیا۔ — تو آپ پر شدید رنج و غم طاری ہوا۔ یہ ایک شدید صدمہ تھا۔ جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ اس غم و اندوہ کو وہی جان سکتا ہے جس کا محبوب اس سے جدا کیا جائے۔ کہاں آپ اپنے

محبوب سے ایک لمحہ بھی فراق برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور کہاں آپ کو درد فراق کے سمندر میں پھینکا گیا۔ حضور قبلہ عالم بے چین ہو گئے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی حضور کے رنج و الم کا احساس ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ مگر ابھی تمہاری آزمائش ختم نہیں ہوئی۔ خیر تم صبر کرو۔ ہم تجھے بیٹ اللہ میں اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس کی دو تعبیریں تھیں۔ ایک یہ کہ تم دریائے توحید میں بیٹ اللہ کے باطن میں ہمارے ساتھ ہو۔ دوسرے یہ کہ تم کسی صورت میں ہم تک پہنچ جاؤ گے۔ صرف درمیانی وقت میں تمہیں رنج و غم کے دور سے گزرنا پڑے گا۔ عالی جاہ شاہ صاحب بعد اپنے مریدوں کے بیٹ اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور حضور قبلہ عالم سکتہ کے عالم میں شکستہ دل چشم پر غم آپ کو الوداع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کا محبوب آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور آپ نالال و گریاں واپس ہوئے۔ رات شہر کی ایک مسجد میں ٹھہرے۔ اور اپنے محبوب کے تصور میں دل کی آنکھوں سے گریاں فریاد کرتے رہے۔ عشاء کی نماز ہوئی۔ ایک نمازی نے آپ سے پوچھا۔ مسافر ہو۔ رات مسجد میں ٹھہرنا ہے؟ آپ نے کہا مسافر ہوں۔ وہ شخص آپ کو گھر لے گیا۔ کھانا دیا۔ مگر بھوک کہاں۔ دیار محبت کے راہی کو منزل سے جدا ہونے کی فکر میں جسم کی کب پر واہ ہوتی ہے۔ حضور سے کچھ کھایا نہ گیا۔ اس شخص نے حضور کی حالت کا اندازہ کیا۔ کہ آپ غمزدہ ہیں۔ پوچھا تم پر کیا مصیبت ہے۔ جو اس قدر غم زدہ ہو۔ آپ نے اپنا قصہ بیان کیا۔ کہ میں اپنے ساتھی سے سفر پر جانے میں بچھڑ گیا ہوں۔ اس نے تسلی دی پوچھا تم حکمت جانتے ہو۔؟ میرے پیٹ میں مستقل درد رہتا ہے۔ کوئی دوا تمہیں معلوم ہے۔؟ حضور نے فرمایا۔ ہم پیٹ کے درد کے لیے دوا بنا دیں گے۔ اس نے پوچھا کتنی رقم خرچ آئے گی۔ حضور نے چھ پیسے اس سے لیے۔ صبح بازار گئے۔ منڈھ۔ کالی مرچ اور مصری لاکھ سفوف بنا دیا۔ کہ کھانا کھانے کے بعد اس دوا کی چٹکی کھالینا۔ حضور دوا دے کر رخصت ہو گئے۔ اس شخص نے دن کو ایک خوراک کھائی۔ قدرت نے اُسے شفا بخشی۔ ایک خوراک استعمال کرنے سے اس نے تکلیف میں کافی کمی محسوس کی۔ رات حضور پھر اسی مسجد میں قیام کرنے آئے۔ تو یہ شخص پہچان کر انہیں اپنے گھر لے آیا۔ اور مشکور ہوا۔ کہ مجھے تمہاری دوا سے



کافی آرام ہوا۔ اس نے کہا۔ کہ جب تک تمہارے ساتھی جج سے واپس نہیں آتے۔ تم میرے گھر پر رہو۔ میں تمہیں صبح و شام کھانا دوں گا۔ حضور نے منظور فرمایا۔ محلہ کے لوگوں کو بھی علم ہوا۔ کہ مسجد میں کوئی طالب علم رہتا ہے۔ وہ دوا بھی دیتا ہے۔ محلہ کے لوگ بھی حضور سے دوا لینے لگے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم ہر مریض پر ایک ہی نسخہ استعمال کرتے رہے۔ اللہ کی قدرت۔ ہر شخص کو اسی نسخہ سے شفا ہوتی رہی۔ محلہ کے لوگوں کی آمد سے ذہن مصروف ہو گیا۔ اور ہمارے قلب سے غم کا اثر کسی قدر کم ہوا۔ اس حکمت میں لوگوں نے ہمیں پیسے بھی دیئے۔ اب ہمارے پاس کچھ رقم بھی جمع ہو گئی۔ ایک دن ایک بڑھیا ہمارے پاس آئی۔ اسے اچانک جوڑوں میں درد پیدا ہوا۔ کہ چلنے پھرنے سے معذور تھی کہنے لگی بیٹا مجھے سخت تکلیف اور پریشانی ہے۔ میں نے جج پر جانا تھا۔ مگر اس بیماری سے مجبور ہو گئی۔ ایسی حالت میں، میں جج پر جانے سے مجبور ہوں۔ ایسی دوا دو کہ میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں۔ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے اسے بھی یہی دوا دی۔ کہ رات کو سوتے وقت کھانا۔ وہ دوا لے کر چلی گئی۔ دوسرے دن علی الصبح وہ بڑھیا ہمارے پاس آئی۔ خوش تھی۔ ایک خوراک سے اس کا درد جاتا رہا اور وہ چنگی بھلی۔ چل رہی تھی۔ وہ بہت مشکور ہوئی۔ اور کچھ روپے بھی مجھے دیئے۔ پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ یہاں کیسے آتے ہو۔ میں نے اپنی ساری داستان اُسے بتائی۔ کہ میں جج پر جانے سے رہ گیا ہوں۔ میرے پیر صاحب جج پر چلے گئے ہیں۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ واپس گھر جانے کے لیے فرج نہیں۔ جج پر جانے کے لیے بھی ذریعہ نہیں۔ اس بڑھیلے نے کہا ”میں نے دو ٹکٹ لیے ہیں۔ میں بیماری کی وجہ سے مایوس تھی۔ اب تمہاری مہربانی سے ٹھیک ہو گئی ہوں۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں گھر جانے کے لیے کرایہ دوں“ یہ وعدہ دے کر وہ چلی گئی۔ دو تین دن گزرے وہ بڑھیا نہ آئی۔ ہم مایوس ہو گئے کہ شاید وہ جج کو چلی گئی ہوگی۔ چوتھے دن وہ بڑھیا اچانک آگئی بیٹا مبارک ہو۔ تم بہت نیک آدمی ہو۔ میں جج پر جا رہی ہوں۔ میرا بیٹا آگیا۔ مگر وہ جج پر جانے کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ اب تم بیٹے کی جگہ اس کے ٹکٹ پر میرے ساتھ چلو گے۔ چلو میرے ساتھ۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں فوراً تیار ہو گیا۔ بڑھیا مجھے اپنے ساتھ جہاز پر لے گئی۔ غالباً اتنی خوشی مجھے عالی جاہ شاہ صاحب کے ساتھ جانے میں نہ ہوتی۔ جتنی مجھے بڑھیلے کے ساتھ



جانے میں ہوتی۔ بڑھیا نے مجھے کھانے پینے کی ہر سہولت دی۔ جیسے اپنے ہی بیٹے کو ساتھ لے جا رہی ہے۔ بیت اللہ پہنچ کر ہم نے بڑھیا سے اجازت چاہی۔ کہ ہم عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں جانا چاہتے ہیں۔ بڑھیا نے ہمیں خوشی سے اجازت دی۔ اور ہم شاہ صاحب کی تلاش کرتے ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ لیکن باقی مریدوں کے لیے خلاف توقع میرا۔ بیت اللہ پہنچ جانا حیران کن تھا۔ وہ حیران رہ گئے۔ کہ کشمیری یہاں بھی پہنچ گیا۔ حضور عالی جاہ کی خدمت میں پہنچ کر ہم نے اپنا منصب سنبھالا۔ اور خدمت گزاری میں مصروف ہو گئے۔ حضور عالی جاہ باہر تشریف لے جاتے تو ہم ان کے ساتھ ایک بڑا چھاتا لے کر آپ کے پیچھے پیچھے چلتے۔ جہاں آپ ٹھہرتے ہم چھاتا ان کے سر پر کر دیتے۔ ڈیرے پر ہم ان کے کھانے پینے۔ بستر لگاتے۔ وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے۔ اسی دوران مناسک حج شروع ہو گئے۔ سب نے احرام باندھے تھے۔ مگر ہمارے پاس احرام نہ تھا۔ ہم انہیں کپڑوں میں عالی جاہ کے ساتھ مناسک میں شامل رہتے۔ ایک دفعہ اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہ عالی جاہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ کے آگے ایک عورت طواف میں سعی کر رہی تھی۔ اچانک پیچھے سے بھڑکا دباؤ پڑا عالی جاہ کو دھکا لگا۔ اور عورت سے ٹکرا گئے۔ عورت پیچھے پٹی اور عالی جاہ کے سینہ پر گھونسا مار دیا۔ آپ خاموش دیکھتے رہے۔ لیکن یہ حرکت میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ میں غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ غصہ کی حالت میں ہم نے اس عورت کے چھاتا زور سے مارا۔ عالی جاہ نے ہمیں غصہ کی نگاہوں سے دیکھا۔ میں سہم گیا۔ مگر مقام ادب تھا۔ بیت اللہ کی حرمت کا مقام تھا۔ کسی نے مجھے کچھ نہ کہا۔ صرف غصہ کی حالت میں دیکھتے رہے۔ باقی سب مرید بھی عالی جاہ کے ساتھ طواف میں مشغول تھے۔ انہوں نے بھی شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ کہ مناسک حج کے آداب کے خلاف بیت اللہ میں فساد کرنا گناہ تصور ہوتا تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر عالی جاہ ڈیرے پر پہنچے تو تمام مرید ہم پر برس پڑے۔ کہ تم نے آداب حج کے خلاف اقدام کیا۔ بیت اللہ میں لڑائی منع ہے۔ تم نے کیوں عورت کے چھاتا مارا۔ عالی جاہ کے پاس میری شکایت کی۔ میں نے اس سلسلہ میں لا پرواہی برتی۔ جیسے میں نے کوئی قصور نہ کیا ہو۔



مُريدوں نے عالی جاہ سے شکایت کی کہ کشمیری کاج فسق ہوا۔ اور ان پر حد واجب آتی ہے۔ عالی جاہ نے فرمایا۔ اس کے متعلق کشمیری سے پوچھو کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی — عالی جاہ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تم نے بیت اللہ میں فساد کیا۔ یہ امر خلاف شریعت ہے۔ دوسرے تمہارا جج بھی فسق ہوا۔ اس کی حد تم پر لازم آتی ہے۔ تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ہم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ میرا فعل مجھ سے تعلق رکھتا ہے انہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ میرا فعل از روئے شریعت جائز ہے۔ میں قابل مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ سب مُريدوں نے مذاق اڑایا۔ کہ تمہارے پاس نئی شریعت آئی ہوگی۔ جس سے تمہارا فعل جائز ہو سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ ”ہمارا فعل از روئے شریعت جائز تھا۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہم تارکِ فرض قرار دیئے جاتے۔“ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری تم اپنے فعل کو جائز قرار دیتے ہو۔ قرآن سے ثبوت پیش کرو۔ حضور نے عرض کی۔ قرآن میں واضح حکم ہے :

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوكُمْ فِيهِ  
فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ

رپارہ ۲، سورہ ۲، آیت ۱۹۱

کہ بیت اللہ میں فساد حرام ہے۔ اور اگر کوئی بیت اللہ میں فساد کرے تو اس سے تم بھی لڑو۔ عورت نے اس حکم کے خلاف بیت اللہ میں فساد کیا۔ وہ قابل مواخذہ ہے۔ اور جب بیت اللہ میں تم پر کوئی حملہ آور ہو۔ تو تم اس کی مزاحمت کرو۔ بیت اللہ میں حملہ سب سے بڑا جرم ہے۔ عالی جاہ نے سوال کیا۔ عورت نے بیت اللہ پر حملہ نہیں کیا؟ یہ تو بدلہ ہے! حضور نے کہا۔ ہمارا تعلق طریقت سے ہے یہ تعلق حقیقی ہے۔ از روئے طریقت پیر بمنزلہ بیت اللہ ہے جس کا طواف جائز ہے۔ ہم نے اہرام نہیں باندھا ہم پر بیت اللہ کا طواف واجب نہیں۔ لہذا ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ ہم بیت اللہ کے تصور میں پیر کا طواف کرتے تھے۔ جب عورت نے ہمارے بیت اللہ پر حملہ کیا۔ اگر ہم مزاحمت نہ کرتے تو ہم مجرم ہوتے۔ لہذا ہمارا فعل جائز ہے۔ حضور نے اس کے ثبوت میں



مثنوی مولانا روم سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پیش کیا۔ اور مثنوی سے یہ اشعار پیش کیے :

حق آں حقیقہ جانت دیدہ است	کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است
کعبہ ہر چندے کہ خانہ برادست	خلقت من نیز خانہ سزا دست
تا بگرد آں خانہ را در دے نہ رفت	اندریں خانہ بجز ایں شے نہ رفت
چوں مرا دیدی خدا را دیدہ	گرد کعبہ صدق پر گردیدہ
خدمت من طاعت و حمد خداست	تا نہ پنداری کہ حق از من جداست

پھر مثنوی مولانا روم میں سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ حج پر جا رہے تھے۔ دورانِ سفر جہاں آپ قیام کرتے۔ تو شہر میں پھرتے کہ کہیں کوئی مردِ کامل مل جائے۔ ایک شہر میں مردِ حق کی تلاش میں پھر رہے تھے کہ ایک موچی کو دیکھا۔ جوتے سی رہا ہے۔ اس کے قریب چھ سات نچتے بیٹھے ہیں۔ موچی نے حضرت بایزیدؒ کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ آپ نے کہا میں حج کو جا رہا ہوں۔ موچی نے پوچھا کہ پاس کچھ زادِ راہ ہے! آپ نے کہا ایک تھیلی اشرفیوں کی ہے۔ موچی نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ تھیلی مجھے دے دیں۔ میں اپنے بچوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اور تم میرے گرد طواف کرو۔ تمہارا حج ہو جائے گا۔ حضرت بایزیدؒ نے تھیلی موچی کو دے دی۔ اور موچی کے گرد طواف شروع کیا۔ ایک طواف پورا کیا۔ تو آپ پر باطن کا ایک عالم کھلا۔ دوسرا طواف پورا ہوا۔ تو دوسرا عالم باطن کا کھلا۔ اسی طرح دورانِ طواف آپ پر باطن کے سات عالم کھل گئے۔

حنور قبلہ عالم نے فرمایا۔ از روئے طریقت پیرِ اکمل بمنزلہ کعبہ ہوتا ہے۔ تم لوگ حج کی نیت سے آئے ہو۔ تم پر مناسک واجب ہیں۔ میں حج کی نیت سے نہیں آیا۔ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کر رہا تھا۔ میں تو اپنے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ عورت کی حرکت میرے نزدیک میرے کعبہ پر حملہ کے مترادف تھی۔ تو مجھ پر واجب تھا۔ کہ اپنے کعبہ پر حملہ کرنے والے سے لڑوں۔ میں نہیں جانتا تمہارا کعبہ بیت اللہ ہے۔ یا عالی جاہ کی ذات لائق طواف! — یہ دلیل سن کر سب مریدوں نے شرم و ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کچھ زبان سے نہ کہہ سکے۔ آخر حج سے فارغ



ہو کر۔۔۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب بمعہ اپنے مریدوں کے وطن واپس پہنچ گئے۔ اس کے بعد کسی مرید کو آپ کے متعلق کوئی غلط حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور حضور قبلہ عالم کو اپنے محبوب کی صحبت میں رہنے کا بہتر موقع میسر ہوا۔

## عطائے خلافت

حضور قبلہ عالم شب و روز عالی جاہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ علی الصبح حضرت صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب کے ساتھ عالی جاہ سے علوم دینی کا درس لیتے۔ درس کے بعد۔۔۔ کچھ وقت مطابعمہ میں مصروف رہتے۔ بقیہ وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گزاری میں۔۔۔ کھانا لانا۔۔۔ کھلانا۔۔۔ وضو کے لیے پانی لانا۔۔۔ وضو کرانا۔۔۔ دیگر امور انجام دینا۔۔۔ کام سے فارغ وقت میں حضور عالی جاہ کے پاؤں دبانے۔۔۔ عالی جاہ باہر کہیں تشریف لے جاتیں تو آپ کی خدمت میں ساتھ رہنا۔۔۔ رات میں بھی اسی طرح خدمت میں مستعد رہنا۔۔۔ اس قریبی صحبت میں پیر اکمل کی توجہ سے آپ نے تمام مراحل عرفان طے کر کے۔ اپنے مقصد زندگی کو پایا۔۔۔ یہاں تک کہ وقت آیا۔۔۔ جب آپ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب علیل ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے تمام علمی مصروفیات، عبادت و مراقبہ ترک کر دیا۔۔۔ آپ ہی تھے۔ جو صبح و شام۔ رات دن عالی جاہ شاہ صاحب کی تیمارداری اور خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ شاید عالی جاہ شاہ صاحب کی زندگی کے یہ آخری لمحات ہیں۔ احساس فراق سے آپ پر شدید رنج و غم طاری تھا۔ کہ میرا محبوب داغ مفارقت نہ دے جاتے۔ آپ۔ اپنا کھانا۔ پینا۔ سونا۔ آرام کرنا بھول گئے۔ بس ہر لمحہ آپ کی خدمت میں مستعد رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم عالی جاہ شاہ صاحب کے پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری تمہاری قمیض بوسیدہ ہو چکی ہے۔ جاؤ اسے اتار کر دریا میں پھینک دو۔ حضور اٹھے اور قمیض اتار کر دریا میں پھینک دی۔ ننگے بدن حضور عالی جاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی قمیض اتار کر دے دی۔ فرمایا۔ کشمیری لو یہ قمیض پہن لو۔۔۔ یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ تم نے مراد بالی۔۔۔ ”جاؤ تم کشمیریوں کے پیر ہو“۔ تمہارے



”تین پھل ہوں گے“۔ حضور قبلہ عالم نے حکم کی تعمیل کی — فیض پہن لی۔ اور زار و زار رونے لگے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا — میں آپ کے بغیر کیسے رہ سکوں گا۔!

حضور عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا — کشمیری — دل ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ صاحب نسبت۔ صاحب مشاہدہ کے لیے۔ دل کی موت۔ موت نہیں بلکہ حنوری قائم رہتی ہے — میرا تصور قائم رکھو۔ تو تم میری صحبت سے دور نہ رہو گے — ہاں یہ وعدہ الہی ہے جو ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔ اس پر صبر کرو — تمہارا حصول علم و عمل پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اب تمہیں کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ ہم اس مال میں بھی تمہارے قریب ہیں۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے آپ کی تسکین فرمائی۔ اس کے چند دن بعد عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہدۂ قطب الاقطاب پر مقام فنا و بقا میں اپنے منبع حقیقی سے وصال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سب عزیز و اقربا — مرید دوڑے آئے۔ مگر فیصلہ ہو چکا تھا:

قسمت کیا ہر چیز کو قیام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

## حضور قبلہ عالم کا وطن کو مراجعت

حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر — چند دن قیام کے بعد عظیم الشان انعامات سے مالا مال — ولایت نامہ لے کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سند کی فوٹو سٹیٹ شامل ہے۔ (اس کتاب کے آخر میں)

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ

”اور پہاڑوں کے سیتوں میں مختلف اقسام کے جواہر اور مونگے سیاہ رنگ کے چھپے

ہیں۔ (پارہ ۲۲۔ سورۃ ۳۵۔ آیت نمبر ۲۷)

کشمیر کی پہاڑیوں میں — چھپا ہوا — ایک انول گوہر — مٹی اور پانی کی دلدل (حماسون) میں گھرا ہوا — اپنی جلا — اپنی تابانی کی طلب میں — مضطرب و بے قرار تھا۔ تو جنوں کی طوفانی



بارش اسے وادیوں کی پہنائیوں کی طرف بہا کر لے گئی۔ یہ گوہر بے بدل۔ منزل کی طرف رواں دواں۔ سفر کی طویل مسافت میں آلام و مصائب جھینٹا سر پٹکتا۔ صحراؤں و ریگزاروں کے سینے چیرتا۔ سمندر کے کنارے جا لگا۔ اتویہ گوہر ایک عظیم جوہر تراش ماہر بے بدل جوہری کے ہاتھ آیا۔ اس جوہر شناس۔ جوہر تراش نے تیز دھار آریوں تیشوں سے۔ اس کے جسم کو تراش کر۔ اس میں وہ آب و تاب پیدا کر دی۔ جس کی ضیاء نے ایک عالم کو نور بخشا۔ اب یہی گوہر آبدار۔ مثل آفتاب عالم تاب۔ کوٹ چاندنہ کی منور سرزمین سے نکل کر۔ کشمیر کے ظلمت کدہ کو منور کرنے کے لیے۔ زادی کرناہ رشاردا کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا۔ مگر آہ! اس تیر تاباں کی اس میں۔ راتوں جاگنے والی آنکھیں۔ اپنے نورِ نظر کے انتظار میں۔ برسوں گزار کر اس وادی میں داخل ہو گئیں۔ جہاں قیام قیامت ہمک اپنی اُمیدوں کو سینے سے لگائے وہ منتظر دبے تاب رہیں گی۔ مگر نہیں!۔ ان کی اُمیدیں بھر آئیں جس حسرت سے ایک دن انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ایک مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے سے جدا کیا تھا۔ اُن کا وہ مقصد آج پورا ہو گیا۔ وہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ان کی قبروں پر وہ نور آگیا۔ جس سے ان کی رُوحیں شاد ماں ہیں۔ وہ اسے شاہد کر رہی ہیں۔ وہ دل وہ رُوحیں جو اپنے نورِ نظر کی جدائی میں سوختہ تھیں۔ آج حوضِ کوثر کی تراوت اپنے میں محسوس کر رہی ہیں!۔ کہ اُن کا نورِ نظر کوثر و تسنیم اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کے سامنے کھڑا ہے۔ ان پر بارشِ نور برسا رہا ہے۔ اور وہ دیرانِ گھر جو کسی وقت ایک نورِ چشم کی جدائی میں تاریک ہو چکا تھا۔ اسی گھر سے ایک نیا سورج طلوع ہو رہا ہے جس نے سارے عالم کو منور کرنا ہے۔

زَادَهَا اللَّهُ تَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا

حنور عالی مقام حضرت محمد امین صاحب۔ وطن پہنچے تو ان کے والد انتقال کر چکے تھے۔ آپ کے دو بھائی۔ محمد سلیمان۔ اور محمد اسماعیل۔ بعدِ حیات تھے۔ والد کی غیر موجودگی نے آپ کو بے حد قلق پہنچایا۔ والد کی تربت پر فاطمہ پڑھی۔ ان سے باطنی طور پر ملاقات کی۔ گھر پر قیام فرما کر۔ دونوں برادرانِ محترم کو سلسلہ اویسیہ میں داخل فرما کر۔ انہیں بیعت کیا۔ انہیں



اصول طریقِ اویسیہ کے مطابق درود شریف کی تلقین فرمائی۔ اس طرح آپ نے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

کے حکم کی تعمیل میں اپنے رشتہ داروں سے اجرتے دین میں شریعت و طریقت کا اہرام فرما کر —  
 سلسلہ اویسیہ امینیہ کی بنیاد ڈال — رفقہ رفقہ آپ نے باقی قریبی عزیزوں کو بھی سلسلہ میں داخل  
 کیا — مزید برآں گادوں کے لوگوں نے بھی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی — ذہینِ قلب  
 پر ابھی کوٹ چاندنہ کے درو دیوار کا تصور — اور اپنے محبوب کے فراق کی کسبِ باقی تھی —  
 دوبارہ اپنے محبوب کی زیارت کی تڑپ دل میں اٹھی — چنانچہ کچھ عرصہ قیام کے بعد دوبارہ کوٹ  
 چاندنہ کے سفر کا ارادہ کر لیا — وادی شاردہ سے اتر کر — ضلع ہزارہ سے ہوتے ہوئے  
 حسن ابدال — کیمپلیور — ضلع میانوالی — داؤد خیل — عیسیٰ خیل ہوتے ہوئے ماڑی انڈس کا لا باغ  
 پہنچ کر کوٹ چاندنہ عالی جاہ شاہ صاحب کے مزار پر انوار پر حاضری دی۔ قلب کو سکون میسر ہوا۔  
 اب وہ صورت نہ تھی کہ آپ کو ”نادار کشمیری“ سمجھ کر کم نگاہی سے دیکھا جاتا۔ کیونکہ یہ امر سب پر  
 آشکار ہو چکا تھا کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے انہیں مکمل ولایت عطا فرمائی ہے۔ سب نے حضور  
 قبلہ عالم کی عزت افزائی کی۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی وفات کے بعد جناب صاحبزادہ  
 فخر الزمان شاہ صاحب کی اپنے والد کے قائم مقام خلافت کی دستار بندی کی گئی۔ صاحبزادہ صاحب  
 نے اپنے والد کے قائم مقام سجادہ نشین کی حیثیت سے — درس و تدریس اور علم ولایت —  
 بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا — آپ کی ذات محتاج تعریف نہیں۔ آپ کو بھی وہ تمام علم  
 جو آپ کے والد کے سینہ قدس میں جمع تھا۔ علم ظاہری کی اکیلیت اور علم باطنی کی اکیلیت ورثہ  
 میں عطا ہوئی۔ آپ کو بھی علوم دینی میں مثل اپنے والد کے انتہائی درجہ حاصل تھا۔ اور مرتبہ ولایت  
 میں بھی ولی اکمل کا مقام حاصل تھا۔ آپ کے مریدوں میں علم دینی سے مزین جید علماء کا وجود ہوا۔  
 اور علوم باطنی میں آپ کے مریدوں میں صاحب کمال ولی — ولی اکمل — مقام فنائے بقائے الہی  
 میں یکتائے روزگار کثرت سے پائے گئے — آپ نے اپنے دورِ خلافت میں۔ اپنے والد کے  
 قائم مقام — اپنے منصب عالی کو بطریق احسن قائم رکھا۔ حضور قبلہ عالم کی آمد پر صاحبزادہ صاحب  
 نے آپ کی عزت سے پذیرائی فرمائی — اور حضور قبلہ عالم نے بھی آپ کے مقام و منصب اور



نسبت والد کے اعتبار سے قدم بوسی کی — حضور قبلہ عالم نے حضرت عمر مائی صاحبہ کی قد مبسوٹ حاصل کی۔ آپ نے حضور پر حد درجہ شفقت فرمائی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا اپنا کوئی عزیز گھر میں وارد ہوا — کچھ عرصہ قیام میں حضور قبلہ عالم اپنے محبوب کی مرقد پر قربت و باطنی ملاقات سے فیضیاب ہوتے رہے۔ اور پھر اپنے وطن کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا — حضرت محترمہ مائی صاحبہ اور صاحبزادہ صاحب سے اجازت حاصل کر کے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سب احباب نے نہایت شفقت و عزت افزائی سے الوداع کہی — وطن واپسی پر حضور قبلہ عالم نے بجائے اپنے گھر جانے کے اپنے قریبی عزیزوں کے ہاں جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ضلع ہزارہ پہنچ کر علاقہ مظفر آباد کی راہ سے کشمیر میں داخل ہو کر قصبہ بارہ مولہ پہنچے۔ انگریز حکومت کی سرحد گڑھی حبیب اللہ خان قصبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موضع برار کوٹ پر ختم ہو کر کشمیر کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ مظفر آباد سے لے کر قصبہ بارہ مولہ تک تمام علاقہ دشوار گزار پہاڑوں سے بھرا ہے۔ یہ سلسلہ بارہ مولہ تک برابر چلا آتا ہے۔ بارہ مولہ سے آگے سری نگر شہر کی وادی شروع ہوتی ہے۔ سری نگر شہر بارہ مولہ سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بارہ مولہ سے شاہراہ سری نگر وادی کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ بارہ مولہ سے تقریباً دس میل شاہراہ سری نگر پر بائیں طرف ایک راستہ علاقہ لولاب کی طرف جاتا ہے۔ اسی راستہ پر قصبہ سوپور اور تحصیل ہندواڑہ — اور راستہ کے آخر پر پھر شمالی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسی مقام پر قصبہ کپواڑہ واقع ہے۔ قصبہ کپواڑہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں موضع کا شیراہ زانگلی واقع ہے۔ حضور قبلہ عالم کے عزیز قصبہ کپواڑہ سے تقریباً سات یا آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے۔

حضور قبلہ عالم اسی راستہ سے اپنے عزیزوں کے ہاں پہنچے۔ عرصہ دراز کے بعد حضور اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر سب نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا — انہیں معلوم ہوا کہ حضور قبلہ عالم ایک ولی کی حیثیت حاصل کیے ہیں۔ آپ نے اپنے حصول علم ولایت کی داستان سنائی۔ یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے — اور آپ کی خدمت و قدر و منزلت شایان شان ہوئی۔ یہ زمانہ بھی حضور کی کم سنی کا تھا۔ ابھی ان کے دارِ طہی — موچھ — چہرہ پر ابھری نہ تھی۔ حضور نے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا۔ اس علاقہ کی فضا سازگار محسوس ہوئی — عزیزوں نے بھی مشورہ دیا۔



کہ آپ اس علاقہ میں آئندہ سکونت اختیار کریں۔ حضور نے یہ مشورہ پسند کیا۔ اور اس علاقہ میں مستقل سکونت کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ عزیزوں کی وساطت سے کاشیراہ گاؤں میں زمین کا کچھ حصہ منتخب کر لیا۔ اپنے عزیزوں کے پاس کچھ دن قیام کے بعد آپ نے دوبارہ سفر کا ارادہ فرمایا۔

## حاجی فتح محمد خاں کے گھرمولانا سید رسول صاحب سے تحصیل علم

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی ایام میں گھر سے نکل کر ضلع ہزارہ — پنجاب — یوپی — سی پی — وسط ہندوستان تک سفر اختیار کیا — اور اس زمانہ میں جہاں کہیں بھی۔ علوم دینی کے جید علماء کا پتہ چلا۔ آپ نے ان سے اکتساب فیض کیا — دیوبند میں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی بالآخر اپنے پیر اکل حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب سے تمام علوم دینی کی تکمیل کی۔ حضور قبلہ عالم کو علم سے عشق تھا۔ اپنی زندگی میں سوائے حصول علم۔ تکمیل علم۔ اور حصول علم معرفت کے ایک لمحہ ماسوا علم ضائع نہیں کیا۔ حضور علم کے ایک عمیق سمندر تھے جس کی پہنائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ اور علم وہ جس کا باطن بھی آپ کے ادراک میں تھا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق

أُطْلِبُ الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بَيْنِي

”علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے“ — حصول علم کے لیے ہندوستان کا کوئی کونہ چھان مارا اور علم کی خوشہ چینی کی۔ یہاں تک کہ کوئی علم ایسا نہ تھا جو اس زمانہ میں علماء سے میسر نہ تھا آپ نے نہ حاصل کیا ہو — اس زمانہ میں ضلع ہزارہ — تحصیل ایبٹ آباد کے گاؤں سر پھٹہ میں علم معقول کے ایک مشہور عالم تھے — جن کا شہرہ ہندوستان بھر میں تھا۔ ہندوستان اور بیرون ممالک کے طالب علم درس حاصل کرنے ان کے پاس آتے۔ حضور قبلہ عالم نے دور طالب علمی میں اس علم پر زیادہ توجہ نہ فرمائی — کیونکہ آپ نے کامل ذہن رسا پایا تھا۔ آپ خود اجتہادی مسائل پر عبور رکھتے تھے۔ اور پھر آپ کو روحانی علم لدنی (القائی) بھی عطا تھا۔ آپ نے مولانا صاحب کی شہرت سنی تو ارادہ فرمایا کہ ان سے معقول منقول میں درس لیا جائے۔ چنانچہ آپ اس سفر میں موضع



سر پھنے میں مولوی سید رسول صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس علاقہ کے خوانین امر میں ایک متمول زمیندار حاجی فتح محمد خان صاحب تھے۔ جنہوں نے اپنے مصارف پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں مولانا سید رسول صاحب بھی درس دیتے تھے۔ موصوف نے گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ اسی مسجد میں یہ علمی درس گاہ تھی۔ حضور قبلہ عالمؑ نے مولانا سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ بظاہر حضور قبلہ عالم کی شخصیت نمایاں محسوس نہ ہوتی تھی۔ اسی انداز سے مولانا انہیں ادنیٰ طالب علم سمجھ کر سادہ تعلیم دیتے۔ ایک دن حاجی فتح محمد خان صاحب کے پوتے عبداللہ خان ایک استاد سے گلستان کا سبق پڑھ رہے تھے۔ حضورؑ بھی قریب بیٹھے تھے۔ استاد عبداللہ خان کو کسی شعر کے معنی غلط بتا رہے تھے۔ حضورؑ سن رہے تھے۔ آپ نے استاد کو غلطی کی نشاندہی کی کہ شعر کے معنی غلط بتا رہے ہیں۔ استاد کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک معمولی کم سن لڑکا اسے ٹوک رہا ہے۔ استاد نے انہیں جھڑک دیا کہ بڑوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے۔ مگر حضورؑ نے پھر اس کی غلطی کی نشان دہی کی اور شعر کے معنی بتا کر اس کی غلطی ظاہر کی۔ مولانا نے بھی تائید کی تو استاد خاموش ہو گئے۔

حاجی فتح محمد خان صاحب نے حضور قبلہ عالم سے فرمائش کی کہ آئندہ آپ لڑکے کو فارسی کا سبق دیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اب عبداللہ خان حضورؑ سے سبق پڑھنے لگے۔ حضورؑ کے طرز تعلیم سے مولانا صاحب اور حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ ایک دن سبق کے دوران عبداللہ خان نے حضورؑ سے ایک حب کے تعویذ کے لیے کہا۔ کہ مجھے حب کا تعویذ دیں۔ عبداللہ خان بہت کم عمر۔ معصوم لڑکا تھا۔ اس کا سوال کرنا تھا کہ حضورؑ بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ کہ اس سوال کے پس پشت استاد کی تحریک ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ ہم تمہیں ایک کلام دیں گے۔ اسے پڑھو۔ اس کلام کا موکل ہے۔ وہ تمہیں خود تعویذ بتا دیں گے۔ حضورؑ نے عبداللہ خان کو درود شریف دیا کہ مسجد کے حجرے میں تنہائی میں آنکھیں بند کر کے پڑھو۔ رات عبداللہ خان نے مراقبہ میں درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو مشاہدہ ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور اجلاس محمدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی۔ معصوم تھا۔ اس کیفیت کو سمجھ نہ سکا۔ صبح حضور قبلہ عالمؑ سے سبق پڑھنے آیا۔ تو رات کا واقعہ بیان کیا۔ حضورؑ نے فرمایا۔ کہ ہمارے پاس تعویذ نہیں یہی درود شریف ہے۔ اور یہ مقام روضہ مدینہ منورہ ہے جہاں



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ اور جس ہستی کو تم نے تخت پر بیٹھا دیکھا۔ یہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ بس یہی کچھ ہمارے پاس ہے۔ جو تمہیں حاصل ہوا۔ بس اسے جاری رکھو۔ اور کسی سے ذکر نہ کرو۔ حضورؐ نے پوچھا — تمہیں کس نے بتایا میرے پاس حب کا تعویذ ہے۔ اس وقت عبداللہ خان نے بتایا۔ مجھے اُستاد نے کہا کہ آپ سے حب کا تعویذ مانگوں۔ دراصل اُستاد صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ اس بچہ کی طرف سب کا رجوع کرنا اور اس کی عزت کرنا — کسی عمل کے تحت ہے۔ شاید اس کے پاس کوئی عمل ہو جس سے یہ سب کی توجہ اپنی طرف کرتا ہے۔ خیر حضورؐ نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ اور اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ عبداللہ خان رازدارانہ انداز میں اکثر وقت مسجد کے حجرے میں مراقبہ و مشاہدہ میں مشغول رہتے۔ ایک دن دورانِ سبق عبداللہ خان نے کہا۔ کہ یہ عجیب بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں — ادھر اجلاس میں بھی آپ دکھائی دیتے ہیں۔ ادھر باہر مجلس میں بھی آپ باتیں کرتے سنائی دیتے ہیں! حضورؐ نے فرمایا اجلاس میں روحانی وجود ہے۔ یہ وجود ہمارا روحانی جسم ہے۔ اور ادھر ہمارا خاکی وجود ہوتا ہے۔ تمہارے بھی دو وجود ہیں۔ ایک اجلاس میں ہے۔ دوسرا حجرے میں۔ ان مشاہدات میں عبداللہ خان کو ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے دن رات حجرے میں داخل ہو کر مراقبہ میں رہنا شروع کیا — ایک دن مسجد میں مولانا سید رسول صاحب حاجی فتح محمد خان صاحب۔ عبدالعزیز صاحب ر عبداللہ خان کے والد اور دیگر طلباء بیٹھے دینی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں عبداللہ خان حجرے سے نکلے — وقت دوپہر کا تھا۔ حاجی فتح خان نے اسے حجرے سے نکلنے دیکھا تو پوچھا لڑکے یہ کونسا وقت ہے حجرے میں بیٹھنے کا۔ اتنے تم اکثر حجرے میں بیٹھے رہتے ہو — گھر کا کام کاج بھی تم نے چھوڑ دیا ہے۔ آخر تم حجرے میں کیا کرتے ہو — تمہارے چہرے کا رنگ بھی بدلا ہوا ہے۔ سچ بتاؤ تم حجرے میں کیوں بیٹھے رہتے ہو۔ حاجی صاحب دزاد قد۔ باریب شخصیت تھے۔ عبداللہ خان ان کے ہجو سے مرعوب ہو گئے۔ کچھ زبان سے نہ کہہ سکے — یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بول اُٹھے۔ حاجی صاحب اسے ہم نے حجرے میں بیٹھنے کو کہا ہے — تاکہ علم کی طرف زیادہ توجہ ہو — حاجی صاحب نے پوچھا کہ اتنی دیر حجرے میں بیٹھنا آخر کس غرض سے ہے۔ باہر بھی مطالعہ ہو سکتا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا — حاجی صاحب جانے دیں۔ پچھ صبح راہ







میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کر کے حضور کی کر دیا۔ دیکھا تو عبد اللہ خان بھی اجلاس میں موجود ہے۔ حاجی صاحب زیارت کر رہے ہیں۔ اور زار و زار رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرمائی۔ آخر حضور قبلہ عالم نے انہیں مراقبہ سے ہٹایا۔ فرمایا۔ اب یہ تحقیق ہوگئی کہ آپ نے پوتے کو بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا۔ حاجی صاحب سوائے رونے کے اور کچھ نہ کہہ سکے۔

فراغت کے بعد حاجی صاحب نے حضور کی پہچانی شان کے مطابق آپ کی عزت و تکریم کی۔ اور حضور کے کھانے۔ رہائش کے لیے خصوصی انتظام کرنا چاہا۔ مگر حضور نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ ہم طالب علم کی حیثیت میں گناہ رہنا چاہتے ہیں۔ اس طرح لوگ محسوس کریں گے۔ حضور کے اس طرز عمل سے حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ لیکن خوشبو چھپ نہیں سکتی۔ حاجی صاحب حضور کی عزت و تکریم پر مجبور تھے حضور مسجد میں تشریف لائے۔ تو حاجی صاحب ادباً اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حاجی صاحب خود صاحب عزت ہیں اور وہ ایک کم سن طالب علم کے آنے پر کھڑے ہو گئے۔ مولانا سید رسول صاحب آخر محقق تھے سمجھے کہ اس بچے میں کوئی خصوصیت ہے۔ پہلے تو وہ انہیں بچہ سمجھ کر سادہ معافی بتاتے۔ اب انہوں نے دقیق انداز میں بیان شروع کیا۔ تو دیکھا۔ حضور اس علم پر احاطہ کر رہے ہیں۔ دوران سبق حضور پر سوال کرتے۔ تو حضور باتوں باتوں میں جواب دیتے۔ مولانا صاحب نے پوچھا پہلے کہیں درس لیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہم نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند۔ امر وہ میں حضرت سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب کی زیر سرپرستی علم حاصل کیا ہے۔ مولانا صاحب نے عالی جاہ شاہ صاحب کی تعریف سنی تھی۔ پوچھا تم ان سے بیعت بھی ہوئے ہو حضور نے اثبات میں جواب دیا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ تو پھر تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔ اس وقت حاجی صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں نے مولانا صاحب پر حقیقت واضح کی۔ تو آپ حیران رہ گئے۔ فرمایا۔ لڑکے تم نے اپنے آپ کو ہم سے چھپائے رکھا۔ حضور نے انکساری برتتے ہوئے فرمایا۔ میں کم سن۔ کم عمر ہوں۔ آپ جیسی ہستیوں کے آگے ہم ہمسری کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ میں بہر حال آپ کا احسان مند ہوں۔ میں آپ کے سامنے بڑائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔



مَنْ تَعَلَّمَ حَرْفًا فَهُوَ مُؤَلَّى (حدیث)

جس نے تمہیں ایک حرف سبق دیا۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔

مولانا صاحب بے حد خوش ہوئے۔ اس دوران حاجی صاحب نے عبداللہ خان کا اور اپنا واقعہ سنایا۔ تو آپ پر مزید حیرت طاری ہوئی۔ مولانا نے بھی حضورؐ کی عزت افزائی کی۔ اس کے بعد مولانا نے اندازِ تعلیم بدل دیا۔ اور اپنے سینہ میں خزانہ کئے ہوئے علم کو دریا کی روانی کے ساتھ آپ پر کھول دیا۔ اور حضورؐ ان کے علمی حقائق کو سینہ میں آسانی سے سمیٹتے رہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے ساتھ بحث کر رہا ہو۔ حاجی فتح خان صاحب کے خاندان پر حضور قبلہ عالمؐ کی حیثیت واضح ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس خاندان کے مرد و عورت سب حضورؐ سے بیعت ہو گئے۔ اب سب لوگ حضورؐ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح حضور قبلہ عالمؐ نے معقول میں حضرت مولانا سید رسول صاحب سے نہایت آرام و سکون سے علم و حکمت کے موتی حاصل کیے۔ علم سے فراغت پانے کے بعد حضورؐ نے اپنے محبتوں و محبتوں سے وطن جلنے کی اجازت چاہی۔ اور حضور قبلہ عالمؐ ان کے احسان کے عوض انہیں باطن کی نعمتوں سے مالا مال کر کے اپنے وطن کی طرف رخصت ہو گئے۔

## علاقہ پٹھوہار کے استاد کا حضوری ہونا

حضور قبلہ عالمؐ نے اپنے دورِ تعلیمی کا ایک ایسا ہی واقعہ سنایا۔ آپ حضور عالی جاہ شاہ صاحبؒ سے بیعت ہو چکے تھے۔ آپ کا ابھی کم سنی کا زمانہ تھا۔ حضورؐ کسی کام سے علاقہ پٹھوہار (راولپنڈی) تشریف لائے تھے۔ حضورؐ کی عادت تھی۔ آپ دورانِ سفر اکثر مسجد میں قیام فرماتے۔ یا کسی مدرسہ یا درسگاہ میں قیام فرماتے۔ ایک مسجد میں آپ کا قیام تھا۔ مسجد میں درس بھی ہوتا تھا۔ دورانِ درس۔ یہ ذکر اٹھا۔ استاد کہنے لگے۔ سنا ہے۔ کالا باغ میں کوئی عالم ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ ان میں ایک استاد نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ہاں کوئی نیا ولی پیدا ہوا ہوگا۔ یہ تو قطعی خلافِ شریعت ہے۔ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ یا کسی نے ویسے ہی گپ اڑائی ہوگی۔ یہ سن کر حضورؐ کو غصہ آیا۔ اور اس استاد کی



حاجت پر افسوس کیا۔ کہ بلا سوچے سمجھے ایک ولی کی شان کا مذاق اڑایا۔ لیکن وہ خود کو ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔ خاموش ہو گئے۔ اور موقع کی تلاش میں رہے۔ اُستاد صاحب درس دینے لگے۔ تو حضور قبلہ عالمؑ نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اُستاد کسی سوال کا جواب نہ دے سکے۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو معمولی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ آپ کیسے ایک عالم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اُستاد نے کہا۔ یہ بات تو قابل تسلیم نہیں کہ کوئی شخص حضورؐ کی زیارت کرانے کا دعویٰ کر سکے۔ حضور نے فرمایا یہ تو معمولی بات ہے۔ وہ تو ایک بڑے عالم ہیں۔ یہ تو میرے جیسا بچہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر یقین نہیں تو آئیں میں اس کی دلیل دوں گا۔ اُستاد صاحب حضورؐ کی باتوں سے مرعوب ہو گئے۔ اور خاموش ہو گئے۔

حضور کا قیام مسجد ہی میں تھا۔ رات اُستاد صاحب حضور کے پاس آئے۔ اور کہا آپ نے حضوری کرنے کا دعویٰ کیا۔ میں آیا ہوں مجھے آپ کے دکھائیں۔ حضور نے اسے مراقبہ میں بٹھایا۔ اور درود شریف (عام) پڑھنے کو دیا۔ کہ روضہ شریف کا تصور کرے۔ اُستاد نے روضہ شریف کے تصور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں روضہ شریف کا مشاہدہ ہوا۔ اُستاد نے کہا روضہ شریف نظر آ رہا ہے۔ حضور نے اور توجہ دی۔ تو دیکھا حضور نے خود اسے روضہ شریف کے اندر لے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی۔ اور اجلاس میں ہوش و حواس کے ساتھ کلام کیا۔ اور منتارا ہوا۔ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو اُستاد نے حضور کے ہاتھ چومے اور اپنی غلطی اور گستاخی کی معافی مانگ لی۔

## مصنوعی پیر کی فقیری کا حقیقی رُوپ اختیار کرنا

حضور قبلہ عالم اسی طرح کا ایک اور واقعہ سناتے ہیں۔ کہ اسی علاقہ پوٹھواری میں ایک پیر صاحب تھے۔ لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ مگر فقیری سے قطعی نابلد۔ حضور نے اس سے پوچھا۔ آپ لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ انہیں کیا دکھاتے ہیں؟ آخر طریقت میں دیدارِ الہی کے لیے بیعت کی جاتی ہے۔ آپ کو خود مشاہدہ ہے۔؟ جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ کم از کم انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی کرائیں۔ پیر صاحب نے کہا یہ امر مشکل ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔



سوائے اس کے کہ یہ لوگ نماز پڑھیں۔ اور وظیفہ پڑھیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کو بیعت کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ محض اس لیے کہ آپ ان لوگوں سے نیاز و وصول کرتے ہیں۔ پیر صاحب خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے بھی خاموشی اختیار کی۔ پیر صاحب کو خیال آیا کہ اس لڑکے نے جس انداز سے بات کی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس حقیقت سے واقف ہو۔ رات حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا تم نے جو باتیں کہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس بارے میں کچھ علم ہے۔ کیا تم زیارت کر سکتے ہو؟ حضورؐ نے فرمایا۔ آپ چاہیں تو ہم تمہیں زیارت کر سکتے ہیں۔ پیر صاحب کو درود شریف بتایا۔ اور مراقبہ میں بیٹھ کر پڑھنے کو کہا۔ پیر صاحب نے درود شریف مراقبہ میں پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پیر صاحب کا مشاہدہ ہوا۔ اور اجلاس میں داخل ہو کر زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ پیر صاحب زار و زار رونے لگے۔ اور اپنے فعل پر سخت ندامت ہوئی۔ کہنے لگے بلاشبہ میں لوگوں کو دھوکہ دیتا رہا۔ عرض کی میں اس حقیقت سے قطعی لاعلم تھا۔ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ حضورؐ سے عرض کی۔ کہ آپ یہاں قیام رکھتے ہیں میرے پاس مرید آتے رہیں گے۔ انہیں معلوم ہو گا تو ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے متنفر ہو کر بھاگ جائیں۔ اور میری بے عزتی ہوگی۔ مہربانی فرما کہ آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔ البتہ آئندہ میں۔ اپنے مریدوں کو یہی درود شریف اویسی بتایا کروں گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ زیادہ لالچ نہ کرنا۔ اور اس درود شریف کو دولت کے حصول میں استعمال نہ کرنا۔ حضورؐ نے ترکیب بتائی۔ تو اسے درود شریف دے کر خود مراقبہ میں عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے پیش ہو کر مرید کو بھی پیش کرنا۔ جیسا وہ حکم دیں ویسا کرنا۔ اس طرح اس پیر صاحب کی مصنوعی فقیری حقیقت کا رُوب اختیار کر گئی۔ ایسا ہی ایک واقعہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے متعلق حضورؐ قبلہ عالم

لے بلاشبہ اصول طریقت میں یہ واقعات مبالغہ سمجھے جاسکتے ہیں۔ البتہ طریق طریقت میں۔ ایک ولی کی حیثیت اور مقام۔ اور روحانی قوت کا اندازہ بھی زیر نظر رکھنا ہے۔ کسی طالب کو مشاہدہ کے ساتھ زیارت رسول اللہ کرنا بھی۔ اصول طریقت میں واقع ہونا۔ طریقت میں شامل ہے؟۔ اس مقام پر ایک طالب۔ ایک ولی کی خصوصیت کو زیر نظر رکھنا ضروری ہے۔ (باقی ملخصہ منور)



نے منسایا۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی شہرت پنجاب تک پھیلنے لگی۔ اور اس بات کا چرچا عام ہونے لگا۔ یہ راولپنڈی کا ہی واقعہ ہے۔ کہ ایک مجلس میں عالی جاہ شاہ صاحب کی ولایت کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ ایک مرید نے اپنے پیسے کہا۔ آپ بھی مجھے زیارت کرائیں۔ یہ زمانہ تھا کہ کسی پیر کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی پیر سے معمولی قسم کے ماسوتی عمل کا مظاہرہ ہو۔۔۔ باقی پیری فقیری اسی حد تک محدود تھی کہ مرید بیعت کرے۔ نماز پڑھے۔ یاد کر کرے۔ یا کوئی وظیفہ پڑھے۔۔۔ پیر صاحب نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے مرید کو چالیس روز چتہ کرنے کا حکم دیا۔۔۔ مرید نے چالیس روز کا چتہ پورا کیا۔ لیکن اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔۔۔ پیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹)

طریقت میں ایک طالب کیلئے ایک عمل کرنا لازم ہے۔ جیسے فقرار۔ اولیاء طالب کو ارشاد (وظیفہ) پڑھنے کو دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تزکیہ نفس کی ہدایت بھی کی جاتی ہے۔۔۔ جاننا چاہیے کہ طریقت میں ایک طالب کے لیے دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک مقام۔۔۔ مرتبہ (منزل) حاصل کرنا۔۔۔ کہ طالب کی اصول طریقت پر گامزن ہو کہ مقام معرفت (روحانی مقام۔ علم) تک رسائی ہو۔ یہ معرفت کی اصل ہے۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (ترجمہ) انہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے ذریعہ معرفت (معرفت الہی) حاصل کرنے کے لیے۔ ظاہر ہے۔ اگر ولی (پیر) طالب سے کہہ دے۔ کہ تمہارا مقام عرش پر ہے۔ تو بغیر مشاہدہ طالب اپنے مقام پر شبہ کر سکتا ہے۔ کہ میں واقعی عرش پر ہوں۔؟ تو اس کے لیے ضروری ہے۔ کہ مرتبہ کے ساتھ مقام کا مشاہدہ بھی دیا جائے۔ تاکہ طالب کیلئے یقین کی صورت پختہ ہو جس کے لیے ضروری ہے۔ کہ ولی خود صاحب معرفت۔ صاحب مشاہدہ ہو۔ تاکہ طالب کو اس کے مقام کا مشاہدہ کرا سکے۔۔۔ یہ صورت طریقت میں ایک طالب کے لیے ضروری ہے کہ ولی اکمل کی بیعت حاصل کرے۔ اول۔ ارشاد۔ وظیفہ۔ حاصل کرے۔۔۔ دوسرے ارشاد کے ساتھ تزکیہ نفس ایک ضروری۔ لازمی عمل ہے۔ تزکیہ نفس کس غرض کے لیے؟ یعنی طریقت میں۔ عمل کے لیے جسم اعضا۔ کو استعمال کیا جاتا ہے یعنی عبادت۔ نماز۔ قیام۔ رکوع و سجود۔ دوسرے مشاہدہ کے لیے جسم سے ماسوا۔ انسانی رُوح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ مقام عالم روحانی۔ (غائب) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ)



صاحب نے کہا چلے میں کچھ نقص ہوا ہے۔ دوبارہ چالیس روز چلے میں بیٹھو۔ اس بار بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ پیر صاحب نے تیسری بار چلے کرایا۔ لیکن مرید پر ذرہ بھر روشنی کا انکشاف نہ ہو سکا۔ آخر مرید نے مایوس ہو کر پیر صاحب سے کہا۔ کہ بہتر ہے آپ مجھے انہیں بزرگ کے پاس جانے کی اجازت دیں۔ جو حضور کی کرتے ہیں۔ پیر صاحب نے اجازت دی۔ اور وہ عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیسے آتے ہو؟ مرید نے اپنی تمام داستان بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بھی اس نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے انگلی سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جاؤ! مسجد میں بیٹھ کر روضہ شریف کا تصور کر کے جو درود شریف پڑھتے رہے ہو۔ وہی پڑھو۔ یہ شخص اسی وقت اٹھ کر مسجد میں گیا۔ اور مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ درود شریف پڑھا ہو گا۔ اسے مشاہدہ ہوا۔ اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)

کے مشاہدہ کے لیے رُوح (رُوحانی وجود) سے۔ رُوح کی رسائی کے ساتھ۔ مقام کے مشاہدہ سے تصدیق حاصل کی جاتی ہے۔

حقیقتاً۔ طریقی طریقت میں۔ اصل عمل رُوح سے ہوتا ہے۔ اسکی وضاحت ”حقیقت تصوف“ میں کی گئی ہے)۔ اس عمل میں یہ سمجھنا ضروری ہے۔ ایک فقیر۔ اگر خود مقام حاصل نہ کر چکا ہو وہ کسی طالب کی رُوح کو کسی رُوحانی مقام تک پہنچانے کا حامل نہیں۔ نہ اس مقام کا مشاہدہ کر سکتا ہے لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک پیر۔ — ولی — معرفت کے مقامات طے کر چکا ہو۔ اور پھر ان مقامات کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ مشاہدہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ایک ولی مقرب بارگاہ۔ رُوحانی جنیت میں۔ ولی کی رُوح۔ عالم معرفت میں مقام حاصل کرتا ہے۔ جو بس مرتبہ تک رسائی حاصل کی اسے یہ قدرت حاصل ہے۔ کہ وہ ایک طالب کی رُوح اٹھا کر بغیر عمل کے کسی مقام تک پہنچا کر اس کی رُوح پر مقام کے احوال و ماحول کا عکس ڈال کر مشاہدہ کرادے۔ لیکن طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ تجلیات نوری کا متحمل ہو۔ بغیر قوت ایک طالب نوری تجلیات برداشت نہ کرنے کی صورت میں کُنْ تَدَانِی۔ پر جذب آکر طالب مجذوب ہوتا ہے۔ — اس کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ بغیر تَزَکیۃ نفس۔ ایک طالب بغیر صفائی آئینہ قلب۔ اپنے مقام کا مشاہدہ



میں داخل ہو کر زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شکر گزار ہوا۔ اور آپ سے بیعت بھی حاصل کی۔ یہی عالم حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ کہ آپ توبہ سے آنا فانا ایک طالب کو حضوری کرتے تھے، حاجی فتح خان صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ عبادت و شب بیداری اور مسلسل روزے رکھنے میں گزارا۔ مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حضور قبلہ عالم کی توبہ سے چند لمحوں میں حضوری میسر آئی۔ آپ نے انہیں ذرہ بھر علم کے حصول میں معاونت کے عوض نعمت عظیم سے سرفراز فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱)

نہیں کر سکتا۔ ایسے موقع پر۔ یہ شک۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ ولی۔ میں قوت موجود نہیں۔ ایسا نہیں ! صرف اصول و ضابطہ کے تحت کسی نا اہل کو مشاہدہ کرانا۔ اصول طور منع ہے۔ جب تک کہ طالب کا قلب و شعور تجلیات کا متحمل نہ ہو اس کا مجذوب ہونا۔ ناقص اور کمزوری تصور کیا جاتا ہے لہذا ضروری ہے۔ کہ ایک ولی ایک طالب کی روح کو معرفت کے کسی مقام تک اٹھا کر لے جانے کی قدرت رکھتا ہے۔ البتہ یہ ایک ولی کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کہ جب تک ایک طالب تزکیہ نفس۔ اور مجاہدہ کے اپنی روح کو اس قابل کر دے کہ وہ۔ ایسے مقام پر مشاہدہ روحی سے آسانی سے مقام کی ہیئت کو دیکھ سکے۔ البتہ ایک ولی۔ ولی اکمل۔ یہ قدرت رکھتا ہے۔ کہ وہ ایک طالب کی روح کو کسی مقام و مرتبہ (ذات الہی) تک لے جاسکتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ ولی میں یہ قدرت ہے۔ کہ طالب کی روح پر مقام کی ہیئت کا عکس ڈال کر مشاہدہ کرائے۔ اس حال میں کہ اس پر جذب وارد نہ ہو۔

حضور عالی جاہ سید محمد نور الزمان ایک ولی مقرب خداوند کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ پچھلے عالم معرفت میں۔ بحیثیت ولی اکمل۔ اٹھا کر مقام دے۔ اور اس مقام کا مشاہدہ دے سکتے تھے۔ یہ خصوصیت ولی اکمل کی ہوتی ہے۔ کہ اپنے اختیار سے جس طالب کو چاہے مقام عطا کرے۔

حضور قبلہ عالم جناب محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا میں یہ اہم خصوصیت تھی کہ کسی کے گالی دینے پر بھی آپ ایک شخص۔ یا غیر مذہب کو بھی دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے۔ ہاں ضرورت اور اصول کے تابع۔ طالب کے لیے۔ مرتبہ تک رسائی۔ اور مشاہدہ کیلئے۔ تزکیہ نفس ضروری عمل ہے۔ تاکہ ایک طالب اپنی زندگی کے آخر تک معرفت میں کامل رہے۔



## موروثی جائیداد بھائیوں کو بخشنا

حضور قبلہ عالمؑ نے اپنے عزیزوں کے ہاں قیام کے دوران زانگی کا شیراہ گاؤں میں اپنی پسند کی زمین منتخب کی۔ اور زمین کا انتقال اور تعمیر مکان کے لیے سامان مہیا کرنا آئندہ پر چھوڑ دیا۔ ابھی عمر بھی کم تھی۔ طبیعت آزاد تھی۔ بے فکری کا عالم تھا۔ دنیا داری کی طرف رجحان نہ تھا۔ اور یوں بھی دنیاوی معاملات میں خود کو پابند نہ کرنا چاہتے تھے۔ قلب میں شرابِ معرفت کی مستی تھی۔ اس لیے طبیعت کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ البتہ تعمیر مکان کے لیے سامان کی فراہمی کے لیے منصوبہ بنایا۔ کہ اپنے وطن جا کر والدین کے ورثہ سے حصہ حاصل کریں۔ چنانچہ آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔ اور اپنے برادران سے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ کہ آپ کا شیراہ میں مستقل سکونت کے لیے زمین لے چکے ہیں۔ اور اب مکان کی تعمیر کے لیے والد کے ترکہ میں سے کچھ دیں۔ بھائیوں کو آپ کا وطن سے دور جا کر سکونت کرنا ناگوار گذرا۔ مگر حضور اب اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھ چکے تھے۔ بھائیوں نے جائیداد کے سلسلے میں بتایا۔ کہ والد نے موروثی جائیداد فروخت کر کے نئی جائیداد بنائی ہے۔ جس میں بھائیوں نے محنت سے اس میں توسیع کی ہے۔ اور والد نے ہمیں خود حصہ کر کے تقسیم کر دی ہے۔ طویل عرصہ گذرا۔ اب اس جائیداد میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کو دے سکیں۔ لیکن حضورؑ کے پاس ذاتی وراثت سے سوا اور کوئی ذریعہ بھی میسر نہ تھا۔ جس سے مکان کی تکمیل ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالمؑ فرماتے ہیں۔ کہ والد وفات پا چکے تھے۔ اس سلسلہ میں ہم بھائیوں سے الجھنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے ہم نے اپنے والد سے رجوع کیا۔ انہوں نے ہمارے بھائیوں کے حق میں حمایت کی۔ تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اور ہمارے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے۔ والد نے اپنی طرف سے بھائیوں کے حق میں ان کی عیال داری۔ اور مجبوری پیش کرتے ہوئے دلائل پیش کیے۔ لیکن ہم نے بھی اپنی طرف سے دلائل پیش کیے۔ انہیں ہمارے دلائل کو تسلیم کرنا پڑا۔ والد ہمارے دلائل سن کر بہت خوش ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم



نے بھی ہمارے دلائل کو پسند فرما کر اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ آخر ہم نے فیصلہ دے دیا کہ ہم اپنے حصّہ وراثت سے کچھ نہیں لیں گے۔ یہ معاملہ ہم نے اپنے بھائیوں پر بھی ظاہر کر دیا۔ آخر چند دن سنہی خوشی رہ کر ہم اپنے بھائیوں سے رخصت لے کر واپس کا شیراہ روانہ ہو گئے۔

## مولانا عبد الرزاق بخاری سے ملاقات

دورانِ سفر دل نے پھر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کہ اس بے کسی کے زمانے میں وہی میرے ملجا و مادی تھے۔ وہی میرے باطنی والد و سرپرست تھے۔ اب ان کے در پر جا کر اپنی حاجت طلب کریں گے۔ چنانچہ آپ کوٹ چاندنہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوٹ چاندنہ شریف پہنچ کر اپنے دستگیر کی تربت پر فاتحہ پڑھی اور ان سے اپنی حاجت طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحبؒ نے تسلی فرمائی۔ اور حضور مطلق ہو کر آپ کو سلام بھیجتے رہے۔ اور آپ کے فیض سے مسرور ہوتے رہے۔ اس بار آپ دینیوی حصول کی بار آوری کے تصور میں۔ شاداں فرماں واپس لوٹے۔ چند دن صاحبزادہ فخر الزمان شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر لطف اٹھایا۔ آخر اجازت لے کر پھر وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بار کوٹ چاندنہ شریف میں حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے مریدوں میں ایک جید عالم جناب عبد الرزاق بخاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی حیات میں ان سے تعلق تھا۔ عبد الرزاق بخاری صاحب نے اپنے مراتب کی تکمیل کے لیے عالی جاہ شاہ صاحب سے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے مراتب جاری ہیں اور اگر کچھ باقی رہ گئے۔ تو کشمیری تمہارے مراتب پورے کر دے گا۔ اور آپ کو اس کے علم میں اگر ضرورت پڑی تو ان کی مدد کرنا۔ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ شاہ صاحب کا وعدہ یاد دلایا۔ حضورؐ نے منظور فرمایا۔ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کی رفاقت اختیار کی اور آپ کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بخاری صاحب امیر کبیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ دولت سے نوازا تھا۔ دورانِ سفر بخاری صاحب نے سفر کے تمام اخراجات خود پورے کیے۔ کوٹ چاندنہ شریف سے روانہ ہو کر حضور قبلہ عالم ضلع ہزارہ ایبٹ آباد پہنچے۔ تو سر پہنہ گاؤں جانے



کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ سر پھنہ چلے گئے۔ سر پھنہ وادی کی سڑک سے تقریباً چار میل اُدپر پہاڑ میں واقع ہے۔ بخاری صاحب پہاڑ پر چڑھنے کے عادی نہ تھے۔ اس لیے حاجی فتح خان صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ حاجی فتح خان صاحب بمعہ گاؤں کے لوگوں کے استقبال کو نیچے اُترے۔ بخاری صاحب کو گھوڑا پیش کیا مگر حضور قبلہ عالم کے ادب کے بد نظر آپ نے گھوڑے پر چڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور پیدل پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ حاجی فتح خان صاحب نے حضور قبلہ عالم اور بخاری صاحب کے شایان شان خدمت گزاری کی۔ حضور قبلہ عالم نے بخاری صاحب کا اپنے کامل استاد مولانا سید رسول صاحب سے تعارف کرایا۔ دونوں عالم ایک دوسرے سے مل کر حد درجہ مسرور و معظوظ ہوئے۔ یہ صحبت ایک پُر لطف صحبت تھی جس میں علم کے موتی بکھرتے تھے۔ اور ساتھ ہی باطن کی تجلیات سے سیرابی ہوتی تھی۔ سب ہی مسرور تھے۔ بڑی پُر لطف مجلسیں ہوتی رہیں۔ جی سیر ہو گیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے رخصت چاہی۔ سب ہی لوگ آپ کو الوداع کہتے نیچے سڑک تک آئے۔ اور سب نے خوشی و غم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

## بارہمولہ کی مسجد میں مناظرہ پر حضور کی تنبیہ

سر پھنہ سے روانہ ہو کر منظر آباد ہوتے ہوئے بارہمولہ پہنچے۔ یہاں بھی حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ایک شخص مستری عبدالحق نامی تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ مستری عبدالحق نے رات کھانا کھلایا۔ حضور نے رات بجائے عبدالحق کے گھر قیام کرنے کے مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ بمعہ بخاری صاحب مسجد میں تشریف لائے۔ مستری عبدالحق بھی ان کی صحبت میں رہے۔ رات عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد میں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ دیکھا

یہ واقعہ مجھے حاجی عبداللہ خان صاحب نے ایٹ آباد سکونت رکھنے کے دوران سنایا، کہ بخاری صاحب حد درجہ امیر تھے۔ امیرانہ صفت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں راستہ چلتے چلتے بخاری صاحب کی ہیمانی سے روپوں کی تھیلی گری۔ آپ نے جھک کر تھیلی اٹھانا گوارا نہ کیا۔ اور سیدھے چلے گئے۔ لوگوں کو اشارہ کیا کہ تھیلی اٹھا کر آپس میں تقسیم کر لو۔



تو دو مولوی صاحبان بحث و مناظرہ کے لیے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ جمع ہو رہے ہیں۔  
لوگ ایک دوسرے پر آواز کے کس رہے ہیں۔ دونوں فریق مشتعل نظر آ رہے تھے۔ معلوم  
ہوا کہ دونوں فریقوں کے مولوی صاحبان کا حاضر و ناظر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
عقیدہ پر اختلاف ہے۔ مولوی صاحبان نے بحث شروع کی۔ مناظرہ شروع ہوا۔ آپس میں  
دلائل پیش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اختلاف میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ حضور قبلہ عالم  
یہ ناٹک دیکھ رہے تھے۔ اور مولویوں کے بے معنی اور لغو بحث و دلائل سن کر افسوس کر رہے  
تھے۔ قریب تھا کہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے پر لاکھوں سے حملہ کر دیں۔ حضور قبلہ عالم  
اٹھ کر منبر پر تشریف لائے۔ اور دونوں فریقوں کے مولویوں کو خاموش رہنے کو کہا۔ کسی شخص  
کا اچانک منبر پر آنا۔ اور وہ بھی ایک کم عمر لڑکے کا مولویوں کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا  
— کار آمد ثابت ہوا — سب لوگ خاموش ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے۔ دونوں فریقوں کے  
علماء سے مختلف سوالات کئے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک بھی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا آپ  
لوگ بغیر علم کے ایسے نازک مسئلوں پر مناظرہ کر کے لوگوں میں فتنہ پھیلا رہے ہو۔ اللہ کے نزدیک  
تمہاری باز پرس ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوگا — اور تم سزا کے مستحق ہو گے۔ بیچارے  
سادہ لوح عوام کو آپس میں ٹکرا کر کشت و خون کرنا۔ شریعت کے خلاف ہے۔ حضور نے  
حاضر و ناظر اور حیات النبی پر سادہ طریقہ پر دلائل دے کر انہیں سمجھایا — دلائل سمجھ میں  
آ گئے۔ سب نے تسلیم کیا۔ اس طرح دونوں فریقوں کے درمیان فساد ہوتے ہوتے ٹل گیا۔  
لوگ حضور کو دیکھ کر متعجب تھے۔ کہ ایک کم سن لڑکے نے کتنے سہل طریقہ سے مسئلہ کو سمجھایا۔ لوگ  
حضور کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے۔ اور حضور کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضور انہیں  
مسائل سمجھاتے رہے۔ رات کو حضور کے لیے کھانا لائے۔ انہوں نے حضور کی بیحد عزت  
کی ان میں ملا قسم کا ایک سکول ماسٹر بھی تھا۔ حضور قبلہ عالم کا حلیہ اور لوگوں کی عزت افزائی  
کرنا بھی اُسے محسوس ہوا۔ کہ ایک کم سن لڑکے کی اتنی عزت افزائی — ہونہ ہو۔ اس لڑکے  
کے پاس کوئی عمل ہو جس وجہ سے ہر شخص ان کی عزت کرنے لگا۔ حضور قبلہ عالم نے رات  
مسجد میں گزاری۔ صبح لوگ حضور کے لیے ناشتہ بھی لائے۔ حضور مسجد سے جانے لگے تو ماسٹر صاحب



بھی آپ کی خدمت میں پیش ہوتے۔ کہا مجھے بھی کوئی وظیفہ پڑھنے کو بتائیں۔ حضور نے اُسے درود شریف پڑھنے کو دیا۔ اور وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارہمویہ سے سات میل کے قریب شاہراہ کشمیر (سری نگر) چھوڑ کر قصبہ سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔

## ارسلان خان کا بیعت ہونا

سوپور سے اپنے عزیزوں کے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ تو تقریباً چار میل سفر طے کیا تھا۔ کہ ایک شخص راستہ میں ملا۔ اس نے حضور کے قریب آکر التلاُم علیکم کہا۔ اور عرض کی کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ اس نے کہا۔ یہاں سے قریب ہی میرا گاؤں (گاؤں کا نام یاروتھا) ہے۔ میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور قبلہ عالم نے پوچھا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ میں بیعت کرتا ہوں؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ میرے گاؤں میں ایک فقیر رہتا ہے۔ میں اکثر اُس کی خدمت میں رہتا تھا۔ میں اُسے بیعت کرنے کیلئے کہتا مگر وہ مجھے بیعت نہیں کرتے۔ دو دن قبل فقیر نے مجھ سے کہا۔ کہ میرا وقت قریب آچکا ہے۔ میں اس دُنیا سے جانے والا ہوں۔ میری وفات پر ایک لڑکا اس طرف سے گذرے گا۔ اس نے مجھے آپ کا علیہ بھی بتایا۔ اور کہا وہی میرا جنازہ پڑھائے گا۔ تم اس سے بیعت کرنا۔ اس کے بتائے ہوئے نشان میں آپ میں دیکھتا ہوں۔ وہ فقیر قریب المرگ ہے۔ لہذا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ حضور قبلہ عالم بمعہ بخاری صاحب اس شخص کی فرمائش پر اس کے ساتھ گاؤں گئے۔ وہ شخص انہیں فقیر کے پاس لے گیا۔ حضور فقیر کے گھر پہنچے تو دیکھا وہ اپنے آفری سانوں پر رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ حضور اس کے قریب گئے تو وہ فقیر جاں بحق ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم اس کی تجہیز و تکفین میں شامل ہو گئے۔ خود جنازہ پڑھا۔ اور اسے دفن کر دیا۔ فارغ ہو کر وہ شخص انہیں اپنے گھر لے گیا۔ رات کھانا دیا۔ خدمت گزاری کی۔ حضور قبلہ عالم نے اُسے بیعت کیا اور سلسلہ اویسیہ میں داخل کیا۔

یہ شخص ارسلان خان صاحب تھے۔ جو حضور کے مریدوں میں اُونچا مقام رکھتے تھے۔ آفریدی پٹھان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمیندار تھے۔ سادہ قسم کی زندگی گذارتے۔ بیعت



کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہر لمحہ عبادت و مشاغل طریقت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کثرت سے درود شریف پڑھتے۔ اکثر راتوں میں دائمی شب بیداری کرتے۔ دن رات میں ایک لاکھ سے زائد درود شریف پڑھتے۔ اکثر آپ کو رات میں سویا نہیں دیکھا گیا۔ ہر وقت تسبیح میں رہتے۔ بیعت کے بعد آپ نے بستر پر سونا ترک کر دیا۔ طبیعت جلالی تھی۔ ان کی توجہ میں شدت کا اثر تھا۔ عجیب الدعوات تھے۔ آپ پر اکثر جذب طاری رہتا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ہوش مند رہتے تھے۔ اور زمینداری کا کام بھی کرتے۔ بعض اوقات مہینوں خلوت گزیں رہتے۔ گھر میں۔ ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ حکم دیا۔ کہ میری اجازت کے بغیر کوئی دروازہ نہ کھولے۔ تو دو دو ہفتے خلوت میں بغیر کھائے پیئے گزار دیتے۔ اپنی مرضی سے باہر آتے اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے۔ اس حال میں آپ کی صحت طویل فائدہ سے متاثر نہ ہوتی۔ اس تزکیہ سے انہیں مافوق الفطرت کرامات حاصل تھیں۔ زبان سے جو بات کہی۔ اسی آن پوری ہو جاتی۔ گاؤں کے اکثر لوگ ان سے رجوع کرتے۔ اور فیض پاتے۔ علاقہ ہند واڑہ کے اکثر لوگ ان کی نسبت سے سلسلہ ادیبیہ میں داخل ہوئے۔ آپ بھی کسی کو توجہ دیتے۔ تو وہ حضوری ہو جاتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ تحصیل ہند واڑہ کے گاؤں اودی پورہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سمندر میر ذیلدار اور کبیر ملک مخلص عقیدت مند تھے۔ سمندر میر ذیلدار امیر آدمی تھے۔ آداب طریقت میں بعض اوقات کوتاہی کرتے۔ لیکن پیر سے حب اور عقیدت قائم تھی کبیر ملک کی ہمیشہ سمندر میر کے گھر بیاہی تھی۔ کبیر ملک نہایت شریف النفس اور پرہیزگار آدمی تھے۔ سمندر میر اور ان کے درمیان کبھی تنازعہ بھی ہو جاتا۔ وہ اس وجہ سے کہ سمندر میر دنیا دار ہونے کی وجہ سے آداب کو ملحوظ نہ رکھتے۔ تو کبیر ملک ان سے ناراض ہو جاتے۔ نفس کی شرارت تو انسان میں رہتی ہے۔ دنیا دار قسم کا آدمی کبھی اس شرارت نفس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ ایک دن سمندر میر نے اپنے گھر میں ختم دلوا یا۔ اور کشمیری طرز کی دعوت دی جس میں گاؤں اور شہر کے چند متمول لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ کبیر ملک سے کسی تنازعہ کے سبب نہ اسے مدعو کیا۔ نہ حضور قبلہ عالم کو مدعو کیا۔ اسی دن ارسلان خان صاحب کبیر ملک کے گھر آئے۔ انہیں معلوم



ہوا کہ سمندر میر نے حضور قبلہ عالم کو مدعو نہیں کیا۔ سمندر میر کو معلوم ہوا کہ ارسلان خان کبیر ملک کے گھر آتے ہیں۔ اُس نے نوکر کو بھیجا کہ ارسلان خان کو دعوت میں بلائے۔ یہ حرکت انہیں ناگوار گذری۔ انہوں نے جواب دیا جس میں میرے پیر شامل نہ ہوں۔ ہم اس دعوت میں شریک نہیں ہوتے۔ سمندر میر نے ان کی اس بات پر اظہارِ ناراضگی کیا۔ اور غلطی سے حضور قبلہ عالم کی شان میں اس کی زبان سے گستاخانہ کلمات نکلے۔ ارسلان خان کو معلوم ہوا۔ تو جلال میں آگے غصہ میں کہنے لگے۔ سمندر میر کی یہ طاقت کہ حضور کی شان میں بے ادبی کرے! میں اسے خاک میں ملا دوں گا۔! زبان سے الفاظ نکلنے تھے کہ سمندر میر کا مکان زلزلہ کی زد میں آگیا۔ زمین پنگوڑے کی طرح ڈولنے لگی۔ ہمایہ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے۔ دیگیں الٹ گئیں۔ وہاں سے دھواں اُٹھنے لگا۔ سمندر میر گھر سے باہر بھاگا۔ کبیر ملک کا مکان سمندر میر کے قریب ہی تھا۔ دیکھا ارسلان خان غصہ میں غضبناک ہو رہے ہیں۔ بات سمجھ گیا۔ دوڑ کر قدموں میں گر پڑا۔ مُعافی مانگنے لگا کہ مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی۔ میں برباد ہو گیا۔ میری خطا مُعاف کریں۔ سمندر میر کی عاجزی سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سمندر میر کو ملامت کی کہ تم نے حضور قبلہ عالم کی شان میں گستاخی کی۔ تنبیہ کی کہ مُرید ہوتے ہوئے حضور قبلہ عالم کی شان کو نہیں سمجھتے۔ اور اپنی دولت کے نشہ میں مست ہو گئے۔ مرید نہ ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ اب جاؤ اپنی دعوت کا بندوبست کرو۔ سمندر میر واپس گھر لوٹا۔ دیگیں اُٹھائیں۔ آگ جلانی۔ تو دیکھا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر میں دعوت تیار ہو گئی۔ ارسلان خان کو خود آ کر دعوت میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ مگر وہ شریک نہ ہوتے۔ ارسلان خان حضور قبلہ عالم پر دل و جان سے فریفتہ تھے۔ اکثر وقت ان کی خدمت گزاری میں گھر اور سفر میں ان کے ساتھ رہتے۔ شہر میں کبھی اپنے درویشان دوستوں میں آتے۔ تو ہر شخص ان کی عزت کرتا۔ آپ سے اپنی مہموں سے متعلق استدعا کرتے۔ آپ ان کے معاملات حضور میں پیش کرتے۔ اور ان کی مشکلیں حل کر دیتے۔ جب بھی کسی مرید کو مشکل پیش آتی تو ارسلان خان کے پاس دوڑا آتا۔ اور مدد طلب کرتا۔ حضور قبلہ عالم کے مُریدوں میں ارسلان خان رُشل سابقون الاولون، معرفت الہی میں کامل اکمل ولی تھے۔ اکثر لوگوں کو توجہ دے کر حضوری



کرتے۔ آپ کا ایک خادم حجام آپ کی خدمت میں اکثر رہتا۔ ایک دن حجام نے استدعا کی کہ مجھے بھی کچھ فیض عطا ہو۔ طبیعت اس وقت سرور میں تھی۔ حلال آگیا۔ قریب بلایا۔ توجہ دی اسی وقت حجام اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ توجہ میں نور کی شدت تھی۔ حجام پر جذب طاری ہو گیا۔ اور پھر یہ جذب اس پر تمام عمر رہا۔ اس سے بھی کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ لوگ حجام سے بھی فیض پاتے رہے۔ یہ شخص گاؤں میں فقیر ”عمہ صاحب“ (احمد نام تھا) یا رو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جناب ارسلان خان اپنے پیر کے ان مریدوں میں سے تھے جو خود ایک پیر اکمل کی ولایت کی دلیل بنتے ہیں۔ آپ نے اپنے پیر اکمل کی صحبت میں اپنا مقام و مقصود پایا۔ اور ۱۹۶۱ء میں مادی برزخوں سے نکل کر ابدی زندگی کے راحت و سرور میں داخل ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

## ایک ولی موت پر قادر ہے۔

بس انسانی زندگی کی حیات و موت کا قصہ یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ کہ جسم سے روح جدا ہو کر یا تو بھٹک جاتی ہے۔ یا واصل حق ہو جاتی ہے۔ ہاں! کسی کی روح ”جدا کی جاتی ہے“ اور کوئی خود گل کر الگ ہو جاتی ہے۔ دنیا سے محبت رکھنے والے۔ دنیا کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ انہیں مجبوراً برزخ میں جانا پڑتا ہے۔ وہ موت پر راضی نہیں ہوتے۔ مگر ولی دنیا کو سِجْنُ الْمُؤْمِنِ (قید خانہ) محسوس کرتا ہے۔ اس کی نظر میں جنت کی شادابیاں۔ مراتب کے لطیف و خوش آئند تجلیات و انوار ہوتے ہیں۔ اس کی روح اپنے مراتب میں جلنے کے لیے بے چین رہتی ہے۔ وہ موت کا بے چینی سے منتظر رہتا ہے۔ وہ تمنائے موت میں ہر لمحہ اجل کو لبیک کہنے کا منتظر رہتا ہے۔ کیوں کہ ”اجل“ ہی اس کے دائمی وصال میں حائل ہونے کا سبب ہوتی ہے۔

فَتَمَنَّوُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ۔

موت کی تمنا کرنا صدیقیت کی صفت میں شامل ہے۔ ایمان کی اصل شرط موت کی تمنا



رکھنا ہے۔ اس حال میں کہ اس کی رُوح مراتب کی تجلیات کا مشاہدہ کرتی ہے۔  
 ان تجلیات میں ایک لذت ہے۔ ایک سرور ہے۔ یہی سرور درحقیقت ”حُب“ اور  
 ”عشق“ سے تعبیر ہے۔ یہی سرور استغراق پیدا کرتا ہے۔ یہی استغراق ولی کی اصل ہے۔  
 کہ وہ اس سرور سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا۔ اور ”موت“ اس رکاوٹ کو ختم کر دیتی ہے۔  
 یہی وہ مقام ہے۔ جہاں مومن۔ ولی۔ شہید۔ موت کے ایک نعمت سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے۔  
 اس کے سامنے موت کی تلخی کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ اس تلخی میں بھی اُسے ایک  
 لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ خوش۔ خوش۔ موت کو دعوت دیتا ہے۔  
 ہاں!۔۔۔ ولی مجبور نہیں۔ وہ موت و حیات پر قادر ہے۔ مَوْتُوَا قَبْلَ اَنْتَ  
 مَوْتُوَا۔۔۔ ولی اپنی زندگی میں بھی موت کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔ ولی اجل سے  
 قبل برزخ میں داخل ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ برزخ دراصل عالمِ ناسوت کا ایک  
 مقام ہے۔ عالمِ ناسوت میں داخل ہوا۔ گویا برزخ میں داخل ہوا۔ یہی مراد اس قول  
 کی ہے۔ کہ اجل سے پہلے ہی تم برزخ میں داخل ہو جاؤ۔ ولی اپنی حیات میں ہی اس مقام  
 کو حاصل کر لیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسان جسم سے انسان نہیں کہلاتا۔ بلکہ اصل انسان تو اس کی رُوح  
 (روحِ حیوانی) ہے جو جسم کے لباس سے ”حیات“ کا جامہ پہن لیتی ہے۔ حیات سے مراد  
 صرف رُوح کا جسمانی حالت میں متحرک و محسوس ہونا ہے۔ ورنہ رُوح جسمانی لباس سے قبل  
 بھی موجود ہے۔ یہی رُوح اصلاً انسان سے موسوم ہے۔ اور موت سے مراد۔ رُوح کا  
 جسم سے الگ ہو کر غیر محسوس ہونا۔ یا اپنی پہلی حالت میں آنا۔ رُوح جیسی حیات سے  
 قبل ہے۔ ویسی ہی حیات میں ہے اور ویسی ہی بعدِ حیات۔ رُوح کے لیے تینوں دور  
 یکساں ہیں۔ رُوح کا پہلا مقام عالمِ امر ہے۔ درمیانی مقام عالمِ اجسام ہے۔ اور آخری  
 مقام عالمِ برزخ۔ عالمِ برزخ کی وسعت عالمِ نور سے لے کر عالمِ ظلمت تک ہے۔ اور



عالم اجسام میں داخل ہونا۔ انسان کی آزمائش گاہ ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

(پارہ ۲۹- سورہ ۶۷- آیت ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے تم کو کہ عالم اجسام کی حیاتی میں تم میں کون نیک عمل کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس رُوح کو حیاتی سے (عالم اجسام سے) علیحدہ کر کے۔ عالم برزخ میں داخل کرتا ہے۔ اور عالم برزخ میں انسانی عمل کے مطابق۔ نور و ظلمت میں مقام ملتا ہے۔ اور موت ہی ایک ذریعہ ہے۔ جو اس رُوح کو عالم اجسام سے نکال کر عالم برزخ کا راستہ کھول دیتی ہے۔ لہذا اول عالم اجسام میں ہی جسم کی موجودگی میں یہ قوت حاصل کرتا ہے۔ کہ وہ عالم برزخ میں اپنی حیاتی میں اپنے ارادے سے داخل ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ وعدہ الہی کے مطابق رُوح جسم سے طعنی رہتی ہے۔ اور وعدہ اجل پر وہ یکسر عالم اجسام سے علیحدہ ہو کر برزخ میں داخل ہو جاتی ہے۔ دل جب عشق الہی کی آگ میں اپنی رُوح کو جلا دیتا ہے۔ تو اپنے عمل میں۔ اس امر پر قادر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی مقرر کردہ اجل (رالی حین) پر بھی قادر ہو کر جب چاہے۔ جسم سے علیحدہ ہو کر عالم برزخ میں داخل ہو اور پھر جسم میں واپس نہ آئے۔ اور اپنے آپ پر موت طاری کرے۔ مَوْتُوَا قَبْلَ اَنْتَ مَوْتُوَا میں خیالی تصور نہیں۔ کہ تصور اپنے آپ کو مردہ تصور کرے۔ نہیں۔ بلکہ۔ جسم سے علیحدہ ہونے کی قدرت رکھتا ہو۔ اس حال میں کہ عالم اجسام سے اس کا رشتہ یکسر ٹوٹ جائے۔ اور پھر اس پر بھی قادر ہو۔ کہ اپنی مرضی سے چاہے تو جسم میں دوبارہ داخل ہو۔ چاہے تو اپنے ارادے سے عالم برزخ میں مستقل قیام کر کے اجل کی موت میں داخل ہو۔ گویا اول اپنے عمل سے۔ اپنی حیات و موت پر قادر ہوتا ہے۔ جتنی مدت چاہے عالم اجسام (جسم) میں قرار کرے۔ اس حال میں کہ وعدہ کی اجل اس کے ارادے پر غالب نہ ہو۔ اور جب چاہے۔ وعدہ اجل کے بغیر عالم اجسام (جسم) کو چھوڑ کر عالم برزخ میں چلی جائے۔ کیونکہ دل کی رُوح صاحب اختیار ہوتی ہے۔ اور ارشاد الہی کے مطابق۔ فَكُنْتُ مَعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَكُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَكُنْتُ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا۔ اللہ کا اپنے بندے



سے ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ کہ جب میرا بندہ اپنی عبادت و حُب سے میرا قُرب حاصل کرتا ہے۔ تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ حرکت کرتا ہے۔ لازم ہے کہ میں اس کا ارادہ بن جاتا ہوں جس سے وہ عمل کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک مقرب بارگاہِ خداوندی اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کر سکتا ہے۔ موت۔ ایک وعدہ الہی ہے۔ سنتِ الہی ہے۔ جو انسان کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ جب ان پر موت آتی ہے۔ تو وہ اس میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ نہ پہلے جاسکتے ہیں۔ اس امر کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ مگر جہاں ایک صاحب بقا و فنا ولی۔ اپنی زندگی میں بقائے دائمی۔ بقائے روحی۔ حاصل کر لیتا ہے۔ وہاں برزخ میں جانے کا تصور باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ برزخ حقیقتاً عالمِ ناسوت ہی کا ایک مقام ہے۔ جو ولی کی ولایت کی ادنیٰ منزل ہے۔ اس اعتبار سے ولی کی اجل میں ملک الموت کا دخل نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک پیامبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ حکم حضور ہے۔ سنتِ الہی ہے۔ ولی خود جسم چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بس قصہ ختم ہوا۔

## انسان ملائکہ سے افضل بن سکتا ہے۔

ہاں! موت کے بعد انسان۔ ولی۔ کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟  
فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝

انسان پیدائشی اعتبار سے ملائکہ سے افضل مقام رکھتا ہے۔ لیکن انسان اپنی نفلی خلقت کے زیر اثر اس مقام پر قائم نہیں رہتا۔ ولی کو یہ مقام بدرجہ اولیٰ حاصل رہتا ہے۔ کہ روحانی اعتبار سے وہ ملائکہ سے افضل رہتا ہے۔ ولی اس صفت سے متصف ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:



مَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ عَلَى شَهْوَتِهِ فَهُوَ أَعْلَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ  
جس نے اپنی رُوح کو شہوت پر غالب کر دیا وہ ملائکہ سے افضل مقام کا حامل  
ہوتا ہے۔

جس نے اپنے جہد و عمل۔ تزکیہ نفس سے اپنی روحانیت کو جلا دی — وہ روحانی  
اعتبار سے ملائکہ سے افضل صفات و قوت کا حامل ہوتا ہے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً

رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے شہوانی قوتیں کچل جاتی ہیں — وہ ملائکہ سے  
افضل حیثیت رکھتا ہے — ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی کے حامل ہیں۔ ان پر  
موت وارد نہیں ہوتی — ملائکہ انتقال مکانی میں آنا فانا طے مقام پر قادر ہوتے ہیں۔  
اسی اعتبار سے ان کا ادراک بھی وسیع ہوتا ہے۔

آسمانوں سے کائناتِ ارضی کا ادراک رکھتے ہیں — ملائکہ عالمِ باطن (آسمان)  
سے عالمِ ظاہری (دنیا) میں داخل ہونے کی قدرت رکھتے ہیں — قرآن خود اس کی شہادت  
دیتا ہے۔

۱۰ حدیث: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْمَلَائِكَةَ وَرَكِبَ فِيهِمُ الْعَقْلَ وَخَلَقَ الْبَهَائِمَ رَكِبَ  
فِيهِمُ الشَّهَوَاتَ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ رَكِبَ فِيهِمُ الْعَقْلَ وَالشَّهَوَاتَ فَمَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ  
عَلَى شَهْوَتِهِ فَهُوَ أَعْلَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمَنْ غَلَبَ الشَّهَوَاتَ عَلَى عَقْلِهِ فَهُوَ أَدْنَى مِنَ  
الْبَهَائِمِ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ملائکہ خلق کیے انہیں نور سے بنایا۔ اور بنائے حیوان ان کا مرکب شہوت (نار)  
سے بنا — اور بنایا انسان کو اس کے مرکب میں نور اور شہوت (نار) بھر دیا۔ پس جس نے اپنے نور کو  
شہوت پر غالب کر دیا وہ انسان ملائکہ سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور جس نے اپنی شہوت کو نور پر غالب کر دیا  
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَصْلَفُ وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔ حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی  
میں اس حدیث کی شرح بیان کی ہے۔

در حدیث آمد کہ یزدان مجید خلق عالم را سه گو نه آفرید



تَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا۔ پارہ ۳۰۔ سورہ ۹۷۔ آیت ۲

ملائکہ زمین پر اترتے ہیں۔ ملائکہ انتقالِ ہیت پر قادر ہیں۔

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا دُوحًا فَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ پارہ ۱۶ سورہ ۱۹۔ آیت ۱۷

پس ہم نے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف اپنا روح (ملائکہ) بھیجا۔ جس نے بشری شکل میں انتقال کیا۔ ملائکہ اپنی قوت کے اعتبار سے مافوق الفطرت عمل کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ واقعہ حضرت لوط علیہ السلام میں قرآن نے بیان کیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ جَبَارًا ۝ مِّنْ طِينٍ ۝ پارہ ۲۷ سورہ ۵۱ آیت ۳۱ تا ۳۳

پس کہا ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا کیا ارادہ ہے اے فرشتو۔ وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم (قوم لوط) کی طرف تاکہ ہم برسائیں ان پر پھر زمین سے۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۝ وَامْطَرْنَا عَلَيْهَا جَبَارًا ۝

مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ مَّنْصُودٍ ۝ پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت ۸۲

پس جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے اسی بستی کو زیر و زبر کر ڈالا اور برساتے ان پر پھر۔ یہ صفت ایٹمی قوت کی حامل ہے کہ روح ایک بستی کو تہہ و بالا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جو زمین سے لاکھوں میل دور ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری قوت کی صفت تھی کہ آپ کی نوری توجہ سے چاند شق ہو گیا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَالشُّقُّ الْقَمَرُ ۝ وَإِنْ يَسِرَّوْا آيَةً يُعْرِضُوا ۝

وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ پارہ ۲۷ سورہ ۵۴ آیت ۱-۲

قریب آگئی قیامت۔ چاند پھٹ گیا۔ اور اگر وہ دیکھ لیں کوئی معجزہ تو منہ موڑ لیں اس سے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے۔

کفار مکہ نے چاند دو ٹکڑے ہوتا دیکھا۔ تو ایسے ناممکن الوقوع حادثہ کو دیکھ کر گہرا اٹھے۔ سمجھے کہ قیامت آگئی۔ اور جن کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ



طلب کیا تھا۔ کہ اگر آپ ”نبی“ ہیں تو آپ کی صفت یہ ہونی چاہیے کہ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹکڑے کیے تو پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ یہ جادو کے ذریعہ کیا گیا۔  
 ان آیات قرآنی میں واضح کیا گیا کہ نوری وجود کی صفات کیا ہیں — اور ان صفات کمالات کا صدور ملائکہ سے ہونا بیان کیا گیا — اور پھر ملائکہ کے مقابلہ میں قرآن نے انسان کو ملائکہ سے افضل قرار دیا —

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط  
 اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے کہ آدم (انسان) کو اپنے سے افضل ہونا تسلیم کرو — تو

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ه

تمام ملائکہ آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے — یہ فضیلت کس خصوصیت کی بنا پر تھی؟ — قرآن نے تخلیق آدم میں اس خصوصیت کا ذکر کیا —  
 وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ آدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ه  
 فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ه (پارہ ۱۴ سورہ ۱۵ آیت ۲۸-۲۹)  
 اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے کہ میں ایک بشر بناؤں گا۔ مٹی کے لیسدار جوہری کچرے سے پس جب میں نے اسے سنوارا۔ اور اس کے مرکب میں اپنا نور ڈالا۔ تو تم اُسے اپنے سے افضل تسلیم کرو — پس جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق میں نور کو دیکھا۔ تو انہوں نے آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کیا —

اس مقام پر قرآن نے انسانی مرکب کی پوری نشاندہی کی کہ اس کے مرکب میں زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس جوہری قوت کا خاصا وہی ہے جو زمین کی جوہری قوتوں (ہائیڈروجن۔ ایٹم۔ برق وغیرہ) سے ظہور ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب اس مرکب میں ملائکہ نوری سے افضل نور ڈالا گیا۔ تو لازم ہے کہ اس وجود سے ہر اس صفت و کمال کا ظہور ہوگا۔ جو ملائکہ سے ہوتا ہے — لہذا انسان اپنی ماری قوت سے مانوق اعقل



کمالات کے اظہار میں پہاڑوں اور زمین میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے۔ — اپنی ناری (ایٹمی) قوت سے زمین کو تہہ وبالا کر سکتا ہے۔ اپنی ناری توجہ سے (جب کہ یہ قوت روح حیوانی سے موسوم ہے) غیر جاندار اشیاء میں زندگی پیدا کر سکتا ہے۔ ہوا میں اڑ سکتا ہے۔ ناری کروں تک جا سکتا ہے۔ ان کی ہمتیوں کو پہچان سکتا ہے۔ یہ تو اس قوت کا فطری عمل ہے جس اصول کو دنیا کا کوئی محقق۔ مفکر۔ سائنسدان جھٹلا نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ انسان میں وَفَخُتْ فِيهِ مِنْ دُوحِیٰ کی ایک نوری روح بھی اس کے مرکب میں شامل ہے۔ یہ قوت نوری ملائکہ کی نوری قوت سے افضل ہے۔ — ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی رکھتے ہیں۔ موت اس زندگی میں فرق پیدا نہیں کر سکتی۔ — ملائکہ نوری قوت کے اعتبار سے انتقال مکانی میں آنا فانا آسمان سے زمین تک انتقال کرتے ہیں۔ — انسان بھی اپنی روحانی حیثیت میں زمین سے آسمانوں تک (روحانی طور) انتقال کر سکتا ہے۔ ملائکہ اسرار و آثار عالم نوری کا ادراک نہیں کر سکتے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا يَعْلَمُ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

ملائکہ نے کہا ہماری نوری صلاحیت اس قدر وسیع نہیں کہ ہم عالم نوری کا ادراک پہچان کر سکیں۔ مگر انسان ملائکہ سے افضل نوری قوت رکھتا ہے۔

فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ

انسان نے اس علم کی خبر دی۔ جو ملائکہ کے احاطہ ادراک سے باہر ہے۔ — ملائکہ کی وسعت پرواز محدود ہے۔ وہ آسمانوں کی مخلوق ہے۔ اس لیے ملائکہ محدود دائرہ تک زمین سے سات آسمانوں تک پرواز کر سکتے ہیں۔ مگر انسان نوری (روح رحمانی) اعتبار سے زمین سے ماورائے عالم ملکوتی۔ تمام عالم نوری تک پرواز کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان۔ ناری۔ نوری اعتبار سے آنا فانا انتقال مکانی کی قدرت رکھ سکتا ہے۔ جبکہ ملائکہ آسمان سے زمین تک آنا فانا انتقال کرتا ہے۔ ملائکہ نوری حیثیت میں زمین کو تہہ وبالا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ انسان ملائکہ کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہے۔ — انسان یہ تمام مظاہرات اپنی ناری اور نوری قوت سے عمل میں لا سکتا ہے۔



جبکہ انسانی پیدائش میں اس کی ناری اور نوری قوت کے مرکب ہونے میں۔ عدم تسلیم کی فطری طور گنجائش نہیں۔ یہ تمام کمال ایک ولی کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ خواہ وہ عالم اجسام میں ہو۔ یا عالم برزخ میں۔ انسان کے جملہ کمالات اس کے ناری۔ نوری وجود سے وابستہ ہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں ناری رُوح (روح حیوانی) میں ان خصوصیات کا پایا جانا لازمی ہے۔ جبکہ عالم برزخ میں رُوح حیوانی۔ منتقل ہوتی ہے۔ ناری وجود بذاتِ خود انسان کہلاتا ہے۔ رُوح حیوانی ہی انسانی ہیئت میں۔ علم و کمال حاصل کھتی ہے۔ ظاہر ہے برزخ میں انتقال کی صورت میں رُوح حیوانی میں علم و کمال باقی رہتا ہے۔ اور جیسے وہ عالم اجسام میں اپنا علم و کمال استعمال کرتی ہے۔ برزخ میں بھی استعمال کر سکتی ہے۔ انسان کی نوری رُوح کا مقام عالم برزخ نہیں۔ ایک ولی جب عالم اجسام میں قانونِ الہی کے مطابق عبادت و تزکیہ کرے۔ تو عبادات کے صلہ (ثواب) میں اس کی نوری رُوح (روح رحمانی) عالم نوری میں مراتب پاتی ہے۔ چونکہ نوری رُوح مجسم نور ہے اس لیے بعد موت اس کا مقام اپنے مراتب میں عالم نوری میں ہوتا ہے۔ اور جس انسان نے قانونِ الہی کی خلاف ورزی کی۔ اس کی دونوں رُوحیں تنزل پذیر ہو کر۔ اپنے عمل کے مطابق عالم برزخ میں ظلمت (اندھیروں) میں مقید ہوتی ہیں۔ پھر اس سے کوئی کمال سرزد ہوتا ہے نہ مافوق الفطرت کمالات کا صدور اس سے ہو سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کے حاضر کرنے سے (حاضرات ارواح کی صورت میں) کسی کے پاس آ سکتی ہے۔ نہ کلام کر سکتی ہے۔ نہ ایسی رُوح کو بعد موت عالم برزخ میں کوئی سکون و آرام و راحت میسر آتی ہے۔

ایک ولی کی خصوصیت میں یہ کمال بھی ہے کہ وہ عالم برزخ میں اپنے عمل کے مطابق نوری مقام پاتا ہے اس کا کمال رُوح میں قائم ہوتا ہے۔ اور وہ صاحبِ اختیار اسی طرح ہوتا ہے جس طرح عالم اجسام میں کہ وہ برزخ میں رہ کر عالم اجسام میں جس سے چاہے بات کر سکتا ہے۔ اور اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی مدد کر سکتا ہے۔ ولی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی و ارادہ سے عالم اجسام میں داخل ہو۔ خواہ وہ



روحانی ہیئت میں داخل ہو یا فتمثل لہا بشراً سوئیاً مثل ملائکہ بشری ہیئت اختیار کر کے اپنے عزیزوں سے ملاقات کرے۔ جن اولوالعزم ہستیوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں بعد موت جسمانی حالت میں دیکھا گیا۔ ایسی ہستیوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہمہ صفات موصوف ہے۔ آپ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ و علیٰ بابہما۔ سردارِ اولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اولوالعزم اولیاء شمار ہوتے ہیں۔ مکتوباتِ اولیاء — میں مکتوباتِ صابری میں۔ حضرت علی احمد صابر کلیری کا ایک واقعہ صحیح سند سے درج کیا گیا ہے کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موت کے متعلق فرمایا کہ ہماری میت کو ایک مقام پر رکھا جائے تو ایک نقاب پوش آئے گا۔ جو میرا جنازہ پڑھائے گا۔ چنانچہ آپ کی وفات پر آپ کے حکم کے مطابق ایک جگہ جنازہ رکھا گیا۔ تمام فقراء اور عقیدت مندوں نے نماز کے لیے صفیں باندھیں۔ اتنے میں ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار تابوت کے قریب پہنچا اور اس نقاب پوش نے حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی میت پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر بغیر منہ دکھائے تیزی سے آگے نکل گئے۔ اس وقت حضرت علی احمد صابر کے خلیفہ اکبر حضرت شمس پانی پتی نے دوڑ کر ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی اور ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ پوچھا اے حضرت مجھ پر انکشاف کریں کہ آپ کون ہستی ہیں۔ تو نقاب پوش نے چہرہ سے نقاب اٹھا کر فرمایا۔ ولی خود اپنا جنازہ پڑھتا ہے۔ دیکھا تو یہ خود حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی۔ اس واقعہ میں شک نہیں۔ حضرت علی احمد صابر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ اکبر تھے۔ آپ کا تزکیہ نفس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی میں چھ سال تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ پھر کلیر کی خلافت کے وقت۔ ایک گور کے درخت کے نیچے بارہ سال ذاتِ الہی کے دیدار میں کھڑے رہے۔ اس دور میں آپ عالمِ اجسام میں تھے۔ مگر جسمانی بقا سے لانا احتیاج تھے۔ اس تزکیہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی روح موت و حیات کی واردات سے آزاد۔ اپنی موت پر قادر۔ جب



اجل کو بتیک کہا۔ تو جسم کو عالم ظاہری میں چھوڑ کر۔ خود عالم برزخ میں داخل ہو گئے۔ اور آپ کی رُوحِ رحمانی فنائے الہی حاصل کر کے واصلِ بحق ہو گئی۔ آپ نے جانا کہ اس وقت فقیر کا جنازہ پڑھانے والا کوئی ایسا نہیں جو میرا جنازہ پڑھائے۔ لہذا آپ کی رُوح (رُوحِ حیوانی) نے برزخ سے نکل کر فتمثل لہا بشر کی ہیئت بشری اختیار کر کے خود اپنی میت (جسم) کا جنازہ پڑھایا۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے۔ اور فطرت کا تخلیقی عمل ہے۔ جسے طالبِ حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب کے مریدوں میں جناب ارسلان خان صاحب مرحوم کی ذات ایسی تھی۔ جنہوں نے انتہائی تزکیہ نفس اور کثرتِ مجاہدہ سے یہ مقام حاصل کیا تھا کہ آپ اپنی موت و حیات پر قادرِ مَوْتُوَا قَبْلَ اَنْتَ مَوْتُوَا کا کامل نمونہ تھے۔ اور عالم برزخ میں بھی آپ صاحبِ اختیار ولی کی حیثیت میں تجلیاتِ الہی سے سرور ہیں۔ اور آپ کی رُوحِ رحمانی واصلِ بحق۔ فنا و بقا کا مقام رکھتی ہے۔ حضور پُر نور جناب الحاج محمد امین صاحب اولیسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا۔ بلاشبہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابرین ادلیا۔ میں شمار ہے۔ اور کمالاتِ ولایت میں آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا۔ لیکن نے آپ نے کمالاتِ ناسوتی کو اہمیت نہ دی۔ سوائے اس کے کہ کمالاتِ ملکوتی میں طالبِ حق کو بہمہ صفات متصف کر کے واصل الی اللہ کر دیتے۔

حضور قبلہ عالم۔ عبدالرزاق بخاری کی معیت میں۔ اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ اس دوران آپ نے مکان کی تعمیر کے لیے جستجو شروع کی جس میں عبدالرزاق بخاری صاحب نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے مدد کی اسی دوران بخاری صاحب کو بھی اپنی صحبت میں رکھ کر آپ کے تمام مراتب طے کر کے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ بخاری صاحب اپنا مقصد پا کر حضور سے اپنے وطن رخصت ہو گئے۔ بخاری صاحب کی رخصت کے بعد حضور نے مکان کی تعمیر پر توجہ فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا مکان تیار

ہوا۔ اور آپ نے اپنے مکان میں سکونت اختیار کی۔

## خواجہ عبد الکریم زرگر کا بیعت ہونا

ایک دفعہ آپ کا شیراہ گاؤں سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً ارسلان خان صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ کپواڑہ قصبہ سے تقریباً بارہ میل پر تحصیل ہندواڑہ میں بہرام پورہ ایک گاؤں سڑک سے ایک میل دور واقع ہے۔ یہاں درمیان میں ایک دریا بہتا ہے۔ اس مقام پر ایک شخص راستہ میں کھڑا منتظر تھا۔ جو نہی حضور قریب سے گزرے۔ تو اس شخص نے السلام علیکم کہا۔ اور عرض کی جناب آپ میرے گھر تشریف لے چلیں میں آج آپ کو اپنا مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔ حضور قبلہ عالم اس شخص کی استدعا پر اس کے گھر گئے۔ مکان کے اندر داخل ہوئے۔ تو ایک کمرہ نہایت پاکیزگی سے سجایا ہوا تھا۔ شاہ نشین میں ایک سفید چادر بچھی ہوئی۔ ارد گرد دیکھتے لگاتے ہوئے تھے۔ حضور نے خیال فرمایا۔ شاید صاحب خانہ نے ختم دلویا ہے۔ اس لیے ہمیں مسافر سمجھ کر مدعو کیا ہے۔ حضور کمرے میں ایک کونہ میں بیٹھنے لگے۔ تو اس شخص نے حضور کا ہاتھ پکڑ کر شاہ نشین پر بٹھایا۔ عرض کی یہ جگہ آپ ہی کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آپ اس منہ پر تشریف رکھیں۔ صحن میں کشمیری دعوت کا اہتمام ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اور بھی لوگ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور باادب بیٹھتے گئے۔ کھانا شروع ہوا۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا دعا کی اور ان میں سے کچھ لوگ چلے گئے۔ صرف چند لوگ کمرے میں بیٹھے رہے۔ اسی اشارہ میں صاحب خانہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے باادب بیٹھا اور ساتھ کچھ شربتی اور ایک سفید لوئی (کشمیری چادر) حضور کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بیعت کریں۔ اس شخص نے عرض کی کہ یہ سب انتظام محض آپ کی تشریف آوری کے لیے کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مدت سے میری خواہش تھی کہ راہ حق کی تلاش میں مجھے کوئی راہبر ملے۔ قدرت نے میری راہنمائی کی۔ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ بتایا گیا کہ اس لڑکے سے فیض حاصل ہوگا۔ میں آپ کی تلاش میں مدت سے سرگرداں رہا۔



آج رات پھر مجھے یہ منظر دکھایا گیا کہ آپ سڑک سے گزریں گے۔ مجھے اس اطلاع پر پورا یقین تھا کہ آپ مجھے مل جائیں گے۔ چنانچہ صبح سے ہی میں نے یہ انتظام شروع کیا۔ اور دریا کے پار آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ آپ تشریف لائے تو میں سمجھا۔ کہ میرا خواب سچا ہے۔ اس لیے حضور کو اپنے غریب خانہ پر آنے کی تکلیف دی۔ براہ کرم مجھے بیعت فرمائیں۔ اور یہ شریعی بطور نیاز قبول فرمائیں۔ کیونکہ ہمارے رواج کے مطابق ہم لوگ پیر حاصل کرنے میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔ ہم اس شخص کی باتیں تعجب سے سن رہے تھے۔ ابھی ہم نے اس شخص کی بیعت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ معافظہ سے گذشتہ زمانے کا ایک واقعہ ابھرا۔ حضور فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب کی معیت میں جب ہم حج پر تھے۔ تو ایک دن ہم مدینہ منورہ کی ایک پہاڑی پر بیٹھے شہر اور روضہ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اچانک ہم پر غنودگی طاری ہوئی۔ دیکھتے ہیں ایک شخص سُرُخ داڑھی رکھے میرے پاس آیا۔ اور ایک چھوٹی سی گٹھری اور ایک چادر پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی روضہ شریف میں لے جائیں۔ ہم نے اُس شخص کو اٹھا کر گنبد خضرا پر دے مارا۔ وہ شخص سیدھا گنبد پر گرا۔ اور اندر چلا گیا۔ گنبد سے ایک نور کا شعہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ بس ہم پر سے غنودگی رفع ہو گئی ہم حیرت میں تھے کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اور عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ مبادا اس میں کسی بے ادبی کا تاثر ہو۔ کچھ دن بعد یہ واقعہ ذہن سے اُترا۔ پھر کبھی یاد نہ آیا۔ سفید چادر۔ گٹھری۔ اور اس شخص کا حلیہ یاد آیا۔ تو اس وقت ہمیں اس واقعہ کی تعبیر نظر آئی۔ بغیر لیت و لعل ہم نے اس شخص کو بیعت کر لیا۔ اور شریعی اور چادر ہم نے رکھ لی۔ رات ان کے گھر قیام کیا۔ دوسرے دن صبح یہاں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ شخص

ر شجرہ میں دیتے گئے خلیفہ اکبر)

”حق تحفہ شاہ رسالت ولی عبدالکریم آل خواجہ عالم“  
 جناب خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر کی ذات گرامی تھی۔ بیعت کے ساتھ ہی۔

ایک رات کی صحبت میں اجلاسِ محمدی میں داخل ہو کر زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کیوں نہ ہو آپ کی ذاتِ ازل سے مخصوص و منتخب تھی۔ اس انتخاب کا عمل میں آنا ضروری تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو پیر سے عشق تھا۔ ذاتی طور پر خواجہ کریم جو صاحبِ عبادات و مجاہدات میں اکثر مشغول رہتے آپ کے حقیقت سے لگاؤ اور پیر سے محبت اور عزت افزائی کے سبب حضور قبلہ عالم آپ پر بے حد ہریان تھے۔ عمر کے لحاظ سے آپ کی قدر کرتے۔ اس توجہ کا اثر یہ تھا کہ خواجہ صاحب نے تیزی کے ساتھ تھوڑی مدت میں منازلِ فقر طے کر کے مشاہدہ ذاتِ الہی میں مقام پایا۔ اور حضور قبلہ عالم نے انہیں خلافتِ اویسیہ۔ امینیہ عطا کی۔ آپ کی نسبت سے علاقہ ہند وارثہ۔ یو پور۔ اودی پورہ لنگیٹ کے مضافات میں کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ اس طرح لوگوں کو علم ہوا کہ اصل فقر کی کیفیت کیا ہے۔ ان مضافات میں فقیر بہت تھے۔ کچھ مجذوب فقیر بھی تھے۔ جن سے لوگ۔ حصولِ فیض میں رجوع کرتے تھے۔ لیکن اجلاسِ محمدی میں داخل ہو کر زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنا۔ ان کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر فقراء عالمِ ناسوت کی اکائیس منزلیں مشکل طے کر پاتے۔ ان منزلوں کو طے کرنے میں کٹھن مجاہدات سے انہیں گزرنا پڑتا۔ ان منازل کے اثرات و آثار میں بھی فوقِ عقل مظاہرات کا ظہور ہوتا تھا۔ دوسرے فقراء کو اپنے مجاہداتِ تزکیہ سے کرامات کا ملکہ حاصل ہوتا۔ تو لوگ انہی کرامات کو اصل سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے۔ اور چندے مشاہدات و مظاہرات کی بناء پر اسی عمل کو اصل فقیری (طریقت) سمجھتے۔ فقرار کو ان منازل کے طے کرنے میں کرامات کی قوت حاصل ہوتی اور مراتب میں حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار تک رسائی اور زیارت ہوتی۔ ان کے نزدیک اتنا مقام پانا۔ عظیم مرتبہ پانے کے مترادف تھا۔ البتہ عالمِ ناسوت کی بالائی منزلوں میں نسبتِ غوث الاعظم کے تو تسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوتی لیکن یہ زیارت اجلاسِ محمدی سے نہیں۔ بلکہ عالمِ ناسوت کی بالائی



منازل میں ہی میسر آتی۔ ایسا فقیر بھی ولی کہلانے کا مستحق نہیں۔ تاہم ایسے فقراء کا مقصد بھی معرفتِ الہی ہو۔ تو ایسے فقراء بھی اولیاء کے زمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسے فقراء بھی ان منازلِ ماسوتی کو طے کر کے عالمِ ملکوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں عالمِ جبروت۔ لاہوت کے مقامات سے گزر کر معرفتِ الہی حاصل ہوتی ہے۔ کشمیر میں گزشتہ دور میں ایسے ولی بھی پائے گئے جو معرفتِ الہی میں یکتا ہوئے ہیں۔ مگر بہت کم۔ حضور قبلہ عالم کے ورودِ کشمیر سے قبل ایسے ہی عالم فقراء سے رجوع کیا جاتا۔ اور بجائے خود ایسے فقیر کے تصور میں یہ کیفیت آنا ممکن نہ تھا کہ بغیر کثرتِ مجاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو سکتی ہے اور اس کیفیت سے بھی بہت کم فقراء واقف تھے کہ باطن میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اور جب حضور قبلہ عالم کی نسبت سے طریقِ ادیسیہ کا اجراء ہوا۔ لوگوں نے اس سلسلہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کی سعی سے علاقہ لنگیٹ میں کثرت سے لوگ ادیسی سلسلہ میں داخل ہو کر تھوڑی محنت سے حضوری ہوئے۔ اس طرح اس علاقہ میں سلسلہ ادیسیہ وسعت سے پھیلا۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو حضور نے بیعت خلافت عطا فرمائی تھی۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے اور حضوری ہو جاتے۔ لیکن خواجہ صاحب بہت کم لوگوں کو اپنی بیعت میں لیتے۔ اکثر لوگ جو آپ کی توجہ سے حضوری ہوتے انہیں حضور قبلہ عالم سے بیعت کراتے۔ اس زمانے میں جب لوگوں نے سلسلہ ادیسیہ کے کمالات کا مشاہدہ کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی توجہ کشمیر کے فقراء اور مجذوب فقراء سے ہٹنے لگی۔ بہت کم لوگ جو حقیقی علم سے ناواقف تھے۔ محض فقراء کی کرامات دیکھ کر ان کی طرف رجوع کرتے اور وہ بھی محض حصولِ دنیا میں ان سے دعا و امداد کی خاطر تھا۔ اس سے قبل کشمیر میں۔ اکثر مجذوب فقیر دیکھنے میں آتے تھے۔ جن کی طرف لوگ محض حصولِ دنیا میں جہتِ روانی کی خاطر ان کے آستانوں پر جاتے۔ فقیر تو خود جذب میں ہوتا۔ دنیا اور دنیا کے لوگوں کی طرف کم ہی دھیان ہوتا تھا۔ مگر فقیر کے چیلے لوگوں کی نذر و نیاز سمیٹتے رہتے۔ البتہ اگر مجذوب کسی وقت جذب سے خالی ہوتا۔ تو وہ کسی کے دل کا حال کہہ دیتا۔ یا کسی کرامات کا

اظهار کر کے کسی بیمار پر توجہ ڈالتا جس سے وہ صحت یاب ہو جاتا۔ یا مجموعی طور ظاہراً دعا کرتے۔ یا باتوں باتوں میں لوگوں کے پوشیدہ واقعات دہراتے یا کسی کو اس کی مشکل حل ہونے کی بشارت دیتے۔ جس سے لوگ مطمئن ہو کر چلے جاتے۔ لیکن ایسے فقرار سے بہت کم باطنی فیض میسر ہوتا۔ وہ بھی اس حال میں۔ کہ فیض حاصل کرنے والا بھی مجذوب ہو جاتا۔ حضور کے ظاہر ہونے کے بعد کشمیر میں مجذوب فقرار کا وجود آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔ آپ کے بعد بہت ہی کم مجذوب فقرار کو دیکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور قبلہ عالم کو ولایتِ اولیٰیہ کے عطا ہونے کے بعد باطنی طور مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا اور جیسا کہ عالی جاہ شاہ صاحب کا فرمان تھا کہ ”کشمیری اب تم کشمیر جاؤ۔ تم کشمیریوں کے پیر ہو۔“ حضور قبلہ عالم کو باطنی طور مقامِ قطبیت پر فائز کر کے کشمیر کے سربراہ کی حیثیت سے ہندوستان اور کشمیر کے متعلق جملہ امور باطنی ان کے سپرد کئے گئے۔ خصوصاً ظہور امام مہدی سے متعلق جملہ انتظامات آپ ہی کے ذریعہ طے ہونا مقرر کیا گیا۔ ان امور میں حضور قبلہ عالم بحیثیت منتظم اعلیٰ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے متعلق تمام امور آپ ہی کے ذریعہ انجام پاتے رہے۔ اس سلسلے میں آئندہ فقرار میں عالم اور مبلغ کی حیثیت سے ساک ہونا ضروری تھا۔ اس لیے آئندہ مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں اکثر مریدوں کو۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مشاورت (SUPREME COUNCIL) میں شامل کیا گیا جو سلسلہ ظہور مہدی میں اپنی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ اور اب حضور قبلہ عالم کے ظہور کے بعد اس سلسلہ اولیٰیہ کو جو ”عقائے تصور“ کیا جاتا تھا۔ کاملاً ظاہر ہو کر طریقِ اولیٰیہ کا اجرا ہونے لگا۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سلسلہ میں ابتدائی قدم پر بغیر عالمِ ناسوت کی منازل طے کئے طالب سیدھا اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جاتا تھا۔

درحقیقت تاریخِ اسلام میں طریقت کے حقیقی تصور سے متعلق تاریخی مواد بہت محدود



ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے طریقت سے متعلق آثار کو متشابہات سے متعلق کر کے اس علم کو فقہ قلبی اور مشاہدہ شعوری سے متعلق کر دیا۔ جس وجہ سے قرآنی آیات میں طریقت سے متعلق واضح تفصیل نہیں ملتی۔ اسی سبب سے تاریخ اسلامی طریقت سے متعلق مظاہر کا واضح مواد پیش نہیں کر سکی اور پھر ابتدائے اسلام طریقت کا کوئی علیحدہ تصور قائم نہیں تھا کہ طریقت سے متعلق واقعات و کیفیات کا بیان سامنے آتا۔ سوائے اس کے کہ قرآن کے اصل مقصد کے پیش نظر قرآن وحدیث کی روشنی میں عام عقول انسانی کے مطابق محکمات۔ یعنی اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا۔ یہ اصلاح انسانی کی بنیادی ضرورت تھی کہ عمومی حیثیت میں حقیقت علم سے انسانوں کو سہل العمل احکام کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا جائے اور اس عمل سے انہیں جسمانی۔ روحانی پاکیزگی حاصل ہو۔ احکام کی تعمیل سے جسمانی۔ روحانی پاکیزگی۔ انسان کے بنیادی مقصد میں شامل نہیں۔ بلکہ انسان کا بنیادی مقصد۔ اپنی اصلاح کے بعد نتیجہ عمل حاصل کرنا ہے۔ اس نتیجہ عمل میں ایک باطنی تصور بھی پایا جاتا ہے۔ جو متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نتیجہ عمل کو ”مراتب“ سے تعبیر دیا گیا۔ مثلاً ایک شخص کو اس کے بنیادی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی اقتدار میں لیا جائے۔ اقتدار سے مراد۔ اسلام کو تسلیم کرنا۔ اور رسول کی اتباع کرنا۔ یہ ایک ذریعہ ہے۔ اتباع کے بعد احکام کی تعمیل کرنا۔ یہ اصلاحی عمل ہے کہ اللہ کو معبود سمجھو۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ اس عمل سے انسان کو جسمانی۔ روحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ لازمی ہے ان احکام کی تعمیل میں ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ نیک اعمال کے صلہ میں جنت ملتی ہے۔ لہذا انسان کا بنیادی مقصد حصول جنت ہے اور جنت کا تصور متشابہ ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ جسمانی۔ روحانی پاکیزگی سے جنت کا مشاہدہ کیا جائے۔ احکام کی تعمیل میں اصل تصور ”ثواب“ کا ہے۔ یہی نتیجہ عمل ہے۔ نتیجہ عمل جنت ہے۔ جو مراتب میں شمار ہے۔ یہی نتیجہ عمل طریقت سے تعبیر ہے۔ نتیجہ عمل میں مراتب کا پانا اور ان مراتب کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کے متعلق قرآن نے اجمالاً ذکر کیا لیکن چونکہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور متشابہات کی دلیل ولی کامل کی اتباع سے

ہی مل سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ عمل ایک مخصوص جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو فقہ قلبی اور مشاہدہ شعوری سے ان کیفیتوں کا علم و ادراک کر سکتی ہے۔ لہذا ایسی کیفیتوں کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل حاصل کرنا شرط نہیں۔ اس مصلحت کے تابع ایک یہ کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ دوسرے یہ عمل عام انسانوں کے لیے سنت قرار دیا جائے تو انسان عمومی حیثیت میں اس عمل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ احتمال ہے کہ ایسے اعمال کی شدت رکٹھن مجاہدات برداشت نہ ہونے کے سبب انسان۔ احکام عبادتوں سے بھی دل برداشتہ ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص حکم ہے۔

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ

کہ رات کو جاگیں اور نماز پڑھیں۔ یہ عبادت ہی ہے۔ مگر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کی گئی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مصلحت کے تابع کہ انسانی قوت کے مد نظر امت پر بار نہ ہو۔ نوافل کو دائمی صورت میں ادا نہیں کیا۔ اور بعض اوقات ترک کیا۔ کہ یہ عمل سنت قرار نہ پا جائے۔ اور یہ عمل وَطْأُ ثَفَّةٍ رَّيْنِ الَّذِينَ مَعَكَ۔ ایک مخصوص جماعت نے اس عمل کو اپنایا سوا لازم ہے کہ جو شخص مشابہت کے لیے دلیل چاہے۔ اسے چاہیے کہ اس طائفہ میں شامل ہو کہ تہجد و نوافل اور تزکیہ نفس پر مداومت کرے تو مراتب ہر شخص کو عطا ہوں گے۔ اگرچہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کر سکتا ہو۔ کیونکہ شریعت پر عمل سے مراتب حاصل کرنا ہی انسانی مقصد ہوتا ہے۔ البتہ۔ اسلام۔ طریق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ حصول مقصد۔ حصول مراتب میں ایک ضابطہ متعین کیا گیا۔ کہ اول بنائے اسلام۔ تسلیم کرنا۔ اللہ معبود ہے۔ اس کے بعد احکام کی خالص تعمیل نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ ان احکامات کی کاملاً تعمیل و تکمیل کے بعد۔ زائد عبادات (نوافل) یہ عبادت خالص ہے۔ قرب الہی کے لیے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ بِالنَّوَافِلِ

قرب الہی حاصل کرو نوافل عبادات سے۔



انسان تعمیل احکام کے بعد خود بخود۔ ان عبادات کا عامل ہو جاتا ہے جس کے لیے قرآن نے تفصیلاً اس عمل کا ذکر کیا۔ نہ انسان پر واجب آتا ہے جبکہ انسانی استطاعت کے مطابق۔ اس کے تعمیل احکام میں اسے جنت کے مراتب مل جائیں۔ اس عمل سے اس کے مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جب کہ شریعت کی رُو سے یہ امر انسانی مقصد میں شامل ہے کہ وہ معرفت الہی حاصل کرے۔ یہ امر انسانی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مگر انسانی زندگی میں۔ اس کی جہد و سعی۔ اس کی عدم استطاعت۔ بسبب اس کی کمزوری کے قدرت کی طرف سے یہ رعایت (فَتَابَ عَلَيْهِ) روارکھی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے خود اس رعایت کا ذکر کیا۔

إِنَّ دَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَنْ لَّنْ نَّحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۖ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۖ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَءُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ

(سودہ مزمل پارہ ۲۹-آیت ۲۰)

تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب جانتا ہے کہ آپ اُٹھتے ہیں (نماز کے لیے) قریب دو تہائی رات نصف رات۔ یا ایک تہائی رات۔ اور ایک مخصوص عبادت بھی لوگوں (صحابہ) میں سے (اس عبادت میں آپ کے شریک ہوتی ہے) اللہ رات اور دن کی کیفیت جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم راتنی محنت و مجاہدہ کی استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ پس میری طرف سے رعایت دی جاتی ہے۔ پس پڑھو جتنا تمہاری حد استطاعت میں ہو قرآن سے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم بیمار بھی ہو گے۔ اور تم کاروبار دنیوی کی مصروفیت کے باعث بھی استطاعت نہ رکھ سکو گے اور کبھی تم جہاد کی جہد میں بھی تھک

کرتے ہو جاؤ گے۔ یہ صورتیں انسانی زندگی میں لازم آتی ہیں، پس پڑھو (عبادت کرو) جتنا تم سے میسر ہو سکے۔ (البتہ اس کے عوض) نماز مستقل قائم رکھو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور نادار لوگوں کو ان کی ضرورتیں اس صورت میں دو۔ کہ ان کی عدم ادائیگی کی صورت میں قرض واپس لینے کی اُمید نہ رکھو۔ تو یہ عمل تمہاری نفلی عبادات کا متبادل تصور ہوگا۔ اس سے اتنا ہی ثواب (نتیجہ عمل) ہوگا جتنا ایک شب بیدار عمل کرنے والے کا ہوگا۔

قرآن کی اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حصولِ معرفت میں انسانی زندگی کی جدوجہد میں اس کی مصروفیات و مشکلات کے سبب انسان کو رعایت دی گئی کہ اس کے لیے ان حالتوں میں شرعی احکام کی تعمیل اس کے حصولِ معرفت و قربِ الہی کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ کہ اس حال میں اسے مراتب مل جائیں گے۔ سوائے اس کے کہ اسے اپنے مراتب کا مشاہدہ نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ طریقت کے مطابق زائد عبادت سے قوتِ مشاہدہ نہ حاصل کر سکے۔

جانو!۔ یہ حکمِ آدم سے لے کر نسلِ آدم کے آخری فرد تک لاگور واجب ہے۔ اسی اصول کے تابع گزشتہ انبیاء کو اصلاحِ انسانی کے لیے شریعت و اصلاحی احکام دے کر بھیجا گیا، فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى۔ یہ اصلاحی احکام ہیں جو انبیاء کے ذریعہ بھیجے گئے۔ اس ہدایت میں بھی حصولِ مراتب کے لیے عمل مقرر ہوا۔ انبیاء نے اجرائے کلامِ الہی کے ساتھ ہادی و مرشد کی حیثیت سے۔ مشاہدہ اسرارِ الہی میں جیسا کہ اصولِ طریقت ہے۔ اپنا تصور و تصورِ پیر دیا۔ اسی طریق سے لوگوں کو مشاہدہ اسرارِ الہی ہوتا رہا۔ اور یہ طریق ابتداً حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوا کہ مشاہدہ اسرارِ الہی و معرفتِ الہی کو انسانی مقصد قرار دیا گیا۔ اسی مشاہدہ پر آدم کو نبی یا خلیفہ کہا گیا۔ کیونکہ نبی کے معنی ہی اسرارِ الہی سے آگاہ صاحبِ مشاہدہ شخصیت ہے۔ یہی عمل ہر نبی کے لیے مقرر ہوا۔ نبی کے گزر جانے کے بعد۔ اس کے تابعین میں یہی عمل جاری ہوا کہ نبی کے تصور کے ساتھ مشاہدہ و معرفت حاصل کریں۔ یہ تابعین علمائے اُمت میں شمار ہیں۔ ان علماء کو رهبان



راہب) کے لقب سے پکارا گیا۔ یہ راہب بھی قائم مقام نبی — صاحب مشاہدہ و صاحب معرفت تھے — مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ۔ ان علماء میں تزکیہ و مجاہدہ کی صلاحیت باقی نہ رہی — علمائے اُمت نے اپنی نفسانی خواہشات کی ہوس میں۔ الہی کلام میں تحریف کی — لہذا ان میں مشاہدہ و معرفت کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ ان علماء نے طریق شریعت و طریقت میں۔ بسبب اپنی کمزوریوں کے من گھڑت طریقے اختیار کیے جن میں یہ طریقہ شامل تھا کہ انہوں نے لوگوں کو ایک طرف دنیا سے لاتعلقی ہونے کی ترغیب دی۔ اس حال میں کہ اس گوشہ نشینی میں ایک نبی کا حقیقی علم و عمل استعمال نہ کیا گیا نہ اس گوشہ نشینی سے مراتب و مشاہدہ حاصل ہوا۔ دوسری طرف مال و دولت اور دنیوی عیش و امارت کے سامان حاصل کرتے رہے۔ اور یہی من گھڑت طریق لوگوں میں جاری رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو نہ حقیقی طریق مشاہدہ میسر آیا۔ نہ انہیں مشاہدہ حاصل ہو سکا۔ چنانچہ لوگوں نے تصور نبی۔ تصور پیر قائم رکھنے کے لیے انبیاء کی تصویریں بنا کر۔ تصور خیالی کے ذریعہ تصور حقیقی حاصل کرنا شروع کیا۔ اس عمل میں سادہ لوح لوگوں کی عقیدت شامل رہی کہ وہ اپنے مرشد کو کاملیت کے تصور میں — اپنا ناصر و راہبر سمجھ کر ان تصویروں سے مدد مانگنے لگے اسی طریق نے آخرت پرستی کی شکل اختیار کی شریعت محمدی (قرآن) نے ایسے ہی راہبوں کی مذمت کی اور ان کے خود ساختہ من گھڑت عقائد کی رد کی — اس لیے اسلام نے اسی خطرے کے مد نظر تصویر کشی کی منع کر دی — تاکہ اُمت محمدی میں سابقہ اُمتوں کی طرح تصور خیالی سے مدد لینے کا سلسلہ جاری ہو کر بیت پرستی کی نوبت نہ آئے۔ سوائے اس کے کہ احکام شریعت پر

---

۱۔ لاتعلقی ہونے سے مراد۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کو حصول سامان زندگی میں وسیع حصول کی ضرورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ حقیقی مقصد انسانی یعنی ہمہ وقت مشاہدہ اسرار الہی میں منہمک رہ کر گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک لازمی عمل قرار دیا جاتا۔ ایسے زمانہ میں انبیاء اور انبیاء کے علماء (راہب) زیادہ تر گوشہ نشینی میں مراقبہ میں ہمہ وقت مشاہدات میں مستغرق رہتے۔ جبکہ یہ عمل ضابطہ الہی کی جز قرار دیا جاتا تھا اور احسن عمل تصور کیا جاتا تھا۔



خالصاً عمل پیرا ہو کر۔ شریعت کی رُوح یا قی رہے یہی عمل اصلاح انسانی کا ضامن بنے اور انسان کو جسمانی۔ روحانی تزکیہ حاصل ہو۔ دوسری طرف علمائے اُمت صحیح اصول قرآنی پر عمل پیرا ہو کر اپنی روحانی قوت کو بہر حال قائم رکھیں تاکہ اُمت کو صحیح راہنمائی میں حقیقی مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت حاصل ہو۔ البتہ یہ طریق مخصوص رہا۔ جس کے لیے علمائے اُمت میں اولیاء کو خصوصیت دی گئی۔ اس عمل کو ثانوی حیثیت اس لیے دی گئی کہ اُمت کو اولاً احکام شریعت کی تعمیل پر لانا مقدم تھا اور علم طریقت کو مخصوص جماعت سے متعلق کر کے اس کے ظاہراً اجرا کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں مؤرخین نے جب کہ انہیں مشاہدہ و معرفت کے اصول سے آگاہی نہ تھی۔ اس علم کو تاریخ میں جگہ نہ دی۔ اور نہ ہی قرآن و حدیث سے اس عمل سے متعلق شواہد کو پیش کر سکے۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کہ طریقت شریعت کی جز یا اعتبار نتیجہ عمل۔ اور کیفیات کے متشابہات ہونے کے۔ یہ طریق قابل یقین و تسلیم ہے۔

یہ امر محقق ہے کہ قرآن نے ماورائے ادراک علم کی نشاندہی واضح الفاظ میں کی ہے۔ مگر اس علم کو متشابہات سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی علم طریقت سے تعبیر دیا گیا۔ اس کے مقابل اجرائے قرآن و حدیث کو عام عقول کے لیے لازم قرار دیا۔ تاریخ اسلام کا تجزیہ کیا جائے۔ تو ظاہر ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بناء کردہ اسلام کی بنیاد قرآن و سنت کے اجراء پر ہی قائم کی گئی۔ جس کی ابتداء۔ قَدْ فَانْذِرْ۔ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی تبلیغ سے ہوتی ہے۔ جس کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لانا اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ۔ انسان کی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی۔ اور نجاتِ آخرت کا تصور دلانا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک دین کا تصور سوائے اسکے نہیں کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ قرآن کریم نے تعمیل احکام سے متعلق جو بھی احکام پیش کیے۔ ان کا تعلق انسان کے کسی شعبہ زندگی سے بھی ہو۔ ان تمام احکام میں بنیادی تصور صرف۔ نجاتِ آخرت یا خوفِ قیامت ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ دورِ تبلیغ میں جو بھی واقعات۔ جو بھی معاملات پیش آئے۔



یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین میں جو بھی اقدام کیے ان سب کا نتیجہ — یا ماخذ صرف یومِ حشر — نجاتِ آخرت کا حقیقی تصور تھا۔ قُمْ فَأَنْذِرْ کا حکم اس تصور کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دے کر — ایک پاکیزہ کہ دارِ جماعت قائم کی — جن کا عمل احکاماتِ الہی کی تعمیل — اور نجاتِ آخرت کا سامان ہتیا کرنا تھا۔ چنانچہ تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی معیت میں تبلیغ دین میں جو کام سرانجام دیا۔ اس میں مخلوقِ خدا کو — اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں لانا — اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ خود جسمانی — اور روحانی پاکیزگی حاصل کرنا — اور مخلوق کا تزکیہ کرنا — اور یومِ آخرت کے لیے بہتر نتیجہ عمل حاصل کرنے کے سوا — نہ امورِ دنیوی میں سامانِ زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری یا کفالت نہ کسی حکومت یا حکمرانی یا حاکمیت کا کوئی جذبہ کار فرما تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کے انتظامات کا کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا گیا — ہر شخص اپنی ذات کا خود کفیل تھا۔ خود ذمہ دار تھا۔ سوائے اس کے مروجہ معاشرہ میں۔ معاشرتی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے۔ جو دین کی حیثیت میں واجب العمل تھے۔ عدم تعمیل میں بھی کوئی تعزیر نہ تھی۔ سوائے وعید کے کہ ایسے اعمال کی تعزیر میں عذابِ آخرت حاصل ہوگا۔ البتہ چند ایک ایسے افعال قبیح جن سے بدی۔ گناہ کو فروغ ملتا تھا۔ ان میں بھی اکثر کی سزا عذابِ آخرت کی صورت میں تھی۔ اور بعض کی روک تھام کے لیے۔ تعزیر ظاہری مقرر کی گئی۔ یہ ایک فطری اصول ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے کہ انسان معاشرتی برائیوں سے۔ دین سے دور نہیں ہوتا۔ بلکہ دین سے دور ہونے کے سبب معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ان برائیوں سے دور ہونے کے لیے۔ بنیادی طور۔ احکام کی صورت میں۔ لوگوں کے دلوں کو پاکیزہ بنایا جائے تاکہ وہ خود بخود معاشرتی برائیوں سے اجتناب کریں۔ اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک مبلغ کی ذاتی پاکیزہ شخصیت کا تاثر

۱۔ یہ تعزیر ابتدائی دورِ اسلام میں نہیں بلکہ اقتدارِ اسلامی کے بعد جاری ہوئی۔



اور نفوذ — دوسرا خوفِ قیامت کا تاثر دینا — لازم تھا — کہ جب قوم مذکور — ایک پاکیزہ کردار شخصیت — اور الہی احکام کے نفاذ سے محروم رہی — تو ان کی بُرائیاں ان کی عادتِ ثانیہ بن گئیں۔ اور وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی لذتیں کسی طرح بھی ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ کیونکہ اس طرح دینِ برحق کے نفاذ سے انہیں اپنی خواہشات کی محرومی سے انکے مفادات پر کاری ضرب لگتی تھی۔ جنہیں ترک کرنے پر وہ کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اغراضِ پرست لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں مزاحمت کی — اور جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ دین میں کامیابی ہوتی رہی — کفار مکہ کی مزاحمتِ دشمنی کی شکل اختیار کی — انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام میں داخل ہونے والوں پر تشدد کرنا شروع کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قُمْ فَأَنْذِرْ اور بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کی تبلیغ میں سوائے — صبر و ضبط — عزم و استقلال — تحمل و بردباری کے اور کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہ کیا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ کا دین جاری کرنے میں کفارِ مکہ انکار کی صورت میں کشت و خون پر اتر آئیں گے۔ تو لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مزاحمتوں کے پیشِ نظر قبل از وقت اپنی قوت پیدا کر کے بنی ہاشم قریش کو اپنی حمایت میں لے کر ایک قوی اقتدار حاصل کرتے۔ جب کہ مکہ کی تمام قوتیں — پیشتر ہی آپ کو امین و صادق کا لقب دے کر مکہ کا ہر شخص آپ کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ لیکن قُمْ فَأَنْذِرْ میں یہ طریق واجب نہ تھا۔ برعکس اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامِ معجز بیان نے یہ اثر دکھایا کہ آپ کے گرد تین سو تیرہ نفوس کی ایک پاکیزہ جماعت وجود میں آگئی — کفارِ مکہ نے محسوس کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہی انداز برقرار رہا اور یہ جماعت اس طرح بڑھتی گئی۔ تو ایک دن ہمیں غلامی اور تباہی کا منہ دیکھنا ہوگا۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے — جماعتِ اسلامی کو ختم کر ڈالنے کا منصوبہ تیار کیا — اس طرح تبلیغِ دین میں ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ کفارِ مکہ نے جماعتِ اسلامی پر شکر کشی کی۔ اور بدر کے مقام پر کفر و اسلام کا پہلا معرکہ ہوا — نظریہ کیا تھا؟ — کہ جماعتِ اسلامی کے خاتمہ سے اسلام کا خاتمہ ہوگا اور کفار کے غلبہ سے کفر کو فروغ ملے گا — یہ ایک نئی

۱۔ جنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اگر آج یہ جماعت ختم ہو گئی تو رقیہ عایشہ لکے صفحہ پر



صورتِ حال تھی جو تبلیغِ دین میں پیش آئی۔ جس کے لیے اسلام کو جماعتِ اسلامی کے تحفظ کی ضرورت پیش آئی۔ جس ”تحفظ“ نے۔ اقتدارِ اسلامی کا ایک نیا تصور پیدا کیا۔ اس تصور میں ایک طرف بنیادی مقصد — یعنی تعمیل احکامِ الہی اور نجاتِ آخرت کا بنیادی تصور قائم رکھنا۔ اور اس بنیادی تصور کو قائم رکھنے کے لیے جماعتِ اسلامی کا تحفظ کرنا۔ دوسری طرف اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے مادی ذرائع حاصل کرنا۔ کیونکہ کفار کے مقابلہ میں مادی ذرائع حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔ اس صورتِ حال نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ اسلامی کو کفار کی چیرہ دستیوں کے سبب اپنے تحفظ کے لیے۔ تبلیغِ دین میں مادی ذرائع سے مدد لینے پر مجبور کر دیا۔ ورنہ تبلیغِ دین میں مادی ذرائع سے مدد لینا تبلیغ کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کر کے تبلیغِ دین کے لیے راہ ہموار کرنا۔ یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ حسیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَ اَسْذَرُ عَشِيرَتِكَ الْاَقْرَبِينَ۔

اور اپنے رشتہ داروں۔ قوم سے ابتداء کیجئے۔ انہیں خوفِ قیامت سے ڈرائیں۔ آپ نے تبلیغ میں سوائے — يَسْأَلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتٍ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اسلام میں لانے کے لیے کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ یا وجود اس کے کہ آپ کو برا بھلا کہا گیا۔ آپ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آپ پر پتھر برسائے گئے۔ آپ کا خونِ اطہر بہایا گیا۔ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ یس کہتا ہوں۔ زمانہ میں ازل سے ابد تک ایسا منکر۔ ایسا جرنیل۔ ایسا سیاستدان۔ ایسا صاحبِ عقل فہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے مقابلہ میں ہونا۔ قطعاً ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از وقت کفارِ مکہ کے مظالم کا سدِ باب نہ کر سکتے تھے؟ — ایسا نہیں بلکہ تبلیغِ دین کا وہی

---

دبقیہ ماشیہ ۱۲۳) دنیا پر اسلام کا وجود قائم نہ ہو گا۔ اس دُعا سے ظاہر ہوا کہ اسلام جماعت کے وجود سے تعبیر ہے۔ لہذا جماعتِ اسلامی ہی سے اسلام کا تصور باقی رہتا ہے۔ گویا جماعتِ اسلامی کا تحفظ اسلام کا تحفظ تصور ہے مادی ذرائع سے مراد تلوار اور طاقت۔

اصول ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

تاریخ شاہد ہے۔ انبیاء کی الہامی کتابیں شاہد ہیں۔ قرآن خود شاہد ہے۔  
 اصول اسلام کے مطابق۔ ہر رسول کو۔ اس کی نبوت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا مشاہدہ (زیارت) عالم ملکوت میں دیا گیا۔ جس مشاہدہ پر انہوں نے ایک سول خام النبیین  
 کی ہر زمانہ میں بشارت دی۔ کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ جو مخلوق کو اس کے خالق کے قریب  
 کرنے والا۔ معبود و عبد کا رشتہ جوڑنے والا۔ جو مخلوق عالم کو ظلم و جبر کے ستم سے نجات  
 دلانے والا ہوگا۔ انبیاء نے اس مقدس ہستی کو دیکھا۔ اس کی عزت و کرم کی۔  
 اور ہر زمانہ میں نصرت دینے کا وعدہ کیا۔ قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ  
 ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَ  
 لَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي  
 قَالُوا أَأَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

پادہ ۳ سورۃ ۳ آیت (۸)

اور جب لیا اللہ نے عہد انبیاء سے کہ جو کچھ میں دوں کتاب و حکمت سے۔ پھر آئے  
 تمہارے پاس (ایک) رسول جو تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور  
 اس پر ایمان لانا۔ اور اس کی مدد کرنا۔ کہا کیا تم نے اقرار کیا؟۔ اور قبول کیا اس  
 پر میرا عہد؟۔ کہا انہوں نے۔ اقرار کیا ہم نے۔ اور کہا اللہ تعالیٰ نے اب تم گواہ  
 رہو۔ اور میں بھی تمہارے گواہوں میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے ميثاق لیا۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس  
 کو بحیثیت نبی و رسول تسلیم کرو۔ اور ان کے ظہور پر ان کی نصرت (مدد) کرو۔ لہذا۔  
 ہر نبی کے لیے یہ لازم رکھا گیا۔ کہ ہر نبی اس رسول کو پہچانے اور ہر نبی۔ اپنی اور۔  
 ہر آئندہ آنے والی امت کو وصیت کرے۔ کہ جس قوم میں اس رسول کا ظہور ہو۔ وہ  
 انہیں تسلیم کرے۔ اور ان کی مدد کرے۔ قرآن نے اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو



خطاب کیا۔ یہ اس لیے کہ یہ عہد ہر زمانہ میں نبیوں نے پورا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک نور ایک لاکھ چوبیس ہزار مشعلوں کو لے کر نکلے گا۔ جو نور تمام روئے زمین پر پھیل کر دنیا کو منور کر دے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی امت کو بتایا۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَآئِيلَ إِنَّي رَسُولُ اللَّهِ  
إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ  
يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶)

اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بھیجا گیا ہوں میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی جس میں موسیٰ علیہ السلام کا عہد اور ایک رسول کی آمد کی بشارت دی گئی ہے، میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ رسول آنے والا ہے۔ ان کا اسم مقدس احمد ہے۔ اس پر ایمان لانا۔ اس کی مدد کرنا، اور پھر اسی بشارت پر یہود و نصاریٰ کہتے آئے۔ وہ رسول ہم میں سے ہوگا۔ ہم اس پر ایمان لائیں گے ہم اس کی مدد کریں گے۔ اور جب وہ آیا۔ تو اسے ایسا پہچانا۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ  
”وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) پہچانتے ہیں۔ اس رنبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔“ (پارہ ۲۔ سورۃ ۲۔ آیت ۱۲۶)

سوال یہ ہے کہ اگر اس رسول کی آمد پر ہر قوم ”عہد میثاق“ کے مطابق اس رسول کو تسلیم کرتی۔ اور اس کی مدد کرتی۔ یہ تو یہود و نصاریٰ تھے۔ ان کے مقابل کفار مکہ میں بنی اسماعیل۔ قریش کو بھی علم تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ تمام انبیاء نے اس رسول کی بڑائی کی۔ یہ ایک عظیم المرتبت رسول ہے۔ یہ جان کر کہ یہ رسول ہم میں پیدا ہوا اور یہ اعزاز و فخر اس قوم کو عطا ہوا۔ اور عرب کا کوئی فرد۔ اس رسول کی مخالفت نہ کرتا بلکہ یوں کہا جاتے کہ انہیں مخالفت نہ کرنی چاہیے تھی، اس حال میں کہ یہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو پہچان چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و تکریم کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و صادق کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس صورت میں! —  
 اگر سب لوگ آپ کی تبلیغ میں مزاحمت نہ کرتے۔ بلکہ آپ کا ساتھ دیتے — آپ کو تسلیم کرتے —  
 آپ کی مدد کرتے — تو جماعت اسلامی اور کفار مکہ کے درمیان قتال و جنگ کی نہ نوبت آتی  
 نہ اس کا تصور پایا جاتا — تو ایسی صورت میں نہ جنگ ہوتی نہ جہاد کی فرضیت لازم آتی —  
 ہر شخص اسلام میں داخل ہو کر اپنی اپنی — سادہ زندگی گزارتا — تو اسلام کو اقتدار اعلیٰ  
 کی نہ ضرورت پڑتی۔ نہ اپنے تحفظ کے لیے مادی ذرائع کے لیے جستجو کرنی پڑتی۔ نہ تبلیغ دین میں  
 اقتدار اعلیٰ کو شامل کرنے کی ضرورت رہتی۔ تو پھر تبلیغ دین میں — سوائے اجرائے قرآن —  
 بہ طریق نبوی — صرف اجرائے قرآن میں احکام کی تعمیل — خوف قیامت کا ایک واحد  
 تصور باقی رہتا۔ پھر نہ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ نہ اقتدار کے ذریعہ زمین پر قبضہ کرنے کی ضرورت  
 رہتی۔ نہ کسی فرد کی ضروریات کی ذمہ داری کا احساس باقی رہتا — نہ کسی حکومت کا تصور  
 قائم ہوتا — لیکن یہ امر بھی مصلحت الہی کے تحت تھا — کہ حق کے ساتھ باطل کا وجود بھی ہوتا  
 ہے۔ اور حق و باطل کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔

## خوفِ آخرتِ اسلام کا بنیادی مقصد ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جماعت اسلامی — اور اقتدار اعلیٰ کو  
 وسعت ملی — تو اقتدار اعلیٰ نے حکمران حیثیت حاصل کی۔ مگر اس کا بنیادی تصور وہی تھا  
 کہ کائنات کا خالق اللہ ہے — اور انسان اللہ کا بندہ — عبد — غلام — زمین پر انسان  
 کے ذمہ — ایک مقصد حقیقی کا تعین — معرفتِ الہی — اور اپنی مرضی سے — ہاں اپنی  
 مرضی سے — تسلیم کرنا۔ احکامِ الہی کی تعمیل کرنا۔ معرفت حاصل کرنا — اور رعایت میں  
 حسب استطاعت تعمیل احکام کرنا — جس پر نہ اللہ کا جبر ہے۔ نہ رسول کا جبر ہے۔ نہ  
 جماعت اسلامی کا جبر ہے۔ انکار کی صورت میں بھی — اللہ اور بندے کا معاملہ یومِ حشر پر  
 موقوف کیا گیا۔ بس دنیا میں انکار کی صورت میں سزا کا حکم نہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے کسی کافر کو اس کے انکار پر کوئی سزا — نہ قرآن سے — نہ اپنی ذات سے



دی۔ سوائے اس کے کہ کفار مکہ کے اسلام (مراد جماعت اسلامی) کی مزاحمت کے سبب۔ یہ ضرورت پیش آئی۔ کہ تبلیغ دین میں کفار کی مزاحمت میں ”دفاع“ کرنا۔ اور ہر اس ”وجہ“ کو دور کرنا جو تبلیغ اسلامی میں جماعت اسلامی کو مزاحم ہو۔ اور مخلوق خدا کے لیے دین میں داخل ہونے میں رکاوٹ کا سبب ہو۔ اس کے لیے۔ قرآن نے معاشرہ کو بدی و انکار سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ ایسے جرائم کو پھینک دینے کے لیے جو مخلوق خدا کو ماحول و معاشرہ کی شکل میں دین سے دور رکھے۔ یا بدی کے مرتکب ہونے کا سبب بنیں۔ چند تعزیریں پیش کیں۔ یہ تعزیریں اصلاح معاشرہ کے لیے تھیں۔ مگر گناہ کی سزا کے تصور میں نہیں تھیں۔ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ کہ مجھ سے زنا سرزد ہوا۔ مجھے اللہ کے حکم کے مطابق رجم کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف توجہ نہ دی منہ پھیر لیا۔ عورت دوسری طرف سے آئی پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے رجم کا حکم دیں۔ تین بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرا تیسری بار۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے ہاں حمل تو نہیں؟ عورت نے کہا حمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ۔ حمل سے فارغ ہو۔ وہ عورت حمل سے فارغ ہو کہ پھر دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ دیکھ کر فرمایا۔ ابھی بچہ کو رضاعت کی مدت تک دودھ پلاؤ۔ رضاعت کی میعاد ختم ہوئی۔ تو عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچہ کو لے کر آئی۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا۔ مبادا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اور وجہ درمیان میں لا کر مجھے واپس کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو روٹی دی شاید اس وجہ سے خود دی ہو کہ اس بہانہ سے مزید ٹالنے کا موقع ملے) بچہ نے روٹی کھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بادل خواستہ) عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ نے عورت کو رجم کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کی روح قفس عنصری سے نکل کر عالم برزخ میں چلی گئی۔ کہتے ہیں جب عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے۔ کسی صحابہ نے کہا۔ یہ عورت بدکار تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جہنم کا ایسا مت کہو۔ یہ عورت ایسی ہے جیسا ماں سے

پیدا ہونے والا بچہ پاک ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورت سے منہ پھیرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ عورت گناہ سے پاک ہے۔ اس امر میں یہ مصلحت تھی کہ عورت نے خوفِ قیامت کے احساس پر خود کو تعزیر کے لیے پیش کیا۔ کہ اگر میں اس گناہ کو چھپاؤں تو قیامت کے دن مجھے عذاب دیا جائے گا۔ اس خوف کے احساس نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ اس کے دل میں احساسِ جرم۔ اور اقرارِ جرم اضطراب پیدا کر رہا تھا۔ اس کی نظر میں تعزیر سے جرم کی سزا پانے سے آخرت کے عذاب سے نجات پانا۔ اس کے لیے باعثِ اطمینان تھا۔ جس کے لیے وہ جان دینا۔ یا جانی عذاب قبول کرنا بہتر سمجھتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ نہ کرنا۔ اور عورت کو بازگشت کا موقع دینا اس غرض سے تھا کہ عورت پر عذابِ قیامت۔ اور خوفِ خدا کی ہیبت اس قدر طاری تھی کہ اس حال میں وہ کسی وقت اپنی جانی تکلیف کا احساس کر کے توبہ نہ کرتی تو اس کے جرم کی سزا (عذابِ قیامت) معاف ہو جاتی۔ اور وہ جانی عذاب سے بھی بچ جاتی۔ خوفِ خدا۔ اور خوفِ قیامت کے احساس سے خود کو مجرم گردان کر اعترافِ گناہ کرنا اور سزا قبول کرنا۔ ایک عظیم اسلامی اخلاقی پہلو ہے۔ جو توبہ کے برابر ہے۔ لہذا یہ عورت اس احساس کے سبب گناہوں سے پاک ہو گئی۔ درحقیقت یہ اخلاقی مظاہرہ اسلام کی حقیقی روح ہے۔ ثابت ہوا۔ اسلام کا تبلیغی مقصد۔ انسان میں۔ صرف۔ اور صرف انسان کے دل میں خوفِ قیامت جاگزیں کرنا ہی ہے۔ خوفِ قیامت بنیاد ہے۔ ہر گناہ ہر بُرائی کو ختم کر دینے کی۔ انسان کے دل میں اگر خوفِ قیامت ہو۔ تو انسان ہر گناہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس امر سے یہ واضح بھی ہوا۔ کہ قرآنی تعزیرات۔ محض ایک جرم کی سزا نہیں۔ بلکہ انسان کے گناہوں کا کفارہ اور خوفِ قیامت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو اسی تصور کے ساتھ پیش کیا۔ جس میں سوائے خوفِ حشر کے اور کسی اقتدار و حکمرانی کا تصور موجود نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ کفار کی مزاحمت نے تبلیغِ دین میں اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پیدا کی۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کو عرب کی وسیع حدود تک وسعت ملی۔ تو ضروری ہوا۔ کہ ان



مفتوحہ علاقوں پر اقتدارِ اعلیٰ قائم رہے۔ اور اس اقتدارِ اعلیٰ کو زمین کی وسعتوں تک پھیلا کر تبلیغِ دین میں۔ انسان کو جابرِ خداؤں۔ جابرِ حکمرانوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے لیے حصولِ دین و ایمان آسان کر دیا جائے۔ اس تصور کے ساتھ۔ کہ مخلوق خدا کو تعمیلِ احکامِ الہی کے ساتھ نجاتِ آخرت حاصل ہونے پر یہ کہ مخلوق کو جابرِ قوتوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے حصولِ دنیوی کو آسان کیا جائے۔ اسلام نے اس مقصد کو اس لیے قبول کیا۔ کہ اسلام کو حکمران حیثیت حاصل نہیں۔ انسان پیدا نشی طور۔ ہر حال میں اللہ کی حاکمیت میں۔ پابند و غلام ہے۔ لیکن اللہ کی حاکمیت ہر حال میں انسان پر مسلط ہے۔ لہذا۔ اسلام میں حاکمیت کا یہ تصور نہیں۔ کہ جابرِ حکمرانوں کی غلامی میں انسان اللہ کی حاکمیت کا مطیع نہیں تھا۔ اور اب اسے اللہ کی حاکمیت میں لایا جائے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان کو باطل قوتوں کی حاکمیت سے نجات دلانا۔ اس غرض سے ہے کہ اسے اقتدارِ اسلامی کے تحفظ میں لا کر اس کے لیے حصولِ معرفت۔ نجاتِ آخرت اور تعمیلِ احکام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ اور پھر جب انسان اقتدارِ اعلیٰ میں محفوظ ہوا۔ تو انسان ہر حاکمیت اور تسلط سے آزاد تصور ہوتا ہے۔ اس حال میں بھی۔ انسان اپنا ارادہ استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ خواہ وہ دین پر عامل رہے یا نہ رہے۔ اس پر نہ اللہ کی حاکمیت کا جبر ہے نہ رسول اور اقتدارِ اعلیٰ کی حاکمیت کا جبر ہے۔ سوائے اس کے کہ تسلیم و انکار۔ تعمیل و انحراف کی جزا و سزا کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا گیا۔ ہاں! انسان کو باطل قوتوں سے آزاد کر کے۔ اس کو ارادہ و اختیار میں آزاد رکھا گیا۔ اقتدارِ اعلیٰ کے لیے سوائے اس کے نہیں کہ وہ انسان کیلئے۔ اسلام کی طرف رغبت پانے۔ تعمیلِ احکام پر مائل ہونے۔ اور دل میں خوفِ قیامت کا جذبہ پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے انحراف کی توبت نہیں آتی۔ لیکن اقتدارِ اعلیٰ کسی انسان کو۔ باجبر یا تعزیر کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل کرنے کا حق رکھتا ہے نہ مجاز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی میں۔ یہودی بھی موجود تھے۔ نصاریٰ بھی موجود تھے۔ اور کفار بھی موجود تھے۔ اقتدارِ اسلامی کا ان پر کوئی تسلط نہیں تھا۔ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھا۔ یہاں تک کہ منافقین سے بھی باز پرس

نہ کی جاتی تھی۔ وہ اسلام دشمنی میں بھی آزاد تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل ایمان کو ہدایت کی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۚ يَخْدَعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ (پارہ ۱- سورہ ۱- آیت ۸-۹)

”اور لوگوں میں جو کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ اور یوم حشر پر کہ ہم بھی حشر کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں) وہ ایمان نہیں لائے۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو اللہ سے اور تم سے چھپاتے ہیں۔“ اس کے باوجود۔ نہ اللہ نے ان پر جبر کیا۔ نہ رسول نے۔ نہ اقتدارِ اعلیٰ (مؤمن) نے اور وہ اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھے۔ اس کے باوجود اقتدارِ اعلیٰ نے ان کے تحفظ کی ضمانت دی۔ یہ وہ وقت تھا جب اقتدارِ اعلیٰ میں حکمرانی کا تصور نہیں تھا کہ وہ محکوم بن کر اقتدارِ اعلیٰ کے تسلط میں مجبوس رہیں۔ نہ اقتدارِ اعلیٰ کے ذمہ حصولِ دنیا میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا تصور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں۔ ایک نبی و رسول۔ باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ادنیٰ صحابی تک سب مؤمن کہلاتے تھے۔ ان میں نہ سربراہ کا تصور تھا۔ نہ لیڈر کا۔ نہ جرنیل کا نہ کسی حاکم کا۔ نہ کسی منتظم کا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول تھے۔ باقی تابعین۔ یہی تابعین جماعتِ اسلامی۔ اقتدارِ اعلیٰ سے تشبیہ تھی۔ جن میں نہ دار الخلافہ تھا۔ نہ کوئی انتظامیہ نہ عدلیہ۔ ایک قرآن تھا۔ اور قرآن کی تعمیل۔ جماعتِ اسلامی میں۔ جماعتِ بندی کا تصور نہ تھا۔ سب اپنے کاروبار میں مصروف۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا سب آپ کی پکار پر جہاں تھے۔ وہیں سے دوڑ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ اجتماع صرف جہاد کے لیے تھا۔ اس جماعت میں ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص نہ تھی۔ ان کے پاس بس ایک قرآن اور ایک تلوار تھی۔ یہی اقتدارِ اعلیٰ کی واحد ہیئت تھی۔ اس اقتدارِ اعلیٰ کی اساس۔ قرآن۔ تعمیلِ قرآن۔ جذبہ ایمانی اور تلوار۔

۱۔ اس آیت سے بھی اسلام کا نکتہ نظر واضح ہے۔ اللہ کی عبودیت تسلیم کرنا اور خوفِ قیامت کا احساس۔



## اسلام میں خلافت کا تصور

الغرض۔۔۔ جب حضور کے زمانہ میں اقتدارِ اعلیٰ کو وسعت ملی۔ تو اس غرض سے کہ باطل قوتیں اقتدارِ اعلیٰ کو ختم کرنے کے لیے انہیں ہلاک کر کے پھر اقتدارِ اعلیٰ میں آئے ہوئے علاقہ کو پھر سے اپنے تسلط میں لے کر مخلوق کو اپنا محکوم بنا کر ان کے لیے ہدایت کے راستے بند کر کے انہیں اسلام کی نعمت سے محروم کریں۔ تو اس حیثیت میں خطہٴ زمین کو اپنے زیرِ تسلط محکوم رکھنا لازمی تھا۔۔۔ جس کے لیے ضروری تھا کہ ساکنینِ ارض کے لیے ان کی ضروریات کا پورا کرنا اقتدارِ اعلیٰ کے ذمہ ہوتا تاکہ وہ دنیوی حیثیت میں اقتدارِ اعلیٰ کے آگے مجبور و محکوم تصور نہ ہوں۔ اور اس کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ضرورت محسوس ہوئی۔۔۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایسا تصور قائم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ تبلیغِ دین میں اقتدارِ اسلامی کے قیام و بقا کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ قائم مقام نائبِ رسول کی ضرورت ضرورت تھی۔ صرف تبلیغِ دین کے تصور میں خلیفہ کی ضرورت تھی۔۔۔ اور اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کے لیے ایک ایسے امیر کی ضرورت تھی۔ جو امورِ ملکی میں تدبیر و سیاست سے باطل قوتوں کے خاتمہ اور ان کے حملوں سے اقتدارِ اعلیٰ کا تحفظ کر سکے۔ جس میں خلیفہ کے تقرر کے لیے۔۔۔ اللہ اور رسول کے وضع کردہ ضوابط مقرر تھے کہ

(۱) کائنات اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مسلط ہے۔ جس کے لیے مخلوق کو اللہ کے مقابلہ میں کسی حاکم کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ ہر انسان نے اللہ کے احکام کے تحت چلنا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں غالب عنصر انسانی فلاح کا ہے۔ یہ حکم... بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم ایک دوسرے کے دشمن بنو گے۔ انسان۔ انسان کو محکوم بنا کر ظلم ڈھائے گا۔ میری تعمیل کے راستے تمہارے لیے بند کر دے گا۔

فَاِمَّا يَنْتَحِمْ فَتِيٍّ هَدَىٰ فَمَنْ يَّبِعْ هٰذَاى فَلَخَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (پارہ ۱۔ سورہ ۱۔ آیت ۳۸)

”پس میں اصلاحِ انسانی کے لیے اصلاحی احکام بھیجوں گا پس ہر شخص ان احکام کو قبول کرنے میں آزاد ہے۔ میں اس پر جبر نہیں کروں گا۔“  
وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

”اور جس نے میری ہدایت کی اتباع کی اُسے قیامت کے عذاب کا نہ خوف ہو گا نہ غم۔“  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝  
(پارہ ۱- سورہ ۲- آیت ۳۹)

”اور جو میرے اسلامی احکام پر تعمیل کرنے سے انکار کرے اور میری آیتوں کو جھٹلائے۔  
اس پر بھی جبر نہیں۔ البتہ ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا  
قیامت کے دن اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔“  
یہ ہے الہی انتخاب۔ دوسرا۔ دوسرے مرحلہ پر بھی انتخاب۔ انسان کا  
نہیں۔ بلکہ اللہ کا ہے۔

وَمَا أَدْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ (پارہ ۵- سورہ النساء- آیت ۶۴- ۵۹)  
”نہیں بھیجائیں نے رسول۔ مگر اطاعت کے لیے۔ یہ میرے حکم سے بھیجا جاتا  
ہے۔ اس کے انتخاب کا کسی انسان کو حق نہیں۔ پس تم میرے حکم کے ساتھ اسکی اطاعت  
کرو۔“ یہ رسول منجانب اللہ منتخب ہوتا ہے۔ اسی رسول کے ذریعہ اللہ کے اصلاحی  
احکام کا نفاذ ہوتا ہے۔ ہاں! یہ منتخب نبی ہے۔ جو کچھ یہ تم کو اپنی طرف سے بھی  
حکم دے اس کی بھی تعمیل کرو۔  
وَمَا أَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ۔

”جو کچھ رسول تمہیں حکم دے اس حکم کو بھی قبول کرو۔“ تیسرے ”اولی الامر“۔  
لوگوں میں سے رسول کی تعلیم پر عمل کرنے والے۔ نائبِ رسول۔ اس سے اول اللہ  
اشارہ کرتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ دوسرے جسے رسول منتخب کرے اس کے  
حکم کی تعمیل کرو۔ اس حکم میں ایک حکم اللہ کے اصلاحی احکام۔ پھر رسول کے اپنے وضع کردہ



دین سے متعلق اصلاحی احکام — پھر رسول کے منتخب کردہ خلیفہ کی اتباع میں اللہ کے اصلاحی احکام کی تعمیل — چونکہ یہ بھی اللہ و رسول کا منتخب کردہ خلیفہ ہے۔ اس کے وضع کردہ دین سے متعلق احکام کی تعمیل کرنا لازم ہے۔ ان تینوں حیثیتوں میں انسان کو انتخاب کا حق نہیں دیا گیا — بس یہی تین مدارج ہیں حاکمیت کے اور انتخاب کے۔ لہذا عوام کو کسی حیثیت میں انتخاب کا حق حاصل نہیں — اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت (مِنْكُمْ) میں سے کسی شخصیت کے انتخاب کی شرط مقرر کی جو اول الامر کے زمرہ میں آتا ہے۔

## اسلام میں خلیفہ کے لیے خصوصی شرائط

- (۱) خلیفہ صرف تبلیغ دین اجرائے قرآن کے لیے منتخب ہوگا۔
- (۲) خلیفہ کا قرآنی علم پر بدرجہ اولیٰ عبور ہو۔
- (۳) خلیفہ کا — قرآنی علم — احکام الہی — اور اسوۂ رسول پر بدرجہ اولیٰ تقویٰ کے ساتھ عامل اور پابند ہونا لازمی ہے۔ نیز یہ شرط بھی ہونا لازم ہے کہ قرآنی متشابہات کے علم میں صاحب مشاہدہ ہونا۔ صاحب معرفت ہونا افضل ہے۔
- (۴) قرآنی علم کے نفاذ میں۔ صاحب القا — صاحب حکمت و تدبیر صاحب اجتہاد ہو۔ تاکہ وقت کے تقاضوں کے مطابق — ہر ذہن کی تسکین و آمادگی کے لیے اپنے اجتہاد سے لوگوں تک علم پہنچائے۔ جس میں کسی انحراف کی گنجائش نہ رہے۔ یہ شرائط اس حد تک ہونا لازمی ہیں جس حد تک دین خالص طریقہ سے جاری ہو۔
- (۵) اس کے بعد جب اقتدار اسلامی کی بقا و وسعت دین میں شامل ہو۔ تو ان شرائط کے ساتھ۔ باطل قوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں اقتدار اسلامی کی بقا و وسعت میں سربراہی کی اہلیت میں۔ تدبیر و سیاست میں صاحب فراست ہو۔ ان شرائط کے بغیر کسی فرد کو نہ خود خلیفہ ہونے کا حق ہے۔ نہ امت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کا انتخاب کریں — سوائے اس کے کہ خلیفہ ریا امت کے صاحب علم افراد کے منتخب کردہ مومنین میں سے

ایک جماعت (جو قرآن و حدیث و فقہ اور اجتہاد میں بدرجہ اولیٰ کامل ہو) تشکیل دی جائے اور اسی جماعت کی مشاورت سے آئندہ خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہو۔

رسول کے بعد ایک خلیفہ کسی دوسرے شخص کو اقتدار اعلیٰ سپرد کرنا۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ تم اپنے معاملات میں اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو۔ اور اَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ آپس میں معاملات طے کرو۔ جماعت اسلامی کے باقی مومنین جو تقویٰ و عبادت اور فہم و تدبیر میں کامل درجہ رکھنے والے ہوں۔ انہیں شرائط پر سب سے اعلیٰ شخصیت کا انتخاب کریں گے۔ اس میں یا تو خود خلیفہ ایسی شخصیت کا انتخاب کرے جو امت کے لیے قابل قبول ہوگا۔ اس میں بھی امت کو انتخاب کرنے کی اجازت نہیں۔ سوائے مجلس شوریٰ کے۔ جو اعلیٰ صاحب قرآن جماعت اسلامی پر مشتمل ہو۔ اس امر میں (شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) مجلس شوریٰ کے ذمہ ایک اجتہادی فکر لازم ہے۔ وہ یہ کہ جب تبلیغ دین میں اقتدار اعلیٰ کی بقا لازم قرار دی گئی ہے۔ تو ایسی صورت میں دین سے متعلق شرائط نمبر ۱-۲-۳-۴ میں کمی یا نقص کی صورت میں ایسے فرد کا انتخاب لازمی ہے۔ جو اقتدار اعلیٰ کی بقا و وسعت میں تدبیر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست رکھتا ہو۔ لیکن اس کے لیے بھی دین سے متعلق چار شرائط کا ہونا۔ لازمی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ سیاست و تدبیر میں کامل ہو اور دین کی تعمیل میں قطعی ناقص ہو۔ ایسے شخص کا انتخاب جائز نہیں۔

۱۔ اولی الامر سے مراد خلیفۃ المومنین۔

۲۔ کیونکہ اسلام کی بقا اقتدار اسلامی کی بقا پر منحصر کی گئی۔ تاریخ الخلفاء کا پر غور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی کسی حد تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ سے متفق تھے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نظریہ کے تحت بعض اجتہادی اصلاحیں کیں لیکن اس وقت یہ قیامت پیدا ہوئی کہ صحابہ میں۔۔۔ مجلس شوریٰ سے سوائے عمومی حیثیت میں لوگوں نے امور خلافت میں دخل دینا شروع کیا۔ جبکہ سوائے مجلس شوریٰ کے کسی عامی کو دخل دینا مناسب نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت سے لے کر خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت تک۔ دین اسلام۔ اور اقتدار اسلامی میں خلافت کا یہی اصول قائم رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد رسالت میں اقتدار اسلامی کو عرب و عجم کی وسیع سرزمین تک وسعت ملی۔ اور اقتدار اسلامی نے ایک حکمران حیثیت حاصل کی۔ لہذا اتنی وسیع سرزمین پر اندرونی معاشی نظام کی ایک نئی ذمہ داری اقتدار اسلامی کے سپرد ہوئی۔ اس لیے اندرونی نظام کی یکیل اور

(بقیہ ماضیہ صفحہ ۱۳۵) مجلس شوریٰ کی اپنی حیثیت برقرار نہ رہ سکی۔ عام لوگوں نے خلیفہ پر نکتہ چینی شروع کی۔ ایسے موقع پر یہود و نصاریٰ۔ منافقین کو فتنہ اٹھانے کا موقع ملا۔ انہوں نے مومنین کی صفوں میں گھس کر فتنہ بھڑکایا۔ جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اصل سبب تھا۔ دیکھا جائے تو مورخین نے اس فتنہ کے بنیادی سبب کو نظر انداز کیا۔ الہی حکم کے تابع۔ سوائے رسول۔ صحابہ اور مجلس شوریٰ کے عام اہل اسلام کو امور خلافت میں دخل دینا جائز نہ تھا۔ ان کے دخل دینے سے منافقین کو فتنہ پیدا کرنے کا بہتر موقع ملا۔ جس وجہ سے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو بھی فتنے پیدا کیے گئے وہ یہود و نصاریٰ کے سوچے سمجھے منصوبہ اور سازش کے تحت بنائے گئے جن کی دراصل کوئی حقیقت نہ تھی۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور تربیت یافتہ اولوالعزم صحابی سے اس قسم کی لغزشیں کسی صورت بھی منسوب کرنا صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اس حال میں کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مجلس مشاورت کے بہت سے ارکان موجود تھے جن سے حضرت عثمانؓ مشورہ و رائے حاصل کر کے ہر کام کرتے تھے ایسا نہیں تھا کہ امور خلافت میں حضرت عثمانؓ محض اپنے ذاتی اجتہاد سے بغیر مجلس مشاورت کی رائے پوچھے کوئی کام کرتے جو خلاف قرآن و حدیث ثابت ہو سکتا تھا۔ لہذا اقتدار اسلامی میں وقت اور حالات کے مطابق ضروری تھا کہ اقتدار اسلامی کی وسعت۔ قوت اور تحفظ کے لیے اجتہاد سے کام لے کر اصلاحات کی جائیں۔ جن میں مجلس مشاورت کی آراء شامل تھیں۔

بیرونی باطل طاقتوں کی معرکہ آرائی سے تحفظ اور وسعت کو اولیت دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ خلیفہ کے انتخاب میں دینی شرائط کے ساتھ۔ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و بقا کے لیے ایک اعلیٰ صاحبِ تدبیر و سیاست کی اہم ضرورت کو بھی لازم رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب مجس اجرائے دین۔ الدین الاسلام کی بقا و دوام کے لیے۔ خلیفہ کا شرائطِ دینی کے مطابق۔ کہ امت میں ایک فرد۔ قرآن و حدیث کا ادلی علم رکھنے والا ہو۔ امتِ مسلمہ میں بدرجہ اولیٰ صاحبِ علم اور عمل میں اکمل ہو۔ اجرائے دین الاسلام۔ قرآن و حدیث میں۔ صاحبِ علم و فقہ و اجتہاد میں تمام امت میں کامل اکمل ہو۔ الدین کے اعمال پورے کرنے والا۔ اکمل صاحبِ عمل ہو۔ جس کا انتخاب خود ایک خلیفہ سے ہو۔ باقی امتِ مسلمہ ایک شخص کی تمام صلاحیتوں کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے امت کے ذریعہ کسی خلیفہ کا انتخاب جائز نہیں۔ بلکہ خلافِ شرع ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا خلیفہ کے لیے انتخاب ہونا۔ خود حضرت ابو بکر صدیقؓ سے انتخاب ہوا۔ آپؓ کے انتخاب پر حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے چنا گیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد۔ امتِ مسلمہ میں۔ ایک تو کئی ایسے افراد (صحابہ) موجود تھے۔ جو خلافت کے لیے منتخب ہو سکتے تھے لیکن ان کا انتخاب ایک ساتھ بیک وقت نہ ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ خود ایسے اصحاب میں کسی ایک کا انتخاب کرتے۔ لہذا آپؓ نے انتخابِ خلیفہ میں ایک نئی طرح ڈالی کہ امت کے چیدہ اصحاب کی ایک جماعت میں اجرائے الدین الاسلام۔ اجرائے قرآن و حدیث۔ اجرائے شریعت اسلامی کے لیے خلافتِ اسلامی۔ یا اقتدارِ اسلامی (جو کسی حد تک ایک حکومت کی ہیئت اختیار کر چکی تھی) تشکیل دی۔ یہ جماعت قرآنی آیت کے مطابق اللہ کے حکم کے مطابق لازم تھی کہ

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اللہ کی اطاعت کے بعد۔ رسول اللہ علیہ آہ وسلم کی اطاعت اور رسول اللہ علیہ آہ وسلم کی اطاعت کے بعد امت میں خلافت کے لیے) انتخاب۔ اصحابِ رسول اللہ علیہ آہ وسلم میں۔ صاحبِ علم و عمل۔ متقی۔ دانشمند۔ صاحبِ تدبیر اشخاص کی ایک جماعت میں سے۔ اعلیٰ



صلاحیتوں کے مالک فرد کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اسی قرآنی حکم کے بعد خلافت اسلامی یا اقتدار اعلیٰ میں پانچ اصحاب کا انتخاب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جو مجلس شوریٰ کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ اسی مجلس شوریٰ میں خود مجلس شوریٰ نے اپنے میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب فرمایا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رسالت و نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا کردہ۔ خلافت اسلامی کے لیے۔ ایک خلیفہ (خلیفۃ المؤمنین) اور خلیفہ اسلام کا ہونا لازم و ضروری ہوا۔ جو شرائط کے ساتھ — منتخب کیا جائے گا۔ یعنی گزشتہ واقعات کے مطابق۔ خلافت اسلامی میں ایک خلیفہ کا انتخاب۔ یا منتخب ہونا شرائط دینی کے ساتھ مقرر ہوگا۔ یعنی

- (۱) الدین الاسلام کے لیے ایک النبی۔ کابحیثیت الرسول۔ خود اللہ انتخاب کرتا ہے۔
- (۲) الدین الاسلام۔ اجرائے قرآن و حدیث کے لیے ایک امت مسلمہ کے ایک فرد کا انتخاب ایک خلیفہ کے ذریعہ ہوگا۔ اس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا۔

(۳) الدین الاسلام۔ اور خلافت اسلامی کے لیے۔ بنیادی مقصد اجرائے الدین قرآن و حدیث کے ساتھ۔ اقتدار اعلیٰ کی وسعت اور استحکام کے لیے ایک خلیفہ کے ذریعہ ہی نئے خلیفہ کا انتخاب ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحیثیت خلیفہ — اپنی زندگی — دور خلافت میں حضرت عمرؓ کو بحیثیت خلیفہ منتخب فرمایا — علیٰ ہذا القیاس — وقت کے حالات کے مطابق حضرت عمرؓ نے امت مسلمہ میں مجلس شوریٰ کو تشکیل دیا اور اسی مجلس شوریٰ کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کا بحیثیت خلیفہ انتخاب ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مخصوص شخصیتوں کی نشاندہی فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ۔ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ قابل انتخاب شخصیتیں قرار دی گئیں۔ اس انتخاب میں اقتدار اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کا خصوصی خیال رکھا گیا۔ اس انتخاب میں بھی بحیثیت عمومی امت کو انتخاب کا حق حاصل ہونا از روئے شریعت اسلامی جائز قرار نہیں دیا گیا — چنانچہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو — بدیں وجہ کہ انہیں قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھا۔ اور خود صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ منتخب کیا۔ آپ کے عہد خلافت میں دین کی حیثیت برقرار رہی — اور اقتدار اسلامی کو



بھی تحفظ و وسعت میسر آئی۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع۔ دین اسلام میں صرف الدین الاسلام کی شکل میں قرآن و حدیث کے سوا۔ کسی طریق کو الدین الاسلام میں شامل رکھنا لازم نہ تھا۔ اس لیے۔ اسی الدین الاسلام کے تصور پر۔ خلیفہ کے لیے۔ کسی اجتہادی عمل پر اصلاحات وضع کرنا جائز تصور نہ ہوتا تھا۔ یعنی۔ فی الحال۔۔۔۔۔ اشاعت دین میں۔ قرآن و حدیث کے احکام۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا نفاذ الدین کی سطح تک مختصر نفاذ (نفاذ الدین) جاری ہے۔ اس حال میں کہ حکومتی حیثیت میں۔ اجتہادی عمل الدین شامل نہ کیا۔ لیکن اس دور میں بعض صحابہ کبار جن میں حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرو ابن العاصؓ اور بعض دیگر صحابہ عظیم مدبر سیاست دان ہستیاں شامل تھیں۔ ان کے نزدیک ایک عظیم و وسیع خلافت اسلامی کی بقا و تحفظ کے لیے۔ جبکہ اقتدار اسلامی میں مادی وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے۔ شرائط خلیفہ کے ساتھ ایک مدبر سیاست دان کی خصوصیت کا شامل ہونا لازمی تھا۔ یا خلیفہ کا مدبر سیاست دان ہونا ضروری سمجھا گیا۔ ان شخصیتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس امر کا زیادہ احساس کیا۔ ان کے اس احساس کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کیا گیا۔ آپ دین کے اعتبار سے حد درجہ متقی و پرہیزگار۔۔۔ قرآن و سنت پر عامل ہونے کے علاوہ تدبر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست کے مالک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دُعا بھی فرمائی کہ اے اللہ معاویہ کے علم میں زیادتی کر۔ آپ نے تبلیغ دین میں اقتدار اسلامی کے عمل میں آسانی کے مد نظر ایک اجتہادی طرز وضع کی۔ کہ اپنے لیے ایک محل بنایا۔ اور شاہانہ لباس استعمال کیا۔۔۔ وہ اس نظریہ کے تحت کہ آپ نے گزشتہ دور باطل کا جائزہ لے کر اندازہ کیا۔ کہ لوگ مدتوں سے باطل کے جابر حکمرانوں کی دہشت سے مرعوب ہو کر ان کے محکوم رہے۔ ان کے ذہنوں پر ابھی تک دہشت زدگی کے آثار موجود ہیں لہذا اقتدار اسلامی میں شاہانہ رعب و جلال قائم ہونے سے لوگ متاثر ہو کر دین اسلام۔۔۔ یا اقتدار اسلامی کی طرف رجوع کریں گے۔ اس طرح لوگوں کو دین میں داخل ہونے میں آسانی



ہوگی۔ دوسرے اقتدارِ اسلامی کے شاہانہ رعب و جلال کو دیکھ کر باطل قوتوں کو خلافتِ اسلامی پر یلغار کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو سکے گی۔ اس طرح تحفظِ اقتدارِ اسلامی میں آسانی ہوگی۔ جبکہ کسی شخص کا دین میں داخل ہونا محض اس کی اصلاح کے لیے تھا۔ نہ کہ محکومی کے لیے۔ مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے محل تعمیر کیا ہے۔ اور شاہانہ لباس پہنا ہے۔ تو آپ نے اس محل کو مسمار کرادیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کا شاہانہ لباس اُتر وادیا۔ لیکن یہ طریق حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک مناسب تھا۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض اصحاب الدین الاسلام میں کسی فروعی طرز کو شامل رکھنے پر راضی نہ تھے۔ کہ الدین الاسلام دین اسلام کی ہیئت ایک شہنشاہیت یا حکومت کی سی ہو۔

کیونکہ آپ نے اپنی خواہش نفس کے زیر اثر نہ محل بنایا تھا۔ نہ ایسا لباس وہ خود پسند کرتے تھے۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ کی مادی حیثیت قائم کرنے کا ایک نیا انداز تھا۔ اور اس خیال سے بھی۔ کہ آئندہ آنے والے زمانوں میں اہل اسلام میں کسی طور تعمیل دین میں فرق آنے سے وہ جذبہ ایمانی معدوم نہ ہو جائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں تھا۔ اس خیال کے مد نظر جب کہ اقتدارِ اسلامی میں بے شمار دولت اور سرمایہ وسیع خطہ ارضی اور اقتدارِ اسلامی کی فتوحات سے۔ دنیا پر رعب و جلال طاری ہو چکا تھا۔ انہوں نے مادی اقتدارِ اعلیٰ کو ذریعہ ہدایت بنانا ضروری سمجھا کہ یہ حیثیت اہل اسلام میں بہ طور طویل زمانہ تک قائم رہ سکے گی۔ اس طرح اقتدارِ اسلامی کو طویل زمانہ تک استحکام میسر ہوگا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر فاروق کا حکم تھا۔ اس لیے اس حکم کے خلاف نہ آواز اٹھانے کی جرأت ہوئی نہ اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت ہوئی۔ کیونکہ یہ اصحاب سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ذرہ بھر قدم باہر رکھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ ہی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر منافقین نے بغاوت شروع کی تو صحابہؓ نے بلکہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر کو مدینہ میں روکنے کی رائے دی۔ تو حضرت ابوبکرؓ



نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ بدیں وجہ یہ شکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر ہے۔ اس لیے اس لشکر کو کسی طرح بھی روکا نہ جائیگا۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا منصوبہ رو بہ عمل لانے کا موقع نہ ملا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں چند ایسی اصلاحیں کیں جو حضرت معاویہؓ کے نظریہ سے ملتی تھیں۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ نے قطع نظر اس کے کہ اقتدار اعلیٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے دینی شرائط اور جوگزشتہ ۱-۲-۳-۴ میں بیان کی گئیں) کا پابند رہ کر خلافت پر مامور ہونا تھا۔ مادی ذرائع کے استعمال۔ اور خلیفہ کے لیے۔ مدبر سیاست دان ہونے کو اولیت دینا لازمی سمجھا۔ جس میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خالص شرعی اصولوں پر اقتدار اعلیٰ کے قیام کو ثانوی حیثیت ملتی تھی۔ اس اصول کے مطابق اس سے قبل۔ بیت المال کی دولت صرف غربا و مساکین اور چندے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لیے سامانِ حرب اور دیگر ضروریات کی فراہمی پر ہی خرچ کی جاتی۔ یکس اب بیت المال کی رقم کو ایسی مدوں میں خرچ کیا جانے لگا۔ جن پر طریق سنت کے مطابق خرچ کرنا جائز تصور نہ کیا جاتا تھا۔ نہ از روئے قرآن ایسی مدوں پر بیت المال کی رقم خرچ کرنے کا کوئی قرآنی حکم جاری ہوا تھا۔ ان مدوں میں۔ قبیلہ کے سرداروں کو بیت المال سے دولت دی گئی۔ تاکہ مختلف قبائل کی اقتدار اسلامی کو حمایت حاصل رہے۔ اسی طرح بعض ایسے لوگوں کو روپیہ دیا گیا جو اقتدار اسلامی میں خلیفہ کے معاون و حامی تھے۔ ان میں اکثر لوگ خلیفہ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ کیونکہ عزیز ہونے کی صورت میں ان سے معاونت و حمایت کی زیادہ توقع کی جاتی تھی۔ البتہ اس عمل میں کتبہ پروری کا جذبہ کارفرمانہ تھا۔ بلکہ اجرائے دین میں اقتدار اعلیٰ کی تحفظ و سالمیت کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ ایسے ہی واقعات سے جب عامۃ المسلمین نے اعتراضات شروع کیے کہ یہ طریق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن خلدون میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے خلاف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا احتجاج اسی نوعیت کا تھا کہ خلافت کو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریق صدیقی اور طریق فاروقی کے سوا کسی اجتہادی طریق کو اجرائے دین و خلافت میں شامل نہ کیا جائے۔ تو حضرت عثمانؓ نے آپ کے احتجاج کو خلیفہ وقت کے عملی منصوبہ میں رخنہ اندازی اور دخل اندازی کے بد نظر



شہر بدر کر دیا۔ کہ یہ امر خلافت اسلامی میں فتنہ کا سبب بن سکتا تھا۔ جبکہ موقع اور وقت کی نزاکت کے تحت۔ خلیفہ کا امور خلافت میں اجتہاد کرنا اشد ضروری تھا۔ تو صورت یہ پیدا ہوئی۔ کہ اقتدار اعلیٰ سے منسلک قریبی حلقوں۔ اور متفرقین کے درمیان دل رنجش اور اختلافات پیدا ہو کر امت دو نظریوں کی صورت میں دو جماعتوں میں بٹ گئی۔ ان میں ایک جماعت یونین کی تھی۔ جو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خلافت کو چلانے کی شدت سے حامی تھی۔ دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی حمایت میں اقتدار اعلیٰ کے قیام میں وقت کی نزاکت کے تابع اجتہادی صورت میں بعض اصلاحیں کرنے کی حامی تھی۔ اور اس اختلاف میں جمیعت المسلمین نے بحیثیت مجموعی حصہ لینا شروع کیا۔ جبکہ اصول شریعت کے تابع۔ ایسے امور میں صرف خلیفہ اور مجلس مشاورت کے ارکان کے سوا۔ جمیعت المسلمین کو اعتراضات و اختلافات پیدا کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس طرح مجلس شوریٰ کی حیثیت برقرار نہ رہ سکی اور ہر شخص نے خلیفہ پر اعتراضات کرنا شروع کیے۔ ایسے موقع پر منافقین نے (جو ظاہراً خود کو مومن جلاتے تھے) اس فساد میں شامل ہو کر واقعات کو گھناؤنے رُوپ دے کر دو جماعتوں کے درمیان سازش کر کے فساد کی آگ کو بھڑکا دیا۔ دیکھا جائے۔ جہاں تک دین اسلام اور اقتدار اسلامی کے تحفظ کا تصور تھا۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ صحیح نظریہ پر قائم تھے مگر منافقین نے ایسے واقعات پیدا کر دیئے کہ ہر دو فریق کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی۔ یہاں تک کہ منافقین نے دونوں فریقوں کو کشت و خون تک پہنچایا۔ یہی اسباب تھے جن پر شہادت عثمانؓ کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریہ کو تقویت دینے کے لیے عملی اقدام شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد۔ نہ خلیفہ کی حیثیت باقی رہی۔ نہ مجلس شوریٰ کی۔ دونوں فریقوں میں دو مخالف جماعتوں کی صورت میں خلافت کے انتخاب پر نزاع پیدا ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد از روئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہی مقررہ شرائط کے مطابق خلافت کے لائق تھے۔ مگر دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ کی حمایت میں بھی صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کی جماعت ان کے نظریہ کی حامی تھی۔



جن کے نزدیک خلافت کے لیے ایک مدبر سیاست دان ہونے کی حیثیت میں حضرت امیر معاویہؓ کو خلافت سپرد کرنا۔ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ و وسعت کے لیے زیادہ بہتر تصور کیا جاتا تھا۔ اس خیال سے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ۔ ایک تو خلافت کو طریقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائط پر چلانے کے حامی تھے۔ دوسرے تدبیر و سیاست کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے مقابل زیادہ اہل سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ بنیادی اختلاف تھا۔ جو حصولِ خلافت میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ جنگِ صفین کا سبب بنا۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک عظیم سانحہ تھی۔ اس شہادت میں پس پردہ یہود کی سازش کا رفرما تھی۔ ادھر اس واقعہ کی شہادت میں۔ دو فریق میں سے ایک فریق کو مجرم گردانا جاتا تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے۔ جن میں حضرت امیر معاویہؓ پیش پیش تھے۔ اس قتل کو جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھے۔ از روئے شریعت ناجائز قرار دے کر۔ قصاص کا مطالبہ کیا۔ اور جب عامۃ المسلمین میں ایک جماعت نے حضرت علیؓ کو خلافت کا حقدار قرار دیا۔ اور انہیں خلافت کے لیے مجبور کیا گیا۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے پہلے آپ سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس وقت جب دونوں فریق۔ دینِ اسلام کے دعویدار تھے۔ اور عامۃ المسلمین میں پیدا کیے ہوئے عنیض و غضب میں یہ ممکن نہ تھا کہ جماعتِ اسلامی میں مزید فتنہ کو فروغ دینے کے بد نظر فوری طور پر قاتلانِ عثمانؓ کا محاسبہ کیا جاتا حضرت علیؓ کی اطاعتِ سنتِ نبوی اور مصلحتِ دینی نے منافقتیں کو یہ موقع دیا۔

(حاشیہ گزشتہ صفحہ ۱۴۲)

یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی جو ایک عظیم محدثہ اور مجتہدہ کا مقام رکھتی تھیں۔ نظریہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حامی تھیں۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اسی بنیادی نظریہ پر اختلاف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے محض حضرت امیر معاویہؓ کے اسی اجتہادی نظریہ کی حمایت میں معرکہِ جمل میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی۔ ورنہ بلا وجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دواصحاب کے درمیان جنگ میں کسی فریق (حضرت علیؓ) کے خلاف جنگ میں شامل ہونا لازمی نہ تھا۔



دوسرے حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے اس تاخیر کو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی عدم توجہ کا تاثر دیکر آپ کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ چنانچہ اس اختتامی کارروائی نے خلافت کے مسئلہ کو درمیان میں لا کر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی اطاعت سے انحراف کیا۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی اطاعت سے انحراف کر کے خود اقتدار اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اقدام کیا۔ جبکہ سنت نبویؐ کے مطابق۔ الدین الاسلام کی خلافت میں شرائط خلافت کے تحت۔ خلیفہ کے لیے قرآن و حدیث کے احکام کے تحت کسی فروعی شرط کو داخل نہ کیا جانا۔ اور خلیفہ کے انتخاب میں۔ سوائے خلیفہ۔ یا مجلس مشاورت۔ خود۔ یا کسی فرد سے انتخاب ہونا خلاف شرع۔ خلاف دین تصور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ان واقعات کا آخری نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں رونما ہوا۔

اس مقام پر چند حقائق کا بہ نظر عمیق تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر جنگ صفین کے واقعات پر ان روئے قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تحقیق کی جاتے۔ اس مقام پر پور زمین نے جو تاریخ ترتیب دی ہے۔ انہوں نے تاریخ کی تدوین کی سطحی نظر سے تحقیق میں لا کر بنیادی اسباب پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ ہے خلافت کا بنیادی تصور۔ کہ آیا۔ خلافت اسلامی کا حقیقی تصور کیا ہے؟

وہ ہے۔ کائنات۔ یا مخلوق پر کسی شخصیت کو حاکمیت کا حق حاصل ہونا قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کیا۔ کہ کائنات کا حاکم اعلیٰ الحاکمین۔ اللہ ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ

اللہ خالق ہے۔ باقی سب مخلوق۔ عبد۔ اس اعتبار سے حاکمیت اللہ کو لازم ہے۔ اس کی حاکمیت میں کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ اس حال میں کہ انسان عبدیت (غلامی) کی حیثیت سے کسی موقع پر باہر نہیں ہو سکتا۔

دوسری نوعیت رسول کی ہے۔

اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایک رسول کو منتخب کر کے حاکم بنا کر بھیجتا ہے۔ اس انتخاب میں بھی کسی بندے۔ عبد۔ کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ لہذا بندے کے لیے

رسول کی اطاعت لازم ہے۔ جس میں بندہ رسول کے کسی فعل پر — نہ سوال کر سکتا ہے نہ اعتراض — لازم ہوا — کہ ایسے حاکم پر۔ بندے کو۔ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔ تیسری نوعیت رسول اپنی اُمت میں — اپنے تابعین میں سے کسی فرد کو بحیثیت حاکم منتخب کرتا ہے۔ لہذا — ایسے حاکم پر — بندے کو نہ اعتراض کا حق حاصل ہے نہ انتخاب کا حق حاصل ہے — اب رہا سوال حاکمیت کا کیا تصور ہے ؟

اللہ کی حاکمیت — وہ خالق ہے — اور بندہ مخلوق — خالق کو مخلوق پر فطری طور حاکمیت کا حق حاصل ہے۔ کہ بندہ اس کی ملکیت ہے — یہ حاکمیت کا حقیقی پہلو ہے اور دوسرا پہلو ”ہدایت“ یعنی ہدایت کا — یعنی حاکم کا حکم بھیجنا ہے — اس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں — ”کہ میرا حکم مانو“ — نہیں — بلکہ — کائنات فطرت میں جو نظام اس نے پیدا کیا — اس کے بگاڑنے میں اپنی طرف سے کوئی غلط اقدام نہ کرو — اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا — جیسے ایک انسان ایک مضبوط چٹان سے سر ٹکرا کر ”خود کو“ پاش پاش کر دیتا ہے — لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسے اقدام سے باز رکھنے کے لیے — ایک اصلاحی ضابطہ مرتب کر کے ”حکم دیا“ — کہ اس ”ضابطہ کی پیروی کرو“ — یہ بھی حکم ہے۔ مگر اس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں — بلکہ اس حکم میں فلاح انسانی مقصود ہے۔ البتہ اس مقام پر انسان کو بھی ایک اختیار دیا — کہ اس حکم کی تعمیل میں تمہیں اختیار ہے۔ قبول کرو یا نہ کرو — مگر اس مقام پر اللہ کے حکم کو فوقیت حاصل ہے۔ کہ ”حکم مانو“ — عدول حکمی میں خود انسان کے لیے تباہی ہے۔ جو اس کے اپنے ارادہ و عمل سے اُسے حاصل ہوگی۔ گویا اللہ کے احکام (حکم) اصلاح انسانی کے لیے ہیں۔ اس کی ذات سے کوئی واسطہ نہیں۔ جیسا کہ ایک آقا کے غلام کی خدمت صرف اس کے آقا کے لیے وقف ہوتی ہے۔ اللہ کی حاکمیت میں یہ تصور نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے۔ کیونکہ وہ اس صفت سے منزہ و پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہدایت بھیجتا ہے۔ وہ بھی حکم ہے۔ مگر انسان کی اپنی فلاح کے لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق وہ خود انسانوں میں سے ایک انسان کا انتخاب کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام کا نفاذ کرے۔ اور اس منتخب انسان (رسول) کو احکام کے نفاذ



کے لیے حاکم بنایا جاتا ہے۔ یہ حاکمیت بھی اسی نوع کی ہے۔ کہ اس کی اطاعت۔ رسول کی ذات کے لیے نہیں۔ بلکہ انسان کی اپنی فلاح کے لیے کہ جس میں رسول کی ذات کے لیے کوئی مفاد — یا خدمت کا تصور نہیں۔ سوائے اس کے کہ رسول۔ مخلوق انسانی کی فلاح و سعادت کے لیے خود محنت کرتا ہے۔ تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ مصائب جھیلتا ہے۔ اور پھر یہ تصور اہم ہے کہ یہ حاکم — یہ رسول دینی تعمیل ارشاد و تبلیغ میں اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہے کہ آیا اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنا کردار پورا کیا۔! — یہی وہ اہم نکتہ ہے جس میں اللہ کی حاکمیت — اور اللہ کے منتخب کردہ رسول کی حاکمیت کے مقام کو بنیادی طور نظر میں رکھنا ہے — کہ جہاں بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں — اور جب اللہ تعالیٰ — انسانوں میں کسی فرد کو منتخب کر کے حاکم بناتا ہے۔ تو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ — ایک طرف حکم ہے۔ اَطِيعُوا اللَّهَ — وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ — اور دُأُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ — اللہ تعالیٰ خود رسول کا انتخاب کرتا ہے۔ رسول کے بعد۔ رسول کی ہدایت انسانوں تک پہنچانے کے لیے اولی الامر۔ علمائے اُمت۔ قائم مقام خلیفہ کی حیثیت میں حاکم ہوتے ہیں۔ رسول فلاح انسانی کے لیے محنت مصائب — تکالیف — قتل — اور دل سوزی مٹول لیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے محاسبہ کے لیے ذمہ دار ہے — یہی ہے۔ حاکمیت الہی کی اصل۔ اور دین اسلام کے اہلکار کی ذمہ داری میں حاکمیت حاصل کرنا — اس امر سے ظاہر ہے — کہ دین الہی کے نفاذ میں — کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ دوسرے حاکمیت کی ذمہ داری نبھانے میں ”محاسبہ کا خوف“ یعنی عوام الناس کو ہر صورت فلاح تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرنا۔ یہی ضابطہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے لیے بھی مقرر ہے۔ جس میں کسی خلیفہ کے لیے۔ نہ ذاتی منفعت۔ نہ احساس حکمرانی کی لذت اور نہ ہی اقتدار اعلیٰ میں — مال و زر کے حصول کی خواہش تھی۔ برعکس اس کے سنتِ نبویؐ کے مطابق محنت۔ مصائب۔ تکالیف۔ دل سوزی۔ راتوں کی نیند حرام کرنا۔ فاقہ — اور اللہ

تعالیٰ کے آگے اپنی ذمہ داری نبھانے میں اللہ تعالیٰ کے لرزہ خیز محاسبہ کا تصور — تاریخ میرے اس بُنیادی تصور کی دلیل پیش کرتی ہے — حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں — آپ کی محنت — دل سوزی — مصائب و مشکلات سے ٹکرانا — اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رات دن رونا — کہ ”کاش میں زمین میں اُگنے والی گھاس ہوتا تو اللہ کے محاسبہ سے بچ جاتا“ — حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود پھٹے کپڑوں میں رہنا — فاقوں رہنا — خود سر پر اناج کی بوریاں اٹھانا — اور محاسبہ کے خوف سے — اتنے جلیل القدر صحابی اور جبریل — جو عشرہ مبشرین میں سے ہیں — خوفِ محاسبہ سے ایسے خوف زدہ ہوتے — جیسے کسی نے زمین پر پٹخ دیا ہو — ہفتوں لرزہ سے بھار رہتا — اور اس جہد و سعی میں شہید ہونا — یہ خلافت کا انتخاب — اور حاکمیت کا اصل مظہر ہے — حضرت عثمانؓ کا محصور ہونا اور تلاوتِ قرآن میں شہید ہونا — حضرت علیؓ کہم اللہ وجہہ کا عبادت میں شہید ہونا — اس شخص کی عقل پر ماتم کیا جائے — جو یہ نہ سمجھے — کہ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے عظیم مدبر — صاحبِ فہم و فراست — عالم الغیب کے دوستوں — اور مقرب منتخب کردہ حاکموں سے کبھی غلطی یا لغزشوں کا احتمال ہو سکتا ہے! —

اس بیان کو مدِ نظر رکھ کر خلافتِ عثمانیہ کا تجزیہ کیا جائے — اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافت کے حصول میں واقعہ جنگِ صفین کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر — کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے — کہ ان حضرات کی جنگِ اس غرض سے تھی کہ دیوانگی کے عالم میں رنحوذ باللہ وہ خود مصائب — مشکلات — دل سوزی — قتل ہونا — اور اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کو اپنے ذمہ لینے کے لیے خلافت حاصل کریں — جبکہ اس خلافت میں ذاتی منفعت یا احساسِ حکمرانی کی لذت کو دور کا واسطہ بھی نہیں — تو صاف ظاہر ہے کہ ان ہر دو فریق کا مطمع نظر — مخلوقِ انسانی کی خیر و فلاح داری کی ذمہ داری کی تکمیل کے سوا کچھ بھی نہ تھا — خلفائے راشدین — اکثر حضرت علیؓ سے امورِ خلافت میں مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے — آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدر کا خطاب فرمایا — اور اَنَا دَا دُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا کی بشارت میں آپ کو آسمانوں کی بادشاہت عطا کی گئی — کیا ایسی ہستی کے سربراہوں اصحاب کا خون تھوپا جانا — شرارت



نفس اور بے دینی کی علامت نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے —

المختصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ”خلافت“ قرآن و حدیث کے اجراء — شریعت و طریقت اور اقتدارِ اعلیٰ کے مجموعہ سے تشبیہ ہوتی ہے۔ کہ خلیفہ بحیثیت نائب رسول خلیفہ رسول علم شریعت — علم طریقت — اور اقتدارِ اعلیٰ کا جامع امام تھا۔ اسی تصور پر دین اسلام قائم ہوا۔ البتہ یہ امر واضح ہے کہ اجراء قرآن و سنت میں — جبکہ اجراء قرآن میں — بطریق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم — خالص تبلیغ کا ذریعہ استعمال ہوتا تھا — اقتدارِ اسلامی کا تصور ثانوی حیثیت میں — تبلیغ میں شامل کیا گیا۔ اگر باطل قوتیں تبلیغ دین میں مزاحم نہ ہوتیں — تو اقتدارِ اسلامی کی ضرورت نہ رہتی — لہذا — اقتدارِ اسلامی کو تبلیغ دین میں شامل کرنے سے — تبلیغ دین کا ایک نیا تصور قائم ہو گیا — وہ یہ کہ — اولاً سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تبلیغ دین کو جاری رکھنے کے لیے — باطل قوتوں کی مزاحمت کر کے۔ تبلیغ دین کے لیے راہ ہموار کر کے۔ مخلوق انسانی کو اقتدارِ اسلامی کے حصار میں لاکر محفوظ کیا جائے۔ اس مقام پر اقتدارِ اسلامی کی ہیئت میں تین اجزاء پائے جاتے ہیں۔

اول — خلافتِ اسلامی میں — جماعتِ اسلامی — یعنی جمیع اُمتِ مسلمہ خلیفہ اور جملہ اصحاب مومن جماعت — جو جہاد کے ذریعہ اقتدارِ اسلامی کو بقا اور وسعت دیکر ایک پاکیزہ ماحول پیدا کرتے ہیں۔ اور مخلوق انسانی کو تعمیلِ شریعت کے لیے ایک پُر امن ماحول فراہم کرتے ہیں (یعنی اسلامی اقتدارِ اعلیٰ)۔

دوسرا اقتدارِ اعلیٰ کے اس اسلامی ماحول میں لاکر ایک جماعت (علمائے اُمت) لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں دین پر عامل بنادیں۔ (یعنی عاملان قرآن و سنت علمائے اُمت) تیسرا — ایک خاص جماعت (وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ) عامل شریعت لوگوں کو علم طریقت میں راہنمائی کرتے ہیں — تزکیہ مجاہدہ سے انہیں معرفت میں کامل کر دیتے ہیں — یہ جماعت علمائے اُمت میں طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق راتوں کی عبادت میں شامل ہونے والی جماعت جسے قرآن نے وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ کے خطاب سے خاص الخاص جماعت قرار دیا)۔



انہیں تین اجزاء پر خفائے اربعہ میں دین اسلام کی ہیئت قائم رہی۔ اس حال میں کہ طریق نبوی کے مطابق۔۔۔ شریعت پر خالص عمل۔۔۔ تزکیہ مجاہدہ سے معرفت کا حاصل ہونا۔۔۔ اور اسی صفت پر اقتدار اسلامی کی بقا و وسعت کو قائم رکھنا۔۔۔ جب کہ اقتدار اسلامی کی وسعت و تحفظ میں۔۔۔ مادی ذرائع کو ثانوی حیثیت حاصل رہی۔۔۔

البتہ حضرت معاویہ کے بعد۔۔۔ یزید بن معاویہ کے دور میں علم شریعت و طریقت کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ بلکہ خلافت کی حقیقی شرط۔۔۔ یہ کہ خلیفہ کا صاحب علم قرآن و حدیث ہونے کے ساتھ صاحب عمل متقی ہونے کی شرط کو لازم نہ رکھا گیا۔ اور نہ ہی اصول قرآن کے تحت مجلس شوریٰ کا وجود ضروری سمجھا گیا۔ بلکہ مادی ذریعہ سے اقتدار اعلیٰ کو تحفظ و وسعت دینا مقدم سمجھا گیا۔۔۔ یزید بن معاویہ کی بادشاہت کے بعد باقی اموی دور میں حضرت معاویہ کے نظریہ کے مطابق۔۔۔ خلیفہ نے محلات شاہی تعمیر کیے۔ اور اپنی شان شاہانہ وضع کی بنائی۔ یہ تمام اغراجات بیت المال سے حاصل کیے گئے۔ اس سے قبل اقتدار اسلامی نے ہر چہار دانگ عالم میں اپنی روحانی ہیبت و جلال سے عالمگیر فتوحات حاصل کیں۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی اقتدار اسلامی میں۔۔۔ عجمی شہنشاہوں کی دولت کے انبار لگ گئے۔ تو کوئی زکوٰۃ لینے والا بھی باقی نہ رہا۔۔۔ تو یہ تمام دولت اقتدار اسلامی میں شاہانہ جلال۔۔۔ محلات شاہی خلفاء کے لباس فاخرہ۔ اور شکر پر صرف کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ خلفاء اسلام میں دولت کی فراوانی کے باعث۔ امارت و عیش سے دلچسپی اور لگاؤ بڑھنے لگا نتیجتاً ان میں تقویٰ و تزکیہ میں کوتاہی آنے لگی۔ اس کے نتیجہ میں لوگوں میں بھی آرام طلبی۔ عیش پرستی کے آثار پائے جانے لگے۔۔۔ یہاں تک کہ لوگوں میں جذبہ ایمانی کی کمی آئی۔ لوگوں نے تعمیل احکام شریعت میں کوتاہی شروع کر دی۔ اس کا اثر زیادہ تر خلیفہ وقت پر پڑا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شرائط سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو انتخاب خلافت میں ملحوظ نہ رکھا گیا۔۔۔ سوائے اس کے

---

۱۔ مادی ذرائع سے مراد۔ خلیفہ کے انتخاب میں بجائے تقویٰ کے عقلی فہم و تدبیر کو بھی شرط خلافت میں لازم قرار دیا گیا جن میں مادی وسائل شامل رکھے گئے۔



کہ خلیفہ کا انتخاب یا تو تدبیر و سیاست اور شجاعت پر منحصر رکھا گیا — یا خلیفہ خود کسی کا انتخاب کرتا۔ خواہ وہ اس کا لڑکا ہی ہوتا — یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اقتدارِ اسلامی نے مکمل شہنشاہیت کا رُوپ دھار لیا۔ البتہ ابھی۔ ابتدائی دور تھا۔ خلفاء و رعایا میں ابھی جذبہٴ ایمانی باقی تھا۔ اس لیے قرآن و حدیث پر عمل جاری رہا۔ اس کے علاوہ خلافتِ اسلامی میں ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو بحیثیت عالم اُمت قرآن و حدیث کا اجرا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس شہنشاہیت میں خلافتِ اسلامی کا تصور قائم رہا۔ جب خلفاء نے شرعی احکام کے ضابطہ کے خلاف عمل شروع کیا۔ تو علمائے اسلام نے ان کی شدید مخالفت کی — لیکن خلفاء کے پاس اقتدارِ اسلامی تھا۔ انہیں زیر کرنا آسان نہ تھا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ علمائے اُمت نے اقتدار سے الگ ہو کر مسجد کو اپنا مسکن بنا کر مسجد سے ہی قرآن و حدیث کا اجرا کیا۔ اس طرح اقتدارِ اسلامی کے ساتھ قرآن و حدیث کی تعلیم اور اُمت کی اصلاح کا کام بھی جاری رہا۔ اس مقام پر خلافتِ اسلامی کی تین حیثیتیں ہو گئیں — ایک ”اقتدارِ اسلامی“ (خلافت) دوسرا ”علمائے اُمت“ کی جماعت جنہوں نے طریقِ نبوی پر الدین الاسلام قرآن و حدیث کی تعلیم کو اعلیٰ حالہ برقرار رکھا — زمانہ گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ علمائے اُمت بھی لذتِ دنیوی سے متاثر ہونے لگے۔ ان میں تزکیہ مجاہدہ کی قوت کم ہوتی گئی — ایک طرف وہ حصولِ دنیا کی لذت سے متاثر ہو کر تعمیلِ احکام میں تزکیہ مجاہدہ سے عاری ہو گئے۔ دوسری طرف انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ میں داخل ہونا شروع کیا۔ یہ جماعت علماء اسلام ”علمائے سُور“ کے نام سے موسوم کی گئی اور جب شریعتِ اسلامی میں رفتہ رفتہ تزکیہ کم ہوا — تو ان کے عمل سے حقیقت کی رُوح۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ اور مشاہدات و معرفتِ اسرارِ الہی کی قوت کم ہونے لگی۔ جب علماء میں طریقت کا تصور کم ہونے لگا۔ تو ان کے پاس قال ہی قال رہا — حالِ ان میں کم ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب

معرفت علماء مسجد کا مسکن چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے لوگوں کو علم شریعت کے ساتھ علم طریقت سے بھی آگاہی دیتے رہے۔ — یہ زمانہ خلافت عباسیہ کا تھا۔ کہ اس زمانہ میں اقتدار اسلامی کا سورج نصف النہار پر تھا۔ خلفاء بھی خود اگرچہ بطریق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ تقویٰ میں کامل نہ تھے۔ مگر قرآن شریعت کے اجراء میں حد درجہ مستعد تھے۔ علمائے شریعت نے قرآنی علم کے فلسفہ و حقائق کو کھول کھول کر بیان کیا۔ لیکن علمائے طریقت نے ان دونوں فریقوں سے علیحدگی اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور اسی گوشہ عافیت میں طالبان راہ معرفت کی راہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کا دور شروع ہوا۔ — اس طرح خلافت اسلامی مدینہ سے لے کر ترکی کی حدود تک پہنچی۔ —

در حقیقت ابتدائے اسلام میں شریعت و طریقت کا الگ الگ تصور نہیں پایا گیا۔ بلکہ اس کا ایک ہی تصور تھا۔ کہ قرآنی احکام کی تعمیل کی جائے جسے شریعت کہا گیا۔ اس عمل میں زائد عبادات تہجد و نوافل شب بیداری کو شریعت ہی کی جز قرار دیا گیا۔ جس میں ”طریقت“ کا کوئی علیحدہ تصور قائم نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ زائد عبادات سے قرب الہی معرفت الہی۔ معرفت اسرار الہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت صحابہ میں ایک خاص جماعت کو حاصل ہوتا رہا۔ — اس عمل کو شریعت میں شامل رکھا گیا۔ صحابہ کے زمانہ کے بعد خلافت اسلامی میں بھی — جب دین تین اجزاء میں تقسیم ہوا۔ — یعنی اہل خلافت (اقتدار اعلیٰ) جس میں حکومت بھی تھی۔ اور شریعت پر عمل بھی تھا۔ خلافت اسلامی سے موسوم ہوئی۔ — دوم اقتدار اعلیٰ سے غیر متعلق علمائے اُمت۔ جن سے اجرائے قرآن و حدیث اور تعمیل احکام میں راہنمائی جس میں نہ حکومت تھی۔ — نہ تزکیہ نفس۔ نہ زائد عبادت کا عمل شامل تھا شریعت یا علمائے شریعت سے موسوم ہوا۔ — تیسرے اس جماعت کا عمل جن میں علمائے



اُمت نے قُدرِ ان و حدیث کی تعلیم کے ساتھ — زائد عبادات — نوافل — تزکیہ — مجاہدہ کو ایک الگ حیثیت دی — اس حال میں اس عمل کو شریعت کی جزو کی حیثیت میں پورا کیا گیا — اور جب خلافتِ اسلامی — ترکی میں قائم ہوئی — اس وقت علمائے اُمت کی خاص الخاص جماعت نے ایران میں سکونت اختیار کی — تو اس عمل کا عربی تصور یکسر عجی — ایرانی تصور میں بدل گیا — بہ الفاظِ دیگر قدیم عربی رواج و تہذیب نے ایرانی — عجی تہذیب کے اثرات قبول کر لیے — تو یہاں پر ایرانی تصورات اور عربی تصورات نے ایک مخلوط ہیئت اختیار کی — یہ وہ زمانہ تھا — جب اقتدارِ اسلامی (خلافتِ اسلامی) میں بوجہ شریعت پر کامل عمل نہ ہونے کے — ضعف پیدا ہو چکا تھا — اور اقتدارِ اسلامی منتشر ہو کر مختلف حکومتوں میں تقسیم ہو چکا تھا — اسی طرح شریعتِ اسلامی میں بھی — روحانیت کی حقیقی رُوح کا تصور مٹ چکا تھا — سوائے اس کے کہ علمائے اُمت میں مختصر جماعت نے طریقِ مجاہدہ — تزکیہ نفس اور روحانیت کی تعلیم کو — اقتدارِ اسلامی اور علمائے شریعت سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی صورت میں اس عمل کو جاری رکھا — اور جب اس عمل میں ایرانی تصور شامل ہوا — تو یہ طریق ایک علیحدہ عمل تصور کیا جانے لگا — جس کو ”طریقت“ سے موسوم کیا گیا — جبکہ اس سے پہلے زائد عبادت کو طریقت کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا — سوائے اس کے اس طریق کو — طریقِ حصولِ معرفت میں تصور کیا گیا — اور طریق سے ہی ”طریقت“ اخذ کیا گیا — ہوا یہ کہ ایران — اگرچہ قدیم زمانہ سے قدیم آریں قوموں کا مسکن رہا — ان قوموں میں بھی — نبی — رسول ان کی تہذیب و زبان میں آتے رہے — جن کا علم — قوموں میں جاری تھا — وہ یہ کہ اکثر علمائے اُمت — جنگلوں کی تنہائیوں میں — تزکیہ مجاہدہ — مراقبہ سے روحانی قوت حاصل کرتے — یہی عمل — ایران میں — قدیم سلسلوں سے جاری آتا رہا — یہی عمل اس وقت ایران کے لوگوں میں جاری تھا — یعنی اس عمل میں خالص شریعت کا عمل — نماز — روزہ — زکوٰۃ — حج کا علم و عمل شامل نہ تھا — صرف تزکیہ مجاہدہ سے (بغیر عمل شریعت) انہیں کچھ کمال حاصل ہوتا تھا — جس پر الدین الاسلام کا طریق — قوموں میں جاری تھا اور



اسی عمل کو — الدین الاسلام سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ الدین الاسلام کی تکمیل۔ عمل شریعت سے ہی ہوتی تھی۔ اسی حالت میں۔ قدیم قوموں میں علمائے اُمت نے۔ جنگلوں کی تنہائی میں۔ گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور انہیں جنگلوں میں اپنے عمل کو جاری رکھا۔ اور طالبانِ حقیقت نے اسی مقام پر علمائے اُمت سے فیض حاصل کرنا شروع کیا۔ اسی طرح یہ عمل علیحدہ حیثیت میں جاری ہوا۔ صاحبِ علمِ عالمِ اُمت نے جنگل میں گھاس کی جھونپڑی میں سکونت اختیار کی۔ اسی نسبت سے گھاس کی جھونپڑی کو فارسی میں ”خانہ کاہ“ پکارا گیا۔ اسی ”خانہ کاہ“ کو خانقاہ کے نام سے شہرت ملی۔ اور آئندہ ایک ولی کے مسکن کو خانقاہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور ایک ولی کی وفات کے بعد۔ ولی کی خانقاہ کو طریقت کا مرکز قرار دیا جانے لگا۔ چونکہ اس طریق میں ولی کی وفات کے بعد ایک قائم مقام ولی کا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ اسی ترتیب پر ایک ولی کے بعد اس کے جانشین۔ قائم مقام۔ خلیفہ نے۔ ولی کی جگہ سنبھال کر خانقاہ کو اپنی تحویل میں لے کر یہ سلسلہ جاری رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری بات ہے۔ جبکہ خانہ کاہ (خانقاہ) کے مقام پر ماحول تنہا و خاموش ہو۔ تو قدرتی طور۔ ایسے مقام پر۔ تزکیہ مجاہدہ کا موقع میسر آتا ہے۔ ایسے ماحول میں ایک صاحبِ شریعت انسان (عالم) میں۔ علم و مشاہدہ۔ اور کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ ایسے مجاہدات میں شریعت حقہ کی پوری اطاعت نہ بھی ہو۔ تو بھی کرامات و ولایت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر۔ چندے۔ ایک خلیفہ (جانشین ولی) میں کرامات کے اظہار سے طریقت و ولایت کا اظہار ہونے کی وجہ سے طالبانِ حقیقت اسی خانقاہ سے رجوع کرتے رہے۔ چونکہ شریعت میں۔ خانقاہ۔ اور طریق طریقت نے ایک علیحدہ حیثیت اختیار کی۔ اس وجہ سے یہ سمجھا جانے لگا کہ طریقت شریعت سے ایک علیحدہ عمل ہے۔ خانقاہ کی صورت یہ تھی۔ چونکہ جنگل کی تنہائی میں۔ ضروریاتِ زندگی میسر نہ تھیں۔ اس لیے خانقاہ کی طرف رجوع کرنے والے شہروں سے ضروریاتِ زندگی کا سامان لا کر دیتے۔ جس سے خانقاہ کے طالب علموں کے خورد و نوش کا ذریعہ ہوتا ہو جاتا۔ ظاہر ہے۔ خانقاہ کے علماء سے تزکیہ نفس اور مجاہدات سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے عامۃً المسلمین انہیں عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور عقیدت کی وجہ سے ہر شخص نے خانقاہ کیلئے۔



نذرانے اور تحائف بھیجنے شروع کر دیئے اور جب ان تحائف میں کثرت ہونے لگی۔ تو یہ تحائف بحق خانقاہ۔ خزانہ ہونے لگے۔ جب تحائف و نذرانہ کی کثرت ہونے لگی تو بعض طالبان علم کے ذہنوں میں ان تحائف کے تصورات شامل ہو گئے۔ اور غریب طلباء اب نذرانوں پر توجہ کرنے لگے۔ اس توجہ نے طلباء میں حرص پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تزکیہ میں فرق آنے لگا۔ اس مسلسل عمل سے ایک ولی کی وفات پر اس کے جانشین میں وہ خصوصیت تزکیہ مجاہدہ اور کرامت باقی نہ رہی۔ بلکہ اس پر حرص غالب آنے لگی۔ چنانچہ ایک ولی کی وفات پر۔ اس کے قائم مقام خلیفہ نے تصنع کا لباس پہنا۔ اور بغیر خصوصیت ولایت۔ خود کو ولی ظاہر کیا۔ تاکہ ایک طرف سے خانقاہ کی سرپرستی اسے حاصل ہو اور دوسری طرف اسے جاہ و مال حاصل ہو۔ اس مقام پر خانقاہ اور نام نہاد ولی سے طالبان حقیقت کو حقیقی علم میسر نہ ہوا۔ تو خانقاہ کے جانشینوں نے۔ اصل حقیقت سے ہٹ کر۔ تزکیہ کے چند فروعی طریقے اختیار کیے۔ علم طریقت میں طریق مجاہدہ لازم تھا۔ جس میں مراقبہ۔ تہجد۔ نوافل۔ ناکہ۔ رات جاگنا اور خصوصاً خواہشات نفسانی سے پاک ہو کر۔ تصور پیر۔ تصور رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ تصور ذات الہی کو خالص کرنا تھا۔ اور جب قلب میں نذرانہ کی ہوس نے طلب پیدا کی تو اس عمل سے وہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس طریق میں مشاہدہ اسرار الہی ہونا لازم تھا۔ چنانچہ خانقاہ کے خلفاء نے فروعی عمل اختراع کئے جس میں۔ ذکر۔ ذکر اللہ ہو۔ جس نفس۔ چلہ کشی کا عمل شامل تھا۔ یہ عمل محض تزکیہ قلب کی صفائی کے لیے اختراع کیے گئے تاکہ اس عمل سے قوت مشاہدہ حاصل ہو۔ یہ طریق درحقیقت شریعت و طریقت کی اصل نہیں۔ چنانچہ اس عمل سے مشاہدہ کی قوت حاصل ہوتی رہی لیکن یہ امر ضروری تھا کہ خلیفہ کو خود صاحب مشاہدہ۔ اسرار الہی۔ مشاہدہ ذات الہی سے آراستہ ہونا چاہیے تھا۔ جس کے لیے شریعت کی پابندی لازم تھی لیکن خلفاء کی کمزوری کے سبب طالبان حقیقت کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ یہ مقامات عالم ملکوت سے متعلق تھے۔ اس کے برعکس اس عمل سے انہیں عالم ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ ہوا جو بغیر پابندی شریعت حاصل ہوا۔ اور یہ عمل مسلسل مدتوں جاری رہا۔ اور طالب کو عالم ملکوت کا مشاہدہ حاصل نہ



ہو سکا۔ تو عالمِ ناسوت کے مشاہدات و کرامات کو اصل طریقت سمجھا جانے لگا۔ اور یہی طریق مستقل ہیت اختیار کر گیا۔ — یہی طریق سلطنتِ عثمانیہ — یا خلافتِ عثمانیہ کے بعد جب ہندوستان پر یورش کر کے ہندوستان میں اسلامی اقتدار حاصل کیا گیا۔ تو ان کے ساتھ علماءِ شریعت۔ اور علمائے طریقت نے بھی ہندوستان میں داخل ہو کر اسلام پھیلایا۔ تو علمائے طریقت نے اسی نوع کا علم ہندوستان میں جاری کیا۔ جس میں ذکر اللہ ہو — کلمہ توحید کا ذکر نفی اثباتِ راسخ کے ساتھ کلمہ شریف کا ورد کرنا جس نفس — اور دیگر اذکار کا علم طالبانِ حق کو دیا — اس علم سے صرف عالمِ ناسوت کا مشاہدہ حاصل ہوتا رہا — اس وقت حقیقی علمِ شریعت کا خاص عمل نہ استعمال ہوا۔ نہ انسانی ذہنوں کو اس کا سراغ ملا — اور پھر ہر زمانہ میں یہی عمل مستقلاً طریقِ طریقت کی اصل سمجھا جانے لگا۔ البتہ بعض علمائے امت کو شریعت کا حقیقی علم حاصل تھا۔ انہوں نے بھی۔ اس علم کو ہندوستان میں داخل ہو کر پھیلایا۔ لیکن یہ علم مختصر رہا — جسے بہت کم وسعت ملی — اور بہت کم لوگوں نے اس علم سے استفادہ کیا — ان علماء میں حضرت معین الدین چشتی — حضرت بابا فرید الدین گنج بخش — عبدالقدوس گنگوہی — حضرت علی احمد صابری کلیری — حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم اور پنجاب کے بعض مشہور فقراء ہوئے ہیں۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ جب عہدِ مغلیہ میں۔ سلطنتِ مغلیہ کشمیر تک وسیع ہوئی۔ تو اس زمانہ میں کشمیر میں بھی فقراء کا ورود ہوا۔ انہوں نے زیادہ تر وہی علم پیش کیا جس میں عالمِ ناسوت کے کمالات کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوتا تھا۔ اور یہی علم کشمیر کے فقراء کو حاصل ہوا جبکہ اس علم کے سوا۔ عالمِ ملکوت — اور حقیقی مشاہدہ اسرارِ الہی معرفتِ الہی کا بہت کم لوگوں کو میسر ہوا۔ جنہیں۔ خواب میں زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی — اور یہ تصور قطعی مشکل تھا۔ کہ کسی طالب کو ایک ول سے۔ تھوڑی محنت اور آسانی سے مراتبِ ملکوتی اور مشاہدہ اسرارِ الہی یا مشاہدہ ذاتِ الہی میسر ہو سکتا ہے۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کے زمانہ سے قبل کشمیر میں تھی۔ کہ فقراء کو جنگلوں کی تنہائیوں میں تزکیہ نفس۔ ذکر۔ اور وظائف سے علمِ ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ۔ اور کرامات حاصل تھیں۔ مگر عالمِ ملکوت اور اسرارِ الہی کے مشاہدات سے بہت کم فقراء آگاہ تھے — یہی زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم — ولایت تاملے کر وار کشمیر



ہوتے۔ بلاشبہ آپ قرونِ اولیٰ کے علمائے اُمت کے قائم مقام علمِ شریعت بحد کمال تحصیل کیے ہوتے تھے۔ اور علمِ طریقت میں آپ ولی اکمل صاحبِ معرفت یکتائے روزگار اولیاء میں شامل تھے۔

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ آپ کے مُریدوں کو کثرت کے ساتھ منازلِ اعلیٰ حاصل تھیں۔ اور خود آپ کے مُریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ وہ ایک طالبِ حق کو حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف کر دیں۔ ان مُریدوں میں جناب خواجہ عبد کریم صاحب کو خاص مقام حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کی بیعت کے بعد علاقہ لولاب۔ تحصیل ہند واڑہ۔ سوپور۔ بارہمولہ تک آپ کی وساطت سے کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ ان میں بھی بیشتر لوگوں کو زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔

## راجہ سحنی ولایت خان کا قبولِ اسلام

### اور ولایت سے مشرف ہونا

یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے موضع کا شیرازہ انگلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اسی دورانِ حضور قبلہ عالم کو کا شیرازہ کی زمین کے انتقال کے لیے سیٹھ بسجیکٹ ریاستی باشندہ ہونے کی سند حاصل کرنے کے لیے۔ اپنے آبائی وطن وادی کرناہ (شاردہ) جانے کا اتفاق ہوا۔ حضور شاردہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک نمبردار کے گھر قیام کا ارادہ فرمایا۔ نمبردار آپ کے مُریدوں میں سے تھا۔ موسمِ شدیدِ سردی کا تھا۔ نمبردار کے گھر پہنچے تو وہ بہت خوش ہوا۔ حضور کو ایک کمرے میں بٹھایا۔ کمرے میں انگلیٹھی جل رہی تھی۔ حضور اسی کمرے میں تشریف فرما ہوئے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد نمبردار نے آپ کے لیے ایک اور کمرے کا بندوبست کیا۔ حضور سے عرض کی کہ آپ دوسرے کمرے میں

تشریف لے چلیں۔ حضور قبلہ عالم تھکے ہوئے تھے۔ کمرے میں آرام ملا تھا۔ فرمایا: ہم اسی کمرے میں رہیں گے۔ نبردار نے عرض کی۔ کہ حضور اس میں ایک عیسائی ریخبر ٹھہرا ہوا ہے۔ مبادا اس سے آپ کی شان میں بے ادبی ہو۔ حضور اسی کمرے میں بیٹھنے پر مصر ہوئے فرمایا۔ بے شک اس افسر کو آنے دو ہم اس کی کوئی حرکت خاطر میں نہ لائیں گے۔ چنانچہ شام کے قریب ریخبر صاحب آئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ یہ کون آدمی یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ نبردار نے اس خیال سے کہ کہیں ریخبر صاحب کوئی گستاخانہ کلام نہ کر بیٹھیں۔ کہا۔ یہ میرے پر صاحب ہیں۔ لیکن ہوا وہی جس کا نبردار کو خدشہ تھا۔ ریخبر صاحب نے چھوٹتے ہی کہا۔ ”یہ تمہارے پر ٹھگ ہوتے ہیں۔“ نبردار پر گویا بجلی گری اس پر شدید غصہ طاری ہوا۔ ممکن تھا کہ وہ ریخبر صاحب کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے ہنستے ہوئے خاموشی کا اشارہ کیا۔ نبردار خاموش ہو کر باہر چلا گیا۔ ریخبر صاحب کپڑے اتار کر کرسی کو انگیٹھی کے قریب لاکر بیٹھ گئے۔ حضور قبلہ عالم بھی خاموش بیٹھے رہے۔ ریخبر صاحب نے دیکھا کہ حضور نے ان کی بات پر اظہارِ ناراضگی نہ کیا۔ سمجھے کہ یہ کوئی معمولی آدمی ہے۔ خود ہی سلسلہ کلام شروع کیا۔ ان کے طرزِ کلام میں بے ادبی کا تاثر ظاہر ہوتا تھا۔ پوچھا۔ آپ کے کتنے مرید ہیں۔ نذر و نیاز کتنا ملتا ہے؟ حضور نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔ کہ مرید بہت ہیں۔ فقیر لوگ نذر و نیاز بھی لیتے ہیں۔ آپ کے پادری بھی تو نذر و نیاز لے کر عیش کی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ امیر لوگ ہیں۔ اس لیے ٹھگی نہیں کرتے ہیں۔ مگر وہ تمہیں کیا دیتے ہیں؟ ریخبر صاحب نے کہا کہ وہ ٹھگ نہیں وہ دُعا دیتے ہیں۔ اور ہمارے گناہ معاف کر لیتے ہیں۔ ہمارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ان کے نمائندے ہیں۔ انہوں نے سُولی چڑھ کر ہمارے گناہ معاف کر لائے۔ مسلمانوں میں نہ کوئی ایسا آدمی ہے۔ نہ تمہارے گناہ معاف ہونے کی کوئی ضمانت ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ سے پیار ہے۔ کیا کبھی تمہارے پادریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ جو وہ اپنے آپ کو ان کا نمائندہ بتاتے ہیں؟ کیا تم نے بھی کبھی عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ انہیں تم سے پیار ہے۔ تو پھر تمہیں ان کو دیکھنا چاہیے۔ ریخبر صاحب بات سمجھے نہیں ایسے ہی کہہ دیا۔ ہم ان سے پیار کرتے ہیں۔ اور



انہیں دیکھتے بھی ہیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ تو رینجر صاحب اگر آپ اپنے قول کے سچے ہیں کہ مسلمانوں کے پیر ٹھگ ہیں۔ اور تم ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیرو اور پیارے ہو۔ تو پھر فیصلہ اس بات پر ہوگا۔ یا تو آپ مجھے دکھا دیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجھے دکھائی دیں اور کہیں آپ کا دین سچا ہے۔ تو میں اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائی دین قبول کروں گا۔ اور اگر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تم سے کہہ دیں کہ اسلام کا دین قابل قبول ہے تو تمہیں اسلام میں داخل ہو کہ ہمارا مرید بننا ہوگا۔ کہو شرط منظور ہے! — رینجر صاحب تعلیم یافتہ تھے۔ یہ بات سن کر سناٹے میں آگئے۔ اپنی ”انا“ کو پست دیکھ کر کہہ اٹھے شرط منظور ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تو آپ کوشش کیجئے۔ ہم عیسائی ہونا قبول کریں گے۔ چنانچہ اس وعدے کو آئندہ وقت پر چھوڑا گیا۔ بات معمولی نہ تھی۔ رینجر صاحب نے محسوس کیا کہ ایسا سوال کرنا کسی معمولی شخصیت سے نہیں ہو سکتا۔ ان میں کچھ خصوصیت ہے۔ تو رینجر صاحب متاثر ہوئے اور گفتگو کا انداز بدلا۔ اور شریفانہ انداز میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔ دوران گفتگو حضور قبلہ عالم نے دین اسلام کی حقیقت پر تفصیلاً حقائق بیان کیے۔ جس سے رینجر صاحب حضور کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور ان سے آداب کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ رات اسی خوش آئند ماحول میں گزری۔ علی البیہ حضور قبلہ عالم تحصیلدار سے سٹیفکیٹ لینے تشریف لے گئے۔ ادھر رینجر صاحب کو جنگلات میں دورہ پر جانے کا حکم ملا۔ رینجر صاحب نے نمبردار سے کہا۔ کہ ہم دورہ پر جا رہے ہیں۔ اب پیر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اس لیے تم پیر صاحب کو میرا سلام دینا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں دوبارہ ان کی صحبت حاصل نہ کر سکا۔ یہ سواروپہ انہیں میری طرف سے نذرانہ پیش کرنا اور کہنا میرے لیے دعا کریں۔ اب موقع ملا۔ تو پھر آپ سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ یہ پیغام دے کر رینجر صاحب دوسرے پروانہ ہو گئے۔ بعد دوپہر حضور قبلہ عالم نمبردار کے ہاں تشریف لائے۔ تو نمبردار نے رینجر صاحب کا پیغام دیا۔ اور ان کی طرف سے نذرانہ پیش کیا۔ حضور نے نذرانہ لے لیا۔ دعا فرمائی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے رینجر صاحب کے لیے دعا کی۔ کہ اے اللہ! جو کچھ میں اپنے ایمان کے لیے مانگتا ہوں۔ وہی اس شخص کے لیے مانگتا ہوں۔ یہاں سے رخصت ہو کر

گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ معاً یہ خیال گزرا — یہ شخص اسلام سے متنفر — کیا یہ وعدہ پورا ہو سکے گا۔ جس کا ہم نے دُعائیۃ الفاظ میں اظہار کیا۔ حضور کے قلب مبارک پر بوجھ محسوس ہوا — کیونکہ ایک عیسائی کے لیے معرفت کا حصول ہمارے لیے ایک امانت کا درجہ رکھتا تھا — اسی فکر میں سارا سفر طے ہوا اللہ کا فضل ہوا — گھر پہنچ کر اس شخص کے اسلام قبول کرنے کی بشارت مل گئی۔ عرصہ گزرا پھر رینجر صاحب سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔

ایک سال گزرا — ایک دن حضور قبلہ عالم موضع لنگیٹ میں اپنے ایک مرید مہندرمیر ذیلدار کے گھر تشریف لائے تھے۔ رینجر صاحب بھی اسی علاقہ میں تبدیل ہو کر آئے تھے — انہیں حضور کی آمد کا علم ہوا — تو آپ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے — اور عرض کی کہ حضور آپ ہی اپنی شرط پوری کریں — کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجھے بشارت دیں۔ تو میں اسلام قبول کروں گا — اصولِ طریقت کے تحت یہ لازم ہے کہ حصولِ معرفت کے لیے اول دین قبول کرنا شرط ہے۔ ایمان لانے کے بعد ہی — معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر حضور نے فرمایا — کہ مسجد میں بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تصور کریں۔ رینجر صاحب مسجد میں چلے گئے۔ اور آنکھیں بند کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تصور شروع کیا۔ تھوڑی دیر گزری۔ آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اس عالم میں دیکھتے ہیں۔ ایک بہت وسیع باغ ہے۔ آپ باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک پڑ نور بزرگ ملتے ہیں — انہوں نے اپنا نام — شاہ لونگ بتایا — وہ مجھے اس باغ میں لے گئے۔ اور سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ لونگ سندھی نے ان سے تعارف کرایا — میں بہت خوش ہوا۔ کہ اتنے میں سامنے نظر پڑی وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرماتے تھے۔ جلال کی وجہ سے مجھ پر ہیبت طاری ہوئی — میری زبان گنگ ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میری بے بسی پر تبسم فرمایا — اور فرمانے لگے۔ کہ آپ ہی نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔



آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ آپ پر ایمان لاؤ۔ ان کا دین قبول کرو۔ یہی ایمان باعثِ نجات ہے۔ پھر میرا نام لے کر فرمانے لگے۔ سخی ولایت! گواہ رہو۔! میں نے اپنے آپ کو کبھی خدا کا بیٹا نہیں کہا۔! اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں۔ وہ ہم سے نہیں مشرک ہیں۔ دین اسلام سچا دین ہے۔ اسے قبول کرو۔ رنجبر صاحب مراقبہ سے فارغ ہو کر حضور قبلہ عالم کے قدموں میں گر پڑے۔ اور کلمہ شریف پڑھانے کی استدعا کی حضور قبلہ عالم نے انہیں کلمہ پڑھایا۔ اسی وقت رنجبر صاحب حضور کے دستِ حق پر بیعت بھی ہو گئے۔ یہ خوش نصیب ہستی۔ شجرہ اولیہ کا ایک ثمر شیریں۔

بھی اد سخی است در ولایت عظیمیٰ و ابنِ مریم

جناب سخی ولایت خان صاحب کی ذات گرامی تھی۔ آہ! جنہیں آگ کی طلب بھی نہ تھی۔ مگر تجلی ان کا پھیکا کرتی رہی۔ یہ بھی خوش بخشی کی علامت ہے۔ کہ ایک ولی اکمل سے گستاخی کا یہ صلہ۔ تجلیات ذاتی کی صورت میں عطا ہوا۔ یہ افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا ثبوت خود۔ عالی جناب سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی زندہ شخصیت تھی۔ ولی اکمل کی۔ ولایت کی خصوصیت یہی ہے کہ ایک شخص کو بغیر دین میں داخل کیے بغیر اتباعِ شریعت بغیر تزکیہ مجاہدہ کے۔ صرف ایک تصور پر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کر۔ اسلام کی حقیقی دلیل بالثبوت پیش کی گئی۔ حضور قبلہ عالم نے جناب سخی ولایت خان صاحب کو نصیحت فرمائی۔ کہ فی الحال آپ قبولِ اسلام کا ظاہر اعلان نہ کریں۔ بلکہ تنہائی میں نماز ادا کرتے رہیں۔ کیونکہ آپ کے خاندان کے بیشتر افراد اس وقت عیسائی مشنری سے منسلک ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ تم ان کی مخالفت برداشت نہ کر سکو۔ مبادا تمہیں اُلجھن کا شکار ہونا پڑے۔ کچھ دن تو جناب سخی ولایت خان صاحب خاموشی۔ تنہائی میں نماز و درود شریف ادا کرتے رہے۔ لیکن انہیں ایسا کرنا پسند نہ آیا۔ قلب میں آتشِ عشق نے سوز پیدا کر دیا تھا۔ تابِ ضبط نہ رہی۔ اعلانِ نماز ادا کرنی شروع کی۔ عیسائی مشنری کو جب جناب سخی ولایت خان صاحب کے مسلمان ہونے کا علم ہوا۔ تو ان میں کھرام مچ گیا۔ کیونکہ آپ عیسائی مشن کے مبلغ بھی تھے۔ اور آپ کے والد محترم



بھی عیسائی مشن کے سرگرم مبلغ تھے۔ انہیں عیسائی مشنری میں ایک باعزت اور اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہ امر عیسائی مشنری کے لیے پریشانی کا باعث ہوا۔ کشمیر میں اس وقت پادری بسکو C.E. TENDALE BISCO عیسائی مشنری کے سربراہ تھے۔ پادری صاحب سے سخی صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ اس نے سخی صاحب کو بلا کر پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا؟ جب کہ ہماری طرف سے تمہیں ہر سطح پر عزت و آسودگی حاصل تھی۔ قبلہ سخی صاحب نے صاف صاف حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک بزرگ ہستی نے یہ شرط پیش کی۔ کہ آپ یا تو مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھادیں۔ اور وہ مجھے کہہ دیں کہ عیسائی دین قبول کر دو تو میں بعد اپنے مریدوں کے عیسائی ہو جاؤں گا۔ میں تو ایسا کرنے سکا۔ انہوں نے مجھے مسجد میں بٹھایا۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمہ سے ملتی جلتی تھی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر دو۔ اس لیے اس حقیقت کو سمجھ کر میں نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ سن کر پادری بسکو حیران ہوا۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ ویسے پادری بسکو نہایت نیک نفس پادری تھا۔ یہی وہ ہستی ہے جس نے ابتدائی دور میں کشمیر میں انگریزی سکول کا اجراء کیا۔ اور کشمیر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے آراستہ کر کے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں تک ان کو رسائی کے مواقع فراہم کیے۔ پادری بسکو سمجھدار تھا۔ جناب سخی صاحب کے اسلام قبول کرنے پر ناراضگی یا نفرت کا اظہار نہ کیا حالانکہ انہوں نے خود عیسائی مشنری میں عیسائی تبلیغ کا مشن قائم کیا تھا۔ پادری نے آپ کے اسلام قبول کرنے پر اظہار خوشنودی کیا کہا۔ سخی میں بہت خوش ہوں۔ تمہارا اقدام بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دین اسلام کے پیغمبر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں۔ یہ دونوں دین سچے دین ہیں۔ مجھے تمہارے اسلام قبول کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں تمہیں اسلام قبول کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مشورہ قبول کر دو۔ کہ اس واقعہ کی جو تم نے مجھے سنایا۔ عام تشہیر نہ کرو۔ اس سے عیسائی لوگ مشکوک ہو جائیں گے۔ جو ہمارے لیے حد درجہ پریشانی اور نقصان کا



باعث ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اس واقعہ کی نزاکت کو سمجھ گئے ہو گے۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے وعدہ کر لیا۔ ابتدائی دور میں عیسائی مشنری نے جناب قبلہ سخی صاحب کو درغلانے کی کافی کوشش کی مگر وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ سخی صاحب کی اہلیہ کو عیسائی ننوں نے اپنے گھیرے میں لیے رکھا۔ مبادا بیگم صاحبہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اہلیہ فوری طور اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب خاندانی مسلمان تھے۔ ان کا تعلق کشمیر کے راجپوت رگگھڑ خاندان سے تھا۔ آپ کا آبائی وطن میرپور کشمیر تھا۔ آپ کے والد راجہ داؤد خان صاحب فوج میں ملازم تھے۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں آپ انگریزی فوج میں جرمنی کے خلاف محاذ پر لڑائی میں شریک رہے۔ جنگ ختم ہونے پر آپ نے کشمیر (سری نگر) میں سکونت اختیار کی۔ جہاں آپ کا تعلق عیسائیوں سے رہا۔ عیسائی مشنری نے خان صاحب موصوف کو عیسائی بنالیا۔ چنانچہ آپ اپنے خاندان میں سے اپنے اہل و عیال کو میرپور سے سری نگر لے آئے جن میں آپ کی اہلیہ اور بچے۔ جناب راجہ سخی صاحب۔ احسان اللہ۔ نذیر احمد۔ بشیر احمد۔ اور دختر نوشاہہ بیگم تھیں۔ خان صاحب کا عیسائیوں نے مشنری میں رہائش کا انتظام کر دیا۔ اور آپ کے فرزندوں کو مشن سکول میں داخل کر دیا۔ جہاں راجہ سخی صاحب اور احسان اللہ نے تعلیم مکمل کر کے ملازمت اختیار کی۔ راجہ سخی ولایت خان صاحب محکمہ جنگلات میں ریجنل کے عہدے پر متعین ہو گئے۔ احسان اللہ کو ملٹری میں بھرتی کیا گیا۔ باقی بچوں میں اس وقت نذیر احمد (منظر شائق) بشیر احمد بھی زیر تعلیم تھے۔ اسی زمانہ میں جناب سخی ولایت خان صاحب کو حضور قبلہ عالم سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور آپ نے دوبارہ اسلام قبول کیا۔ رفتہ رفتہ قبلہ سخی صاحب نے اپنے خاندان کو دوبارہ اسلام میں لانے کی کوشش کی۔ جس کی ابتداء آپ کی ہمیشہ نوشاہہ سے ہوئی۔ آپ نے اپنی ہمیشہ کو حضور قبلہ عالم کے پیش کیا۔ اور وہ بھی قبلہ سخی صاحب کی طرح کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی حضور ہی ہو گئیں۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالم کے درستی پرست پرست کی۔ اس کے ساتھ ہی۔ احسان اللہ اور نذیر احمد نے بھی اسلام قبول کیا۔ احسان اللہ ملٹری ملازمت کی وجہ سے گھر سے باہر رہے۔ نذیر ان دنوں غالباً چھٹی جماعت میں



مشن سکول میں تعلیم لے رہا تھا۔ اس نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا۔ محترمہ نوشابہ اکثر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوتی رہیں۔ اور خلوت کرتی رہیں۔ انہیں معرفت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوئے۔ آپ شادی شدہ تھیں آپ کے شوہر مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ جناب سخی صاحب کے والد عیسائی مشنری میں پادری تھے۔ اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ ویسے آپ کو اسلامی علوم پر کافی عبور حاصل تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے بعد انجیل پر بھی عبور حاصل کر کے پادری کا درجہ حاصل کیا۔ اور عیسائیت میں مبلغ کی حیثیت سے سکول میں انجیل پڑھاتے رہے۔ چونکہ عیسائیت میں مبلغ کا مقام آپ کو حاصل تھا۔ اس لیے آپ کو علی الاعلان اسلام قبول کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ بظاہر آپ عیسائی مشنری سے ہی وابستہ رہے۔ آپ کے خاندان کے عیسائی مذہب سے منسلک ہونے پر آپ کے بقیہ خاندان سے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ مگر قبلہ سخی صاحب اور باقی افراد خانہ کے اسلام قبول کرنے پر ان کے درمیان صلح ہو کر تعلقات بہتر ہو گئے۔ اور اس کے بعد اپنے وطن میرپور آنے جانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ خان صاحب اور باقی عزیزوں نے اپنے وطن سے رابطہ قائم کیا۔ اور میرپور میں بھی سکونت شروع کی۔ آخر داؤد خان صاحب نے میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ نوشابہ نے بھی میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے عیسائی مشنری میں ہی شادی کی تھی۔ نیز ملازمت کی وجہ سے آپ نے سری نگر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ احسان اللہ طبری میں ملازمت کی وجہ سے سفر میں ہی رہے۔ تذیر احمد نے اور بشیر صاحب نے میرپور میں اپنے والد کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ آپ کی والدہ کا عیسائیت کے زمانہ میں ہی انتقال ہوا۔ اور آپ سری نگر میں شیخ باغ رامیرا کدل میں عیسائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ جناب قبلہ سخی صاحب کو والدہ کے عیسائی حالت میں فوت ہونے کا بے حد قلق تھا۔ کہ وہ اس عظیم نعمت سے محروم رہ گئیں۔ سخی صاحب کی اہلیہ بھی عیسائی تھیں۔ آپ کے

لے غالباً یہ آپ کی سوتیلی والدہ تھیں۔



اسلام قبول کرنے پر عیسائی مشنری نے آپ کی اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی سرٹوٹر کوشش جاری رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اہلیہ نے فوری طور اسلام قبول نہ کیا۔ قبلہ سخی صاحب نے اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے اہلیہ کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور قبلہ عالم کو اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے قبلہ سخی صاحب کو اس ارادے سے باز رکھا۔ فرمایا: بیوی پر جبر نہ کریں۔ وقت آئے گا یہ خود ہی اسلام قبول کریں گی۔ جناب قبلہ سخی صاحب کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اس کا نام زینت تھا۔ پیار سے اُسے ”جوائے“ کہتے تھے۔ یہ بچی حضور قبلہ عالم سے بے حد انس رکھتی تھی۔ جب بھی حضور قبلہ عالم سخی صاحب کے گھر تشریف لاتے۔ تو زینت بے حد خوش ہوتی۔ اور حضور قبلہ عالم اُسے اپنی گود میں بٹھاتے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی توجہ سے زینت کم سنی کی حالت میں ہی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرنے لگی۔ اس کا مشاہدہ حقیقی تھا۔ مشاہدہ میں ذرہ بھر خیال کو دخل نہ تھا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُسے اونچے مراتب کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے مشاہدہ کی وسعت عرش کا احاطہ کر لیتی تھی۔ قبلہ سخی صاحب اکثر اوقات زینت سے مراقبہ کراتے۔ اور زینت عالم باطن کے حالات بیان کرتی۔ کہ رات بستر پر سوتے وقت مراقبہ کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور نیند طاری ہونے کے ساتھ ہی جنت میں چلی جاتی۔ جہاں سفید لباس میں ملبوس عورتیں (خواریں) اسے خوش آمدید کہتیں۔ اس کے لیے ایک خوبصورت باغ مخصوص کیا جاتا۔ جہاں اسے لٹایا جاتا۔ اور اس پر نیند غالب آ جاتی۔ اسی حالت میں رات بسر ہو جاتی۔ صبح اُٹھ کر رات کے مشاہدات قبلہ سخی صاحب سے بیان کرتی۔ اس کے مشاہدہ کی کیفیت یہ ہوتی کہ زینت کھلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت دیکھتی۔ یا جو کیفیت قبلہ سخی صاحب اس سے پوچھتے تو زینت کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے کھلتے کھلتے حالات بیان کرتی۔ ایک دن قبلہ سخی صاحب کو اپنی والدہ کا خیال آیا۔ انہیں والدہ کی حالت معلوم کرنے کی فکر تھی۔ زینت کو بلا کر کہا۔ جوائے ذرا اپنی دادی کو دیکھو کس حالت میں ہیں۔ زینت نے مراقبہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ دادی ایک سنان جگہ پر بوسیدہ لباس میں غمزدہ حالت میں بیٹھی ہیں۔ یہ سن کر جناب قبلہ سخی صاحب کو شدید غم ہوا کہ والدہ عالم برزخ

میں تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آپ حضور قبلہ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والدہ کی کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالمؐ نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ والدہ کی مغفرت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار درود شریف پڑھ کر انہیں ثواب بھیج دیں۔ چنانچہ قبلہ سخی صاحبؒ نے حضور قبلہ عالمؐ کے دولت کدہ پر فاتحہ خوانی کا بندوبست کیا۔ گاؤں سے درود خوان اکٹھے کیے۔ سو لاکھ درود پڑھا۔ اور اللہ کی راہ میں کھانا دیا۔ رات حضور قبلہ عالمؐ نے فاتحہ پڑھی اور دعا فرمائی۔ اور ساتھ ہی بشارت دی۔ کہ آپ کی والدہ کو جنت کے باغوں میں داخل کیا گیا۔ یہ بشارت جناب قبلہ سخی صاحبؒ کے لیے انتہائی خوش کن تھی۔ آپ دوسرے دن حضور سے رخصت ہو کر گھر پہنچے۔ آپ بہت خوش تھے۔ رات پھر زینت کو بلا کر مراقبہ میں بٹھایا۔ کہا۔ زینت تم نے دادی کے متعلق کیا دیکھا تھا۔ ذرا پھر دیکھو۔ ان کا کیا حال ہے۔ اس پر ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے ان کے لیے فاتحہ پڑھی ہے۔ زینت نے مراقبہ میں دیکھا۔ کہا پا آج تو دادی ایک خوبصورت باغ میں ہیں۔ آج تو دادی سفید خوبصورت لباس میں ہیں۔ اور وہ بہت خوش ہیں۔ اس مشاہدہ سے جناب قبلہ سخی صاحبؒ کو یقین ہو گیا کہ پیرا کمل کی شفاعت سے ان کا کوئی کو مغفرت کی سند عطا ہو گئی۔ ان کے دل سے ایک عظیم بوجھ ہلکا ہو گیا۔ مگر ابھی اپنے والد اور بیوی کا بوجھ باقی تھا۔ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالمؐ کی نصیحت تھی کہ اہلیہ پر جبر نہ کریں۔ بلکہ ان سے پیار و محبت سے پیش آئیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب قبلہ سخی صاحبؒ نے اہلیہ کو اسلام قبول کرنے کا کئی طریقوں سے حیلہ کیا۔ کئی بار آزمائشی طور پر اپنی کرامات کا اظہار کیا۔ لیکن انہوں نے اسلام کی طرف آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ یہ عجیب بات تھی کہ آپ کی اہلیہ اگرچہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ لیکن حضور قبلہ عالمؐ کی تشریف آوری پر کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ خود آپ کی خدمت کرتیں۔ کپڑے دھو کر دیتیں۔ جو تے صاف کر کے دیتیں اور نہایت عزت و احترام سے پیش آتیں۔ اور کبھی اپنی طرف سے حضرت اقدس مہر مہمانی صاحبہ کے لیے تحائف پیش کرتیں۔ اس عمل سے قبلہ سخی صاحبؒ کو گونہ تسلی رہتی۔ دراصل میم صاحبہ



کو اپنے شوہر سے بے حد محبت تھی۔ اور اپنے مقام پر قبلہ سخی صاحب کی وفاداری اور خدمت گزاری میں حد درجہ مستعد رہتی تھیں۔ اس محبت کی وجہ سے انہوں نے باوجود عیسائی مشنری کی نتوں کی سازشوں کے۔ اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا۔ عیسائی مشنری کی نہیں۔ اکثر اوقات میم صاحبہ پر اپنا اثر ڈالتی رہتی تھیں۔ دوسرے ان کی والدہ کا ایک بڑا ہسپتال تھا۔ اس کی کافی جائیداد تھی۔ یہ تمام جائیداد اس نے میم صاحبہ کے لیے وراثت میں چھوڑی تھی۔ میم صاحبہ (سخی صاحب کی بیگم) کا خیال تھا۔ اسلام میں داخل ہونے کے اظہار پر۔ اسے اپنی والدہ (مالک ہسپتال) کی جائیداد سے محروم ہونا پڑے گا۔ میم صاحبہ پر قبلہ سخی صاحب کی شخصیت کا کافی اثر پڑ چکا تھا۔ مگر وہ اسلام قبول کرنے میں گوگو کی حالت میں مبتلا تھیں۔ نہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھیں۔ نہ شوہر کی رفاقت چھوڑ سکتی تھیں۔

ایک دن حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے۔ آپ بے حد فکر مند تھے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر پہنچے۔ پوچھا نور الدین کہاں ہے۔ میں کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ حضور بغیر انتظار کیے واپس چلے گئے۔ فرمایا ہم سخی کے پاس جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا سخی صاحب کے ہاں میم صاحبہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور وہ زمانہ مشن ہسپتال محلہ رعنا واری میں داخل ہیں۔ ہم بھی ہسپتال کی طرف دوڑے۔ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ میم صاحبہ بیمار ہیں۔ حضور قبلہ عالم شہر سے نکل کر سیدھے۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کے گھر پہنچے۔ ان کا گھر قلعہ ہری برت کے دامن میں تھا۔ یہاں ہسپتال نزدیک تھا۔ اس سے قبل نہ حضور قبلہ عالم انہیں جانتے تھے نہ ہی عبدالکریم صاحب آپ سے واقف تھے۔ مکان پر پہنچے۔ تو دروازہ پر عبدالکریم صاحب کے چھوٹے بھائی نظام الدین آپ کے منتظر تھے۔ حضور کو دیکھتے ہی نظام الدین آگے بڑھے۔ حضور کو السلام علیکم عرض کی۔ اور نہایت عزت و احترام سے خوش آمدید کہہ کر اپنے ہمان خانہ میں لے گئے۔ ہمان خانہ نہایت صاف ستھرا سجایا ہوا تھا۔ حضور کو آتے ہی چائے پلائی۔ چائے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ نظام الدین۔ ہم نے زمانہ ہسپتال جانا ہے۔ وہاں سخی ولایت خان صاحب کی اہلیہ داخل ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ نظام الدین حضور کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچے دیکھا قبلہ سخی صاحب بے حد مضرب و پریشان تھے۔ حضور کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گئے۔



حضور نے پوچھا بچے کا کیا حال ہے۔ سخی صاحب کے لیے آپ کا ایسے موقع پر تشریف لانا باعث مسرت تھا۔ عرض کی حضور بچہ قریب المرگ ہے۔ ڈاکٹر نے اُسے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ بچہ کو ایک شدید مرض (SINUSITIS) لاحق ہو گیا۔ پیدا ہوتے ہی اُسے یہ مرض لاحق ہو گیا۔ اس کا سانس بند ہے۔ اور دودھ بھی نہیں پی سکتا۔ ڈاکٹر اس کی زندگی سے قطعی مایوس ہو کر علاج سے دست بردار ہو کر گھر چلا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہندوستان کا ایک مشہور ڈاکٹر رولنس تھا۔ اس نے قبلہ سخی صاحب کے آگے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ کہ بچہ کی جان خطرے میں ہے۔ چند گھنٹوں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ سخی ڈاکٹر اپنا علاج کر چکا ہے۔ اب ہم خود اس کا علاج کریں گے۔ فکر نہ کرو۔ بچہ مجھے دے دو۔ اور ایک کمرہ خالی کرو ہم بچے کو لے کر کمرے میں بیٹھیں گے۔ تم سب انتظار کرو۔ کسی کو کمرے میں داخل نہ ہونے دینا۔ ہم خود کمرے سے باہر آجائیں گے۔ حضور قبلہ عالم بچے کو لے کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ اسی وقت ہم بھی ہسپتال پہنچے۔ تو ہمیں حالات کا علم ہوا۔ ہم بھی حضور کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ کے قریب وقت گزرا حضور قبلہ عالم کمرے سے باہر تشریف لائے۔ اور بچہ میم صاحبہ کو دے دیا۔ فرمایا میم صاحبہ بچے کو دودھ پلاؤ۔ کہاں بچہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہا تھا۔ دیکھا تو بچہ پرسکون تھا۔ میم صاحبہ نے اُسے دودھ پلایا۔ بچہ نے دودھ پیا اور آرام سے سو گیا۔ ہم سب خوش ہو گئے۔ قبلہ سخی صاحب میم صاحبہ بہت مسرور تھے۔ میم صاحبہ حضور قبلہ عالم کو مشکور نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ صبح ڈاکٹر رولنس صاحب منہم انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔ تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کہ سب لوگ خوش و غرم بیٹھے ہیں۔ اس کے اندازے کے مطابق بچہ کا زندہ رہنا صبح تک ممکن نہ تھا۔ پوچھا رات کیسے گزری۔ سخی صاحب نے کہا کہ بچہ خیریت سے ہے۔ اسے یقین نہ آیا۔ خود بچہ کو زندہ حالت میں دیکھا۔ نبض دیکھی۔ سانس دیکھا۔ تو سکتے میں آ گیا۔ کہ بچہ بالکل صحت مند تھا۔ پوچھا رات میں کوئی واقعہ پیش آیا۔ قبلہ سخی صاحب نے فرمایا۔ ہاں۔ میرے پیر صاحب آپ کے جانے کے بعد ہندواڑہ سے تشریف لائے۔ انہوں نے دعا کی بچہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ ڈاکٹر نے حضور قبلہ عالم سے



ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ حضور قبلہ عالم نے اجازت دی — ڈاکٹر آیا۔ اور عیسائی عقیدہ کے مطابق آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر جھک گیا۔ حضور قبلہ عالم سے حد درجہ عقیدت کے ساتھ ملا — کہنے لگا۔ میں آپ کو بزرگ تسلیم کرتا ہوں۔ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔ ڈاکٹر دولٹس نے میم صاحبہ کو گھر جانے کی اجازت دی — قبلہ سخی صاحب اور میم صاحبہ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

## عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا

حضور قبلہ عالم کو نظام الدین نے گھر آنے کی دعوت دی — حضور نے دعوت قبول فرمائی — اور نظام الدین کے گھر تشریف لے گئے۔ نظام الدین کے بڑے بھائی — عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آپ سے ملے۔ وہ حیران تھے کہ حضور قبلہ عالم کیسے بغیر واقفیت کے ان کے گھر تشریف لائے۔ اس کی تفصیل خود نظام دین نے بیان کی کہ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بزرگ یہاں تشریف لارہے ہیں۔ اور میں انہیں اسی بیٹھک میں بٹھا آہوں۔ آج رات بھی میں نے حضور قبلہ عالم کو دیکھا آپ تشریف لائے۔ مجھے یقین تھا۔ کہ آج آپ ظاہراً تشریف لائیں گے۔ اس لیے میں نے بیٹھک کو ان کے لیے سجا رکھا تھا۔ اور خود گیٹ پر کھڑا آپ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جو نبی حضور سامنے آئے میں نے انہیں پہچان لیا — اور بغیر کسی تعارف کے انہیں خوش آمدید کہا — یہ وہی ہستی تھیں جنہیں میں خواب میں دیکھتا رہا۔ آپ کی تشریف آوری پر واقعات خود بخود سامنے آ گئے — عبدالکریم صاحب نے حضور قبلہ عالم کی عزت افزائی کی — اور سلسلہ ادیبیہ میں داخل ہونے اور بیعت ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ عبدالکریم۔ نظام الدین اور ان کا خاندان حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوا — حضور سے استدعا کی گئی کہ کسی وقت ان کے ہاں تشریف لائیں۔ حضور نے آئندہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور واپس گھر تشریف لے گئے۔

## محترمہ سارہ بیگم کا قبولِ اسلام

بچے کا واقعہ میم صاحبہ کے حضور قبلہ عالم سے عقیدت و شکر کے لیے اہم تھا۔ مگر آپ نے میم صاحبہ کو اسلام قبول کرنے پر اصرار نہ فرمایا۔ سخی صاحب نے میم صاحبہ سے کہا کہ اب تم کو اسلام قبول کرنا چاہیے۔ میم صاحبہ نے کہا۔ سخی۔ میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بچے بھی تمہارے ہیں۔ میں مصلحت کے تابع ابھی قبولِ اسلام کا اظہار کرنے سے مجبور ہوں۔ میم صاحبہ پُر مشنری کی نہیں "اثر ڈالتی" رہیں۔ ایک دن ننوں نے میم صاحبہ کے خیالات کا اندازہ کرنے کے لیے۔ اس سے پوچھا۔ بتاؤ۔ اسلام قبول کرنے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے یہی جواب دیا۔ کہ میں اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں رہ سکتی۔ لہذا میرا بھی وہی دین ہو گا۔ جو میرے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ننیں۔ میم صاحبہ سے مایوس ہو گئیں۔ اور انہوں نے آئندہ ان سے ملنا ترک کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی میم صاحبہ کی بیماری اور بچہ کے معجزانہ طور صحت مند ہونے کا واقعہ دیکھ چکی تھیں۔ میم صاحبہ کی والدہ کو بھی ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے بھی۔ میم صاحبہ کے خیالات کی حمایت کی۔ کہ سارہ میم صاحبہ کا اصل نام) اپنے لیے جو کچھ پسند کرتی ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح میم صاحبہ کو اسلام کے قریب آنے کا بہتر موقع فراہم ہوا۔

میں پلیس میں کام کر رہا تھا۔ کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کا پیغام ملا۔ کہ میں فوراً۔ گاندربل ان کے گھر پہنچوں۔ اپنا نک پیغام ملنے پر میں پریشان ہوا۔ کام چھوڑ کر قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ دیکھا تو آپ بے حد پریشان تھے۔ میں نے خیریت پوچھی۔ فرمانے لگے۔ میم صاحبہ دو دن سے شدید بخار میں مبتلا ہیں۔ چوبیس گھنٹے۔ درد کی شدت سے تڑپ رہی ہیں۔ انہیں شہرے جا کر ڈاکٹر روگنس کو دکھانا ہے۔ لہذا تم یہاں گھر پر رہو۔ اور بچوں کی نگرانی کرو۔ ہم بچوں کو گھر پر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ قبلہ سخی صاحب میم صاحبہ

۱ میں ان دنوں ہمارا جہری سنگھ کے محل میں رنگ سازی کا کام کرتا تھا۔  
۲ ڈاکٹر روگنس ان کا خاندانی ڈاکٹر تھا اس نے میم صاحبہ کو اپنی لڑکی بنایا تھا۔



کو شہر لائے۔ اور ڈاکٹر رولنس کے مشن ہسپتال رواقع گیکار میں داخل کر دیا۔ ڈاکٹر رولنس میم صاحبہ کی تکلیف دیکھ کر خود فکر مند ہوئے۔ اس نے میم صاحبہ کا معائنہ کیا۔ کہا کہ انہیں ہالٹ بنجار ہو گیا ہے۔ یہ مرض شدید صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کے لیے طویل علاج کی ضرورت ہے۔ میم صاحبہ کو کم از کم دو ماہ ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑے گا۔ اس کے علاج میں ذرا سی کوتاہی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس خبر سے سخی صاحبہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اتنے طویل عرصہ بچوں اور گھر کو چھوڑنا۔ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ میم صاحبہ کے علاج کے لیے ہسپتال میں رہائش کی فیس اور قیمتی ادویات فراہم کرنا۔ پریشان کن مسئلہ تھا۔ کہ قبلہ سخی صاحبہ ہسپتال کی فیس ادا کرنے کے متحمل ہو سکے۔ ارادہ کیا۔ کہ ہسپتال کے قریب کرایہ پر مکان لیا جائے۔ قبلہ سخی صاحبہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف گھر ہے۔ گھر آکر بچوں کو دیکھنا مازیت پر حاضری دینا۔ پھر میم صاحبہ کی خود تیمارداری کرنا۔ علاج میں ابھی ہفتہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ اچانک وہ پشتی بان آپہنچا۔ جس نے اپنے مجتوں کا غم اپنے سر لیا۔ ہاں! — وہ! جسے ”ہم یا پیریدی“ کہہ کر پکارتے ہیں — وہ مددگار آپہنچا۔ ہاں وہی پیر — جنہیں سخی صاحبہ نے کہا تھا۔ ”یہ پیر ٹھگ ہوتے ہیں۔“ جس ذات کی ”ٹھگی“ کی قدم قدم پر سخی صاحبہ شہادت ملتی ہے۔ کہ پیر دین و دنیا میں حامی و ناصر ہوتا ہے۔ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ اس میں کسی قسم کے شک و انکار کی گنجائش نہیں۔ وہ حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ جو اپنے چاہنے والوں کے ظاہر و باطن سے آگاہ رہتا ہے۔ ان کی ہر مشکل میں ساتھ دیتا ہے ان کی مدد کرتا ہے۔ اور عاقبت سنوارتا ہے۔ مختار و شفیع ہوتا ہے۔ بِإِذْنِ اللَّهِ یہ قوت اللہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن سے اللہ نے وعدہ کیا۔

وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (پارہ ۱۱۔ سورۃ ۹۔ آیت ۱۱)

جس نے اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنی جان۔ مال۔ اولاد اللہ کے ہاتھ فروخت کر

ڈالے۔ تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اُسے اپنا محبوب بناتا ہے۔ محبوبیت کا مقام کیا ہے۔

بِإِذْنِ اللَّهِ۔ اللہ اپنی صفات سے اپنے بندے کو متصف کر دیتا ہے۔ اُسے اختیار دے دیتا



ہے۔ وہ جسے چاہے اس کے بندوں کو ان کی مصیبت کے وقت نصرت کرے۔ وہ جسے چاہے اس کے بندوں کے لیے عذابِ آخرت سے بھی نجات کا سبب بنے۔ شفاعت کرے۔ وہ محبوبِ خدا۔ وہ محبوبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنے دوست کی مدد کو سر پر آن پہنچا۔ پوچھا سخی۔ تم غمزدہ نہ ہو۔ میں تیری مدد کو آ پہنچا۔ حضور قبلہ عالم سیدھے۔ میم صاحبہ کے پاس پہنچے۔ میم صاحبہ نے حضور کو دیکھا۔ تو جمع جمع کر رونے لگی۔ حضور آپ پہنچ گئے۔ میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں۔ مجھے بچائیے۔ واللہ میں اب آپ کی غلام بنے بغیر ایک سانس بھی نہ لوں گی۔ میرے لیے دعا فرمائیے۔ میم صاحبہ نے دادیلا کیا۔ حضور میرا گھر برباد ہو گیا۔ میرے بچے یتیم حالت میں پہنچے ہیں۔ میرا مرض طویل ہے۔ اللہ مجھے بچائیے۔ حضور قبلہ عالم۔ ان کی اضطرابی کیفیت سے متاثر ہوئے جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ پکارے۔ سخی میم صاحبہ کو گھر لے چلو۔ میم صاحبہ ٹھیک ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں۔ فوراً گھر جانے کا بندوبست کرو۔ سخی تو حق الیقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ شب کی یہاں گنجائش نہ تھی۔ عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر خدا۔ ابھی انتظام کرتا ہوں۔ حضور نے میم صاحبہ سے فرمایا۔ ڈاکٹر آئے تو اس سے ٹھپٹی لے لو۔ کہو کہ میں گھر جاؤں گی۔ یہ ایک غیبی ندا تھی۔ جسے میں کریم صاحبہ کی حالت بدل گئی۔ بستر پر اٹھ بیٹھی۔ جیسے کوئی مرض تھا ہی نہیں۔ ڈاکٹر آیا۔ میم صاحبہ نے کہا۔ ڈاکٹر میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ مجھے اجازت دیں۔ ڈاکٹر متعجب ہوا۔ کہ میم صاحبہ کیا کہہ رہی ہیں۔ سمجھے شاید بحرانی کیفیت طاری ہو گئی۔ کہنے لگا۔ حوصلہ رکھو۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔ جلدی نہ کرو۔ ڈاکٹر نے اپنی عادت کے مطابق دیکھنا شروع کیا۔ نبض دیکھی۔ نبض میں فرق محسوس کیا۔ تھرامیٹر لگایا۔ تو حیران رہ گیا۔ میٹر صحت مند حالت بتا رہا تھا۔ غور سے دیکھا۔ تو بخار کا ذرہ بھرا ذرہ پایا۔ گھبرا گیا واپس آیا۔ سخی سے پوچھا۔ سارہ تو اس وقت بالکل صحت یاب ہے۔ سخی صاحب کے قریب حضور قبلہ عالم تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں پہچانا۔ ڈاکٹر کچھ سوچ نہ سکا۔ سمجھ میں بات آگئی۔ حضور قبلہ عالم کے آگے ٹھک گیا۔ پوچھا جناب کب تشریف لائے ہیں۔ سخی صاحب نے کہا۔ ابھی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا۔ اس کے



بعد زبان سے کچھ نہ بولا۔ دفتر جا کر میم صاحبہ کو ہسپتال سے خارج کر کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اور گھر چلا گیا۔ سخی صاحب شہر آتے لاری میٹر نہ آسکی۔ کشتی ہتیا کی۔ اور اسی دن کشتی میں سوار ہو کر میم صاحبہ کو گھر لے آئے۔ گھر پہنچتے ہی میم صاحبہ صحت مند حالت میں گھر کی صفائی۔ اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میم صاحبہ نے حضور قبلہ عالم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اور

اعلانیہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

کا کلمہ یہ میم قلب پڑھ کر تصدیق بالقلب کا اظہار کیا اور بیعت ہو گئیں۔ آپ جانیں! یہ تو حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ غلام کا ذکر ہے۔ ابھی اور بھی ذکر باقی ہیں۔ جن کا اس صحیفہ میں اپنے اپنے موقع پر ذکر ہوتا ہے گا۔

## سخی صاحب کے والد کی وفات

ولی کے تاسوتی کمالات اس کی ولایت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔ ایک نبی کے معجزات۔ کمالات نبوت۔ رسالت۔ اور من جانب اللہ مامور ہونے کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔ اب ایک ایسا ہی واقعہ بیان ہوتا ہے۔ جو ظاہراً تاسوتی عمل ہے لیکن نتیجہ ملکوتی تصور ہوتا ہے۔ جناب قبلہ سخی صاحب کو حتیٰ الیقین کی حد تک اپنے پیر اکمل پر یقین ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ حادثاتی طور پر ظہور ہوتا رہا۔ حضور قبلہ عالم نے ایسے واقعات کو خود کوئی اہمیت نہ دی۔ نہ آپ نے اپنی کمایت کی دلیل میں ایسے واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ یہ صرف ہمارے چشم دید واقعات ہیں۔ جن کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ہو ہو بہا نقل کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن گھر دیر پور سے خط آیا۔ کہ والد صاحب شدید بیمار ہیں۔ آپ کے والد اگرچہ ظاہراً عیسائی مشنری سے قطع تعلق کر چکے تھے اور اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ اور ان کے خاندان کے تمام افراد دولت ایمان سے سرفراز ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے دل میں اپنے والد کے متعلق خدشہ باقی تھا۔ کہ انہوں نے

پیر صاحب کی بیعت نہیں کی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان پر عیسائیت کا اثر باقی ہے۔ خط ملنے پر انہیں فکر لاحق ہوا۔ کہ واللہ اعلم والد کے ایمان کی کیا کیفیت ہے۔ اسی خیال سے اپنی بیٹی زینت کو بلا کر کہا بیٹی تمہارے دادا کی بیماری کا خط آیا ہے۔ انہیں پیش کرو۔ دیکھو ان کا کیا حال ہے۔ زینت نے مراقبہ کیا۔ کہنے لگی۔ پاپا گھر میں چار پانی پر لیٹے ہیں۔ (ساتھ ہی گھر کا پورا نقشہ بیان کیا) کہتی ہے۔ ان کے پاس نو شاہ۔ چچا بشیر وغیرہ بیٹھے ہیں۔ پاپا (پاپا) داؤد خان صاحب مرحوم کو کہتی ہے (سے کہتے ہیں۔ کلمہ پڑھو۔ مگر وہ کلمہ نہیں پڑھتے۔ قبلہ سخی صاحب نے پوچھا۔ کہ وہاں اور کون موجود ہے۔ زینت نے کہا۔ کہ ایک اجنبی شخص پاپا کے قریب کھڑا ہے۔ اس کی شکل ڈراؤنی نظر آتی ہے۔ وہ پاپا سے کہتا ہے۔ کلمہ نہ پڑھنا یہ سنکر قبلہ سخی صاحب بے حد پریشان ہو گئے۔ زینت سے کہا۔ پیر صاحب کا تصور کرو۔ تصور کے ساتھ ہی پیر صاحب موجود ہوئے۔ پیر صاحب نے اس اجنبی کو دیکھ کر تھپڑ مارا۔ اور وہ چیختا ہوا بھاگ گیا۔ پیر صاحب نے پاپا پر توجہ ڈالی تو پاپا نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ سب لوگ رونے لگے۔ قبلہ سخی صاحب نے زینت کو مراقبہ سے ہٹایا۔ اور اللہ کا شکر کیا۔ کہ ان کے والد ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بعد میں قبلہ سخی صاحب نے گھر تعزیتی خط لکھا اور والد کی وفات کے متعلق واقعات پوچھے۔ تو زینت کے مراقبہ میں مشاہدہ کی گئی کیفیت حرف بحرف درست ثابت ہوئی رسوائے اس کے کہ انہیں شیطان کا والد صاحب پر توجہ ڈالنے کا علم نہ تھا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شیطان۔ عمر ابن الخطابؓ سے بھاگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا۔ کہ تو میرے بندوں میں سے۔ جنہیں میں پسند کروں بہکانہ سکے گا۔ بلاشبہ۔ اللہ کے محبوب بندے۔ علمائے امت میں شامل ہیں۔ علمائے امت ہر باطل شیطان قوت پر غالب ہوتے ہیں۔ انہیں یہ قوت حاصل ہے۔ کہ انسان کو بھی۔ شیطان کے غلبہ سے محفوظ کر سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء کو مخلوق انسانی کی ہدایت اور آخرت کے عذاب سے نجات کا سبب بنا کر بھیجا۔ کہ مخلوق انسانی کی مدد کریں۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ افضل الانبیاء کی حیثیت میں مخلوق انسانی کی نجاتِ آخرت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں علماءِ امت — اویاتے کاملین بھی مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کے لیے مامور ہوئے — سو — مرضی الہی کے تابع۔ ہر انسان کے لیے نجاتِ آخرت میں مددگار ہوں — یہ ایک حقیقی عمل ہے۔ جس میں کسی قسم کا مبالغہ تصور نہیں کیا جاسکتا — قبلہ سخی صاحب کے والد کا واقعہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ولی اکمل۔ صاحب فنا و بقا — محبوبِ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ خصوصیت شامل ہے۔ کہ وہ کسی مرید کے پکارنے پر — اپنی ”باطنی خصوصیات“ کے ساتھ اپنی روحانی قوت سے اس کی نجاتِ اخروی میں اس کی مدد کرے — اس حقیقت کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لیے قرآنی آیات کی روشنی میں — ایک ولی کی خصوصیات و ولایت کو سمجھنا — ضروری ہے — کہ ولی اکمل کی حیثیتِ باطنی میں کیا خصوصیات پنہاں ہوتی ہیں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں —

پیر باشد مثلِ پیرِ من عیاں  
نے چو پیرِ عرضِ کیہ در نہاں  
ایں سخنِ پایاں نہ دارد اے ایمن  
حقہ کو دارد کہ ہست حقِ الیقین  
حاصل ایں آید کہ اے محصلِ کمال  
تابیایِ حکمت از صنعِ جلال  
کہ روی در پیشِ کامل راہنما  
پر کنی کارِ زِ خُسم او چون گدا

ان انعامات کی روشنی میں۔ یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ قبلہ سخی ولایتِ خان صاحب کے نزدیک حضور قبلہ عالم کی ذات ایک محبوب کی تھی۔ جن کے قدموں میں آپ اپنی جان و مال اولادِ قربان کرنے پر ہر لمحہ مستعد رہتے تھے۔ آپ کو اپنے پیر سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔



اور خود قبلہ سخی صاحب کا حضور کے نزدیک کیا مقام تھا۔؟ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ تم سب میرے مرید ہو۔ اور سخی میرا دوست ہے۔ یہ مقام وہی جان سکتا ہے۔ جو دوستی کے آداب سے واقف ہو۔ جو قرآنی آیات کی تفسیر کا حامل ہو۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ۔ کی تفسیر جانتا ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ”صاحب“ (یعنی دوست) کے خطاب سے پکارا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو ”صحابی“ کہہ کر پکارا۔

اصْحَابِيْ كَالنَّجْمِ فَيَايَهُمْ اَقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ

میرے دوست میرا پر تو ہیں۔ جیسے ستارے سورج کا پر تو۔ ان کی اقتدار کرو۔ تو تمہیں حقیقت کا راستہ مل جائے گا۔ تم نجات یافتہ ہو جاؤ گے۔

اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ السَّفِيْنَةِ نُوْحٍ مِّنْ رَّكِبِهَا بِنَاوَدَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ  
میرے اہل۔ مانند کشتی نوح ہیں۔ جس نے ان کی اقتدار کی اس نے نجات و نجاتِ آخرت پائی۔  
مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ۔ جس نے ان سے اختلاف کیا وہ قعرِ ذلت میں غرق ہوا۔  
قرآن نے ایک خاص مقام کی طرف اشارہ کر کے ”صاحب“ کا خصوصی تصور دیا۔

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ”دوست“ سے کہا یہ ڈر کا مقام نہیں۔ دو دوستوں کی معیت میں اللہ خود ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دوست کی تفسیر ہے۔!

ولی اللہ کا دوست۔ اور ولی کا دوست بھی اللہ کا دوست۔ قرآن نے ولی

کی واضح خصوصیت بیان کی۔

اللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۗ

اللہ دوست رکھتا ہے ایمان والوں کو۔ نکالتا ہے۔ اندھیرے سے نور کی طرف۔ نور۔ اس کے اسرارِ باطنی سے ہے۔ اس کے دیدار و معرفت سے ہے۔ ”ولی“ اور ”صاحب“ کے معنوں میں ایک ہی ”دوست“ کا مادہ ہے۔

جناب قبلہ سخی صاحب اپنے پیر اکمل کی محبت میں مقامِ فنا و بقا تے ذاتِ الہی پا چکے



تھے۔ آپ اپنے پیر اکمل کے ”صدیق“۔ دلیل۔ تھے۔ ولی اکمل۔ آپ کی نسبت ہزاروں لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے حضور قبلہ عالم سے نسبت کے بعد قبلہ سخی صاحب نے مبلغ کی حیثیت سے سلسلہ اویسیہ کو بہت وسعت دی۔ شہر (سری نگر) میں کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوتے۔

## میم صاحبہ کا پاکستان جانے سے انکار

### اور سخی صاحب کی وفات

تقسیم ہندو پاکستان کے ابتدائی زمانہ میں غالباً یہ ۱۹۴۸ء اکتوبر کا زمانہ تھا) محمد حنیف کے چھوٹے بھائی محمد شریف قریشی۔ بمعہ اپنے چھوٹے بھائی محمد عبد الحفیظ۔ والدہ۔ ہمیشہ ان اور چند چھوٹی بھٹیوں کے پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو پاکستان سے بے حد انس تھا۔ آپ بھی بمعہ عیال پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ کی دیکھا دیکھی میں بھی آپ کے ہمراہ جانے پر تیار ہو گیا۔ میرے ساتھ عبدالقادر لون بھی تیار ہو گیا۔ قبلہ سخی صاحب نے میم صاحبہ سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا۔ کہ آپ بھی پاکستان جانے کے لیے تیار ہوں۔ مگر میم صاحبہ نے پاکستان جانے سے انکار کر دیا۔ اسی اثنا میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ قبلہ سخی صاحب نے حضور سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ میم صاحبہ پاکستان جانے پر رضا مند نہیں۔ آپ اسے سمجھائیں۔ کہ وہ بھی میرے ساتھ جانے پر آمادہ ہو۔ حضور قبلہ عالم گاندربل تشریف لے گئے اور میم صاحبہ کو قبلہ سخی صاحب کے ساتھ پاکستان جانے کے لیے کہا۔ میم صاحبہ نے کہا۔ میں پاکستان جانے پر تیار ہوں۔ مگر گستاخی معاف۔ پہلے میرے سوالات کا جواب دیں۔ حضور نے سوالات پوچھے تو عرض کی۔

پہلا یہ کہ پاکستان جا کر ہمیں روزی تلاش کرنی ہوگی۔ اگر اس لیے جانا ہے تو جیسے وہاں خدا رزاق ہے۔ ویسے ہی یہاں بھی وہی رزاق ہے۔ پاکستان میں اس کی رزاق میں کوئی

اضافہ نہیں۔ جس کے لیے ہم پاکستان جانے کے لیے مجبور ہوں۔

دوسری بات۔ ہم عقیدت کی خاطر پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں سب سے زیادہ عقیدت کس سے رکھنی واجب ہے؟ ہم نے اپنی زندگی کے مقصد کا تعین کر رکھا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی صحبت میں رہ کر۔ اللہ کی رضا حاصل کریں۔ ہم آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ آپ کشمیر میں رہیں گے۔ اور ہم خدا ڈھونڈنے پاکستان جائیں۔

کایں راہ توے روی بہ ترکستان است

پاکستان جا کر ہم۔ آپ سے دور ہو جائیں گے۔ آپ کو کھو بیٹھیں گے۔ جب ہمارا دعوے آپ سے محبت کا ہے۔ تو بے شک سخی پاکستان جائے۔ میں تو وہاں رہوں گی۔ جہاں میرا پیر ہو گا!۔ حضور قبلہ عالم، مہم صاحبہ کا یہ۔ استدلال سن کر خاموش ہو گئے۔ سخی صاحب سکتے میں آ گئے۔ یہ سکتے ایسا تھا جیسے کسی نے خواب سے جگا دیا ہو۔ اپنے نعل پر نادم ہو گئے۔ کہنے لگے جس بیوی کو میں پیر کی محبت میں حائل سمجھتا تھا۔ وہی میری نامح ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے حق کا راستہ دکھایا۔ وہ مجھ سے سبقت لے گئی۔ میں پاکستان جانے سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد جناب قبلہ سخی صاحب مجسم محبت کا نمونہ بن گئے۔ اور پوری زندگی حضور قبلہ عالم کی رفاقت میں رہے۔ ان کے اہل و عیال نے حق دوستی۔۔۔ حق و فاداری پورا کر دکھایا۔ حضور قبلہ عالم کے اس دورِ کرب و ابتلا میں۔ جب زمانہ کے حالات بدترین صورت اختیار کر گئے۔ آپ نے حق رفاقت ادا کیا۔ جس سے حضور کو کافی ڈھارس ملی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں ماہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ قبلہ سخی صاحب شہر تشریف لائے۔ اور فرداً فرداً ہر دوست سے ملے۔ فرمایا۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ہم آپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتے ہیں۔ تو وعدہ الہی پورا ہوا۔ آپ نے

۱۔ بناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے بھائی بشیر احمد سے جب میں پاکستان آنے کے بعد ملا۔ اس وقت آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے کہا لالہ ر سخی صاحب نے مجھے آخری خط میں حالات اور نصیحتیں لکھیں۔ اور خط میں لکھا تھا۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ اس کے بعد میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا۔



اپنے محسن اور جان سے عزیز محبوب کو اس دارالرحمن میں چھوڑ کر — دارالقرار کا سفر اختیار کیا — اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے —

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حصولِ حقیقت میں ”حُب“ کا ایک اہم مقام ہوتا ہے — قرآن و حدیث سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ کہ ایمان کی تصدیق بغیر حُب کے نہیں — قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرِي (قرآن) اور حدیث سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے —

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ

کے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حُب کو ایمان کی اصل قرار دیا گیا — اور حُب کی تکمیل ”معیت“ سے کامل ہوتی ہے۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللَّهَ مَعَنا جب کہا آپ نے اپنے دوست سے — ڈرو نہیں۔ ہم دو میں تیسرا — اللہ ہمارے ساتھ رہے گا — ہے۔ دو دوستوں کی حُب میں ”معیت“ کا تصور خود قرآن نے پیش کیا — وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ اور آپ کے ساتھ دینے والوں میں سے ایک خاص الخاص جماعتِ زائدِ عبادت میں آپ سے اشتراک کرتی ہے۔ دونوں صورتوں میں معیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہ حُب کی صورت میں رسول کی زندگی میں اس کے خیر و شر میں اس کا ساتھ دینا — یہی عمل ایک قائم مقام — نائبِ رسول — عالمِ امت کے حصولِ معرفت میں لازم آتا ہے۔ کہ ولی کی حُب کی تصدیق اس کی رفاقت و معیت سے پیش کی جاتے۔ یہ عمل کا احسن تصور ہے۔ اسی معیت پر حصولِ معرفت کا مدار ہوتا ہے — درحقیقت یہی عمل — یہی تصور حصولِ حقیقت حصولِ معرفت کی حقیقی رُوح ہوتی ہے — ہاں! حُب اور معیت میں — مقصودِ نظر راہِ ہر کامل ہوتا ہے۔

## پنڈت شری دھر (ڈی۔ ایف۔ او) کی

### دُرود خوانوں میں شمولیت

حضور قبلہ عالم، قبلہ سخی صاحب مرحوم کے گھر تشریف لاتے۔ قبلہ سخی صاحب کی شخصیت سے جنگلات کے ہندو افسر بھی متاثر تھے۔ تو ہندو افسر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کرتے۔ ایک ہندو افسر محکمہ جنگلات کے کنزرویٹر۔ پنڈت شری دھر کو علم ہوا۔ کہ حضور تشریف لاتے ہیں۔ پنڈت صاحب نے قبلہ سخی صاحب سے حضور کی خدمت میں پیش ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ اسے حضور کی خدمت میں لے آئے۔ وہ شخص بھی حضور کے کلام سے متاثر ہوا۔ عرض کی پیر صاحب میرے لیے دُعا فرمائیں۔ محکمہ کے بالا افسر مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ میرے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کسی وقت وہ میرے خلاف سازش کر کے نقصان نہ پہنچائیں۔ مجھے کوئی وظیفہ بھی دیں۔ جو پڑھا کروں جس سے میں محفوظ رہ سکوں۔ حضور قبلہ عالم نے اسے ایک دُرود شریف پڑھنے کو دیا۔

ہَا۔ هُو۔ هِی۔ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

فرمایا۔ یہ وظیفہ ہر وقت پڑھا کریں۔ پنڈت صاحب نے وظیفہ یاد کیا۔ اور پڑھنا شروع کیا۔ اب تو پنڈت صاحب بھی عام مریدوں کی طرح قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عقیدت کا اظہار کرتے۔ حالانکہ قبلہ سخی صاحب اس وقت پنڈت صاحب کے ماتحت بحیثیت ریجر تھے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا۔ کہ فی الواقع مخالفین نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنا لیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا۔ مخالفین نے ٹھوس ثبوت فراہم کیے۔ لہذا

لے۔ ہا۔ هُو۔ هِی۔ کلمہ شریف کا مخفف ہے۔ لَا اِلٰهَ سِوَاہِ۔ اِلَّا اللّٰہُ سِوَاہِ۔

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ سِوَاہِ۔ باقی ساتھ دُرود شریف۔



پنڈت صاحب کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اور انہیں ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ پنڈت صاحب پریشان حال قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا کہ آخر مخالفین میرے خلاف سازش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں ہمیشہ وظیفہ پڑھتا رہا۔ پیر صاحب نے بھی دُعا کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ قبلہ سخی صاحب نے انہیں تسلی دی کہ فکر نہ کریں یہ وقتی ابتلا ہے۔ آپ بری ہو جائیں گے۔ آپ اپیل کریں۔ پنڈت صاحب نے اپیل دائر کی۔ لیکن اپیل کا فیصلہ بھی پنڈت صاحب کے خلاف ہوا۔ پنڈت صاحب مایوس ہو کر قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ بھی متفکر ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ قبلہ سخی صاحب نے پنڈت صاحب کو حضور کے پیش کر دیا اور سارا واقعہ سنایا۔ حضور نے فرمایا۔ پنڈت صاحب۔ اب کوئی اور جگہ ہے۔ جہاں آپ اپیل کریں۔ پنڈت صاحب نے عرض کی کہ اب اور کوئی جگہ نہیں یہ فیصلہ آخری تھا۔ حضور نے فرمایا آپ براہ راست ہمارا راجہ کو درخواست دیں۔ فیصلہ آپ کے حق میں ہوگا۔ پنڈت صاحب نے بادلِ نخواستہ ہمارا راجہ کو درخواست دی۔ قبلہ سخی صاحب پنڈت صاحب کی مایوسی سے متاثر تھے۔ اور باطنی طور پر خود بھی اس امر میں کوشاں تھے۔ کہ پنڈت صاحب کو بری ہونا چاہیے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ پنڈت صاحب کا وظیفہ پڑھنا بے سود ثابت نہ ہوگا۔ ایک دن حضور قبلہ عالم کے مرید راجہ علی اکبر صاحب جو محکمہ جنگلات میں فارم سٹریکھے۔ قبلہ سخی صاحب سے ملاقات کے لیے آئے۔ دورانِ گفتگو پنڈت شری دھر کی برطرفی کا ذکر آیا۔ قبلہ سخی صاحب نے راجہ علی اکبر سے اس بارے میں مراقبہ میں حالات مشاہدہ کرنے کو کہا۔ راجہ صاحب نے مراقبہ کیا۔ اجلاس میں پیش ہوئے تو اجلاس میں اس معاملہ کے متعلق فیصلہ سنایا گیا۔ کہ پنڈت صاحب درود پڑھتے ہیں۔ اس لیے انہیں بحال کیا جاتا ہے۔ یہ خبر راجہ صاحب نے قبلہ سخی صاحب کو سنائی۔ انہیں اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ جب پنڈت صاحب کی اپیل ہمارا راجہ کے پاس پہنچی۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ محکمہ نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنایا ہے۔ اور انہیں برطرف کیا گیا ہے۔ درخواست پڑھ کر ہمارا راجہ بہت غصہ ہوئے۔ کہ ایسے شریف دیانتدار افسر پر الزام بے بنیاد

ہے۔ یہ محض سازش ہے۔ انہوں نے غصہ میں آکر مثل پھاڑ دی — اور پنڈت صاحب کو باعزت طور بحال کر دیا۔ اور محکمہ کو تنبیہ کی کہ آئندہ پنڈت صاحب کے خلاف کوئی ایسا مقدمہ بنایا گیا۔ تو ہم محکمہ کے افسران کو برطرف کر دیں گے۔ بظاہر پنڈت صاحب ہندو تھے۔ مگر اس واقعہ سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کی عقیدت میں اور اضافہ ہوا — یہ بات واضح ہے۔ کہ ایک شخص نہ دین اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ طریقت سے اسے لگاؤ ہے۔ محض عقیدہ تادرو و شریف پڑھنا — اور حضور قبلہ عالم کی صحبت سے فیض پانا بیکار ثابت نہ ہوا — یہ تو قرآنی فیصلہ ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝

جو ایک مثقال بھر عمل نیک کرے۔ اسے وہ نتیجہ مل جائے گا۔ یہ ایک الہی اصول ہے — ایک ہندو پیر اکمل کے فیض و نصرت سے محروم نہ رہا — اسے بھی بارگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض عطا ہوا۔ یہ مقام رحمۃ للعالمین ہے۔ اور پیر اکمل کی محبوبیت کا مقام۔ ان کی سفارش غیر مسلم کے حق میں بھی قبول ہوتی ہے۔ ہاں! حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔

یعنی آں تا وقتیکہ جوشد از کرم  
میشوند این جملہ در دے منعم  
آں کے از سیرگیرد این مقام  
غالب فہم رحمت حق بر عوام  
پس بدانند او کہ از رحمت رحیم  
کس نمی سوزد ز عصیاں در جہیم

ایک دل مقام معرفت میں ذاتِ الہی کی صفات کا جب مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس پر یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اگر اللہ کا ”بندہ“ — اس میں مسلم۔ غیر مسلم کی تخصیص



نہیں۔ صرف ”بندہ“ اپنے معبود کو تسلیم کرتے ہوئے کسی بھی حالت میں۔ اس سے عفو طلب کرے۔ تو اللہ اسے عفو کر دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا کسی حالت میں بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور جب ایک پیر اکمل کی محبوبیت اس عمل میں شامل ہو۔ تو جانو! درود شریف پڑھنا۔ اور اس کا فیصلہ اللہ کے نزدیک ”محفوظ“ ہے کہ آخرت میں۔ نامہ اعمال میں لکھا ہوگا۔ یہ عمل۔ بندے کی مغفرت کا یقیناً سبب بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ایک بندہ تمام عمر عبادت کرتا ہو۔ آخر وقت اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو۔ تو اس کی تمام عمر کی عبادت ضائع ہو سکتی ہے۔ اور ایک بندہ تمام عمر گناہ کرتا ہو۔ آخر وقت اس سے کوئی ایسی نیکی سرزد ہو۔ تو اس کے عمر بھر کے گناہ محو ہو سکتے ہیں۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ انسان کے ظاہری عمل پر۔ جنت دوزخ کا مدار نہیں۔ نہ معلوم اس میں کوئی ایسی نیکی پائی جاتی ہو۔ جس سے صرف اللہ باخبر ہو۔ اس نیکی کے بدلے میں وہ بخش دیا جاتا ہے۔ انسان۔ انسان کے باطن سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ شاید باطن میں اس کے عمل میں کوئی نیکی پائی جاتے۔ جو اس کی بخشش کا سبب بن جائے۔ اور پھر ایک شخص کو ایک دل اکمل کی صحبت میں ایک حرف بھی میسر آئے۔ جو اس کے قلب کو متاثر کرے۔ بہتر نتیجہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

## ڈاکٹر ایں۔ کے۔ اتری کا قبلہ پیر صاحبے مجادلہ

ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے عینک خریدنی تھی۔ حضور قبلہ عالم۔ خواجہ صاحب اور چند مرید۔ بازار میں ڈاکٹر اتری کی دکان سے عینک لینے کے لیے گئے۔ ڈاکٹر اتری کٹر مہاسنائی ہندو تھا۔ اپنے علم میں ماہر تھا۔ حضور قبلہ عالم نے ڈاکٹر اتری سے کہا۔ ڈاکٹر صاحب خواجہ صاحب کے لیے ایک عینک دیں۔ ان کی بصارت کمزور ہے۔ یہ بات ڈاکٹر اتری کو بُری لگی کہنے لگا۔ آپ کیا جانیں۔ آنکھ میں کیا تکلیف ہے۔ ایسے ہی کہہ دیا۔ ”بصارت کمزور ہے“۔

بصارت کا لفظ عربی تھا۔ تو اسے عربی لفظ سے چڑھتی تھی۔ کہا۔ تم نہیں جانتے کہ کس طرح دیکھا جاتا ہے۔ یہ بصارت و صارت غلط بات ہے۔ ہم اس کا معائنہ کریں گے۔ پھر عینک دیں گے۔ حضور کے مریدوں کو ڈاکٹر کی یگستاخی ناگوار گزری۔ ڈاکٹر سے الجھنے والے ہی تھے کہ حضور نے آنکھ کے اشارے سے منع فرمایا۔ پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب بصارت کچھ نہیں۔ تو پھر انسان کیسے دیکھتا ہے؟ — ڈاکٹر نے کہا انسان دماغ سے دیکھتا ہے۔ حضور نے فرمایا تھیک ہے۔ پھر دماغ کی عینک بنا دیں۔ ڈاکٹر کو یہ بات بھی بُری لگی۔ درشت لہجہ میں بولا۔ عینک لینی ہے۔ یا بحث کرنی ہے جب تم جانتے نہیں۔ پھر بولتے کیوں ہو! یہ حرکت بھی آپ کے مریدوں کے لیے باعث رنج تھی۔ مگر حضور کے منع کرنے پر سب خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواجہ صاحب کا ٹسٹ کیا — اور نمبر بتایا — کہا کل عینک بنا کر دوں گا۔ کل آنا — حضور قبلہ عالم کو مذاق کی سوچھی۔ پوچھا دماغ کی عینک دیں گے یا آنکھ کی۔ ہم تو سب کو آنکھ پر ہی عینک لگائے دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سمجھا رہا تھا۔ اس سوال پر کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ دراصل دیکھنے کا نظام دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ ہے۔ تم اسے سمجھ نہیں سکتے — حضور نے فرمایا۔ اگر آنکھ سے نہ دیکھا جائے۔ تو کیا دماغ بغیر آنکھ کے دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ایسا نہیں۔ آنکھ سے ہی عکس حاصل ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ دماغ آنکھ کا محتاج ہے۔ اس لیے آنکھ کا دیکھنا اصلی ہے۔ البتہ جس بات پر آپ جھگڑ رہے ہیں وہ غلط فہمی کے باعث ہے۔ جس عمل سے آنکھ دماغ کو عکس فراہم کرتی ہے۔ ہم اسی عمل کو بصارت کہتے ہیں۔ آپ آنکھ کی بصارت کے لیے عینک دیں گے۔ ڈاکٹر کو خیال آیا — مریدوں سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ مریدوں نے کہا یہ پیر صاحب ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر کو اپنے رویے کا احساس ہوا۔ کہنے لگا۔ خیر جو کچھ بھی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ پیر صاحب ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں آپ سے الجھا۔ خیر کل تشریف لائیں۔ عینک تیار ہوگی۔ حضور اُٹھے تو ڈاکٹر صاحب بھی کرسی سے اُٹھ کر باہر تک ساتھ آیا — اور سلام کیا — یہ ایک رسمی واقعہ تھا۔ مگر خالی از مصلحت نہیں۔



## نور الدین کی کہانی خود ان کی زبانی

غالباً یہ ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی بیعت کے بعد سری نگر کے شہر کے بہت سے لوگ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہو کر سلسلہ ادیبہ میں داخل ہوئے۔ ان میں محمد حنیف قریشی بھی حضور سے بیعت ہوئے۔ آپ بھی محکمہ جنگلات میں ریجنر تھے۔ قبلہ سخی صاحب سے پہلے ہی راہ و رسم تھی۔ اس کے توسل سے بیعت ہو گئے۔ ان دنوں آپ گاندربل سے سات میل دور وائل گاؤں میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ محمد حنیف صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ ایک دن گھر آئے۔ تو میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ باتوں میں حضور قبلہ عالم کا ذکر ہوا۔ کہنے لگے۔ گاندربل میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہیں وہ سخی ولایت خان صاحب کے پیر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ وہ مجذب فقیر ہیں۔ یا باتیں بھی کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ نہیں وہ عالم ہیں۔ ہوش مند ہیں۔ اس سے قبل میں بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تڑپ رکھتا تھا۔ اسی تڑپ میں۔ میں اکثر خوابوں میں۔ سمذری جہاز پر حج کے لیے جاتا۔ کبھی مدینہ شریف کے کسی مدرسہ میں داخل ہوتے دیکھتا۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی پر غوطہ کرتے دیکھتا۔ ایسے موقع پر مجھ پر دیوانگی طاری رہتی۔ اور میں فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زار و زار روتا رہتا۔ جب بلوغت کی حد کو پہنچا اسی زمانہ میں میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد میں پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ میں فقراء کی تلاش میں گھومتا رہا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں مجذب فقراء کا دور تھا۔ شہروں۔ دیہاتوں۔ پہاڑوں میں فقراء عزت نشین تھے۔ میں ہر فقیر کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ بظاہر فقراء مجھ سے ہمدردی کرتے مگر ان سے فیض حاصل نہ ہوتا۔ تقریباً دس سال اسی بادہ پیمانی میں گزرے۔ مجذب فقراء سے مجھے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آخر اچانک محمد حنیف صاحب نے یہ نوید سنائی۔ میرے دل میں حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ میں نے محمد حنیف صاحب سے کہا کہ مجھے بھی ان مولوی صاحب سے ملا دو۔ کہنے لگے کل ہم واپس ڈیوٹی پر جا رہے ہیں۔ تم وائل

گھاؤں میرے پاس آؤ میں ان سے ملا دوں گا۔ رات میں نے بے چینی سے گزاری۔ دوسرے دن میں صبح ہی — وائل کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمد حنیف صاحب سے ملا۔ تو انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب کل ہی واپس گھر تشریف لے گئے۔ میرے لیے یہ ایسی اطلاع تھی کہ جیسے میرا جسم شل ہو گیا۔ دل پر شدید غم طاری ہو گیا — میں نے محمد حنیف صاحب سے پوچھا کہ مولوی صاحب کہاں رہتے ہیں؟ کہنے لگے وہ لولاب میں رہتے ہیں۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ میں اسی حال میں ان کے گھر جاؤں گا۔ میرا ارادہ جنگل کی راہ سے جانے کا تھا۔

محمد حنیف صاحب کہنے لگے جلدی مت کرو۔ یہ راستہ کٹھن ہے انتظار کرو۔ وہ پھر کبھی آئیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ مگر مجھ پر اضطراب طاری تھا۔ میں نے کہا۔ میں ہر صورت ان کی خدمت میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں ان کی خدمت میں نہ پہنچوں گا۔ مجھے چین نہیں ہو گا۔ انہوں نے بمشکل مجھے جانے سے روکا۔ کہنے لگے۔ کل تم سوپور کے راستہ سے جاؤ۔ میں ان کے گھر کا صحیح پتہ کر لوں گا۔ رات میرے پاس رہو۔ اس امید پر کہ کل مجھے پتہ دیں گے۔ میں رات محمد حنیف صاحب کے ہاں ٹھہر گیا۔ صبح محمد حنیف صاحب کہنے لگے کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ میں نے راجہ سخی ولایت خان کے گھر جا کر اپنا ایک پارسل لانا ہے۔ وہاں سے واپسی تک میرا انتظار کرو۔ میں ان سے پیر صاحب کے صحیح ٹھکانے کا پتہ لے کر آؤں گا۔ محمد حنیف صاحب گاندربل گئے۔ دوپہر کے قریب واپس آئے تو کہنے لگے۔ لو تمہارا کام یہیں پر ہو گیا — میں نے سخی صاحب سے تمہارا ذکر کیا انہوں نے کہا۔ اسے میرے پاس بھیج دو — تم اب سخی صاحب کے پاس جاؤ۔ وہ تمہاری راہنمائی کریں گے۔ میں جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا — مقصد پوچھا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ دیں — انہوں نے کہا کہ اگر ان سے بیعت کرنا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ مولوی صاحب نے مجھے درود شریف دینے کی اجازت دی ہے۔ بہتر ہے کہ تم درود شریف مجھ سے لے لو۔ پھر جب وہ تشریف لائیں۔ تو بیعت کر لینا۔ جناب قبلہ سخی صاحب کی نصیحت سے مجھے گونہ تسلی ہو گئی۔ انہوں نے دو طرح کا درود شریف بتایا — ایک درود خضریٰ — پانچ ہزار — اور دوسرا



دُرودِ حضورِ گیارہ سو — میں نے پانچ ہزار دُرودِ شریف پڑھنے کی اجازت لی۔ آپ نے  
دُرودِ شریف ”خفزی“

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِيْبِهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَسَلَّم

پڑھنے کی اجازت دی۔ دُرودِ شریف لے کر میں بے حد مسرور ہوا۔ گویا مجھے کائنات کے خزانے  
مل گئے۔ بلاشبہ آج مجھے میری خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ میری تمنائوں — آرزوؤں کے بار آور  
ہونے کی اُمید مل گئی — قبلہ سخی صاحب سے رخصت ہو کر میں شاداں و فرحاں گھر کی طرف  
روانہ ہو گیا۔ گھر گاندربل سے تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ ارادہ کیا۔ کہ یہ راستہ پیدل طے کروں  
گا۔ راستہ میں دُرودِ شریف یاد کرتا جاؤں گا۔ اور آج رات سے ہی پڑھنا شروع کروں  
گا۔ اس خیال سے میں گھر کی طرف پیدل روانہ ہوا — اور چلتے چلتے دُرودِ شریف یاد کرتا  
گیا — تقریباً دو میل طے کیے ہوں گے۔ دُرودِ شریف زبانی یاد ہو گیا — لیکن چلتے چلتے  
تھکان محسوس ہونے لگی۔ دل میں خیال آیا — چلو آج پہلی آزمائش کرتے ہیں۔ عصر کا وقت  
قریب تھا۔ خیال کیا کہ کوئی تانگہ ملے۔ جو مجھے گھر تک لے جائے۔ تھوڑی دُور چلا تھا۔ کہ  
سامنے سے ایک تانگہ آتا دکھائی دیا۔ گاندربل سے شہر تک تانگہ ہی چلتا تھا۔ جو سواریاں شہر  
چھوڑ کر شام واپس گاندربل آ جاتا۔ تانگہ شہر سواریاں چھوڑ کر واپس گاندربل جا رہا تھا۔  
میرے قریب پہنچ کر تانگہ رُک گیا۔ تانگہ بان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا شہر  
جا رہا ہوں۔ اس نے غیر بات کہے واپس شہر کے رُخ تانگہ موڑ لیا۔ مجھے کہنے لگا۔ بیٹھو میں شہر  
چھوڑ آتا ہوں۔ میں تانگہ پر بغیر کرایہ طے کیے سوار ہو گیا۔ اور اس نے مجھے شہر پہنچا دیا —  
میں نے کرایہ دینا چاہا۔ مگر اس نے کرایہ لینے سے انکار کیا۔ کہنے لگا میں تو اپنی خوشی سے آیا  
ہوں۔ میرا یہاں آنے کا وقت نہیں تھا۔ بس رخصت چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس گاندربل  
کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے میرے یقین کو قدرتی طور تعویت ملی — اور میں پُر اُمید  
ہو گیا — گھر پہنچا تو رات ہی دُرودِ شریف پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی وقت ایک دوست  
نے سینما جانے کی دعوت دی۔ میں نے سوچا۔ چلو سینما چلتے ہیں — واپس آ کر ایک گھنٹہ میں  
پانچ ہزار پورا کر لوں گا — سینما سے واپس آئے تو تقریباً گیارہ بج چکے تھے۔ جلدی سے

وضو کیا۔ عشاء پڑھی اور مراقبہ شروع کیا۔ ایک سو درود شریف پڑھنے میں کافی وقت لگا۔ دو تین سو درود پڑھا تو نیسند نے غلبہ شروع کیا۔ دیکھا تو ایک ہزار درود شریف ایک گھنٹہ میں پورا ہوا۔ اُدھر نیند بھی غالب ہونے لگی۔ کبھی سر پر پانی ڈالتا ہوں۔ کبھی چائے کی پتی چباتا ہوں۔ اسی جدوجہد میں درود شریف پانچ ہزار پورا کیا۔ اور ساتھ ہی صبح کی اذان ہو گئی۔ جسم میں شدید تھکان محسوس ہوئی۔ دل میں گھبراہٹ کہ درود شریف پورا کرنا کافی وقت لیتا ہے۔ صبح ہوتے ہی ہمارا جہ کے محل سے کام پر آنے کے لیے آدمی آیا۔ کہ کام پر چلو۔ میں نے کام پر جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جانا بھی مجبوری تھا۔ اب صورت یہ ہوئی کہ کام سے واپس آکر کھانا کھایا۔ اور عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی اور ساتھ ہی درود شریف شروع کیا۔ دو بجے رات تک مسجد میں مشغول رہا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب نے ہدایت فرمائی تھی۔ کہ چالیس روز تک مسلسل پڑھتے رہو۔ چالیس دن پوری محنت سے درود شریف پڑھا۔ لیکن ذرہ بھر مشاہدہ نہ ہوا۔ سخی صاحب سے عرض کی کہ میں چالیس روز پورے کر چکا ہوں۔ اب کوئی مزید وظیفہ بتائیں۔ باوجود دس سال فقرار کی صحبت کرنے کے میں اصولِ طریقت سے بے خبر تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ چالیس دن کی شرط غارضی تھی۔ یہی درود شریف مستقلاً جاری رکھو۔ میں حسب الحکم تعمیل میں مشغول رہا۔ آخر وہ ساعت آئی۔ جس کے لیے میں مدتوں جنگلوں۔ ویرانوں کی خاک چھانتا رہا۔ اس رحیم و کریم نے مجھ پر احسان کیا۔ مجھے وہ خضر راہ میسر کر دیا۔ جس کے بعد کسی خطر کی ضرورت باقی نہ رہی۔ وہ محبوب عطا ہوا۔ جس کے بعد کسی محبوب کا تصور قلب و ذہن نے قبول نہ کیا۔ وہ وسیع غزانوں کا شہنشاہ ملا۔ کہ اگر ابراہیم ادھمؒ کو نصیب ہوتا۔ تو شہنشاہی چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھاننے کی اسے نوبت نہ آتی۔ فداہ امی وابی۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں مسجد میں مراقبہ میں مشغول تھا۔ کہ مسجد میں جناب قبلہ سخی صاحب تلاش کرتے پہنچے۔ مجھے حضور کی تشریف آوری کی نوید سنائی۔ گویا سکندر کو آبِ حیاں کا پتہ مل گیا۔ آپ ہوٹل میں۔ تشریف فرما تھے۔ ایک سادہ سی غیر معروف ہستی۔ دیدار ہوا۔ السلام علیکم عرض کی۔ آپ نے شفقت سے مصافحہ کیا۔ قریب بٹھایا۔ حضور میری طرف دیکھتے رہے۔ میں خاموش



مرحبا کائے بیٹھا رہا۔ آپ کے چہرہ مبارک پر نظر جانے کی جرأت نہ ہوئی:

وہ رعبِ حُسن تھا غالب بوقتِ دیدِ جمال

ہم اپنا حال اشاروں میں بھی سنا نہ سکے

قبلہ سخی صاحب نے سفارش فرمائی۔ نور الدین کافی دنوں سے آپ کی ملاقات

کا خواہشمند ہے۔ درود شریف پڑھتا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ حضور

قبلہ عالم نے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ مراقبہ۔ درود شریف جاری رکھو۔ میرا تصور قائم رکھو۔ اس

حقیر ذرہ کو آغوش میں لیا۔ بیعت فرمائی۔ تھوڑی دیر ہوٹل میں قیام کے بعد قبلہ سخی

صاحب کے ساتھ گاندربل تشریف لے گئے۔ طبیعت میں بے حد سرور و مستی پیدا ہوئی۔

میں خود کو بھول گیا۔ میں اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ میں کیا

ہوں؟ کہاں ہوں؟۔ یہ ایک ایسی ساعت تھی۔ جو میری لطیف ترین ساعتوں میں ایک

ساعت تھی۔ جس کی لذت میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں بہت خوش تھا۔ خوش نصیب

تھا۔ مجھے ایک ایسا محبوب ملا۔ جو میری رُوح کے ذرہ ذرہ میں چھا گیا۔ بس جی یہی

چاہیے۔ کہ میں تصورِ محبوب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھوجاؤں۔ اسی محبوب کے تصور

میں۔ دن رات مراقبہ کرتا رہا۔ ہاں! میں نے۔ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خواہش کی تھی۔ فنا فی اللہ کی خواہش کی تھی۔ لیکن ایک سال کا عرصہ گزرا۔ مجھے اس

قسم کا مشاہدہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ہوا۔ میں آدابِ محبت سے بے خبر تھا۔ کہ محبت

کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ میں سمجھ نہ سکا محبت کیسے کی جاتی ہے۔ ہاں! جب کسی ذات

کو محبوب بنایا جائے۔ تو محبت خود سکھا دیتی ہے۔ کہ محبوب کے تصور کے سوا۔ کسی دوسری

شے کی طلب کو قلب و ذہن سے دور رکھا جائے۔ میں کیفیاتِ نوری کی جستجو کرتا رہا۔ میں زیارتِ

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذہن میں رکھتا رہا۔ مگر وہ نہ ہو سکی۔ میں غلطی پر تھا۔ میری سوچ

نے مجھے اصل راہ سے ہٹا دیا۔ بھلا تصورِ شیخ کے سوا۔ معرفت کی راہ مل سکتی ہے!۔ اس

نے تو کہا تھا: ”میرا تصور قائم رکھو“۔ یہی تو اصل راہ ہے! جس سے معرفت کی راہ ملتی ہے! میں نے بغیر تصور پیر کے اللہ کو پانے کی کوشش کی۔ مگر یہ جستجو لا حاصل —

میں رات دن مراقبہ و درود شریف میں مشغول رہا — راتوں کو اسی جدوجہد میں رہا مگر مشاہدہ نہ ہو سکا — میں حضور قبلہ سخی صاحب سے بار بار گلہ کرتا رہا کہ جناب! زینت بہن مشاہدہ کرتی ہے۔ راجہ علی اکبر صاحب ان کے بچے۔ بیوی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اجلاس دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ رات جاگتے ہیں۔ نہ محنت کرتے ہیں۔ میں باوجود راتوں جاگنے کے ذرہ بھر نور نہیں دیکھ پاتا — جناب سخی صاحب مجھے دلاسہ دیتے — اور صبر کی تلقین فرماتے — ابتدائی زمانہ تھا — ایسا ملکوتی علم ہم نے پہلے نہیں سنا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔ ہمارے لیے یہی کافی ہوتا۔ کہ ایک فقیر بجائے خود صاحب کشف ہو — اور ہم اس سے اپنی حاجات دینوی پوری کرنے کی استدعا کریں۔ کسی مرید کے صاحب کشف ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا — لیکن رفتہ رفتہ قبلہ سخی صاحب کی صحبت اور سلسلہ کے مریدوں کے حالات سامنے آتے رہے۔ تو اس سلسلہ کی حقیقت واضح ہوتی گئی — قبلہ سخی صاحب نے فرمایا کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہو کر۔ خلوت میں بیٹھنے کی استدعا کرو۔ خلوت میں زیارت ہو جائے گی — حضور قبلہ عالم تشریف لاتے — تو آپ کے سامنے تو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی — نہ ادب ہی اجازت دیتا کہ ہم آپ سے اپنی طرف سے کوئی فرمائش کریں — شاید۔ یہ اس قلبی حب کا تاثر تھا۔ جو آپ کے لیے ہمارے وجود میں پیدا ہو رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ آپ کی تشریف آوری پر ہم خوشی سے پھولے نہ سمائیں — آپ کی صحبت میں رہ کر صرف ہم آپ کا دیدار کرتے رہیں — حضور کی تشریف آوری پر۔ چند مختصر ساعتوں کی صحبت میں۔ اچانک آپ کا تشریف لے جانا — ہمارے لیے آنے والے فراق کا احساس قلب پر ایک عجیب درد کی لذت پیدا کرتا — تو ہم بے چین ہو جاتے۔ کہ پیر صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم آپ کی قلیل صحبت غنیمت جان کر — اپنے تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو کر تمام وقت آپ کی صحبت میں گزارتے — لیکن یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ اس کے ساتھ ہی رفتہ رفتہ یہ کیفیت پیدا ہونے لگی — کہ جب حضور شہر تشریف لائیں تو ہمیں بے حد خوشی ہو۔ مگر یہ خوشی



اب بار ہونے لگی۔ کہ کچھ دیر صُحبت میں رہ کر طبیعت مکتدر ہو جائے۔ استخوان مضحمل ہونا شروع ہوں۔ جی چاہے۔ کہ اس صُحبت کو چھوڑ کر باہر گھومنا شروع کریں۔ زیادہ دیر صُحبت میں رہنا بار محسوس ہو۔ دل یہی چاہے۔ کہ اب حضور جلد واپس تشریف لے جائیں۔ اور جب آپ تشریف لے جائیں۔ تو پھر وہی فراق کی کسک محسوس ہونے لگے۔ اور پھر حضور کے تشریف لے جانے کے بعد دیر تک ہمارے قلب پرستی کے آثار رہیں مگر اب طبیعت میں بے چینی اور اضمحلال پیدا ہو۔ ایک دن جب حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے اپنی یہ کیفیت بیان کی۔ فرمانے لگے۔ نور الدین علم سیکھو۔ یہ طریقت سے بے خبری کے سبب ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ تم ہم سے محبت رکھتے ہو۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ابھی تمہارا مجاہدہ کامل نہیں۔ یہ امر ”نفسِ امارہ“ کی شرارت سے تعبیر ہے۔ نفسِ امارہ کی غذا دُنیا کی لذت ہوتی ہے۔ تمہارا مجاہدہ۔ اور پیر کی صُحبت نفسِ امارہ کے لیے بھم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ نوری توجہ سے اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ تو یہ نوری زد سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمہاری بے چینی اور اضمحلال نفسِ امارہ کی بے چینی ہے۔ عبادت و مراقبہ اور صُحبتِ پیر میں۔ رحمتِ نور کا نزول ہوتا ہے۔ جس سے نفسِ امارہ مُردہ ہو جاتا ہے۔ یہی مُردنی کی کیفیت تمہیں بے چینی کی شکل میں محسوس ہوتی ہے۔ نفسِ امارہ کی قوت ہی۔ مشاہدہ میں حائل رہتی ہے۔ تمہارا میری طرف متوجہ رہنا۔ میری صُحبت کا خواہاں رہنا۔ رُوح کی طلب ہے۔ اسی اثر کے تابع تم میری قربت کے خواہاں رہتے ہو۔ ہماری قربت میں ہماری نوری توجہ تم پر پڑتی ہے۔ اس توجہ سے نفسِ امارہ پر ضرب پڑتی ہے۔ تو یہ تملاتا ہے۔ توجہ سے بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں میری صُحبت کی زد سے نکال کر۔ بازاروں میں لے جانا چاہتا ہے۔ حقیقتاً صُحبتِ پیر طریقت کی اصل ہے۔ تصورِ پیر سے یہ عمل کامل ہو جاتا ہے۔ تصورِ پیر صُحبتِ پیر سے تعبیر ہے۔ اس سے رُوح قوی اور نفسِ امارہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اسی عمل سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی عمل سے ایک طالب کو معرفت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہو۔ یہ کیفیت بڑی نہیں بلکہ رُوح و جسم کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ یہ اچھی علامت ہے۔ لیکن مجاہدہ کی کمی۔ نور الدین علم سیکھو۔ تصور و مراقبہ سے اپنے نفسِ امارہ کو مغلوب کرو۔ کہ اس طرح یہ نور

کی زد میں رہ کر پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا فرار اور شرارتِ نفس ختم ہو جاتا ہے۔ گو مجھ میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی۔ مگر اس نصیحت کے بعد مشاہدہ کی تڑپ کم ہوتی گئی۔ جوں جوں ہمیں حضور قبلہ عالم کے صحبت و مواعظِ حسنہ سُننے کا موقع ملا۔ ہم آدابِ طریقت سے باخبر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ ہم اصولِ طریقت میں سنجیدہ ہوتے گئے۔ اس دورانِ حضور قبلہ عالم کے دُور روشن باب ہم پر کھلے۔ جس نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا کر ہر خواہشِ نفس سے بے نیاز کر دیا۔ ہمیں اصل طریقت کا علم ہونے لگا۔ کہ اصل طریقت کتنی وسیع اور با فوقِ عقل ہے۔ اس دوران مجھے قبلہ سخی صاحب کی مستقل صحبت میسر رہی۔ کیونکہ آپ میرے صحبتی پیر تھے۔ آپ کی نصیحتوں سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ مگر جب میں دیکھوں کہ لوگ بنیرِ محنت چند ساعتوں میں صاحبِ مشاہدہ حضورِی ہو جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ تو مجھ میں بھی زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ جاگ اُٹھتی کیونکہ یہ تڑپ بچپن ہی سے میرے اندر موجود تھی۔ میں قبلہ سخی صاحب سے کھلنے کی التجا کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر ارزاں فقیری کے باوجود میرا مشاہدہ نہ ہونا۔ ایک مصلحتِ تابع تھا۔ اس کی چند وجوہ تھیں۔ اقول یہ کہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں تھا۔ جن کو حضور قبلہ عالم کی خاص عنایت و شفقت حاصل تھی۔ حضورِ میری کثرتِ درود خوانی۔ اور محنت سے بہت خوش تھے۔ دوسرے آپ کی تشریف آوری پر میں اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے جب تک حضورِ ہم میں موجود رہتے میں ہر جگہ آپ کی خدمت میں ساتھ رہتا۔ حضورِ میری حُب کو دیکھ کر مجھے ہر مجلس میں ساتھ رکھتے۔ اس وجہ سے آپ مجھ پر شفقت فرماتے۔ ظاہر ہے اس شفقت میں توجہ کا رفرار ہتی۔ تو مجھ پر اکثر نوری توجہ کا نزول رہتا۔ لیکن اس توجہ کا میرا قلب متحمل نہ ہوتا۔ تو مجھ پر قبض رہتا۔ دوسرے پیر کی حُب نے جب مجھے خواہشِ دُنیَا سے بے نیاز کر دیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر تھا کہ میرا رجحان زیادہ تر باطن کی طرف رہنے لگا۔ لازم تھا۔ کہ مشاہدہ باطن سے۔ میں تارک الدنیا ہو جاتا۔ مگر یہ کیفیت میرے لیے مناسب نہ تھی۔ کیونکہ سلسلہ اولیہ میں۔ جذب کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس سلسلہ کے فقیر کو سالکانہ



حیثیت میں رہنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ سلسلہ کے اہلکار کو وسعت دی جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر باوجود محنت کے مجھ پر قبض طاری رہا۔ لیکن میں مشاہدہ کے لیے اکثر سخی صاحب سے استدعا کرتا رہا۔ آپ مجھے خلوت کرنے کا مشورہ دیتے کہ تمہارا قلب انوار کا متحمل نہیں۔ اس کے لیے خلوت ضروری ہے۔ آپ بھی مجھ سے حد درجہ شفقت روارکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضور قبلہ عالم سے مجھے خلوت میں بٹھانے کی استدعا کی۔ حضور نے مناسب وقت پر مجھے خلوت میں بٹھانے کا وعدہ فرمایا۔ حضور بعض مریدوں کو ان کی استدعا پر خلوت کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ گو آپ کسی کو خلوت میں بٹھانا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہ محض کسی مرید کی تسلی کے لیے ہوتا۔ ورنہ کسی مرید کو کھلنے کے لیے آپ کی ایک توجہ کافی ہوتی۔ اور اکثر مرید بغیر خلوت صاحب مشاہدہ ہو جاتے۔ آخر ایک دن قبلہ سخی صاحب گاندر بل سے شہر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ فرمانے لگے۔ حضور کچھ عرصہ کے لیے بمبہ محترمہ مائی صاحبہ کے میرے ہمان ہیں۔ گاندر بل میں کچھ عرصہ قیام فرمائیں گے۔ یہ موقع غنیمت ہے۔ تم خلوت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم حضور سے سفارش کریں گے۔ چنانچہ مجھے حضور کے پیش کر کے خلوت کے لیے اجازت چاہی۔ حضور نے منظور فرمائی۔ فرمایا کل تم گاندر بل آؤ۔ اور خلوت میں بیٹھو۔ یہ امر میرے لیے انتہائی مسرت کا تھا۔ ان دنوں میں ہمارا راجہ کے سپیس محل میں کام کر رہا تھا۔ کام بھی زوروں پر تھا۔ میں نے کام چھوڑ دیا۔ دوسرے دن علی الصبح میں حضور کی خدمت میں گاندر بل پہنچا۔ آپ گاؤں میں ایک ٹھیکیدار کے مکان میں فروکش تھے۔ حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو میری مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ حضور فرمانے لگے۔ نور الدین! آج کل تم محل میں کام میں مصروف ہو۔ یہ موسم کام کا ہے۔ فی الحال تم کام نہ چھوڑو۔ جب فارغ ہو جاؤ گے اس وقت خلوت کرنا۔ یہ آواز مجھ پر برق بن کر گری۔ میں نے بے ساختگی میں عرض کی۔ کہ حضور میں نہ کام پر جاؤں گا نہ واپس جاؤں گا خلوت نہ ہوئی تو میں جنگل کی راہ لوں گا۔ ساتھ ہی قبلہ سخی صاحب سے منت کی کہ حضور کو اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ قبلہ سخی صاحب نے سفارش کی۔ تو حضور نے فرمایا۔ اچھا۔ جاؤ۔ وہ سامنے مسجد ہے۔ اس میں داخل ہو کر خلوت کرو۔ دیکھو یا کامیاب ہو کر نکلو۔ یا مگر نکلو۔ اس فرمان سے میری جان میں جان آئی۔



میں مسجد کی طرف دوڑا۔۔۔ نہریں غسل کیا۔ اور مسجد میں داخل ہوا۔۔۔ یہ موسم اگست کی بہار کا تھا۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ تو مسجد کو دیکھ کر وحشت طاری ہوئی۔ مسجد ویران تھی۔ نمی کی وجہ سے لاوا جما ہوا۔۔۔ جس اور بُو آ رہی تھی۔ چٹائیاں نمی سے بوسیدہ بودار ہو چکی تھیں۔ مسجد میں اندھیرا تھا۔ باہر نظر ڈالی۔ تو ساون کی پُرفضا بہار دیکھ کر دل دھڑکنے لگا۔ جیسے کسی قید خانے میں محبوس ہوا۔ شدید بے چینی و اضطراب طاری ہوا۔ آخر فیصلہ کیا کہ اس ویران جگہ ٹھہرنا مشکل ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہی تھا۔ فی الحال کام کرو۔۔۔ یہی بہانہ رکھ کر بغیر اطلاع دیئے بھاگ جاؤں گا۔ یہ فیصلہ کر کے ظہر کی نماز ادا کی فارغ ہوا۔ تو پھر باہر کی فضا پر نظر پڑی۔ جی بہت گھبرایا۔ کہ فوراً یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ بھاگ کر حضور قبلہ عالم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اسی کشمکش میں نیند نے غلبہ کیا پھر فیصلہ کیا کہ فی الحال سو جاتا ہوں۔ نیند سے فارغ ہو کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ عصر کے قریب جا گا۔ خیال ہوا نماز عصر پڑھ کر جاؤں گا۔ نہر پر وضو کیا۔ اور عصر کی نماز شروع کی۔ نماز سے فارغ ہوا سلام پھیرا۔ تو اچانک اضطراب یکسر ختم ہو گیا۔ مسجد میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ میں نے موقع غنیمت جانا۔ مراقبہ شروع کر دیا۔ آنکھیں بند کر کے سر پر چادر ڈال دی۔ اور بیرون ماحول سے علیحدہ ہو گیا۔۔۔ رفتہ رفتہ محویت طاری ہو گئی اور میں درود شریف میں مشغول ہو گیا۔ مغرب کے قریب مچھروں کی اتنی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی مشین چل رہی ہو۔ فکر مند ہوا کہ مچھروں کے کاٹنے سے رات گزارنا مشکل ہو گا۔ مگر مغرب کی نماز سے فارغ ہوا۔ تو اچانک بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ دیکھا تو مسجد میں مچھر بالکل ختم ہو گئے۔ بعد مغرب حضور قبلہ عالم نے اپنے گھر سے کھانا بھیجا۔ حکم تھا کہ محلہ میں کسی گھر سے روٹی نہ کھاؤں۔ میں نے عرض کی تھی۔ کہ حضور میں نے کھانے کا اپنا بندوبست کیا ہے۔ پوچھا کیا بندوبست ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے گھر اطلاع دے رکھی ہے۔ کہ میرے لیے ڈاک لاری میں روزانہ کھانے کا سامان۔ چائے۔ ڈبل روٹی۔ مکھن اور دوسری اشیاء گوشت سبزی بھیجنا۔ میں اپنا تو کر رکھ کر روٹی پکوا لوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ یہاں خلوت کے لیے آئے ہو یا سیر و تفریح کے لیے خلوت میں کھانا وغیرہ سے پرہیز ہو گا۔ فاقہ میں رہنا ہو گا۔ لہذا یہاں محلہ میں اکثر لوگ بے نماز ہیں۔ ان کے گھر سے کھانا منع ہے۔ ہم خود اپنے



کھانے سے شام ایک وقت کھانا بھیجیں گے۔ تمام دن روزہ سے رہو گے۔ غرض شام حضور قبلہ عالم نے اپنے برادر اصغر۔ محمد اسماعیل صاحب کے ہاتھ کھانا بھیجا۔ کھانا کھا کر نماز عشاء ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ رات گہری ہونے لگی۔ تو اندھیرے میں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی مسجد میں ادھر ادھر دوڑ رہا ہے۔ میں خوفزدہ ہوا۔ مبادا یہ دیوانہ جگہ ہے۔ کہیں جنات کا مسکن ہو۔ اسی خوف میں کچھ وقت گزارا۔ مراقبہ میں یکسوئی نہ رہ سکی۔ اچانک میری پیٹھ سے کوئی چیز ٹکرائی۔ تو میں نے محسوس کیا کہ مسجد میں کثرت سے چوہے ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ خوف دل سے نکل گیا۔ مراقبہ میں پھر یکسوئی ہونے لگی۔ مگر اس کے بعد میں نے چوہوں کے بھاگنے کی آواز نہ سنی۔ چوہے بھی مسجد چھوڑ کر بھاگ گئے اور فضا بھی خوشگوار ہو گئی۔ دوسرے دن صبح چاشت کے وقت حضور قبلہ عالم مسجد میں تشریف لائے۔ اندر داخل ہوتے ہی فرمانے لگے: ”ہاں اب مسجد میں نور بھر گیا ہے“ میں نے السلام علیکم عرض کی۔ کہا کہ حضرت مجھے رات کو اندھیرے میں۔ دیوار کے تنکے تک نظر آنے لگے۔ فرمایا ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ تم نے مسجد سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم دیکھتے تھے۔ تم مسجد میں داخل ہو گئے۔ اس وقت باہر شیطان بھی آگیا تھا۔ تم پر بھاگنے کے لیے توجہ دے رہا تھا۔ ہم تمہارے اضطراب کو دیکھ رہے تھے۔ اور تم بھاگنے والے تھے۔ ہمیں تمہاری حالت دیکھ کر ترس آگیا۔ ہم نے شیطان کو بھگایا۔ عصر کی نماز کے بعد تم بھاگ جاتے۔ مگر ہم نے توجہ سے تمہیں سکون دلایا۔ میں بے حد شرمندہ ہوا۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ فرمایا شاباش تمہارے دل میں حقیقت کی طلب ہے۔ اب محنت کرو اور کامیاب ہو کر نکلو۔ پھر توجہ دی اور تشریف لے گئے۔ میں پھر مراقبہ میں مشغول ہوا شروع مراقبہ میں ہی مجھے روضہ شریف کا تصور آیا تھا۔ اب جو مراقبہ کیا تو گھپ اندھیرا تھا۔ بہت زور لگایا۔ مگر اندھیرا غالب تھا۔ خیر۔ اسی حالت میں مغرب کا وقت آیا۔ محمد اسماعیل صاحب کھانا لائے۔ افطار کیا۔ کھانا کھایا اور پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ درمیان خلوت کبھی حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ توجہ دے کر تشریف لے جاتے۔ یہاں تک کہ پورا ایک ہفتہ اسی حالت میں گزرا۔ مگر عجیب بات یہ کہ اس دوران نور کا ایک ذرہ بھی دیکھنے میں نہ آیا۔ مجھ پر مایوسی طاری ہو گئی۔ حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ حضور۔

”تہی دستاں قسمت را چہ سودا ز رہبرِ کامل“ شاید میری قسمت میں زیارت نہیں۔ بہتر ہے میں خلوت ترک کر دوں۔ حضور نے فرمایا۔ اب تم خلوت چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ خلوت ترک کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اس لیے خلوت جاری رکھو۔ آئندہ کھانا نہیں ملے گا۔ صرف ایک پیالہ چائے کی روزہ کھولنے کے لیے ملے گی۔ — دورانِ خلوت حضور نے مجھے اور بھی درود پڑھنے کو بتائے۔ چنانچہ میں نے خلوت جاری رکھی۔ حضور رات آکر مجھے توجہ دیتے۔ اسی حالت میں مزید پانچ دن گزرے اس دوران میں مشکل حضور قبلہ عالم کا تصور پاسکا۔ — پانچ دن گزرنے کے بعد رات حضور تشریف لائے۔ اور فرمایا نور الدین۔ اب بہت دن تمہاری خلوت میں گزرے۔ تم سے پہلے ایک آدمی اسی مسجد میں ٹھہرا تھا۔ اور ایک رات میں حضور ہی ہو گیا۔ تمہارا نفس بہت موٹا ہے۔ اچھا آج رات سونا بالکل نہیں۔ خوب ڈٹ کر مراقبہ کرو۔ دیکھو آج تمہیں کچھ نظر آئے۔ حضور تشریف لے گئے۔ میں مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب میری کیفیت صاف ہونے لگی۔ اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو گلاس شربت کے تھے۔ مجھے ایک گلاس پینے کا اشارہ ہوا۔ ایک گلاس میں سفید شربت تھا۔ دوسرے میں سُرخ۔ میں نے سُرخ گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پئے تھے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے اشارہ دوسرے گلاس کی طرف کیا۔ میں نے سُرخ گلاس رکھ دیا۔ اور سفید گلاس کا شربت پی لیا۔ پھر مجھے ایک جگہ بیٹھنے کا حکم ہوا۔ کچھ دیر اس عالم میں رہا۔ کہ مراقبہ کی کیفیت ہٹ گئی۔ صبح قریب ہو چکی تھی۔ نماز ادا کی اور پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ دن چڑھنے پر حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ حالانکہ اس سے قبل آپ صبح کے وقت نہیں آتے تھے۔ پوچھا۔ نور الدین۔ بتاؤ کچھ دیکھا۔ میں نے رات کی کیفیت عرض کی۔ فرمایا۔ بوریابستراٹھاؤ۔ گھر جانے کی تیاری کرو۔ مبارک ہو تمہاری کامیابی پر۔ — میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مسجد نے نکلا۔ — اور حضور کے دولت خانہ پر پہنچا۔ وہاں قبلہ سخی صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ آپ خوش تھے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میں بہت خوش تھا۔ قبلہ سخی صاحب نے اجلاس کی کیفیت پوچھی میں نے بیان کی۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ نور الدین نے سُرخ شربت پیا۔ مگر ہم نے اسے باز رکھا۔ ورنہ



یہ مجذوب ہو جاتا تاہم دو گھونٹ کا اثر باقی رہے گا۔ حضور بھی میری محنت پر خوش ہوئے۔  
 حضور اپنے مریدوں میں میری تعریف فرماتے کہ سلسلہ میں نور الدین نے خلوت میں سب سے  
 زیادہ محنت کی ہے۔ حضور جس ٹھیکیدار کے مکان میں فروش تھے۔ اُسے رات حکم دیا تھا کہ  
 صبح کھانا اچھا پکانا۔ کل صبح اس مجاور کو خلوت سے فارغ کرنا ہے۔ ٹھیکیدار نے مرغ  
 پکایا تھا۔ مجھے کھانا کھلایا۔ میں نے ٹھیکیدار سے پوچھا یہ مرغ کس لیے پکایا۔ کہنے لگا۔ رات  
 مجھے پیر صاحب نے حکم دیا تھا کہ کل صبح آپ خلوت سے فارغ ہوں گے۔ آپ کے لیے کھانا  
 پکانے کے لیے کہا تھا۔ معلوم ہوا۔ کہ کل حضور قبلہ عالم کے گھر سے پیغام آیا تھا۔ کہ کسی ضروری  
 امر کی وجہ سے آپ جلد واپس گھر تشریف لائیں۔ کل آپ نے گھر جانا ہے۔ میں نے اندازہ کیا۔  
 کہ قدرت نے یہ سبب کر دیا کہ حضور کو فوری طور پر گھر جانا پڑا۔ تو مجھے بھی ایک لمبے میں فارغ  
 کر دیا۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ اگر مزید قیام ہوتا تو نہ معلوم اور کتنے دن مجھ پر محنت ڈالنا مقصود  
 ہوتا۔ اللہ و رسول اور پیر اکمل کی کرم نوازی سے میں اپنی ہم میں کامیاب ہو کر واپس  
 گھر لوٹا۔

## محمد لطیف قریشی اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا

جناب قبلہ سخی صاحب کے توکل سے محمد حنیف صاحب نے حضور قبلہ عالم سے بیعت  
 کی۔ محمد حنیف صاحب کا دولت خانہ وسط شہر (امیر اکمل) میں تھا۔ آپ نے حضور قبلہ عالم  
 کو گھر آنے کی دعوت دی۔ حضور ان کے گھر تشریف لائے تو گھر کے تمام افراد۔ درود خوان  
 ہو گئے۔ اور سب نے حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ان میں حنیف صاحب  
 کے چھوٹے بھائی۔ محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ۔ محمد شریف صاحب۔ ڈاکٹر محمد عبد الحفیظ  
 صاحب۔ ان کی والدہ۔ ہمشیرہ۔ اور دیگر چھوٹے بچے تھے جو سب سلسلہ اولیہ میں داخل ہو  
 گئے۔ یہاں تک کہ گھر کے ملازم بھی درود خوان ہو گئے۔ ان میں غلام قادر لون بھی تھا۔ جسے اسی گھر  
 میں ملازمت کی بدولت ایک لازوال نعمت اور مرتبہ اعلیٰ میسر ہوا۔ محمد حنیف صاحب  
 کے گھر میں غلام قادر لون کی حیثیت ملازم جیسی نہیں تھی۔ بلکہ اُسے گھر کا ایک فرد جیسا سمجھا جاتا تھا۔

بیعت ہونے کے بعد محمد حنیف صاحب کی والدہ اُسے بیٹوں کی مانند سمجھتی تھیں جیسا حفیظ بیٹا۔ ویسا ہی غلام قادر بیٹا۔ ڈاکٹر حفیظ کے ساتھ تو اُسے بے حد لگاؤ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے۔ بعض اوقات غلام قادر۔ ڈاکٹر حفیظ سے جھگڑا کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑتا۔ مگر آپس میں غیریت کا قطعی احساس نہ پایا جاتا۔ چنانچہ سلسلہ کی نسبت سے غلام قادر اس گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ یگانگت طویل عرصہ تک قائم رہا۔ محمد حنیف صاحب اور گھر کے اکثر افراد حضوری ہو چکے تھے۔ خصوصاً آپ کی والدہ محترمہ اور محمد شریف صاحب شاہدہ حضوری تھے۔ محمد عبدالحفیظ صاحب اس زمانہ میں کہیں تھے۔ حضور قبلہ عالم سے بے حد محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اس عمر میں بھی آپ کو حقیقت سے حد درجہ لگاؤ رہا۔ کمسنی میں ہی چونکہ گھر میں بنیادی طور عبادات کا شغل رہا۔ آپ کے والد والدہ دائمی عبادت گزار۔ تہجد گزار تھے۔ گھر کا تمام ماحول مؤمنانہ تھا۔ ڈاکٹر حفیظ صاحب نماز کے پابند تھے۔ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کے بعد۔ درود خوانی کا سلسلہ گھر میں چرچا ہوا۔ تو حفیظ صاحب بھی درود پڑھتے بلکہ آپ نے کمسنی میں ہی حضور قبلہ عالم کی بیعت کی۔ آپ سلیم القلب تھے۔ حق و باطل کی تمیز بچپن ہی میں پائی تھی۔ حق کی حمایت میں شدید تھے۔ حق کا ساتھ دینے میں کسی ذاتی مصلحت کو درمیان میں نہ آنے دیتے۔ آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور پرہیز عقیدت مثالی تھی۔ آپ کلاس (جماعت) میں سبق پڑھنے کے دوران جب سامنے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر سوال دیکھتے۔ تو آپ پر کیفیت طاری ہو جاتی۔ دیکھتے دیکھتے کھلی آنکھوں سے۔ تختہ سیاہ کی جگہ روضہ مدینہ منورہ دکھائی دینے لگ جاتا۔ جب اس کیفیت کو حضور قبلہ عالم کے آگے بیان کیا تو آپ نے کثرت سے درود پڑھنے اور مراقبہ کرنے سے روک دیا۔ حضور نے تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ دن میں صرف گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھا کریں۔ باقی وقت تعلیم میں صرف کریں۔ لیکن قدرت نے جب ایک انسان کو اپنی محبوبیت کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس حال میں کہ ایک عظیم المرتبت ہستی کی محبت اس کے قلب و ذہن پر طاری ہو۔ تو بسا مشکل ہے۔ کہ اس کا قلب و ذہن حق کے سوا کسی اور شے کی طرف مائل ہو۔ باوجود کوشش کے بھی آپ



کے قلب سے حق سے لگاؤ کا جذبہ کم نہ ہوا۔ آپ نے تعلیم کے ساتھ۔ نماز و روزہ و شریف پر بھی مداومت رکھی۔ حضور قبلہ عالم عبد الحفیظ صاحب کو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ہمیشہ تلقین فرماتے۔ حضور قبلہ عالم اس گھر کے درود خوان ہونے کے بعد جب شہر تشریف لاتے۔ تو محمد حنیف صاحب کے گھر ہی قیام فرماتے۔ اس طرح اس گھرانے کو حضور قبلہ عالم کی صحبت و توجہ میسر رہی۔ ان میں حفیظ صاحب آپ کی تشریف آوری پر زیادہ تر وقت آپ کی قربت میں گزارتے۔ حضور قبلہ عالم ڈاکٹر حفیظ صاحب کی عقیدت دیکھ کر آپ سے بید شفقت فرماتے۔ اس نرازش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ گھرانہ حضور کی فیض یابی کا مرکز بن گیا۔ حضور کی تشریف آوری پر شہر کے لوگ ہجوم در ہجوم یہاں آ کر حضور سے بیعت ہو جاتے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت اور پیار سے عشق نے انہیں پیر کی قربت و توجہ میں خاص مقام دیا۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں حرم میں صرف تین اشخاص کو حضرت اقدس محترمہ مائی صاحبہ کے حضور حاضر ہونے کی رسائی نصیب تھی۔ ان میں آپ کے محبوب جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو خصوصی درجہ حاصل تھا۔ دوسرے خواجہ عبدالکریم صاحب۔ اور تیسری خوش نصیب شخصیت ڈاکٹر محمد عبد الحفیظ صاحب کی۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ بھی آپ پر بید شفقت فرماتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے۔ اور ملک کی اعلیٰ تعلیم یافتہ سوسائٹی (مجلس) سے تعلق رکھنے کے مغربی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں۔ علوم مغربی سے آگاہ ہونے کے باوجود۔ آپ کا طرز زندگی مشرقی انداز کا حامل ہے۔ مغربی تہذیب میں رہ کر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیر اکمل کے اسوہ پر شدت سے پابند رہتے ہیں۔ اور عقائد میں کٹر ملا دکھائی دیتے ہیں۔ مادی نظریات کو سمجھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور اسلامی عقائد پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ دنیوی مصروفیات میں بھی نماز و روزہ اور درود و مراقبہ کی شدت سے پابندی کرتے ہیں۔ غرض آپ اپنے پیر اکمل کی خصوصیت ولایت کی ایک اعلیٰ دلیل ثابت ہیں۔

محمد حنیف صاحب کے دولت خانہ پر حضور قبلہ عالم کے مسلسل قیام کی وجہ سے شہر میں آپ کی شہرت عام ہونے لگی۔ کہ ایک بزرگ مہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے

ہیں۔ کیونکہ اویسی سلسلہ میں اولین دعویٰ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تھا۔ لوگ جوق درجوق حضور کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بہت سے لوگ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا رکھتے تھے۔ مگر ان کی نظریں — یا فقراء کی نظریں — زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کثرتِ مجاہدہ ہونا ممکن تصور نہ ہوتا تھا۔ لوگوں کی دانست میں یہ ایک نئی بات تھی۔ کہ بغیر مجاہدہ چند ساعتوں میں حضوری ہونا — کیسے ممکن ہے۔ کشمیر میں فقراء تو تھے۔ مگر اس سے قبل اس قدر — اعلانیہ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ فقیر کسی گھر میں مریدوں کے ہاں مدعو ہو — تو لوگوں کا ہجوم ہو جاتا۔ دعوتیں پکائی جاتیں۔ لنگر جاری ہوتے۔ قوالیاں شروع ہو جاتیں — اور لوگ فقیر سے صرف دنیوی حاجات کے لیے رجوع کرتے۔ بہت کم لوگ حصولِ معرفت کے لیے فقیر سے رجوع کرتے اس حصول میں بھی صرف فقیر سے وظیفہ حاصل کرنا — اور پھر محنت و مجاہدہ کرنا — ایک طالب کے لیے فقیر سے وظیفہ لینا ہی فقیری کے لیے کافی ہوتا — کہ وہ ایک فقیر کا مرید وظیفہ پر عامل ہے۔ یا رات کو جاگتا ہے۔ اور اگر اس مریدی میں کسی کو کمال حاصل ہوا — وہ اسی حد تک تھا۔ کہ اسے کشف حاصل ہو — وہ کسی کے دل کی بات کشف سے کہہ دے۔ یا کسی بیمار کو جھاڑ پھونک سے تندرست کر دے۔ ان میں بہت کم فقراء ایسے ہوتے۔ جنہیں عالمِ ناسوت کی ابتدائی چند منازل کا مشاہدہ حاصل ہو — بلاشبہ یہ کیفیت تعجب خیز تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معمولی قسم کے لوگ حضوری ہونے کا دعویٰ کریں — یہ امر لوگوں کے لیے شبہ کا باعث تھا۔ کہ حضور کے مریدوں میں۔ اکثر لوگ۔ دنیا دار۔ افسر و ضلع قطع میں۔ کوٹ پتلون پہننے والے۔ داڑھی مونچھ منڈائی ہوئی — نہ فقیرانہ ہیئت نہ مجاہدہ و تزکیہ — اور پھر خود حضور قبلہ عالم کی ذات سے نہ فقیرانہ وضع۔ نہ دعویٰ نہ نمائش نہ لوگوں کا ہجوم — نہ قوالی اور نہ دعوتوں کا چرچا۔ ایک سادہ سی غیر معروف ہستی۔ جس کے بشرے سے فقیری کی کوئی علامت محسوس نہ ہو۔ ان حالات میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین کرنا مشکل تھا۔ لیکن جو شخص بھی حضور قبلہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوتا — آپ کی چند ساعت کی صحبت سے متاثر ہو کر بیعت کر لیتا۔



حضور قبلہ عالم کی عادت شریفہ میں۔ یہ ایک اہم بات تھی۔ کہ آپ نے گواہ اے شریعت و طریقت میں اپنی مقدس زندگی کو وقف کر رکھا تھا۔ تاہم آپ نے نہ کبھی فقیری کا چرچا کیا نہ خود لوگوں کو سلسلہ میں دانستہ طور پر داخل کرنے کی کوشش کی۔ لوگ آپ کے مریدوں کے حالات سن کر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ شہر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز وزراء و امار بھی آپ کی شہرت سُنکر ملاقات کی خواہش کرتے۔ مگر حضور خود کسی کے گھر جانا پسند نہ فرماتے نہ یہ خواہش رکھتے کہ سلسلہ میں اعلیٰ افسر یا وزراء و امار صرف نمائش کے لیے شامل ہوں۔ جیسا کہ اکثر فقراء اپنی فقیری کی شہرت کے لیے خود ایسے لوگوں کو سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے۔ ان کے گھروں تک پہنچتے ہیں۔ تاکہ لوگ متاثر ہوں۔ کہ فلاں فقیر کے مریدوں میں بڑے بڑے افسر بھی شامل ہیں۔ گویا وزراء و امار کی سلسلہ میں شمولیت ہی ایک فقیر کی فقیری کی سند تصور کی جاتی ہے۔ کئی بار شہر کے امار نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مگر حضور قیدِ علم نے ہمیشہ ایسی دعوتوں کو قبول نہ کیا۔ تا وقتیکہ کوئی شخص خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مطمئن نہ ہو۔ اور بہ رضا و رغبت سلسلہ میں داخل ہو کر شریعت کی پابندی اختیار کر کے درود شریف پر مداومت کرے۔ اس حال میں کہ اس پر سلسلہ کی حقیقت واضح ہو۔ یا اسے زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو۔ حضور کے مریدوں میں اُوپنچے طبقہ کے امار و وزراء بھی شامل تھے۔ لیکن ان کا شامل ہونا صرف رجسٹر میں نام درج کرانا۔ یا بیعت ہونے تک محدود نہ تھا۔ بلکہ حسبِ معمول اپنے نماز۔ تہجد۔ اور درود و مراقبہ کا پابند رہ کر حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا۔ اس حال میں کہ اس پر فقیرانہ وضع قطع اختیار کرنے کی پابندی نہ ہوتی۔ بلکہ حسبِ معمول اپنے پسندیدہ لباس اور طریقِ معاشرت اختیار کرنے میں آزاد ہوتا۔ خواہ وہ داڑھی موچھ منڈا کر انگریزی وضع میں ہی رہنا پسند کرتا، تو۔ ایسا طرزِ عمل اس کے حصولِ معرفت میں مانع نہ ہوتا۔ یہ ایک ایسا طریقِ فقر تھا۔ جو عام فقراء کے طریقِ طریقت میں ملنا مشکل تھا۔ کہ بغیر تزکیہ مجاہدہ۔ اور فقیرانہ صورت اختیار نہ کرنے کے باوجود لوگ حضوری ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے لوگوں پر فقیری کا تاثر دینے میں کبھی ظاہری نمائش کو داخل نہ کیا۔ آپ کا لباس عام آدمیوں جیسا سیدھا سادہ

تھا۔ کاروبار زندگی میں۔ آپ نے عام آدمیوں کی طرح سادہ زندگی اختیار کر رکھی تھی جیسے ایک عام دنیا دار آدمی ہو۔ ایسی حالت میں آپ کی شخصیت کو پہچاننا مشکل امر تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں نہ برتری کا احساس رکھا۔ نہ کسی مرید کو مرید سمجھ کر کمتر حیثیت میں اس کے ساتھ برتاؤ رکھا۔ اکثر دیکھا گیا۔ گھر ہو یا بازار۔ آپ اپنے مریدوں سے گھل مل کر رہتے۔ آپ اپنے مریدوں میں کبھی بڑھ کر آگے آگے چلنے میں سبقت نہ کرتے نہ اپنے لیے کوئی خاص برتر مقام شہ نشین یا مسند تکیہ پر بیٹھنا پسند فرماتے۔ سوائے اس کے کہ آپ کے محب مرید آپ کو پنگ پر بیٹھنے کے لیے مجبور کرتے۔ ایسا بھی اخلاقاً مھض اپنے مجبوں کی دلجوئی کے لیے قبول فرماتے۔ آپ کی مجلس میں امیر و غریب۔ اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہ ہوتی۔ بلکہ آپ کے مریدوں میں بھی۔ یہ تاثر پایا نہ جاتا۔ کہ ان میں کون امیر ہے۔ اور کون غریب۔ نہ ہی کسی مرید کو بذاتِ خود اپنی برتری یا کمتری کا احساس رہتا۔ بلاشبہ آپ کے تابعین کُلُّ هُوَ مِنْ اِخْوَةٍ کا کامل نمونہ تھے۔ یہ سب حضور قبلہ عالم کی ذاتی صفت کمالیت کا اثر تھا۔ ہاں! یہ قانون فطرۃ کے عین مطابق تھا۔ کہ کائنات کی وسعت میں تمام اجسام ستاروں سے معروف ہیں۔ البتہ حسبِ قدر اپنی تابانی کے باوصف کوئی شمس کہلاتا ہے۔ کوئی قمر۔ اور باقی سب ایک جنس کے سیارے محسوس ہوتے ہیں۔ فرق ہے۔ تو مراتب ہی کا ہے۔ حضور قبلہ عالم محبت و شفقت۔ عجز و فروتنی کا ایک اعلیٰ شاہکار تھے۔ اپنے مریدوں کی خود عزت کرتے۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو ”آپ“ کہہ کر پکارتے۔ سوائے بعض مصاحبوں کے۔ جو حبِ پیر میں کامل درجہ رکھتے انہیں سادہ نام سے پکارتے۔ جس میں صاحب کا اعزاز نہ ہوتا۔ لیکن پیر کی نظر میں محبوب ترین شخصیتیں ہوتیں۔ جیسے اکثر حضور قبلہ عالم فرماتے۔ سخی کی عزت کرو۔ تم سب میرے مرید ہو۔ اور سخی میرا دوست ہے۔ یہی انداز کسی شخص کی پیر کے نزدیک مقبولیت و محبوبیت کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس کے باوجود آپ اپنی نشست و برخاست میں فرقِ مراتب کا لحاظ نہ فرماتے۔ کسی غیر کے لیے یہ امر مشکل ہو جاتا کہ وہ جان سکے ان میں پیر کون ہے اور مرید کون۔ ایک روز حضورؐ اور سخی صاحب ڈاکٹر صاحب کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک سکھ نجومی وارد ہوئے اس کی کچھ



گھریلو مشکلات تھیں۔ وہ سخی صاحب کو پیر سمجھ بیٹھے۔ کیونکہ ان کی ریش مبارک پر صاحب کے مقابلے میں زیادہ سفید تھی۔ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ تو آپ کے مریدوں میں بھی یہ احساس نہ پایا جاتا کہ آپ ایک پیر کی حیثیت میں تشریف فرما ہیں۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا۔ جیسے ایک شفیق والد اپنے عزیز بیٹوں میں بیٹھا۔ اپنے لاڈلے بیٹوں کی پیار بھری بولیاں سن کر خوش ہوتا ہو۔ حضور اپنے مریدوں کے ساتھ بحث میں شریک ہوتے۔ ان کی کسی غیر معقول کلام و حرکت سے مکر نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ مرید حضور کی موجودگی میں آزادانہ مذاق بھی کرتے۔ اور آپ بھی اس مذاق میں شامل ہوتے۔ اپنے عزیز مریدوں سے مذاق فرماتے۔ بعد عشاء رات کے ابتدائی حصہ میں آپ آرام فرماتے۔ آپ کی نیند غفلت کی نیند نہ ہوتی۔ بلکہ دنیوی شور سے علیحدہ ہو کر مراتب کی سیر میں مشغول ہوتے۔ یہ عالم بھی بیداری کا عالم ہوتا۔ ایسے وقت میں جب حضور آرام فرماتے۔ تو مرید آپس میں مذاق اور خوش گپیاں شروع کر دیتے۔ اثنائے کلام کوئی کھل کھلا کر ہنس دیتا تو حضور جاگ جاتے۔ آپ ناراض نہ ہوتے بلکہ اٹھ بیٹھتے۔ اور پوچھتے کیا مذاق ہو رہا ہے۔ ایسی مجلسوں میں کبھی کبھی جناب قبلہ سخی صاحب اور عبداللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان مذاق ہوتا۔ یا کوئی اور مرید ہوتا۔ اور خاص کر یہ خاکسار تمسخر کا نشانہ بنتا۔ تو حضور قبلہ عالم اس مذاق میں شریک ہو جاتے۔ پھر سونا۔ آرام کرنا بھول جاتے۔ بس مجھے آڑے ہاتھوں لینا۔ اور مذاق فرمانا۔ مگر سبحان اللہ! ایسے وقت میں مذاق کیا تھا۔ حضور پر نیند سے بیدار ہونے پر جلالی کیفیت طاری ہوتی۔ اسی کیفیت میں جو مذاق آپ فرماتے۔ اس میں حقیقت کے رموز پائے جاتے۔ آپ عشق و محبت کے رموز بیان فرماتے۔ کبھی آیات قرآنی تلاوت فرماتے اور گاہے۔ مثنوی مولانا روم۔ یا میاں محمد بخش کی سیف الملوک یا ہیرا بنجھا کے عشقیہ اشعار میں آداب محبت بیان فرماتے۔ اس بیان میں وہ آثار حقیقت اور عشق و محبت کی داستانیں اور لطائف ہوتے مجلس کا ہر فرد سرور و مستی سے سرشار ہو کر مجلس میں وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اسی مستی میں ہر شخص آپ کی ذات پر دل و جان سے نثار ہو جاتا۔ یہی وہ انداز گفتگو تھا۔ یہی وہ لطیف تاثر تھا۔ یہی وہ کیفیت مستی کا

جذبہ آفرین تار تھا۔ جس نے آپ کے مریدوں کو حُبِ پیر میں کامل بنایا۔ جس کے بعد کسی تزکیہ مجاہدہ۔ اور کثرتِ عبادت اور اصلاحِ نفس کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ یہی علم آپ نے اپنے مریدوں کو عطا کیا۔ جس میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پیر اکمل سے محبت کے سوا۔ انسان کے دل میں۔ دُنیا کی کسی لذیذ شے کی خواہش باقی نہ رہتی۔ یہی مجلس تھی۔ جس میں ہر مرید سرشار ہو کر ایک کیفِ بے خودی میں خود کو بھول جاتا۔ یہی وہ حقیقت ہے۔ جو فقر کی اصل ہے۔ کہ سرور و مستی میں۔ اپنے پیر اکمل کی محبت و فنا میں۔ اپنی ذات کو گم کرنا۔ اسی سرور و مستی میں ہر شخص اپنے پیر کا پروانہ بن جاتا۔ اور پیر ہی اس کی زندگی کا مقصود بن کر رہ جاتا۔ آپ کو دیکھا۔ گویا کائنات مل گئی۔ پھر کونسی شے ہے۔ جس کی طلب باقی رہ جاتی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ ایسی مجلس میں آدابِ طریقت میں فرق آ جاتا ہے۔ نہیں۔ آداب میں دیوانگی۔ بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ قلب میں رقت نہ ہو۔ تو اظہارِ محبت ہو نہیں سکتا۔ رقتِ قلب۔ ہی مستی و بے خودی کا نام ہے۔ بے خودی۔ دیوانگی سے تعبیر ہے۔ دیوانگی طاری نہ ہو۔ تو محبت میں تصنع آتا ہے۔

## حضرت امام مہدی علیہ السلام اور مہدیت

زمانہ غالباً ۱۹۲۲ء کا تھا۔ حضور قبلہ عالم کی شہرت کشمیر کی وادی میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کثرت سے سلسلہِ اولیہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی زمانہ میں اچانک حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا ملک میں چرچا ہونے لگا۔ کشمیر کے بعض فقرار نے جنوب سے شمال کی طرف سر ہانے بدل ڈالے۔ کہ کشمیر کے شمالی پہاڑوں سے ایک نور طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے اپنی خود نوشت میں ایک خواب تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کی سمت سے وائل گاؤں کی طرف سے ایک جلوس کی شکل میں کثرت سے لوگ آرہے ہیں۔ جلوس میں ایک بزرگ ہستی نمایاں طور نظر آرہی ہے جس نے کاندھے پر ایک شیر خوار نورانی بچہ اٹھایا ہوا ہے۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں۔ یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بھی جلوس کے ساتھ تھے



چل رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جلوس دُور نکل گیا۔ اور آپ جاگ گئے۔ اسی دوران اچانک حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ خواجہ عبدالکریم صاحب ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حنیف صاحب کے ہاں قیام کے بعد گاندربل تشریف لے گئے۔ گاندربل میں قبلہ سخی صاحب کے ہاں پہنچے۔ تو سخی صاحب سے فرمانے لگے کہ خراسان کی جانب سے ایک قافلہ کشمیر میں داخل ہو چکا ہے ہم نے اس قافلہ کو دیکھا ہے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم خواجہ عبدالکریم صاحب کو لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ وائل گاؤں سے آگے پہاڑ کے دامن میں اتر چکا تھا۔ یہ قافلہ چینی ترکستان سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ روسی کمیونسٹ حکومت نے محض اس بنا پر کہ ان لوگوں نے اسلام سے تعلق اور اسلامی تمدن ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ ان پر شدید مظالم ڈھاتے۔ یہاں تک کہ یہ مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ قافلہ تقریباً چالیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ جو اپنا وطن چھوڑ کر ہمالیہ کے پہاڑوں کے طویل سلسلہ میں سرگرداں پھرتا رہا۔ جگہ جگہ روسی اُن پر حملہ آور ہوتے رہے۔ روسی حملوں۔ اور دشوار گزار راستوں میں سفر کی وجہ سے قافلہ کے ہزاروں مسلمان ہجرت کے دوران شہید ہو گئے۔ اور قافلہ کے اکثر قبیلے منتشر حالت میں بکھر گئے۔ ان میں چند قبیلے بچ کر کشمیر کی حدود تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہونے پر ریاست کی ڈوگرہ حکومت نے انہیں سرحد پر روک دیا۔ مبادا۔ یہ مسلمان کشمیر میں داخل ہو کر مستقل سکونت اختیار کریں۔ جس سے انہیں خطرہ محسوس ہوا۔ مسلمانان کشمیر ان کی شمولیت سے قوت میں آ کر حکومت کا تختہ الٹ نہ دیں۔ اس وقت کشمیر میں تحریک آزادی چل چکی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے کشمیریوں کے حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔ دوسرے حکومت برطانیہ کو بھی علم ہو چکا تھا۔ کہ یہ لوگ روسی حکومت کے باغی باشندے ہیں۔ انہیں ریاست میں پناہ دینے۔ یا حکومت ہند میں پناہ دینے پر روسی حکومت ناراض نہ ہو۔ ڈوگرہ حکومت نے قافلہ کو واپس بھیجنے کی کوشش کی۔ مگر قافلہ نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ حدود کشمیر میں داخل ہونے پر بضد ہو گیا۔ احتمال تھا کہ اس صورت میں ڈوگرہ حکومت کی سرحد پر فساد پیدا ہو جاتا۔ اس لیے ڈوگرہ حکومت نے اس شرط پر کہ اپنے تمام ہتھیار حکومت کے حوالے کر دیں۔ انہیں کشمیر کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ قافلہ کے لوگوں کے

پاس۔ روسی ساخت کی بندوقیں۔ اور آؤنٹ۔ بھیڑیں۔ گھوڑے اور گھریلو سامان میں قالین اور دوسرا سامان ساتھ تھا۔ چنانچہ قافلہ والوں نے اپنی رائفلیں حکومت کے حوالے کر دیں۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہو کر ان کا ابتدائی پڑاؤ واکل گاؤں میں ہوا۔ حضور قبلہ عالم قافلہ کے ابتدائی کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اور بذات خود قافلہ کی بے سرو سامانی کا مشاہدہ کیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور بے حد متاثر ہوئے۔ واپسی پر ہر شخص کو قافلہ کے لوگوں کے لیے عطیات فراہم کرنے کا حکم دیا۔ شہر کے لوگوں کو بھی قافلہ کے پہنچنے کا علم ہوا۔ تو شہر کے لوگوں نے بھی عطیات جمع کرنے شروع کیے۔ شیخ محمد عبداللہ کو بھی قافلہ کے متعلق علم ہوا۔ تو انہوں نے ملک بھر میں جگہ جگہ جلسے کر کے عوام کو قافلہ کے لیے عطیات فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تمام شہر میں لوگوں نے کپڑے۔ راشن۔ پکی پکائی روٹیاں۔ نقدی۔ جنس جمع کر کے قافلہ والوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ لیکن ان غیور مومن مہاجرین نے اپنی بھیڑیں۔ گھوڑے اور قیمتی سامان فروخت کر کے اپنی ضرورتیں پوری کیں۔

کشمیر میں داخل ہونے کے بعد۔ حضور قبلہ عالم بار بار گھر سے تشریف لا کر قافلہ کے حالات کا معائنہ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ حضور قافلہ میں کسی خاص شخصیت کو تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ قافلہ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کے دامن میں گزرتے ہوئے قصبہ بانڈی پورہ کے قریب ایک گاؤں میں پہنچا۔ ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب۔ جناب ارسلان خان صاحب بھی تھے۔ فرمانے لگے ہم نے قافلہ کو دیکھنے کے لیے بانڈی پورہ جانا ہے۔ قصبہ بانڈی پورہ شہر سے تقریباً تیس میل دور تھا۔ بانڈی پورہ کا راستہ شاہراہ کشمیر پر شہر سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر دائیں طرف الگ ہو کر جاتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن شہر کے اور بھی چند مرید حضور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بانڈی پورہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ کر باقی مرید واپس شہر کی طرف رخصت ہو گئے۔ حضور نے اس غلام کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ سب لوگ موٹہ کار میں یہاں تک آئے تھے۔ آگے راستہ کچا تھا۔ موسم سردی کا تھا۔ بارش بھی ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے حضور نے باقی مریدوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔ مگر مجھ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آگے بھی راستہ طویل تھا۔ رات اسی مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ ہوا۔ چنانچہ خواجہ عبدالکریم صاحب



کی ہمیشہ کے گھر ٹھہرے۔ حضور قبلہ عالم کو قافلہ کے لوگوں کا بے حد فکر تھا۔ کہ کھلے میدان میں بارش اور برفباری میں انہیں بے حد تکلیف کا سامنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ بارش نے شدت اختیار کی۔ جوں جوں بارش تیز ہونے لگی۔ حضور کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ حضور بار بار بارش بند ہونے کی دُعا فرماتے۔ لیکن عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ کہ جب بھی حضور بارش بند ہونے کی دُعا فرماتے۔ بارش میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت عشاء کے بعد نصف رات تک رہی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ حضورؐ کے دُعا کرنے پر بارش بند ہونے کی بجائے اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ مراقبہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ قافلہ کے مقام پر ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ اسی حالت میں کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر پڑی تو دیکھا کہ پہاڑوں پر اتنی برف پڑی ہے کہ اونچے درخت بھی برف میں دب گئے۔ آپ سے اس کیفیت کی تفصیل پوچھی گئی تو فرمایا کہ آج حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈوگرہ ہمارا جہ کو حکم ملا ہے۔ کہ روسی حکومت کی ناراضگی کے مد نظر۔ قافلہ کے لوگوں کو واپس روسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔ کشمیر سے نکل کر قافلہ حکومت ہند میں داخل ہوگا۔ حکومت برطانیہ روسی حکومت کی ناراضگی مٹول لینا نہیں چاہتی۔ اس لیے انہیں واپس روسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں۔ اس سبب برفباری سے پہاڑی راستے مسدود کر دیئے گئے۔ اب ان کے واپس کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ لہذا یہ قافلہ آگے ہی بڑھنا جائے گا۔ ان میں ایک مخصوص ہستی شامل ہے۔ جسے فلسطین۔ شام اور مدینہ منورہ تک سفر کرنا ہے۔ ہم اسی ہستی کو دیکھنے قافلہ تک پہنچتے ہیں۔ دوسرے دن صبح ہم بانڈی پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارش کی وجہ سے راستہ خراب تھا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم اور خواجہ عبدالکریم صاحب کے لیے دو گھوڑے فراہم کیئے گئے۔ باقی پیدل روانہ ہو گئے۔ دوپہر کے قریب گاؤں پہنچے۔ جہاں پہاڑ کے دامن میں قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کو حضور قبلہ عالم کی منشا پر قافلہ کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ اٹار راہ میں عجیب واقعات دیکھنے میں آئے۔ گاؤں کے قریب پہنچنے والے تھے۔ حضور قبلہ عالم آگے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپ کے پیچھے خواجہ عبدالکریم صاحب ان کے پیچھے باقی پیدل جا رہے تھے۔

## نور الدین صوفی فرماتے ہیں

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں قافلہ کی اس بزرگ ہستی کو دیکھ کر سجدہ کر دوں۔ ساتھ ہی حضور قبلہ عالم کا تصور سامنے آیا۔ تو چلتے چلتے ایک تخت زمین سے اُچھل کر چاروں شانے چت ہو کر گرا۔ گرتے ہی سنبھلا۔ سمجھ میں نہ آیا۔ کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ ارسلان خان چلتے چلتے فرمانے لگے۔ ہاں ہاں۔ ادھر ادھر نہ دیکھ۔ پیر کی طرف نظر رکھ۔ ورنہ ٹھوکر کھائے گا۔ بات میری سمجھ میں آگئی۔ حضور قبلہ عالم نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فرمانے لگے۔ نور الدین۔ آگے آؤ۔ ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔ میں دوڑا۔ اور گھوڑے کے ساتھ ساتھ آپ کی رکاب تھامے چلنے لگا۔ یہاں اس وقت ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھتا ہوں جیسے بادلوں کے بیچ میں سے سورج کی شعاعیں قافلہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ تمام قافلہ نور کے سایہ میں پٹا ہوا نظر آیا۔ اسی عالم میں مشاہدہ کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ قافلہ کے ساتھ روضہ مدینہ منورہ ملتی ہے اور روضہ شریف کے صحن میں قافلہ کے لوگ میتیں لالا کر جمع کر رہے ہیں۔ ہوا یہ کہ قافلہ کا طویل مدت سفر اور سفر کی جانکاہ مصائب۔ خوراک کی ناہمواری اور سرد موسم کی وجہ سے۔ لوگ بیمار ہو گئے۔ علاج میسر نہ آنے کی وجہ سے اموات ہونے لگیں۔ جنہیں اسی گاؤں میں دفن کیا جاتا۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے کیفیت بیان کی۔ آپ بہت متاثر ہوئے۔ فرمانے لگے اس مقدس قافلہ میں وفات پانے والے لوگ شہید ہیں۔ ان کی رُوحیں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو رہی ہیں۔ کیمپ میں پہنچ کر عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں حضور تشریف لے گئے۔ آپ سے قافلہ سے متعلق حالات دریافت فرمائے۔ عبدالکریم صاحب نے چائے پلائی۔ فارغ ہو کر حضور کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اور اُس مخصوص ہستی کی تلاش میں ان کے خیمہ پر پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اسی وقت وہ خیمہ سے نکل کر کسی طرف نکل گئے۔ ہم نے ان کی تلاش کی۔ مگر جہاں بھی جائیں۔ تو معلوم ہو۔ ابھی یہاں سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اسی تلاش میں وقت کافی گزرا۔ مگر وہ ہستی سامنے نہ آئی۔ آخر حضور قبلہ عالم واپس عبدالکریم



صاحب کے خیمہ میں تشریف لاتے۔ یہاں سے ہم قصبہ بانڈی پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ قصبہ میں محمد حنیف صاحب ریجر تبدیل ہو کر آتے تھے۔ وہ بمعہ اہل و عیال یہاں مقیم تھے۔ ہم سب اُن کے گھر پہنچے۔ رات آرام سے گزاری۔ دوسرے دن صبح خواجہ عبدالکریم صاحب واپس گھر رخصت ہو گئے۔ چاشت کے قریب حضور قبلہ عالم نے کیمپ میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کے لیے ایک گھوڑا فراہم کیا گیا۔ اور باقی محمد حنیف صاحب۔ ارسلان خان اور راقم پیدل کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیمپ میں پہنچ کر ہم نے عبدالکریم صاحب کے خیمہ میں قیام کیا۔ حضور قبلہ عالم پھر قافلہ میں اس ہستی کی تلاش میں گئے مگر آج بھی ایسا ہی ہوا۔ کہ اس ہستی نے خود کو چھپایا۔ اور ہمیں اُن سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ دوپہر کے قریب ہم پھر واپس بانڈی پورہ حنیف صاحب کے گھر آ گئے۔ دوسرے دن ارسلان خان صاحب کو بھی حضور قبلہ عالم نے رخصت کر دیا۔ اور میں حضور کی خدمت میں ان کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ چار دن حضور قبلہ عالم نے محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ ان دنوں حضور مصروف رہے۔ میں نے عرض کی کہ میں بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے بعد از مغرب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دی۔ تو میں نے ایک ہستی کو دیکھا۔ میں مشاہدہ کی کیفیت حضور سے بیان کرتا رہا۔ لیکن اس ہستی کی شکل مجھے نظر نہ آئے۔ میں کوشش کروں تو ایک عظیم نور کی شعاع مجھ پر پڑے۔ تو میں انکی شکل نہ دیکھ سکوں۔ جب بھی میں انہیں پہچاننے کی کوشش کروں تو مجھ پر نور کی بجلی پڑ جاتے۔ تو میں کچھ دیکھ نہ سکا۔ چار دن مسلسل میں کوشش کرتا رہا۔ اس دوران حضور مجھ پر توجہ ڈالیں۔ مگر میں سوائے نوری شعاع کے اور کچھ نہ دیکھ سکوں۔ مسلسل مراقبہ سے میں نے بے حد تھکان محسوس کی۔ جیسے میرا بدن ٹوٹ گیا ہو۔ ایک دن صبح حضور قبلہ عالم باہر تشریف لائے میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تو عجیب کیفیت محسوس ہوئی۔ میں حضور قبلہ عالم کی پیٹھ دیکھتا ہوں۔ اور مجھے خود اپنا وجود محسوس ہوا۔ جیسے میرا ہاتھ حضور کے ہاتھ کے مشابہ ہے۔ اس وقت میری داڑھی نہیں تھی۔ مگر منہ پر داڑھی محسوس ہوئی۔ میں منہ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو میرے ہاتھ میں داڑھی محسوس ہو۔ میں اپنے آپ کو پیر صاحب کی ہیئت میں محسوس کروں۔ اس کیفیت



سے میں گھبرایا۔ میرا ابتدائی دور تھا سلسلہ میں داخل ہوتے۔ مگر یہ کیفیت حضور کے سامنے بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شاید مجھ میں کوئی خامی پیدا ہوتی ہو۔ شام جب حضور نے مجھے مراقبہ میں بٹھایا۔ تو پھر ایسی ہی کیفیت محسوس ہوئی۔ اور مراقبہ میں بھی خود کو حضورؐ کی شکل میں دیکھتا ہوں۔ مجبوراً میں نے یہ کیفیت حضورؐ سے عرض کی فرمانے لگے۔ ”بے وقوفا“ یہ لفظ حضور کا میرے لیے شفقت و پیار سے بھرا ہوا خطاب تھا، تجھے علم نہیں۔ اسے ”فنائے شیخ کہتے ہیں۔“ یہ اچھی علامت ہے۔ تم پر ہماری توجہ کا یہ اثر ہے۔ مراقبہ میں مہدی علیہ السلام کی نوری توجہ کا بھی تم پر اثر ہوا ہے۔ اس وجہ سے تم فنائے شیخ کی کیفیت مشاہدہ کر رہے ہو۔ یہ سن کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میری دانست میں تو سا لہا سال مجاہدہ کے بغیر ایسی کیفیت کا میسر آنا ممکن نہ تھا۔ مگر یہاں حضور قبلہ عالم کی چند ساعت صحبت سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔ جس کا میں خود کو اہل ہی نہ سمجھ سکتا تھا۔

ایک ہفتہ گزرا۔ قافلہ نے اپنا سامان سمیٹا اور آگے کی طرف روانہ ہوا۔ آگے آگے قافلہ کے سردار گھوڑوں پر سوار۔ اپنے روانتی لباس۔ چنچہ اور سر پر چورو بالوں والی ٹوپیاں کی ٹوپیاں سجائے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے باقی قافلہ کے لوگ کوئی سوار اور کوئی پیدل بھیڑیں اور اونٹ لے کر جانے لگے۔ حضور قبلہ عالم بھی سر راہ قافلہ کو دیکھتے رہے۔ جس وقت قافلہ کے سردار گزر رہے تھے۔ تو حضور فرمانے لگے۔ نور الدین۔ چلو اب واپس ڈیرے پر چلتے ہیں۔ وہ ”جوان“ (مخصوص ہستی) ابھی سامنے نہیں آتا۔ ہمارے سامنے سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے آگے چلا گیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد حنیف صاحب نے دو گھوڑے فراہم کیے۔ اور ساتھ ہی ایک خدمت گار دیا کہ ہمیں چھوڑ کر گھوڑے واپس لائے۔ دس میل کے فاصلہ پر پڑا اتر ا ہوا تھا۔ جہاں حضور قبلہ عالم ٹھہرے۔ اور قافلہ میں گئے۔ قافلہ کے سب سردار حضور سے ملے۔ حضور نے ان سے مختصر گفتگو کی۔ اور کچھ حالات پوچھے اور ان سے رخصت ہو کر ہم آگے روانہ ہو گئے۔ سوپور سے کچھ فاصلہ ادھر۔ حضور نے گھوڑے واپس کر دیئے۔ اور ہم پیدل سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ قصبہ سے کچھ دور ہمیں ”تانگہ ملا۔ ہم تانگہ پر بیٹھ کر بازار کی طرف چلے۔ حضور تانگہ پر آگے بیٹھے تھے۔ میں تانگہ کے



پچھلے حصہ پر بیٹھا تھا۔ سامنے سے ایک الف ننگا فقیر آ رہا تھا۔ وہ حضور کی طرف دیکھتا رہا۔ حضور نے مجھ سے پوچھا۔ نور الدین — دیکھو یہ ننگا آدمی — دیوانہ ہے۔ یا فقیر مجذوب ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور یہ تو بالکل ننگا ہے۔ صاف پاگل نظر آ رہا ہے۔ ویسے میرا استنجا نہیں۔ میں مراقبہ کر نہیں سکتا — فرمایا ہم جو کہہ رہے ہیں تم مراقبہ کرو تو ہسی۔ میں نے تانگہ پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا — تو دیکھا یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ اور سبز لباس پہنے خوبصورت لگ رہا ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ حضور یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ یہاں تو اس نے سبز لباس پہنا ہے۔ فرمانے لگے۔ ”ہاں یہ ولی ہے۔“ یہ شخص اس علاقہ کا محافظ ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ میں قافلہ کے انتظار میں گشت کر رہا ہے۔“ دراصل ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے تھے۔ کہ آیا تمہارا مشاہدہ حقیقی ہے۔ یا اس میں خیالی تصور بھی شامل ہے۔ اب تم رفتہ رفتہ پختہ ہو رہے ہو۔ دیکھا تم نے! — تم تو کہتے تھے۔ استنجا نہیں ہے۔ اس حال میں بھی تمہارا مشاہدہ صاف رہا۔ ارے! اجلاس کا تعلق روح و روح رحمانی سے ہے۔ جسم کا مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جسم مشاہدہ میں حائل ہوتا ہے۔ اس کے لیے تزکیہ ہوتا ہے۔ اتنے دنوں توجہ سے اس کی رکاوٹ دور ہو گئی۔ مشاہدہ کے لیے قلب کا پاک ہونا شرط ہے۔ قلب خواہشات نفسانی ترک کرنے سے صاف ہو جاتا ہے۔ ”یہ حق کا آئینہ ہے۔“ اس پر عکس آیا تو پھر جسمانی کثافت مشاہدہ میں حائل نہیں ہوتی۔“ ہاں! میں کہتا ہوں ضرور حائل ہوتی ہے۔ فقرار نے اس جسم کی کثافت کو کچلنے کے لیے عمریں ضائع کیں۔ مگر ہمارے پیر اکمل — حضور خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کے محبوب کی ہی یہ خصوصیت ہے۔ کہ آپ کے مرید کسی بھی حالت میں ہوں۔ ان کا مشاہدہ ہر حال میں جاری رہتا ہے۔ حضور قبلہ عالم بازار تشریف لائے۔ مجھے کرایہ دیا۔ لاری پر بٹھا کر رخصت کر دیا۔ اور میں نعمتوں سے مالا مال گھر لوٹ آیا۔ حضور قبلہ عالم گھر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ یہ مخصوص قافلہ۔ قصبہ سوپور سے ہوتا ہوا۔ پہاڑی کے دامن۔ قصبہ بارہمولہ سے آگے اڈھی۔ چناری۔ گڑھی دوپٹہ ہوتا ہوا منظر آباد پہنچا۔ منظر آباد قیام کے دوران ایک بار پھر خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر بھی قافلہ دیکھنے گئے۔ یہ سفر آپ کا باطنی حکم کے تحت تھا۔ کیونکہ حضور اس دوران گھر کی مصروفیات میں مصروف تھے۔ اس لیے اپنے قائم مقام

خواجہ صاحب کو قافلہ کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا۔ خواجہ صاحب کے بعد ایک بار جناب قبلہ سخی صاحب بھی قافلہ دیکھنے کے لیے گئے۔ منظر آباد پہنچ کر آپ نے عبد الکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے کیمپ میں قیام فرمایا۔ عبد الکریم صاحب نے ایک ترجمان کو قبلہ سخی صاحب کے ساتھ دیکر قافلہ میں بھیجا۔ آپ سیدھے اس مخصوص ہستی کے خیمہ پر گئے۔ انہوں نے آپ سے ملنے میں تاہل نہ کیا۔ قبلہ سخی صاحب کو دیکھ کر نہایت محبت سے پیش آئے۔ ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ مگر آپ نے اپنی کچھ تفصیل بیان نہ کی۔ تاہم قبلہ سخی صاحب نے آپ سے اپنی خود نوشت تحریر (آٹو گراف) کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا میں اُمتی ہوں۔ قبلہ سخی صاحب نے اصرار کیا کہ اپنے دست مبارک سے کاغذ پر کچھ لکھ کر دیں۔ آپ نے کاغذ قلم لیا۔ ایک لمحہ توقف کیا۔ اور کاغذ پر لکھ دیا۔ کاغذ پر لکھا تھا۔ ”شاہ مردان“۔ یہ آپ کا اسم مبارک تھا۔ قبلہ سخی صاحب فرماتے ہیں کہ لکھتے وقت آپ کے چہرے کی کیفیت جلالا محسوس ہوئی۔ اور ماتھے پر پسینہ کے قطرے نظر آئے۔ قبلہ سخی صاحب نہایت ہی خوش ہوئے۔ اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے بھی نہایت شفقت و پیار سے قبلہ سخی صاحب کو دیکھا۔ قبلہ سخی صاحب یہ نوشتہ لے کر واپس تشریف لائے۔

کچھ دن گزرے حضور قبلہ عالم ایک بار پھر شہر تشریف لائے۔ خواجہ عبد الکریم صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ فرمانے لگے۔ ہم نے منظر آباد قافلہ دیکھنے جانا ہے۔ چنانچہ آپ بمعہ خواجہ صاحب منظر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے عبد الکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے۔ عبد الکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے۔ شاہ مردان کے متعلق کچھ شبہات کا ذکر کیا۔ کہ وہ کیمپ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یا کہیں چھپے رہتے ہیں۔ عبد الکریم صاحب پر شاہ مردان کی شخصیت واضح ہو چکی تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم ان سے ہر بار ملنے کی جستجو میں ملتے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ گو وہ ان کی شخصیت کا احترام کرتے تھے۔ مگر اس دفعہ ان کے دل میں شبہات نے جگہ لی تھی۔ اندرون دل ان کے احترام میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے سامنے اپنے قلبی تاثرات بیان کرنے کی



جرات نہ کر سکے۔ اور یہ بات درست تھی۔ کہ شاہ مردان نے ایسی حرکات کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہ جس سے ان کی شخصیت کے متعلق شبہات کا اظہار ہوتا تھا۔ حضور قبلہ عالم شاہ مردان سے ملاقات کے لیے اُن کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ مگر وہ خیمہ میں موجود نہ تھے بلکہ کریم صاحب نے کہا کہ وہ کیمپ سے باہر چلے نہ گئے ہوں۔ ہمیں ان کی نگرانی پر زیادہ فکرمند رہنا پڑتا ہے۔ کہیں وہ کیمپ چھوڑ کر کسی طرف نکل نہ جائیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔ وہ یہیں کہیں ہوں گے۔ حضور اکیلے آگے نکلے۔ تو شاہ مردان کو ایک چٹان پر بیٹھے محویت میں دیکھا۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ یہ ایک اچانک موقع تھا۔ جو ہم نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔ کہ عرش سے نور کا ایک دھارا۔ ان پر متجلی ہے۔ اور وہ اسی نور میں غرق محویت کے عالم میں ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جو نہیں ہم اُن کے قریب پہنچے۔ تو وہ اچانک جیسے خواب سے بیدار ہو گئے۔ نور کی تجلی غائب ہو گئی۔ اور شاہ مردان بغیر ملے ایک طرف نکل گئے۔ حضور قبلہ عالم کو بھی یہ حرکت ناگوار گزری۔ آپ نے افسوس کیا۔ اور واپس عبدالکریم کے خیمہ میں تشریف لائے۔ گو حضور یہ جانتے تھے کہ یہ شخص خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے اس معاملہ میں خاموشی اختیار فرمائی۔ عبدالکریم صاحب نے بتایا۔ کہ اب قافلہ کے لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہمیں انہیں پکڑ کر لانا پڑتا ہے۔ ہم پر بہت ذمہ داری ہے کہ جب تک یہ قافلہ کشمیر کی حدود سے نکل کر حکومت ہند میں داخل نہ ہو۔ ہم ان کی نگرانی کریں۔ جب ہم انہیں پکڑ کر لاتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کسی کام سے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقتاً فرار ہو کر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ امر عبدالکریم کے صاحب کے شبہ کو تقویت دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو دیکھ کر وہ گو مگو حالت میں تھے۔ کہ سچ کیا ہے۔ اور جھوٹ کیا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کچھ نہ کہا۔ رات کیمپ میں قیام فرمایا۔ صبح ہوئی۔ تو خواجہ عبدالکریم صاحب نے حضور قبلہ عالم سے اس رات کا ایک خواب بیان کیا۔ آپ نے عرض کی۔ کہ آج رات ہم نے دیکھا۔ ہم سب خیمے میں بیٹھے ہیں۔ اور حضور ایک گرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ قافلہ کے سب قبیلوں کے سردار اپنے روایتی

لباس میں خیمہ کی طرف آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عالی جاہ سید محمد نور الزمان شاہ صاحب اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں۔ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ تشریف لارہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کے قریب پہنچے تو آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ عالی جاہ شاہ صاحب بھی حضور سے عزت سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مردان کو بلا کر حضور سے ملایا۔ انہوں نے مصافحہ کیا۔ اور بہتے ہوئے بغلیگر ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کرسی پر جگہ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ مردان سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا۔ محمد امین صاحب آپ کے قافلہ کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ آپ ان سے ملنے میں تامل کرتے ہیں۔ اور آج بھی آپ نے انہیں رنجیدہ کر دیا۔ یہ آپ کے حال سے واقف ہیں۔ ان سے پوشیدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر شاہ مردان نے عرض کی کہ ہم افشائے راز کے اندیشے کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ ابھی خواب کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہ بعینہ خواب میں دیکھی کیفیت کے مطابق سامنے سے قافلہ کے سردار روایتی لباس میں اکٹھے ہو کر خیمہ کی طرف آرہے ہیں۔ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ آرہے ہیں۔ خیمہ کے قریب پہنچے تو شاہ مردان آگے بڑھے اور حضور قبلہ عالم کو السلام علیکم کہہ کر بغل گیر ہو گئے۔ ہاتھ چومے حضور نے انہیں کرسی پر بٹھایا۔ اور باقی سرداروں کو بھی بٹھایا۔ اس وقت ترجمان بلایا گیا۔ ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ شاہ مردان کچھ منفعل نظر آتے تھے۔ جیسے وہ اپنی حرکت پر نادم تھے حضور قبلہ عالم نے اشارۃً اصل کیفیت کا اظہار فرمایا۔ شاہ مردان خاموش رہے۔ اس کے بعد حضور نے سرداروں سے تفصیل حالات سنے۔ حضور نے ان سے آئندہ سفر کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا۔ فی الحال ہم کشمیر کی حدود سے نکل کر برطانیہ کی حکومت میں جائیں گے۔ آگے دیکھتے ہیں۔ وہاں ہم سے کیا سلوک ہوگا۔ ویسے ہمارا ارادہ اسلامی ممالک میں جانے کا ہے۔ یہ محض حد درجہ خوش آئند و خوشگوار رہی۔ آخر سب رخصت ہو کر اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

آئندہ پروگرام کے مطابق قافلہ نے صوبہ سرحد — ضلع ہزارہ میں داخل ہونا تھا۔



اس سے قبل کہ قافلہ صوبہ سرحد کی طرف بھیجا جاتا۔ ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ کہ مظفر آباد قیام کے دوران جو خوراک حکومت کی طرف سے قافلہ والوں کو ہتیا کی جاتی تھی۔ اس میں چونا اور زہریلے مادہ کی ملاوٹ کی گئی۔ جس سے قافلہ کے اکثر لوگ بیماری اور موت کا شکار ہو گئے۔ علاوہ ازیں طویل سفر کی پابندی کے باعث لوگوں میں اضطراب پھیلا۔ پریشانی کے عالم میں لوگ گھبرا کر کیمپ سے بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ قافلہ میں بہت سے لوگ رات کے اندھیرے میں قافلہ سے الگ ہو کر جس طرف رُخ ہوا بھاگنے لگے۔ یہ صورت حال عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے لیے تشویش کا سبب بنی۔ آپ نے قافلہ پر پابندی سخت کر دی۔ اور پولیس کی نگرانی بھی سخت کر دی۔ قافلہ سے جو لوگ بھاگنے کی کوشش کرتے۔ انہیں پکڑ کر واپس لایا گیا۔ یہ سختی قافلہ والوں کے لیے مزید پریشانی کا سبب بن گئی۔ اس طرزِ عمل سے قافلہ والوں اور پولیس کے درمیان نفرت پیدا ہو گئی۔ عبدالکریم صاحب بھی اس طرزِ عمل سے متاثر ہو گئے۔ اور جو تقدس قافلہ کے متعلق آپ کے دل میں تھا۔ وہ نفرت میں بدل گیا۔ ایک دن علی الصبح شاہ مردان کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ (غالباً رفع حاجت کے لیے جاتے ہوں گے) پولیس والوں نے اس شبہ پر کہ یہ بھی فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں پکڑ کر عبدالکریم صاحب کے پیش کر دیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ تو شاہ مردان نے کہا کہ ہم رفع حاجت کے لیے کھیتوں میں جا رہے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے دل میں نفرت کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ انہوں نے شاہ مردان کے قول کو جھوٹ پر محمول کیا۔ اور انہیں بغیر اجازت کسی طرف جانے کے لیے پابند کر دیا۔ اس طرح عبدالکریم صاحب کا عقیدہ حضور قبلہ عالم پر بھی متزلزل ہو گیا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم دوبارہ مظفر آباد تشریف نہ لائے۔ یہاں تک کہ قافلہ مظفر آباد سے روانہ ہو کر صوبہ سرحد میں داخل ہو گیا۔ قافلہ نے ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ضلع ہزارہ کے لوگ فطرۃً غیور۔ اسلام دوست اور مہمان نواز واقع ہوئے۔ یہاں کے لوگ قافلہ کی تباہ حالی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہاں کے لوگوں نے قافلہ والوں کی سید خدمت کی۔ انہیں بہترین غذا۔ پلاؤ۔ گوشت اور ہر قسم کی سہولت ہتیا کی۔ بیماروں کے علاج



کے لیے بھی ہر قسم کی سہولیات ہتیا کر دیں۔ جس سے قافلہ والوں کو آرام و سکون میسر آیا۔ قافلہ والوں پر اگرچہ حکومت کی طرف سے پولیس متعین تھی۔ لیکن مسلمانوں کا قافلہ والوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک دیکھ کر ان پر پابندی نرم کر دی گئی۔ لوگ آسانی سے ادھر ادھر گھومنے لگے۔ قافلہ میں بعض لوگوں نے معمولی کاروبار شروع کیا۔ اپنی بنائی ہوئی اشیاء اور دوسری ضرورت کی اشیاء کی خرید و فروخت شروع کر کے اپنی ضروریات خود حاصل کرنے لگے حکومت ہند نے انگریز افسر قافلہ کے حالات جاننے کے لیے بھیجے۔ انہیں قافلہ کے حالات معلوم ہوئے۔ کہ یہ قافلہ بے سرو سامانی کے عالم میں تباہ حالی کا شکار ہو چکا ہے۔ لہذا حکومت نے قافلہ پر سے یکسر پابندی اٹھائی اور انہیں ان کی مرضی پر جہاں چاہیں سکونت کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ قافلہ کے قبائل اسلامی حکومتوں میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لیے حکومت نے ان پر سے پابندی ہٹالی۔ قافلہ کے لوگوں کو جب ضلع ہزارہ میں آسائش ملی۔ تو ان میں سے بعض لوگ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں میں مقیم ہو گئے۔ اور ان علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں پشاور میں حکومت انگریز کے ایک پولیس افسر شہزادہ محمود بیگ تھے۔ آپ ترکی عثمانی مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ قافلہ والوں کی زبان جانتے تھے۔ آپ نے قافلہ والوں کے حالات دیکھے۔ تو انہوں نے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کر کے حکومت ترکیہ کو قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں بسانے پر آمادہ کر لیا۔ حکومت ترکیہ نے قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ قافلہ سے بہت لوگ ترکی چلے گئے۔ اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور باقی قافلہ میں۔ عثمان خان قبیلہ کے سردار اور ایاس خان اور چند اور سرداران قبیلہ نے افغانستان۔ ایران کے راستہ آگے نکل

---

لے میرے قیام پاکستان (ریسٹ آباد) پر محمود بیگ موصوف کے فرزند شہزادہ کمال بیگ اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد سلسلہ ادیبیہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھتے رہے شہزادہ کمال بیگ حضور نبی اجلاس محمدی ہوئے۔ ان کی اہلیہ۔ نیچے۔ والدہ۔ ہمیشہ ان درود خوان سلسلہ کے عقیدت مند ہیں۔ اسی سلسلہ میں جناب شہزادہ محمود بیگ سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ ہی سے اس قافلہ کے متعلق واقعات سننے میں آئے۔



جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ قافلہ نے ایبٹ آباد سے نکل کر حسن ابدال - ٹیکسلا پہنچ کر خان پور  
میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اس قافلہ میں شاہ مردان بھی شامل تھے۔

ایک دن پھر حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ اور قبلہ سخی صاحب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔  
قبلہ سخی صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے خان پور - ٹیکسلا قافلہ میں جانے  
کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے بھی حضور قبلہ عالم سے ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ لیکن آپ  
نے مجھے ساتھ لے جانے سے قطعی انکار فرمایا۔ میں بید غمزدہ ہوا۔ قبلہ سخی صاحب سے سفارش  
کرنے کے لیے کہا۔ سخی صاحب نے بھی میرے لیے بہت زور دیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔  
ہم نور الدین کو اپنے ساتھ لے جانے پر تیار نہیں۔ تم ساتھ رکھتے ہو۔ تو اپنی ذمہ داری پر ساتھ  
لے چلو۔ میں جانے پر بضد تھا۔ آخر میں بھی حضور کے ہمراہ تیار ہو گیا۔ سری نگر سے روانہ ہو کر  
دوسرے دن ہم ٹیکسلا پہنچے۔ ٹیکسلا سے پیدل خان پور پہنچے۔ جہاں عثمان خان - الیاس خان  
سردار اپنے قبیلہ کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ اس کے ساتھ ہی شاہ مردان کا خیمہ بھی لگا ہوا تھا۔  
قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھا چند دنوں میں ہی یہاں قبرستان بن چکا تھا۔ قافلہ کے بہت  
سے لوگ وفات پا چکے تھے۔ جنہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا رہا۔ ہمارے پہنچتے پر بھی۔ لوگ ایک  
میت کو دفن کر رہے تھے۔ ہم قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں قافلہ کا ایک آدمی ملا۔  
جو عربی زبان جانتا تھا۔ حضور نے عربی زبان میں اس سے قافلہ کی کیفیت پوچھی اور شاہ مردان  
کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے ان کا پتہ دیا۔ اور ترجمانی کے لیے ہمارے ساتھ آیا۔ اور  
سیدھا شاہ مردان کے خیمہ پر لے گیا۔ آپ خیمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہمیں دیکھ کر فوراً  
خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم سے خوش ہو کر بے غلیگر ہوئے۔ مصافحہ کیا۔ اور  
حضور کے دست مبارک پر بوسہ دیا۔ پھر قبلہ سخی صاحب سے بھی بے غلیگر ہوئے اور ہاتھ چومے۔  
ان کے بعد مجھ سے بھی بے غلیگر ہوئے۔ اور میرے ہاتھ چومے۔ جب میں شاہ مردان سے بے غلیگر  
ہوا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوا۔ کہ میں ایک ایسے وجود سے بے غلیگر ہو رہا ہوں۔ جس کی وسعت  
بہت زیادہ ہے۔ میرے بازو۔ آپ کے جسم کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھ پر حیرت طاری  
ہوئی۔ مگر میں نے اپنی حیرت کو بہت کوشش سے چھپایا۔ ورنہ میرے منہ سے چیخ نکل جاتی۔



شاہ مردان حضور سے حد درجہ عزت و محبت سے پیش آتے اور ترجمان کے ذریعہ تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہے۔ بعد میں شاہ مردان حضور کو ساتھ لے کر ایاس خان کے کیمپ کی طرف چلے۔ اس وقت چلنے کی ترتیب یہ تھی کہ آگے آگے شاہ مردان۔ انہوں نے ڈبل زین کا کوٹ پہنا تھا۔ بلیشا کی قمیض شلوار لگی تھی۔ سر پر سفید لٹھے کی ٹوپی۔ اور پاؤں میں سفید فلیٹ جوتا پہنا تھا۔ ہاتھ میں (غالباً پھتری یا) چھڑی تھی۔ شاہ مردان کے پیچھے حضور قبلہ عالم چل رہے تھے۔ حضور کے پیچھے قبلہ سخی صاحب اور سخی صاحب کے پیچھے میں جا رہا تھا۔ ہم سب اسی ترتیب سے چل رہے تھے۔ تو قبلہ سخی صاحب وجدانی انداز میں سبحان اللہ — سبحان اللہ پکارتے جاتے تھے۔ میں خود حیرت زدہ تھا۔ قبلہ سخی صاحب سے پوچھ نہ سکا۔ آخر ہم ایاس خان کے کیمپ میں پہنچے۔ ایاس خان ہمیں پہچان گئے۔ آگے بڑھ کر پذیرائی کی۔ بنگل گیر ہوئے۔ ہاتھ چومے اور اپنے قریب بٹھالیا۔ باہمی تبادلہ خیال ہوا۔ خیریت پوچھی ایاس خان نے ہمیں قہوہ پلایا۔ جمعہ کا دن تھا۔ ظہر ہو رہی تھی۔ جمعہ کی نماز پڑھی۔ ایاس خان نے امامت کی۔ اس طرح ہمیں قافلہ میں شمولیت سے جمعہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور حضور سے تمام واقعات بیان کیے۔ ایاس خان نے کہا کہ ہم مشرق وسطیٰ۔ شام و مصر تک سر جاری رکھیں گے۔ وقت تھوڑا تھا۔ حضور نے اجازت چاہی۔ ایاس خان تھوڑی دور تک قبلہ عالم کے ساتھ الوداع کہنے آئے۔ ایاس خان کے کیمپ سے چل کر ہم پھر شاہ مردان کے خیمہ تک آئے۔ یہاں بھی تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ شاہ مردان نے بھی بتایا۔ کہ آپ شام۔ فلسطین۔ مدینہ منورہ تک سفر کریں گے۔ آخر شاہ مردان سے رخصت چاہی۔ آپ پھر بنگلگیر ہوئے ہاتھ چومے اور ہمیں رخصت کر دیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر ہم واپس ٹیکسلا۔ جن ابدال سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے۔ شام ہو چکی تھی۔ شدت کی جھوک لگی تھی۔ قبلہ سخی صاحب کی خواہش تھی کہ ہم کسی ہوٹل پر ٹھہریں گے۔ اور کھانا بھی ہوٹل سے کھائیں گے۔ مگر حضور نے ہوٹل پر ٹھہرنے سے منع فرمایا۔ اور ہوٹل سے کھانا بھی کھانے نہ دیا۔ نانائی کی دوکان سے روٹیاں لیں اور دہی کے ساتھ روٹی کھائی۔ ہم نے سالن کی خواہش کی مگر حضور نے بغیر دہی کے اور کوئی چیز کھانے نہ



دی۔ شام کے قریب ایک لاری مل گئی اور ہم اسی رات منظر آباد پہنچ گئے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم شاہراہ کشمیر پر بارہولہ سے آگے سوپور قصبہ کی راہ اپنے دولت کدہ تشریف لے گئے۔ میں اور سخی صاحب سری نگر شہر پہنچ گئے۔ دوران سفر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ منظر آباد سے سری نگر کی طرف ہم لاری میں سوار جا رہے تھے کہ منظر آباد شہر سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر لاری میں بیٹھے بیٹھے اچانک خود بخود میرے ذہن پر ایک خیال ابھرا کہ کیا یہ ایک غیر معروف شخصیت جس کی ظاہری شکل و شباهت سے بھی امام مہدی علیہ السلام ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ امام مہدی ہو سکتی ہے۔ اس خیال کے ابھرنے کے ساتھ ہی مجھ پر ایک سخت غنودگی طاری ہو گئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک تالاب ہے۔ تالاب کے بیچ میں ہی وہ ہستی کھڑی ہے۔ کنارے پر حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں اس ہستی کو سجدہ کروں یا حضور قبلہ عالم کو سجدہ کروں۔ اچانک حضور قبلہ عالم اس ہستی کے قریب آگئے اور دونوں ہستیاں آپس میں بغلیکے ہو گئیں۔ اب دیکھتا ہوں حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ میں نے فوراً انہیں سجدہ کیا۔ بس مجھ پر سے غنودگی ہٹ گئی۔ اس اچانک خیال اور مشاہدہ سے میں حیرت میں آگیا۔ خوفزدہ ہوا۔ کہ یہ کیا کیفیت دیکھنے میں آئی۔ خوف کے مارے میں حضور قبلہ عالم سے بھی کچھ کہ نہ سکا۔ اس کے بعد بات ذہن سے اتر گئی ایک سال گزرا۔ حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف فرما تھے قبلہ سخی صاحب بھی مجلس میں موجود تھے اور بھی مرید موجود تھے۔ ذکر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ہو رہا تھا۔ اس وقت پھر وہ کیفیت ذہن پر آئی۔ میں نے حضور سے یہ کیفیت بیان کی حضور قبلہ عالم سنتے ہی غصہ کی حالت میں فرمانے لگے۔ ہم اس خطرے کے بد نظر تمہیں ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھے کہ تم شک کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ واقعات ابھی صیغہ راز میں ہیں۔ ایسے واقعات میں متفاد کیفیتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن میں عقل شک کا شکار ہو جاتی ہے۔ یا افتائے راز سے جان کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت سخی صاحب نے بھی زیادتی کی۔ تمہارے ساتھ لے جانے پر زور دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی وقت تم حادثہ کا شکار ہو جاؤ گے۔ تاہم مجھے تمہارا ہر وقت خیال رہا۔ تمہاری قسمت اچھی تھی حادثہ سے بچ گئے۔ تمہیں ہماری صحبت

نے بچا لیا۔ کہ بیشتر تم پر انکشافات ہو چکے تھے۔ دیکھو پیر کی راہنمائی میں۔ پیر کے قول پر عمل کیا کرو۔ پیر کے حکم کے خلاف اپنی پسند پر نہ چلا کرو۔ یہ نازک مقام ہوتا ہے جب تک سینہ میں کشادگی اور عقل میں پختگی نہ ہو۔ انسان شک و ظن میں الجھ کر مراتب سے گر جاتا ہے۔

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لاتے۔ تو آپ نے اس سلسلہ میں مشاہدہ کرنے سے باز رکھا۔ مگر ماسٹر غلام محمد اور قبلہ سخی صاحب کبھی کبھی ان کے متعلق مراقبہ میں مبتلے کہ آپ کہاں کہاں سے گزرے۔ قبلہ سخی صاحب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دیتے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق حالات پوچھتے۔ یہاں تک کہ ہم انہیں شام تک دیکھتے رہے۔ ماسٹر غلام محمد نے بھی ان کے شام تک پہنچنے کی خبر دی۔ اس کے بعد انہوں نے بہت کوشش کی مگر انہیں آگے کے حالات مشاہدہ نہ ہو سکے۔ مگر قبلہ سخی صاحب کی توجہ سے میں انہیں فلسطین اور مدینہ منورہ تک دیکھتا رہا۔ آخری بار مجھے قبلہ سخی صاحب نے مراقبہ میں بٹھایا۔ تو میں نے انہیں مدینہ منورہ کے بازار میں کوئی چیز فروخت کرتے دیکھا۔ اس کے بعد مجھ پر قبض طاری ہوا۔ اور میرا مشاہدہ بند ہو گیا۔ پھر یہ تصور ہی ہر ذہن سے خارج ہو گیا۔

اس واقعہ میں ایک باریک نکتہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی کے ظہور ہونے کی شہرت عام پھیل چکی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے۔ چنانچہ اکثر فقراء نے بھی اعلان کیا کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک حضور قبلہ عالم کا قافلہ کو بار بار دیکھنا اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق۔ احادیث بیان کر کے یہ واضح کرنا۔ کہ

إِذَا جَاءَ عَسَاكِرُ مِنْ جَانِبِ الْخَرَسَانِ فَتَجَسَّسُوا فَإِنَّ  
خَلِيفَةَ اللَّهِ الْمُهْدِي فِيهِمْ

حضور اس حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مِنْ جَانِبِ الْخَرَسَانِ۔ خراسان کی جانب سے ایک جماعت ہجرت کر کے نکلے گی۔ پس تجسس کرو اس قافلہ میں خلیفۃ اللہ المہدی ہوں گے۔ یہی وہ قافلہ ہے جسے حضور بار بار خان پور تک



دیکھتے رہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ امام مہدی اس قافلہ میں موجود ہیں۔ لیکن عمر کے لحاظ سے۔ جب کہ سنا گیا ہے۔ کہ ظہور مہدی آپ کی چالیس سال کی عمر میں ہوگا۔ اس حساب سے زمانہ کافی گزر چکا۔ مگر امام مہدی کا ظہور نہ ہوا۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ باوجود فقرار کے اعلان کے وقت پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا۔ گزشتہ زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ زمانہ کے فقرار اکثر وقتوں میں ایسی ہی پیش گوئیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری ظہور مہدی علیہ السلام کا وقت آگے چلا گیا۔ حضور نے عرض کی کہ کیا ہم وہ زمانہ پائیں گے۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ ”شاید“۔ چنانچہ حضور کے زمانہ میں ظہور مہدی کی شہرت عام ہو گئی۔ مگر تا حال ان کا ظہور نہیں ہوا۔ لیکن جہاں تک حضور قبلہ عالم کے تحسّس کا تعلق ہے۔ حضور قبلہ عالم نے اس سلسلہ میں بہت سے انکشافات کیے۔ جن میں قافلہ میں ایک مخصوص ہستی کی نشاندہی فرمائی جس کا تعلق ظہور مہدی علیہ السلام سے ہی تھا۔ اور لوگوں نے یہ باور کر لیا۔ کہ اس قافلہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام شامل ہیں۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جو وضاحت طلب ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی حیات میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔ لیکن یہ امر مسلمہ و محقق ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی حقیقت کو پا لیا۔ جس حقیقت سے بہت کم فقرار آگاہ ہیں۔ وہ ایک کیفیت پاتے ہیں۔ مگر اس کیفیت کی اصل تک ان کا ادراک نہیں۔ حضور قبلہ عالم ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ فصوص الحکم سے بیان فرماتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ایک حقیقی واقعہ ہے۔ جو حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے حضرت امام مہدی علیہ السلام اور ان کے ظہور کے وقت کا علم دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر ایک تجلی وارد ہوئی۔ اور آپ بے ہوش ہو جاتے۔ مات بار آپ نے التجب کی مگر ہر بار آپ پر تجلی وارد ہوتی اور آپ



شدت تجلی سے بے ہوش ہو جاتے۔ چنانچہ ابن عربی نے استدعا کی کہ انہیں ظہور مہدی علیہ السلام کے آثار دکھائے جائیں۔ لہذا آپ نے ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق زمانے کے آثار کی نشاندہی کی کہ زمانہ میں کیسے حالات رونما ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم کے فقراء کا نور مہدی کا مشاہدہ کر کے ظہور مہدی کا اعلان کرنا۔ اور پھر ظہور مہدی نہ ہونا۔ عوام الناس کے لیے شک و ظن کا سبب بنا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ صاحب مشاہدہ فقراء کے نزدیک ظہور مہدی علیہ السلام ایک واقعہ ہونے والی حقیقت ہے۔ لیکن اکثر اس عدم واقعہ ظہور کی اصل علامت کو نہ سمجھنے کے باعث خاموش ہیں۔ اور جب ظہور مہدی علیہ السلام کی اصل حقیقت کو نہ پایا گیا۔ تو خود محققین اسلام نے سبب اس حقیقت کو نہ سمجھنے کے مختلف تاویلیں کیں۔ بلکہ دبی زبان میں۔ اس واقعہ کی نفی کر کے اس حقیقت کو وہم و ظن یا قدما (قدیم) کا اختراعی تصور قرار دیا۔ اور ظہور مہدی

۱۔ اس کیفیت میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظہور مہدی کو اخفا میں رکھنا منظور ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا آپ پر تجلی ڈال کر بے ہوش کرنے کا مقصد اس امر کو اخفا میں رکھنا ہے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ جب میں نے بانڈی پورہ میں حضور سے حضرت مہدیؑ کو دیکھنے کی التجا کی تو مراقبہ میں۔ میرا تصور قافلہ میں اس مخصوص ہستی کی طرف ہوتا۔ جسے حضور قبلہ عالم ملنا چاہتے تھے۔ مگر حقیقتاً حضورؑ کی توجہ سے مجھ پر اصل کیفیت آئی۔ کہ میں ان کے نور (روح) کو ایک عظیم نور کی شکل میں دیکھتا۔ تو ابن عربی پر یہی نور متجلی ہوتا ہو جس سے وہ بے ہوش ہوتے ہوں۔ ظاہراً میرا مشاہدہ۔ فنائے شیخ کی صورت میں تھا۔ اس وجہ سے میرے مشاہدہ میں تجلی پیرا مکمل کے قلب سے ہو کر آتی جس وجہ سے مجھ پر بے ہوشی طاری نہ ہوتی۔ کیونکہ ابن عربی بذات خود مشاہدہ کرتے۔ اس وجہ سے وہ نور مہدی علیہ السلام کے متحمل نہ ہوتے مگر حضور قبلہ عالم مقام فنا و بقا پر فائز تھے۔ اس لیے آپ پر نور مہدی علیہ السلام کا مشاہدہ آسان تھا۔

۲۔ چنانچہ مفکر پاکستان علامہ اقبال صاحب نے بھی اس عقیدہ کی نفی کی ہے کہ ”مسلمانوں نے یہ عقیدہ ہندو عقیدہ کلنگی ادوار سے لیا ہے۔ حقیقتاً امام مہدیؑ کا ظہور ہونا محض اختراعی نظریہ ہے۔“



علیہ السلام کے تصور کے ساتھ نصاریٰ اور علمائے اسلام (یعنی مقرر) نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا۔ کہ حضرت امام مہدی کے ظہور کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوگا۔ اس حقیقت کو جب کہ قرآن سے اس امر کی شہادت میسر نہیں رسوائے حدیث کے) اس حقیقت میں بھی تاویلات کر کے۔ غلط مفروضہ قرار دیا ہے۔ کہ یہ نظریہ عیسائیوں کے عقائد سے اختراع کیا گیا۔ ورنہ اس امر کی کوئی حقیقت نہیں اس نظریہ کی نفی کو جماعت احمدیہ کے نظریہ نے تقویت دی۔ جب کہ ان کے نزدیک جماعت احمدیہ کے بانی۔ مرزا غلام احمد نے خود کو مہدی موعود۔ اور مسیح موعود قرار دیا۔ تو علمائے اسلام نے اس نظریہ کی ضد میں سرے سے ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کر دی کہ اسلام میں درحقیقت ایسا کوئی نظریہ موجود ہی نہیں۔ دراصل اس نفی کا سبب اصل حقیقت سے عدم واقفیت ہے۔ بلاشبہ قرآنی عقائد و نظریات کی اساس۔ قرآنی شہادت اور حدیث پر ہوتی ہے۔

قرآن میں احکامات ہیں۔ جو واضح ہیں۔ ان احکامات کی تفسیر حدیث سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں قصص رگزشہ انبیاء کے واقعات ہیں جن کی شرح کی ضرورت نہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ کچھ واضح ہے۔ اور کچھ تشبیہی — اس طرح قرآن میں بعض واقعات یکسر متشابہ ہیں۔ جن کی واضح تفصیل قرآن میں بیان نہیں کی گئی۔ بعض کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اور کچھ کی حدیث سے بھی واضح نہیں۔ لہذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کہ قرآن میں دیئے گئے واقعات — نظریات و عقائد — متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں یہاں چند نظریات کا ذکر کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ درحقیقت پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام شعاۃ اللہ۔ آیات سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں آپ کی پیدائش۔ آپ کا صلیب پانا۔ قتل ہونا۔ اور رفع متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس۔ یہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ خروج دجال۔ قیام قیامت۔ اور بعض امور غیب۔ یہ سب متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی نسبت سے ظہور امام مہدی علیہ السلام اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعبیر ہے۔ اور یہ امور مصلحت الہی کے تابع مخفی رکھے گئے ہیں۔ جیسے

قیام قیامت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ ان امور کا از روئے شریعت تسلیم و اقرار جائز ہے۔  
 سوائے اس کے کہ ایسے نظریات عقلی تاویلات سے سمجھنا یا تسلیم کرنا ممکن نہیں اس لیے  
 ظہور مہدی علیہ السلام اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی نوع کے امور سے تعلق رکھتا  
 ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے  
 بھی ثابت ہے۔ درحقیقت اس نظریہ کی نفی کا اصل سبب علمائے اسلام کی اصل حقیقت  
 نہ سمجھنے کے باعث — دوسرے اکثر زمانوں میں فقرار کے اعلان کے باوجود حضرت  
 امام مہدی کا ظہور نہ ہونا اس نظریہ کی نفی کا سبب بھی ہے — یہاں اس نکتہ کو  
 سمجھنا ضروری ہے۔ کہ فقرار کا ظہور مہدی علیہ السلام کا اعلان کرنا۔ ان کے باطنی مشاہد  
 سے متعلق ہے۔ کہ وہ باطناً حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ایک کیفیت کا مشاہدہ  
 کرتے ہیں۔ جو ایک حقیقت ہے۔ مگر ظاہراً اس کا ظہور نہ ہونا — یہی ایک نکتہ ہے۔  
 جس پر عقلی طور احاطہ نہیں کیا جاتا — اس نکتہ کی وضاحت ہم قرآنی آیات کی روشنی  
 میں پیش کریں گے۔

قرآن نے سیرت انبیاء سے متعلق ایک تفصیلی بیان پیش کیا۔ جس میں حضرت عیسیٰ  
 علیہ السلام کی پیدائش کا خصوصی ذکر ہوا ہے۔ ”آیت“

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ  
 تحقیق اللہ نے منتخب کیا۔ آدم کو — نوح کو — ابراہیم و آل ابراہیم کو — اور خصوصاً  
 آل عمران کو تمام لوگوں میں سے۔ (پارہ ۳ - سورۃ ۳ - آیت ۳۳)  
 اس آیت میں آل عمران کی خصوصیت کا ایک مکمل باب قرآن نے پیش کیا۔ اس  
 کی ابتداء آل عمران سے ہی ہوتی ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا  
 فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (پارہ ۳ - سورۃ ۳ - آیت ۳۵)  
 جب کہا عمران کی بیوی نے۔ اے رب میں نذر کرتی ہوں تیرے لیے جو میرے پیٹ میں ہے۔  
 پس تو قبول کر۔ تحقیق تو سننے والا جاننے والا ہے۔



یہ قرآن کا دانستہ بیان ہے جس میں خصوصیتِ آلِ عمران کا اظہار مقصود ہے۔ اس بیان میں ایک نکتہ ہے جس میں خصوصیتِ آلِ عمران پوشیدہ ہے۔ یہ کہ دین موسوی میں لوگ ہیکل کے لیے اپنی نذر مانتے تھے۔ کہ عورت نے نذر مانی۔ تو اس کے لڑکا پیدا ہوتا۔ لڑکا ہیکل والوں کے سپرد کیا جاتا۔ ہیکل کے راہب اس کی تربیت کرتے اور وہ آئندہ صاحبِ مشاہدہ عالم بن کر ہیکل کا عالم بنتا۔ عمران کی بیوی نے نذر مانی تو خلافِ توقع اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

یَمَّا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ج پارہ ۳- سورہ ۳- آیت ۳۶

اس نے کہا کہ خلافِ توقع لڑکی پیدا ہوئی اسے ہیکل میں کیسے نذر میں دیا جائے گا۔ اب قرآن دانستہ طور واقعات کا ذکر کرتا ہے۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنِ اللہ نے اس لڑکی کو ہیکل کے لیے قبول کیا۔ اللہ جانتا ہے کہ اس نے جو کچھ جانا۔ یہ تو اللہ کی مرضی تھی کہ لڑکی پیدا ہو۔ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ۔ اللہ نے خود اس کا نام مریم رکھا۔ یہ کس کے لیے ہوا؟۔ اس میں آلِ عمران کی خصوصیت میں ایک الہی منصوبہ کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا۔ کہ حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے بغیر سلسلہ تناسل کے ایک انسان کے وجود کے لیے نور سے بشر پیدا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہ السلام کی خصوصیت سے متعلق قرآن نے دانستہ طور چند واقعات کا ذکر کیا۔

وَ اِذْ کَرَّمِ الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ اَنْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَکٰنًا

شَرْقِیًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا

رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۝ پارہ ۱۶- سورہ ۱۹- آیت ۱۶-۱۷

ذکر کیجئے قرآن میں سے حضرت مریم کا جب اسے ہیکل والوں نے ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل کر رکھا تھا۔ تو میں نے اپنا ایک روح ”نور“ مریم کی طرف بھیجا۔ جو ان کے سامنے بشر کی شکل و صورت میں آیا۔ اس آیت میں حضرت مریم علیہ السلام کے انتخاب۔ اور ایک نور کا بشری ہئیت میں متماثل ہونا۔ دانستہ طور بیان کیا گیا۔ اس لیے یہ جانا جائے کہ ”روح“

یا ”نور“ بشر کی ہیئت اختیار کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ بشری ہیئت میں ایک وجود نوری تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک نوری بشر— یا بشر کی شکل و صورت میں محسوس کی جانے والی ہیئت۔ نوری خاصیت کی حامل ہوتی ہے۔

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ نَفِیًْا ۝

ریادہ ۱۶ سودہ ۱۹ آیت ۱۸

کہا مریم نے میں پناہ مانگتی ہوں رحمن سے۔ تجھ سے کہ تو پاک ہے؟— یہ بیان بھی دانستہ طور دیا گیا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ ایک نوری خاصیت کا بشر۔ انسانی شکل و صورت میں دیکھا۔ پہچانا جاتا ہے

مگر قَالَ اِنَّمَا اَنَا مَسْـُوْلٌۢ بِذٰلِكَ فِیْٓ لَآ اَهْبَ لَكَ عَلَـٰمًا مِّنْ کَیَۡٔا ۝ (ریادہ ۱۶ سودہ ۱۹ آیت ۱۹) کہا ملائکہ نے) سوائے اس کے نہیں۔ کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا۔ ملائکہ ہوں تاکہ تمہیں ”وہی طور“ ایک لڑکا دیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مخصوص ہستیوں کی طرف ملائکہ نوری ہیئت میں بھی آتے ہیں۔ یہاں ملائکہ کے انسانی شکل و صورت میں آنے کی کیا مصلحت ہے؟۔ وہ یہی کہ ثابت ہو۔ بشر نور سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے ملائکہ کو یہ خبر دے کر بھیجا۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی قدرت کاملہ سے۔ تم سے ایک انسان بشری شکل و صورت میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لَآ اَهْبَ میں وہی طور بغیر ظاہری اسباب کے بشر پیدا کرنا۔ تصور میں لایا گیا۔ سنت الہی میں تھا۔ کہ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے۔ سلسلہ ناسل کے طریق پر۔ بشر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس مقام پر نسلی طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نور سے بشر پیدا کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر پھر ایک دانستہ بیان پیش کیا جاتا ہے۔ قَالَتْ اَنِّیْ یَكُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَکُمۡ لِمَسَّیۡنِیْٓ بُشْرًا وَّلَکُمۡ اَلۡنَفِیۡٓا ۝ (حضرت مریم نے میرے لڑکا پیدا ہونے کی الہی ترکیب کیا ہے۔ جب کہ سنت الہی کے مطابق نسلی طور لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کَذٰلِکَ اِیۡسَیۡ ہُوَ کَا۔ بغیر ذریعہ نسلی کے ہُوَ عَلَیۡ هٰٓیۡنَ وہ اللہ اختیار رکھتا ہے۔ جس طرح چاہے پیدا کرے۔ بغیر نسلی طریق کے بھی وہ ایک بشر پیدا کرنے کے لیے ایک نئی طرح ڈالے۔ یہ اس لیے کہ اس خصوصی ترتیب پر اللہ



کو بھی۔ پیدائش انسانی میں شامل کرنا مقصود ہے۔ کہ بشر نور سے بھی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ یہ پیدائش آئندہ آنے والے واقعات کے لیے بطور دلیل قبل از وقت مقرر کی جاتی ہے۔ وَلْيَجْعَلْهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَكَانَ أَمْرٌ مَّقْضِيًّا تاکہ بنایا جائے اس واقعہ کو لوگوں کے لیے۔ ایک آیت۔ ایک دلیل اور یہ امر ازل سے ہمارے منصوبہ میں مقرر کیا گیا تھا۔ اس آیت سے واضح ہے کہ اول ایسا کرنا منصوبہ الہی کے تحت ایک نئی تخلیق۔ جو ابن آدم میں شامل نہیں یعنی نسل سے نہیں پیدا کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ پیدائش نوری وجود سے بشری ہیئت میں پیدا کی جائے گی۔ تیسری خصوصی بات یہ کہ ایسی پیدائشوں کے لیے ازل سے نور مخصوص منتخب کیا جاتا ہے۔ اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب (عالم بالا) میں کسی مقام پر مخزن کیا جاتا ہے۔ اور وقت موعود پر اس نور کو ملائکہ کے ذریعہ (ہاتھ) نفع کیا جاتا ہے۔ چوتھے ان آیات قرآنی اور واقعہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیقی ترکیب چار انواع کی استعمال کی۔ (۱) اول۔ بغیر ماں باپ۔ ایک ذرہ ناری سے ایک وجود (آدم) بنایا (۲) دوسرا۔ مرد و عورت کے اختلاط (نسل) سے۔ (۳) تیسرا۔ بغیر باپ۔ ایک مخصوص نور سے جس میں ایک وجود پیدا کرنے کے لیے بغیر نسلی ذریعہ کے روح کو رحم میں القا کیا جاتا ہے۔ (۴) چوتھا۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے خالص نور سے۔ جیسے قرآن نے حضرت یحییٰ کی پیدائش میں اشارہ دیا۔ فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا۔ اس کے متعلق قرآن دعویٰ کرتا ہے۔ كَذَلِكَ۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی

---

لے خالص۔ مخصوص نور۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی صرف نور سے پیدا ہونے کے متعلق قرآن نے تفصیلی بیان پیش کیا۔ اِذْ نَادَىٰ رَبُّهُ يَنْدَاءُ خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَ كَاُنْتُ اَمْرًا فِیْ عَاقِرٍ فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳ تا ۵)

اور جب پکارے۔ (زرکریا) خفیہ طور اپنے رب سے اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں۔ اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے۔ (اس حال میں کہ مجھ میں نطفہ کی قوت باقی نہیں) لیکن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مخصوص کردہ ایک ترکیب ہے۔ ھُوَ عَلٰی ھٰیٓن۔ اللہ تعالیٰ محض نسلی طریق پر پیدا کرنے کا پابند نہیں۔ وہ جو طریق چاہے کر سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا مشیت الہی کے عین مطابق ہے۔ ایسے واقعہ کا انکار و عدم تسلیم ممکن نہیں۔ چنانچہ قرآن اس اہم پیدائش کی واضح ترتیب بیان کرتا ہے۔ فَتَفَخَّنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶

میں تجھ سے مانگتے ہیں (اس حال میں بھی) نا اُمید نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے بعد قوم بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہ ہوگا جس سے قوم ہدایت پاسکے۔ اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ پس مجھے بغیر نسلی ذریعہ کے۔ قدرت کاملہ سے (وہی طور) ایک لڑکا عطا کر۔ قرآن نے ان آیات میں حضرت زکریا کی حالت کا جو نقشہ کھینچا۔ اس میں یہ وضاحت کر دی۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام میں نطفہ کی قوت نہیں۔ اور ایسی حالت میں انسان کا نا اُمید ہونا فطری اصول کے تحت یقینی ہے۔ لیکن حضرت زکریا اس اُمید پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے۔ وہی روحانی۔ طور ایک فرزند عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ کَ لَفْظ استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی۔ يٰذِكْرٰی اِنَّا نَبْشِرُكَ بِغُلَامٍ اَسْمٰہٗ یَحٰی (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۷) اے زکریا! ہم تمہیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا۔ کہ بغیر نسلی ذریعہ۔ بغیر رحم مادر لڑکا پیدا ہونے کی صورت کیا ہوگی۔؟ قَالَ رَبِّ اَنِّیْ یَکُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّ کَانَتِ اُمُوْدٰی حَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتٰیًا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کَذٰلِکَ یَہْدِیْکَ یَا زَکَرِیَّا نَسْلًا نَافِلًا ۚ ھُوَ عَلٰی ھٰیٓن۔ یہ امر میرے لیے آسان ہے۔ میں پیدا کرنے میں کسی ترتیب کا پابند نہیں۔ یہ میرے لیے آسان ہے۔ البتہ یہاں پیدائش کے لیے ماں کا ہونا ضروری تھا۔ اس لیے اللہ نے یہ صورت پیدا کر دی۔ وَ اَصْلَحْنَا لَہٗ ذَوْجَہٗ۔ اور ہم نے حضرت زکریا کی بیوی کا بانجھ پن دُور کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی بیوی میں ایک نور نفع کر کے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ چنانچہ اس ترتیب نوری کے لیے قرآن نے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں واضح ترتیب اس کی دلیل میں پیش کی جسے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



اور ہم نے یہ نور حضرت مریمؑ میں نفع کیا۔ گویا لَهِبَ لَكَ عِلْمًا زَكِيًّا اور اَنِّي  
يَكُونُ لِي عِلْمًا کے جواب میں اللہ تعالیٰ ایک بشر کی پیدائشی ترتیب بھی بیان کرتا ہے۔  
تو اس سے ایک بشر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف خود قرآن کرتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ جِ الْفَهْمِ اِلَى مَوْجِدٍ  
وہ سوائے اس کے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ابن آدم سے نہیں) بلکہ کلمہ (نور)  
ہے اللہ کا۔ جو حضرت مریم میں القا کیا گیا۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوری  
وجود کے بنیادی وجود۔ پیدائش۔ اور ترتیب پیدائش کی پوری نشاندہی کی گئی ہے۔ اگرچہ پیدائشی  
حیثیت میں۔ جبکہ آپ کا وجود نوری ہے۔ تمام پیدائش انسانی میں جو نطفہ سے پیدا ہوئی۔  
حضرت عیسیٰ کو تمام عالم کے انسانوں پر فضیلت تامہ حاصل ہے۔ لیکن یہ خصوصیت درحقیقت  
اصل نہیں۔ بلکہ ایک دلیل کے طور پر یہ خصوصیت پیش کی جاتی ہے۔ کہ کائنات میں ایک  
افضل الانبیاء کا ظہور ابھی باقی ہے۔ یہ وہ ذات ہے۔ جو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
ہے۔ جسے تمام کائنات ارض و سموات پر ہر حیثیت میں فضیلت عطا کرنا ہے۔ لہذا ضروری  
ہے۔ کہ اس وجود مقدس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود سے افضل حیثیت حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷)

قرآن نے بتایا اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ جِ الْفَهْمِ اِلَى مَوْجِدٍ  
مِنْهُ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) سوائے اس کے نہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بھیجا ہوا۔ اس کا  
مخصوص کردہ ایک نور ہے۔ جو بطریق القا نفع کیا گیا لطن مریم علیہ السلام میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے مخصوص کیے گئے انوار میں سے ایک نور ہے۔ اس ترتیب پیدائش میں بھی قرآن نے وہی  
الفاظ استعمال کیے۔ جو پیدائش حضرت یحییٰ کے لیے حضرت زکریاؑ نے اپنی دعا میں استعمال کیے۔  
اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ لِاَهْبَ لَكَ عِلْمًا زَكِيًّا ○ لہذا اس قرآنی بیان سے واضح ہے کہ  
کہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی فہم لِي مِنْ لَدُنْكَ کی ترتیب کے ایک نور کو بشری وجود کے  
لیے مخصوص کر کے لطن مادر میں نفع کیا جاتا ہے۔ جس کا طریق فَتَفَخَّنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنی ایک  
نور مخصوص لطن مریم علیہا السلام میں نفع کیا گیا۔ جس نور نے حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں ظہور کیا۔



اور اگر ایک وجود کو نوری حیثیت میں فضیلت حاصل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی پیدائش میں بھی نوری ترتیب شامل رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا گیا۔ تو لامحالہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جسمانی حیثیت میں فضیلت تسلیم کرنا ہوگی۔ مگر ایسا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کو تسلیم کرنے کے لیے ہی وَلِنَجْعَلَهَا آيَةً لِلنَّاسِ۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش نوری کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کے لیے قبل از وقت تسلیم کرنے کے لیے دلیل بنایا گیا۔ اس تمام واقعہ میں صرف ایک نکتہ کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ وَكَانَ أَمْرًا مُّقْضِيًّا یہ ہمارے ارادہ ازل میں مقرر ہو چکا تھا۔ اس لیے اس امر کا تقاضا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود بشری کے لیے ازل سے اللہ تعالیٰ نے ایک نور مقرر کیا۔ جو نور اس کے خزانہ مخفی میں رکھا گیا اور وقت موعود پر حضرت مریمؑ میں نفع کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے بھی ایک عظیم نور اللہ تعالیٰ کے خزانہ مخفی میں رکھا گیا۔ ہاں۔ اب ترتیب کا فرق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۔ خزانہ مخفی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کے متعلق ایک نعت پیش کی جاتی ہے۔ یہ نعت حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پڑھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر رمضان ۹ھ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ تو حضرت عباسؓ نے آپ کی مدح میں یہ اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ رماخوذ از سیرت رسول عربیؐ مصنف نوری بخش توکلی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور بحوالہ طبرانی بروایت مواہب زرقانی (غزوہ تبوک)

نعت رسول مقبولؐ از حضرت عباسؓ۔

مَنْ قَبْلَهَا طُبْتُ فِي الظَّلَالِ وَ فِي

مُسْتَوْدِعٍ حَيْثُ يُخَصَّفُ الْوَرَقُ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



کے لیے والد نہیں لہذا اس کے لیے نفخ کی ترتیب ہی ہو سکتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے معنی میں والد سے نسبت دی جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو اہمیت دی جائے۔ لہذا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹)

اس دنیا میں آنے سے پہلے آپ (عالم بالا کے خزانہ مخفی) سایہ خاص میں مخزن تھے۔ پھر پشتِ آدم علیہ السلام میں اترے۔ (القا ہوتے) تب جب حضرت آدم کو باغِ رحمت میں سکونت کا حکم ہوا۔

ثُمَّ هَبْطَ الْبِلَادَ وَلَا بَشَرًا  
أَنْتَ وَلَا مُضْغَةً وَلَا عَلَقًا

پھر آپ رشتِ آدم سے اترے اولادِ آدم کی پشتوں میں منتقل ہوتے۔ اس حال میں کہ آپ لطف کی مانند نہ بشری ہیئت میں۔ نہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ نہ لہو کی بوند۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِينَ وَقَدْ  
الْجَسْمَ نَسْرًا وَأَهْلُهُ الْغُرَقَ

بلکہ ایک نوری وجود۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے۔ اس وقت جب پانی کی موجیں پہاڑ کو چھو رہی تھیں اور قومِ نوح غرق ہو چکی تھی۔

تَنْقُلُ مِنْ صَالِبٍ إِلَى رَحِمِ  
إِذَا مَضَى عَالَمٌ بَدَأَ طَبَقٌ

پھر یہ نورِ مقدس اولادِ آدم کی پشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ زمانہ گزرتا رہا۔ اولادِ آدم طبقوں میں بٹ گئی اور بستیاں بنیں زمین پر۔ ہاں! یہ وہ صائب ریشتی (نہیں جس کا اشارہ یَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ میں باپ کی پیٹھوں سے دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس نورِ مقدس کے پشت در پشت انتقال کے لیے۔ انسان کے ”قلب“ کو مخصوص کیا۔ کیونکہ انسانی وجود میں نور کے خزانہ کے لیے۔ قلب کے سوا اور کوئی صلب رشت (نہیں جہاں اس نور کا قرار ہو۔ کیونکہ یہ نور وَلَا بَشَرًا وَلَا مُضْغَةً وَلَا عَلَقًا کی ہیئت میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو گزشتہ آیات کی ترکیب پیدائش کی روشنی میں قبل از وقت دلائل کے ساتھ۔ خزانہ عالم غیب میں محفوظ کر رکھا اور وقت موعود پر یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں القا کیا۔ — هُوَ عَلَيَّ هَيِّئْ کے خطاب سے اس ترتیب کو سمجھنا۔ — یا تسلیم کرنا ممکن ہے۔ — حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں ایک

۱۔ بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰

وَدِدْتُ نَارَ الْخَلِيلِ مَمْكُتًا

فِي صَلْبِهِ أَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

پھر آپ نوری ہیئت میں حضرت ابراہیمؑ کی پشت میں منتقل ہوئے۔ ہاں! آپ اس وقت پشتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوشیدہ تھے۔ تو پھر انہیں کیسے آگ جلاتی!

حَتَّى احْتَوَى بَيْتُكَ الْمُهَيَّمُنُ مِنْ

يَحْنَدِفِ، عَلِيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

یہاں تک کہ آپ ذریتِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے جس نے اللہ کے امن والے گھر کے قریب سکونت رکھی تھی۔ جن میں قبیلہ خندف کو ایک بلند مرتبہ خاتونِ ام مالکہ بن ایاس کی نسبت سے شرف حاصل تھا اور جس قبیلہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیسویں پشت عدنان سے آپ کی اولاد میں برگزیدہ ہستیاں عدنان۔ معد۔ نزار۔ مضر۔ ایاس۔ مدرکہ۔ نضر۔ مالک۔ فہر۔ ہاشم جیسی محترم ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔ قبیلہ خندف میں ام مالکہ بن ایاس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں ایک عابد و زاہدہ بلند مرتبہ خاتون تھیں جن کی نسبت سے اس قبیلہ خندف کو اعلیٰ مقام حاصل رہا۔ اسی قبیلہ میں مالک کے فرزند فہر (فہر بن مالک) قریش کے لقب سے عرب میں مشہور ہوئے۔ کیونکہ یہ عرب کے جملہ قبائل سے بہادر اور طاقتور قبیلہ سے تھے۔ عرب پر ان کی طاقت کی دھاک بیٹھی تھی۔ اس لیے انہیں قریش کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ قریش عربی اصطلاح میں ”ویل مچھلی“ کو کہا جاتا ہے۔ فہر نے اپنے قبیلہ کے تمام آدمیوں کو اکٹھا کر کے مکہ میں بسایا۔ اس لیے کعبۃ اللہ کی تولیت اور مکہ پر فہر کی حکومت قائم ہو گئی۔ يَحْنَدِفِ عَلِيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ میں فہر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



حدیث کی شرح میں بیان کیا

وزیر برائے من بدش سجدہ ملک      وزیر پئے من رفت برہتم فلک  
گر بصورت من ز آدم زادہ ام      وز بمعنی جد افتادہ ام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱)

قبیلہ خندف کے ایک بہادر سردار نے اپنی قوم کو اپنی سربراہی میں لے کر طاقتور قوت حاصل کی۔ اسی سردار کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ اسی فہر کی اولاد سے غالب۔ لوی۔ کعب۔ مرو۔ کلاب۔ قصی۔ عبد مناف۔ ہاشم۔ عبد المطلب۔ عبد اللہ علیہم السلام بڑے فرزندوں میں سے ہیں جن کی پشتوں سے یہ نور مقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتقل ہوتا پشت عبد المطلب میں پہنچا۔ اور آپ کی پشت سے یہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پشت عبد اللہ علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اور حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی رصلب (پشت سے بطن آمنہ علیہا السلام میں مثل الْقَهَّارِ اِلٰی مَوْجِمْ نَفَخَ ہوا۔ اور یہی نور مثل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وَلِنَجْعَلْہٗ اٰیۃً لِّلنَّاسِ کی دلیل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری شکل میں پیدا ہوا۔ سو حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

وَضَاعَتْ بِنُورِكَ الْاُفُقُ

آپ کی پیدائش پر زمین چمک اٹھی۔ اور آفاق سماوی آپ کے نور سے روشن ہو گئے

فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الصِّيَآءِ وَفِي النُّوْرِ

وَسُبُلَ الرِّشَادِ نَحْتَرِقُ

اور ہم سب اسی روشنی میں ہیں اور اسی نور سے رشد و ہدایت کی راہیں نکال رہے ہیں اس نعت کا حوالہ ”اسد الغابہ“ میں دیا گیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کلمات تحسین فرمائے۔

ان اشعار سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مثل عیسیٰ علیہ السلام مثل حضرت

یحییٰ علیہ السلام مخصوص نور سے ہوئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے لیے خزانہ عالم

بالا میں ایک نور مخصوص کیا گیا اور وقت موعود پر یہی نور نَفَخْنَا فِيْہِ مِنْ رُّوْحِنَا کی ترتیب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کے نورِ جسدی کو حضرت آدمؑ کی پشت میں اتا کیا گیا۔ اور یہ نور اولادِ آدمؑ میں پشت در پشت منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ نور پشت حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اس کے بعد یہ نور پشت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اسی نور کا اثر تھا کہ آپ پر فرد کی آگ اثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲)

کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام میں نفع کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت عیسیٰؑ کے نور سے افضل نور ازل سے مخصوص کر کے۔ مِنْ قَبْلِهَا طِبَّتْ فِي الظَّلَالِ خِرَازَةٌ عَالِمٌ بِالْأَمْرِ مَحْزَنٌ کیا گیا۔ اور یہی نور حضرت آدمؑ کی پشت میں مُسْتَوْدَعٌ حَيْثُ يُخَصِّفُ الْوَرَقَ باغ ارضی میں جب حضرت آدمؑ نے يَخْصِفْنَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ — اپنے آپ کو باغ کے پتوں سے ڈھانپا۔ اتا کیا گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائشی ترکیب میں نَفْحًا فِيهِ مِنْ رَوْحِنَا کا طریق اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے نئی تخلیقی ترکیب اختیار کی — یہ اس لیے کہ وَكَانَ أَمْرٌ مَقْضِيًّا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنے مخصوص و منتخب بندوں کو اعلیٰ صفات کے ساتھ پیدا کرنا تھا۔ یہ امر ازل سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں مقرر ہو چکا تھا کہ زمین پر نسلی پیدائش سے سوا — نوری پیدائش کا ظہور بھی ہوگا۔

قرآن نے سیرتِ البقی کے بیان میں۔ آلِ عمران کی خصوصیات کا تفصیلی ذکر کیا۔ دراصل آلِ عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق جو واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں اصل مقصد ان واقعات کا بیان کرنا نہیں۔ جیسے قرآن واقعات بیان کرتا ہے اِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں تمہیں طبعی موت دوں گا۔ اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور پاک کروں گا ان کافروں کے شر سے۔ یہ بیان اس زمانہ کا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہودیوں نے سازش شروع کی۔ کہ آپ کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں اے عیسیٰؑ فکر نہ کریں۔ آپ کے لیے طبعی موت مقرر کی گئی ہے یہ آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں کہ آپ کو قتل کریں۔ لیکن یہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہوں گے۔ بلکہ میرا منصوبہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



اندازنہ ہو سکی۔ یہی نور پشت اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوتا ہوا۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے منتخب کیا۔ یہی نور ذریت حضرت اسماعیل (بڑے فرزند) کی پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا پشت حضرت عبد اللہ علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اس خصوصیت پر آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ قربانی کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور اب۔ اسی مقام پر گزشتہ قرآنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

یہ ہے کہ آپ کی غلطی کو بلند و بالا کرنے کے لیے آپ کو آسمان پر اٹھالے جاؤں گا۔ اسی منصوبہ کی تصدیق کے لیے قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل حقیقت سے یہود و نصاریٰ کو بھی آگاہ کیا۔ جیسے کہ واقعات اس زمانہ میں دیکھنے میں آئے۔ کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو صلیب ہوتے اور وفات پاتے دیکھا۔ تو سب ہی نے یقین کر لیا حضرت عیسیٰ صلیب دیے گئے۔ اور دفن کیے گئے۔ مگر قرآن اصل واقعہ چھ سو سال بعد پیش کرتا ہے۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ ۴ آیت ۱۵۷-۱۵۸) ترجمہ: اور ان کا یہودیوں کا کہنا ہے کہ ہم نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا۔ مگر نہیں قتل کیا اس کو اور نہ صلیب دیا اس کو۔ لیکن وہ اس معاملہ میں تذبذب اور شبہ میں ہیں۔ کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے یا نہیں۔ اور ان میں آپس میں قتل مسیح پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ اس قتل میں شک میں پڑ گئے۔ نہیں ہے انہیں علم اس کا۔ مگر بیرونی کہتے ہیں ظن کی۔ یقیناً انہیں قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا۔ اللہ اپنے منصوبے پورا کرنے کی غالب قوت رکھتا ہے۔ اور وہ پوشیدہ اسرار کا جاننے والا ہے۔

در اصل قرآن حالات زمانہ کے مطابق نزول حضرت عیسیٰ اور یہود کی مخالفت اور قتل کی سازش کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس بیان میں صرف دَا فَعَلَكَ اِلٰی اصل مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں منصوبہ کے تحت حضرت عیسیٰ کو نور سے پیدا کرنا۔ اور اس نوری وجود کی صفت بیان کرنے کا اصل مقصد تھا کہ اس نوری وجود کی صفت جسم کے ساتھ آسمانوں میں داخل ہونا ہے۔ اور یہ (بال حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

آیات کو۔ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ — بطور دلیل پیش کر کے۔ ایک پیدائشی ترتیب کا اعادہ کیا گیا اَلْقَهَّارُ اِلٰی مَرْيَمَ کی جگہ۔ حضرت آمنہ علیہا السلام کے لطن میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پشت عبد اللہ علیہ السلام سے القا کیا گیا۔ جس کی دلیل اسی قرآنی آیت سے دی گئی۔ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ۔ یہ فرمان دراصل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی ترتیب کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴)

امرو كَانَ اَمْرًا مُّقْضِيًّا کے تحت تھا اور یہ اس لیے بھی کہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ اصل مقصد نہیں بلکہ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ تاکہ اس واقعہ کو کسی آنے والے واقعہ کے لیے بطور دلیل سامنے رکھا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے ساتھ بغیر نسل و نطفہ ذریعہ کے خالص نور سے ایک بشری انسان پیدا کرتے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور ایسی پیدائش بھی فطری تخلیقی قانون کے دائرے میں آتی ہیں۔

ان قرآنی بیانات کا اصل مقصد قرآن سے ہی واضح کیا جاسکتا ہے۔ کہ قرآنی بیان سے یہ امر واضح ہے۔ کہ پیدائشی اعتبار سے نوری وجود۔ ہر حال میں نسل و وجود سے افضل درجہ رکھتا ہے۔ — نسل و وجود کا مرکب۔ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ مِثْلٍ اِحْدَى سَفَلِ اَدْنٰی درجہ کا مرکب ہے۔ اس کے مقابل خاک سے افضل خَلَقْتَنِيْ مِنَ النَّارِ ناری ہئیت اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ قرار دی گئی ہے۔ اور نار سے افضل نور قرار دیا جاتا ہے۔ سوظاہر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا وجود اس قرآنی بیان کی روشنی میں نسل پیدائش سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ سے ظاہر کرنی ہے۔ کہ کسی وجود کی افضلیت اس کی جسمانی ہئیت و مرکب سے ثابت ہوگی۔ جو ”رَفَعَ جِہَانِی دَفَعَ سے ثابت ہوگی۔ — اسی اصول کو سامنے رکھ کر۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والے ایک اولوالعزم ہستی جو کائنات میں بزرگ ترین ہستی تسلیم کی جاتی ہے۔ جب تک اس وجود کی ہئیت نوری نہ ہو۔ اس کی فضیلت حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کے مقابلہ میں افضل ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن اسی ہستی کی فضیلت اِسی رَفَعَ سے ثابت کرتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْسَ لَہٗ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت اول) پاک ہے۔ وہ ذات مبالغہ آمیزی سے۔ جس نے اٹھایا اپنے بندے کو مسجد الحرام (کعبۃ اللہ) سے مسجد اقصیٰ تک۔ رات کے ایک (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۴)



اشارہ ہے کہ اگرچہ قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو واضح طور پر بیان نہیں کیا۔ لیکن قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل نوری وجود پیدا کرنا تھا۔ اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔ اور یہ امر و کان امرًا مقضیاً رکہ امرازل سے مقرر ہوا تھا) کے فرمان میں پوشیدہ تھا کہ دراصل یہ واقعات

(بقیہ مانشیہ صفحہ ۲۳۵)

قلیل وقفہ میں۔ اس آیت میں مسجد مرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے قلیل وقفہ میں جانے کے ذکر سے خود اس امر کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ کہ یہ انتقال بہ صورت جسمانی ہے۔ بغیر اس تصور کے اس بیان میں کوئی خاص اہمیت نظر نہیں آتی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اس واقعہ کا ذکر کرنا واقعہ معراج کو اہمیت دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی رات ریلۃ الاسریٰ میں مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نماز میں تمام انبیاء نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ جس میں حضور کی اقتدا میں حضرت عیسیٰ بھی شامل تھے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نور احد تک رسائی۔ عروج۔ و رقع حاصل کیا اس کے مقابل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رقع جسمانی آسمان سوئم تک ہے۔ چنانچہ قرآن نے بھی حضور کے اس بیان کی تصدیق کی۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَآ أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَرُّوْنَهُ عَلَىٰ مَا يُرَىٰ ۝ — مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۸ تا ۱۲) پھر قریب ہوا۔ پس تجلیاں نازل ہوئیں آپ۔ پس اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اللہ نے مشاہدہ کرایا اپنے اسرار کا۔ جو پوشیدہ ہے۔ کیا تم اس بات پر رسول سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ جو کہتے ہیں کہ رات کے قلیل وقفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم آسمان و عالم بالا اور ذات الہی تک عروج کیا۔ ہاں آپ نے مجھے دیکھا اپنی آنکھوں سے اس حال میں کہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں میری تجلیات و تدلیات کے مشاہدہ میں آپ کی آنکھ تک نہ جھپکی نہ ادھر ادھر گھومی۔ البتہ یہ سچ ہے۔ آپ نے اس رات اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار کی سیر و بحسم اور مشاہدہ (بالبصر) کیا۔ درحقیقت یہ معراج (و کان امرًا مقضیاً) کے منصوبہ (بانی مانشیہ اگلے صفحہ پر)

بطور دلیل پیش کرنا مقصود تھے۔ تاکہ ان آیات کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کو تسلیم کیا جائے سو کَذَٰلِكَ اِسْطَرَحَ بھی۔ اللہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے لیے خزانہ مخفی میں ایک نور کو مخزن کیا گیا۔ تو لازمی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نور سے اعلیٰ و افضل نور منتخب کیا تاکہ اسی ترتیب سے آپ کی پیدائش ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نور براہ راست بطن مریم علیہا السلام میں نفع کیا گیا۔ مگر۔۔۔ هُوَ عَلٰی هٰیئٍ۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے ایک نئی ترتیب مقرر کرے۔ کیونکہ آئندہ بھی اس ترتیب کو جاری رکھنا منظور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ”آل“ میں یہ خصوصیت پائی جائے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مَقَامًا مَّحْمُودًا کا مقام عطا کیا۔ کہ آپ کی آل اور اُمت میں مخصوص

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶)

کے تحت ازل میں طے ہو چکا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نور سے بنایا جائے گا۔ اور اس جسم کی صفت کا مظاہرہ ”رَفَعَ“ سے کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ محض ایک دلیل کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اس لیے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو تمام انبیاء پر فضیلت دینی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کی صورت میں ہو گا جس کی دلیل ”رَفَعَ“ سے ہی دی جائے گی۔ اور اس رفع کا ذکر قرآن نے مَبْنُوحَ الَّذِیْ اَسْرٰی کی صورت میں پیش کیا۔ ان واقعات میں ایک نکتہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کی نوری پیدائش دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کے تسلیم کے لیے پیشگی دلیل پیش کرنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے حضرت عیسیٰ کی نوری پیدائش (نوری جسم) کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے۔ نوری ترتیب پیدائش کا ہونا فطری اور لازمی تھا۔ اور اس ترکیب میں جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایک نور مخصوص ہونا ضروری ہوا۔ بلکہ ازل سے آپ ہی کا نور۔ جسم کے لیے مخصوص ہوا۔ جو حضرت آدم کی پشت سے لے کر حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی پشت تک منتقل ہوتا بطن آمنہ علیہا السلام میں القا ہوا۔



ہستیاں پیدا ہوں گی جو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک باقی رکھیں۔ چنانچہ اس ترتیب کے لیے بھی ایک نظام قائم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے نور مخصوص کر کے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں منتقل کیا گیا۔ یہ مخصوص ہستی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دَمَكَ دَرَمَى لَحْمَكَ لَحْمِی رَأَی کا خون میرا خون۔ آپ کا گوشت میرا گوشت کی خصوصیت سے پکارا۔ اگرچہ یہ فرمان حضرت علیؑ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے قربت اور علوم مرتبہ کی طرف استعارۃ اشارہ ہے۔ تاہم اس بیان میں انتقال نوری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”علی مجھ سے ہے“۔ سو یہ امر قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور عظیم سے ایک نور حضرت امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوا۔ انہیں انوار نے بطن فاطمۃ الزہراءؑ میں منتقل ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام و حسن علیہ السلام کی شکل میں ظہور کیا۔ چنانچہ حضرت امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات اقدس کو شہادت کے لیے منتخب کرنا منشاء الہی

حضرت امام عالی مقام۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات اقدس کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور جسدی سے ایک جز کو مخصوص کر کے بطن حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا میں النفا ہوا رَأَلَقَهَا إِلَى مَرْدِیْمٍ) اس حقیقت کی شہادت دو طرح سے پیش کی جاتی ہے۔ نقل از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔ مضمون اخبار جنگ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء مضمون حسب ذیل ہے۔ ”ولادت گل باغ رسالت“ حضرت امام عالی مقام (حضرت امام حسین) علیہ السلام تاریخ اور سنہ ولادت ۳ شعبان ۳ مہر ہے۔ آپ بطن مادر میں چھ ماہ رہے۔ اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ کوئی بچہ سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور امام عالی مقام کے چھ مہینے کا زندہ نہیں رہا۔ اس نسبت سے آپ کی پیدائش حضرت یحییٰ کی پیدائش سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآنی بیان کی روشنی میں (ماں باپ کے ہوتے) نسلی ذریعہ سے ہوا۔ نوری پیدائش ثابت ہے۔ یہی طریق حضرت امام عالی مقام کی پیدائش میں کار فرما ہے۔

کے تابع تھا۔ ورنہ زمین و آسمان کی تمام طاقتیں یکجا ہو کر بھی حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا ایک بال بھی بیکا کرنے کی طاقت نہ رکھتیں۔ کیونکہ یہ اولاد—شیر خدا—حیدر کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ تھی—ہاں۔ یہ شہادت اسی خصوصیت کی بنا پر مقرر تھی۔ وَ كَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا—یہ ارادہ الہی میں ازل سے منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔ کہ ان کی ذات اقدس سے مقام محمود کی تکمیل ہو۔ جیسا کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

سرداد نہ داد دست در دست یند  
حقا کہ بنائے لا اِلٰهَ ہست حسینؑ

اور یہ منصوبہ جاری رہنا مقصود تھا۔ اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے یہی پیدائشی خصوصیت روبہ عمل لائی گئی۔ اور اب اس خصوصیت کو حضرت امام مہدی علیہ السلام پر تمتہ کرنا مقرر ہوا۔ کہ یہ زمانہ قرب قیامت سے ہے۔ اور ایک زمانہ میں جس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸)

دوسری شہادت—زوجہ محترمہ حضرت عباسؑ کے خواب سے ملتی ہے۔ ام فضل بنت حارث زوجہ حضرت عباسؑ نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے ان کو پھر نیند نہ آئی۔ اور صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی—کہ آج شب خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر میری گود میں آ پڑا—آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا خواب سچا ہے۔ میری صاحبزادی (حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا) کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جسے تم اپنی گود میں پرورش کرو گی۔ چنانچہ ام فضل بیان کرتی ہیں۔ کہ واقعی حضرت فاطمہؑ کے حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش میری گود میں ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر واضح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہونا آپ کے وجود کی ایک جُز سے امام حسین علیہ السلام کے وجود مقدس کا ظہور ہونا ثابت ہے۔ کہ حقیقتاً ماں باپ کے ہوتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری جز سے ہوئی (روفا الوفا)



علمائے اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے علماء جیسی ہستی اختیار کی۔ اور دین کو مسخ کر ڈالا۔ تو اس وقت اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہستیوں منتخب کی جائیں گی۔ جنہیں مجدد کہا جائے گا۔ جو ہر زمانہ میں تجدید دین کریں گے۔ ان میں حضرت محی الدین عبدالقادر جیسی ہستیاں ہوں گی۔ اور ان ہستیوں میں حضرت امام المہدی علیہ السلام کی ذات کو مخصوص کیا گیا۔ کہ قریب قیامت میں جب علمائے اُمت نے دینِ محمدی کو بے رونق کر دیا ہوگا۔ اس وقت امام المہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ آپ کی پیدائش بھی۔ وَكَانَ أَمْرًا مُّقْضِيًّا کے تحت ہوگی۔ آپ کے وجود کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ایک نور منتخب کیا گیا۔ یہ نور امان علیہما السلام میں منتقل ہوتا ہوا والد امام مہدی سے بطن والدہ امام مہدی علیہ السلام میں منتقل ہوگا۔ لہذا اس ترتیب کی روشنی میں۔ ہر زمانہ میں مثل ذریت اسماعیل علیہ السلام یہ نور ذریت امام حسین میں منتقل ہوگا۔ اسی انتقال کے وقت جب یہ نور ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا ہے۔ وقت کے اولیاء مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ صورت یہ ہے کہ جب ذریت میں ایک فرزند میں نور انتقال کرتا ہے۔ تو اس نور کے مشاہدہ میں وہ شخصیت بھی مشاہدہ میں آتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام مہدی اس وقت نوری حیثیت میں ہوتے ہیں۔ مگر پشت میں ہوتے ہیں۔ تو لازمی طور پر پشت میں ہوں اسی ہستی کا مشاہدہ بھی سامنے آتا ہے۔ تو اسی ہستی کو دیکھ کر گمان کیا جاتا ہے۔ کہ یہی امام المہدی ہیں۔ مگر ظہور امام مہدی علیہ السلام کے لیے قرب قیامت کا وقت معین ہے۔ اس لیے ایسے مشاہدات میں جب حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔ تو یہ امر شک و ظن کا سبب بن جاتا ہے۔ دراصل یہ امر متشابہات سے متعلق ہے۔ اس لیے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ خروج دجال۔ قیام قیامت اور ظہور مہدی۔ شعار اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں شمار ہیں۔ اس کی حقیقت ایک ولی اکمل پر ہی واضح ہو سکتی ہے۔ چونکہ ظہور مہدی کا تعین نہیں۔

اس لیے جب بھی کسی دلی کو اس انتقال نوری پر مشاہدہ ہوا۔ اُس نے گمان کیا۔ کہ یہی امام مہدی ہیں۔ اور اسی زمانہ میں ان کا ظہور ہونے والا ہے۔ زمانہ کے تعین کے سبب جب کہ یہ زمانہ متشابہات سے متعلق ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو اخفا میں رکھا گیا۔ اب یہ کسی دلی اکمل کی خصوصیت ہے۔ جو اصل حقیقت سے آگاہی رکھ سکتا ہو۔ یہ خصوصیت حضور قبلہ عالم کو حاصل تھی۔ کہ آپ ان مجملہ حقائق کے بدرجہ اولیٰ شاہد تھے۔ آپ شاہ مردان کی شخصیت کو پہچانتے تھے۔ کہ ان کی پشت میں حضرت امام مہدی کا نور ہے۔ اور اب اسی حیثیت میں آپ کا احترام کرتے تھے۔ چونکہ حضور قبلہ عالم کو ظہور امام مہدی سے متعلق تمام انتظامات سپرد کیے گئے تھے۔ اس لیے حضور اس قافلہ کی نگرانی کی خاطر خان پور تک تشریف لے گئے۔

## نور محمد شرابی کا خواب اور اس کا

### درود خوانوں میں شامل ہونا

ایک دن میں گھر سے بازار کی طرف نکلا۔ راتسمہ امیر اکدل میں (میرا ماموں نور محمد مجھ سے ملا۔ کہنے لگا آج میں نے تمہارے پیر صاحب کو خواب میں دیکھا ہے۔ نور محمد بے حد شراب پیتا تھا۔ یہ شخص شہر کے دس نمبر بد معاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شراب کے نشہ میں بازاروں میں شور مچاتا۔ اکثر بے ہوش ہو کر سڑک پر گر جاتا۔ گھر کے لوگ اس کی کثرت شراب نوشی سے نالاں تھے۔ کہنے لگا۔ آج میں نے خواب دیکھا۔ کہ شہر کے باہر ایک بڑی

---

لے اس امر کی دلیل جناب قبلہ سخی صاحب کے خواب سے واضح طور ملتی ہے۔ کہ آپ نے خواب میں ایک بہتی کے کندھوں پر ایک بچے کو دیکھا اور لوگ اس بچے کو امام مہدی کہتے ہیں۔ یہ بہتی حضرت شاہ مردان کی تھی۔ ”آپ کے کندھوں پر بچہ“ حضرت امام مہدیؑ کا ان کی پشت میں ہونا تعبیر کیا جاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا ہم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



عید گاہ ہے۔ اس کے ملحق ایک پرانی زیارت (علم صاحب کی) مشہور ہے۔ وہاں بہت سے لوگ ریل کی پٹری بچھا رہے ہیں۔ تمہارے پیر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ یہ ایک افسر کی طرح پٹری بچھانے کا حکم دیتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام آنے والے ہیں۔ یہ ریل کی پٹری انہیں کے لیے بچھائی جا رہی ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں سیاہ رنگ کے خوفناک شکل کے لوگ ہاتھوں میں نیزے لیے۔ لوگوں کو پکڑتے ہیں۔ کہتے جلتے ہیں۔ پکڑوان کو یہ گنہگار ہیں۔ اور نیزہ مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ایک خوفناک شخص میری طرف نیزہ تانے لپکا۔ اور مجھے نیزہ مارنے لگا۔ میں خوفزدہ ہوا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے آواز دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱)

حضرت امام مہدیؑ کا زمانہ پائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اب زمانہ قریب آچکا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق گزشتہ فقراء اعلان کرتے رہے۔ لیکن آپ کے ظہور کو اخفائیں رکھا گیا۔ چنانچہ محی الدین ابن عربی کے بیان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ آپ کا ظہور اخفائیں رکھا گیا۔ لیکن ایک زمانہ میں آپ ضرور ظہور کریں گے۔ اس سلسلہ میں حضورؑ فرماتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب عالی جاہ سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب دارالعلوم اردوہ کے نگران اعلیٰ تھے۔ حضور قبلہ عالم آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ رغائباً حضور قبلہ عالم کی عمر اس وقت دس بارہ سال تک ہوگی جس زمانہ میں شہنشاہ افغانستان امان اللہ خان مرحوم کو سلطنت چھوڑ کر یورپ جانا پڑا، حضورؑ اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں۔ کہ خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ دہلی کی جامع مسجد کے صدر دروازے پر کھڑے ہیں۔ دروازہ کے دونوں جانب دیوار پر چیونٹیاں قطاریں گردش کر رہی ہیں۔ دیوار کی دائیں طرف قطار میں عبد القیوم لکھا نظر آتا ہے۔ اور بائیں طرف چیونٹیوں کی قطار سے عبد المس لکھا ہوا ہے۔ اسی دوران لوگ آ آ کر ان الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ظہور مہدی کا وقت قریب ہو رہا ہے۔ یہ خواب حضور قبلہ عالم نے حضرت عالی جاہ سید مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ایک وقت ہوگا کہ ہندوستان تقسیم ہوگا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اور ایک وقت آئے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حضورؑ نے اور بھی واقعات بیان کیے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مت مارو۔ اس شخص نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں پیچھے کی طرف مڑا دیکھا۔ ایک دراز قد سفید لباس میں ملبوس خوبصورت ہستی کھڑی ہے۔ میں ان کے قریب گیا۔ پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں۔ جنہوں نے میری جان بچائی۔ وہ خاموش کھڑے رہے۔ میں ان کے اور قریب ہوا مگر

————— (بقیہ ماحشیہ صفحہ ۲۲۲) —————

جن کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں)۔ اسی سلسلہ میں بیان فرمایا کہ بیت المقدس پر یہودی قابض ہوں گے۔ اور یہودیوں کے ہاتھوں مسلمان پسا ہو جائیں گے۔ ان میں آپس میں جنگ ہوتی رہے گی۔ آخر جب یہودیوں کے مظالم مسلمانوں پر شدت اختیار کریں گے۔ تو اس وقت شکست خوردہ مسلمان یکجا ہو کر اعلان جہاد کریں گے۔ اَخْرَجَ الْيَهُودَ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ تو مسلمانوں (اہل عرب) اور یہودیوں میں شدید جنگ چھڑ جائے گی۔ چونکہ اس وقت شرعی ضابطہ کے تحت جہاد ہو گا۔ اس لیے اہل اسلام ایک خلیفہ کا تقرر کریں گے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ یہ جہاد بیت اللہ سے شروع ہو گا۔ اور اسی جگہ ایک خلیفہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ لیکن خلیفہ کے تقرر میں خشک پیش آئے گی۔ کہ کس شخص کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اسی دوران شام سے سات آدمی مکہ شریف میں آئیں گے۔ وہ ایک شخص کی نشاندہی کریں گے۔ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن وہ شخص انکار کرے گا۔ کہ میں خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں پھر مشورہ ہو گا اور پھر یہ سات آدمی اسی شخص کی نشاندہی کریں گے۔ یہ شخص بار بار انکار کرے گا۔ مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گا۔ تو بیت اللہ سے آواز آئے گی۔ هَذَا خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِيُّ۔ اس فنی آواز پر یہ شخص مجبور ہو گا۔ اور مسلمانوں سے بیعت لے گا۔ یہی وہ ہستی ہو گی جو امام مہدی ہوں گے۔ اسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم نے اور بھی واقعات بیان بطور پیش گوئی فرماتے ہیں۔ لیکن یہاں قبل از وقت ان واقعات کا بیان کرنا مناسب نہیں۔ البتہ جب سے حضور قبلہ عالم خراسان سے آمدہ لشکر میں امام مہدی کی تلاش میں اس لشکر کے ساتھ خانپور ٹیکسلا تک جاتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ طہور مہدی اب بہت قریب ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے۔ اس سے اندازہ لگتا ہے۔ کہ اب قریبی چند سال کے دوران طہور مہدی ہونے والا ہے۔ اس کے آثار کی واضح نشاندہی عرب اسرائیل جنگ سے ہو رہی ہے۔



انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ میں نے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پرواز کر کے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ جاتے جاتے میری طرف کوئی چیز پھینک گئے۔ میں نے اٹھا کر دیکھی تو وہ زبان کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس حالت میں۔ میں جاگ گیا۔ یہ خواب سن کر میں نے موقع مناسب سمجھا۔ میں نے کہا۔ ہمارے پیر صاحب تشریف لائے ہیں۔ ان کے سامنے اپنا خواب بیان کرو۔ نور محمد میرے ساتھ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہوا۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے جواباً فرمایا نور محمد تم درود شریف پڑھو تمہیں خواب کی تعبیر مل جائے گی۔ مجھے حکم دیا کہ میں نور محمد کو درود شریف یاد کراؤں۔ حضور قبلہ عالم کی مجلس میں اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔ وہ اس بات پر ہنسنے لگے۔ کہ نور محمد دس نمبر بد معاش یثربی۔ اس نے کب درود شریف پڑھنا ہے۔ رات کو پھر سڑک پر بیہوش پڑا ہوگا۔ میں نے نور محمد سے پوچھا۔ بتاؤ۔ پیر صاحب کے سامنے وعدہ کرو۔ تم درود شریف پڑھو گے۔ اس نے کہا میں ضرور پڑھوں گا۔ میں نے اُسے درود شریف یاد کرایا۔ اس نے وعدہ کیا کہ آج سے شراب پینا چھوڑ دوں گا۔ اور مستقل نماز پڑھوں گا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ واپس آیا۔ تو میں نے نور محمد سے دریافت کیا۔ کہنے لگا۔ آج نماز پڑھی۔ رات میں نے شراب نہیں پی۔ درود شریف بھی پڑھا۔ میں نے پوچھا۔ مراقبہ کیا؟ کہنے لگا۔ مراقبہ نہیں کیا۔ میں مغرب کی نماز کے وقت اسے مسجد میں لے گیا۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ تو نور محمد کو مراقبہ میں بٹھایا۔ نور محمد عشاء تک مراقبہ میں مشغول رہا۔ عشاء کی نماز شروع ہوئی تو میں نے اسے مراقبہ سے ہٹایا۔ لیکن نور محمد بالکل مدہوش تھا۔ میں نے اسے زور سے ہلایا۔ لیکن ایسے معلوم ہوا کہ وہ بے ہوش ہے۔ نماز عشاء میں لوگ کھڑے ہو گئے۔ مگر نور محمد مراقبہ میں غرق رہا۔ نماز ختم ہو گئی۔ نور محمد کا استغراق ختم نہ ہوا۔ کافی دیر ہو گئی۔ آخر میں نے اسے زور سے ہلایا۔ تو اس نے سر اٹھایا۔ مگر مہوت دیکھتا رہا۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔ میں گھبرا گیا۔ کہ کہیں اس کا دماغ چل نہ گیا ہو۔ مسجد سے باہر نکالا۔ باہر ہوا ٹھنڈی لگی تو ہوش میں آ گیا۔ میں نے کیفیت پوچھی۔

تو کہنے لگا۔ کہ مراقبہ کے ساتھ ہی مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اسی عالم بیہوشی میں روضہ شریف دیکھا۔ پیر صاحب وہاں کھڑے تھے مجھے روضہ شریف کے اندر لے گئے۔ اندر ایک دربار لگا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما تھے۔ حضور نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی۔ پھر پیر صاحب وہاں سے نکل کر مجھے بیت اللہ میں لے گئے۔ میں نے بیت اللہ دیکھا۔ طواف کیا۔ وہاں سے اڑا کر مجھے اور ایک جگہ لے گئے۔ یہ بیت المقدس تھا۔ وہاں اندر لے گئے۔ وہاں سے نکلا تو اونچی پرواز کرنے لگا۔ اور ساری دنیا کا چکر لگاتا رہا۔ اور بھی بہت سی کیفیتیں دیکھیں۔ اگر تم نہ اٹھاتے تو میں کچھ اور بھی دیکھتا۔ کہنے لگا ابھی مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے نور پھیلا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نور محمد کے حواس بحال ہو گئے۔ میں خود یقین نہ کر سکا۔ کہ نور محمد صبح کہہ رہا ہے۔ یا اس کے قول میں بناوٹ ہے۔ یہاں سے میں اسے اپنے ایک دوست (اللہ داد خان) کے گھر لے گیا۔ میں نے اُسے پھر مراقبہ میں بٹھایا۔ اور اس سے اور حالات پوچھتا رہا۔ جو کچھ بھی میں نے پوچھا۔ اس کا درست جواب دیتا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ نور محمد نے حالات صحیح بتائے ہیں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ میں خوش تھا۔ اللہ داد خان سے چائے کی فرمائش کی۔ اس نے چائے بنا دی۔ مراقبہ میں مشغولیت میں ہم نے کھانا بھی نہ کھایا۔ میں نے اللہ داد خان سے کہا کچھ کھانے کے لیے بھی دو۔ مگر اور کچھ میسر نہ ہو سکا۔ نور محمد کہنے لگا۔ میں دوکان سے ایک کیک لاتا ہوں۔ نور محمد بیکری کی دوکان کرتا تھا۔ کہنے لگا مجھے نظر آتا ہے۔ کہ محمد رجب (نور محمد کا نوکر) باہر الماری سے کیک اٹھانا بھول گیا۔ الماری میں کیک پڑا ہوا ہے۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دوکان پر گیا۔ دوکان بند تھی۔ تھوڑی دیر بعد آیا۔ تو اس کے ہاتھ میں کیک تھا۔ کہنے لگا۔ آج محمد رجب کیک اٹھانا بھول گیا۔ واقعی باہر الماری میں کیک پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میں سید خوش ہوا کہ نور محمد کا مشاہدہ بالکل صحیح ہے۔ تھوڑی دیر باتیں کر کے ہم سو گئے۔ صبح نور محمد اپنی دوکان پر گیا۔ اور حسب معمول کام میں مصروف ہوا۔ اپنے نوکر سے کہا۔ رات تم نے دوکان بند کی۔ مگر الماری میں کیک



چھوڑ گئے۔ اس نے الماری کی طرف دیکھا تو اس میں کیک موجود نہ تھا۔ وہ نادم ہوا۔ سمجھا کہ کوئی رات کو چرا کر لے گیا۔ آج نور محمد کا چہرہ چمک رہا ہے۔ میں فکر مند تھا کہ کہیں نور محمد شراب خانے کی طرف نہ جائے۔ مغرب کے قریب میں اسے پھر مسجد میں لے گیا۔ آج اس پر غنودگی طاری نہ ہوئی بلکہ ہوش و حواس میں مراقبہ کیا۔ اور اجلاس کی کیفیت دیکھتا رہا۔ اب جو نور محمد بازار میں آیا۔ تو لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ ہمارے پیر بڑے بزرگ ہیں۔ زیارت کراتے ہیں۔ میں نے ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ لوگوں کو نور محمد کا حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا علم نہ تھا۔ لوگ اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ کہ آج تو تم نے صبح صبح ہی پی ڈالی ہے۔ یہی باتیں کرنے لگے۔ وہ خود لوگوں کا تمسخر اڑانے لگا۔ کہ تم کنویں کے مینڈک ہو۔ تم کیا جانو۔ میں یقین سے کہتا ہوں۔ میں نے شراب چھوڑ دی ہے۔ میں نے توبہ کی ہے۔ اور پیر صاحب سے بیعت کی ہے۔ کل رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ لیکن یہ امر قابل یقین نہ ہو سکتا تھا۔ نہ اس پر یقین کرنے کا مقام تھا۔ کہ ایک شرابی دس نمبر بد معاش۔ ایک رات میں حضور ہی ہو سکتا ہے۔ لوگ پھر بھی اس سے مذاق کرنے لگے۔ تو نور محمد سے جو بھی مذاق کرتا۔ اس سے اس کے گھر کے راز تک کہتا۔ تو وہ مذہب میں پڑ جاتا۔ کہ نور محمد دل کی باتیں اور راز کی باتیں بالکل درست بتاتا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر لوگ حضور قبلہ عالم سے ملنے کی خواہش کرنے لگے۔ اسی اثناء میں حضور شہر تشریف لائے۔ اور محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ اب لوگ انہیں دیکھنے آتے مگر یہاں بھی فقیری کی کوئی نمائش نہ دیکھی۔ نہ آپ کی ذات سے فقیری کی علامت ظاہر ہوتی تھی۔ اور پھر آپ کے مریدوں میں عام آدمی تھے۔ جبکی وضع قطع سے مریدی کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ یہاں فقیر کے لیے اس کی فقیرانہ ہیئت سے فقیر ہونا محسوس ہوتا تھا۔ یا فقیر کے گرد مریدوں کا ہجوم ہو۔ مرید یا ادب بیٹھے ہوں۔ فقیر کشف کا اظہار کرتا ہو۔ یا اس سے کرامات کا اظہار ہوتا ہو۔ دعوتوں کا انتظام ہو۔ قوالی ہو۔ یا دل کی بات کہتا ہو۔ ان میں سے انہیں کوئی بات نظر نہ آتے۔ لوگ آپ کو آزمانے کے لیے دل میں بات رکھ کر آتے۔ فقیر دل کی بات بتا دے مگر یہاں

تو کسی کو جواب نہ ملتا۔ جیسے آیا۔ ویسے ہی چلا گیا۔ اور فیصلہ دیا کہ یہ شخص فقیر نہیں۔ ہم دل میں۔ بات لے کر گئے۔ اس نے ہمیں جواب نہیں دیا۔ لہذا ہم انہیں فقیر نہیں مانتے۔ اور پھر جو لوگ بھی۔ مریدی کے دعوے کرتے ہیں۔ سب لوگ خلاف شریعت داخل ہیں۔ اُنٹھاتے بالو لوگ کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ اور پھر پیر کی عزت نہیں کرتے۔ نہ پیر ہی سے کوئی علامت ملتی ہے۔ ان میں بعض لوگ۔ عقیدت کا اظہار کرتے۔ حضور سے گفتگو کرتے۔ حضور کا کلام سنکر متاثر ہوتے۔ اور آپ سے درود شریف کی اجازت لے کر بیعت کی خواہش کرتے۔ مگر حضور فرماتے پہلے درود شریف پڑھیں۔ جب کچھ نظر آئے۔ تو پھر بیعت کرنا۔ ان میں بعض بغیر تحقیق بیعت کی استدعا کرتے۔ اور اکثر دیکھنے میں آیا کہ جو شخص عقیدت کے ساتھ حضور کی خدمت میں پیش ہوا۔ درود شریف کی اجازت کے ساتھ بیعت کی خواہش کی۔ تو اسے حضور بیعت فرماتے۔ اور وہ بیعت ہوتے ہی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتا۔

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ حضور کی آمد پر شہر کے بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ نور محمد بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے حالات بیان کئے۔ حضور نور محمد سے بہت خوش ہوئے۔ فرمانے لگے۔ نور محمد جیسے دنیا میں غنڈہ تھا۔ ایسے ہی باطن میں بھی غنڈہ نکلا۔ اس کا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ حضور نور محمد سے بہت خوش ہوئے۔ نور محمد نے حضور کو خوش دیکھا۔ تو قریب آیا۔ اور عرض کی کہ حضور میں بہت خوش نصیب ہوں۔ جس کو آپ جیسی ہستی کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ شراب کی حالت میں جب میں سڑک پر بیہوش پڑا رہتا۔ تو مجھ میں اور اس مردہ کتے میں جو سڑک پر پڑا ہو کچھ فرق نہ ہوتا۔ میں اس سے بدتر اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں۔ مگر حضور بلاشبہ ولی ہیں۔ جن کی صفت ہے۔ کہ :

آناں کہ خاک را بہ نظر کیا کنند

لگے را بہ نظر اولیا کنند

بلاشبہ آپ نے ایک مردہ کتے کو ولی بنایا۔ مگر میری گزارش ہے کہ شراب نوشی کے زمانہ میں شہر کے بد معاش میرے دوست تھے۔ میں انہیں شراب پلاتا تھا۔ اب وہ شراب



اور میری دوستی سے محروم ہو گئے۔ وہ اب بھی میرا پیچھا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہے۔ کہ پھر ان کی صحبت اختیار کروں۔ وہ اس سلسلہ میں منصوبے بناتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ اب کبھی شراب نہ پیوں گا۔ مگر ڈر ہے کہ وہ مجھے یہکانہ لے جائیں۔ ابھی میں پختہ نہیں ہوں۔ اس لیے میری طرف توجہ فرماتے رہیں۔ آپ ہی کی نظر سے میں محفوظ رہ سکتا ہوں۔ یہ بیان سنکر حضور بہت خوش ہوئے۔ طبیعت خوش تھی۔ نور محمد کو قریب لاکر سینہ منور سے لگایا۔ فرمایا۔ نور محمد رچہرہ انور پر ہاتھ پھیر کر فرمایا (یہ چہرہ یاد رکھو۔ میرا تصور قائم رکھو۔) پھر تمہاری فقیری کسی حال میں بھی نہ جائے گی۔ نور محمد کے آنسو نکل آئے۔ فرمایا۔ نور محمد۔ جادو۔ خواہ تم پر کچھ بھی واردات آئے۔ تمہاری فقیری۔ تمہارا مشاہدہ قائم رہے گا۔ تم اپنی طرف سے پریز پر قائم رہنے کی کوشش جاری رکھو۔

حضور قبلہ عالم شہر سے واپس تشریف لے گئے۔ اور مجھے حکم دیا۔ نور الدین تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم گھر جائیں گے۔ میں بھی حضور کے ساتھ آپ کے دولت خانہ پر چلا گیا۔ حضور مجھ سے بہت خوش تھے۔ کہ میں اجرائے طریقت میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک ہفتہ حضور کی خدمت میں رہا۔ حضور نے مجھے واپس جانے کی اجازت دی اور میں گھر آ گیا۔ ابھی گھر پہنچا نہیں۔ بازار میں احد خان کے ہوٹل پر گیا۔ احد خان کو یقین نہ آیا۔ کہ نور محمد واقعی فقیر ہو گیا۔ کیونکہ نور محمد اکثر احد خان کے ہوٹل پر شراب پیتا تھا۔ وہ نور محمد کے حالات سے پوری طرح واقف تھا۔ کہنے لگا۔ نور الدین صاحب کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ نور محمد زمانہ کا بد معاش اور جلاسا زہ ہے۔ میں اس کی کسی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ایک دن ایسا ہی ہوا۔ احد خان نے کہا۔ کہ آج نور محمد نے میرے ہوٹل پر شراب پی ہے۔ میں جو کہتا ہوں یہ سب فراڈ ہے۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کہ یہ شخص کیونکہ ایک حقیقت سے انکار کے لیے جیلے تراش رہا ہے۔ میں نور محمد سے ملا۔ میں نے کہا۔ احد خان کہتا تھا۔ تم نے شراب پی ہے۔ نور محمد ہنسنے لگا۔ کہا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اگر یقین نہیں تو تم مراقبہ کر کے دیکھو۔ میں نے کہا مراقبہ کرو۔ اور میری باتوں کا جواب دو۔ اس نے مراقبہ کیا تو سب باتیں درست تھیں میں سمجھا۔ احد خان خد کی وجہ سے ایسا کہتا ہے۔ اب جو میں ایک ہفتہ بعد واپس آیا۔ تو پھر

احد خان نے طعنہ دیا۔ کہ تم مجھے جھوٹا کہتے ہو۔ جاؤ آج گھر میں نور محمد کو دیکھو۔ آج تو سارے شہر کو پتہ چلا ہے۔ نور محمد کو فلاں ڈرائیور کے گھر سے اٹھا کر لے گئے۔ وہ شراب میں مدہوش تھا۔ یہ بات میرے دل کو سخت بڑی لگی۔ میں غصہ میں گھر چلا گیا۔ رات بتابی سے گزاری۔ سوچا اب پیر صاحب کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور اب سلسلہ بھی بدنام ہو گیا۔ لوگ ہمارے کردار پر شک کریں گے۔ جس سے حضور کی ذات متاثر ہوگی۔ دوسرے دن صبح میں نور محمد کی دکان پر گیا۔ اُس نے مجھے غصہ میں دیکھا۔ کچھ گھبرایا۔ مگر پھر سنسنے لگا۔ اس کی ہنسی پر میں غضبناک ہو کر اُسے گالیاں دینے لگا۔ وہ میرا ماموں تھا۔ میں اُسے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور ٹھنڈے دل سے کہنے لگا۔ زیادہ غصہ نہ کرو۔ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میں سمجھتا ہوں۔ تمہیں میرا حال معلوم ہو گیا ہے۔ مگر ٹھنڈے دل سے میرا واقعہ سنو۔ میں خاموش بیٹھ گیا۔ نور محمد کہنے لگا۔ بے شک پہلی بار بھی میں نے شراب پی تھی۔ اور دوسری بار بھی میں نے شراب پی ہے۔ مجھ سے خطا ہو گئی۔ مگر تمام ماجرا سنو۔ ہوا یہ کہ میرے چند دوستوں نے میری دعوت کی۔ میں نے اس شرط پر دعوت قبول کی کہ دعوت میں شراب استعمال نہ ہوگی۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ کہ شراب نہیں پیتیں گے۔ بلکہ ہم بھی شراب چھوڑ دیں گے۔ اس خوشی میں۔ کہ میں انہیں بھی شراب ترک کراؤں گا۔ میں ان کے ساتھ دعوت پر گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ شراب لائے۔ اور مجھے بھی پینے کے لیے کہا۔ میں غصے ہوا کہ تم نے مجھ سے دھوکا کیا۔ مگر وہ سب اکٹھے ہو کر مجھ سے لپٹ گئے۔ کہنے لگے اگر شراب نہ پی تو تجھے قتل کر دیں گے۔ اور کہیں گے زیادہ شراب پینے سے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ انہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میرے لیے کوئی چارہ نہ رہا۔ آخر مجبوراً مجھے شراب پینا پڑی۔ اور اسی شراب نوشی میں۔ میں بہوش ہو گیا۔ انہوں نے میرے گھر اطلاع دی۔ وہ مجھے اٹھا کر گھر لے آئے۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے خود کو بستر پر پڑا پایا۔ اس وقت میری بڑی حالت تھی اور میں بید پریشان تھا۔ خیال آیا کہ اب میں جن کے سامنے فقیری کا دعویٰ کرتا تھا۔ انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور پریشانی ہوئی کہ اب میں پیر صاحب کے سامنے نہ جاسکوں گا۔ پیر صاحب نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ مجھے



بچائیں گے۔ مگر انہوں نے بھی میری مدد نہ کی۔ معاً خیال آیا۔ پیر صاحب نے فرمایا تھا۔ میرا چہرہ یاد رکھو۔ یہ خیال آتے ہی اسی حالت میں۔ میں نے پیر صاحب کو اپنے قریب محسوس کیا۔ میں گھبرایا۔ شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ کوئی سزا نہ دیں۔ میں جلدی سے اٹھا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور دو رکعت نفل پڑھے۔ اور پیر صاحب کا تصور کیا۔ تو میں حیران ہوا۔ کہ میں نے خود کو اجلاس میں پایا۔ جو نہی میں اجلاس میں پہنچا۔ تو ایک شخص اٹھا۔ اُس نے مجھے پکڑ کر کہا۔ تو گناہگار ہے۔ تجھے سزا ملنی چاہیے۔ زور سے گردن پر تھپڑ مارا۔ پیر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اُسے چھوڑ دو یہ میرا مرید ہے۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر مجھ پر شدید دہشت طاری ہوئی۔ میں نے مراقبہ چھوڑ دیا۔ میں نے اب ڈر کے مارے نہ نماز پڑھی۔ نہ درود شریف پڑھا۔ کہیں مراقبہ میں پھر میرے ساتھ کچھ واردات ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس زمانہ میں مبتدی تھا۔ اور رموز فقر سے پورا واقف نہ تھا۔ میں ایسا تصور کر ہی نہ سکتا تھا۔ کہ اس حال میں مراقبہ میں مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ سمجھا کہ نور محمد بات ٹالنے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر میں نے تصدیق چاہی۔ میں نے کہا۔ اچھا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جب تجھے پیر صاحب نے بچایا۔ تو مراقبہ کرو۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو وہ تمہیں بچائیں گے۔ میں نے نور محمد کو مراقبہ پر مجبور کر دیا۔ اس نے دکان پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا تو سبحان اللہ۔ آج مجھ پر ایک ولی کی ولایت کی حقیقت واضح ہو گئی۔ نور محمد سیدھا اجلاس میں داخل ہوا۔ کہنے لگا۔ اجلاس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ حضور قبلہ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا۔ حضور قبلہ عالم کے قریب ہو جاؤ۔ نور محمد حضور کے قریب آگیا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور نور محمد سے کسی قسم کا مواخذہ نہ فرمایا۔ نور محمد کے دل سے خوف جاتا رہا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ آخر میں نے نور محمد

---

لے نور محمد نے گردن دکھائی۔ کہنے لگا ابھی تک مجھے گردن میں درد محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ گردن پر تھپڑ کا نشان نظر آ رہا تھا۔

کو مراقبہ سے ہٹایا۔ میرا دل خوشی کے مارے دھڑک رہا تھا۔ مگر نور محمد اپنے کیے پر پشیمان گریہ کناں تھا۔ میں نے اُسے تسلی دی۔ اور دوبارہ وعدہ کرایا۔ کہ آئندہ کسی دعوت میں نہ شریک ہو۔ نہ کسی شخص سے دوستی رکھو۔ ان سب سے قطع تعلق کرو۔ اور اب بازار میں بھی مشاہدہ سے متعلق کوئی بات نہ کرو۔ مگر جب لوگوں نے نور محمد پر پھبتیاں کنا شروع کیں تو اُس نے پھر فقیری کا دعویٰ کرنا شروع کیا۔ اور لوگوں کو ان کے خفیہ حالات بتائے۔ تو لوگ اس کے کشف پر حیران ہو گئے۔ لوگ اگرچہ طریقت کی حقیقت سے نا آشنا تھے۔ لیکن نور محمد کے حالات دیکھ کر سلسلہ کے لوگوں پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہے اور اکثر لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے لگے۔

## حُبِّ رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ کے اثرات

بلاشبہ شریعت کی رو سے یہ امر قطعاً مبالغہ تصور کیا جاتا ہے۔ کہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرنے والا ایسا مقام پا نہیں سکتا۔ البتہ اس مقام پر قرآن کریم کی وسعت علمی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشخص کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ قرآن تمام انبیاء کی کتابوں سے افضل ترین کتاب ہدایت ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ه

ہم نے قرآن پڑھنے والوں کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ یہ کتاب فلاح انسانی۔ نجاتِ آخرت۔ اور معرفتِ حقیقی کے لیے پیش کی گئی۔ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ۔ اس قرآن میں احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام اصلاح انسانی کے لیے مخصوص ہیں۔ جو شریعت سے تعبیر ہیں۔ انہیں احکام پر عمل کے نتیجہ میں نجاتِ آخرت منحصر ہے۔ اس کے علاوہ قرآن نے معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کا ایک خاص طریق بھی پیش کیا۔ جس کے لیے قرآن نے زائد عبادت۔ اور اللہ و رسول سے محبت کو ایک خاص عمل قرار دیا۔ اس عمل کے نتیجہ کا تعلق متشابہات سے ہے۔ جیسا قرآن نے خود متشابہات کا ذکر کیا ہے۔ وَ أُخْرٍ مُتَشَبِهَاتٍ احکام سے سوا قرآن میں ایسی آیات



بھی ہیں۔ جن کا تعلق متشابہات سے ہے۔ متشابہات سے مراد وہ آیات جن کا ایک ظاہری تصور ہے۔ لیکن اس ظاہری تصور پر اس کے متشابہ۔ باطنی تصور ہم معنی و ہم شکل نہیں۔ بلکہ روحانی اعتبار سے ان آیات کا تصور مختلف ہے۔ یہی مختلف تصور ہے جو ظاہر و باطن میں فرق پیدا کرتا ہے۔ اس حال میں اگر باطن کو ظاہر کے ساتھ متماثل رکھا جائے۔ تو فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر باطن کو ظاہر کے خلاف تصور کیا جائے۔ تو بھی فتنہ پیدا ہوگا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ

پس جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآنی آیات کو جھٹلانے کی خاطر متشابہات کیفیات پر بلا تحقیق و مشاہدہ بحث کرتے ہیں۔ وَابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وہ فتنہ پیدا کرنے کے لیے باطنی کیفیتوں کو ظاہری تصور میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ متشابہات آیات بغیر مشاہدہ قلبی تصور میں نہیں آتے۔ بجائے خود ان آیات کی بھی ایک حیثیت ہے۔ جو ظاہر تصور کے برعکس محسوس کی جاتی ہے۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جو قرآنی آیات کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے اس کے لیے عقل سلیم اور صحیح قوت اجتہاد۔ نور قلبی اور لطیف شعور کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ قرآنی احکام میں خلاف شریعت احکام کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن قرآنی عظمت کا معجزہ ہے۔ کہ ایسے خلاف شریعت اعمال بھی قابل مواخذہ نہیں رہتے۔ یہ معجزہ دراصل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ کہ قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولوالعزم خطابات سے پکارا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

”نہیں بھیجا آپ کو ہم نے۔ مگر مخلوق انسانی کے لیے ذریعہ رحمت و عقو اور ذریعہ نجات“ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔ جب کفار احکام الہی کی تعمیل میں خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تو ان کے نتائج میں عذاب کا احساس کر کے دکھی ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں عذاب کی تکلیف ہوگی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی مغفرت یافتہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی غمگین رہتے ہیں۔ اور جب مومنوں سے

عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔  
تو ان کے گناہ ”معاف ہو جاتے ہیں“ ظاہر ہوا۔ کہ خلاف شریعت احکام کی خلاف ورزی  
پر آپ مخلوق انسانی کے شفیع ہو جاتے ہیں۔ یہی صفت رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی شفاعت سے گناہ معور عفو ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے اس صفت رحمت کا خصوصی  
طور پر اظہار کیا۔

قرآنی تاریخ میں ان آثار میں ایک حقیقت پوشیدہ ہے۔ کہ گزشتہ انبیاء نے اپنی  
قوموں کی نافرمانی پر اظہار غضب کیا۔ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنْ  
الْكٰفِرِيْنَ دَيًّا ۙ ا۔ کہا نوح علیہ السلام نے اے رب اس قوم کو ان کی نافرمانی کے  
سبب نیست و نابود کر دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کرنے کی پاداش  
میں ان کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ فرعون  
اور اس کی قوم کو غرق کر دیا گیا۔ فرعون نے پکار پکار کر کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں  
تجھ پر اور تیرے رب پر ایمان لایا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غضبناکی نے اسے نجات کا  
موقع نہ دیا۔ ایسے ہی کئی واقعات سے گزشتہ انبیاء کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جن کا ذکر  
قرآن نے دانستہ طور پر جان بوجھ کر کیا۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں ایک مصلحت  
تھی۔ وہ یہ کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رحمت کی نشاندہی ہو۔ حَرِثُیُّ  
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ دُؤُوفٌ رَّحِيْمٌ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے۔  
ایک نیا باب رحمت وا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں پر بھی رحمت بن کر تشریف  
لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو شدید عذاب دوں  
گا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی قلب اطہر میں درد رکھتے ہیں۔ تاریخ اس امر  
کی شاہد ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر آپ کی قوم نے انتہائی مظالم ڈھائے۔  
ہاں اذرا غور کرو۔ قرآنی احکام کی خلاف ورزی۔ ایک طرف۔ مگر یہاں خود حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کی محبوب شخصیت ظلم و ستم کا نشانہ بنی۔ طائف میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات رحمت پر اس قدر تہراؤ کیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے خون بہنے لگا۔



شدتِ اذیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کی سفارش فرماتے ہیں۔ اے رب انہیں معاف کر دے۔ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ نہیں پہچانتے۔ یہ صرف ان پر عفو واجب کرنے کی کوشش ہے۔ کہ کسی طور اس قوم پر ”عفو“ واجب ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اذیت نہ برداشت کرتا۔ انہیں یقیناً تباہ کر دیتا ہے۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ

ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے۔ یہ مقام انتہائی شدت کا تھا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ بھی برداشت نہ کر سکا۔ حقیقت بین۔ حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رحمت اس سزا پر بھی خوش نہ ہوگی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی غلام اور ہندہ کا واقعہ مشہور ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی۔ ایمان و سلامتی کے دروازے بند نہ کیے اس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وحشی غلام کو دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔ اس حال میں بھی انہیں ان کے گناہوں سے نجات دلا کر لائقِ جنت بنایا۔ ہاں ان کے گناہ محور عفو ہو گئے۔ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے سکون کے تمام دروازے بند کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ مگر فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض رحمت و عفو سے کام لے کر اعلان فرمایا۔ ابوسفیان کو ہی شفیع بنایا۔ کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے۔ اُسے پناہ دی جاتی ہے۔ اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو دیکھئے۔

مَا يَنْتَظِرُ عَلٰی الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ۝

اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رحمت ملاحظہ کیجئے۔ اس کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ

آج کے دن تم سے۔ تمہارے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔ تم رحم کیے جاتے ہو۔

تم عفو کیے جاتے ہو۔ تم اگر میری اطاعت کرو۔ تو تمہیں اسی وقت جنت و نجات کی سند دی جائے گی۔ سو آج تمہارے گناہ حصولِ رحمت میں مانع نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”محبوبیت“ پر دلالت کرتی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”محبِّمِ حُبِّ“ اور ”محبوبِ“ بنایا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

ان سے کہہ دیں کہ رضائے الہی۔ محبتِ الہی انسانی فریضہ میں شامل ہے۔ یہ محبتِ رضا حاصل کرنا۔ سوائے اس کے نہیں کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ یہ عمل محبتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر ہے۔ اتباع بغیرِ حُب کے کامل نہیں۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

اے مومنو جو تعمیلِ شریعت میں ایمان کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، اس حال میں بھی تم کامل مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب تک کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ذات۔ اپنی اولاد۔ اپنے ماں باپ اور دنیا کی ہر شے کے مقابلہ میں زیادہ محبت نہ رکھو۔ ظاہر ہوا۔ تعمیلِ شریعت سے سوا۔ محبتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص عمل ہے۔ جس حُب کے مقابلہ میں ہر عمل کی حیثیت مقدار میں ادنیٰ تصور کی جاتی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تاریخ کو مد نظر رکھ کہ۔ یہ باور کیا جاسکتا ہے۔ کہ جن یہود و نصاریٰ اور کفار عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید مظالم ڈھائے۔ وہی کائنات کے وارث اور جنت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر کمر باندھ کر نکلتے ہیں۔ ہاں! کائنات کی محبوب ترین ہستی کے قتل پر آمادہ ہونا۔ کائنات کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اور ایسا ہی ہونا تھا۔ کہ سب سے عظیم گناہ کا مظاہرہ ہو۔ تاکہ اس جرم کے مقابلہ میں۔ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو کا اعلیٰ مظاہرہ ہو۔ یہ محبوبیت کا اعلیٰ مقام ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اسے معاف کیا جاتا ہے۔ یہی حضرت عمرؓ عشرہ مبشرہ میں داخل کیے جاتے ہیں یہ



محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مجملہ انبیاء کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ یہی صفتِ محبوبیت اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ اُمت کے گناہ مُعاف کیے جاتے ہیں۔ مُعاف کا مادہ ”عفو“ سے ہے۔ عفو سے مراد نامہ اعمال سے گناہ کا مٹ جانا۔ پھر گناہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ یہی محبوبیت علمائے اُمت۔ اولیائے کاملین کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان۔ اپنی اولاد۔ اپنے مال باپ۔ اور دُنیا کی ہر شے سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اس محبت کے صلہ میں انہیں بھی محبوبیت کا مقام ملتا ہے۔ لہذا جو شخص اولیائے کاملین سے محبت رکھے وہ بھی محبوب بن جاتا ہے۔ اس سے خلافِ شریعت افعال سرزد ہوں۔ تو ایک نیکی کے عوض اس کے گناہ محو کیے جاتے ہیں۔ اور اس کی نیکی باقی رہتی ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

”نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔“ یہ انعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے طفیل عطا کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

”جو شخص ہم پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درودِ عفو (رحمت) بھیجتا ہے۔“ اس ارشادِ گرامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ایک کے بدلے دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ ان ارشادات کی روشنی میں۔ ایک دل اکمل کی۔ محبوبیت کے پیشِ نظر۔ ایک مرید کے درود بھیجنے پر۔ اس کے گناہ۔ خوشنودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور قُرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی کیفیت نور محمد کے واقعہ میں اصل علت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت کے سبب اس کا گناہ۔ اس کے حصولِ مراتب اور مشاہدہ میں حارج نہیں ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ بارہا۔ یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ان کے خلافِ شریعت افعال پر ان کے مراتب میں فرق نہیں آتا۔

ہاں! — اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ اویسیہ میں۔ مرید کو خلافِ شریعت افعال کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے۔ — نہیں۔ — ایسا نہیں بلکہ ہر گناہ کا مواخذہ لازم آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ کافر کی نیکی کا بدلہ اسے دنیا میں آسودگی کی شکل میں ملتا ہے۔ اور اس کے گناہ کا اجر آخرت پر چھوڑا جاتا ہے۔ — اس کے برعکس مومن کے گناہ کا بدلہ دنیا میں — جسمانی تکلیف کی صورت میں پورا کیا جاتا ہے۔ اس کی نیکیاں آخرت کے لیے وقف کی جاتی ہیں۔ — اسی طرح طالبِ حق کی لغزشیں۔ مجز ہوتی ہیں۔ اس حال میں کہ اسے جسمانی تکلیف میں ڈالا جاتا ہے۔ — اور اس کے درود و حُب کے عوض اسے قربِ پیر۔ قربِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میسر رہتا ہے۔ البتہ یہ اصول بھی۔ متعین ہے۔ کہ مبتدی کے لیے ایسی رعایت ہوتی ہے۔ کہ اعلیٰ مراتب کے ولی کے لیے۔ حُب کے آداب کو ملحوظ رکھنے میں شدید پابندی ہے کہ اس سے کسی لغزش پر سخت مواخذہ ہوتا ہے۔ یہ امر خلافِ آدابِ حُب و طریقت تصور ہوتا ہے۔ کہ کسی ولی سے معمولی سی لغزش بھی قابلِ مواخذہ ہوتی ہے۔ — ایسی صورت میں ولی مراتب سے گر سکتا ہے۔ اور اس پر قبضہ (مشاہدہ کی بندش) طاری ہو جاتی ہے۔ تا وقتیکہ وہ تزکیہ نفس سے اپنے جسم کو محنت و تکلیف میں ڈال کر پاک نہ کرے۔ — لہذا اعلیٰ مرتبہ کا ولی ہر لغزش میں محتاط رہتا ہے۔ اس سے کوئی لغزش (گناہ) سرزد نہیں ہوتی۔ — اس حال میں کہ وہ ہر لمحہ دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشغول رہتا ہے۔ ایک ولی کے لیے یہ امر خلافِ آداب تصور کیا جاتا ہے۔ — وہ ایک نورِ مجسم سے نظر ہٹا کر ادنیٰ شے کی طرف نظر اٹھائے۔ البتہ میں یہ کہوں گا۔ کہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ گرامی کو یہ خصوصیتِ محبوبیت عطا ہے کہ آپ کے مریدوں پر کسی حال میں۔ باز پرس نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اصولِ طریقت کے مطابق ان کے تزکیہ نفس کے لیے ان پر جسمانی تکلیف ڈالی جائے۔ — یہ اس لیے کہ سلسلہ اویسیہ میں حصولِ مشاہدہ و حصولِ مراتب میں تزکیہ کی پابندی نہیں۔ پیر اکمل جسے چاہے اپنی ذات و اختیار سے کسی کو مراتب عطا کرے۔ البتہ اصولِ طریقت کے تابع ہر شخص کے لیے تزکیہ نفس لازم ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے لغزش سرزد نہ ہو۔ — یہی کیفیت نورِ محمد کے واقعہ میں سامنے آتی



ہے۔ اسی خصوصیت کے تابع۔ غیر مسلم۔ عیسائی۔ ہندو۔ جب حضور قبلہ عالم کی خدمت میں۔ خواہ عقیدتاً یا آزمائشاً حاضر ہوتے۔ تو وہ بغیر دین میں داخل ہوتے۔ بغیر شرعی پابندی۔ بلکہ بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف راقبہ میں تصور پیر کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاتے۔ ایسے لوگوں میں جناب قبلہ سخی صاحب کا ایمان لانا۔ خود ایک دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ یہ وہ ہستیاں ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کہ خیالی تصورات کو حقیقت سمجھنے میں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ کہ آیا یہ واقعات حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا نظر کا دھوکا ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ رَأَانِي فَقَدْ رَأَا نِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلِي

جس نے ہمیں (خواب یا بیداری میں) دیکھا۔ درحقیقت اس نے ہمیں ہی دیکھا۔ پس نہ شیطان ہماری مثل بن سکتا ہے۔ نہ تصور خیالی میں ہمارا تصور آ سکتا ہے۔ یقیناً انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ یہ واقعات حضور قبلہ عالم کی علوم مرتبت اور محبوبیت کی واضح دلیل ہے۔ نور محمد کا ایک رات میں حضور ی ہونا۔ یا گناہ کی حالت میں اپنے مقام پر قائم رہنا حضور قبلہ عالم کی صفت محبوبیت کے تابع تھا۔ اس کے بعد جب تک نور محمد زندہ رہا۔ وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور حضور ی فقیر رہا۔ گزشتہ دور میں جب تقسیم ہند کے بعد۔ پاکستان وجود میں آیا۔ نور محمد نے حکام وقت کے ساتھ اختلاف کیا۔ جس کے نتیجہ میں اُسے جیل میں ڈالا گیا۔ حالاتِ زمانہ نے اس کے نظریہ سے مناسبت نہ کی۔ اسی حالت میں وہ اس فساد زدہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر۔ دارِ آخرت کو سدھارا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

## سلسلہ اولیسیہ کی خصوصیت

حضور قبلہ عالم سلسلہ اولیسیہ قادریہ کی خصوصیت میں فرماتے ہیں:

أَطْرُقُ إِلَى اللَّهِ أَحْسَنَ طَرِيقَةٍ الْقَادِرِيَّةِ

طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک بہتر طریق قادریہ ہے کہ بسبب محبوبیت حضرت محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو بھی محبوبیت کا مقام عطا ہوا۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ قادریہ کے فقیر کو اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے۔ اور ایک طالب کو آسانی سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

أَطْرُقُ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ طَرِيقَةُ الْأَوْثِيَّةِ

”اور طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب سلسلہ سلسلہ اویسیہ ہے“ بسبب محبوبیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کہ آپ کو محبوبیت کا اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ اویسیہ کے فقیر کو بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت چاہے۔ جتنی بار چاہے۔ بلا اجازت اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو سکتا ہے۔ باقی سلسلوں کے فقرا کو اجلاس میں داخل ہونے کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ باقی سلسلوں میں ایک طالب کو عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں طے کرنے کے بعد اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونا ہے۔ مگر سلسلہ اویسیہ کا طالب عالمِ ناسوت کی منازل کو ایک آن میں پھلانگ کر اپنی پہلی منزل میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی خصوصیت محبوبیت حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اویسی کو ورثہ میں عطا کی گئی ہے۔ کہ کسی شخص کا حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضری دینا ہی کافی ہوتا کہ وہ حضوری ہو جاتا جس میں نہ اصول اویسیہ۔ نہ شریعت کی اتباع لازم آتی ہے۔ بلکہ حضور کی طرف ایک ساعت رجوع ہی کافی ہوتا۔ یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے۔ لیکن اگر کسی مرید سے لغزش بھی ہو جاتی۔ تو آپ ظاہراً اس سے اظہارِ ناراضگی نہ فرماتے۔ بلکہ بعض اوقات جلال میں آکر فرماتے ”تم چاہے بھاگ بھی جاؤ۔ مگر جس کے گلے میں میرا ہاتھ پڑ گیا۔ میں اسے فقیری سے جانے نہ دوں گا۔ فِذَا هُ اُتْمٰی وَاِیُّ ہم نے کئی لوگوں کو ان کی شرارتِ نفس کے سبب۔ سلسلہ سے برگشتہ ہوتے دیکھا۔ مگر حضور کبھی ان کے فرار کو خاطر میں نہ لاتے۔ بلکہ فرماتے جانے دو۔ خود ہی سیدھا ہو جائے گا۔



آخر ایسا ہی ہوتا کہ وہ خود نادام ہو کر حضور کے قدموں میں گر پڑتا۔ جانو!۔ حضور قبلہ عالم کو نہ پیری مریدی کی خواہش تھی۔ نہ کسی شخص سے مال و زر کے حصول کی خواہش تھی۔ نہ ہی یہ جذبہ تھا۔ کہ کوئی آپ کو پیر سمجھ کر۔ اظہار عقیدت کرے یا احترام کرے۔ آپ ان خواہشات سے یکسر لا ابال تھے۔ بلکہ اکثر دیکھا کہ کوئی شخص آپ سے گستاخی سے پیش آتا۔ تو حضور کے قلبِ اطہر پر ذرہ بھر ملال نہ آتا۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں ایسا گستاخ شخص بھی کچھ فیض لے کر جاتا۔ بعض اوقات حضور کے محبتوں میں کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی آدابِ طریقت میں کوتاہی کی شکایت کرتا۔ تو آپ اس سے ناراض ہو جاتے۔ فرماتے ہمارے سامنے کسی شخص کی شکایت نہ کی جائے۔ یہی ہو گا کہ ہم اسے اپنی مریدی سے خارج کر دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہو گا۔ ہم کسی کو اپنی توجہ سے باہر نہ چھوڑیں گے۔ کرنے دو جو کچھ کرتا ہے۔ فقیر کی توجہ ہر وقت مرید پر رہتی ہے۔ نفس کتنی دیر شرارت کرے گا۔ آخر ایک دن دست ہو گا۔ یہ امر ہماری ذمہ داری میں ہے کہ ہم اسے راہِ راست پر لائیں۔ فیض سے دور کرنا ہمارا دستور نہیں۔ سبحان اللہ

## ماسٹر غلام محمد مریدوں میں شامل ہو گئے

گزشتہ صفحات میں ماسٹر غلام محمد کا ذکر ہوا۔ کہ بارہمولہ قصبہ میں جب حضور قبلہ عالم نے مسجد میں دو فریق میں حاضر و ناظر مسئلہ کے تنازعہ پر صلح کرادی تو ماسٹر صاحب نے حضور سے کہا۔ کہ مجھے بھی تسخیر کا کوئی وظیفہ دیں۔ حضور نے اُسے درود شریف دیا۔ کچھ عرصہ گزرا۔ ماسٹر صاحب تحصیل ہندواڑہ میں تبدیل ہو گئے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم۔ جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کے گھر سے واپس اپنے دولت کدہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ زمانہ موسم سرما کا تھا۔ شدت کی سردی تھی۔ حضور قبلہ عالم گھوڑے پر سوار ہندواڑہ بازار سے گزر رہے تھے۔ ماسٹر غلام محمد نے انہیں جاتے دیکھا۔ دُور سے پکارا۔ اُو۔ پیرا۔ تہا لے وظیفہ نے تو کچھ کام نہ دیا۔ ماسٹر صاحب بڑے گستاخانہ انداز میں بولے۔ حضور کو سخت غصہ آیا۔ جاتے جاتے غصہ سے کہا۔ حرام زادے۔ ایسا ڈنڈا چڑھاؤں گا۔

پھر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضور سیدھے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی رات ماسٹر صاحب پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بلا ارادہ روضہ پر نہ منور کھلا۔ سیدھا اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو گیا۔ نفس سرکش تھا۔ جذب طاری ہو گیا۔ اب اجلاس کی کیفیت نظروں سے ہٹتی نہیں۔ نور کی شدت سے بھاگتے پھرے۔ ان کی والدہ نے ماسٹر صاحب کی حالت دیکھی۔ پریشان ہوئی۔ پوچھا کیا بات ہے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا۔ کل پیر صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے مذاقاً ایسا کہا۔ اُن کی توجہ سے میرا یہ حال ہے۔ ماسٹر صاحب کی والدہ اسے حضور کی خدمت میں لائی۔ اور ماسٹر صاحب کی گستاخی کی معافی چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ ماسٹر صاحب اب کچھ پتہ چلا کس طرح تسخیر ہوتی ہے۔ اُٹھو۔ اور زمین کھودو۔ ہم نے بیج بونا ہے۔ ماسٹر صاحب نے بیلچہ ہاتھ میں لے کر زمین کھودنا شروع کر دی۔ جب تھک گئے تو حضور نے بلایا۔ توجہ دی۔ ماسٹر صاحب سے جذب دور ہو گیا۔ اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ صاف ہو گیا۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے حالات بدل گئے۔ اور مراتب کا انکشاف ہونا شروع ہوا۔ اب ان کے مشاہدہ کی کیفیت یہ تھی کہ کھلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت مشاہدہ کرتے۔ یا وصف اس کے کہ ماسٹر صاحب سلسلہ میں اچھے مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہوتے۔ ان کی شرارتِ نفس بدستور قائم رہی۔ اس وجہ سے ان پر اکثر جذب طاری ہو جاتا۔ تو والدہ انہیں حضور کی خدمت میں لاتی۔ آپ ماسٹر صاحب کو زمین کھودنے کی مشقت ڈالتے۔ تو ان سے جذب ہٹ جاتا۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ ماسٹر صاحب کو گہری نیند سے اٹھایا جاتا۔ حکم ہوتا کہ اُٹھو۔ دریا سے غسل کر کے ایک سو رکعت نفل ادا کرو۔ سردی کا موسم ہوتا۔ تو ماسٹر صاحب بستر سے اُٹھنے میں تباہل کرتے تو اجلاس کا مشاہدہ ہو جاتا اور حضور حکم دیتے اسے کوڑے لگاؤ۔ جناب قبلہ سخی خان صاحب کو کوڑے لگانے کا حکم ہوتا۔ آپ اسے کوڑے لگاتے۔ تو ماسٹر صاحب اُٹھ کر نفل پڑھنے شروع کرتے۔ ماسٹر صاحب آداب کا لحاظ نہ رکھتے۔ قبلہ سخی صاحب سے کہہ رکھتے۔ کہ یہ اجلاس میں مجھے کوڑے لگاتے ہیں۔ اس کے باوجود سلسلہ کے مرید ماسٹر صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اپنے اپنے معاملات



میں ان سے مدد مانگتے۔ ماسٹر صاحب کھلی آنکھوں ان کے معاملات اجلاس میں پیش کر کے حل بتا دیتے۔ نفس کی شرارت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضور کی شان میں بھی گستاخی کرتے مگر حضور ان کی گستاخی پر تبسم فرماتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضور قبلہ عالم شہر میں محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قریبی مرید حضور کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ ماسٹر صاحب بھی حضور قبلہ عالم کے ساتھ آئے تھے۔ دورانِ گفتگو ہم سے کہنے لگے۔ تحصیل ہندواڑہ میں جنات نے اندور پکڑ رکھا تھا۔ ایک آدمی کو میرے پاس لایا گیا کہ اس پر جنات کا دخل ہے۔ میں نے علاقہ کے تمام جنات کو جمع کر کے حکم دیا۔ کہ یہ علاقہ چھوڑ کر کسی اور ویران جگہ چلے جاؤ۔ ورنہ میں سب کو جلا کر بھسم کر دوں گا۔ جنات گھبرا گئے۔ اور معافی مانگنے لگے۔ آئندہ ہم اس علاقہ میں کسی کو تنگ نہ کریں گے۔ میں نے اس شرط پر معافی دی کہ علاقہ میں کسی شخص کو نہ چھڑیں۔ اور ہفتہ وار پانچ روپے ٹیکس ادا کریں۔ جنات نے شرط منظور کر لی۔ اور ہفتہ وار پانچ روپے ماسٹر صاحب کے گھر بھینک دیتے۔ ہم نے یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کو سنایا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور ماسٹر صاحب کو گالی دے کر فرمایا۔ تم ابھی شرارت سے باز نہیں آتے۔ اب حرام کھانا بھی شروع کیا۔ اچھا ہم تمہارا بندوبست کر دیں گے۔ ماسٹر صاحب ناراض ہو گئے۔ کہ تم نے حضور قبلہ عالم سے کیوں ذکر کیا۔ اب تو وہ مجھ پر عذاب ڈالیں گے۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے روپے آنے بند ہو گئے۔ اب نہ ان کے بلائے کوئی جن ان کے پاس آتا۔ باوجود نفسی شرارت کے ماسٹر صاحب کے مشاہدہ میں فرق نہ آیا۔ اور اجلاس میں حاضری بھی دیتے رہے۔ واللہ! — اس میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ یہ ایک حقیقی واقعہ ہے۔ حضور قبلہ عالم سے عقیدۂ نسبت رکھنا ہی حضور ہونے کے لیے کافی ہوتا۔ بعض ایسے لوگ بھی حضور کی خدمت میں پیش ہوتے جو کسی دوسرے سلسلہ سے نسبت رکھتے آپ انہیں بغیر شرائط درود و تشریف کی اجازت دیتے۔ اور وہ لوگ حضور ہی ہو جاتے۔ حضور کسی شخص کو سلسلہ سے الگ ہو کر سلسلہ ادیسیہ کی بیعت ہونے کا پابند نہ فرماتے۔ اس حال میں بھی لوگ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتے۔

## عبدالعزیز درود شریف پڑھنے سے صحت مند ہو گئے

حضور قبلہ عالم جناب عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گھر تشریف لائے۔ شہر کے لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ توجوق درہوق آپ کی خدمت میں آنے لگے اور بیعت ہو گئے۔ ایک بیمار کو لایا گیا۔ کہ حضور اس کی صحت کے لیے دُعا فرمائیں۔ یہاں یہ عام رواج تھا۔ کہ جہاں کسی فقیر کی اطلاع ملی۔ تو لوگ دنیوی حاجات کے لیے فقیر سے رجوع کرتے کہ فقیر کرامات سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا۔ حضور کا طریق یہ تھا کہ ہر حاجت مند کو نماز کی تلقین فرماتے۔ اور درود شریف پڑھنے کے لیے دیتے کہ درود شریف پڑھو تو خود بخود صحت مند ہو جاؤ گے۔ بعض کے لیے دُعا بھی فرماتے۔ بیمار کے ساتھ اس کے تین چار عزیز بھی تھے۔ جو اُسے اٹھا کر لائے تھے۔ بیمار بہت لاغر ہو چکا تھا۔ اسے گردوں میں تکلیف تھی۔ ڈاکٹر نے علاج کیا آخر آپریشن کے ذریعہ ایک گدہ لکانے کا مشورہ دیا۔ بیمار سخت مایوس تھا۔ یہ شخص شہر کا رہنے والا۔ عبدالعزیز راتھر صاحب تھے۔ جو محکمہ بربر شاہ میں رہتے تھے۔ حضور نے راتھر صاحب کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ راتھر صاحب نے عذر پیش کیا۔ کہ میں نہ آرام سے بیٹھ سکتا ہوں۔ نہ کچھ پڑھنے کی سکت ہے۔ دُعا فرمائیں ذرا آرام آجائے۔ تو میں درود شریف پڑھوں گا۔ حضور نے تسلی دی کہ تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ اچھا ہم توجہ دیتے ہیں۔ رات کو یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرو۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

ایک سو بار پڑھیں۔ پھر کل ہمارے پاس آئیں۔ پھر ہم باقی علاج کر دیں گے۔ دوسرے دن عبدالعزیز صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے دیکھا ان سے مایوسی چھٹ چکی تھی۔ کسی حد تک خوش محسوس ہو رہے تھے۔ عرض کی۔ آج میں نے رات تین سو سے زیادہ وظیفہ پڑھا۔ اور بہت مدت بعد رات آرام سے سویا۔ حضور نے تسلی دی کہ اللہ کے فضل سے تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ اور درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ یہ درود شریف



گیارہ سو مرتبہ پڑھیں۔ فی الحال جتنا ہو سکے۔ اتنا ہی پڑھیں۔ فَاَقْرَءْ وَ مَا يَنْسُرُ مِنْ الْقُرْآنِ  
 اس کے بعد راجہ علی اکبر صاحب فار سٹر۔ اور مجھے حکم دیا کہ ہم عبدالعزیز کی نگرانی کریں۔  
 یعنی انہیں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور قبلہ عالم کے پیش کر کے راتھر صاحب  
 کا باطنی علاج کریں۔ عبدالعزیز راتھر صاحب پُر امید ہو کر گھر چلے آئے۔ دوسرے دن میں  
 اور علی اکبر صاحب۔ ان کا لڑکا نذیر احمد راتھر صاحب کے گھر گئے۔ اور راتھر صاحب کو  
 اجلاس میں پیش کر کے حضرت شہید غازی رحمۃ اللہ علیہ سے علاج کرایا۔ مراقبہ سے فارغ ہو  
 کر ہم تینوں نے مراقبہ کی کیفیت ایک دوسرے سے پوچھی۔ کہ شہید غازیؒ نے کس طرح  
 راتھر صاحب کا علاج کیا تو ہم تینوں کے مشاہدے یکساں تھے۔ ہر ایک نے ایک جیسی  
 کیفیت مشاہدہ کی۔ ہمیں یقین ہو گیا۔ کہ راتھر صاحب صحت مند ہو جائیں گے۔ تین دن متواتر  
 ہم نے عبدالعزیز صاحب کے گھر جا کر اسی طرح باطنی کاروائی کی۔ تین دن میں ہی راتھر صاحب  
 نے صحت محسوس کی رفتہ رفتہ راتھر صاحب کی بیماری دُور ہو گئی۔ اس کے بعد راتھر صاحب  
 ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا۔ تو کہا کہ تمہارے گردے صمغ کام کر رہے  
 ہیں۔ اب آپریشن کی ضرورت نہیں۔ اب تم مکمل صحت یاب ہو۔ اس کے ساتھ ہی راتھر صاحب  
 نے نماز و درود شریف شروع کیا۔ آپ محکمہ ابریشم ریشم خانہ میں ملازم تھے۔ اب  
 راتھر صاحب کی حالت یہ تھی کہ گھر سے دفتر جاتے اور آتے آپ کا ہاتھ پیلون کی جیب  
 میں رہتا۔ اور ہر وقت تسبیح چلاتے۔ درود شریف پڑھتے رہتے۔ آخر عبدالعزیز صاحب  
 نے حضور قبلہ عالم کو گھر مدعو کیا۔ حضور نے آپ کی دعوت منظور فرمائی۔ اور حضور قبلہ عالم  
 ایک دن راتھر صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب۔ میں۔ اور  
 کئی ایک درودخوان راجہ علی اکبر وغیرہ مدعو ہوئے۔ اس موقع پر عبدالعزیز راتھر صاحب

---

۱۔ سلسلہ اویسیہ کا یہ طریقہ ہے کہ سائل کو اجلاس میں پیش کیا جاتا ہے۔ اجلاس میں حضرت شہید غازیؒ  
 سلسلہ اویسیہ کے ڈاکٹر ہیں۔ بیمار کو ان کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ بیمار کا علاج کرتے ہیں۔  
 دوا دیتے ہیں۔ آپریشن کرتے ہیں تو بیمار ظاہر طور صحت مند ہو جاتا ہے۔

کے بھائی۔ (عبدالقادر صاحب۔ غلام رسول راتھر۔ شمار اللہ راتھر وغیرہ) اور گھر کی اکثر مستورات اور بچے سب حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ ان میں ان کے بھائی اور چند مستورات اور بچے صاحبِ مشاہدہ حضوری ہو گئے۔ اس طرح — موسیٰ کو آگ کی تلاش تھی — ”پنجمیری ٹی“ کے مصداق۔ عبدالعزیز راتھر صاحب کی بیماری ان کے لیے حصولِ معرفت کا سبب بن گئی۔ ظاہر ہے کسی بیمار کو صحت مند کرنا ایک ناسوتی عمل ہے کہ بچوں تک مار دی تو صحت مند ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن حضور نے کبھی توجہ سے کرامات کو استعمال نہ فرمایا۔ اس وجہ سے کہ طریقِ اولیہ کے مطابق ایک حاجت مند کی حاجت پوری ہو۔ اور ساتھ معرفت بھی حاصل ہو۔ اس حال میں کہ وہ خود اپنا علاج کرنے کی خاصیت پا کر دوسروں کے لیے حاجت روائی کا سبب بن جاتا۔ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اپنی فقیری معمولی کاموں کے لیے استعمال نہ کرو۔ ظاہر کے لیے عقل و فہم اور تدبیر استعمال کرو۔ باطن کو باطن۔ اور مراتب کے لیے وقف رکھو اگر ضرورت محسوس ہو۔ تو خود اپنا علاج کرو۔ ایک باریں اور قبلہ سخی صاحب حضور قبلہ عالم کے ہمراہ ریل کے سفر میں کہیں جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں نے کھر کی سے باہر سرنگال کر دیکھا۔ تو میری آنکھ میں انجن کے دھویں سے کوئلہ کا ایک ذرہ چلا گیا میری آنکھ میں شدت کا درد شروع ہوا۔ آنکھ سُرخ ہو گئی۔ درد کی وجہ سے میں بے چین ہو گیا۔ حضور سے عرض کی کہ میری آنکھ میں کوئلے کا ذرہ چلا گیا۔ اور سخت درد محسوس ہو رہا ہے۔ آپ نے مجھے جھاڑ دیا۔ فرمایا۔ اب ہم کیسے ذرہ نکالیں خود اپنا علاج کرو۔ میں نے ایسی حالت میں حضور قبلہ عالم کا تصور کیا۔ تصور میں آپ کے دستِ مبارک کا انگوٹھا آنکھ پر ملا۔ آنکھ کھولی۔ انا فنا درد جاتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں یہی وجہ تھی کہ حضور خود کسی شخص کو پیش نہ فرماتے۔ بلکہ کسی مرید سے کہتے کہ ”اسے ہمارے پیش کرو“۔ اس طریق سے یہ فائدہ ہوتا کہ علاج کے ساتھ ایک شخص فیضِ باطنی سے بھی مستفید ہو جاتا۔

حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کی مشکلات میں ان کی تکلیفوں میں کرامات استعمال نہ



فرماتے۔ بلکہ ظاہری تدبیر و علاج پر زور دیتے۔ فرماتے۔ باطنی قوت کو ظاہری حالت میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ فرماتے اَلَّذِي هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ کیا تم اپنی روحانی قوت کو ادنیٰ کیفیتوں کے عوض خرچ کرتے ہو۔ ظاہر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ظاہری علاج رکھا ہے۔ اس لیے تدبیر استعمال کرو۔ جناب قبلہ سخی صاحب گنٹھیا کے مرض میں مبتلا رہے۔ اور کبھی یہ درد شدت اختیار کر جاتا۔ بعض اوقات انہیں ڈیوٹی سے چار پائی پر اٹھا کر گھر لایا جاتا۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی ان کی تکلیف پر توجہ نہ فرمائی۔ فرماتے فقیر پر ابتلا اس کے روحانی مراتب کے عروج کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لیے تکالیف کو خود اہمیت نہ دو۔ بلکہ صبر و استقلال سے کام لیا کرو۔ محمد حنیف صاحب ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ آپ دورے پر گاندربل کے علاقہ میں گئے تھے۔ بخار ہو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے ٹھنڈا پانی پی لیا۔ بخار شدت اختیار کر گیا۔ واپس گھر آ گئے۔ قبلہ سخی صاحب کو اطلاع ملی۔ آپ بھی تشریف لائے۔ محمد حنیف صاحب کو ڈاکٹر رولنس کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے بتایا انہیں پوریسی ہو گئی ہے۔ یعنی ان کے پیپھرے کی جھل میں پانی بھر گیا ہے۔ اسی دوران حضور قبلہ عالم بھی تشریف لائے۔ ڈاکٹر نے مسلسل دو ماہ بستر پر لیٹے رہنے کی تلقین کی۔ اور دو ابٹائی۔ محمد حنیف صاحب مسلسل دو ماہ تک بستر پر فراش رہے۔ حضور نے بھی دعا فرمائی۔ آخر صحت یاب ہو گئے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبد الحفیظ صاحب بھی اسی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ چونکہ ڈاکٹر عبد الحفیظ صاحب زیر تعلیم تھے۔ اتنی طویل مدت ان کی تعلیم میں حارج ہوتی۔ حضور نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اور خود توجہ فرمائی۔ دو ہفتہ میں محمد حنیف صاحب صحت یاب ہو گئے۔ محمد حنیف صاحب کے چھوٹے بھائی۔ محمد شریف صاحب بجلی کے کام کی ٹریننگ کے لیے لدھیانہ میں تھے۔ انہیں بخار ہو گیا۔ کام چھوڑ کر بخار کی حالت میں گھر آئے۔ سفر کی وجہ سے بخار نے شدت اختیار کی۔ ان کے ہاں۔ ڈاکٹر رولنس کے شاگرد ڈاکٹر بیزیل عیسائی ڈاکٹر آئے تھے۔ اس نے کہا بخار بگڑ گیا ہے۔ تپ محرقہ ہو گیا۔ لہذا تقریباً ایک ماہ آرام ان کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ قبلہ سخی صاحب کو علم ہوا۔ آپ تشریف

لائے۔ شریف صاحب دودن سے بے ہوش تھے۔ قبلہ سخی صاحب نے انہیں توجہ دی۔  
 بیہوشی کے عالم میں شریف صاحب بولنے لگے۔ السلام علیکم۔ پیر صاحب۔ قبلہ  
 سخی صاحب فرمانے لگے۔ لو! اب خود حکیم پہنچ گئے۔ قبلہ پیر صاحب خود علاج کریں گے ہم  
 اٹھ کر باہر چلے آئے۔ شام کے قریب شریف صاحب کو ہوش آیا۔ اس وقت ڈاکٹر بیزیل  
 بھی شریف صاحب کو دیکھنے آیا۔ بخار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ بخار ختم تھا۔ پیر پچر مارل ہو چکا  
 تھا۔ شریف صاحب بستر سے اٹھے۔ اور کھانا مانگا۔ کھانا دیا گیا تو بالکل صحت یاب تھے۔  
 ڈاکٹر بیزیل حیران تھے۔ کہ میری تشخیص غلط نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک یہ بخار تقریباً ساتیس  
 دن تک رہنا تھا۔ مگر یہ تو اب صحت مند ہیں۔ ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہا۔ قبلہ سخی صاحب نے  
 پیش کیا۔ پیر صاحب کی نظر سے ٹھیک ہو گئے۔ وہ بھی متاثر ہوا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لائے  
 تو بہت عقیدت سے پیش آیا۔ اور اپنی معروضات قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیں کہ میرے  
 لیے دعا فرمائیں۔ میری چند مشکلات ہیں۔ حضور نے وعدہ فرمایا۔ ہفتہ کے اندر ڈاکٹر بیزیل  
 کی مشکل آسان ہو گئی۔ ایک دن حضور گھر سے تشریف لائے۔ آپ کو کچھ تکلیف تھی۔  
 فرمایا۔ ڈاکٹر بیزیل کو بلاؤ۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ اس نے دیکھا کہنے لگا۔ پیر صاحب  
 آپ میرے پیر ہیں۔ اور اب میں آپ کا پیر بن گیا۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا ہمارا علاج  
 کرو۔ بعد میں ہم آپ کے پیر بنیں گے۔ ڈاکٹر نے دوا لا کر دی۔ دودن حضور محمد ضیف  
 صاحب کے گھر تشریف فرما رہے۔ اور صحت یاب ہو گئے۔ تیسرے دن ڈاکٹر صاحب  
 روتے ہوئے آئے آپ اچھے پیر ہیں۔ میں مصیبت میں پھنسا۔ حضور نے پوچھا کیا ہوا؟  
 کہنے لگا رات میری بیوی نے ناراض ہو کر میرے والد کو گھر سے نکال دیا۔ حضور نے  
 فرمایا آپ میرے پیر ہیں۔ خود اس کا علاج نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بہت شرمندہ ہوا۔ کہ مجھ  
 سے گستاخی ہو گئی۔ معاف فرمادیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو مسلمان ہوتے نہیں۔ چلو ایسے  
 ہی پیر بنیں گے۔ جیسے معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ ڈاکٹر بیزیل گھر گیا۔ تو بیوی نے روتے  
 روتے ڈاکٹر سے معافی مانگی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں والد سے معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ ایسا  
 نہ کروں گی۔ چنانچہ ان کی صلح ہو گئی۔ اور بیوی فرمانبردار ہو گئی۔



حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کوئی بھی آتا خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ نے کبھی کسی کے داخلی معاملہ میں مداخلت نہ کی۔ بلکہ انسانی حیثیت میں ہر شخص سے اخلاقاً پیش آتے۔ اور ان سے فراخ دلی سے پیش آتے۔ اپنی طرف سے سخاوت پیش کرنے میں آپ نے کبھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اور ہر شخص سے بلا تینز مذہب و ملت توجہ فرماتے رہے۔ اور ہر شخص نے آپ کی توجہ سے فیض پایا۔

## ایک واعظ صاحب کے عجیب و غریب حالات

ایک دن حضور قبلہ عالم گاندربل میں جناب قبلہ سخی صاحب کے گھر تشریف فرما تھے۔ صحن میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بھی قریب بیٹھے ہیں۔ میں بھی خدمت میں حاضر ہوں اور بھی گاؤں کے چند لوگ خدمت میں حاضر ہیں۔ دو آدمی آئے۔ پوچھا ہم سخی ولایت خان صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ سامنے سخی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ وہ ادب سے جھکے سلام کیا۔ اور عرض کی کہ ہم مدت سے آپ کی تلاش میں تھے۔ آج آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ فقیر ہیں۔ استدعا ہے کہ ہمیں بھی کچھ فیض عطا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ ان سے رجوع کریں۔ وہ حضور کو پہچان نہ سکے۔ سمجھے قبلہ سخی صاحب ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم خاموش بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ شش و پنج میں پڑ گئے۔ آپ کی شکل سے یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ قبلہ سخی صاحب کے پیر ہیں۔ شکل و صورت کے توازن سے قبلہ سخی صاحب پیر نظر آتے تھے۔ انہوں نے پھر التجا کی کہ حضور ہم آپ کے پیچھے مدت سے سرگرداں رہے ہیں۔ آج ہمیں آپ کے متعلق معلوم ہوا۔ اس لیے ہمیں محروم نہ کریں۔ قبلہ سخی صاحب نے یقین دلایا کہ حضور ہی ہمارے پیر ہیں۔ یہ سُنکر وہ بہت نادام ہوئے۔ اور حضور سے معذرت چاہی کہ ہم آپ کو پہچان نہ سکے۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ فرمایا۔ سخی! انہیں درود شریف بتادو۔ قبلہ سخی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ انہیں درود شریف لکھ کر دوں۔ میں نے انہیں درود شریف لکھ کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ درود شریف گیارہ سو بار۔ مراقبہ میں روضہ مدینہ شریف کا

تصور کر کے پڑھیں۔ آپ کی مراد انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔ قبیلہ سخی صاحب نے ان سے تعارف پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ ان میں ایک نے کہا کہ ہم داعظ خواجہ ہیں۔ میں تلاش حق کے لیے بہت سے فقرا کے درباروں میں پھرتا رہا۔ لیکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ معلوم ہوا ایک گاؤں میں ایک چرواہا فقیر ہے۔ میں اس سے ملا۔ اور اپنا مقصد بیان کیا۔ اس فقیر نے مجھے ایک وظیفہ دیا کہ رات کو تہجد کے بعد یہ وظیفہ پڑھوں۔ میں نے وظیفہ شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد مجھ پر وظیفہ کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ میں نے سورج کے مانند ایک نور اپنے سامنے مشاہدہ کیا۔ مسلسل مداومت کے بعد ایک دن یہ نور میرے قریب دائیں طرف کان کے پاس آیا۔ یہ نور دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا نیچے زمین پر پڑا لہر کر غائب ہو گیا۔ دوسرا ٹکڑا میرے کان کے قریب قرار کر گیا۔ یہ حالت میں ہر روز دیکھتا رہا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا۔ اس نور کے ذریعہ مجھے اس کے تمام حالات سے آگاہی ہو جاتی۔ کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس کی حالت کیا ہے۔ اس کی مشکل کیا ہے۔ اور اس کی مشکل کا حل کیا ہے۔ جب یہ انکشاف ہوا تو میں نے لوگوں کو حالات بتانے شروع کیے۔ لوگ میری طرف رجوع کرنے لگے۔ اور میں فقیر مشہور ہوا۔ لوگ میرے پاس آنے لگے۔ اور میں ان کے حالات بتاتا۔ ان کی مشکلوں کا حل بتاتا۔ ایک دن شہر سے دور چند آدمی مجھے اپنے گاؤں مدعو کر کے لے گئے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ ان میزبانوں کے دربار میں۔ ایک بیمار تھا۔ دوسرا ایک مقدمہ تھا۔ وہاں دعوت ہوئی۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ رات قوال ہوتی رہی۔ تہجد کے وقت میں نے عمل شروع کیا۔ تو جواب ملا کہ مقدمہ ان کے حق میں ہو گا۔ مگر بیمار کی صحت ٹھیک نہ ہو گی۔ صبح میں نے انہیں یہ کیفیت بتائی۔ انہوں

---

لے کشمیر میں رواج ہے کہ صبح کی نماز پر مولوی لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں۔ اور نماز کے بعد قرآن و حدیث کا وعظ کرتے ہیں۔ لوگ ان کے لیے نمازی حضرات سے چندہ کر کے کچھ رقم جمع کر کے دیتے ہیں۔ یہ لوگ اسی رقم سے اپنی گزراوقات کرتے ہیں۔ یہ معمول ہے صبح ہر مسجد میں ایک مولوی وعظ کرتا ہے اور کچھ رقم حاصل کر کے چلا جاتا ہے۔



نے بیمار کے متعلق اصرار کیا کہ اس کی صحت کے لیے بھی کچھ کروں۔ میں نے رات کو پھر مراقبہ کیا۔ لیکن جواب مایوس کن تھا۔ میں نے مصلحتاً انہیں مبہم جواب دیا۔ تاکہ مایوس نہ ہوں۔ دوسرے دن ایک ہمسایہ نے بھی دعوت دی۔ میں ان کے گھر گیا۔ وہاں بھی دعوت کا انتظام تھا۔ کھانا لگایا گیا۔ میرے ساتھ ایک اور آدمی کھانے میں شریک کیا گیا۔ ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ وہ دوسرا شخص عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اپنی طرف کا کھانا میری طرف ڈال دیتا۔ اور میری طرف کا کھانا اٹھا کر خود کھاتا۔ میں سمجھا یہ نادان ہے۔ عقیدتاً ایسا کرتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر تو الی شروع ہو گئی۔ رات وقت مقررہ پر تہجد کے بعد میں مراقبہ میں بیٹھا تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ نور میرے کان کچھ سامنے حاضر نہ ہوا۔ نور غائب ہو گیا۔ میں سمجھا وہ کوئی فقیر تھا۔ جو میرا عمل چھین کر لے گیا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ میں مایوس ہو کر سو گیا۔ صبح اٹھا تو بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔ دو دن سخت بخار رہا۔ اسی حالت میں میں بیہوش ہو گیا۔ میرے گھر اطلاع دی گئی۔ اور گھر والے مجھے بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر گھر لے آئے۔ تین دن بعد ہوش آیا۔ تو خود کو گھر میں پایا۔ ہفتہ بھر میں خستہ حالت میں پڑا رہا۔ کچھ افاقہ ہوا۔ تو اس چرواہے کے پاس گیا۔ اس سے اپنی تمام داستان بیان کی۔ اس نے کہا کہ یہ چیز مجھے بھی حاصل نہیں۔ یہ تو تمہیں اپنی ہی محنت سے ملا ہے۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں مایوس ہو کر واپس لوٹا۔ اور پھر تلاشِ حق کے لیے پھرتا رہا۔ ایک دن معلوم ہوا۔ شہر میں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پور سیداں والے تشریف لائے ہیں۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ آپ لوگوں کو بیت بھی کرتے تھے۔ ہندوستان میں بے شمار لوگ ان کے مرید تھے۔ کشمیر میں بھی ان کے بہت سے مرید تھے۔ اسی سلسلہ میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی کہ مجھے ”کارِ منصور“ دکھائیں۔ پیر صاحب نے مجھے قریب بلا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ کہا دیکھو ”کارِ منصور“۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہی میں



بے ہوش ہو گیا۔ عالم بیہوشی میں — دیکھتا ہوں کہ ایک ہاتھی پر سوار۔ میں ہوا میں اُونچی پرواز کرتا ہوں۔ اور ساری دُنیا کا چکر کاٹتا ہوں۔ کافی دیر اسی عالم میں رہا — ہوش آیا۔ تو خود کو اپنے گھر میں بستر پر پڑا پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا سارا بدن چور ہو چکا ہے۔ بگہ جگہ سے اُبھو بہ چکا ہے۔ کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ میں نے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو انہوں نے بتایا۔ ہم نے تجھے بے ہوش پایا۔ تیرا جسم لہو لہان تھا — مجھے معلوم ہوا بب پیر صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تو میں اُپھلا اور میٹرعیوں سے لڑھکتا نیچے آن لرا۔ اور میرا جسم زخمی ہو گیا۔ اور میں بے ہوشی کے عالم میں یہ کیفیت دیکھتا رہا۔ ہفتہ بھر بعد میں ٹھیک ہوا۔ میں نے مراقبہ کیا۔ تو میں ہوا میں اسی طرح اُونچا اُڑتا رہا۔ اور دُنیا کی سیر کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت کم ہوتی گئی۔ اور پھر یہ سب مشاہدہ ختم ہو گیا۔ اس حادثہ سے میں دہشت زدہ ہو گیا۔ پھر کسی فقیر کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک دن میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ نشاط باغ سیر کے لیے گیا۔ دوستوں نے نشاط باغ سے قریب ”ایشبر گاؤں“ میں ایک فقیر رحمان صاحب کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ کشمیر کے ایک مشہور محبوب دل ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ رحمان صاحب کے پاس پہنچے وہاں کافی لوگ حاجت روائی کے لیے جمع تھے۔ سب لوگ چلے گئے۔ ہم وہیں ٹھہرے رہے۔ رحمان صاحب نے استعراق سے سراٹھایا — میری طرف دیکھا آپ اُٹھے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے مجھے ایک قبر ناگڑھے میں لیٹنے کا حکم دیا۔ میں ڈر کے مارے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور گڑھے میں لیٹا رہا — رحمان صاحب جھونپڑی میں سے حقہ اُٹھا کر لائے اور مجھے گڑھے سے نکال کر مسجد میں لے گئے۔ حقہ چلایا۔ اور مجھے حقہ پینے کا حکم دیا — میں تبا کو نوشی سے نفرت کرتا تھا۔ مجبوراً حقہ پیا — تھوڑی دیر مسجد میں رہ کر واپس آئے۔ اور مجھے واپس جانے کا حکم دیا۔ میں گھر آیا۔ رات کھانا کھایا۔ اور ساتھ ہی مجھے قے شروع ہو گئی — ایسی کہ میں کچھ کھاؤں فوراً قے ہو کر سب کچھ باہر آجاتا۔ حکیم کا علاج کیا۔ مگر کچھ افاقہ نہ ہوا ایسی

---

۱۔ نشاط باغ سری نگر سے سات میل مشرق کی طرف مغلیہ شہنشاہ کا ایک مشہور باغ ہے۔



حالت میں ایک ماہ کا ایک عرصہ گزرا میں نڈھال ہو گیا۔ رشتہ دار میری تیمارداری کرنے آتے۔ شاید میں اس قے کی بیماری سے جان برباد نہ ہو سکوں۔ اسی اثنا میں ہمارے ایک رشتہ دار مجھے دیکھنے آئے۔ اُس نے میری بیماری کا سبب پوچھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ تم کسی فقیر کے پاس تو نہیں گئے تھے۔ میں نے رحمان صاحب کے پاس جانے کا سارا واقعہ سنایا۔ وہ اُچھلا۔ کہنے لگا۔ میں نے بیماری کی تشخیص کر ڈالی ہے۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اُس نے حقہ منگوایا۔ اور چلم بھر کر مجھے حقہ پلایا۔ کہنے لگا یہی اس کا سبب ہے۔ اور یہی اس کا علاج ہے۔ اب کھاؤ جو جی چاہے۔ اب قے نہ ہوگی۔ گھر والوں نے مجھے۔ بند اور دودھ کھلایا۔ واقعی میری قے بند ہو گئی۔ اس صاحب نے کہا۔ بیکار فقیروں کے پیچھے پھر کر اپنا حال بریاد نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے اس خواہش کو ترک کر دیا۔ لیکن جب کسی فقیر کی تعریف سنتا ہوں تو پھر صبر نہیں ہوتا۔ آپ کے متعلق مجھے معلوم ہوا تو میں صبر نہ کر سکا۔ اب آپ پیر صاحب مجھ پر نظرِ کرم فرمائیں۔ قبلہ سخی صاحب نے مذاقاً فرمایا۔ اب تمہیں کارِ انا الحق بتائیں گے۔ اس چمنور قبلہ عالم ہنس پڑے۔ فرمایا۔ جاؤ۔ اب ایسی کوئی مصیبت نہ آئے گی۔ درود شریف روضہ مدینہ شریف کا تصور کر کے پڑھو۔ اور اپنا کاروبار کرو۔ دین میں زیادہ محنت نہ اٹھاؤ تمہیں آسانی سے مراد مل جائے گی۔ دوسرے آدمی نے بھی درود شریف لیا۔ اور دونوں بیعت ہو کر چلے گئے۔

## پیر غلام نبی رفوگر — ناؤ پورہ

ایک دفعہ ایک صاحب چمنور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف پڑھنے کی اجازت چاہی۔ چمنور نے اُسے درود شریف پڑھنے کی اجازت دی۔ یہ شخص درود شریف لے کر چلا گیا۔ یہ شخص محلہ ناؤ پورہ کا رہنے والا غلام نبی رفوگر تھا۔ حسبِ ارشاد درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ دوسری رات کو مراقبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا۔ منبر پر ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا۔ اس سے قبل یہ صاحب کشمیر کے مسیر واعظ (خطیب جامع مسجد کشمیر) مولانا احمد صاحب المعروف مولوی غمہ صاحب) کا مرید تھا۔



گمان کیا منبر پر بیٹھے مولانا احمد صاحب ہیں۔ اور انہیں یہ صاحب ان کی شکل میں نظر آئے۔ خیال کیا کہ احمد صاحب بھی حضور ہی ہیں۔ پھر تیسرے دن مراقبہ کیا تو یہی صورت نظر آئی۔ چوتھے دن مراقبہ کیا۔ تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئی۔ ساری رات مراقبہ میں گزاری مگر پھر مشاہدہ نہ ہوا۔ غلام نبی نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں اپنی کیفیت تحریر کر کے بھیجی۔ حضور نے جواباً فرمایا۔ کہ ہم شہر آئیں گے تو بات ہوگی۔ حضور شہر تشریف لائے۔ تو غلام نبی بھی حاضر ہوا۔ اور حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ حضور غلام نبی کے گھر تشریف لے گئے۔ اور بھی چند مرید آپ کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ کھانا کھانے کے بعد غلام نبی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا۔ غلط فہمی کی وجہ سے تمہارا مشاہدہ بند ہو گیا۔ یہ بات تم پر واضح ہو جائے گی۔ مجھے علم دیا۔ اسے تنہا جگہ بٹھا کر مراقبہ کراؤ اور توجہ دو۔ میں غلام نبی کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے مراقبہ شروع کیا۔ ابھی اس پر مشاہدہ نہ کھلا۔ میں نے توجہ دی۔ تو پھر وہی کیفیت سامنے آئی کہنے لگا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر مولوی احمد صاحب کو بیٹھا دیکھتا ہوں۔ میں نے پھر توجہ دی۔ کہنے لگا۔ یہ احمد صاحب نہیں۔ یہ تو حضور قبلہ عالم ہیں۔ میں نے کہا۔ یہی گمان تمہارے بند ہونے کا سبب بنا۔ اب حضور سے استدعا کرو۔ کہ اجلاس میں لے جائیں۔ حضور اسے اجلاس میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔ اس عالم میں غلام نبی نے اور بھی چند کیفیتیں مشاہدہ کیں۔ میں نے اسے مراقبہ سے ہٹایا۔ اور حضور کے پیش کر دیا۔ فرمایا کھل گیا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نے فرمایا اگر مولوی احمد صاحب حضور ہی کرتے تو تمہیں ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہ رہتی۔ تمہارے قلب میں ابھی احمد صاحب کا تصور باقی تھا۔ جو حقیقت پہچاننے میں حائل ہوا۔ خیر ہم تمہیں ان سے تعلق ختم کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اس حال میں بھی آپ مولوی احمد صاحب کے مرید رہ سکتے ہیں۔ مگر غلام نبی سمجھ گیا۔ عرض کی یہ میری علم کی کمی کی وجہ سے ہوا۔ میں حضور سے بیعت کی التجا کرتا ہوں۔ حضور نے اسے بیعت کیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم واپس گھر تشریف لے گئے۔ میں ان دنوں غلام نبی کے محلہ ناؤ پورہ کے قریب محلہ نقاش پورہ اپنے ماموں کے ہاں رہتا تھا۔ میں غلام نبی کے حالات



دریافت کرنے کی غرض سے ناؤ پورہ اس کی دکان پر گیا۔ مجھے دیکھ کر بہت تعظیم سے اٹھا۔ عزت سے دکان پر بٹھایا۔ میں نے حالات دریافت کیے۔ غلام نبی نے ایک رات میں بہت سی کیفیات مشاہدہ بتائیں۔ میں بہت خوش ہوا۔ خوشی میں میں نے کہا۔ آپ اسی جگہ مراقبہ شروع کر دیں۔ غلام نبی فوراً اجلاس میں پہنچا۔ میں نے کہا حضور سے اجازت لو۔ کہ ہم بیت اللہ میں جائیں۔ حضور نے اجازت مرحمت فرمائی۔ میں نے کہا چلو بیت اللہ کی طرف پرواز کرو۔ چند لمحوں میں بیت اللہ پہنچا۔ میں نے بیت اللہ کی کیفیت پوچھی تو غلام نبی نے بجائے بیت اللہ دیکھنے کے دریائے توحید کا منظر بتایا۔ کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ساتھ کھڑے ہیں۔ ایک وسیع نورانی دریا ہے۔ میں نے کہا کہ حضور سے عرض کرو۔ کہ مجھے اجلاس میں لے جائیں۔ حضور اسے دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔ غلام نبی نے اجلاس دوئم کی تمام کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد میں نے مراقبہ سے ہٹایا۔ کہنے لگا۔ میں تو سمجھا تھا۔ کہ مجھے بیت اللہ نظر آئے گا۔ مگر یہاں تو اور ہی اسرار دیکھنے میں آئے۔ میں نے کہا یہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ہے۔ کہ ایسا مقام سا لہا سال تمہیں میسر نہ آ سکتا۔ اب فقر کی طرف پوری توجہ رکھو۔ اس کے بعد میں اکثر غلام نبی کی دکان پر جاتا رہا۔ ہر بار وہ کسی نہ کسی نئی کیفیت کے مشاہدہ کے متعلق بتاتا۔ ایک دن میں غلام نبی کی دکان پر گیا۔ تو اس نے ایک نیا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگا۔ کل دن میں دکان پر چادر نو کر رہا تھا۔ کہ اچانک مجھ پر مشاہدہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دیکھتا ہوں کہ ایک فقیر میری دکان کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر ہے۔ کہنے لگا۔ کہ آج سے آپ میرے ساتھ ڈیوٹی دیں گے۔ رجسٹر مجھے دیا۔ کہ آپ پڑھے لکھے ہیں۔ لہذا اس رجسٹر پر آپ رپورٹیں لکھیں گے۔ اور رپورٹیں درج کریں گے۔ رجسٹر دے کر وہ فقیر چلا گیا۔ میں نے کہا۔ مبارک ہو تمہیں مجلس مشاورت میں عہدہ دیا گیا ہے۔ اب وہ فقیر اچانک آتا ہے۔ تو غلام نبی پر کام کرتے کرتے کیفیت آ جاتی ہے۔ فقیر شہر کے حالات بتاتا ہے۔ غلام نبی رجسٹر پر درج کرتے ہیں۔ اور جو احکام لکھے ہوتے ہیں وہ اسے پڑھ کر سناتا ہے۔ اس طرح غلام نبی کو شہروں محلوں کے حالات کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اسی دوران ملک میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر جلسے جلوس



ہوتے لگے۔ تو فقیر کا آنا جانا بار بار شروع ہوا۔ رجسٹر میں درج ہوتا کہاں جلسے جلوس ہونگے کہاں۔ ٹٹری یا پولیس کا دورہ ہوگا۔ کہاں جھگڑا فساد ہوگا۔ غلام نبی بتاتے۔ آج فلاں فلاں جگہ جھگڑا ہوگا۔ گولی چلے گی۔ فلاں فلاں آدمی ہلاک ہوگا۔ اور بعینہ ایسے ہی واقعات پیش آتے۔ اسی دوران شہر میں ہیضہ کی وبا پھیلی۔ تو فقیر صاحب دکان پر حاضر ہوتے۔ رجسٹر میں ہیضہ کا حکم درج تھا۔ کس کس محلہ میں ہیضہ ہوگا۔ کتنے آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے۔ اور کتنے مریں گے۔ غلام نبی اس کے متعلق بھی پیشگوئی کرتے کہ فلاں محلہ میں ہیضہ ہوگا۔ اتنے آدمی مریں گے۔ دو ہفتہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب غلام نبی کام کرتے کرتے بے خود ہو جاتے۔ اور کام رہ جاتا مگر وہ بہت خوش تھے۔ کہ باطن میں اس کا مقام اعلیٰ تھا۔ ایک دن فقیر صاحب آتے اور رجسٹر پیش کیا۔ دیکھا کہ غلام نبی کے اپنے محلے میں ہیضہ کی وبا کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فلاں فلاں آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے۔ دیکھا تو واقعی نامزد آدمی فوت ہو گئے۔ دوسری بار پھر فقیر صاحب حاضر ہوئے۔ رجسٹر پیش کیا۔ تو دیکھا اسی محلہ میں ان کے گھر میں ان کی لڑکی بھی شامل ہے۔ بہت سرا سیمہ ہو گئے۔ دستخط کرنے سے ہچکچاتے۔ فقیر نے کہا دوسروں کی موت پر تو دستخط کر دیتے۔ اپنی باری آئی تو عدل چھوڑ دیا۔ لہذا دستخط کر دیں۔ غلام نبی نے دستخط کر دیتے۔ رات مراقبہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت گڑا گڑا اے۔ مگر حضور تبسم فرماتے رہے۔ آخر غلام نبی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیا۔ کہ یہ لڑکی کی بریت کے لیے استدعا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج نہیں توکل۔ پھر موت سے تو دو چار ہونا ہی ہے۔ اس حالت میں لڑکی کے لیے۔ فوت ہونا۔ بہتر ہے۔ کہ حساب سے فارغ ہوگی۔ البتہ اس کے بدل میں تمہیں ایک لڑکی دی جائے گی۔ تمہاری اور اہلیہ کی محبت اس لڑکی میں عود کی جائے گی۔ غلام نبی خاموش ہو گئے۔ گھر میں لڑکی بیمار ہو گئی۔ سب گھر کو فکر ہوا۔ بیوی نے دوا شروع کر دیا۔ غلام نبی جانتے تھے کہ اب علاج کرنا بیکار ہے۔ بیوی نے شکایت کی کہ آپ اس کے علاج کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ نہ ڈاکٹر کو دکھایا نہ دوا دے رہے ہیں۔ اس طرح لڑکی مر جائے گی۔ خود کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ مجبوراً ڈاکٹر کو دکھایا۔ دوا بھی لادی۔ مگر فیصلہ تھا۔ لڑکی فوت ہو گئی۔ تمام رشتہ دار تعزیت کو آئے۔ ان کے رشتہ دار نشاط باغ سے آئے۔



انہوں نے تسلی دی اور کہا۔ غم نہ کریں۔ یہ ہماری لڑکی اس لڑکی کے بدل میں تم رکھ لو۔  
 ہم تمہیں دے دیتے ہیں۔ انہوں نے لڑکی رکھ لی۔ غلام نبی سمجھے کہ یہ لڑکی کا بدل دیا گیا ہے۔  
 ان کی بیوی نے اسے قبول کر لیا۔ ماتم ختم ہوا۔ چند دن گزرے تو ان کی بیوی کا غم بھی غلط  
 ہوا۔ اور اس لڑکی سے اُنس ہو گیا۔ جیسے اپنی ہی لڑکی ہے۔ بہر حال فساد ختم ہوا۔ بیضہ  
 بھی ختم ہوا۔ غلام نبی نے اجلاس میں درخواست دی کہ میں ایسے واقعات کا متحمل نہیں۔ لہذا  
 یہ رجسٹر مجھ سے واپس لیا جائے۔ میں اب فقیر کے ساتھ ڈیوٹی دینے کے قابل نہیں۔ حضور  
 قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا۔ اور رجسٹر فقیر کو دے دیا۔ اس طرح غلام نبی اس  
 کشمکش سے نجات پا گئے۔ غلام نبی سلسلہ کے مریدوں میں بہتر صاحب مشاہدہ صاحب  
 مراتب فقیر تھا۔ انہیں ارادی اور غیر ارادی دونوں حالتوں میں مشاہدہ ہوتا تھا۔ اجلاس  
 میں ان کے سوال کو مقبولیت کا درجہ عطا تھا۔ لیکن اب افسوس! —

## محکمہ جنگلات کے ٹھیکیدار عبدالاحد کا واقعہ

ایک واقعہ غلام نبی کے مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری  
 ہے۔ جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب گاندربل میں رینجر کی حیثیت سے متعین تھے۔ آپ  
 سکونت گاندربل رینج آفس میں ہی رکھتے تھے۔ محکمہ جنگلات کے اکثر لوگ رینڈو مسلمان، آپ  
 سے عقیدت رکھتے اور آفیسر بھی آپ کی عزت کرتے۔ ایک دن محکمہ جنگلات کا ٹھیکیدار عبدالاحد  
 آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ چیف کنزرویٹرنے اسے BLACKLIST کر دیا ہے۔  
 حکومت نے کسی جرم کی پاداش میں اسے ٹھیکیداروں کی فہرست سے خارج کر کے آئندہ  
 جنگلات کے ٹھیکے دینے بند کر دیئے ہیں۔ اور حکومت نے ایک کثیر رقم بھی ضبط کر لی۔ عبدالاحد  
 ٹھیکیدار نے عدالتی چارہ جوئی کی۔ مگر فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔ عبدالاحد ٹھیکیدار نے قبلہ  
 سخی صاحب سے دُعا کے لیے التجا کی۔ ان دنوں قبلہ سخی صاحب محلہ ناؤ پورہ میں سکونت  
 رکھتے تھے۔ قریب ہی غلام نبی رفوگر کی دکان ناؤ پورہ پل کے قریب تھی۔ قبلہ سخی صاحب نے  
 غلام نبی کو عبدالاحد ٹھیکیدار کا معاملہ اجلاس میں پیش کرنے کے لیے کہا۔ لیکن اجلاس سے بھی



عبدالاحد ٹھیکیدار کے خلاف فیصلہ ہوا۔ قبلہ سخی صاحب نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے ٹھیکیدار کو اجلاس کے حکم سے آگاہ کیا کہ وہاں بھی تمہارے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ ہمیں افسوس ہے۔ تاہم قبلہ سخی صاحب نے ٹھیکیدار کو تسلی دی۔ کہ انتظار کرو۔ ہم کوئی اور سبیل سوچیں گے کہ تمہارے حق میں اجلاس میں فیصلہ حاصل کیا جائے۔ قبلہ سخی صاحب ایسے معاملات میں۔۔۔ اجلاس میں اپنی تدبیر بھی استعمال کرتے اور کسی نہ کسی طرح اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اجلاس سے بہر حال منظوری حاصل کرتے۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی کہ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اکثر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سفارش فرما کر ان کا مطالبہ پورا کر دیتے۔ ایسے ہی ہوا۔ کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر آپ نے ٹھیکیدار کو بلا کر کہا۔ درگاہ حضرت بل میں جانے کا بندوبست کرو۔ ہم حضرت بل میں یہ مسئلہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں گے۔ چنانچہ ٹھیکیدار نے فوری طور پر ایک ڈونگہ رکشتی کا انتظام کیا۔ اور اس میں دعوت کا تمام انتظام کر کے ڈونگہ ناؤ پورہ پل پر پہنچا دیا۔ قبلہ سخی صاحب کشتی میں سوار ہوئے۔ ساتھ غلام نبی کو بھی بٹھایا۔ اس وقت محمد عبدالحفیظ قریشی (ڈاکٹر) بھی قبلہ سخی صاحب کے گھر آئے تھے۔ انہیں بھی قبلہ سخی صاحب ساتھ لے گئے۔ کشتی ناؤ پورہ سے جھیل ڈل میں داخل ہو گئی۔ اثنائے راہ غلام نبی نے حفیظ صاحب سے ذکر کیا۔ کہ آج قبلہ سخی صاحب خاص مقصد کے لیے درگاہ شریف جا رہے ہیں۔ عبدالاحد ٹھیکیدار کو BLACKLIST کیا گیا ہے۔ اجلاس میں بھی اس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے۔ قبلہ سخی صاحب درگاہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں دوبارہ معاملہ پیش کریں گے۔ حفیظ صاحب ابھی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے

---

۱۔ حضرت بل کشمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مَوئے مبارک کو ایک عظیم الشان زیارت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی نسبت سے اس زیارت کو ”حضرت بل“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس زیارت کی تعمیر منلیہ سلطنت کے شہنشاہ جہانگیر کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس زیارت کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ جہانگیر کو خواب میں جگہ کی نشاندہی کی۔ کشمیر کے اکثر فقراء۔ اس زیارت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار مشاہدہ کرتے ہیں۔



تھے۔ مگر انہیں اپنے پیسے سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ قبلہ سخی صاحب بھی ان سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔ اس وقت حنیف صاحب بھی جلال میں آگئے۔ غلام نبی سے کہا۔ چلو ابھی مراقبہ شروع کرتے ہیں۔ غلام نبی نے علیحدگی میں مراقبہ شروع کیا۔ مشاہدہ ہوتے ہی اس نے کیفیت بیان کرنا شروع کی۔ کہ اس وقت میں نور الدین کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ سنس رہا ہے۔ سنسی کا سبب پوچھا تو نور الدین نے بتایا۔ میں تمہیں آسان راستہ دکھاتا ہوں۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے دربار چلو۔ وہاں سے دستگیر صاحب کی سفارش لیں گے۔ چنانچہ غلام نبی۔ حنیف صاحب و دربار حضرت غوث الاعظمؒ دستگیر جناب پیران پیر محی الدین رضی اللہ عنہ میں حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ سبحان اللہ۔ سلسلہ اولیہ کی محبوبیت۔ ایک عظیم خصوصیت ہے۔ حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں کے ساتھ بھی۔ آپ کی محبوبیت کے واسطے شفقت کی جاتی ہے۔ حضور غوث پاکؒ سے اس طرح سوال کرتے ہیں۔ جیسے ایک لاڈلا بیٹا اپنے شفیع باپ سے اپنی بات منوانے کے لیے ضد کرتا ہے۔ عرض کی کہ حضور ہماری سفارش اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمائیں۔ اور ہمارے ساتھ اجلاس میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ قبلہ سخی صاحب۔ حنیف۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ عبد الاحد ٹھیکیدار کی درخواست۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دے کر فرماتے ہیں کہ درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غوث پاکؒ کو دیکھ کر پیرانہ شفقت و عقیدت سے پیش آتے ہیں۔ اور درخواست منظور فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخواست پر ہر شب فرماتے ہیں۔ ہر پر اللہ اکبر و للہ الحمد کنندہ ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ درخواست لے کر غوث پاک رضی اللہ عنہ کے پیش کرتے ہیں۔ آپ بھی دستخط فرما کر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سخی صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قصہ ختم درخواست منظور ہو گئی۔ قبلہ سخی صاحب سرور ہوئے۔ حنیف صاحب کو شاباش دی۔ عبد الاحد ٹھیکیدار کو خوشخبری سنائی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ قبلہ سخی صاحب کے قدموں میں جھک گیا۔ ڈونگہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خوب دعوت الہی۔

رات درگاہ حضرت بل میں قیام کیا۔ دربار میں حاضری دی۔ اب فیصلہ ہو چکا تھا۔ صبح واپس شہر تشریف لاتے۔ قبلہ سخی صاحب نے ٹھیکیدار کو ہدایت کی کہ اب دوبارہ چیف کنزرویٹر کو درخواست دو۔ چیف پاس درخواست پیش ہوئی۔ اس نے درخواست بغیر مطالعہ منظور کر کے عبدالاحد ٹھیکیدار کو بحال کر دیا۔ اور اس کی رقم ادا کی۔

## مقام محبوبیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کی دعا سے قضائے مطلق بھی بدل جاتی ہے۔ یہی وہ دعا ہے۔ کہ ولی کی محبوبیت کے وسیلہ سے رد کی ہوئی درخواست کو دوبارہ قبولیت کا درجہ ملتا ہے۔ اس واقعہ کے شاید ابھی بقید حیات ہیں۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی علو مرتبت کی یقین دہیل ہے کہ آپ کے ادنیٰ مریدوں میں یہ خصوصیت بہ واسطہ محبوبیت حضرت محمد امین صاحب — نسبت حضرت محبوب سبحانی — شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ — اور نسبت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ — پائی جاتی ہے۔ کہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا — حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی محبوبیت آپ کے مرتبہ اعلیٰ کی منظر تھی۔

وَ اُطْلَعَنِي عَلَى سِرِّ قَدِيمٍ      وَقَلَّدَنِي وَاعْطَانِي سُؤَالَ  
اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تمام اسرار قدیم کا مشاہدہ و علم دیا — اس مرتبہ اولیٰ کے اعتبار سے ہر ولی پر میری تقلید لازم کی گئی۔ اس مقام ارفع کی خصوصیت میں ہمیں محبوبیت کا مقام عطا ہوا۔ کہ جو کچھ مانگو قبول کیا جائے گا۔

یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی — اویسی محبوبیت — قادری محبوبیت کے دونوں واسطوں سے وراثت میں عطا ہوئی ہے۔ جس محبوبیت کے شرف سے آپ کے مریدوں کی بھی دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی فرمائی جاتی ہے۔

قرآن نے واضح طور پر اس محبوبیت کا اظہار کیا ہے جس میں کسی لفظی تاویل کی گنجائش نہیں۔



قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم یہ چاہو کہ اللہ کے نزدیک تم محبوب بن جاؤ۔ تو ہماری اتباع کرو۔ اس حال میں کہ ہم اس اتباع کے نتیجہ میں ہر شے سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔  
— تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ہمیں اپنی اولاد۔ اپنے ماں باپ  
— اور ہر شے سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ ظاہر ہوا کہ ایمان کی سند ”حُب“۔ حُبِ محمد  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے۔ حُب ایسی جیسے ماں باپ۔ اولاد۔  
اور دنیا کی ہر عزیز شے کے لیے کی جاتی ہے۔ یہ حُب عمل نہیں۔ بلکہ ایک قلبی جذبہ۔  
قلبی وجدان ہے۔ جو درد کی صورت رکھتا ہے۔ یہ جذبہ کامل ہو تو انسان اپنی ہر محبوب سے  
محبوب شے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اور جب تک اس  
قربانی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو حُب کا عملی مظاہرہ بھی کامل نہیں ہو سکتا۔

مدینہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی —  
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ مدینہ کی سکونت قبول فرمائیں۔ اس وفد میں ایک مدبر  
شخص نے مدینہ والوں سے کہا — اے مدینہ والو! سوچ سمجھ کے فیصلہ کرو۔ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اپنے شہر میں دعوت دینا آسان کام نہیں! — جان لو! آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو دعوت دینا۔ موت کو دعوت دینا ہے! — تم اس دعوت سے دنیا کی جابر قوتوں  
کے ظلم و جبر کا نشانہ بنو گے۔ تم مکہ کے قریش کے ظلم و ستم کو دعوت دیتے ہو۔ تم دنیا کے  
مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہو۔ تم عرب کے تمام قبیلوں سے دشمنی مول لے رہے ہو۔  
سوچ لو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی میں اتنی قربانی دینے پر تیار ہو۔ تو ثابت  
قدم رہنا ہو گا۔ ورنہ خاموشی سے اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اس کے جواب میں مدینہ  
کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا — ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی پناہ دینے کے لیے

اپنی جان۔ اپنا مال۔ اپنی اولاد قربان کرنے پر تیار ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم آخر دم تک اس عہد پر ثابت قدم رہیں گے۔ سبحان اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت کس طرح دلوں کو مسح کر لیتی ہے۔ کہ بغیر کسی خوش آئند مستقبل کے تصور کے محض عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ میں ابھی سے جائیں دینے پر تیار ہو گئے۔ انہیں نہ حکومت کا تصور ہے۔ نہ ترقی منصب کا تصور ہے۔ نہ عیش و امارات کا تصور ہے۔ اگر ہے۔ تو جانیں قربان کرنے کا تصور۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اس عہد پر ہی۔ ایسے لوگوں کو اپنی رضا و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ  
يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ هَٰذَا وَعْدٌ عَلَيْهِ حَقٌّ فِي  
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ  
فَأَسْبَغْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝ رِپَادہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱

تحقیق اللہ نے خرید لی مومنوں سے ان کی جانیں۔ ان کے مال بدلے جنت کے اس لیے کہ۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی میں۔ بغیر کسی لالچ یا ذاتی منفعت کے حصول کے تصور کے۔ محض محبت رسول اللہؐ۔ عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر۔ دشمنوں سے لڑیں گے۔ ہاں!۔ یہ عمل فی سبیل اللہ ہی ہے۔ وہ اس راہ میں اپنی جانیں۔ مال قربان کریں گے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک موئے مبارک کو آنچ نہ آنے دیں گے۔ لوگو!۔ اسلام کی جنگ تو اسی نکتہ پر آتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اسلامی ختم ہوئی۔ تو اسلام کا نام مٹ جائے گا۔ آپ کے دوست آپ کے دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر اٹھائے گا۔ اس کی آنکھ نکال دیں گے۔ تو یہ آپ کے جاں نثاروں کو اسی جاں نشاری پر بشارت دی جاتی ہے۔ کہ ان کی جاں نشاری کے عوض فوز عظیم ہے۔

درا دل کی گہرائی سے سوچو۔ ان کا کونسا سوال رد ہو سکتا ہے؟



۷ کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس خدائے برتر و عظیم کی عظمت کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ”حُب“ رکھنے والا۔ اپنی جان و مال۔ اولاد۔ اور دنیا کی ہر نعمت کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ بس اللہ کی یہی مرضی۔ یہی خواہش ہے۔ کیونکہ لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔۔۔ تو مجھے اس کائنات کے بنانے کی خواہش نہ تھی۔۔۔ یہ سب کچھ نہ بنانا۔۔۔ صاحبِ دل۔ جن کے سینے نورِ معرفت سے منور ہیں۔۔۔ وہ اس کائنات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہی دیکھتے ہیں۔ وہ بھی تو اسی صورت کی پہچان کرتے ہیں۔ اسی کے عشق میں راتوں کی نیندیں حرام کرتے ہیں۔۔۔ فَاسْتَيْشِرُوا بَيْنَكُمْ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ط عشق میں جان نہ بچ ڈالنا ہی اصل سودا ہے!۔۔۔ یہ سودا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔۔۔ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ عثمان ذوالنورین ابن عفان رضی اللہ عنہ نے کیا۔۔۔ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے کیا۔۔۔ حضرت خواجہ اولیٰ قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے کیا۔ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ حضرت محی الدین جیلانی شیعہ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امت کے اولیاء اکرام نے کیا۔ ہاں!۔۔۔ میرا کلام سُکر۔۔۔ تو کھل کھلا کر ہنستا ہے۔ مضحکہ اڑاتا ہے۔ یہ افسانہ لکھ رہا ہے۔ مگر حضور قبلہ عالمؐ فرماتے ہیں و

تو بکوری ماندہ اے بے یقین      زیرِ سبب حاصل نہ شد حقِ یقین

نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت      تو نہ بینی باشش تو بے جان خشت

منکر را ایں چنین باشد سزا      کہ نہ بیند نورِ مرداں از خدا

کیا تو اس قولِ قدسی پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ کہ میں مومن کی زبان بنائوں۔ جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ میں مومن کی آنکھ بنائوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں مومن کے کان

۸۔ سَمِعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ۔

بتا ہوں۔ جس سے وہ سُنتا ہے۔ یہ مرد مومن کا متصف بہ صفات اللہ ہونا نہیں تو کیا ہے  
— یہی تو دستگیر عالم شیخ محی الدین جیلانی فرماتے ہیں —

وَ أَطْلَعَنِي عَلَى سِرِّ قَدِيمٍ      وَقَلَّدَنِي وَأَعْطَانِي سُؤَالَ

اللہ تعالیٰ مومن کے ہر سوال کو قبولیت کا درجہ دیتا ہے۔ جو مومن مانگے! قبول ہوگا  
— نہیں — اسے بہ صفات اللہ کر کے اختیار دیتا ہے۔ جو تو چاہے تجھے قوت بہ صفات  
اللہ — میں خود دیتا ہوں۔ تو کرنے پر قدرت رکھ سکتا ہے۔ یہی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے علمائے اُمت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے — یہ شان بوسیلہ محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم — بواسطہ حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ حضرت خواجہ ادیس قرنی  
رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کے واسطہ سے قادری — اویسی سلسلہ کے اولیاء کو وراثت میں  
ملتی ہے۔ یہی خصوصیت محبوبیت حضور انور حضرت محمد امین صاحب قطب الاقطاب  
وارث سلسلہ اویسیہ کی ذات گرامی کو وراثت میں عنایت ہوتی۔ یہ کہ آپ کے ادنیٰ مریدوں  
کے بھی سوال رد نہیں کیے جاتے۔

قلم اٹھا کر۔ کاغذ پر لکھنا آسان کام ہے — ایسے ہی محققین۔ مفکرین۔ مجتہدین۔  
مفسرین بھی قلم اٹھا کر حقائق بیان کرتے ہیں — انسانی زندگی کے ضابطے مرتب کرتے ہیں  
— تفسیریں لکھتے ہیں۔ ترجمے لکھتے ہیں — یہ تمام حقائق انسان کی راہنمائی — اور حق کی طرف  
صحیح سمت کی نشاندہی کے لیے مرتب کیے جاتے ہیں — لہذا ہر مصنف اپنی تحریر میں صحیح  
تصور دینے یا غلط تصور دینے کے لیے بہر حال اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہوگا۔ قلم اٹھا کر افسانہ  
لکھنا آسان کام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہم پر جھوٹ بولے۔ وہ ہم  
سے نہیں — اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہذا حقائق کو افسانوی رنگ میں پیش کرنا — کوئی  
سمجھے اس کی ذات کے خسران کا سبب ہوگا — حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے  
متعلق جو کچھ بیان ہوتا ہے۔ اسی اصول اور نظریہ کے تابع تحریر میں لایا جاتا ہے۔ ان  
واقعات میں مبالغہ آمیزی کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہیں۔ یہ چند واقعات جو عام  
عقول کی فہم کے مطابق تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ ورنہ ایسے بھی واقعات مشاہدے میں



آئے ہیں۔ حضور کے مریدوں کو اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کا بُیَاہِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل کی صفات کے مطابق۔ وَ اُحِی النُّوْی بِاِذْنِ اللّٰهِ کی صفات سے متصف ہیں۔ کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کے وسیلہ سے موت میں داخل ہوئے بیاروں کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عطا کی۔ یہ صرف ایک اشارہ ہے۔ تفصیلی واقعات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں حالانکہ ایسے واقعات بھی ناسوتی کرامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر قارئین عام حیثیت میں ایسے واقعات سننے کے متحمل نہیں۔

## راجہ علی اکبر خان اور اس کے خاندان کی عجیب کہانی (نور الدین کی زبانی)

غایاً یہ ۱۹۴۳ء کا زمانہ تھا۔ حضور قبلہ عالم سری نگر تشریف لائے ہیں۔ سردیوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ ان دنوں میرا کاروبار مندا تھا۔ میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک گاہک کے شمعدان تھے۔ پوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کسی گاہک نے پاش کرنے کے لیے دیئے تھے۔ گاہک اجرت نہیں دے رہا۔ آجکل کام بھی تھوڑا ہے۔ فرمانے لگے نور الدین! ابھی تم ان جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہو۔ دیکھو! ان فکروں سے ذہن کو خالی کر دو۔ چھوڑو ان کھلونوں کو۔ چلے جاؤ مظفر آباد اپنے دوست کے پاس۔ سردیاں وہیں گزاریں۔ اور کثرت سے درود جاری رکھو۔ بظاہر ایسے موقع پر۔ مظفر آباد دوست کے گھر جانے کا ذکر پھیرنا بے محل بات تھی۔ یا ایسا خیال آنا بھی بے محل تھا۔ لیکن حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے موقع پر مجھے مظفر آباد جانے کا مشورہ دیا۔ اس سے پیشتر بھی میں کبھی سردیوں میں اپنے دوست راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر جاتا رہا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب میرے قریبی دوست تھے۔ آپ راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار علاقہ چکار (مظفر آباد) کے فرزند تھے۔ آپ وسیع زمینوں کے مالک تھے۔ آپ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ گھر

میں راگ و رنگ۔ عیش پرستی میں شراب کا بھی دور رہتا تھا۔ راجہ صاحب بھی شراب اور گانے کے بے حد شائق تھے۔ یہاں نماز روزے کی پابندی نہ تھی۔ البتہ خود راجہ علی اکبر خان صاحب نماز بھی ادا کرتے تھے۔ مگر موقع میسر ہوا۔ تو شراب نوشی بھی کرتے۔ ویسے ظاہراً اہل حدیث مسلک کے حامی تھے۔ لیکن طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ آپ کا سارا خاندان قدیمی حضرت فقیر اللہ کوٹی کے مریدوں میں تھا۔ ان کے بے حد معتقد بھی تھے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اس تعلق کا علم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ایک زمانہ میں جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ۔ قبلہ سخی صاحب۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے سلسلہ میں خانپور ٹیکسلا قافلہ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ واپسی پر جب ہم شاہراہ کشمیر مظفر آباد سے تقریباً بیس میل آگے نکل آئے۔ یہاں سے راجہ محمد لطیف خان صاحب کا گاؤں موضع اسلام آباد سامنے نظر آتا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے قبلہ سخی صاحب کو گاؤں کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ یہاں میرے دوست راجہ محمد لطیف خان رہتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی میری بات سنی آپ نے بھی اوپر گاؤں کی طرف نگاہ اٹھائی۔ سخی صاحب بھی دیکھنے لگے۔ پھر دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اچھا۔ یہاں تمہارا دوست رہتا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ گاڑی آگے نکل گئی۔ بس۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ حضور نے مزید استفسار نہ فرمایا۔ بس اتنا حضور کو معلوم تھا۔ لیکن اس موقع پر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے زور دے کر فرمایا۔ جاؤ اپنے دوست کے پاس مظفر آباد چلے جاؤ۔ اور کثرت سے درود شریف پڑھتے رہو۔ حضور کا فرمان سن کر میں خاموش رہا۔ دراصل میں عرصہ تین سال سے راجہ صاحب کے گھر نہیں گیا۔ میں نے ان سے قطع تعلق کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں اس زمانہ میں حضور سے بیعت ہو چکا تھا۔ بیعت سے قبل میں راجہ صاحب کے گھر جاتا رہا۔ ان کے ماحول میں میں بھی شامل تھا۔ مگر اللہ کا فضل تھا کہ باوجود شریک محفل رہنے کے میں شراب نوشی سے محفوظ رہا۔ وہاں تمام رات گانا بجانا ہوتا۔ شراب پی جاتی۔ لیکن میں شراب کے قریب نہ جاتا۔ اکثر ایسا ہو جاتا کہ کھانا کھانے کے بعد تاش کھیلنا شروع کر دیتے۔ اور اس قدر مشغول



ہو جاتے کہ صبح ہو جاتی۔ ہمیں اس وقت معلوم ہوتا جب نماز کے وقت راجہ علی اکبر خان صاحب نماز کے لیے باہر نکلتے کہ صبح ہو گئی۔ دن کا بھی یہی حال تھا۔ کہ میں اکثر شرارتیں کرتا۔ یہی ہمارا دن رات کا مشغلہ رہتا۔ اللہ نے کہ فرمایا۔ میں حضور سے بیعت ہوا۔ بیعت کے بعد ایک بار میں راجہ صاحب کے گھر گیا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب کی یہ حالت تھی کہ سواتے راگ و رنگ اور شراب کے اور کوئی کام نہ تھا۔ تعلیم یافتہ تھے۔ دسویں جماعت تک ہم اکٹھے سکول جاتے رہے۔ سکول کے زمانہ میں میری ان سے گہری دوستی ہوئی۔ اب یہ حالت تھی کہ دین سے سخت متنفر تھے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام دل سے بٹ چکا تھا۔ دہریہ قسم کا عقیدہ ہو چکا تھا۔ اور شہر کے بے دین اور دہریہ قسم کے عیاش لوگوں کی صحبت میں رہتے تھے دوران گفتگو حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا۔ راجہ صاحب حضرت غوث الاعظم کی ذات کو بھی گالیاں دیتے تھے۔ آپ نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سخت الفاظ کہے۔ دوسرے دن میں ان سے ناراض ہو کر واپس گھر آ گیا۔ اور عہد کیا کہ اب کبھی ان کے گھر نہ جاؤں گا۔ میں مذہب میں تھا کہ ایسی حالت میں۔ میں حضور کے حکم کی کیسے تعمیل کروں۔ مجبور تھا۔ بہ امر مجبوری فیصلہ کیا کہ ہر حال میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم گھر تشریف لے گئے۔ میں نے دوسرے دن مظفر آباد جانے کا پروگرام بنایا۔ یہ زمانہ تھا کہ میں تنگدستی کی حالت میں تھا۔ کچھ روپے کرایہ کے جمع کیے۔ عجیب اتفاق ہوا۔ صبح میں نے مظفر آباد جانے کا فیصلہ کیا۔ اچانک رات اتنی برفباری ہوئی کہ راولپنڈی کشمیر کا راستہ بند ہو گیا۔ میں جانہ سکا۔ کچھ دن بعد پیسے بھی خرچ ہو گئے۔ دل میں فکر تھا۔ کہ میں مظفر آباد جانے سے رہ نہ جاؤں۔ پھر کچھ روپے جمع کیے۔ اور پھر جانے کی تیاری کی اور پھر ایسا ہوا کہ رات شدید برفباری ہوئی۔ اور پھر راستہ بند ہو گیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ اور میں مظفر آباد نہ جاسکا۔ وقت گزر گیا۔ ہمارا آگئی۔ اور میں ہمارا راجہ ہری سنگھ کے محل میں کام پر لگ گیا۔ یہاں تک کہ پھر سردیوں کا آغاز ہوا۔ سپس میں کام ختم ہو گیا۔ اور پھر ایک دن حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ شہر تشریف لائے۔ ان دنوں میرا کام بھی مندا تھا۔ حضور محمد حنیف صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ کافی لوگ مجلس میں حاضر تھے۔ قبلہ سخی صاحب بھی حضور کی خدمت میں

حاضر تھے۔ حضورؐ نے مجھ سے پوچھا۔ نور الدین کیا حال ہے تمہارا؟ میں نے عرض کی آجکل تنگ دستی ہے۔ فرمانے لگے تمہیں تنگ دستی رہے گی۔ تم دنیا نہیں چھوڑتے۔ تمہیں سزا ملی ہے۔ میں سخت پریشان ہوا۔ کہ مجھ سے کیا قصور ہوا۔ حالانکہ ایک سال کے قریب وقت گزر گیا۔ حضور کئی بار شہر تشریف لائے۔ اس دوران آپ نے کبھی مجھ سے منظر آباد جانے کے متعلق نہ پوچھا۔ یہ حضور کی عادت شریفہ میں تھا۔ کہ وہ کسی مرید کی کوتاہی پر اسے تنبیہ نہ فرماتے۔ آج اچانک مجھ پر اظہار ناراضگی فرمایا۔ فرمانے لگے ہم نے تمہیں منظر آباد جانے کا حکم دیا تھا۔ تم نے حکم عدول کی۔ اس وقت مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ میں نے گزشتہ سال کا واقعہ بیان کیا۔ کہ میں کئی بار جانے کے لیے تیار ہوا۔ مگر برباری سے راستہ بند ہوتا رہا۔ فرمانے لگے ”حکم“ ”حکم ہے“ حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ تعمیل میں آسائش نہیں۔ بلکہ آزمائش ہوتی ہے۔ ”تمہیں برف پر پیل چل کر جانا چاہیے تھا۔“ یہ حضور کے واضح الفاظ تھے جو میں کبھی نہ بھول سکا۔ یقین جانیں۔ جیسے مجھے حکمت کی ضخیم کتابوں کا مطالعہ ہوا۔ آپ کی آواز میں برقی رو تھی۔ جو میری رگ رگ میں دوڑ گئی۔ سمجھ میں آیا کہ پیر سے نسبت میں ایک قلبی جذبہ اصل شے ہے۔ جو تکمیل احکام میں محرک ہوتا ہے۔ فرمایا ”ابھی تعمیل حکم میں۔ جذبہ کی کمی ہے۔“ حقیقتاً یہ جذبہ نہ ہو۔ تو ہر حکم۔ خواہ قرآن سے ہو۔ خواہ حدیث سے ہو۔ خواہ پیر اکمل سے ہو۔ انسان غفلت و کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی مقام ہے۔ جہاں طالب حق کے قلب کا معائنہ ہوتا ہے۔ کہ آیا یہ شخص حقیقی جذبہ رکھتا ہے۔ یا شوقیہ خواہش کرتا ہے۔ جو چند دن کی نفسانی لذت لے کر۔ حق سے دور بھاگتا ہے۔ یہ جذبہ کیا ہے؟۔ ”حُب“۔

بہر حال میں نے معافی طلب کی۔ اور بہر حال میں منظر آباد جانے کا ارادہ مستحکم کر لیا۔ لیکن ذہن میں یہ بات تھی کہ حضور میری تنگ دستی کے بارے میں مجھے وقت گزارنے کے لیے منظر آباد جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم ”واپس گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن میں منظر آباد جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ راستہ صاف تھا۔ کوئی دقت پیش نہ آئی۔ صبح گھر سے نکلا۔ دوپہر کے قریب میں راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر پہنچا۔ سیدھا کمرے



میں داخل ہوا۔ آپ بستر پر سوتے ہوئے تھے۔ میں بستر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہ تاثر تھا کہ راجہ صاحب گہری نیند سے اُچھل کر بیٹھ گئے۔ مجھ کو سامنے دیکھ کر بغلیگر ہو گئے۔ انہیں میری موجودگی سے انتہائی خوشی ہوئی۔ خوشی کے عالم میں دوڑ کر اندرون خانہ چلے گئے۔ ”نور الدین آگیا۔“ گھر کے سب لوگ باہر آئے اور سب خوش ہو ہو کر ملے۔ آج تیس سال کے بعد ان کے گھر آیا تھا۔ راجہ صاحب نے شکایت کی کہ تم ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور مجھ سے تعلق قطع کر دیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد آپس کی گفتگو ہوئی۔ طویل عرصہ کی وارداتوں کا تذکرہ ہوا۔ کہنے لگے میں نے سنا تھا۔ کہ تم فقیر ہو گئے ہو۔ شاید دنیا سے لاتعلق ہو گئے ہو۔ اس لیے مجھ سے بھی لاتعلق ہو گئے۔ مجھے تمہاری جدائی کا سخت صدمہ رہا۔ میں عیش میں رہا۔ مگر تمہاری کمی ہمیشہ محسوس کرتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں میری سخت کلامی سے دکھ ہوا۔ لیکن اس میں میرا کچھ قصور نہ تھا۔ وقت اور زمانہ کے حالات کا تقاضا تھا کہ مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی۔ میرا دل تمہاری محبت سے خالی نہ تھا۔ زمانہ کے حالات نے مجھے اور بھی دین اور دنیا سے متنفر کر دیا۔ اب زمانہ ہے کہ مجھ پر حد درجہ مایوسی طاری ہے۔ میں بے بس ہو چکا ہوں۔ آج میرا دل کہتا ہے کہ میرا ساتھی شاید میرے لیے اُمید کا سہارا لے کر آیا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ آئندہ میری کسی بات سے تمہیں دکھ نہ پہنچے گا۔ آج مجھے میرا دوست مل گیا۔ اب اپنے حالات سناؤ۔ کہ تم پر کیا گزری۔ میں نے بھی اپنے حالات کھل کر سنائے۔ گھر سے روانہ ہونے پر میرا خیال تھا۔ کہ راجہ صاحب بے حد شراب نوشی کرتے ہیں۔ رات دن شراب میں مست رہتے ہیں۔ گھر میں ہر وقت طبلہ سازنگی اور گانے کا چرچا رہتا ہے۔ میں جاؤں گا تو خفیہ طور پر۔ نماز درود جاری رکھوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ راجہ صاحب پھر حضورؐ کے خلاف کوئی غلط بات کہے۔ تو یہ امر میرے لیے بھی پریشانی کا سبب بنے گا۔ انہیں قدرت نے ایک شدید ابتلا میں گرفتار کر رکھا تھا۔ میری موجودگی میں ان کے چچا چچی نے انہیں رشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان کے خاندان میں آپس میں شدید مخالفت رہتی یہاں تک کہ ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ رہتے۔ راجہ محمد لطیف خان مدبر شخص تھا۔ چچا نے محض خانگی اختلافات دور ہونے کے خیال سے رشتہ دینا منظور کیا۔ بات طے ہو گئی۔ مگر میرے جانے کے بعد ان کے اختلافات

اور شدید ہو گئے۔ ادھر راجہ صاحب اور ان کی منیگر کے درمیان محبت کی حد تک تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ فساد کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ چچا چچی نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور لڑکی نے بھی اپنی طرف سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ راجہ صاحب کے لیے پریشانی کا سبب بنا۔ یہاں تک کہ خاندان کا ہر فرد ان کے خلاف ہو گیا۔ انسان کتنا طاقتور ہو۔ اور کتنی ہی غالب قوت کا مالک ہو اگر عقلندی سے کام نہ لے۔ تو فرعون بن جاتا ہے۔ اور وہ ایک عظیم و غالب قوت والے قادرِ مطلق کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ محض انسان کی بھول اور نادانی ہے۔ کہ وہ اپنی تخلیق۔ اپنی ساخت کو ذہن میں نہیں رکھتا کہ انسان باوجود غلبہ کے تخلیقی اعتبار سے۔ اپنی بقا و دوام میں محتاج رہتا ہے۔ قدرت کے بنائے ہوئے حادثات بیماری صحت۔ موت اور بیرونی حادثات اُس کے جدا اختیار سے باہر ہیں۔ اور وہ خود کو ان حادثات سے بچانے کی قوت نہیں رکھتا۔ انسان خود کو بھول جاتا ہے۔ اور بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ عقلندی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بے بسی پر نظر رکھ کر خود کو نہ بھولے۔ کہ وہ ایک معمولی سے دردِ شکم سے تڑپ تڑپ کر سر پٹخنا شروع کر دے گا۔ اس حال میں کہ وہ اس عذاب سے خود کو نجات دلانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بہتر ہے کہ انسان اپنی صحت و توانائی۔ غلبہ و اقتدار کو حد اعتدال میں رکھ کر۔ انہیں خیر کے لیے استعمال کرے۔ اور ان قوتوں کے خالق کو پہچان کر اس کے آگے عجز پیش کرے۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اور مجھ سے مدد کے طلب گار ہوئے کہ تم فقیر ہو گئے ہو۔ میرے لیے دعا کرو۔ میرا تونہ میں کا ذرہ ذرہ مخالف ہو گیا ہے۔ تمہارے آنے سے میری امید بندھتی نظر آرہی ہے۔ لطیف صاحب کے الفاظ سن کر مجھے گونہ اطمینان ہوا۔ کہ مجھے اپنے عمل میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے گی۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ اور پھر ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ہر طرح کی مدد کا وعدہ دیا۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آج سے باغیانہ تصورات سے ذہن کو خالی کر کے نماز شروع کریں۔ ایک آرام طلب نازوں میں پلے ہوئے جاگیردار لڑکے سے نماز درود پڑھنے کا بوجھ برداشت کرنا مشکل تصور ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کل سے غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر نماز کے ساتھ ایک



سو ایک بار درود شریف بھی پڑھیں۔ آپ نے میری بات مان لی۔ دوسرے دن علی الصبح غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور صبح ہی سے نماز شروع کر دی۔ دن میں درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ رات عشاء کی نماز کے بعد میں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا۔ قدرت خدا کی مراقبہ کے ساتھ ہی کیفیات آنے لگیں۔ کہتے لگے مجھے ایک پھولوں کا خوبصورت گلہ نظر آ رہا ہے اس کے گرد نور بھی نظر آ رہا ہے۔ میں نے اندازہ کیا کہ مشاہدہ صحیح ہے۔ دوسرے دن راجہ صاحب نے گیارہ سو سے زیادہ درود شریف پڑھا۔ بعد عشاء پھر میں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا تو انہیں روضہ شریف صاف نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگے حضرت صاحب بکوٹ شریف والے۔ اور ان کے ساتھ ایک اور بزرگ ہیں۔ مجھے روضہ شریف میں اندر لے جا رہے ہیں۔ اندر پہنچ کر انہوں نے مجھے تخت نشین ہستی کے روبرو پیش کیا۔ میں نے انہیں وضاحت کر دی دوسری ہستی قبلہ پر صاحب ہیں۔ اور تخت نشین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ راجہ صاحب نے دل سے تصدیق کی کہ واقعی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر رہا ہوں۔ آدمی سمجھ رہا تھا۔ اور محقق بھی۔ یقین کر لیا کہ میں حقیقت کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ ان کے دل میں میرے لیے دوستی کی بے تکلفی سے بڑھ کر عزت کا جذبہ پیدا ہوا۔ مجھے کہنے لگے۔ میرے رشتہ کے متعلق بھی دعا کریں۔ میں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت راجہ صاحب کو مراقبہ میں بٹھا کر کہا۔ کہ اب آپ خود اپنا معاملہ حضور قبلہ عالم کے پیش کریں۔ راجہ صاحب نے مراقبہ شروع کیا۔ تو سیدھا اجلاس میں پہنچے اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف گرسی نشین پایا۔ آپ نے ان کے سامنے پیش ہو کر اپنے رشتہ کے متعلق عرض کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تمہاری کامیابی لکھ دی گئی۔ میں راجہ صاحب کو ساتھ ساتھ ہدایت دیتا رہا۔ حضور سے عرض کریں کہ دل کی تسلی کے لیے آج مجھے لڑکی کی طرف سے خط ملنا چاہیے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ بعد دوپہر راجہ صاحب میں شدت سے بے چینی پیدا ہو گئی۔ کہ کیا جس مسئلہ میں قوم کا ہر فرد۔ لڑکی کے والدین۔ خود لڑکی قطعی انکار کر چکے ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ خود مجھے دوبارہ دعوت دیں۔ اس پرستم یہ کہ

راجہ محمد لطیف خان صاحب کے والد سخت جابر قسم کے آدمی تھے۔ وہ خاندانی عداوت کی وجہ سے اس رشتہ کے شدید مخالف تھے۔ قسم کھا رکھی تھی کہ ہم یہ رشتہ ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ ایسے مایوسی کے عالم میں جب انہیں یقین کا سہارا ملا — تو وہ بار بار پہاڑ کی چوٹی کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی بے چینی بڑھنے لگی۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ کہ اچانک راجہ صاحب خوشی سے اچھل پڑے۔ کہنے لگے یقیناً خط آ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے درینہ قاصد کو پہچان لیا۔ قاصد سیدھا راجہ صاحب کے پاس آیا۔ اور لڑکی کی طرف سے انہیں خط حوالے کیا — کھولا تو اس میں وہی کچھ تحریر تھا جس کی حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے یقین دہانی کرائی تھی۔

یہ واقعہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے قلب و ذہن میں یکسر تبدیلی کرنے کے لیے کافی تھا۔ حد درجہ خوش ہوئے اور میرے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ان کی یہ حالت تھی۔ کہاں وہ مجھے ”تو“ کہہ کر پکارتے تھے۔ اب تکلف برطرف آپ میری طرف پیٹھ کرنا گوارا نہ کرتے۔ بڑے احترام کے ساتھ نور الدین صاحب کہہ کر کلام کرنے لگے۔ آپ کی ہمیشہ گل نسا بیگم عرصے سے ہسٹریا کے مرض میں مبتلا تھی۔ اس سے قبل ان کی ایک ہمیشہ اسی مرض میں وفات پا چکی تھیں۔ گل نسا بیگم کا مرض بھی شدید ہو چکا تھا۔ رات دن ان پر غشی کے دوپے پڑتے۔ تمام رات ان کے پاس نگرانی کے لیے آدمی بیٹھے رہتے۔ کہ اچانک ان پر کوئی حادثہ طاری نہ ہو۔ راجہ صاحب نے ہمیشہ سے کہا کہ نور الدین صاحب فقیر ہیں ان سے دعا کروں گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اس نے جواب دیا۔ میں نور الدین کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ہر وقت سینما گھروں میں پھرتا تھا۔ یہاں بھی مجھے پتہ ہے۔ کیا شرارتیں کرتا تھا۔ راجہ صاحب نے نور اُمّہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایسا نہ کہو۔ واقعی وہ فقیر ہیں میں ان سے تمہارے لیے دعا کروں گا۔ تم ان کی شان میں اب ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے ہمیشہ کی تکلیف کا ذکر کیا۔ میں گزشتہ آٹھ نو سال سے ان کے گھر آتا رہتا تھا۔ دوستی کی وجہ سے میں اُن کے گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔ میری عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ گھر میں مجھ پر پردے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لطیف صاحب کی تبدیلی دیکھ کر گھر کا ہر فرد مجھ سے متاثر تھا۔



مگر گلنسا بیگم کو مجھ پر یقین نہ تھا۔ میں نے راجہ صاحب کو چند تعویذ لکھ کر دیئے۔ کہ ہمیشہ کو پلا دیں۔ ساتھ درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ اسے یاد کرنا کہیں کہ ایک سو بار روزانہ پڑھیں لیکن گلنسا بیگم نے کچھ توجہ نہ دی۔ گھر میں میرے متعلق باتیں سنکر اسے خیال آیا۔ کہ چلو آزما کر دیکھیں۔ رانچی زبان خود بیان کیا (الادہ کیا۔ کہ اگر آج رات مجھے دورہ نہ پڑا اور میں سو گئی تو پھر یقین کر لوں گی۔ رات کھانا کھانے کے بعد اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ دل میں خوشی اور تعجب کے بڑے بڑے اثرات پیدا ہوئے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ مجھے رات سونا نصیب ہوگا۔ دوسرے دن پھر اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بغیر کسی دورے کے رات آرام سے سوتی رہی۔ مگر اس رات اس نے خواب دیکھا۔ کہ میں اس کے سر پر پٹی باندھ دیتا ہوں۔ صبح اُٹھی تو وہ شک کا شکار ہو گئی۔ خیال گزرا کہ یہ تو شریعت کے خلاف ہے۔ کہ بالغ لڑکی کے سر پر پٹی باندھنا غیر مرد کے ہاتھوں جائز نہیں۔ شاید یہ کوئی شعبہ بازی کا چکر ہوگا۔ دن اسی تذبذب میں گزرا۔ لڑکی سنجیدہ اور سمجھدار تھی۔ خیال گزرا کہ درود شریف یا نماز پڑھنا شعبہ بازی سے تعلق نہیں رکھتا۔ لہذا فیصلہ کیا۔ کہ آج رات درود شریف پڑھ کر دکھیتی ہوں کیا واقعات سامنے آتے ہیں۔

ان چند دنوں میں راجہ محمد لطیف خان صاحب میری بیحد عزت کرنے لگے۔ اور مراقبہ میں انہیں مسلسل مشاہدات ہوتے رہے۔ ان کے تین اور بھائی تھے۔ راجہ علی اصغر خان بڑے بھائی تھے۔ چھوٹے بھائی راجہ عبدالرشید خان۔ ان سے چھوٹا راجہ عبدالحمید خان۔ راجہ اصغر خان۔ عبدالرشید خان بھی پیشتر میرے حالات سے واقف تھے۔ وہ میری شخصیت کو دیکھ کر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ مخالفت پر اتر آئے۔ اور بات بات پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ شام کا وقت تھا ہم لوگ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر رہے تھے۔ اتنے میں راجہ اصغر خان گھبرائے ہوئے اندر کمرے میں داخل ہوئے۔ کہا کہ گلنسا بیگم پر دورہ پڑ گیا۔ وہ زمین پر لیٹی ہے۔ اور نور الدین کو بلارہی ہے۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ میں نے سب کو تسلی دی۔ اور سیدھا گلنسا بیگم کے کمرے میں پہنچا۔ دیکھا وہ جائے نماز میں سجدے کی حالت میں پڑی ہے۔ میں نے آواز دی تو اس نے

جواب دیا۔ میں سمجھا یہ غشی کا عالم نہیں۔ مراقبہ کی حالت ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے۔  
 کہتے لگی میں نے ابھی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی مجھے دورہ پڑا۔ میں اس وقت  
 ایک آدمی کو دیکھ رہی ہوں۔ جو میرے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی جلالی ہئیت دیکھ کر مجھ پر  
 لرزہ طاری ہو رہا ہے۔ اب میں نہ سر اٹھا سکتی ہوں نہ یہ نظر سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ میں سخت  
 خوفزدہ ہوں۔ میں نے حلیہ پوچھا۔ تو اس نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ بیان کیا۔ میں  
 نے اُسے تسلی دی کہ دورہ نہیں۔ تم ٹھیک ہو گھبراؤ نہیں۔ ساتھ ہی اپنا تصور بھی دیا۔ کہنے لگی تم  
 بھی ان کے ساتھ ہو۔ میں نے تسلی دی اور کہا یہ میرے پیر صاحب ہیں۔ جہاں یہ جائیں تم ان کے  
 ساتھ چلو۔ میں بھی تہلے ساتھ ہوں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اسے روضہ مدینہ شریف میں اجلاس محمدی  
 صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔ گلشنار نے مسلسل مشاہدات بتاتے شروع کئے۔ اجلاس کی صحیح کیفیت بتائی۔  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاباش دی۔ کلام فرمایا۔ اس  
 کے ساتھ ہی بعض غیر واقف ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ ہر ایک اسے ملا اور مرجا کہا۔  
 میں نے ساتھ ہی کہا کہ ان سے تعارف پوچھو تو ہر ایک ملنے والی ہستی نے اپنا تعارف کر لیا۔  
 پہلے حضرت اویس قرنیؓ سے ملاقات ہوئی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے تعارف ہوا۔ پھر حضرت  
 یعقوب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اور  
 بھی کئی ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ سب نے اپنا اسم مبارک بتایا۔ اور مرجا فرمائی۔  
 گلشنار نگم میری ہدایت کے مطابق ہر کیفیت مشاہدہ کی بتاتی رہی۔ مشاہدہ دیر تک رہا۔ سجدے  
 میں رہنے کی وجہ سے کہنے لگی۔ اب میں بہت تھک گئی ہوں۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے پیش ہو کر عرض کرو کہ میرا یہاں تک مشاہدہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے نہایت شفقت و پیار سے فرمایا۔ جب چاہو۔ یہاں تک مشاہدہ جاری رہے گا۔ تو میں نے  
 سجدہ سے سر اٹھانے کو کہا۔ وہ مجھے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہ اس نے مجھے باطن  
 میں باطنی لباس میں دیکھا۔ اور یہاں میں اس کے سامنے سادہ لباس میں بیٹھاسوں۔  
 تین سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت میری کچھ اور ہئیت تھی۔ اور وہ مجھے کسی اور ہئیت  
 میں دیکھتی رہی۔ اور اس کے سامنے وہی پُرانا نور الدین بیٹھا ہے۔ وہ مجھے گھور گھور دیکھتی رہی۔



میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ اب تو تم ہوش میں ہو۔ خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ نہ کہہ سکی۔۔۔

کیونکہ اب اسے اپنی خواب کی حقیقی تعبیر مل چکی تھی۔ اور اب مطمئن ہو چکی تھی۔ رات اس کی آرام و سکون سے گزری۔ غشی کے دورے ختم ہو گئے۔ وہ صحت مند ہو چکی تھی۔ یہ واقعہ تمام گھروالوں کے لیے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کہ جس لڑکی کی زندگی کی اُمید وہ کھو چکے تھے۔ اُن کے سامنے صحت مند حالت میں منسی خوشی پھر رہی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ ان دنوں میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی صفات کا ذکر کرتا تھا اور وہ سب۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے دیدار کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ کہ کسی طرح حضور سے ان کی ملاقات ہو۔ اس گھر میں علی اصغر خان۔ عبدالرشید خان نے اس حال میں بھی اپنا روتیہ نہ بدلا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب تک واقعات پہنچتے رہے۔۔۔ لیکن انہوں نے بھی ان واقعات سے کوئی تاثر قبول نہ کیا۔ ان تین ہستیوں کے سوا باقی گھر کے سب عورتوں۔ بچوں نے نماز۔ اور درود شریف پڑھنے پر توجہ دینا شروع کی۔ ان کا تیسرا بھائی عبدالحمید خان گھر پر موجود نہ تھا۔ وہ اکثر گھر سے باہر رہتا۔ ایک دن اچانک وہ گھر آیا۔ میں راجہ صاحب کے کمرے کے باہر برآمدہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے سے گزرائیں نے اس کے آتے ہی کہا۔۔۔ ”کاغانی آگیا۔“ وہ گھبرا یا اور سیدھا اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گلنار بیگم نے کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر بھیجا۔ میں نے حمید کو تمام واقعات بتا دیئے ہیں۔ وہ آپ سے خوف زدہ ہے۔ آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اسے تسلی دیں۔۔۔

حمید خان بھی باہر آیا۔ تو میں نے تسلی دی۔ اس کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ میں نے اُسے پوچھا کہ تو مجھ سے خوفزدہ کیوں ہوا۔ اس نے کہا آپ نے میرا راز فاش کر دیا۔ اگر یہ بات آپ راجہ صاحب سے کہہ دیں تو وہ مجھے گولی مار کر ہلاک کر دیں گے۔ میں نے انجان بن کر پوچھا وہ کیا راز ہے؟ کہنے لگا ایک دن میں کسی گاؤں میں جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ڈاکو مل گئے۔ میں سمجھا یہ ڈاکو ہیں کہیں مجھے نقصان نہ پہنچائیں۔ مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں کاغانی ہوں۔ مسافر ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ ملانے پر مجبور کر دیا۔ مجھے گھر لے گئے۔ وہاں چند دن میری خاطر کی۔ اور میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ جب وہ کسی جگہ ڈاکو ڈالنے

جاتے ہیں۔ مجھے یہاں سے ساتھ لے جاتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ پنجاب تک ڈاکہ ڈالنے جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اکثر گھر سے غائب رہتا ہوں۔ آپ نے آتے ہی مجھے کاغذی کہہ کر پکارا۔ میں رزگیا۔ شاید آپ نے میرا راز فاش کر دیا ہے۔ میں نے گلنار سے آج اس بات کا ذکر کیا۔ میں نے اسے توبہ کرائی۔ درود شریف یاد کر لیا۔ ایک رات مراقبہ کر لیا۔ تو اسے روضہ شریف کا مشاہدہ ہوا۔ مگر اجلاس میں جانے کی فی الحال اجازت نہ ملی۔ وہ بھی اپنی جگہ مطمئن ہو گیا۔ اور آئندہ ڈاکوؤں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اب صرف راجہ صاحب تھے۔ جنہوں نے اس طرف رجوع نہیں کیا۔

ابھی چند دن ہی گزرے تھے۔ میں راجہ لطیف خان کے کمرے میں بیٹھا کچھ حضور قبلہ عالم کا ذکر چھیڑا ہی تھا۔ اتنی دیر میں گلنار کمرے میں آئی۔ سر پر پٹی باندھی تھی۔ میں نے پوچھا ابھی تمہاری پٹی سر سے نہیں اُترتی۔ کہنے لگی آج مجھے دورہ محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے کہا اب تم خود اپنا علاج کرو۔ مراقبہ کرو۔ اور قبلہ پر صاحب کے پیش ہو جاؤ۔ میری ہدایت کے مطابق اس نے مراقبہ میں حضور قبلہ عالم سے عرض کی کہ میرا دورہ مستقلاً ختم ہو جانا چاہیے۔ گلنار نے مشاہدہ میں بتایا۔ کہ حضور نے حضرت شہید غازی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کر دیا۔ انہوں نے میرے سر کا اپریشن کیا۔ میں خود اپنے سر کا اپریشن دیکھ رہی ہوں۔ دوا دی۔ اور پھر انگلی کے اشارے سے درست ہو گیا۔ مراقبہ سے ہٹی تو سر کی گرانی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی دورے کی شکایت نہ ہوئی۔ اب خصوصی طور پر گلنار پر انکشاف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی طرح ایک دن ہم لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ گلنار بھی اندر سے آئی اور میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ میں گفتگو میں مصروف تھا۔ دیکھتا ہوں۔ گلنار خاموش بیٹھی ہے۔ کسی وقت سر گھٹنوں میں جھکا لیتی ہے۔ پھر فوراً گھبراہٹ میں سراٹھائی ہے۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔ میں نے پوچھا تم اس حالت میں کیوں بیٹھی ہو۔ کہنے لگی میں اندر کمرے میں بیٹھی تھی۔ اچانک میرا سر جھک جاتا ہے۔ مراقبہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ خود کو اجلاس میں پاتی ہوں۔ اجلاس میں پیر صاحب ہیں۔ قبلہ سخی صاحب۔ خواجہ عبدالکریم صاحب ہیں۔ آپ بھی ہیں۔ اور بھی لوگ ہیں۔ جنہیں میں پہچانتی نہیں۔ سب کے



پاس ایک ایک بتر شیر کی شکل کے جانور جیسی چیز ہے۔ پیر صاحب مجھے بھی ایک شیر دیتے ہیں۔ میں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ ڈر کے مارے میں اندر سے باہر آپ کے پاس آتی۔ مگر یہاں پر بھی یہی حالت طاری ہو رہی ہے۔ میں شیر کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ سر اٹھاتی ہوں مگر خود بخود پھر میرا سر جھک جاتا ہے۔ اور وہی کیفیت بار بار میرے سامنے آتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دورہ ہے یا کچھ اور معاملہ۔ میں ابھی تک اس کیفیت کا علم نہ رکھتا تھا۔ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ ابھی ابتدائی زمانہ تھا مگر میں نے اندازہ کیا کہ باطنی طور سے کسی خاص مقام کا مشاہدہ دیا جاتا ہے۔ بتر شیر کی حیثیت سے میں نے اندازہ کیا کہ یہ صورت براق کی ہو سکتی ہے۔ براق پیش کرنا کسی اُدنچے مقام کی طرف لے جانے کا اشارہ ہے۔ میں نے ہدایت کی کہ تم شیر لے لو۔ یہ براق ہے۔ اور جیسے حضور حکم دیں ویسے کرو۔ مگر وہ براق کی صورت دیکھ کر ڈر جاتی۔ آخر میں نے قبلہ سخی صاحب سے مدد لینے کے لیے کہا قبلہ سخی صاحب نے اسے براق پر بٹھا دیا۔ معاً براق پر داز کرنے لگا۔ تسلی کے لیے میں نے اُسے اپنا تصور ساتھ رکھنے کے لیے کہا۔ آخر چند لمحوں میں ایک نوری مقام پر براق ٹھہرا۔ تو میں ساتھ کیفیت پوچھتا رہا۔ کہنے لگی یہ نوری زمین دُور وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آگے بڑھ کر تخت پر ایک بزرگ دیکھا۔ میں نے کہا ان سے پوچھو کون ہیں۔ کیا نام ہے۔ ان بزرگ نے کہا میں ملائکہ کا سردار ہوں۔ میرا نام موسائیل ہے۔ یہ چہارم آسمان ہے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ آگے بڑھو۔ وہ آگے چلی تو ایک اور بزرگ کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ آپ کو السلام علیکم عرض کی۔ آپ نے وعلیکم کہہ کر فرمایا ہم نے تمہیں کافی دیر سے یہاں بلا بھیجا تھا۔ تم نے یہاں آنے میں دیر لگا دی۔ میں نے عرض کی (گلنسا، مجھے بھی اپنے ساتھ دیکھتی رہی) کہ یہ براق سے ڈر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ تمہارا یہاں تک آنا ہوگا۔ آپ نے ایک پرچہ دیا۔ جس پر وظیفہ تحریر تھا۔

سُبْحَانَ الْهَادِي مَنْ يَشَاءُ - سُبْحَانَ الْعَفْوَ الرَّحِيمِ

گلنسا نے مجھے پرچہ کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ میں نے کاپی پر یہ وظیفہ لکھ لیا۔ فرمایا آئندہ جب ہم بلا میں یا تم نے یہاں آنا ہو۔ یہ وظیفہ ورد کرو بلا توقف یہاں پہنچ جاؤ گی۔ اب

براق کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ آپ نے بتایا ہم (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہیں۔ یہ آسمان چہارم کا مقام ہے۔ آپ نے شفقت سے سر پر دست مبارک پھیرا۔ اور فرمایا آج رات دس بجے نصف شب پھر تم حاضر ہونا۔ تاکید ہے۔ تعافل نہ کرنا۔ اور رخصت کر دیا۔ گلنار بازگشت میں پھر موسیٰ نیل سردار کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا ایک طرف اشارہ کر کے ادھر دیکھو۔ تو اس طرف دور دور قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے نظر آتے۔ آپ نے ملائکہ کی طرف توجہ کی دو ملائکہ آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دو ملائکہ تمہارے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔ توجہ ضرورت پڑے تو جو وظیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عطا کیا۔ وہی وظیفہ ورد کر دو۔ اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ بس مراقبہ سے فارغ ہوئی۔ تو خود کو کمرے میں محسوس کیا۔ اس وقت کمرے میں گھر کے سب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ گلنار بگیم تمام کیفیات مشاہدہ زبان سے بھی دہراتی رہی۔ یہ واقعات سب حیرت سے سن رہے تھے۔ یہ واقعات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ تاہم یہ واقعات سن کر ہر شخص حضور قبلہ عالم کی زیارت کے لیے بیتاب ہوتا جا رہا تھا۔ میں خود حیران تھا۔ کہ ایسی کیفیات کا مشاہدہ ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ میں راجہ محمد لطیف خان صاحب سے چھپ کر درود مراقبہ کیا کروں گا۔ مگر یہاں قدرت نے حضور انور جناب محمد امین صاحب کی توجہ سے ایسے مناظر دکھائے۔ جنہوں نے ہر فرد کو آپ کے دیدار کے لیے بے چین کر ڈالا۔ گلنار بے حسنی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ شام ہوئی تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی عبدالحمید کو کمرے میں رہنے کا حکم دیا۔ رات چائے مٹھائی کا انتظام کیا۔ نصف شب تک جاگتے رہے۔ چائے پیتے رہے۔ دس بجے کا وقت ہوا۔ گلنار نے مجھے بھی ساتھ رہنے کے لیے کہا۔ میں بھی کمرے میں آگیا۔ ٹھیک دس بجے مراقبہ شروع ہوا۔ گلنار نے ایک بار وظیفہ ورد کیا تو سیدھا آسمان چہارم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئی۔ آپ نے مرجاہی۔ اور شفقت فرمائی۔ اور ساتھ ہو کر آسمان چہارم کے کئی اسرار مشاہدہ کرائے۔ اور ہر کیفیت کی وضاحت فرماتے رہے۔ آخر ایک مقام پر لے گئے۔ جہاں ایک گول ڈھکن جیسے تنور پر ڈھکن لگا ہوا دکھایا۔ فرمایا اسے اٹھاؤ۔



گلنار نے ڈھکن ہٹایا۔ تو فرمایا نیچے دیکھو۔ تو اس سوراخ سے کوسوں دور نیچے زمین نظر آئی۔ فرمایا۔ دیکھو تم کتنے اونچے مقام پر ہو۔ تم سے کوئی غفلت اور کوئی کوتاہی ہوتی۔ تو تمہیں یہاں سے نیچے دھکیل دیا جائے گا۔ گلنار خوف کے مارے دور ہٹ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ شریعت کی تابعداری اور طریقت پر مستعدی سے قائم رہو۔ خطا سے بچے رہو۔ ورنہ کسی خطا کا نتیجہ یہی پستی ہو گا۔ یہاں سے نیچے گمراہی جاؤ گی۔ ہوشیار رہنا۔ جو عمل اختیار کیا۔ اس پر قائم رہو۔ پھر آپ نے بسم فرما کر شفقت سے سر پر دست مبارک رکھا۔ فرمایا جاؤ۔ پھر جب چاہو یہاں آنا۔ تمہارے لیے یہ مقام ہمیشہ کے لیے کھلا رہے گا۔

ایک دن حسب دستور ہم مردانہ میں راجہ لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے طریقت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اب یہاں نہ راگ و رنگ تھا۔ نہ مسخراپن تھا۔ نہ شراب تھی۔ بلکہ ہر فرد شراب معرفت کی خوش آئند خوشبو کی مہک سے سرور تھا۔ بس طریقت اور حضور قبلہ عالم کی یادیں۔ اور آپ کا ذکر صبح و شام ہوتا تھا۔ ہم سب محو گفتگو تھے گلنار بیگم بھی کمرے میں بیٹھی تھی۔ میں اس کے حالات دیکھ کر دل میں بے حد سرور تھا۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔ میں نے گلنار سے کہا کہ مراقبہ کرو۔ اور حضور قبلہ عالم کے پیش ہو۔ گلنار حضور کے پیش ہوئی۔ میں نے کہا۔ حضور سے اجازت لو کہ ہمیں بیت اللہ کی سیر کی اجازت دیں۔ آپ نے بیت اللہ جانے کی اجازت فرمائی۔ میں نے گلنار بیگم کو بیت اللہ شریف کی طرف پرواز کرنے کو کہا۔ یہاں سے پرواز کی تو آنا نانا بیت اللہ تک پہنچے۔ ظاہراً بیت اللہ تک پہنچنا تھا۔ مگر یہاں دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کرنا میرا مقصد تھا۔ گلنار بیگم نے یہاں بجائے کعبۃ اللہ دیکھنے کے دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ میں نے اس سے قبل دوئم اجلاس محمدی کے متعلق بالکل ذکر نہیں کیا تھا۔

بیت اللہ۔ باطن میں۔ بیت اللہ کی جگہ ایک سہری دریا نظر آتا ہے۔ جس میں بے شمار کشتیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں ایک سہری کشتی نظر آتی ہے۔ اس کشتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اجلاس قائم ہے۔ اسے اجلاس دوئم کہا جاتا ہے۔

یہاں پہنچ کر اجلاسِ دوم کے علاوہ اور بھی اسرار و کیفیات کا مشاہدہ دیا گیا۔ ایک مقام پر ماروت و ماروت کو بھی دکھایا گیا۔ ان سے کلام بھی ہوا۔ یہ امر میرے لیے بھی باعثِ خوشی تھا کہ چند ساعتوں میں دوم اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا۔ دوسرے دن مزید آثار کا مشاہدہ دیا گیا۔ جس میں ایک خصوصی مقام ”بحر القیوم“ تھا۔ یہ مقام مثل دریائے توحید ایک سبز نوری سمندر کی شکل میں مشاہدہ میں آیا۔ اس دریا کو عبور کر کے گلنارِ بگم ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئی۔ جہاں ایک اونچے مقام پر ایک نورانی محل تھا۔ اسی آثار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقرار کے ایک جلوس کی صورت میں تشریف لاتے۔ محل کے قریب پہنچے تو گلنار کو محل میں ساتھ لے گئے۔ حضور قبلہ عالم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ محل کے اندر حضرت مریم علیہا السلام۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرداً فرداً ملاقات ہوئی۔ ان مقدس ہستیوں نے انتہائی شفقت سے گلے لگایا۔ اور مرجبا فرمائی۔ اس محل میں تمام انبیاء کی صاحبزادیاں جمع تھیں۔ جن کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراءؑ بنائی گئیں۔ حضرت مریم۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے گلنار کو پھولوں کے گلدستے اور بہت سے نورانی تحائف عطا فرمائے۔ بہت سے مشروبات پلائے۔ جن کی لذت سے وہ نا آشنا تھی۔ کہ ایسا لذیذ شربت دُنیا پر پایا جانا ممکن نہ تھا۔ اور بہت سے میوے کھلائے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء۔ حضرت مریم علیہا السلام نے گلنار پر خصوصی توجہ اور شفقت فرمائی اور اجازت دی۔ جب جی چاہے۔ یہاں آسکتی ہو۔ یہ مقام تمہارے لیے کھلا رہے گا۔ دوسرے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بحر القیوم میں حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وقت پر گلنار مراقب ہوئی۔ توحید ہی اس وادی میں پہنچی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت عیسیٰ اسے اونچے مقام پر لے گئے۔ فرمایا ہم تمہیں سوم آسمان پر لے جائیں گے۔ گلنار نے خوف کا اظہار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تسلیم فرمایا اور فرمایا آنکھ بند کر کے قدم اٹھاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ تو آنکھ کھولی۔ خود کو آسمان سوئم پر پایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ ہمارا مسکن ہے۔ یہاں تخت پر ایک نورانی بزرگ دکھائی دیئے۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کا نام پوچھا کون ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام



نے فرمایا۔ یہ آسمانِ سوئم کے ملائکہ کا سردار ہے۔ ان کا نام ”بلون“ ہے۔ ان کے ماتحت عدد نظر تک قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔ گلنار حضرت بلون ملائکہ کے قریب گئی السلام علیکم کہا۔ انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور بہت شفقت فرمائی۔ ان مسلسل مشاہدات سے گلنار میں کچھ سنجیدگی اور تدبیر پیدا ہو چکا تھا۔ اب اس میں عقیدت مندانہ رعب کا اثر کم ہو چکا تھا۔ وہ کھل کر حضرت بلون سے باتیں کرنے لگی۔ اور ان سے کئی سوالات پوچھے۔ حضرت بلون ملائم انداز میں جواب دیتے رہے۔ آپ نے ایک رجسٹر گلنار کو دکھایا۔ جس میں ہر انسان کا نام۔ اس کا رزق۔ موت و حیات۔ اور زندگی کے تمام واقعات کی تفصیل درج دیکھی۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام اولیاء کے نام بھی بمقام مراتب درج تھے۔ حضرت بلون نے ایک اور رجسٹر دکھایا۔ جس میں لیلة البرأت میں مقرر کئے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام درج تھے۔ آپ نے اس رجسٹر کی تفصیل بیان کی۔ یہ احکام لیلة البرأت میں ہم تک نازل ہوتے ہیں۔ اور لیلة القدر کی رات دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت بلون نے اور بھی کئی کیفیتوں کا انکشاف فرمایا۔ رجوع رابطہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ایک تخت پر جلوہ افروز تھے۔ نے گلنار کو شرف بازیابی بخشا اور بہت شفقت فرمائی۔ اور بہت دیر تک ہم کلام ہوئے۔ آخر میں آپ نے بھی ایک وظیفہ عنایت فرمایا۔ فرمایا جب یہاں آنا ہو۔ تو وظیفہ پڑھو۔ فوراً یہاں پہنچ جاؤ گی۔ میں نے گلنار سے وظیفہ پوچھا۔ تو اس نے زبان سے وظیفہ دہرایا۔ وظیفہ یہ تھا۔

سُبْحَانَ اللَّهِ الْكَرِيمِ - سُبْحَانَ نَوَّرِ الْمُبِينِ - سُبْحَانَ مَنْ

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

میں نے وظیفہ کا پی پر لکھ لیا۔ گلنار کے مراقبہ کرنے کا طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ مافوق العقل کیفیت دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ مبادا اسے کوئی حادثہ پیش آئے۔ اس پر یہ وہم غالب تھا۔ اس لیے مراقبہ کرتے وقت مجھے پاس بٹھا لیتی۔ میں ہر مشاہدہ پر اُسے ہدایت دیتا۔ وہ اپنی کیفیت ساتھ ساتھ بیان کرتی رہتی۔ میں خود ان مشاہدات سے بے خبر تھا۔ ابھی تک مجھے حضور قبلہ عالم

نے دریائے توحید میں اجلاس دوم کا مشاہدہ عطا کیا تھا۔ اس سے آگے مجھے کسی کیفیت کا علم نہ تھا۔ اب گلنساہ کے ذریعہ ہی مجھے ان مقامات کا علم الیقین ہوا۔ مگر مجھے ان مقامات کا مشاہدہ نہیں ہوا۔ لیکن میری ہدایات جو ہیں گلنساہ کو کیفیات کے مشاہدے میں دیتا رہا۔

کہ یہاں یہ بات عرض کرو۔ یہاں اس طرح ادب کرو۔ وغیرہ تو میری ہر ہدایت مناسب اور بر محل ثابت ہوتی۔ گلنساہ میری ہدایت کے مطابق کچھ عرض کرتی۔ اس کا اُسے جواب مل جاتا۔ جو طریق میں اسے بتانا۔ وہ حسبِ حال ہوتا۔ البتہ گلنساہ ہر مقام کے مشاہدے میں میرا تصور ساتھ رکھتی اور خود حضور قبلہ عالم بھی اکثر مقامات میں ساتھ ہوتے۔ میں ان مشاہدات کو سن کر خود متحیر تھا کہ اسے کن کن انعامات سے نوازا جا رہا ہے۔ چنانچہ جب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے وظیفہ عطا کیا۔ تو میں نے گلنساہ سے وظیفہ دہرانے کو کہا۔ معلوم نہیں۔ گلنساہ کے دہرانے میں غلطی ہوئی یا میری تحریر میں غلطی ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے رخصت ہو کر ہم روضہ شریف اجلاس اول میں پہنچے۔ دیکھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور قبلہ عالم سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گلنساہ کو قریب بلا کر فرمایا۔ ہمارا دیا ہوا

وظیفہ دوبارہ دہراؤ۔ گلنساہ کو تو یاد نہیں رہا۔ لہذا میں کاپی سے وظیفہ پڑھتا رہا۔ اور گلنساہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے دہراتی رہی۔ جب میں نے کاپی پر لکھے ہوئے وظیفہ

میں مَبْحَا نَ نُورٍ مَبِیْنٍ پڑھا۔ تو گلنساہ نے ایسے ہی پڑھ کر سنایا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے غلط لفظ لکھا۔ یہ نُورُ الْمَبِیْنِ ہے۔ اس کی تصحیح کرو۔ مجھے اس تصحیح

کے لیے یہاں آنا پڑا۔ آئندہ خیال رکھو۔ کسی کیفیت کا غلط تصور قائم نہ کرنا۔ غلطی سے ”ال“ حذف ہو گیا تھا۔ یہ واقعات دیکھ کر میں متحیر تھا۔ میری سوچ گم ہو چکی تھی مگر میں کیا دیکھ رہا

ہوں۔ کیا سن رہا ہوں۔ ایسے واقعات کا ہونا میرے دہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ کہ کاپی پر لکھی ہوئی تحریر میں غلطی کا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم ہوا۔

اور ساتھ ہی انہوں نے خصوصی طور اس کی تصحیح فرمائی۔ ایسے نادیدہ خفیہ واقعات کا انکشاف حیران کن تھا۔ یقیناً حضور قبلہ عالم کی ذات پر ہمارا ایمان پختہ ہو گیا۔ اور اسی پختہ



ایمان نے ہماری راہنمائی کی کہ ہم ایسے واقعات کو برحق سمجھتے رہے۔ ہمارے دلوں میں  
 ذرہ بھر شک کا اثر نہ پیدا ہوا۔ یہ واقعات گھر میں سب لوگوں کے سامنے بیان ہوتے  
 رہے۔ اور ہر شخص ان واقعات کو سن کر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو غائبانہ طور عزت و  
 احترام کی نظر سے دیکھتا رہا۔ ان کے دلوں میں محبت و عزت کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے  
 لگے۔ ہر شخص کا دل بیتاب تھا۔ کہ کب حضور قبلہ عالم کے دیدار نصیب ہوں۔ بہر حال  
 ان واقعات کے اثرات کو نہ بیان کیا جاسکتا ہے۔ نہ ان کی تفصیل بیان کی جاسکتی ہے۔  
 نہ اپنی حالت بیان کی جاسکتی ہے کہ اس وقت ہماری کیفیت کیا تھی۔

ایک دن حسب معمول ہم راجہ محمد لطیف خان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ میں نے  
 گلنار سے کہا۔ مراقبہ کرو۔ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوں گے۔ اس نے مراقبہ  
 شروع کیا اور بغیر توقف کے آسمان چہارم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ میں  
 نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند باتیں دریافت کرنے کو کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 نے آسمان چہارم کے کئی اسرار بیان فرمائے۔ اور بھی کیفیات بتا رہے تھے۔ کہ درمیان میں  
 آپ نے فرمایا۔ دیکھو یہ سر کی باتیں ہیں۔ کمرے میں اور بھی آدمی بیٹھے ہیں۔ تم کیفیات کا ذکر  
 کر رہی ہو۔ اور سب سن رہے ہیں۔ فی الواقع اس کمرے میں گھر کے سب بچے۔ ملازم اور گاؤں  
 کے چند لوگ بھی یہ باتیں گلنار کی زبانی سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ واقعات عام لوگوں  
 کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ لہذا تخلیہ کرو۔ باقی سب لوگوں کو کمرے سے باہر جانے  
 کے لیے کہہ دو۔ گلنار نے مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم سنایا کہ آپ ایسا فرما رہے ہیں۔  
 میں نے سب سے معذرت کی تھوڑی دیر کے لیے سب باہر جاتیں۔ سوائے راجہ محمد لطیف  
 خان صاحب کے باقی کمرے سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے  
 گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد تواتر کے ساتھ ہر روز ہی ایک نئی کیفیت دکھائی جاتی۔  
 ہر آسمان کی سیر کرائی جاتی۔ اور ہر آسمان میں ایک نبی۔ اور اس آسمان کے ملائکہ کے  
 سردار کے ساتھ ملاقات کرائی جاتی۔ یہاں تک کہ گلنار کو آسمان ششم (چھٹے آسمان) پر  
 لے جایا گیا۔ یہ سیر خود حضور قبلہ عالم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کراتے۔ اس سیر میں گلنار۔



خود واقعات دہراتی۔ کہ میرے ساتھ نور الدین صاحب ہیں پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ ہیں۔ آسمان ششم میں خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرائی گئی۔ آپ نے گلنار پر بے حد شفقت فرمائی اور تبسم فرماتے ہوئے آپ نے گلنار سے بے حد پسندیدگی اور خوشی کا اظہار فرما کر مر جبا فرمائی۔ اور بہت پیار سے گلنار سے کلام فرماتے رہے۔ یہاں پر بھی بہت سے اسرار کا مشاہدہ کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امتحاناً گلنار سے سوالات کیے چونکہ ان واقعات سے لاعلم تھی تاہم وہ اپنی ذہنی صلاحیت پر جواب یا صواب دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بہت خوش ہوتے اور شاباش دیتے۔ ایسے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم بھی تبسم فرماتے اور خوش ہوتے۔ جیسے باپ اپنے ہونہار بچے کی ذہانت پر خوش ہوتے ہیں۔ اور جہاں کہیں گلنار کسی سوال کے جواب دینے میں مجبور ہو جاتی۔ تو قبلہ پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ تو آپ خاموش رہتے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس سوال کا جواب بتائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے اور خاموش رہتے۔ تو گلنار مجھ سے کہتی کہ آپ بتائیں میں کیا جواب دوں میں ان اسرار سے خود بے خبر تھا تاہم میرے ذہن میں القائی طور الفاظ آتے۔ تو میں گلنار کو بتا دیتا۔ وہی جواب گلنار دے دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہو کر تبسم فرماتے اور شاباش دیتے۔ جیسے آپ کے تبسم سے یہ اظہار ہوتا ہے ”شاباش تم بہت سمجھدار لائق انعام ہو۔“ اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گلنار کے سامنے چار رنگ کی چار ٹکیاں رکھ دیں۔ فرمایا ان میں سے ایک ٹکیہ اٹھاؤ۔ گلنار ساتھ ساتھ میرے سامنے کیفیت دہراتی ہے (مجھ سے کہنے لگی میں سمجھ نہیں سکتی۔ کون سی ٹکیہ اٹھاؤں۔ میں بھی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں نے کہا پیر صاحب سے پوچھو۔ پیر صاحب کی طرف دیکھا۔ تو آپ نے تبسم فرمایا۔ مگر جواب نہ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ اور



خاموش رہے۔ مجھ سے کہنے لگی یہ بتاتے نہیں۔ تم بتاؤ کون سی ٹمکیہ اٹھاؤں۔ اب تمہوں ہستیاں گلنساہ کی طرف تبسم کناں دیکھ رہی ہیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ ولایت کے مشاہدات و مراتب کے نشان ہوں گے۔ جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرابِ سُرخ اور شرابِ سفید (دودھ) پیش کیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابِ سفید کو پسند فرمایا۔ تو جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے دینِ فطرت کو قبول فرمایا۔ اسی خیال پر میں نے اشارہ دیا۔ کہ سفید رنگ کی ٹمکیہ اٹھا۔ گلنساہ نے سفید رنگ کی ٹمکیہ اٹھائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش ہو کر آفرین و مرجا فرمائی۔ اور بشارت دی کہ تم لائقِ انعام قرار پائی۔ تمہیں کامل ولایت دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم نے بھی بیحد خوشی و تحسین کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر رخصت کر دیا۔ اور غالباً گل (پھر حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن غالباً چاشت کا وقت ہوگا۔ گلنساہ نے مراقبہ کیا۔ تو سیدھے آسمانِ ششم پر پہنچی۔ دیکھا تو یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ پر صاحبِ منتظر تھے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ بہت سے انعامات عطا فرمائے۔ اسی اثناء میں نماز کا اہتمام شروع ہوا۔ اس مقام پر تمام انبیاء اولیاء جمع ہوئے۔ اور سب گلنساہ کو بہ نظر تحسین دیکھتے صف در صف جماعت کی صورت میں جمع ہوئے۔ تو وسعتِ نظر تک صفیں دُرست ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی۔ آپ کے پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے ساتھ چہار یارانِ باصفا۔ امامین علیہ السلام آپ کے ساتھ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھ گلنساہ۔ خواجہ عبدالکریم صاحبِ قبلہ سخی صاحب۔ ان کے ساتھ یہ سگ در آستانہ آمیتی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمائی۔ لیکن یہ سماں۔ یہ سماع۔ یہ کیف۔ ناقابلِ برداشت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدسی لحن ناقابلِ برداشت تھا۔ کائنات وجد میں محسوس ہو رہی تھی۔ شدت سے دل دھڑکنے لگا۔

۱۔ میں نے اندازہ کیا کہ چار رنگ انبیاء کے انوار سے مشابہ ہیں۔ سبز رنگ نورِ عیسیٰ سُرخ رنگ نورِ موسیٰ زرد رنگ نورِ آدمی اور سفید رنگ نورِ ابراہیمی سے تشبیہ ہے۔

ایسی مدہوشی طاری ہونے لگی کہ رُوح جسم سے پرواز کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ گلنساء تو پہلے ہی رقیق القلب تھی۔ گھبرا گئی۔ بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ کہنے لگی مجھے سنبھالیں میری رُوح نکلنے لگی۔ میں نے تسلی دی۔ کچھ تو جود دی۔ ساتھ ساتھ اسے بھی حوصلہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ نماز ادا ہو گئی۔ اسی عالم میں مراقبہ ختم ہوا۔ دیر تک حواس قائم نہ ہو سکے۔ کچھ ہوش آیا۔ تو پھر کیا سوچا جاسکتا تھا۔ کہ جو کچھ دیکھنے سننے میں آ رہا تھا۔ اس پر ذہن فکر کرنے میں بے بس تھا۔ ہم کیا کہیں۔ کہ کیا ہے۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں خود سوچنے سے رہ گیا۔ دماغ شل تھا۔ کہ اس لڑکی پر کیسے انعامات نازل ہو رہے ہیں۔ جس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اللہ بے نیاز ہے جسے جو دینا چاہے۔ اہلیت دیکھے بغیر دے دیتا ہے۔ مگر یہ نسبت سے ملتا ہے۔ یہ سب عنایت حضور عالی مقام جناب حضرت محمد امین صاحب ادیسی کی نسبت سے ہی میسر آنا ممکن ہوا۔ یہ سب اسی ذات کی محبوبیت کے صدقے میسر آیا۔

میں راجہ محمد لطیف خان صاحب کی گھر بلو زندگی سے واقف تھا۔ ایک جاگیر دار فرزند کی حیثیت سے جس کو دنیا کی تمام آسائشیں میسر ہوں۔ جسے دنیا کی عیش و عشرت کا ہر سامان میسر ہو۔ جو اپنی زندگی میں آزاد اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزاد ہو۔ ایسے امیر گھرانے میں دنیوی عیش و عشرت کی رونق۔ حسبِ نفس مرغن غذائیں۔ شراب و راگ و رنگ۔ اور دنیا کی ہر شے لونڈی بن کر سامنے آئے۔ وہ خدا کو کیا جانے۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا سمجھے۔ جو اپنی خواہش کو پورا پائے اُسے کتاب کی کیا ضرورت! جو نشہ دولت۔ نشہ نخوت۔ نشہ خمر کی فراوانی میں مدہوش۔ دنیوی نعمتوں کی فراوانی میں مطمئن ہو۔ اسے کسی کی محتاجی کی کیا ضرورت! اسے دارِ آخرت کا کب احساس ہو سکتا ہے۔ یا احساں کی فرصت ہو!۔ مگر وہ ذاتِ کبریا۔ اللہ الصمد ہے۔ الرحمن ہے۔ الرحیم ہے۔ اس کے سامنے سات بادشاہوں کا مالک عظیم طاقت کا مالک جابر حکمران۔ غالب طاقت کا مالک فرعون بے شمار خزانوں کا مالک ہامان و شداد۔ آخر ایک ”بندہ“ ہی تو ہے۔ ”بندہ“ آخر کوڑے



کر کٹ کے ڈھیر میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ حیثیت۔ اس کبریا کے آگے نہیں رکھتا۔  
 — بھلا اس خدائے عظیم کے آگے ایسے بندے کی کیا حیثیت! جس کے لیے خدائے  
 برتر پر واہ کرے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ اس کے سامنے بندے کی کوئی حیثیت لائق توجہ  
 نہیں — یہ معمولی بات ہے۔ وہ ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا بھلا اس کی ہمسری کوئی  
 کر سکتا ہے! — تو پھر بندے کے گناہوں کی بھی کوئی وقعت و حیثیت نہیں۔ سوائے اس  
 کے کہ کوئی بندہ نادانی میں اس کی ہمسری و کبریائی کا دعویٰ کرے — پھر بھی۔ بندہ۔ اس  
 ذات کبریا کی نظر میں کوئی غالب حیثیت نہیں رکھتا۔ تو پھر ایسے بندے کی ہمسری بھی لائق توجہ  
 نہیں۔ کہ محسوس کی جائے — اس ذات کے آگے۔ کسی حقیر ذرہ کا اچھل کر حملہ کرنا —  
 اس ذات پر کیا اثر ڈال سکتا ہے — وہ تو ایسی نامعقول حرکت پر غصہ نہیں کرتا۔ بلکہ  
 سہنس دیتا ہے۔ کہ اس بندے کو درِ شکم میں مبتلا کر دوں۔ تو اس کا سارا غرور لمحہ میں  
 خاک میں مل جائے گا۔ باقی وہی بندہ مجبور عاجز ہو کر رہ جائے گا۔ ایک عاجز پر۔ اس  
 خدائے غفور کا غضب اس کی شایانِ شان نہیں —

سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَىٰ غَضَبِي

اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے کہ کوئی ایسی ہمسر طاقت نہیں جس پر  
 غضب کیا جائے۔ کوئی ایسا موقع نہیں جہاں غضب استعمال ہو — خود بندے کے لیے  
 — خواہ وہ فرعون ہو — فرد ہو — شداد ہو — کوئی بھی نادان ہمسری کا دعویٰ  
 کرنے والا ہو — بندے کی حیثیت میں بہر حال۔ رحمت وقف کر رکھی ہے۔ یہی نہیں کہ  
 مُنَّہ دیکھ کر دے — نہیں — بلا تمیز۔ نیک و بد۔ ہر بندے کے لیے۔ اپنے انعامات  
 کے دروازے کھلے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں خود نہیں دیتا — خود آکر جو چاہے لے لے جتنا  
 چاہے لے لے فرعون بن کر ہی آئے لے لے۔ شداد بن کر ہی آتے۔ لے لے کوئی  
 رکاوٹ نہیں۔ اس سے بڑھ کر وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ کی اور کیا تفسیر ہو سکتی ہے!  
 قسم ہے اس خدائے رحمن و رحیم کی۔ جو ہدایت دینے میں فیاض عظیم ہے۔ اس معیفہ میں  
 بیان کردہ واقعات میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں۔ جو چاہے مانے۔ جو نہ چاہے۔ نہ مانے۔ ”لعل“

رجواہر) اپنی تابانی کی صفت پر محبوب ہے۔ اسے نہ کسی کی صفت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی کی صفت پر اس کی افضلیت منحصر ہے۔ ہاں! اس کی صفت کرنے سے خود جوہری کو افضلیت ملتی ہے! یہ واقعات تفصیل سے بیان کرنا اس غرض سے ہے۔ کہ انسان کو حق و باطل — خیر و شر میں تمیز حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اور وہ یہ تمیز حاصل کر کے حقیقی نفع ایک حقیقی ”علم“ حقیقی ”عمل“ حقیقی ”سمجھ“ حقیقی ”فکر“ حاصل کرنے میں اپنے لیے صحیح راہ پانے میں کامیاب ہو۔ — بس —

جیسا کہ بیان ہوا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب۔ کو دینیوی عیاشانہ زندگی نے اللہ سے دُور کر رکھا تھا۔ اس نے زندگی کا حاصل۔ شراب و راگ و رنگ کو ہی سمجھ رکھا تھا۔ اسے خدا کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ اچھا تعلیم یافتہ تھا۔ شاعر بھی تھا۔ ادیب بھی تھا۔ وہ اپنی علمی قابلیت کے بھرپور پر خدا کے نہ ہونے کی دلیلیں پیش کرتا تھا۔ کوئی عالم نہ اُسے قائل کر سکتا تھا۔ نہ اسے دلائل دے سکتا تھا۔ یہ حق بات نہ تھی۔ بلکہ اس کی دینیوی آسودگی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ کسی ذات کا غلام بننے پر تیار نہ تھا۔ نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ ان کے والد راجہ علی اکبر خان صاحب علاقہ کے بڑے جاگیرداروں میں سے تھے حکومت کشمیر میں مہاراجہ کے نزدیک انہیں باعزت مقام حاصل تھا۔ اکثر شہروں کی سیر و سیاحت میں وقت گزارتے۔ بہت بار عرب شخصیت تھی۔ کوئی شخص ان سے آنکھیں چار کر کے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی ان سے کھل کر بات کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ آپ بھی شراب کے عادی تھے۔ راگ و رنگ کو آپ بھی پسند کرتے۔ مگر آپ کا انداز شریفانہ تھا۔ پنجاب و ہند کے بڑے مشہور گویئے آپ کا نام سنکر آتے بہختوں گانے کی محفلیں لگی رہتیں۔ اور جی بھر کر انعام حاصل کرتے راجہ صاحب فطرتاً سلیم الطبع۔ فیاض و مدبر تھے۔ غریباً پرور تھے۔ غیور تھے۔ کہ کسی شخص کی بڑھائی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کا دوسرا پہلو عقیدت مندانہ بھی تھا۔ نماز۔ روزہ کے بھی پابند تھے۔ تہجد بھی ادا کرتے تھے۔ اہل حدیث مسلک بھی رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت فقیر اللہ صاحب کشمیر اور صوبہ سرحد تک مشہور



ولی مانے جاتے تھے۔ اور تمام جاگیردار طبقہ ان کا مرید تھا۔ بلاشبہ فقیر اللہ صاحب بکولی زمانہ کے ادلیا۔ میں بے مثال فقیر تھے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے تھے۔ کہ عالی جاہ سید نور الزمان شاہ صاحب بھی آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ کہ ”فقیر اللہ دنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہے“ راجہ صاحب کے تمام خاندان کی ان سے بیحد عقیدت تھی۔ بلکہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کا خود بیان ہے کہ ایک بار حضرت صاحب گھر تشریف لائے۔ تو میرے متعلق والد صاحب نے عرض کی کہ بچے کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے مجھے گود میں لے کر فرمایا۔ کہ منہ کھول میں نے منہ کھولا۔ تو آپ نے میرے دہن میں بھوک ڈالا۔ فرمایا یہ بڑا آدمی ہوگا۔ آخر اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ کہ جب میں نے پہلی بار انہیں مراقبہ کرایا۔ تو لطیف صاحب نے مشاہدہ میں دیکھا کہ حضرت صاحب بکوث والے اور حضور قبلہ عالم انہیں اجلاس محسّدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔ حضرت فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے۔ اس کے باوجود اس خاندان کی آپ سے عقیدت قائم تھی۔ راجہ صاحب۔ اپنے خاندان کے حالات دیکھ چکے تھے۔ خاص کر گلنار کے حالات ان تک پہنچ رہے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکولی سے عقیدت میں قائم تھے۔ وہ حضور قبلہ عالم کی بیعت میں آنے پر تیار نہ ہوئے۔

ایک دن ہم مکان کے قریب باغ میں بیٹھے تھے طریقت سے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ راجہ صاحب تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے آج رات ہم نے ایک عجیب کیفیت دیکھی۔ کہ حضرت صاحب بکوث شریف والے تشریف لائے۔ اور مجھے ایک شراب کا گلاس دیا۔ میں نے وہ شراب کا گلاس پی لیا۔ اس شراب میں ایسی لذت و سرور محسوس کیا۔ کہ میں نے عمر بھر ایسا سرور نہیں دیکھا۔ ابھی تک اس شراب کا نشہ مجھ پر طاری ہے۔ ان کے خیال میں۔ انہیں یہ شراب حضرت صاحب نے پلائی۔ ان کے واقعہ سناتے ہی میں سمجھ گیا کہ شراب انہیں حضور قبلہ عالم نے پلائی۔ دوران گفتگو قبلہ سخی صاحب کا ذکر آیا۔ راجہ صاحب نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ میں اس عیسائی کو جانتا ہوں۔ وہ بھی شرابی تھا۔ میں اس کی فقیری کا قائل نہیں۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ الفاظ میرے لیے حد درجہ



دلخراش تھے۔ میں راجہ صاحب کی عزت کرتا تھا۔ انہوں نے والد کی طرح مجھ پر شفقت کی تھی۔ میں برداشت نہ کر سکا۔ زبان سے سخت سست الفاظ کہے اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلا آیا۔ راجہ صاحب نے خلاف توقع میری زبان سے سخت کلام سُن کر محسوس کیا کہ مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیے تھا۔ خاموش ہو گئے۔ رات اپنے کمرے میں بیٹھے تھے پھر قبلہ سخی صاحب کا ذکر پھیرا۔ کہنے لگے میں حضرت صاحب بکوٹ والے سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا۔ میں گلنار کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے آکر ہم سے اس کا ذکر کیا۔ کہ راجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم فقیر اللہ کے برابر کسی کو دل نہیں سمجھتے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جی میں آیا کہ ابھی انہیں دکھاؤں گا کہ محمد امین کی ہستی کیا ہے۔ مگر ان کی عزت مانع ہوئی۔ میں نے غصہ میں آکر کہا۔ جاؤ راجہ صاحب سے کہہ دو۔ ہمارے پیرسائیں سہیلی کو مار بھگائے والے کو بھی بھگانے کی طاقت رکھتا ہے۔ ایسے سینکڑوں پیر میرے پیر کی پاکٹ میں پڑے رہتے ہیں۔ مجھ پر غصہ طاری تھا۔ میرے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی سب ڈر گئے۔ کہ اس بات سے راجہ صاحب سخت ناراض ہوں گے۔ راجہ صاحب کو جب میرا پیغام پہنچا۔ تو وہ دیکھتے رہ گئے اور زبان سے کچھ نہ بولے۔ کافی دیر تک خاموش رہے۔ گلنار کی والدہ نے راجہ صاحب سے پوچھا۔ نور الدین کی بات سُن کر آپ خاموش ہو گئے کہ کچھ کہہ نہیں رہے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ میں حیرت میں ہوں۔ نور الدین نے جو بات کہی میں سکتہ میں آگیا۔ یہ بات سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں۔ بات یہ ہے۔ چالیس سال قبل کی بات ہے۔ جب مجھ پر میرے مخالفین راجہ محمد افضل خان راجہ حیدر خان کے بھائی۔ اور راجہ علی بہادر خان وغیرہ نے مقدمہ چلا رکھا تھا۔ یہ لوگ سائیں سہیلی کی زیارت پر حاضری دیتے تھے۔ صورت یہ تھی کہ باطن میں سائیں سہیلی ان کی مدد کرتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں۔ مقدمہ میں میرے خلاف فیصلہ دیا جانا تھا۔ مقدمہ کی تاریخ سے ایک دن قبل میں تاریخ پر مظفر آباد چلا گیا۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ سائیں سہیلی میرے مخالفین کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ میں خود کو اکیلا دیکھ کر گھبرا گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب بکوٹ والے تشریف لائے اور سائیں سہیلی انہیں دیکھتے ہی سب مخالفین کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور



مجھے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔ دوسرے دن فیصلہ میرے حق میں ہو گیا۔ میں حیران ہوں کہ چالیس سال پرانا واقعہ نور الدین کو کیسے علم ہوا۔ حالانکہ اس وقت وہ پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ اب مجھے یقین آیا کہ نور الدین واقعی فقیر ہے۔ دوسرے دن رات کو گلنار کو بلایا۔ کہا بیٹی مجھے درود شریف بتاؤ میں بھی پڑھوں گا۔ یہ دن تھا کہ اس گھر پر اللہ کی بے شمار نعمتیں نازل ہونا شروع ہو گئیں۔ راجہ صاحب نے مجھے بلایا۔ اور معذرت کی کہ مجھے علم نہ تھا غلطی سے بات زبان سے نکل گئی اور مجھ سے شفقت فرمائی کہنے لگے۔ اب میں بھی درود شریف پڑھوں گا۔ یہ امر میرے لیے انتہائی خوشی کا تھا۔ کہ راجہ صاحب نے میرے پر اور قبلہ سخی صاحب کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔

گلنار کے آسمان ششم تک پہلے درپے مراتب و مشاہدات میرے لیے حیران کن تھے۔ اس قدر فوری پرواز تعجب خیز تھی۔ گلنار کی نازک طبیعت سے میں واقف تھا۔ مجھے فکر لاحق ہوئی۔ مبادا کسی وقت کثرت انوار سے اس پر جذب طاری ہو جائے کیفیت میں آسمان ششم میں ”نماز حقیقت“ میں گلنار پر جذب کی کیفیت طاری ہونے سے محسوس کرنے لگا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس پر جذب طاری ہوا۔ تو یہ لوگ ابھی طریقت سے واقف نہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ لڑکی پاگل ہو گئی۔ ان کے عقائد متزلزل ہو کر منحرف نہ ہو جائیں اور یہ لوگ ایسی نعمتوں سے محروم ہو جائیں۔ لہذا میں نے فیصلہ کیا کہ بہر صورت خود حاضر ہو کر ان واقعات کی اطلاع حضور قبلہ عالم کو کر دوں۔ اور ان کا بیعت ہونا بھی ضروری تھا۔

اس لیے میں نے یہاں سے بھاگ نکلنے کا بہانہ بنا کر کہا کہ مجھے ضروری کام سے گھر جانا ہے۔ اب تم لوگوں کو بیعت ہونا ضروری ہے۔ اس لیے میں پیر صاحب سے عرض کروں گا۔ یا تو وہ خود تشریف لائیں گے۔ یا تمہیں ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہوگا۔ یہ لوگ خوش ہوئے کہ حضور قبلہ عالم یہاں تشریف لائیں گے۔ یہ فیصلہ کر کے میں گھر روانہ ہو گیا۔ بارہمولہ پہنچا۔ تو خیال آیا چلتے چلتے میں خط کے ذریعہ حالات سے آگاہ کروں۔ اتنی دیر میں گھر سے واپس ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خوش قسمتی سے لفافہ میری جیب میں تھا۔ بس میں بیٹھے بیٹھے میں نے مختصر حالات لکھے۔ اور خط ساتھ ہی لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ بس روانہ ہو

گئی۔ شام کو میں گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے حفیظ صاحب سے ان واقعات کا ذکر کیا۔ انہیں بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں چلنے کے لیے تیار کیا۔ اس دوران میں نے راجہ زبردست خان صاحب کے گھر بارہمولہ سے دس میل کے فاصلہ پر موضع چاشنی کسی کام سے جانا تھا۔ ہم گھر سے روانہ ہو کر سیدھے چاشنی چلے آئے۔ رات دہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن صبح ہم واپس بارہمولہ پہنچے۔ یہاں سے ہم نے سوپور کے لیے لاری میں بیٹھ کر جانا تھا۔ میں لاری میں سوار ہوا۔ تو غیر ارادی طور میں بس سے اتر آیا۔ میں نے حفیظ صاحب سے کہا۔ تانگہ پر چلیں گے۔ تانگہ پر بیٹھے۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ میں تانگہ سے اتر آیا میں نے کہا یہ تانگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور کسی تانگہ پر بیٹھ کر جائیں گے۔ اس خیال سے ہم نے دوسرے بازار کا رخ کیا۔ بازار سے گزر رہے تھے۔ کہ سامنے راجہ عبد الحمید خان رگنساہ کا چھوٹا بھائی (فیروز خان کو کھڑا دیکھا۔ میں حیران ہوا کہ انہیں میں اسلام آباد چھوڑ آیا تھا۔ یہ یہاں کیسے پہنچے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تو دوڑ کر ملے اور گھبراہٹ سے بولے۔ ہم آپ کا دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ تم یہاں کیسے رگنساہ ٹھیک تو ہے؟ کہنے لگے لطیف خان صاحب اور رگنساہ ہوٹل میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں حیرت میں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہوٹل پر گئے تو دیکھا۔ یہ لوگ فکر مند حالت میں بیٹھے ہیں۔ راجہ صاحب نے شکایت کی آپ بہانہ بنا کر ہم سے بھاگ آئے۔ اور ہمیں مصیبت میں چھوڑ آئے۔ جلدی کریں ہمیں پیر صاحب تک پہنچا دیں۔ بظاہر رگنساہ اچھی حالت میں نظر آتی تھی۔ مجھے گونہ تسلی ہوئی میں نے اُنے کا سبب پوچھا تو راجہ محمد لطیف خان صاحب نے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے جانے کے بعد رگنساہ پر مشاہدات کا سلسلہ جاری رہا۔ میں تو خود اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی جاتا رہا۔ رگنساہ کو سات آسمانوں کی مکمل سیر کرائی گئی مجھے پریشانی ہوئی۔ کہ آپ پہلے تو رگنساہ کی راہنمائی کرتے رہے۔ اب یہ اکیلے گھبرا جاتے گی۔ مگر پیر صاحب خود انہیں ساتھ لے جاتے رہے۔ کچھ دن مشاہدات میں توقف رہا۔ ہم خوش تھے کہ آپ پیر صاحب کو ساتھ لے کر آئیں گے۔ مگر ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم سب کمرے میں بیٹھے آپ اور پیر صاحب کا ذکر کر



رہے تھے۔ اچانک دن کی روشنی میں۔ کمرے میں دھواں چھا گیا۔ ہم گھبرا گئے۔ ابھی اٹھنے نہ پائے تھے۔ کہ کمرے کی چھت پھٹتی نظر آئی۔ آسمان سے نور کا ایک دھارا اندر سیدھا آیا۔ اور گلنار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور وہ بیہوش ہو گئی۔ میں نے اسے سنبھالا۔ گھر کے سب لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سب رونے لگے۔ گلنار کو دیکھ کر سب لوگ پکارنے لگے۔ یا محمد امین صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا نور الدین صاحب بچائیے۔ اندر والدہ نے گلنار کی حالت دیکھی تو وہ برآمدہ میں گر کر بیہوش ہو گئیں۔ ہماری پکار کا اثر ہوا۔ کمرے کا نور کم ہوا۔ گلنار نیم بیہوشی کے عالم میں کافی دیر آہ آہ پکارتی رہی۔ آخر اس کی زبان سے بس پیر صاحب بس۔ اب میں برداشت نہیں کر سکتی۔ بس کیجئے۔ کے الفاظ نکلے رہے۔ اتنی دیر میں گلنار کو ہوش آیا۔ ہمیں گونہ تسلی ہوئی۔ گلنار کہنے لگی پیر صاحب نے تو مجھے مار ہی دیا تھا۔ مجھ پر شدید تجلیات ڈالتے رہے۔ میں تجلیات میں چکر کاٹی رہی۔ مجھے سخت تھکان ہوئی۔ بمشکل پیر صاحب نے تجلیات سے نکالا۔ حکم دیا کہ میں تمہارے گھر آؤں! یا تم میرے پاس آؤ! تم میرے انتظار میں مزے سے بیٹھی ہوئی ہو۔ اب تیاری کرو۔ فوراً میرے پاس پہنچو۔ وہیں تمہاری بیعت ہوگی۔ جب تک تم ہمارے پاس نہیں پہنچتی۔ تب تک کوئی شے نہ کھانی ہوگی۔ ہم خود تمہیں کھلائیں گے۔ خبردار کوئی چیز کھائی تو پھر جذب میں آجاؤ گی۔ لہذا ہم تمہاری تیاری تک تمہارے پاس ٹھہریں گے۔ ابھی سے تیاری شروع کرو۔ گلنار نے راجہ لطیف خان۔ حمید خان۔ فیروز خان کو ساتھ تیار ہونے کو کہا۔ خود اندر گئی۔ دیکھا والدہ بیہوش پڑی ہیں۔ تھوڑی دیر تو جہ دی تو انہیں ہوش آگیا۔ گلنار کو ٹھیک دیکھ کر گلے لگایا۔ اور کہا بیٹی شکر ہے تم ٹھیک ہو۔ تم پیر صاحب کے گھر جا رہی ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ۔ راجہ صاحب سے بھی اجازت لے کر دی۔ وہ بھی یہ حالت دیکھ کر ششدر تھے۔ کہ یہ کیسے اسرار دیکھنے میں آتے ہیں۔ آدمی مدبر تھا۔ حقیقت شناس تھا۔ انہوں نے بھی اجازت دی۔ گلنار نے والدہ سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں پیر صاحب کے گھر جا رہی ہوں کہنے لگی۔ بیہوشی کے عالم میں پیر صاحب باہر سے اندر یہاں برآمدے میں تشریف لائے۔ اور مجھے حالات بتائے۔ فرمایا۔ ہم گلنار کو لے جا رہے ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرانا۔ اسے پھر صحیح سلامت آپ کے پاس پہنچا



دیے گئے۔ میں مطمئن ہوں تم بھی بے فکر ہو کر جاؤ۔ یہ ایک عجیب واقعہ تھا کہ ایسے گھرانے میں اور خاص کر ایسے راجپوت جاگیردار گھرانے میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کسی بڑی عورت کا اپنے عزیزوں کے گھر جانے کے لیے۔ مخصوص ڈولی یا پردہ میں بٹھا کر گھر کے خاص ملازم اٹھا کر لے جاتے۔ وہ بھی رات کے اندھیرے میں۔ چھوٹی یا جوان لڑکیوں کو گھر سے باہر جانے کی اجازت دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ مگر قدرت جیسے ہدایت دے۔۔۔ ایسے موقع پر کسی کے ذہن میں ایسا خیال ہی نہ اُبھرا۔ اب گلنار سامان سفر تیار کرنے میں مصروف ہے حضور قبلہ عالم محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں رابطہ تشریف فرما ہیں۔ گلنار بار بار ہدایت لینے آتی ہے۔ اور کھلی آنکھوں سے حضور کو دیکھ کر پوچھ رہی ہیں۔ ایک بار وہ رشید خان کی شیرخوار بچی کو گود میں لے کر حضور قبلہ عالم کے پاس آئی۔ تو بچی پر صاحب کی طرف پکی جیسے وہ سمجھ رہی ہے۔ کوئی کرسی پر بیٹھا ہے۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ کہ بچی حضور کو دیکھ رہی ہے۔ آخر عصر کے بعد سب تیار ہو کر پہاڑ سے نیچے شاہراہ کشمیر پر آئے۔ یہاں سے تانگہ لیا۔ اور کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ فیصلہ کیا کہ رات یہاں سے تیرہ میل کے فاصلہ پر چناری اپنے عزیزوں کے ہاں اٹھریں گے۔ شام کے قریب چناری پہنچے۔ عزیزوں کا مکان لبِ سڑک تھا۔ یہ خاندان راجہ حیدر خان اور راجہ محمد افضل خان کا تھا۔ انہیں بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ کشمیر کے پیر صاحب سے فیض حاصل کر چکے ہیں۔ گلنار کے متعلق بھی انہیں علم ہو چکا تھا۔ وہ رات کے وقت گلنار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ ایسے موقع پر یہ لوگ کیسے گھر سے نکل کر یہاں آئے کچھ گھبرا گئے۔ گلنار نے مختصراً ذکر کیا کہ ہم کشمیر کے پیر صاحب کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ اپنے مختصر حالات بیان کیے۔ وہ بید خوش ہوئے۔ رات کھانے کا اہتمام ہوا۔ گلنار نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ مجھے کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ بہت اصرار کیا مگر اس نے معذوری ظاہر کی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر وہ بید متاثر ہوئے۔ رات گزار دی عزیزوں سے رخصت چاہی۔ انہوں نے ناشتہ کے لیے زور دیا۔ سب کے لیے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا۔ گلنار کو ناشتہ کے لیے کہا مگر اس نے پھر انکار کیا۔ آخر چھوٹی نے



بہت زور دیا کہ پیر صاحب سے اجازت لو۔ گلنار نے حضور کو چچی کے اصرار پر مجبور کیا۔ حضور نے ایک چائے کی پیالی ایک انڈے کی اجازت دی۔ علی الصبح یہ لوگ روانہ ہونے کے لیے سڑک پر اتر آئے۔ گھر والوں نے کہا ابھی تو اندھیرا ہے۔ اس وقت لاری ملنا ممکن نہیں۔ لاری تو دن چڑھے آئے گی۔ گلنار نے کہا ہم نے جلدی پہنچنا ہے۔ پیر صاحب کا حکم ہے۔ سڑک تک پہنچتے لاری آجائے گی۔ لاری کا بندوبست ہو چکا ہے۔ یہ لوگ سڑک پر پہنچے تو سامنے سے لاری آگئی۔ اور قریب آکر رُک گئی۔ سب لوگ لاری میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ گلنار کا کہنا ہے کہ سفر میں ہمارے سوا اور کوئی سواری نہ تھی۔ ہمارے دادا پیر صاحب عالی جاہ حضرت سید نور الزمان شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ ایک جگہ مرد اور عورت پیدل سفر کر رہے تھے۔ تو حضور قبیلہ عالم نے فرمایا۔ گلنار دیکھو یہ بھی اپنے پیر حضرت صاحب بنیاں والے کے پاس پیدل جا رہے ہیں۔ اور تم پیر کے پاس جانے میں ہچکچاتے رہے۔ دیکھو ان کی پیر سے کتنی عقیدت ہے۔ صرف دعا کے لیے جا رہے ہیں۔ تم ان کا اپنے ساتھ موازنہ کرو۔ پھر تقسیم فرمایا۔ آخر رام پور (موہرہ) اوڑھی سے آگے سڑک کے کنارے گاؤں پہنچے۔ یہاں سے بارہمولہ تقریباً ۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضور نے فرمایا اب ہم جا رہے ہیں۔ بارہمولہ اتنا دہاں سے نور الدین تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گا۔ تم اس کا تھوڑی دیر انتظار کرنا وہ خود تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ وہ بھی اسی علاقہ میں آیا ہے۔ تمہارے بارہمولہ پہنچنے تک وہ بھی پہنچ جائے گا۔ گلنار کہنے لگی ہم آپ کے انتظار میں تھے۔ اب چلیں ہمیں پیر صاحب کے گھر پہنچا دیں۔

میں ان حیرت انگیز واقعات سے قطعی نابلد تھا۔ یہ حالات سن کر میں کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ کہ یہ کیا اسرار ہیں۔ بہر حال ہم نے تانگہ کیا اور سوپور کی طرف خوشیوں سے بھرپور دل لے کر روانہ ہو گئے۔

شاہراہ کشمیر سے پانچ میل باتیں جانب تحصیل ہندواڑہ۔ سوپور کی طرف حضور قبیلہ عالم کے دولت خانہ۔ کپواڑہ۔ کاشیراہ کو راستہ جاتا ہے۔ اسی راہ ہم سوپور کچھ دیر ٹھہر کر کپواڑہ پڑاؤ کی طرف تانگہ پر سوار ہو کر چلے۔ راستہ میں ”درگ مولہ“ گاؤں میں ایک ہنر کے قریب

اُترے۔ کچھ ستائے۔ حقہ پیا ادھر ادھر گھومے اور پھر روانہ ہو کر کپواڑہ پہنچے۔ یہاں سے دو گھوڑے کرایہ پر لے کر گلشناء کو گھوڑے پر سوار کر کے کاشیرا رجسٹرک سے تقریباً آدھ میل دُور اُونچائی پر واقع (حضور کے آستانہ پر پہنچ گئے۔ حضور قبلہ عالم اپنے مکان کے برآمدہ میں تشریف فرما تھے۔ ہم سب نے حاضر ہو کر السلام علیکم عرض کی۔ حضور بید تپاک سے ملے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ نور الدین انہیں ساتھ لاتے ہو۔ میں نے عرض کی ان کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ لانا تو ضرور تھا۔ فرمانے لگے۔ ان کو یہاں آنے میں کافی زحمت اٹھانی پڑی۔ میں نے عرض کی حضور ہی کا تو حکم تھا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ ہمیں مکان کی دوسری منزل پر لا کر بیٹھا دیا۔ ماسٹر غلام محمد بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہ بھی ہماری باتیں سن رہے تھے۔ ہم حجرے میں بیٹھے۔ تو ماسٹر صاحب کہنے لگے۔ یہ پیر ٹھگلی کرتا ہے۔ یہ وقت تھا کہ کسی پیر کے متعلق اس کے مافوق العقل کمالات دیکھ کر ہمارے دلوں میں پیر سے متعلق جو عزت و عقیدت کے تصورات قائم ہوئے تھے۔ اس کے خلاف پیر کے کسی قریبی آدمی سے ایسے الفاظ سن کر یہی اندازہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص پاگل ہے۔ راجہ فیروز خان نے ماسٹر صاحب کے یہ الفاظ سنے تو کہنے لگے۔ یہ شخص پاگل ہے پیر صاحب کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ سب ہی ماسٹر صاحب کو دیکھ کر یہی سمجھے کہ یہ شخص پاگل ہے۔ میں نے راجہ فیروز خان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ مبادا غصہ میں کچھ اور کہہ جائے۔ میں اسے نہ روکتا تو ممکن تھا کہ فیروز خان اسے کھڑکی سے اُٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ میں نے اسے کہا انہیں کچھ نہ کہو۔ یہ ”ولی“ ہے۔ وہ تعجب سے اُسے دیکھ کر کہنے لگا۔ ولی بھی ایسی بات اپنے پیر کے متعلق کہہ سکتا ہے۔؟ ماسٹر صاحب خاموش نہ رہے کہنے لگے۔ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ پیر ٹھگلی کرتا ہے۔ تمہیں تو پیر کہتا ہے۔ کہ ان کو زحمت کیوں دی۔ خط کیوں نہ لکھا۔ یہ ابھی برآمدہ میں بیٹھا بتا رہا تھا کہ منظر آباد کے راجے اس وقت بارہمولہ پہنچے نور الدین کا انتظار کر رہے ہیں۔ نور الدین چاشنی سے بارہمولہ پہنچا۔ بارہمولہ سے روانہ ہوتے سو پورہ ٹھہرے۔ درگ مولندی کے پاس تانگہ سے اُترے۔ ندی سے پانی پیا۔ راجہ صاحب نے حقہ پیا۔ پھر تانگہ میں بیٹھ کر جب تم لوگ پہاڑی کے



نیچے تک پہنچے۔ پیر بتا رہا تھا۔ اور مائی صاحبہ اندر مراقبہ میں دیکھ رہی تھیں۔ تم قریب پہنچے تو یہ اب آپ کو ایسے ملتے ہیں۔ جیسے تم کو انہوں نے وہاں سے اٹھا کر نہیں لایا۔ تم خود آتے ہو۔ بتاؤ۔ خود تم سب کو گھر سے نکالا۔ اور یہاں کہتے ہیں تم کو زحمت ہوئی۔ یہ ٹھگلی نہیں تو کیا ہے۔ میں خود بھی تم کو جگہ جگہ دیکھتا رہا۔ آخر! طریقت کا بھی ایک انداز ہے کہ فقیری کا بغیر مجاہدہ کے ملنا تصور میں نہیں آ سکتا۔ چند دنوں میں اتنے عظیم مراتب کا پانا اور ان کا مشاہدہ کرنا۔ اس حال میں کہ مشاہدہ کرنے والے۔ اصل و نقل کی تمیز کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور مشاہدات جن کی دلیل ساتھ ساتھ مل رہی ہے۔ یہ کیفیات مافوق العقل بھی ہیں۔ قابل تسلیم بھی ہیں۔ کہ اس میں شک کی ذرہ بھر گنجائش بھی نہیں۔ وہی آنکھیں۔ وہی کان۔ یہ بھی سن رہے ہیں کہ یہ پیر ٹھگلی کرتا ہے۔ اور کہنے والا مشاہدہ کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ تم فلاں جگہ ٹھہرے۔ فلاں جگہ یہ ہوا۔ وہ ہوا۔ تو اس میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ واقعی یہ شخص پاگل ہے۔ یہ واقعات کا تضاد بھی ہے۔ جو قیناً انسانی سمجھ سے ماورائی۔ ماورائی ہے۔ خیر اتنا ہوا۔ ماسٹر صاحب کے بارے میں ان کا خیال بدل گیا۔ سمجھے کہ یہ مجذوب ہو گا۔ مگر ایسا بھی نہیں۔ وہ ہوش مند ہے۔ حضور اسے بلاتے ہیں۔ تو ادب سے غلاموں کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات کا سمجھنا عام عقل کے لیے۔ اور خاص کر جو اصل طریقت سے واقف نہ ہو۔ ناقابل فہم ہی تھے۔

راجہ محمد لطیف خان۔ حمید خان۔ فیروز خان۔ میں۔ ماسٹر صاحب حجرے میں بیٹھ گئے۔ گلنار کو حضرت مائی صاحبہ کی خدمت میں حاضری کے لیے اندر بلایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضور حجرے میں تشریف لائے۔ فراغت کے بعد میں نے تمام واقعات بیان کئے۔ حضور تمام واقعات خاموشی سے سنتے رہے۔ فرمانے لگے۔ تمہارا خط جو بارہولہ سے ڈالا گیا تھا۔ ہمیں مل گیا۔ مجھے تمہارے اس کارِ خیر سے بہت خوشی ہوئی۔ دیکھا!۔ ہماری تمہیں منظر آباد بھیجنے میں کیا مصلحت تھی؟۔ اچھا ہوا تم چلے گئے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ محمد لطیف خان صاحب جس وقت حضور سے ملے۔ تو مصافحہ کرتے وقت حضور کے سامنے جھک گئے۔ حضور نے فرمایا لطیف خان صاحب۔ سر کو نہ جھکائیں۔ دل کو جھکائیں۔ ان لوگوں

کے ذہنوں میں پیرے متعلق جو تصور تھا۔ یہاں تو اس کے برعکس دیکھنے میں آیا۔ حضور قبلہ عالم کی ہیئت ایک عام زمیندار جیسی تھی۔ وہ فقیرانہ لباس۔ یہاں ٹھاٹھ باٹھ۔ رُعب و دبدبہ کا تو نشان ہی نہ تھا۔ حضورؐ نے ان کی سادگی سے پذیرائی فرمائی۔ خود ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ نہ مرید۔ نہ خدام۔ خود ہاتھ دھلانا۔ کھانا سامنے رکھنا۔ اور خندہ پیشانی سے ہر شخص سے ملنا۔ ایک خدمت گار کی طرح۔ خدمات مہمانداری انجام دینا۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جس سے ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات کے لیے عقیدت و محبت کا لافانی جذبہ اُمڈ آیا۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جو ان کے دہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ایک اولوالعزم ولی کی شخصیت ایسی بھی ہوتی ہے! گلنساء اندرون خانہ حضرت اقدس جناب محترمہ مائی صاحبہ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو وہاں بھی ایسی ہی سادگی بجائے رُعب کے ماں سے زیادہ شفقت دیکھ کر وہ اپنی تمام تکلیفیں بھول گئی۔ اسے ایسا سکون ملا۔ جو ماں کی گود میں بھی میسر نہیں آتا۔ آپ کی سادہ طبیعت دیکھ کر وہ بھول گئی کہ میں کسی پیر کے گھر آگئی ہوں۔ ماحول میں رُعبِ فقیری محسوس نہ ہوا۔ تو کھل کر حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے ہم کلام ہوئی۔ آپ اس کی باتیں سن کر تبسم فرماتیں اور خوش ہوتیں۔ گلنساء نے اپنی تمام داستان حضرت اقدس میں بیان کی۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے فرمایا۔ ہمیں تمام حالات کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چند دن ہوتے۔ حضور قبلہ عالم کو نور الدین کا خط ملا۔ جو اس نے بارہمولہ سے بھیجا تھا۔ اس خط کا ذکر حضور قبلہ عالم نے ہم سے کیا اور خط میں تحریر مختصر حالات بیان فرمائے۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ اور آپ بیعت کرنے یہاں آئیں گے ہم نے کہا کہ وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ ان کا یہاں آنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ وہ کب یہاں آنا گوارا کریں گے۔ حضور فرمانے لگے۔ فقر میں جاگیرداری نہیں رہتی۔ انہیں بہت سے انعامات ملے ہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔ ہم نے کہا کہ دنیا دار لوگ فقیری کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ خواہ وہ کچھ بھی بنیں۔ یہ سن کر حضور جلال میں آگئے۔ فرمانے لگے۔ دیکھو ہم دکھاتے ہیں وہ کس طرح یہاں آتے ہیں۔ مراقبہ کریں۔ اور خود مشاہدہ کریں۔ ہم نے مشاہدہ کیا۔ تو خود حیران رہ گئے کہ اتنے وقفہ میں حضور نے تمہیں کہاں تک پہنچایا۔ تمہارا تمام مراتب میں جانا ہم



نے مشاہدہ کیا۔ پھر فرمانے لگے۔ کیا اب بھی وہ فقر کی قدر نہ کریں گے۔ ہم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جاگیردار لوگ اُونچے خیال کے لوگ یہاں آنا گوارا نہیں کریں گے۔ پھر زور دے کر فرمایا۔ اب دیکھو! تو ہم نے دیکھا کہ تم بھائی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ حضور نے توجہ فرمائی۔ تو تم پر جذب طاری ہوا۔ اور جو واقعات تمہیں پیش آئے۔ وہ ہم مشاہدہ کرتے رہے تمہاری والدہ اندر مکان کے برآمدہ میں بیہوش ہو گئیں۔ تمہارے بھائی مونچھوں والے دراصل تماشا دیکھنے آئے تھے۔ وہ ابھی بھی یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ بھی کمرے سے باہر پھینکے گئے اس وقت انہیں ہوش آیا۔ اور یقین کر لیا۔ اس کے بعد گھر سے روانہ ہونے سے لے کر یہاں پہنچنے تک حضور تمہارے سفر کے متعلق بیان فرماتے رہے۔ اور ہم بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ بارہمولہ پہنچنا۔ نور الدین کا تم سے ملنا۔ سو پور پہنچ کر تانگہ میں سوار ہونا۔ درگہ مولہ میں ٹھہرنا۔ کپواڑہ پہنچ کر غرض یہاں پہاڑی کے نیچے پہنچے تو پیر صاحب فرمانے لگے اب نیچے پہنچ گئے بس کرو۔ اب خود ان کی حالت دیکھ لو گی۔ گلنار یہ حالات سن کر سکتے میں آگئی۔ تمام واقعات اس کے علم میں تھے۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ سر قدموں میں اکھ دیا۔ حضرت مائی صاحبہ نے سراٹھا کر گلے لگایا۔ فرمایا تم بید خوش قسمت ہو۔ پیر صاحب کی تم پر خاص نظر عنایت رہی۔ اس اثنا۔ میں حضور بھی اندر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم اور حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی سادگی دیکھ کر گلنار کے دل سے پیرانہ رعب اٹھ گیا۔ وہ حضور سے آزادانہ انداز میں گفتگو کرنے لگی۔ شکایتی انداز میں بولی۔ پیر صاحب! میری تو بُری حالت ہو گئی۔ میں تو اس قدر مشقت اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ آپ نے مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالا۔ حضور ویسے بھی حکم دیتے تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ یہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ مائی صاحبہ کہتی تھیں۔ کہ امیر کبیر لوگ ہیں۔ وہ کب یہاں آنے پر راضی ہونگے۔ یہ چیز تمہاری آزمائش کا سبب بنی۔ کہ یہ بھی دیکھ لیں کہ امیر کو جب انعام عطا ہوتا ہے۔ وہ انعام کی قدر کرنا بھی جانتا ہے۔ تمہاری عقیدت قابلِ تعریف ہے۔ آزمائش یہی تھی کہ کیا تم اس انعام کی قدر کرنا جانتی ہو۔ یا نہیں۔ ہم جانتے ہیں تم آج تک گھر سے باہر نہیں نکلیں۔ مگر کیا تم ہمارے پاس آنے پر تیار بھی ہو۔ سو تم آزمائش میں پوری اُتریں۔ کہ تم نے ہمارے پاس آنے میں اپنی خاندانی



برتری کا احساس نہ کیا۔ دوسرے اب تمہیں فیری کی قدر بھی ہوگی۔ معنت انعام ملے تو اس کی ویسے بھی قدر نہیں کی جاتی۔ محنت سے حاصل کی ہوئی شے کی قدر و قیمت کا احساس ہو جاتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے تمام مراتب کی سیر کے متعلق گلنار کو بتایا کہ تمہیں کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ حضور نے بھی گلنار پر بید شفقت و عنایت فرمائی۔ گلنار نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے عرض کی کہ میری والدہ مجھ سے بے حد محبت رکھتی ہیں۔ ان پر توجہ فرمائیں۔ اور انہیں ہمارے یہاں بخیریت پہنچنے کی اطلاع دیں تاکہ انہیں تسلی ہو۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گلنار کو مراقبہ میں والدہ کی حالت مشاہدہ کرنے کے لیے فرمایا۔ تو دیکھا والدہ گھریہ کمرے میں بیٹھی پریشان تھیں۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے توجہ دی تو وہ بستر پر لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی خواب کی کیفیت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ محترمہ مائی صاحبہ۔ گلنار ان کے قریب آئے اور سب کی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں بخیریت پہنچنے کی خبر دی۔ اور انہیں تسلی دی کہ آپ مطمئن رہیں۔ جلد ہی سب لوگ خیریت سے واپس پہنچ جائیں گے۔ حضور قبلہ عالم۔ محترمہ مائی صاحبہ نے نئے مہانوں کی اچھی طرح خدمت دلجوئی فرمائی۔ انہیں یہ احساس نہ رہا کہ ہم کسی پیر کے گھر بحیثیت مرید حاضر ہوئے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی آزادانہ گفتگو اور سادگی نے ان کے دلوں سے ہیبت نکال کر محبت و عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ہر شخص حضور سے گفتگو کرنے لگا۔ اور ہنسی مذاق میں وقت گزرا۔ یہ دن ہماری زندگی کے لطیف پُر مسرت دن تھے۔ یہ ساعتیں ہماری زندگی کی یادگار ساعتیں تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے حد درجہ محبت و شفقت ہمیں نوازا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی پیر کے سامنے رعب و دہشت کو تصور میں نہ رکھ کر جب اس سے شفقت و محبت کا اظہار ہو۔ تو لازمی طور دل میں ایک کیف مسرت پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک لطیف کیف ہے جو دل کی اصل غذا ہے۔ اسی غذا سے دل زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہم ایک ولی

---

۱۔ واپسی پر گلنار نے والدہ سے پوچھا ہمارے جانے کے بعد آپ نے کوئی خواب دیکھا؟ تو انہوں نے اس خواب کی تمام کیفیت بیان کی جو حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گلنار کو مراقبہ میں مشاہدہ کرائی تھی۔



کے خوبصورت تصور سے نا آشنا تھے۔ فیکری سے نا آشنا تھے۔ اسرار ملکوتی کے تصورات سے ہم بے خبر تھے۔ ہمارے دلوں پر ناقص فقرار کی دہشت طاری ہوتی تھی۔ ایسے میں ہمیں ایک حسین محبوب کی فراخ دلانہ مسکراہٹ ملی۔ ہم اس حسین محبوب پر ہزار جان قربان ہوئے۔ ہمارے دل عشق پیر کی لذت سے بھونے لگے۔ ہم دنیا کے غم و آلام سے بے نیاز اپنے محبوب کے گرد طواف کرنے لگے۔ ہم خوش تھے۔ بے حد خوش!۔ جیسے غم جہاں مٹ گیا اور اب پکار پکار کر کوئی کہہ رہا تھا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ہ انہیں خوف ہو گا نہ غم۔ حقیقتاً اس آیت کی تفسیر کا یہی مقام ہے!۔ کسی محبوب کی محبت میں ہر شے ہو کر۔ غم سے بے پرواہ ہو جانا۔ حضور قبلہ عالم ہم پر حد درجہ شفقت فرماتے رہے۔ اس شفقت و دل جوئی میں جو کچھ آپ کی ذات سے ہم نے مشاہدہ کیا۔ یہ محبت و ایثار ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

حضور قبلہ عالم دوسرے دن ہمیں قریبی جنگل میں سیر کے لیے لے گئے۔ ہم سب بلا احساس پیری مریدی گھل مل کر گھومتے رہے۔ آپس کی گفتگو میں بھی آداب مریدی کا احساس نہ رہا۔ موسم بہار کا آغاز تھا۔ اس موسم میں پہاڑی علاقہ میں زمین سے گچھیاں (ایک قسم کی بوٹی جو ترکاری کے طور پر استعمال ہوتی ہے) چھوٹی ہیں ہم سب گچھیاں تلاش کرنے لگے۔ یہ بوٹی خاکی رنگ کی زمین کسی کسی جگہ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اس کی تلاش میں جب تک زمین پر غور سے نہ دیکھا جائے۔ جلدی نظر نہیں آتی۔ اس بوٹی کی تلاش میں مقابلہ شروع ہوا۔ ایک طرف ہم سب تلاش کرنے لگے۔ دوسری طرف گلنار بیگم اور حضور قبلہ عالم۔ ہر شخص ایک دوسرے سے گچھی حاصل کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور قبلہ عالم اور گلنار کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں گچھی نظر آتی۔ دونوں مصوم ہستیاں جھپٹ پڑتی ہیں۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ گلنار حضور قبلہ عالم سے سبقت لے جانا چاہتی ہے۔ بڑی کوشش سے چکر کاٹتی ہے۔ حضور تبتم فرماتے ہیں۔ اور بغیر کوشش کسی نہ کسی جگہ انہیں گچھی مل جاتی ہے۔ آخر نتیجہ نکلتا ہے۔ تو سب سے زیادہ گچھیاں حضور حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر گلنار۔ اور ہم میں کسی کے پاس ایک دو۔ اور کوئی خالی ہاتھ۔ بے جھجک قہقہے لگتے ہیں۔ اس طرح

حضور قبلہ عالم جنگل میں سیر میں ہمیں بہلاتے ہیں۔ اس وقت ہمارا زہد۔ ہمارے مراقبے ہمارا مشاہدہ۔ ہمارے باطن کی سیریکس بھول جاتی ہے۔ عجیب کیفیت ہے۔ کہاں پیر کے سامنے مرید کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ کہاں مرید پیر سے سبقت لے جانے میں پیر سے مقابلہ کی جرأت کرتا ہے۔۔۔ دل غم دنیا سے آزاد۔۔۔ بید مسرور۔۔۔ معلوم نہیں ہم کس دنیا میں بس رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا پیری۔ اور کیا مریدی!۔۔۔ ہاں!۔۔۔ یقیناً یہ حقیقت کی تلاش کا حقیقی تصور ہے۔۔۔ جب تک ایک طالب کے قلب میں ”حُب“ کا تاثر پیدا ہو کر اپنے پیر کو محبوب بنانے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ تلاش حقیقت میں منزل کا پانا ممکن نہیں۔۔۔ بغیر حُب زہد و عبادت۔۔۔ رات جاگنا۔ فاقہ و محنت کا ملا نتیجہ خیر نہیں۔

چند دن قیام کے بعد حضور قبلہ عالم نے واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی اور بہ نفس نفیس۔۔۔ کپواڑہ قصبہ تک تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم خود مانگ پر سامان لا رہے ہیں۔ اور ہم مبہوت و محو حیرت دیکھ رہے ہیں۔ قلب و ذہن پر ایسا اثر طاری ہے کہ نہ سوچ کام کر رہی ہے نہ کچھ کہہ سکتے ہیں۔ سکتہ طاری ہے کہ پیر خود ہمارا سامان اٹھا رہے ہیں۔ اور انہیں اپنی پیری کا احساس تک نہیں۔ آپ نے نہایت شفقت و اعزاز سے ہمیں رخصت کیا۔ جس کے جواب میں ہم نے آنسوؤں سے دل جذبات کو آنکھوں سے بہایا۔ ہم نے آج فراق کی لذت کو محسوس کیا۔ ہمارے دلوں میں اس نقاشِ فطرت نے ایسا محبت کا نقش اُبھارا جو ہماری زندگی تک نہ مٹ سکے گا۔

واہ رے صورتِ گر فطرت یہ تیرا انتظام

مارڈا لا جب مجھے جینے کے قابل کر دیا

حضور قبلہ عالم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اس قافلہ کو گھر تک پہنچا کر کچھ عرصہ ان کی راہنمائی اور تربیت کرتا رہوں۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ اسلام آباد رچکار گھر تک

---

۱۔ یہ شعر حضرت علامہ سیماں اکبر آبادی مرحوم کا ہے۔ جس میں ”انتظام“ کی جگہ اصل لفظ ”انتقام“ ہے۔



آیا۔ اب اس گھر کا ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ جہاں رات دن راگ و شراب کا دُور چلتا تھا وہاں گھر کا بچہ بچہ درود شریف کا ورد کرتا نظر آتا تھا۔ گاؤں میں بھی لوگوں کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو وہ لوگ حیرت میں آئے۔ کہ کیا جاگیردار خاندان بھی فقیر بن گیا اور پھر اس فقیری میں حیران کن واقعات کا اظہار ہوا کہ کل کے شراب پینے والے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر اس امر سے صاف کرامات ظاہر تھی کہ گلنسا جو قریب المرگ حالت میں تھی چند دنوں میں بغیر علاج صحت مند ہو گئی اور پھر حضور صاحب مشاہدہ بن گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دُور دُور تک گاؤں کے لوگ یہاں آنے لگے۔ اپنی آنکھوں سے حقیقت دیکھ کر بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ان میں مرد خواہش مند مجھ سے درود شریف کی اجازت لیتے اور عورتوں کو خود گلنسا بیگم درود شریف کی اجازت دیتی۔ یہاں تک کہ تمام علاقہ چکار میں سلسلہ کی شہرت پھیل گئی۔ اور لوگ دُور دُور سے راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر آ کر حقیقت حال سے آگاہ ہو کر درود شریف پڑھنے لگے۔ یہ لوگ بیعت کی خواہش رکھتے تھے۔ جس کے لیے ہر شخص قبلہ عالم کی زیارت کے لیے بنیاب تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ یہ گھرانہ ہدایت کا مرکز بن گیا۔ گھر کے تمام لوگ انتہائی مسرت کے ساتھ شب و روز اسی شغل میں گزارنے لگے۔

ایک دن جمعہ کی عصر کے وقت ہم راجہ محمد لطیف کے کمرے میں سلسلہ کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے کہ اچانک صحن میں ہنگامہ سنائی دیا۔ ایک بچہ گھبراہٹ سے کمرے میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ گلنسا باجی کو کچھ ہو گیا۔ ہم باہر نکلے تو دیکھا گلنسا دیوانگی کے عالم میں ادھر ادھر بے عینی سے گھوم رہی ہے۔ جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں پاس گیا۔ پوچھا تمہیں کیا واردات پیش آئی؟ کہنے لگی قبلہ پر صاحب نے پریشان کر رکھا ہے۔ پر صاحب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے سامنے آ کر اپنے دست مبارک میری طرف کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے ایسی شدید تیز شعاعیں نکلتی ہیں جو مجھ پر ڈال جاتی ہیں۔ کہ میں اس نور کو برداشت نہیں کرتی۔ میں ان انوار کی زد سے بھاگ کر دوسری طرف جاتی ہوں۔ تو دونوں حضرات جدھر میں جاتی ہوں سامنے آ کر ہاتھ کی شعاعیں مجھ پر

ڈالتے ہیں۔ اس وجہ سے میں بھاگ بھاگ کر تھک گئی ہوں۔ یہ حضرات میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں گلنساء کو راجہ صاحب کے کمرے میں لایا۔ تھوڑی تو جتہ دی اور مراقبہ کے لیے کہا کہ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جاؤ۔ تو وہاں بھی حضور قبلہ عالم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ تمہاری غفلت کی سزا ہے۔ تم نے ہمارے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی۔ ہم نے آج کے دن کے لیے وقت مقرر کیا تھا۔ کہ جمعہ کو ظہر کے وقت مراقبہ کرنا۔ تم نے خیال نہ کیا۔ لہذا اس طرح اب تمہیں تنگ کیا جائے گا۔ گلنساء نے بتایا جب ہم حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تھے تو حضور نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی تھیں۔ ان میں یہ بات بھی بتائی تھی کہ آج کی تاریخ جمعہ کو مراقبہ کرنا ہم تجھے احدیت مجردہ کی سیر کرائیں گے۔ بد قسمتی سے میں بھول گئی۔ اب انہوں نے خود ہی مجھے اس غفلت سے جگانے کا اچھا انتظام کیا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے حکم دیا کہ آج رات تمہیں جاگنا ہو گا۔ نصف رات کے وقت ہم حاضر ہوں گے۔ تمہیں احدیت مجردہ میں لے جائیں گے۔ چنانچہ گلنساء نے سرشام ہی نصف رات مراقبہ کا انتظام شروع کیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد اپنی بہنوں اور چھوٹے بھائی عبدالحمید کو کمرے میں اکٹھا کر لیا اور درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کر رکھا۔ نصف رات ہوئی تو مجھے بھی بلا لیا۔ میں بھی گلنساء کے پاس آیا۔ عین وقت پر مراقبہ شروع کر لیا۔ حضور قبلہ عالم اسے اجلاس محمدی سے اٹھا کر عالم علیا کی طرف لے گئے۔ کافی عرصہ تک گلنساء مدہوشی کے عالم میں رہی۔ آخر سیر سے فارغ ہو کر ہوش میں آئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کسی طویل سفر سے تھک کر آئی ہے۔ تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر پُر اسرار خوشی جھلک رہی تھی۔ کہنے لگی پیر صاحب نے پھر ایک بار سیر کرنے کے لیے حکم دیا مگر وقت نہیں بتایا فرمایا ہم خود تمہارے پاس آئیں گے۔ یہ واقعہ ہر شخص کے لیے محیر العقول۔ ناقابل فہم تھا۔ یقیناً ایسی فقیری کا اس سے قبل وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس طرح مشاہدات و مراتب کی سیر کی جاتی ہے۔



## میان عاشق و معشوق رمزیت کراما کاتبین را ہم خبر نیست

بیشک محبت و محبوب میں جو سری "خفیہ" رابطہ ہوتا ہے۔ وہ ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ نہ کراما کاتبین کی تحریر میں آسکتا ہے۔ کیونکہ سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا مِثْلَکَ اِیسی کیفیات و تعلق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی "جبریل" پر ہی عمل کرتے ہیں اور قرآن ہی شریعت و طریقت کی اصل سند ہے۔ مگر یہ بھی تو ہے کہ فَأَوْحَىٰ اِلٰی عَبْدِهِ مَا اَوْحٰی۔ اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بغیر جبریل کے واسطہ کے بھی کلام ہوتا ہے۔ جو قرآن میں درج نہیں۔ ایسے واقعات کا ظہور ہو تو ان کی دلیل قرآن سے نہیں مل سکتی بلکہ نہیں مل سکے گی۔ لہذا یہ قول کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ جس امر کی دلیل قرآن سے نہ ملتی ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر بغیر دلیل تسلیم و یقین اسلام کی اولین شرط ہے۔ اسی طرح علماء امت اولیاء کاملین کے قول اور مشاہدات غیبی کے لیے قرآن سے دلیل نہ ملنے کی صورت میں بھی تسلیم و یقین لازمی ہے کیونکہ یہ امور مشاہدات سے متعلق ہوتے ہیں جن کا علم رَاٰ سِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کو حاصل رہتا ہے۔ یہی علم ماورائے عقل۔ مشاہدہ قلبی سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ ہماری امت کے علماء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ انہیں علم کے ساتھ معجزات عطا ہوتے۔ لہذا اُمتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معجزات بنی اسرائیل حاصل ہونا از روئے حدیث یقینی ہے۔ جس کی مثال حضور قبلہ عالم کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گلنار کے سامنے آکر ید بیضا کا مظاہرہ کرنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جو نور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے نکلتا ہے وہی نور حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے نکلتا ہے۔ یہ واضح مثال الْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کے لیے کافی دلیل ہو سکتی ہے۔

گلنار کے احادیث مجرودہ کی سیر کے بعد اب یہ صورت پیش آئی کہ اسے باطنی اہتمام

کے ساتھ مراتب کی سیر میں لے جایا جانے لگا۔ کہ ایک وقت اس پر بلا ارادہ اچانک غنودگی طاری ہو جاتی۔ خود حضور قبلہ عالم تشریف لاتے کہ تیار ہو جاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جانا ہے۔ — پر ہیز کی پابندی ہے۔ — مراقبہ میں رہو۔ — بغیر اجازت کھانا پینا بند ہے۔ وقت آیا تو اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ بے ہوشی کے عالم میں مراتب کی سیر میں مشاہدات کر لائے گئے۔ یہ مشاہدات تین تین دن تک جاری رہتے۔ — طویل اور مسلسل مراقبہ کی وجہ سے گلنساہ مضمحل ہو جاتی تو حضورؐ سے التجا کی کہ اس قدر طویل مشاہدات سے تھک جاتی ہوں۔ — تو حضور قبلہ عالم کچھ وقفہ دیتے۔ کہ درمیان مراقبہ و مشاہدات دس منٹ کا آرام دیتے۔ اس حالت میں یہ کیفیت ہو جاتی کہ اچانک غنودگی طاری ہو جاتی۔ — اور مراتب کی سیر شروع ہو جاتی۔ — آدھ گھنٹہ اسی حالت میں گزرا کہ خود بخود ہوش آ جاتا۔ — دس منٹ تک ہوش میں رہتی۔ — اور کبھی مراتب کے آثار بیان کرتی کہ کیا دیکھا۔ دس منٹ پورے ہو جاتے۔ — تو خود بخود بے ہوش ہو جاتی۔ — ایسے مشاہدات اکثر بستر پر لیٹ کر کرتے جاتے۔ — اور پھر آدھ گھنٹہ مشاہدات میں گزر جاتا۔ پھر ہوش آ جاتا۔ — یہی حالت دس منٹ آرام کے لیے ہوش میں آنا اور آدھ گھنٹہ مراتب کی سیر میں بیہوش رہنا۔ تین دن چار دن۔ — کبھی دو دن۔ — کبھی ایک دن تک رہتی۔ — ان اوقات میں حضور قبلہ عالم خود تشریف لا کر مراتب کی سیر میں لے جاتے۔ اس حالت میں غالباً ایک ماہ گزرا کہ گلنساہ نے عالم بالا کی کئی منازل طے کر لیں۔ — لیکن ان مشاہدات میں مراتب کے آثار عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا گیا۔ — اس طرح راجہ محمد لطیف خان صاحب ان کے بھائی راجہ محمد اصغر خان (بڑے بھائی) عبدالرشید خان۔ راجہ عبدالحمید خان۔ ان کے والد راجہ علی اکبر خان اور گھر کے تمام افراد نماز و روزہ کے شدت سے پابند ہو گئے۔ — اور کثرت سے علاقہ کے لوگ بھی یہاں آگے درود شریف کی اجازت لے کر سلسلہ سے منسلک ہو گئے۔ ہر شخص حضور کی آمد کا منتظر تھا کہ کب حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو سب لوگ بیعت ہو جاتیں۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کو اسلام آباد تشریف لانے کے لیے دعوت دی گئی۔ راجہ صاحب نے مجھے حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیہ شریف



دراقدس پر حاضر ہوا۔ حضور قبلہ عالم اس دن سخت بیمار تھے۔ آپ کو وجع الورق (شائیکا) کی تکلیف تھی۔ چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے آپ کے لیے بھیجا گیا ہے۔ راجہ صاحب نے آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ رات حضور کی خدمت میں رہا۔ پریشان تھا کہ ایسی حالت میں حضور کیسے سفر کریں گے۔ کہیں زیادہ تکلیف کی وجہ سے آپ کا جانا ناممکن نہ ہو جائے۔ لیکن صبح نماز فجر کے وقت آپ حجرے میں تشریف لائے تو آپ کی صحت ٹھیک معلوم ہو رہی تھی۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد حضور سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ تقریباً چاشت کے وقت آپ گھر سے روانہ ہوئے۔ دو میل پر کپواڑہ سے گاڑی ملتی تھی۔ چنانچہ ہم گاڑی میں سوار ہو کر تقریباً دوپہر کے قریب شاہراہ کشمیر پر چومظفر آباد پنڈی کی طرف جاتی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں سراں گاؤں میں اترے۔ راجہ صاحب نے حضور کی تشریف آوری کے لیے پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اطلاع ملتے ہی گاؤں کے لوگ حضور کے گرد جمع ہو گئے۔ حضور گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کے اوپر تقریباً ایک میل اسلام آباد گاؤں تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچتے ہی گھر کے سب لوگ حضور کے استقبال کے لیے آگے پہنچے تھے۔ راجہ علی اکبر خان صاحب نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور حضور کو اندرون خانہ لے آئے۔ تمام گھر اور گاؤں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ گئی۔ اس دن حضور نے مکمل آرام فرمایا۔ دوسرے دن تمام گھر کے لوگ حضور سے بیعت ہوئے۔ اور گاؤں کے بہت سے لوگ بھی بیعت ہو گئے۔ دوسرے دن کثرت سے لوگوں کا ہجوم رہا۔ لوگ حضور قبلہ عالم کی زیارت و ملاقات کے لیے دور دور سے آئے۔ شام ہو چکی تھی حضور قبلہ عالم راجہ محمد لطیف کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ میں۔ راجہ فیروز خان اور چند مہمان گاؤں کے دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ سامنے برآمدہ تھا اور مکان کے آگے وسیع باغ و صحن تھا۔ ہم لوگ کمرے میں محو گفتگو تھے کہ اچانک گنساہ کمرے میں بھاگ کر اندر آئی ساتھ ہی ایک زوردار پتھر دیوار سے جا لگا۔ بعض لوگ گھبرا کر باہر نکلنے لگے۔ انہیں گمان ہوا کہ شاید راجہ صاحب کے مخالفین نے اچانک حملہ کیا ہوگا۔ مگر گنساہ نے سب کو باہر جانے سے روکا۔ اور تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب لوگ آرام سے بیٹھے رہیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔

آخر میں گلنار سے دریافت کیا کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ اس نے کہا۔ کہ یہ ماجرا پیر صاحب کے سامنے بیان کروں گی۔ لڑکی بہت دلیر تھی۔ اس کے بشرے سے خوف کے آثار ظاہر نہ ہوتے تھے۔ ساتھ ہی حضور دوسرے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضور نے گلنار کو دیکھ کر فرمایا۔ کچھ واردات تو نہیں ہوئی تو گلنار نے عرض کی کہ ابھی ایک عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ اندھیرے میں صحن میں کوئی شخص آتا دکھائی دیا۔ قریب سے دیکھا تو ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ میں کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اُسے موقع نہ مل سکا۔ جاتے میں ایک پتھر اٹھا کر مجھ پر مارا۔ میں کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ پتھر کمرے کے اندر دیوار سے ٹکرا کر گرا مگر کسی کے نہ لگا۔ حضور تبسم ہوئے۔ فرمانے لگے۔ یہ تمہارا قدیمی دوست تھا۔ تم نے اس سے بیوفائی کی۔ اسے بہت رنج پہنچا ہے۔ یہ شیطان تھا۔ اس کو تمہارے فیر ہونے کا بہت رنج ہوا اور کچھ نہ کر سکا جاتے میں وار کر گیا۔ خیر یہ شیطان ہی ہے یوں اس کے شر سے محفوظ ہوتا ہے۔ فکر کرنے کی بات نہیں۔ گلنار نے کہا مجھے اس کے متعلق پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ عرض کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو ملائکہ میری مدد کے لیے عتبات کیے تھے۔ جس وقت ان کی ضرورت ہو تو سُبْحَانَ الْهَادِي مَنْ يَشَاءُ سُبْحَانَ الْعَفْوَ الرَّحِيمِ پڑھو اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ شیطان کی خوفناک شکل دیکھتے ہی میں نے وظیفہ پڑھا۔ تو ملائکہ سامنے پہنچے۔ انہوں نے بتایا یہ شیطان ہے میں نے شیطان پر توجہ ڈال وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا مگر جاتے میں مجھ پر پتھر کا وار کیا۔ بس میں نے ملائکہ کو واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ اسی آن واپس ہو گئے۔ میں کمرے میں دوڑ کر چلی آئی۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ گلنار سے بہت خوش ہوئے۔ کمرے میں راجہ علی اکبر خان صاحب۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب اور دوسرے بھائی اور بھی چند مہمان حضور کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ وہ یہ واقعہ سن کر حیرت میں آ گئے۔ اور اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ حضور کی عزت و احترام ان کے دل میں شدت سے جا گزیں ہوا۔ ان کے لیے یہ عجیب العقول واقعہ تھا۔ جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ تین دن حضور قبلہ عالم نے یہاں قیام فرما کر واپسی کا ارادہ فرمایا۔ حضور کی واپسی کا سن کر ہر شخص پر پریشانی طاری



ہونے لگی۔ جیسے حضور مدتوں اس گھر میں رہتے ہوں اور آج جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ سب نے چند دن مزید قیام کی درخواست کی۔ راجہ صاحب اور گلنار نے بھی سخت منت کی۔ لیکن حضور نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ فرمایا۔ رات سب نے بے چینی میں گزاری۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے حضور کی خدمت میں ساری رات بیٹھے رہے۔ دوسرے دن صبح تقریباً چاشت کے وقت حضور یہاں سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ آپ کا گھر سے روانہ ہونا تھا کہ گھر میں کہرام مچ گیا۔ سب عورتیں۔ بچے۔ مرد زار و قطار رونے لگے۔ راجہ صاحب کا مکان پہاڑ کے عام راستے سے ہٹ کر واقع تھا۔ یہاں پر دے کی شدت سے پابندی رہتی تھی۔ لیکن اس وقت کسی کو ہوش نہ رہا۔ سب لوگ حضور کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔ حضور قبلہ عالم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ کہ ان لوگوں کے دلوں میں پہلی ملاقات میں کس قدر محبت و احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ بالآخر حضور نے سب کو ساتھ جانے سے روکا۔ گلنار اپنے پیر کی جدائی کے احساس سے بیمار ہو گئی۔ وہ بھی گریہ کناں باہر نکل آئی اور پہاڑ کے ایک کنارے بیٹھ کر حضور قبلہ عالم کو دیکھتی اور روتی رہی۔ حضور قبلہ عالم پہاڑ سے اتر کر سڑک پر شاہراہ کشمیر پہنچے اور بس رگاڑی کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے ساتھ راجہ اصغر خان۔ عبدالرشید۔ فیروز خان اور بھی چند ملازم نیچے تک آئے۔ اصغر خان پر تو دیوانگی طاری ہو گئی۔ وہ راستہ میں بھی روتا رہا۔ اور کہتا کہ میں پیر صاحب کو بس میں بیٹھنے نہیں دوں گا جو انہیں لے جائے اس بس کو تھمار کر توڑ دوں گا۔ یہ حال بس کا انتظار ہونے لگا۔ بسیں آتی ہیں۔ مگر کوئی بس رکتی نہیں۔ سیدھا نکل جاتی۔ یہاں تک کہ دوپہر کا وقت گزرنے لگا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ اُمید نہ رہی کہ راولپنڈی کی طرف سے کشمیر جانے والی کوئی بس ملے۔ حضور اُد پر غمناک منظر دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ کسی سے بات نہ کی۔ آخر سب نے فیصلہ کیا کہ اب اوپر واپس جانا چاہیے۔ اوپر پیغام دیا کہ فوراً گھوڑا بھیج دیں۔ نیچے سڑک سے اوپر پہاڑ کی طرف دیکھو تو اسلام آباد گاؤں نظر آتا ہے۔ گلنار اور گھر کی چند لڑکیاں اوپر ٹیلے پر بیٹھی نظر آرہی ہیں۔ اچانک حضور کی نظر ٹیلے کی طرف اٹھی۔ پوچھا اس ٹیلے پر کون بیٹھا ہے۔ میں نے عرض کی گلنار اور لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ یہ کہہ کر حضور مجھ سے

مخاطب ہوتے اور فرمایا ہم نیچے کھیتوں کی طرف جاتے ہیں۔ تم ابھی انتظار کرو۔ شاید کوئی گاڑی آئے اُسے روکو۔ سب لوگ خوش تھے کہ اب حضور کے واپس جانے کی گنجائش نہیں۔ بازار سے سودا سلف لینے لگے۔ حضور تھوڑی دیر نیچے کھیتوں میں اتر کر پیشاب کے لیے بیٹھے۔ اچانک بس چلنے کی آواز آئی۔ میں راستہ میں کھڑا ہو گیا تو دیکھا کہ ایک پٹرول کا ٹینکر آ رہا ہے۔ میں مایوس ہوا کہ پہلے بس والے نہیں بٹھاتے۔ ٹینکر والا تو مشکل سے جگہ دے۔ میں نے لاری کو روکنے کا اشارہ دیا لاری رُک گئی۔ اتنی دیر میں حضور بھی قریب پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے بغیر پوچھے کلینر کو نیچے اتار دیا اور حضور کو اپنے ساتھ بٹھا دیا۔ کلینر کو کہا کہ تم پیچھے کھڑے رہو۔ میں بھی پیچھے لوہے کے جنگلے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ بس آنا فانا گاڑی روانہ ہو گئی۔ سب لوگ حیرت و پریشانی میں ممتہ دیکھتے رہے۔ خدا خدا کر کے ہم بارہولہ پہنچے!

۱۰ حضور قبلہ عالم جب دوسری بار اسلام آباد تشریف لائے تو گل نسا حضور کے پیش ہوئی۔ حضور گل نسا کو دیکھتے رہے۔ اور گل نسا نادام ہو کر حضور کو دیکھتی رہی۔ حضور نے فرمایا گل نسا تم بہت ذہین اور مدبرہ ہو۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میرے فیصلہ میں کوئی حائل ہونے کی جرأت بھی کر سکتا ہے۔ تم نے مجھے روکنے کی اچھی تدبیر نکالی تھی۔ لیکن پیر صاحب مجھے خلافت دے چکے ہیں۔ اب میرا ہی حکم چلتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں میرا اختیار ہر امر پر غالب ہے۔ تم نے غلطی کی تھی۔ ہمارا فیصلہ باطن کے تحت ہوتا ہے۔ ورنہ میں تمہارے جذبات اور گریہ کو دیکھ کر رُک سکتا تھا۔ لیکن ہر قدم باطن کے تحت اٹھتا ہے۔ تم نے زبردست حملہ کیا تھا۔ آخر ہم جانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ گل نسا نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ کمرے میں راجہ صاحب۔ لطیف صاحب اور بھی چند آدمی بیٹھے تھے۔ ہم اس گفتگو کو قطعاً نہ سمجھ سکے کہ گل نسا نے پیر صاحب پر حملہ کر دیا۔ یہ عجیب بات تھی جس کا سمجھنا ہمارے عقل و علم سے باہر تھا۔ گل نسا نے عرض کی۔ اس کے لہجہ میں کچھ شکایت کے تاثرات تھے۔ آپ کا دل ہماری حالت دیکھ کر بھی نرم نہ ہوا۔ میں بے بس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ کے فراق میں۔ میں رات نہیں گزار سکتی۔ اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ دادا پیر سے شکایت کروں۔ ان سے ہی مدد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



وہاں سے شاہراہ کشمیر چھوڑ کر بائیں جانب قصبہ سوپور کی بس میں بیٹھ کر سوپور پہنچے۔  
یہاں خواجہ عبد الکریم صاحب حضور قبلہ عالم کی آمد کے منتظر تھے۔ حضور سے ملے۔ حضور سوپور  
بازار میں ایک مرید کے ہاں دوکان پر تشریف لائے۔ خواجہ عبد الکریم صاحب سے فرمایا۔  
خواجہ صاحب مراقبہ کریں اور گلشناء کی حالت کا مشاہدہ کریں۔ کس حال میں ہے۔ خواجہ صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۹)

مانگوں۔ میں نے ٹیکے پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ میں دادا پیر صاحب سے استدعا کی انہوں نے بھی آپ کو  
دیکھا اور مجھے ہنستے ہوئے حکم دیا کہ لاری والوں کو یہاں ٹھہرنے نہ دو۔ حضور عالی جاہ بھی میری حرکت  
دیکھ کر مسکراتے رہے جب سب لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میں خوش ہوئی کہ اب آپ واپس  
آئیں گے۔ میں خوشی میں گھر کے اندر چلی آئی اور انتظار کرنے لگی مگر جب سب لوگ واپس آئے۔  
تو آپ ان میں نہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اچانک ایک ٹینکر آیا اور آپ اس میں بیٹھ کر چلے  
گئے۔ اس وقت عالی جاہ شاہ صاحب پھر سامنے ہوئے۔ ہنستے ہوئے فرمایا مرید کتنا چالاک ہو  
مگر پیر ایک گرو مرید سے چھپا کر رکھتا ہے۔ دیکھو محمد امین اپنا گڑ چلا کر نکل گئے۔ یقین جانیں! اگر  
حضور عالی جاہ سامنے نہ ہوتے تو شاید میں برداشت نہ کر سکتی۔ تاہم میری پریشانی کافی دنوں تک  
مجھے عذاب میں رکھے رہی۔ میں مجبور تھی۔ میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ حضور نے سر پر  
دستِ شفقت فرمایا۔ تمہاری محبت تمہارے آرٹے آئی۔ ہم نے گھر جاتے ہی تمہاری تسکین کا  
انتظام کر دیا تھا۔ ہم تمہیں اس حال میں مرنے نہ دیتے۔ خیر اس حال میں ہم تم سے خوش ہیں مگر آئندہ  
پیر کے مقام کا خیال رکھو۔ ایسی حرکت نہ کرنا۔ جو پیر کی شان کے خلاف ہو۔ بات ہم سب کو  
سمجھ آئی۔ ہم ششدر و حیران تھے۔ کہ ولی اکمل محمد امین صاحب کی فقیری میں کیا کیا اسرار  
پائے جاتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمارے دلوں میں حضور قبلہ عالم کی محبت نے حقیقی اثر پیدا  
کیا۔ اور ہمیں پیر سے محبت کی اصلی حقیقت سے آگاہی ملی کہ ولی اکمل کی کیا شان ہوتی ہے۔  
اور اصل فقر ولی کی محبت ہی ہے۔ اور آج حضور نے بھی اسلام آباد میں ایک عیاش جاگیردار  
خاندان میں حقیقی محبت کا مظاہرہ دیکھا جس کو آپ ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ اسی محبت نے آگے  
چل کر اس خاندان کو وافر نعمتوں سے نوازا۔

نے مراقبہ کیا۔ کہنے لگے۔ لڑکی اضطراب میں ہے۔ اجلاس میں رو رہی ہے۔ حضور نے فرمایا وہ لوگ ہماری جدائی سے پریشان ہیں۔ خواجہ صاحب نے گلنساء کا مشاہدہ بند کرنے کے لیے اس پر نقاب ڈالنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ لڑکی مجذوب ہو جائے گی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرما کر سکون دیا۔ پیر صاحب اس واقعہ سے بید متاثر ہوتے۔ اس دوران آپ نے بہت کم کلام فرمایا۔ میں نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ پوچھا اب تم گھر جاؤ گے؟ میں نے عرض کی کہ کافی عرصہ میں گھر سے باہر رہا ہوں۔ حضور دوکان سے اٹھ کر گھر جانے کے لیے اڈے کی طرف روانہ ہو گئے۔ بازار کے درمیان دریا بہتا تھا۔ حضور پل عبور کرنے لگے۔ میں نے وقت کی نزاکت دیکھ کر عرض کی کہ حضور اجازت دیں۔ میں یہ کاروباری فکر چھوڑ کر سلسلہ کے فیض کا اجرا کرتا رہوں۔ حضور نے پیچھے گھوم کر مجھ پر نظر ڈالی۔ چند لمحے خاموش رہے۔ فرمانے لگے نور الدین ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تم چاہو دین کا کام کرنا تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور درود شریف بتانا ہی کافی نہیں۔ لوگوں کو مشاہدہ بھی ہونا چاہیے تو ابھی مجھ میں اس کی پوری صلاحیت نہیں۔ حضور نے جلال میں فرمایا۔ جاؤ جسے بٹھاؤ اسے مراتب بھی ملیں گے مگر آدمی دیکھ کر لیا کرنا۔ یہ باتیں پل کے درمیان میں ہوئیں۔ پل عبور کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا جیسے حضور نے مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان میں پہنچا دیا۔ بس ”یہ کلمہ“ معجزہ نما تھا جس کی تاثیر میں نے پائی۔ میں اگرچہ تزکیہ و آدابِ طریقت پر پورا نہ اتر سکا۔ لیکن میرا دعویٰ ہمیشہ پورا ہوا۔ اکثر لوگ خود بخود حضوری ہوتے رہے۔ اور کبھی کسی کو تھوڑی سی توجہ دی اسی وقت حضوری ہوا۔ حضور قبلہ عالم نے نہایت شفقت و مہربانی سے رخصت کیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اسلام آباد جا کر ان لوگوں کی تربیت اور نگرانی کرتے رہو۔ یہاں سے رخصت ہو کر میں نعمتوں سے مالا مال گھر واپس لوٹا۔

کچھ عرصہ بعد پھر میں اسلام آباد چلا گیا۔ وہاں حالات پُر سکون تھے۔ اور طریقت کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ علاقہ چکار کے لوگ جوق درجوق راجہ صاحب کے گھر آتے اور سلسلہ میں داخل ہونے کی استدعا کرتے۔ انہیں درود شریف بتایا جاتا اور بیعت



کے لیے آئندہ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جاتی۔ علاقہ کی عورتیں گلنساء سے درود شریف لیتیں۔ حضور قبلہ عالم نے خصوصی طور اسے بیعت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ مگر گلنساء عورتوں کو بیعت کرتی اور مردوں کو حضور سے بیعت کرنے کے لیے کہا جاتا۔ سلسلہ کی وسعت کے مد نظر فیصلہ ہوا کہ حضور قبلہ عالم کو دوبارہ مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس بار حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے راجہ محمد اصغر خان کو بھیجا گیا۔ دوسرے ہی دن حضور قبلہ عالم اسلام آباد پہنچے۔ علاقہ کے لوگوں کو علم ہوا۔ تو لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آتے اور بیعت ہوتے رہے۔ تین دن مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس اثنائیں علاقہ چکار کے لوگوں نے حضور کو گاؤں تشریف لے جانے کی دعوت دی حضور نے قبول فرمائی۔ حضور کی شہرت سن کر لوگوں کو آپ کے دیکھنے کا شوق ہوا کہ دیکھیں یہ کونسی ہستی ہے۔ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل کسی فقیر نے نہ ایسا دعویٰ کیا نہ ایسا کرنے کی جرأت کی۔ سوائے اس کے کہ فقراء آتے تو لوگوں کو دل کی باتیں بتاتے اور بیماروں کو آنا فانا ٹھیک کر دیتے۔ لوگ ایسے فقیروں کو مدعو کرتے لنگر چلاتے اور کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ دور دور سے لوگ بیماروں کو لاتے اور وہ صحت مند ہو جاتے اور یہ فقیر نذرانہ میں کثیر دولت جمع کر کے لے جاتے۔ لیکن کسی فقیر نے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرانے کا دعویٰ نہ کیا۔ یہاں حضور قبلہ عالم کے ہاں تعجب اور حیرانی کا یہ عالم ہے کہ ان لوگوں کو زیارت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی جو دنیا کی بدکاری۔ شراب نوشی وغیرہ میں مست و مدہوش تھے۔

## شیر وڈا کو کامرید بن کر ولایت سے سرفراز ہونا

لوگ ظاہری حالات دیکھ کر یقین کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن اس گھرانے کے حالات سے آگاہ ہونے پر یقین کرنا بھی مشکل تھا۔ کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ تاہم ظاہری حالات نے لوگوں میں شوق پیدا کر دیا کہ وہ حضور قبلہ عالم کی ذات والا کا بچشم خود مشاہدہ کریں۔ ویسے ابتدائی ملاقات میں لوگ شک میں مبتلا ہوتے۔ لیکن جب حضور کی صحبت میں بیٹھ کر آپ کے

واعظ مسننے تو حیران رہ جاتے اور حضور کی عقیدت و عزت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی۔  
اکثر لوگ ایک ہی صحبت میں بیٹھ کر بیعت ہو جاتے۔

راجہ صاحب کے دوستوں میں علاقہ چکار کے ایک مستری لالہ وارث علی پٹھوار  
(راولپنڈی) کے علاقہ کے یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ اعلیٰ پایہ کا انجینئر ان پڑھ تھا۔ راج  
مزدور کا کام کرتا تھا۔ مگر کام انجینئر کے برابر ہوتا۔ حکمت کے بھی ماہر تھے۔ یہ راجہ صاحب  
کے قریبی دوست بھی تھے۔ اس نے بھی سنا کہ اسلام آباد میں اکثر لوگ فقیر ہو گئے۔ وہ ہنسا  
اور کہنے لگا کہ سورج کبھی مغرب سے طلوع نہیں ہوتا۔ میرے متعلق اسے کہا گیا کہ راجہ لطیف  
خان کا دوست نور الدین یہ سلسلہ لایا ہے۔ سب درود و نماز پڑھتے ہیں۔ حمید خان اسے  
ملنے گیا۔ وہ بچہ تھا اس نے سادگی میں کہا۔ گھر میں لطیف خان۔ گلنار۔ امجد چھوٹا بچہ  
درود شریف پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی  
نے راجہ صاحب کو چٹھی لکھی کہ ہوشیار رہیں آپ کے گھر میں کسی سازش نے جنم لیا ہے! اس  
کے ساتھ ہی خود حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے اسلام آباد آیا۔ میں پیشتر ازیں لالہ وارث  
علی خان کو جانتا تھا وہ بھی مجھے جانتا تھا۔ ہم سب لڑکے رات بھر تاش کھیلتے رہتے تھے۔  
ہر وقت ناچ گانے میں مشغول رہتے البتہ اللہ کا فضل تھا کہ میں روزہ کا سخت پابند تھا۔  
کبھی نماز میں کوتاہی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شراب سے محفوظ رکھا۔ میں بھی شب و روز  
راجہ صاحب کی محفل میں شامل رہتا۔ لالہ وارث علی کے نزدیک اگر فرشتہ آکر انہیں ہدایت  
کی کوشش کرے تو ان کا ہدایت پانا قابل یقین نہیں اور پھر نور الدین! ماشاء اللہ یہ امر تو  
قطعی قابل یقین نہ تھا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لائے تو لالہ وارث علی بھی دیکھنے آیا اور حضور  
کی مجلس میں بیٹھا۔ حضور کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو فرمائیں تو لالہ مختلف قسم کی تاویلیں پیش  
کرے۔ ہم سب لوگ اندرون شعلہ پا ہو جاتیں۔ مگر حضور اس کی باتوں کو خاطر میں نہ لائے  
آخر علاقہ چکار کی دعوت پر حضور تشریف لے چلے ہماری کوشش تھی کہ لالہ وارث علی  
یہاں سے چلا جائے۔ حضور نے فرمایا لالہ وارث علی بھی ہمارے ساتھ چکار چلے گا۔ اس نے بھی  
ارادہ ظاہر کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اس سلسلہ میں ہم کسی قسم کی مزاحمت نہ کر



کے۔ اسلام آباد سے کافی لوگ حضور کے ساتھ چکار آئے۔ چکار اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ جہاں چھوٹا بازار بھی ہے۔ یہاں دوکاندار کشمیری ہیں۔ انہیں خواجہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں کے ایک امیر تاجر خواجہ غلام محی الدین نے حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ یہاں پر قصبہ کے بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ ان ہی میں ایک دیہاتی کو راجہ اصغر خان نے حضور کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا۔ یہ شخص شیرو نامی علاقہ کا بدنام ڈاکو تھا۔ ہم سب نے راجہ صاحب کو برا بھلا کہا کہ سلسلہ کو بدنام کرنے کے لیے تم شیرو کو کیوں پیر صاحب کے پاس لاتے۔ وہ بھند ہوا۔ کہ شیرو کو پیر صاحب سے بیعت کراؤں گا۔ حضور قبلہ عالم کو علم ہوا۔ آپ نے ہمیں ڈانٹا۔ کسی شخص کو ہمارے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ حضور نے شیرو کو قریب بلایا۔ پوچھا؟ کیا چاہتے ہو۔ تو شیرو نے جواب دیا۔ مجھ سے کیا پوچھتا ہے۔ راجے سے پوچھو یہ مجھے تیرے پاس لایا۔

اصغر خان بھی لا پرواہ اسے بھی شیرو کی بے ادبی کا احساس نہیں۔ کہنے لگا حضرت اس کو درود شریف کی اجازت دیں۔ حضور نے شیرو سے پوچھا نماز پڑھتے ہو۔ شیرو نے جواب دیا میں نماز جانتا ہی نہیں۔ راجہ کہتا ہے۔ درود بتا دے پڑھوں گا۔

حضور نے اصغر کو حکم دیا شیرو کو درود شریف یاد کراؤ۔ فرمایا۔ اچھا شیرو! اصغر خان درود پڑھو۔ شیرو نے حضور کا دست مبارک پکڑ کر زور سے کھینچا۔ میرا ہاتھ بھی پکڑ۔ اب میں تیرا مرید بن گیا۔ حضور نے مبسم فرمایا اور شیرو کو بیعت کیا۔ شیرو بیعت ہو کر اصغر خان کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ہم لوگ آتش غضب سے جل بھجن کر راکھ ہو گئے کہ کس قدر بدتمیز ہے یہ شخص اور اصغر خان پر بھی لعن طعن کی۔ مگر یہ لوگ لا پرواہ کسی بات کا احساس ہی نہ کرتے۔ خیر۔

رات خواجہ غلام محی الدین کے ہاں گزاری۔ دوسرے دن علاقہ چکار سے دو تین میل دور ایک گاؤں زٹگولی میں ایک نبرداری کے گھر دعوت تھی۔ حضور وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں تمام علاقہ سے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ راجوں کے کشمیری پیر تشریف لاتے ہیں۔

گاؤں کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے رشتہ دار حضور سے بیعت ہوئے اور اپنے جدی پیر سے بیعت توڑ دی۔ ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا۔ انہوں نے علاقہ کو پونچھ سے ایک



عالم کو بلایا کہ وہ حضور قبلہ عالم سے بحث و مناظرہ کرے۔ تاکہ حضور بحث و مناظرہ میں ہار جائیں۔ یہ لوگ بھی اپنے عالم کے ہمراہ میزبان کے گھر آئے۔ حضور اس وقت عام لوگوں میں وعظ فرما رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے شک گزرا کہ یہ لوگ اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ پھر ان کے عالم کو دیکھا کہ وہ بڑے رعب سے حضور کو گھورتا رہا۔ میں نے اُسے نظر میں رکھا۔ درمیان میں کھانے کا وقت آیا۔ میزبان نے تمام لوگوں کو کھانا دیا۔ حضور نے بھی عام لوگوں میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ میں نے اندازہ کیا کہ عالم صاحب حضور کی عام حیثیت دیکھ کر سمجھے کہ یہ معمول فقیر ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر عالم صاحب نے پُر جلال انداز میں حضور سے سوال کیا۔ اس کے سوال پر میں نے مداخلت کی۔ میں نے عالم صاحب سے کہا کہ آپ کا سوال غلط ہے۔ سوال اس طرح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے میں نے پوچھا کچھ اعتراض؟ عالم صاحب نے کہا میں پیر صاحب سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کسی مسئلہ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یا پیر صاحب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حقیقت کی وضاحت چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے بھی مسئلہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کے لیے حضور کے خادم کافی ہیں جو آپ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ اگر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر معقول سوال کریں۔ غرض مولانا صاحب نے کئی سوال کیے۔ مگر میں ہر بار مداخلت کرتے ہوئے اُسے جواب دیتا رہا۔ مولانا چڑ گئے۔ مجھے خاموش رہنے پر سختی سے زور دیا۔ آخر حضور قبلہ عالم نے منع فرمایا کہ میں خاموش رہوں۔ حضور قبلہ عالم وعظ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تقریر ایسی تھی کہ مولانا کو سوال کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آخر حضور خاموش ہو گئے۔ مولانا کو قریب بلا کر جگہ دی۔ پوچھا اب آپ سوال کیجئے ہم آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ مگر مولانا صاحب نے معذرت چاہی کہ اب سوال کرنے کا موقع نہیں۔ خاموش ہو گئے۔ حضور نے پوچھا کہ آپ نے تعلیم کہاں پائی۔ مولانا نے جواب دیا دیوبند سے سند حاصل کی ہے اور بھی چند درس گاہوں کا حوالہ دیا۔ حضور نے اسامذہ کے متعلق پوچھا جس کے جواب میں مولانا نے بہت سے چیدہ علماء کا نام لیا۔ حضور نے فرمایا ہم نے بھی دیوبند۔ امروہہ سے تعلیم پائی



ہے اور فلاں فلاں۔ اساتذہ سے سبق پڑھا ہے۔ یہ وہ اساتذہ تھے جو وقت کے مشہور علماء  
 میں سے تھے۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد مولانا امداد اللہ صاحب (عاجی)  
 اور دیگر مشاہیر علماء۔ — تو مولانا صاحب نے خود ہی اعتراف کیا کہ ہمارے اساتذہ  
 تو ان کے پوتوں میں سے ہیں۔ بے شک آپ کی تقریر سے میں نے اندازہ کیا کہ آپ کا علم  
 آپ کی ہیئت سے نہیں آپ کی زبان سے جانا جاسکتا ہے۔ مولانا صاحب نے برملا معافی  
 مانگی کہنے لگے میں غلط فہمی کا شکار ہوا۔ میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ اس لیے میں نے سوالات  
 کیے مگر آپ کے مرید نے مجھے آگے بڑھنے نہ دیا۔ دراصل مجھے گاؤں کے لوگوں نے یہاں  
 بلایا تھا۔ لیکن اصل حقیقت سے میں آگاہ نہ تھا کہ میں نے کسی صاحب علم ولی سے مناظرہ  
 کرنا ہے۔ میں پھر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ یہاں یہ گفتگو ہوتی رہی ادھر مخالف  
 جماعت کے لوگ فرار ہو گئے۔ ایسے گم ہوئے کہ انہیں کسی نے جاتے بھی نہ دیکھا اور مولانا  
 صاحب کو وہیں چھوڑ گئے۔ خیر مولانا صاحب حضور سے گفتگو کرتے رہے۔ مگر اب ان کی  
 گفتگو اور انداز میں ادب نمایاں ہو چکا تھا۔ حضور قبلہ عالم کو یہاں سے دوسرے گاؤں  
 جانا تھا۔ جہاں راجہ علی اکبر خان صاحب کے چچا زاد بھائی راجہ زین اکبر خان صاحب  
 رہتے تھے۔ آخر یہاں سے رخصت ہو کر راجہ صاحب کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔  
 مولانا صاحب نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ عصر  
 کے قریب ہم زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ رات اسی جگہ قیام کرنا تھا۔ یہاں بھی  
 بہت سے لوگ آکر حضور سے بیعت ہو گئے۔ رات عشاء کے بعد مولانا صاحب پر پوری  
 حقیقت واضح ہو گئی۔ مجھے قریب بلایا۔ کہنے لگے میری سفارش کرو۔ میں بھی پیر صاحب سے بیعت  
 ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا یہاں سفارش کی ضرورت نہیں آپ خود حضور سے استعا کریں۔ آخر  
 مولانا صاحب نے خود حضور کے قریب جا کر عرض کی مجھے بیعت کریں۔ حضور نے انہیں بھی  
 بیعت کیا۔ ویسے علاقہ پونچھ میں مولانا صاحب ولی کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ لیکن یہاں  
 اگر اپنی ذات کی نفی کر گئے۔ میں نے مولانا صاحب کے آگے مذرت کی کہ آپ کے حق میں  
 مجھ سے گستاخی ہوئی آپ معاف کریں۔ میں سمجھا تھا کہ آپ مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ دراصل

آپ کے سینہ میں ایک معصوم قلب تھا۔ جس میں حقیقت سمانے کی صلاحیت تھی۔ مبارک ہو آپ نے حقیقت کو پایا اور حقیقت کو سچائی کے ساتھ قبول کر لیا ورنہ ایسے مقام پر کسی شخص کی "آنا" اسے جھکنے پر آمادہ نہیں ہونے دیتی۔ آپ میں حق قبول کرنے کا مادہ ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کامیاب ہو گئے۔ مولانا صاحب بہت مشکور ہوتے۔ رات بھر خوب کلام ہوتے رہے۔ صبح بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ دوپہر کے کھانے میں شریک رہے اور جب حضور یہاں سے رخصت ہوئے تو بہت عجز و انکساری کے ساتھ رخصت چاہی۔ حضور نے خوش ہو کر انہیں رخصت کیا۔ یہاں سے قبلہ عالم واپس قصبہ چکار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں گاؤں کے نمبردار نے استدعا کی کہ اس کے گھر تھوڑی دیر قیام فرمائیں۔ نمبردار نے کھانا بھی پکایا تھا۔ حضور نمبردار کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے زبردستی دوبارہ کھانا کھلایا اور خود بیعت ہوا۔ اپنی بیوی کو بھی بیعت کرایا۔ یہاں سے فارغ ہو کر قصبہ چکار پہنچے۔ رات یہاں دوبارہ قیام فرمایا۔ اس موقع پر بھی کافی لوگ حضور کی آمد کے منتظر تھے۔ اور بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ غرض کہ علاقہ چکار کا تمام کا تمام قصبہ حضور کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ یہاں بہت سے لوگ دوسرے بزرگوں سے بیعت تھے اور کچھ جاگیردار اور کسان زمیندار حضرت فقیر اللہ صاحب بکوٹی کے مرید تھے۔ فقیر اللہ عرصہ دراز سے وصال فرما چکے تھے۔ یہ حضرت بھی اعلیٰ پایہ کے اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم ان کا ذکر فرماتے تھے۔ بلکہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ عالی جاہ نورالزمان شاہ صاحب (دادا پیر صاحب) نے فرمایا کہ فقیر اللہ دنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہیں۔ ان کے مریدوں میں سے اکثر حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے۔ اس وقت تک لوگ فقیری سے متعلق صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ فقیر دل کی بات بتاتے ہیں۔ یا کہہ دیا کہ یہ کام تمہارا ہو جائے گا یا علاقہ میں ایسے فقیر آئے جنہوں نے بیمار اچھا کرنے کا مظاہرہ کیا۔ کسی فقیر کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے پاس کوئی بیمار لایا جائے تو وہ کہتے کہ "ہٹ جا بیماری" تو بیمار اسی وقت چلنے پھرنے لگ جاتا۔ تو ایسے فقیر کے پاس لوگ جاتے اور پیچھے پھرتے دعوتیں دیتے۔ رات دن لوگوں کا میلہ لگ جاتا۔ فقیر صاحب علاقہ سے اچھی خاصی دولت



جمع کر کے لے جاتے۔ اب لوگوں کو علم ہوا کہ اصل فقیری کیا شے ہے۔ لیکن اس حال میں بھی لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے کہ شیرو جیسا ڈاکو بھی رات میں فقیر بن سکتا ہے۔ شیرو بھی اسی گاؤں نڑگولی کا رہنے والا تھا۔ اس کا ایک عزیز رشتہ دار حضور سے بیعت ہوا وہ بھی مشہور چور سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اس کی حالت یہ تھی کہ پانچ وقت نماز اور چوبیس گھنٹے تسبیح ہاتھ میں رہتی۔ اور کمال یہ کہ لالہ وارث علی حضور قبلہ عالم کے جلو میں ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ وہ بھی لوگوں کو درود شریف پڑھنے اور بیعت ہونے کی تلقین کرتا رہا۔

## لالہ وارث علی کا مرید ہونا

گاؤں نڑگولی سے واپسی پر حضور قبلہ عالم ایک ہنر کے قریب نماز پڑھنے کے لیے رک گئے۔ سب نے نماز ادا کی۔ حضور ہنر کے قریب ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ لالہ وارث علی بے حد عجز و احترام سے حضور کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ لالہ وارث علی بڑا ذہین شخص تھا۔ بہت معقول اور مدلل بات کرتا۔ کبھی کبھی لطیف تمسخر بھی کرتا۔ ہنستے ہنستے عرض کی کہ حضرت اتنی دیر چھری تیز کرتے رہے۔ اب موقع ہے میں سر آگے رکھ دیتا ہوں مجھے ذبح فرمائیے۔ حضور قبلہ عالم بھی ہنس دیئے۔ فرمانے لگے لالہ ہم بکرا دیکھ کر چھری تیز کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضور نے اسے گلے لگایا اور درود شریف پڑھنے کی اجازت دی۔ عرض کی جناب میں نے اسلام آباد سے ہی درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اب بیعت بھی فرما دیجئے۔ حضور نے اسی جگہ لالہ وارث علی کو بیعت فرمایا۔ لالہ وارث علی کی یہ حالت تھی کہ کہتے ہیں راہ چلتے کوئی السلام علیکم کہتا ہے۔ میرے منہ سے اَللّٰهُمَّ صَلِّ نکلتا۔ اور آگے چل کر لالہ وارث علی کے ذبح ہونے کا ذکر بھی حضرت محمد امین صاحب کی ولایت کا ایک بین مظاہرہ ہے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ہم یہاں علاقہ چکار کے چند مریدوں کا ذکر کریں گے جن میں شیرو ڈاکو کا ذکر حیرت افزا ہے۔

## چکار میں مریدوں کے عجیب و غریب حالات

شیرو ڈاکو یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے کیا کیا۔ درود شریف پڑھنا کیا معنی رکھتا ہے بیعت کیا ہوتی ہے۔ اور اب کیا کرنا ہے۔ اور مقصد کیا ہے۔ سوائے اس کے مومن علیہ السلام طور پر آگ لینے گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور نبوت و رسالت کا شرف عطا ہوا۔ شیرو کو صغر خان نے درود شریف مشکل سے یاد کرایا۔ سمجھایا پیر صاحب بیعت ہوئے ہو اور اب مسلمان بن جاؤ۔ چوری ڈاکہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو درود شریف گیارہ سو بار رات کو پڑھو اور پیر صاحب کی شکل خیال میں رکھ کر پڑھو۔ بس اُن پڑھ شیرو کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ نماز۔ درود شریف پڑھے۔ چوری سے باز آئے۔ تین چار دن بعد شیرو اسلام آباد آیا۔ اس وقت حضور قبلہ عالم تشریف لے جا چکے تھے۔ پوچھا راجہ اصغر خان کہاں ہے۔ میں نے اس سے بات کرنی ہے۔ ہم نے پوچھا بتاؤ کیا بات کرنی ہے۔ جواب دیا نہیں میں راجہ سے بات کر دوں گا۔ شیرو اصغر خان سے ملا اور بتایا کہ میں نے رات کو درود شریف پڑھا۔ دوسری رات کو بھی پڑھا دوسری رات میں جاگتا تھا۔ میں نے اندھیرے میں۔ روشنی دیکھی۔ مکان دیکھا۔ وہاں اس قسم کا کاروبار دیکھا۔ لوگوں کو دیکھا۔ ایک ہستی کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ پیر صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے دیکھا۔ گھورانی کو بھی وہاں دیکھا۔ راجہ لطیف خان۔ نور الدین۔ راجہ صاحب سب کو وہاں دیکھا۔ میں کہاں پر تھا۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیا دیکھا اور کہاں دیکھا؟۔ اصغر خان نے شیرو کے تمام حالات بیان کیے یقین جانیں۔ باوجود پیر کی عظمت سمجھنے کے ہم شیرو کی بات پر یقین کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ بے ادب۔ جاہل۔ اُن پڑھ ڈاکو ایک رات میں حضور ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب گلنار نے اس سے پوری تفصیل پوچھی تو تمام کیفیات بالکل صحیح بتا رہا تھا۔ اب شیرو جاہل۔ اُن پڑھ نہیں نظر آتا۔ وہ فقر کو سمجھ چکا تھا۔ مسلسل مشاہدات سے وہ صاحب علم ہو چکا تھا۔ اور اکثر اپنے مشاہدات بتاتا۔ ہم سب ہی طریقت میں مبتدی کی حیثیت رکھتے تھے۔ آداب طریقت سے واقف نہ تھے۔ اس لیے ہر شخص اپنے مشاہدات کا سرعام ذکر کرتا کہ میں نے اجلاس میں دیکھا حضور



صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اسی طرح شیرو کے مشاہدات کا بھی عام لوگوں کے سامنے ذکر کرتے۔ لوگ تو ایسے واقعات سن کر کچھ تو ہمیں لغو سمجھتے کچھ جھوٹ کی تہمت لگاتے کچھ یہ کہتے کہ یہ باتیں ناممکن ہیں اور پھر ایسا ہونا لازمی تھا۔ کہ ہر دعویٰ کرنے والے کا کردار لوگوں کے سامنے تھا۔ کوئی چور۔ کوئی ڈاکو۔ کوئی شرابی۔ کوئی جابر۔ کوئی بد معاش۔ اور پھر آنا فانا کا یا پلٹ جانا قابل یقین بات ہو بھی نہیں سکتی۔ اکثر لوگ شیرو کی بات کو من گھڑت سمجھتے اور اس کا امتحان لیتے۔ کیونکہ شیرو کے مشاہدات ایسے تھے جن کا علم نہ ہمیں تھا نہ ان کا تصور ہمیں حاصل تھا۔ ایک دن شیرو اسلام آباد راجہ صاحب کے ہاں آیا۔ مغرب قریب تھی۔ راجہ صاحب نے شیرو سے حالات پوچھے۔ اس نے ایسے مقامات کا مشاہدہ بتایا جو ہماری سمجھ اور علم سے باہر تھے۔ ہم یقین نہ کر سکے۔ راجہ صاحب نے کہا شیرو جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ تم یونہی گپ مارتے ہو۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم صحیح کہتے ہو۔ یا تمہیں صحیح مشاہدہ ہے۔ شیرو ناراض ہو کر بولا راجہ تیری مرضی تو مان یا نہ مان میں کشمیری پیر کو بہت بڑا پیر مانتا ہوں میں نے اس کو نہیں کہا تھا مجھے فقیر بنا یہ اسی نے دیا۔ وہی دکھاتا ہے۔ اگر تمہیں پیر پر یقین نہیں تو تو بھی ان کا مرید نہیں۔ یقین نہیں آتا جس طرح مرضی ہے آزما لے جھوٹا ہو جو مرضی سزا دینا۔ مجھے گاؤں سے نکال دینا۔ راجہ صاحب شیرو کی باتیں سن کر حیرت میں آگئے۔ گلنار نے کہا اچھا شیرو ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔ تو تیار ہے؟۔ شیرو نے کہا بالکل تیار ہوں جو پوچھو بتاؤں گا۔ گلنار نے کہا۔ جو کچھ میں دیکھوں گی۔ تو بتا دے میں تب سچ مان لوں گی۔ شیرو صحن میں راجہ صاحب کے قریب ہو کر بیٹھا۔ گلنار مکان کے برآمدہ میں بیٹھ گئی۔ باقی لوگ صحن میں یہ ”تماشا“ دیکھنے بیٹھ گئے۔ ان میں گاؤں کے لوگ بھی تھے۔ میں اور راجہ محمد لطیف۔ راجہ اصغر خان گلنار کے قریب بیٹھے۔ گلنار نے مراقبہ شروع کیا اور اجلاس میں حاضر ہو گئی اور ہمیں بتاتی رہی کہ میں اس وقت اجلاس میں ہوں۔ اسی کے ساتھ شیرو نے بھی مراقبہ شروع کیا۔ کہا گلورانی اجلاس میں کھڑی ہے۔

گلنسا پیر صاحب سے پوچھتی ہے جو کچھ شیرو کہتا ہے سچ ہے۔ شیرو کہتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب سے پوچھا کہ شیرو سچ بولتا ہے؟ پیر صاحب فرماتے ہیں شیرو دل ہے۔ سب کچھ صحیح دیکھتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تم سب سے صاف ہے۔ شیرو ہر بات اسی طرح زور زور سے بتاتا جاتا ہے۔ گلنسا کہتی ہے میں پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر پرواز کرتی ہوں۔ شیرو اسی طرح بتاتا ہے۔ کہ تم پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز میں سیر کرتی ہو۔ ایک باغ میں اتری ہو خوبصورت باغ ہے نہری چلتی ہیں درختوں میں میوے لگے ہیں۔ نہر سے پانی پیاجھے بھی دے رہی ہو وغیرہ غرض جو کچھ مراقبہ میں گلنسا کیفیات بیان کرتی بعینہ شیرو ہر کیفیت بتا دے۔ صحن میں تمام لوگ شیرو کے مشاہدات سن رہے ہیں۔ اور گلنسا بھی تصدیق کر رہی ہے کہ جو کچھ میں کرتی یاد رکھتی ہوں شیرو بھی وہی کچھ بتا رہا ہے۔ لہذا شیرو کے مشاہدہ پر سب نے یقین کر لیا۔ اور ہم پر بھی طریقت کی حقیقت۔ سلسلہ کی حقیقت اور حضور قبلہ عالم کی عظمت واضح ہو گئی۔ سلسلہ اویسیہ کی سچائی کا یہ انوکھا طریقہ تھا کہ ہر شخص کو درود شریف پڑھنے کے ساتھ مشاہدہ ہو جاتا اور اکثر مرید تھوڑا سا درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتے یہ حالات دیکھ کر لوگوں پر حیرت و تعجب بھی طاری ہو جاتا کہ اس قدر سستی فقیری کیسے ظہور میں آئی۔ اور کیسے کیسے لوگ حضوری ہو جاتے ہیں جن کے متعلق یہ بادرکزنا مشکل تھا کہ یہ لوگ مسلمان کہلانے کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں ان مریدوں میں ان کے بعض مخالفین حسد کی وجہ ان کی مخالفت کرنے لگے اور بلاوجہ ان پر الزام تراشی کرنے لگے۔ چنانچہ ان لوگوں میں فقیری کا آنا ان کے درمیان فساد کا بھی سبب بنا لوگ انہیں تکلیفیں دینے پر بھی اُتر آئے۔ لیکن جس نے درود شریف پڑھا کامل مومن کی صفات اس میں پیدا ہو گئیں۔ کہاں وہ خود جنگ و جدل لوٹ مار پر آمادہ رہتے کہاں ان میں صبر و تحمل اور بردباری اور استقلال کا مادہ عود کر آیا۔ ہر بات سنی مگر اپنا عمل ہر حال میں جاری رکھا۔ لوگ اکثر کہتے کہ شیرو چوری کرتا ہے۔ اسی گاؤں میں شیرو کا ایک درشتہ دار اس کا نام بھی شیر افسر تھا۔ لوگ اُسے سائیں کہتے یہ بھی چوری ڈاکہ میں شامل رہتا بیعت ہوا۔

لے یہ شخص جھنڈو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔



توپکا مومن بنا۔ نماز پانچ وقت اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی۔ اس کا مشاہدہ بھی کامل تھا۔ حضوری تھا۔ اس کے متعلق اس کے خاندان کے مخالفین ہمیشہ اس کے خلاف الزام لگاتے مگر سائیں شیرو کسی کی پروا نہ کرتا۔ ایک دفعہ سائیں کے مخالفین نے افواہ اڑائی کہ شیرو مرغی چڑا کر لے گیا۔ ہم نے شیرو سائیں سے پوچھا کہنے لگا عداوت سے کہہ رہے ہیں۔ مراقبہ کی کیفیت پوچھی تو اجلاس کے صحیح حالات بتاتا تھا۔ ایسے ہی دوسرے شیرو کے متعلق بھی مخالفین نے بھی افواہ پھیلانی اور پروپیگنڈا کیا کہ شیرو چوروں کے ساتھ رات کو ڈاکہ ڈالنے جاتا ہے لیکن ان کے مشاہدات افواہ بازوں کی افواہوں کو رد کر دیتے تھے۔ اور کسی ایسی بات پر یقین نہ کرتے تھے۔ آخر ایک دن سائیں شیرو کے قریبی عزیز نے شہادت دی کہ سائیں مخالفوں کی مرغیاں چراتا رہا اور سائیں نے بھی اپنے عزیز کی موجودگی میں اقبال کیا کہ میں اپنے رشتہ داروں کی مرغیاں پکڑ کر کھاتا رہا۔ لیکن یہ امر ہماری سمجھ سے باہر تھا کہ اگر شیرو چوری کرتا ہے تو اس کا مشاہدہ حضوری کیسے قائم ہے۔ ایسی حالت میں ہم کچھ فیصلہ نہ دے سکتے۔ شیرو نمبرانے اسلام آباد آنا جانا کم کر دیا اس کے متعلق بھی افواہیں سننے میں آئیں مگر جب بھی آیا اس نے مشاہدہ کے متعلق بتایا کہ میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ رفتہ رفتہ شیرو دور ہوتا گیا ہم سمجھے کہ شیرو جھوٹا بولتا ہے۔ اس نے نماز اور درود ترک کر دیا ہے۔ تقریباً تین ماہ گزر گئے لیکن شیرو نظر نہ آیا۔ ایک دن اچانک قصبہ چکار کے بازار میں راجہ صاحب نے اُسے پکڑ لیا اور گھر لے آئے ہم نے پوچھا شیرو تم نے درود پڑھنا چھوڑ دیا۔ جواب دیا کچھ مدت چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ایک ہفتہ سے پھر حسب سابق نماز اور درود پڑھتا ہوں۔ مگر مشاہدے میں فرق آ گیا ہے۔ رات ہم راجہ محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے حضور قبلہ عالم کا ذکر کر رہے تھے۔ تو شیرو نے کان پکڑے اور کہنے لگا۔ توبہ۔ یہ کشمیر کا پیر بڑا ڈھاڈا ہے۔ راپنی زبان میں بڑا سحت ہے، ہم نے پوچھا یہ بات تم نے کیسے کہی؟ کہنے لگائیں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ لوگ ہمارے خلاف الزام لگاتے رہے ان میں بعض الزام درست بھی تھے۔ ہم چوری کرتے رہے مگر نماز۔ درود شریف پڑھتے رہے اور ہم اجلاس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرتے رہے۔ ایک بار میرے دوستوں میں سے کچھ ڈاکو۔ مجھ سے گھر ملنے آئے

انہوں نے بتایا کہ دور افتادہ گاؤں میں ایک امیر آدمی کے گھر ڈاکہ ڈانا ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں نے چوری کرنے سے توبہ کی ہے۔ میں اب بیعت ہو چکا ہوں۔ اب ایسا نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے مجھے سخت مجبور کیا۔ میرے دل نے کہا پہلے بھی چوری کرتے ہیں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ چلو آج ڈاکہ میں شامل ہوتا ہوں۔ میں بھی انہوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ کافی سامان — ڈاکوؤں نے میرا حصہ مجھے دے دیا — میں نے سارا مال گھر میں رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ چوری کا پتہ لگ نہیں سکتا۔ نہ ہم پکڑے جاسکتے ہیں۔ میں نے اپنا مال گھر میں رکھ دیا۔ ایک ہفتہ گزرا۔ میں رات سویا ہوا تھا — خواب دیکھتا ہوں پیر صاحب آتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں شیر افسر تم نے بہت بڑا کیا مال چوری کر کے لائے اور گھر میں رکھ دیا لہذا یہ سارا مال گھر سے نکال دو۔ میں اسی وقت جاگ گیا۔ سوچا کہ مال کا کسی کو پتہ نہیں اتنا مال کیسے میں گھر سے نکالوں۔ پھر سو گیا۔ سوتے ہی پھر یہی خواب دیکھا پیر صاحب آئے اور پھر مجھے کہا شیر و مال گھر سے نکال دو۔ پھر میں جاگ گیا اب اسی سوچ میں تھا کہ کیا کروں اتنا مال پھینک دوں۔ خیال ہوا صبح فیصلہ کروں گا اور پھر سو گیا ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ پیر صاحب پھر آئے اور غضبناک ہو کر لات ماری کہا شیر و! میں تم سے کہتا ہوں چوری کا مال گھر سے ابھی نکال صبح پولیس تمہارے گھر کا گھیراؤ کرنے والی ہے۔ پکڑے جاؤ گے۔ خوف کے مارے میری آنکھ کھلی تو میں چار پائی سے نیچے گرا ہوا تھا میں سخت ڈر گیا جلدی سے بیوی کو اٹھایا اور سارا سامان اٹھا کر باہر جنگل میں گرٹھا کھود کر چھپا دیا اور مطمئن ہو کر گھر آکر سو گیا۔ رات بار بار جاگنے کی وجہ سے صبح دیر سے آنکھ کھلی باہر نکلا تو دروازہ پر پولیس افسر کو کھڑا دیکھا اُس نے حکم دیا کہ خانہ تلاشی دو تم نے چوری کا مال گھر میں رکھا ہے۔ میں نے اطمینان سے تھانیدار سے کہا گھر کا دروازہ کھلا ہے جا کر تلاشی لو۔ تھانیدار پولیس کو لے کر اندر گیا مگر اُسے کچھ بھی نہ ملا۔ کہنے لگا تم نے چوروں کے ساتھ ڈاکہ ڈالا ہے۔ باقی لوگ پکڑے گئے تمہارے خلاف منجری تھی کہ سامان ابھی تک تمہارے گھر میں موجود ہے۔ میں نے کہا کہ میں رات بھر گھر میں سویا رہا۔ ہوتا تو بل جاتا۔ یہ دشمنوں کی سازش ہے۔ لہذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔ تھانیدار خاموش ہو کر واپس چلا گیا۔ میں سُکر بجالایا کہ اگر



پیر صاحب خواب میں آکر نہ بتاتے تو میں گرفتار ہو جاتا۔ قید بھی ہو جاتا اور بدنامی بھی ہو جاتی واقعی کشمیر کا پیر بہت بڑا ولی ہے جو اپنے مریدوں کے گناہوں پر بھی پردہ ڈالتا ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ ہمارے نزدیک فقیری۔ تقویٰ اور مجتہدہ۔ پاکیزگی کا عمل تھا۔ یہ تصور ہمارے ذہنوں کو ابھی تک حاصل نہ تھا نہ ہی ہو سکتا تھا کہ فقیری میں چوری کے بعد بھی فقیر رہ سکتا ہے۔ یہ حالات سنکر ہم پر حیرت طاری ہوئی کہ شیر و خود تسلیم کرتا ہے کہ میں نے چوری کی اور پھر چند دنوں کے مسلسل نماز ادا کرنے اور درود شریف پڑھنے سے اس کا مشاہدہ برابر جاری ہے اور وہ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ اور پیر اس حال میں بھی اس کی نگرانی کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ سلسلہ اولیہ کی خصوصیات ہم پر واضح ہوتی گئیں۔ یہ زمانہ تھا جب قبلہ عالم ایک دوبار راجہ صاحب کی دعوت پر اسلام آباد تشریف لائے۔ یہ گھر انوار و تجلیات کا مرکز بنا رہا۔ اور اکثر لوگ یہاں آکر درود شریف کی اجازت لیتے۔ ادھر گلنار۔ پراکٹر انکشافات ہوتے رہے۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب بھی مشاہدہ رکھتے تھے۔ لیکن گلنار پر انوار کھلتے رہے۔ حضور قبلہ عالم نے اس سے فرمایا تھا کہ موقع بہ موقع تمہیں مراتب دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اس پر متواتر انکشافات شروع ہونے لگے۔ حضور قبلہ عالم خود بخود ظاہر ہو جاتے فرماتے تیار ہو جاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جایا جائے گا۔ پرہیز رکھو بغیر ارشاد کوئی چیز نہیں کھانی۔ تین دن یا چار دن یا دو دن کے لیے روزے رکھو۔ اقل تو ہوش میں مشاہدہ کرایا جاتا۔ لیکن طویل مراقبہ میں گلنار تھکن اور تکلیف محسوس کرتی۔ تو حضور سے عرض کرتی مجھے زیادہ دیر مراقبہ میں نہ رکھا جائے۔ میں تھک جاتی ہوں۔ درمیان میں وقفہ دیا جاتا۔ اس طرح وقت پورا کیا جاتا۔ متواتر مراقبہ کی وجہ سے گلنار تنگی محسوس کرنے لگی۔ اور مراقبہ سے کترانے لگی۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ پھر بھی مراقبہ جاری رہا کہ عین وقت پر اُسے غنودگی طاری ہو جاتی اور خود بخود مشاہدہ شروع ہو جاتا۔ اس طرح بھی گلنار تھکن اور بوجھ محسوس کرتی تو حضور سے التجا کرتی کہ بس کیجئے میں تھک جاتی ہوں۔ پھر حضور اس حال میں بھی وقفہ دیتے اچھا دس منٹ آرام کرو۔ اچانک غنودگی بہٹ جاتی۔ یہ مراقبہ بہتر پریٹ کر ہوتا۔ دس منٹ آرام سے سستانے کے بعد خود بخود غنودگی طاری ہو کر



گل نسار بیہوش ہو جاتی۔ اس عالم میں اسے عالم بالا کی منازل دکھائی جاتیں۔ دس منٹ مشاہدہ کرایا جاتا پھر وقفہ دیا جاتا دس منٹ گزرنے پر خود بخود ہوش میں آ جاتی۔ مراتب طے ہوتے تو کچھ دن وقفہ دیا جاتا۔ اور پھر اچانک حضور ظاہر ہو جاتے اور پھر مراتب کی سیر کے لیے حکم دیتے۔ اس عالم بے ہوشی میں مقامات ولایت طے کرائے گئے۔ ان میں سے بعض مقامات کی کیفیات کا ذکر گلنسا رہم سے کرتی اور بعض کا ذکر کرنے سے منع کیا جاتا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اور پھر جب شروع ہوا تو اب حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت شاہ لونگ سندھی ظاہر ہو کر اسی عالم بے ہوشی میں مراتب میں لے جاتے چونکہ یہ مقامات خالص تجلیات الہی سے معمور تھے۔ گلنسا ان مراتب میں مضمل ہو جاتی۔ اور حضرت خواجہ سے جھگڑتی کہ بس کیجئے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ کبھی عالم بے ہوشی میں گلنسا کی زبان سے الفاظ ادا ہوتے جو ہم بھی سن لیتے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصہ ہو کر کہتی مجھے فقری کی ضرورت نہیں بس مجھے چھوڑ دیں۔ اسی عالم میں ہوش آنے پر گلنسا نے بتایا کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ مجھے زبردستی مراتب میں لے جاتے ہیں۔ یہ مقام نورانی ہوتے ہیں اور سمندروں کی طرح سنہری سمندر اس میں غرق ہو جاتی ہوں اور میرا وجود گم ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ قرار ہوتا ہے تو حضور قبلہ عالم آتے ہیں اور مجھے توجہ دیتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بھی جھگڑتے ہیں۔ ایک بار حضور قبلہ عالم نے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصہ میں کہا ”بس کر نیک بخت“ اب چھوڑ دو اسے مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہنس کر ٹال دیتے۔ گلنسا کی ضد کے باوجود یہ سلسلہ مراتب اسی طرح کافی مدت تک جاری رہا۔ کہ ایک مہینہ ایک وقفہ ہو جاتا پھر اچانک غنودگی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تین چار دن جاری رہتا پھر وقفہ ہو جاتا۔ آخر ایک وقت آیا کہ گلنسا پر جذب طاری ہونے لگا۔ کہ خود بخود غنودگی طاری ہونے لگی اور انوار کا نزول مستقل شروع ہوا۔ یہ نزول مسلسل جاری رہنے لگا۔ صرف رات کھانے کے وقت فرصت ملتی۔ باقی دن کسی وقت اتنی مہلت ملتی کہ کچھ کھانے کی ضرورت ہوتی۔ اس کے علاوہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ غنودگی مسلسل رہنے لگی۔ ان دنوں میں بھی یہیں پر تھا۔ پہلے تو مجھے خوشی تھی کہ گلنسا کے تمام مراتب



ملے کرادیے گئے مگر اب متواتر غنودگی سے میں بھی گھبرا گیا۔ خیال ہوا کہ اس حالت سے حضور قبلہ عالم کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ قدرت کا کرنا کہ اچانک حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ آپ نے اچانک دادا پیر صاحب کی زیارت پر جانے کا ارادہ کیا۔ محترمہ مائی صاحبہ اور بچے لے کر سرینگر راجہ علی اکبر خان فارسیٹر کے گھر چھوڑ گئے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو ساتھ لے کر دادا پیر صاحب کے آستانہ پر جاتے ہوئے اسلام آباد راجہ صاحب سے ملنے کی غرض سے یہاں اترے ہمیں معلوم ہوا تو راجہ صاحب نے گھوڑا بھیج دیا۔ آپ گھر تشریف لائے۔ میں نے گلنار کی حالت بیان کی۔ آپ گھبرا گئے۔ آکر دیکھا تو مجھ سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے قبل از وقت ہمیں باخبر کیوں نہ کیا۔ فرمانے لگے۔ اس پر جذب طاری ہو رہا ہے۔ ”یہ منازل با زیدی“ سے گزر رہی ہے۔ فرمایا اگر چند دن اور یہ حالت رہی تو یہ مجذب ہو جائے گی۔ حضور نے توجہ دی تو جذب ہٹ گیا۔ گلنار سے کیفیات دریافت کیں اس نے تمام حالات بیان کیے۔ حضور نے فرمایا ہم ابھی جا رہے ہیں ہم ٹھہر نہیں سکتے۔ ہم کو پیرخانہ عالیجاہ حضرت سید نور الزمان شاہ صاحب کے روضہ پر پہنچنا ہے۔ لہذا تم جلد از جلد سری نگر چلی جاؤ اور محترمہ مائی صاحبہ کے پیش ہو جاؤ۔ تاخیر نہ کرو۔ ورنہ جذب غالب آجائے گا۔ حضور تھوڑی دیر قیام کے بعد رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن گلنار سری نگر کے لیے تیار ہو گئی۔ اس کے ہمراہ راجہ اصغر خان۔ عبدالمجید خان بھی روانہ ہوئے۔ اسی روز دوپہر کے قریب ہم سری نگر محکمہ چھتہ بل راجہ علی اکبر خان کے گھر پہنچے۔ گلنار کو محترمہ مائی صاحبہ کے پیش کیا۔ آپ نے توجہ دی اور تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ تو گلنار سے جذب ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت بحال ہو گئی اور ہوشمند ہو کر چلنے پھرنے لگی۔ اس نے محترمہ مائی صاحبہ سے تمام واقعات بیان کیے۔ انہوں نے بتایا کہ خوش قسمتی ہے کہ پیر صاحب پہنچ گئے۔ ورنہ تمہارا جذب سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اب تم خود مراقبہ کی۔ کوشش نہ کرو۔ محترمہ مائی صاحبہ نے صرف اجلاس اول تک مشاہدہ رکھا اور اس کے اوپر مشاہدہ بالکل بند ہو گیا۔ تیسرے دن حضور قبلہ عالم پیرخانہ سے واپس تشریف لائے۔ گلنار نے کہا۔ حضور عجیب بات ہے ادھر آپ ہی نے یہ سلسلہ جاری کیا اور آپ نے چھوڑا تو حضرت خواجہ اولیس قرنیؒ اور شاہ لونگ سندھی صاحب سیر کراتے رہے۔

یہ ان ہی کا منصوبہ تھا۔ تب پیر صاحب نے فرمایا مگر اس میں نور الدین کی مرضی بھی شامل تھی۔ وہ بھی اس سلسلہ میں زور دیتا رہا۔ اگر وہ پیشتر ہمیں آگاہ کرتا تو ہم ظاہراً اس منصوبہ کو روکنے کی تدبیر کرتے کیونکہ ظاہراً لگ عمل ہے اور باطن لگ عمل کرتا ہے۔ وغیرہ۔ حضور نے فرمایا شکر ہے کہ ہمیں قدرت نے بروقت پہنچایا ورنہ تم قطعی مجذوب ہو جاتیں۔ اس طرح گلنار کو منازل فقر کی تمام منازل ملے کہ اے ذات الہی کے قرب تک ولایت کی تکمیل کرادی گئی۔ حضور قبلہ عالم تیسرے دن واپس مگر تشریف لے گئے اور ہم بھی بخیر و عافیت ہفتہ تک واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔ اس کے بعد گلنار پر کسی قسم کا جذب طاری نہ ہوا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا کہ آسمان چہارم تک تمہاری رسائی ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔ وہ تو بند ہو گیا۔ کہنے لگی پہلے تو ایسا ہی ہوا۔ محترمہ ماں صاحبہ نے تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ میں نے کوشش کی تھی دیکھوں اب آگے مشاہدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر آگے نہ جاسکی پھر ایک دن رات مجھے کسی امر کے لیے ضرورت پڑی تو میں نے مَبْنَعَانَ الْفَادِی مَنْ يَشَاءُ سُبْحَانَ الْعَفْوَ الرَّحِيمِ کا وظیفہ پڑھا۔ تو آسمان چہارم تک مشاہدہ کھل گیا تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ فرمایا تم نے اپنا راستہ یہاں تک بنالیا۔

گلنار کا محدود مشاہدہ آسمان چہارم تک جاری رہا۔ کبھی چاہا تو سات آسمان عرش۔ جنت تک بھی سیر کرتی رہی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر اسی طرح جاری رہا اور وہ اپنے مراتب میں کامل۔ اکمل صاحب مشاہدہ رہی۔ بلاشبہ یہ واقعات عام عقل کے احاطہ میں نہ آنے والے ہیں۔ ایسے واقعات پر یقین کرنا عام عقول کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ طریقت سے تعلق رکھنے والے۔ بلا دلیل ایسے واقعات پر یقین کر سکیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو بظاہر طریقت کے آداب و اصول سے بھی مطابقت نہیں رکھتے کہ ایک شخص گناہ کا مرتکب ہو۔ اور پھر بجائے مواخذہ کے اسے انعام دیا جائے۔ گناہ ہوتے ہوئے بھی مسلمان ہونا کجا یہ تو قطعی خلاف شریعت امر ہے۔ ایسے شخص کا فقیر یا دل ہونا قطعی ممکن نہیں۔ ہاں یہ امر ضروری ہے کہ یہ واقعات طریقت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بیان کیے گئے ہیں



جو لوگ طریقت کے اسرار سے آگاہ نہیں ان کے لیے ایسے واقعات کا تسلیم کرنا ضروری بھی نہیں تاوقتیکہ وہ طریقت میں داخل ہو کر اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں یا انہیں شاہد حاصل ہو۔ اور شریعت تو کسی طرح ایسے واقعات کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ بغیر شریعت کی تکمیل کے طریقت کا حصول بھی ممکن نہیں لیکن جو واقعہ اپنی اصل کے ساتھ رونما ہو۔ اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چشم دید واقعات ہیں جو سننے والے کے لیے ناقابل تسلیم ہیں لیکن جو ان واقعات کے شاہد ہیں ان کے لیے عدم تسلیم کی گنجائش نہیں۔ ان کے لیے یقین کرنا لازمی ہے۔ البتہ ان حقائق و واقعات کو تسلیم کرنے کا ایک واحد طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس ہستی کی یہ سوانح بیان کی جاتی ہے اس کی شخصیت کو پہچانا جائے کہ وہ شخصیت کیا۔ اور کیسی ہے؟ اس کے لیے منبع حقیقت — خالق طریقت — حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ — اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت — اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی صفت ولی الہی اللہ کے دوست اور محبوب کی نسبت و اتباع کسی شخص کو محبوبیت کا مقام حاصل ہونا — کسی شخص کی اولوالعزمی۔ ایسے واقعات کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور قبلہ عالم کو وراثت اویسی میں یہ مقام حاصل تھا کہ **وَقَدْ دَنِي وَاعْطَانِي سُؤَالِي**۔ (قصیدہ غوثیہ میں حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ایک شعر ہے) — وراثت قادری — نسبت قادری سے آپ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں اعزاز حاصل تھا کہ آپ کے مریدوں سے ان کے گناہوں پر یا لغزشوں پر باز پرس نہ ہوتی بلکہ حضور قبلہ عالم کے طفیل انہیں مراتب سے بھی گرایا نہ جاتا — یہ تو ایک مولیٰ دلیل ہے۔ اس کے سوا ایسے واقعات کا ظہور و اظہار جس زمانہ میں جن لوگوں سے ہوا وہ خود اس امر کی شہادت ہیں جو اظہار من الشمس ہے جن میں خصوصی طور پر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی۔ جنہوں نے کسی لالچ یا غرض کے بغیر اسلام قبول کیا۔ اور پھر حضور کی غلامی قبول کی۔ ان کی ولایت ہر عام و خاص نے تسلیم کی۔ ان کے علاوہ بعض غیر مسلم ہندو دوست اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس صحیفہ میں آئے

گا۔ اور وہ لوگ خود بھی شاہد ہیں جن پر یہ وارداتیں گزریں۔ ان میں شیرافسر ڈاکو۔  
شیر و سائیں اور گلنار بیگم دختر راجہ علی اکبر خان صاحب اور خود راجہ صاحب ایسی ہستیاں  
ہیں جن کی شہادت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ واقعات تقسیم ہند و پاکستان سے قبل کے ہیں۔ یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم کی علاقہ  
کو بہتان مظفر آباد میں شہرت عام ہو چکی تھی۔ جہاں کثرت سے لوگ سلسلہ اولیہ میں داخل ہو  
گئے تھے۔ اکثر اوقات حضور قبلہ عالم علاقہ چکار (مظفر آباد) میں راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار  
کے گھر تشریف لاتے اور یہ خاندان سلسلہ اولیہ کا مرکز بنا رہا۔ جہاں اس خاندان کے خاص افراد  
خصوصاً گلنار بیگم۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب کی وساطت سے بھی سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک  
کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ اور ایک نئی مملکت پاکستان وجود پذیر ہوئی۔ اس  
زمانہ میں کشمیر پر بھی یلغار ہوئی اور کشمیر بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس سانحہ کے بعد کشمیر کے  
دو حصوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو گئی۔ یہ حد فاصل حضور قبلہ عالم اور علاقہ مظفر آباد  
کے مریدوں اور اس جاگیردار خاندان کے درمیان آپس کی ملاقات و تعلقات میں سد راہ  
بنی۔ اس کے بعد حضور کو مظفر آباد آنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن سلسلہ اولیہ کا اجراء  
اس کے بعد بھی یہاں ہوتا رہا۔

فساد کشمیر کا زمانہ تھا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب بعض حملہ آوروں کی بے ضابطگیوں  
کی وجہ سے کشمیر پر حملہ کے خلاف ہو گئے۔ آپنے حملہ آوروں کی غلط کاری پر شدید نکتہ چینی  
اور مخالفت کی جس کے نتیجہ میں انہیں شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ راجہ صاحب  
حضور قبلہ عالم کی ذات سے بید عقیدت رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں بیعت سے قبل  
آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں تھے۔ اس کے ساتھ آپ  
مسک اہلحدیث رکھتے تھے۔ اس عقیدت و مسک کے باوجود آپ کثرت سے شراب نوشی  
کے عادی تھے۔ لطف یہ ہے کہ اس حالت میں بھی روزہ۔ تہجد کے ہمیشہ پابند رہے۔ حضور  
سے بیعت کے بعد آپ کی حالت یکسر بدل گئی اور خالص اہل طریقت مومن بن گئے۔  
چنانچہ آخری دور میں فساد کے درمیان آپ نے کئی پیشگوئیاں کیں جن میں ہندوستان کی ریاستوں



پر بند وڈوں کا ناجائز تسلط۔ حیدر آباد پر بھارت کی یلغار۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات  
 اور کشمیر پر حملہ آوروں کا کشمیر چھوڑ کر واپس آنا۔ ان واقعات کا آپ نے برملا اظہار کیا۔  
 غالباً ۱۹۴۸ء کا زمانہ تھا۔ آپ نے اپنی وفات کی پیشگوئی کی۔ آخر وقت آگیا۔ آپ نے  
 اپنی موت کے متعلق وقت کا تعین بھی کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اشارہ بتایا کہ ہمارا وقت  
 قریب آچکا ہے۔ اس کے متعلق گلنار کو بھی اطلاع دی گئی جو خواب کی صورت میں تھی۔  
 گلنار نے تائید کی کہ مجھے والد صاحب کی وفات کے متعلق خواب میں بتایا گیا۔ ابھی کشمیر  
 کی جنگ جاری تھی۔ آپ علیل ہو گئے۔ عزیزوں نے علاج کے لیے ڈاکٹر کو بلوایا۔ لیکن  
 راجہ صاحب نے دوا استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے عزیزوں۔ بیٹوں کو بلا کر ہر  
 معاملہ میں وصیت و نصیحت کی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ۔ آپ صحت مند ہیں۔ آپ پر کسی بیماری  
 کا عارضہ نہیں۔ ابھی ایک دن آپ کی وفات میں باقی تھا کہ۔ آپ کی زبان سے چند پراسرار  
 الفاظ ادا ہوئے۔ اسی وقت زبان بند ہو گئی۔ اور غنودگی طاری ہوئی یعنی سکرات الموت  
 طاری ہوا۔ اسی عالم میں آپ عالم جاوداں کی طرف رخصت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا  
 اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بلاشبہ راجہ علی اکبر خان صاحب کی شخصیت ہمارے پیر اکمل حضرت محمد امین  
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک واضح دلیل تھی۔ آپ دعویٰ کرتے تھے کہ کشمیر کے پیر دنیا  
 میں ایک۔ اور اکمل ہیں۔ وہ ہمارے مددگار اور رہبر ہیں۔ اور مجھے فخر ہے۔  
 کہ میں ان کا مرید ہوں۔ میں فقیر ہوں۔ اور فقیر ہو کر مروں گا۔ آپ کی فقرانہ ہیئت  
 یہ تھی کہ آپ اپنے پیر پر کامل یقین رکھتے تھے۔ آپ کے مشاہدات میں ذرہ بھر فرق نہ پایا۔  
 جاتا۔ آپ کی خوابیں یکسر رویائے صادقہ ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ میرا چشم دید ہے۔  
 جو بظاہر معمولی سا ہے۔ لیکن راجہ صاحب مرحوم کی عقیدت کا ایک عجیب مظاہرہ ہے۔ یہ  
 ان دنوں کا ذکر ہے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے درمیان کسی بات پر نزاع پیدا ہوا تو وہ  
 بمقام گلنار۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب۔ راجہ حمید خان۔ اپنے گاؤں موضع نرگولی مکان  
 میں آ گئیں۔ ان دنوں حضور قبلہ عالم نے مجھے صلح کے لیے ان کے ہاں بھیجا۔ میں ان دنوں  
 والدہ گلنار صاحبہ کے پاس نرگولی میں مقیم تھا۔ ایک رات اچانک راجہ صاحب اپنے چچا زاد

بھائی راجہ زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ اسی مکان کے ملحق ان کا اپنا مکان بھی تھا۔ جہاں والدہ گلنار صاحبہ وغیرہ قیام رکھتے تھے۔ راجہ صاحب کی آمد کی خبر سن کر شیر افسر ڈاکو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد راجہ صاحب نے شیر کو بلایا۔ شیر و حاضر ہوا تو شیر و سے کہا شیر و تم تمام داستان سناؤ جو میں نے خواب میں دیکھی ہے۔ راجہ صاحب کہنے لگے۔ کہ ہمارے مخالفین ہم پر طنز کرتے ہیں کہ ہم فقیر نہیں اور کشمیر والے پیر صاحب بھی معمولی فقیر ہیں۔ شیر و آج تم ساری داستان یہاں مجلس میں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ مراقبہ کرو اور بتاؤ کیا واقعہ ہے۔ شیر و نے مراقبہ کیا اور ساتھ ہی بتانا شروع کیا۔ حضور قبلہ عالم مکان کی جنوبی سمت ٹیلے پر کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ سے فرما رہے ہیں۔ کہ فلاں شخص (اس کا نام کھنے سے مصلحتاً گریز کیا جاتا ہے) آپ کے کھیت سے شلغم چرا کر لے گیا۔ وہ شخص پروردہ ہے۔ اس سے مواخذہ نہ کریں۔ نہ اس سے ناراض ہوں۔ اس کی مدد کریں۔ راجہ صاحب جوش میں آئے اور پکار کر کہا۔ خدا کی قسم شیر و نے سچ بتایا۔ یہی واقعہ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ بنو لوگو! ہمارا پیر ہماری ہر چیز پر نظر رکھتا ہے۔ جب دنیا میں ہماری خبر گیری کرتے ہیں تو ہم نے آخرت کا سودا کیا ہوا ہے۔ انشاء اللہ وہ آخرت میں بھی ہماری مدد کریں گے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ ان کے مکان کے قریب کھیت میں شلغم لگائے تھے۔ صبح پشیا ب کرنے کھیت میں گئے تو ایک جگہ ایسی لگی جیسے کسی نے شلغم نکالا ہے۔ آپ بہت ذہن رسا رکھتے تھے۔ ساتھ ہی شک گزرا کہ واقعی کسی نے شلغم نکالا ہے اور وہ فلاں شخص ہے۔ اس کو ملایا اور پوچھا کہ تو رات شلغم چرا کر لے گیا۔ اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسا کام نہیں کیا ہے۔ خیر اس کے انکار پر خاموش ہو گئے۔ اسی رات میں نے خواب دیکھا۔ دیکھا پیر صاحب ایک ٹیلے پر کھڑے ہیں فرمانے لگے ہم کسی خاص کام کے لیے آئے ہیں۔ اور مجھے ایک راز کی بات بتانی جس سے میں بے خبر تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا فلاں شخص شلغم چرا کر لے گیا مگر آپ اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اس کی حالت اچھی نہیں۔ اس کی مدد کریں۔ صبح میں نے اس شخص کو دوبارہ بلایا۔ گاؤں کے قریبی رہنے والے لوگ بھی وہاں موجود۔ میں نے شخص مذکورہ کو برا بھلا



کہا کہ شلغم لینا تھا تو گھر سے مانگ کر لیتا۔ اور جو ضرورت تھی وہ بھی لیتا۔ اس طرح چوری کیوں کی۔ اس نے پھر انکار کیا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے پیر صاحب نے خواب میں آکر بتایا اور یہ جگہ میں نے خواب میں بھی دیکھی۔ تو نے بھی پیر صاحب سے بیعت کی ہے سچ بتاؤرنہ میں قرآن سر پر رکھوں گا۔ اس نے مذمت سے سر جھکایا اور اقرار کیا کہ میں نے رات کو شلغم نکالا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آجکل آپ ناراض تھے۔ میں سمجھا کہیں آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ اس لیے چونکہ ”سرکار“ گھر میں نہ تھیں۔ میں آپ سے مانگنے کی جرأت نہ کر سکا۔ کہتے ہیں کسی مغل شہزادی کو دیوان حافظ پر پورا یقین تھا۔ ایک دن شہزادی کا جواہرات کا ہار چوری ہو گیا۔ تلاش کرنے پر نہ ملا۔ آخری رات اپنی کینزوں کو اکٹھا کر کے دیوان حافظ سے فال نکالی تو اس میں یہ شعر تھا۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

شہزادی نے یہ شعر پڑھ کر فوراً چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے کینز کا ہاتھ پکڑ لیا اور مطالبہ کیا کہ فوراً ہار واپس کر دے تو میرا ہار چرا کر لے گئی ہے۔ اس نے اقبال کر کے ہار واپس کر دیا۔ یہ تو مجازی عقیدہ ہے۔ یہاں تو حقیقی مشاہدہ سامنے آتا ہے۔ کہنے کو بات معمولی ہے مگر صاحب بصیرت کے لیے حقیقت تسلیم کرنے کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔

خدا گواہ ہے اس سوانح کی تحریر و بیان میں ذرہ بھر بھی مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا۔ نہ ان واقعات میں سلسلہ کی خوبیاں بیان کرنا مقصود ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک اولوالعزم ہستی کی نسبت اپنے چشم دید واقعات بیان کر کے طریقت کی اصل کا اظہار کرنا ہے۔ کیونکہ طریقت حقیقتاً مشابہات سے متعلق ہے جس کے لیے عام انسان کے لیے دلیل حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے اس کے طریقت سے تعلق اسول و ضوابط کے تحت طریقت کے طریقہ پر عمل کر کے طالب علم۔ عامل سے ایسے واقعات و مشاہدات کے بیان و اظہار ہی دلیل میسر آ سکتی ہے۔ جس کے لیے وقت پر سلسلہ اولیہ کے ایسے ہی مریدوں کی شہادت

دلیل ملتی رہی۔ جسکے حق ہونے میں ذرہ بھر شک و فریب کی گنجائش نہیں۔ میرے چشم دید واقعات میں گل نسارہ گیم کے مشاہدات ایسے ہیں جیسے دن کی روشنی میں سورج کے وجود کا یقین کرنا ہے۔ یہ میرا ابتدائی زمانہ تھا۔ جبکہ میں طریقت میں مبتدی کی حیثیت رکھتا تھا۔ گلنساہ کے ابتدائی مشاہدات سے میں خود بے خبر تھا۔ چنانچہ اس وقت میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور دریائے توحید سے علاوہ جو کچھ اس کے مشاہدات میں آتا تھا ساتھ تحریر میں لاتا۔ اور جب گل نسارہ نے ایک ہفتہ میں آسمان ششم تک سیر کی تو میں نے ہر آسمان کی کیفیت ساتھ ساتھ قلمبند کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں میں پاکستان آیا۔ یہاں میں نے ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دوپہر کو بستر پر لیٹا تھا۔ میرے پاس معراج نامہ پڑا تھا۔ میں نے ویسے ہی بے خیالی میں کھول کر اس کے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ اچانک آسمان سوئم کے بیان میں میں نے یہ وظیفہ پڑھا۔ سُبْحَانَ اللَّهِ الْكَرِيمِ سُبْحَانَ نُورِ الْمُبِينِ سُبْحَانَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حِرَانِ لِي كَالْعَالَمِ میں اٹھ بیٹھا۔ ورق الثانی تو پھر آسمان چہارم کے بیان میں یہ وظیفہ لکھا نظر آیا۔ سُبْحَانَ الْهَادِي مَنْ يَشَاءُ سُبْحَانَ الْغَفُورِ الرَّحِيمِ شدت حیرت سے میں باہر صحن میں نکل آیا۔ اور معراج نامہ کی ورق گردانی شروع کی تو میری عقل کچھ سوچنے سے جواب دے گئی۔ دیکھا تو ہر آسمان کی وہی کیفیت وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سوئم میں مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آسمان چہارم میں مقام حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان اول میں قیام و حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمان ششم میں قیام اور ہر آسمان میں ملائکہ کا قیام اور ان کے سردار اور ملائکہ کا قیام۔ بالکل بالیا ہی۔ جیسا گلنساہ کے مشاہدہ میں آیا۔ خیال ہوا کہ اس معراج نامہ کا مصنف کوئی ولی ہوگا۔ جس نے مراتب کی نشاندہی کی ہوگی۔ غور سے سرورق پڑھا تو اس پر صاف تحریر تھا۔ معراج نامہ قادر یار یعنی یہ معراج نامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کی سیر میں آئے ہوئے مقامات تھے جو قادر یار نے اشعار میں بیان کیے اور اس کا ماخذ اس نے معارج النبوت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج روحانی و جسمانی) سے بیان کیا۔ کہ یہ تفصیل ”معارج النبوت“ یعنی حضور کے معراج کی احادیث کی سند سے حاصل کیے گئے مشاہدات و



واقعات تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میں ایک طویل عمر۔ ایک طویل راہ طے کر کے آیا ہوں۔ گویا اس انکشاف میں اسی آن مجھ پر حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت عیاں و واضح ہو گئی۔ جیسے مجھ پر اس حقیقت کے تمام آثار کھل گئے۔ کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حیثیت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حیثیت کیا ہے۔ جہانی حیثیت کیا ہے۔ نبوت کی حیثیت کیا ہے۔ رسالت کی حیثیت کیا ہے۔ مجھے اَوَّل مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرٍیٰ کی واضح تفسیر نظر آئی۔ اس حقیقت کے انکشاف نے مجھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کی جرات دلائی۔ اسی دن سے میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا شروع کر دی۔ قرآن کھولا تو یہ آیت میرے سامنے آئی۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْطَّہِیْمِیْنَ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳) اور اسی آیت پر میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کی۔ جس حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و حقیقت محترمہ گل نثار کے مشاہدات پر ہی بیان کی گئی کہ قرآن نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرح اشارہ کیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس بمنزلہ روح ہے جو ایک آن میں رُشَلِ نور (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچا۔ اس خاصیت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس۔ روح (نور) کی خاصیت کا حامل ہے۔ یہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی نوری ہئیت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ ایک ولی اپنی روح رحمانی رُوْنَفَحَتْ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ سے مقامات معرفت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ انہیں مقامات معرفت (زمین۔ جسم سے آسمان۔ تا ذات الہی) کا مشاہدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے جسم اقدس (جسم بشری) سے کیا۔ گویا۔ ایک ولی کی روح رُوْحِ رحمانی۔ نور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس۔ ایک ہی مرکب و کیفیت سے تخلیق ہوا۔ اس کی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ہر انسان (از آدم علیہ السلام تا انسان آخر قیامت) میں دو روحیں موجود ہیں۔



ایک رُوح۔ رُوح حیوانی سے موسوم ہے۔ جس رُوح سے انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ رُوح صرف انسانی۔ زندگی۔ حرکت و عمل کے لیے مخصوص ہے۔ اسی رُوح پر انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ رُوح قرآنی بیان وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں شامل نہیں۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں قبل از نفخ رُوح موجود تھی۔ جس سے سوالہ۔ سوئی کے ذریعہ انسانی جسم کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد اللہ نے خصوصی بیان کے متعلق فرمایا وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ یہ رُوح تکمیل آدم۔ تکمیل انسانی پر نفخ کی گئی۔ اس حال میں کہ اس رُوح کا جسم انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک اضافی رُوح ہے جو فی الْأَرْضِ خَلِيفَةٌ زمین کے مرکب سے نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص اضافی رُوح ہے۔ حقیقتاً اگر یہ رُوح زمین کے مرکب (MATERIAL) سے نہیں۔ تو اس کے مقام و عمل کے اعتبار سے۔ یہ ایک مخصوص نور کی جز۔ تخلیق کائنات کے عمل میں۔ نورِ اول۔ نورِ ابتدائی سے لی گئی ہے۔ یہ رُوح (نور) آدم علیہ السلام میں صرف معرفت و مشاہدہ کے لیے۔ ملائکہ سے افضل ہیئت میں ودیعت کی گئی ہے۔ غرض انسان اپنی خلقت (تخلیق) میں دو رُوحوں سے مرکب ہے ایک رُوح جسمانی۔ جسے رُوح حیوانی۔ متحرک کرنے والی کہا جاتا ہے۔ انسانی جسم کو حرکت و زندگی دینے والی۔ دوسری۔ صرف مشاہدہ و علم حاصل کرنے والی۔ جسے رُوحِ رحمانی۔ یعنی وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ یعنی ”رُوحی“۔ نورِ محض کی جز یا MATERIAL کہا جاتا ہے۔ اِذَا اللّٰهُ تَعَالٰی کے تخلیقی منصوبہ میں اِنِّیْۤ اَبْعَثُ فِي الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ کی خصوصیت اسی رُوحِ رحمانی کے ودیعت سے واضح ہے۔ اس امر سے ثابت ہے کہ اِنِّیْۤ اَبْعَثُ فِي الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بیان میں اِنِّیْۤ اَبْعَثُ بَشَرًا مِنْ طَیْنٍ کے بیان میں وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اسی نوری رُوح کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس سے انسان میں۔ ہر انسان کی تخلیق میں۔ دو رُوحیں مرکب کی گئی ہیں۔ یہ دونوں رُوحیں حضرت آدم علیہ السلام۔ انسانِ اول سے۔ قیامت کی آخری پیدائش انسانی میں۔ ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ہاں مخلوق انسانی میں۔ ہر مخلوق۔ ہر انسان۔ خواہ رسول و نبی ہو خواہ عام انسان۔ بغیر تخصیص ہر انسان میں دو رُوحیں



موجود ہیں۔ البتہ تخلیقی عمل میں ترتیب و ترکیب پیدائش میں کسی مقام پر فرق ہے۔ وہ اس قرآن کی آیت کے بیان سے واضح ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ  
مَّهِينٍ ۖ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ  
السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ رِپَارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷ تا ۹

ترجمہ: بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بھتی مٹی اور لیسدار گارے (کیچڑ) سے۔ پھر دوسری ترتیب میں۔ اس انسان کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ پھر اسے انسانی جسم و ہیت سے سنوارا یہ کہ اس کے اعضا میں قوی آنکھیں اور کان اور دل و دماغ بنائے۔ اس کے بعد رجب یہ مکمل انسانی ہیت پر پہنچا تو اس میں اپنی نوری روح و دلیت کی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق چار نوع کی بنائی۔

الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

یعنی انسانی وجود کی ابتداء نفس واحد۔ ایک ذرہ (CELL) سے ہوئی۔ وَخَلَقَ مِنْهَا ذَوْجَهَا۔ اسی ذرہ (CELL) سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر انسانی تخلیقی ترتیب میں ایک نئی ترکیب اختراع کی کہ

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَدَارٍ مَّكِينٍ - پارہ ۱۸ - سورہ ۲۳ - آیت ۱۳

عورت (ذو جہا) کے پیٹ سے ایک انسان کو پیدا کیا جس کی ترتیب و ترکیب میں وضاحت کی۔

خَلَقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۖ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۗ

پارہ ۳۰ - سورہ ۸۷ - آیت ۶-۷

اس کی ترتیب عورت مرد کی مباشرت سے ایک انسان پیدا کیا۔ اور یہی ترتیب تمام مخلوق انسانی کے لیے مقرر و مخصوص کی کہ عورت مرد کی مباشرت سے۔ نسلی طور ایک انسان پیدا کیا۔ پھر اس ترتیب میں ایک اصنافی ترکیب شامل کر دی وہ یہ کہ بجائے حَمَلًا مَسْنُونًا لیسدار کیچڑ کے اور نسلی ترتیب کے۔ خالص نور سے بنایا۔ اس حال میں کہ نسلی حیثیت میں اس کا بنیادی مرکب (MATERIAL) (ناری روح حیوانی) قوت سے اس کا وجود خاکی







اے آدم تم اپنے زوجہ جوڑے۔ عورت مل کر زمین پر رہو۔ تو اسی جوڑے کے اختلاط — مباشرت سے ایک انسان مرد عورت خَلَقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ یَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ — سے بنا۔ اس ترتیب میں انسانی وجود کا مرکب (MATERIAL) خود انسان کے جسم۔ مادہ منویہ — جو اصل روح حیوانی کا — ناری اور خاکی مرکب ہے۔ جو مرد عورت کے مباشرت سے ماں کے خون (حمارینون) سے نشوونما پا کر انسانی ہئیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جسمانی وجود ناری روح سے تخلیق ہوتا ہے — یہ روح تاثر میں ناری — خاکی — اور — روح حیوانی سے تشبیہ ہوتی ہے۔ گویا یہ انسانی وجود نسلِ آدم سے ناری روح سے تخلیق ہوا — اس کے بعد کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی تخلیقی ترکیب و ترتیب کا قرآنی حوالہ پیش کیا۔ جو ایک انسانی وجود کی نوری خاصیت کی حامل ہوتی ہے۔ اول تو اس ترتیب کا اشارہ مجملاً قصہ حضرت زکریا علیہ السلام میں بیان کیا۔

ذَكَرْتُ رَبِّكَ عَبْدًا ذَكِيًّا ۝ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَّلَوْ اَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَانِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتْ اُمْرَآئِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ یٰرَبِّیْ وَیْرِثْ مِنْ اِلٰی یَعْقُوْبَ قَدْ وَاٰجَعْلُهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝ یٰذَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ یَحْیٰی لَمْ یَجْعَلْ لَهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝

(پارہ ۱۶۔ سورہ مریم۔ آیت ۲-۷)

یعنی حضرت زکریا نے بڑھاپے کی حالت میں جب کہ حضرت زکریا اس عمر کے مقام تک پہنچے۔ کہ ان میں قوتِ نسل (نسل) ختم ہو چکی تھی۔ اور آپ علیہ السلام کی بیوی یا نجمہ تھی۔ اس حال میں اللہ سے ایک لڑکا (انسان) پیدا ہونے کی فہمِ لی — (وہی طور پر) قدرتِ کاملہ کی کرامت کے ذریعہ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا پیدا ہونے کی خواہش کی — تو اللہ نے اپنے نئے منصوبہ کی ابتداء کی یٰذَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ یَحْیٰی اے زکریا تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ آپ میں لڑکا (انسان) پیدا کرنے کی

نسل قوت باقی نہ رہی۔ تو میں یہ لڑکا نوری مرکب (MATERIAL) سے پیدا کروں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے استفسار کیا کہ اے اللہ اس لڑکے کے بغیر اسباب نسل پیدا ہونے کی ترکیب کیا ہے؟ کہ بغیر نسل کے ماں کے پیٹ سے انسان پیدا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کہا کَذٰلِكَ۔ اسی طرح یہ بغیر نسل مادہ کے۔ (نور سے) ایک لڑکا پیدا کروں گا۔ اس اعلان کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام کا انسانی شکل میں ظہور ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نئی ترتیب ہے کہ اللہ بغیر ذریعہ۔ بغیر نسل۔ بغیر اتصال۔ بغیر نفس و اجدہ کے ”نور“ سے ایک انسان پیدا کرتا ہے۔ اس حال میں کہ ایک طرف یہ انسانی شکل و ہیئت میں پیدا ہوا۔ دوسرا۔ نوری اعتبار سے قانونِ فطرت کے مطابق اس نور کا بنیادی مرکب زمین۔ نسل سے نہیں۔ بلکہ نور قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس نوری خاصیت کے وجود کی دلیل وضاحت سے اللہ تعالیٰ قرآن میں پیش کرتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلَى مَرْيَمَ وَدُخِيَ مِنْهُ  
سوائے اس کے نہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ نسلِ آدم سے (نسلِ بشر) نہیں۔ بلکہ  
اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص کردہ نور ہے جو حضرت مریم علیہا السلام میں نفخ کے ذریعہ بطن میں  
ڈالا گیا۔ جب کہ حضرت مریم علیہا السلام کی زبانی قرآن نے اس امر کی وضاحت کی۔  
قَالَتْ اَنِّیْ یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمَسَّسْنِیْ بِبَشَرٍ وَّلَمْ اَکُ بِغِیَاثٍ  
حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ میرے کیسے لڑکا ہو سکتا ہے۔ جب کہ میری شادی (نکاح)  
نہیں کہ بشری ترتیب پر لڑکا ہو۔ قَالَ کَذٰلِکَ کہ اللہ نے ایسے ہی بغیر نسل کے۔  
کیونکہ یہ میرے ارادہ ازل میں مقرر ہو چکا ہے کہ مخلوق انسانی میں اس نوع کی مخلوق  
بھی بناؤں۔

وَلِنَجْعَلَنَّ اٰیَةً لِلنَّاسِ۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا

اس لیے کہ ایسی پیدائش کو۔ بطور دلیل۔ ثبوت پیش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے  
بھی ایک پیدائش پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ امر میرے منصوبہ میں ازل سے طے  
ہو چکا ہے۔ فَتَفَحَّخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا پھر ہم نے حضرت مریم کے بطن میں ایک کلمہ ”ایک



مخصوص نور فسخ کیا۔ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بشری شکل و صورت میں پیدا ہوئے۔  
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوری نسل کو بھی شکل بشری میں دیکھا جاتا ہے؟ اس کی بشری حالت  
میں کہ اس پیدائش کی خاصیت بشری ہو؟۔ اس کے متعلق بھی قرآن نے قبل از وقت ایک  
آیت — ایک دلیل پیش کی کہ

فَاٰمَّا سَلْنَا اِلَيْهَا مُرْوَحْنًا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (سورہ مریم۔ آیت ۱۷)  
پھر ہم نے حضرت مریم کی طرف ایک ”روح“ ملائکہ بھیجا۔ جو اسکے سامنے بشری ہیئت میں آیا۔ تو  
حضرت مریمؑ نے کہا اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا اِسْ اَدَمَ نَابِشْرَہٗ السَّکِ  
پناہ مانگتی ہوں۔ کہ یہ نوری ملائکہ بشر (انسان) سمجھا گیا۔ مگر قرآن نے اس کی وضاحت کر دی۔  
کہ نوری وجود — نوری نسل — بشری شکل و صورت۔ اختیار کرنے پر خاصیت میں نوری ہوتا ہے۔  
اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ رَّبِّکَ وَاَنْتَ لَکِ عَلٰمًاۢنٌ کَبِیْرًا۔ (سورہ مریم۔ آیت ۱۹)  
میں بشری ہیئت میں ہوں۔ مگر میری خاصیت نوری ہے! میں نوری خاصیت کا ملائکہ ہوں۔  
تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے ایک نوری وجود (بشری شکل و صورت میں) پیدا کرنے والا ہے۔  
قرآن اس مفصل بیان میں آخر بتاتا ہے۔

اٰیۃٌ لِلنَّاسِ۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا یَہِ اَمْرًاۢنِیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً  
کے منصوبہ میں طے ہوا ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ایک انسان بغیر باپ کے بھی بناؤں گا۔  
تاکہ کسی کو یہ اعتراض یا بے خبری نہ ہو کہ اللہ ایک بشر کو نوری مرکب MATERIAL سے  
بنائے گا۔ جس میں نوری خاصیت ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس حال میں کہ قرآنی بیان پر غور و  
تحقیق سے — انسانی انواع و تخلیق سے ”نور“ — اور ”بشر“ کی صفات کا اندازہ کر سکے۔  
اس تخلیق پر ایک پیدا ہونے والے بشر کو ماں باپ کے ہوتے بھی نور سے پہچانا جاتا ہے۔  
الغرض انسانی تخلیق کے اس قرآنی بیان کا لب لباب — مقصد یہ ہے۔ وَلِنَجْعَلْکَ  
اٰیۃً لِلنَّاسِ کہ اس تخلیق کی ہر ”نوع“ کے لیے آثار و دلائل واضح ہوں کہ  
۱۔ اول تخلیق۔ ماں باپ کے بغیر انسان (بشر) پیدا کیا جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام  
بشری ہیئت میں پیدا ہوئے۔

۲۔ دوسری تخلیق۔ مرد اور عورت کے اختلاط (مباشرت) سے ماں کے لطف (رحم) سے جیسے تمام مخلوق انسانی۔ نسل اور بشری ہئیت میں پیدا ہوتی ہے کہ یہ بھی ایک تخلیقی عمل نوع انسانی ہے۔  
 ۳۔ تیسری تخلیق۔ بغیر باپ۔ ماں سے پیدا ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ جس کی بنیاد (رہنمادی MATERIAL) نور محض (نورِ عینہ) ایک نوری وجود سے — بشری شکل میں۔ نوری خاصات کا مرقع پیدا ہوا۔

۴۔ چوتھی تخلیق۔ ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے خالص نور سے۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام "فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا" یعنی۔ بغیر نسل قوت۔ قدرت کاملہ سے۔ جس کا سبب بھی "نور" ہی ہوتا ہے۔ ماں لب لباب — حاصل اس کا بشری ہئیت سے علاوہ۔ مخلوق انسانی میں "وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا" ارادہ ازی — ارادہ الہی میں۔

اسی قرآنی بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے منصوبہ ازی میں۔ جہاں ان انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی فضیلت عطا کی یہ حقیقتاً ایک امر واقع نہیں بلکہ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ ایک دلیل ہے۔ اصل امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو تمام مخلوق کائنات پر فضیلت عطا کرنے کے لیے بطور دلیل سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ۔ تَوَدَّعْنَا فَتَدَلَّى۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ پیش کیا گیا۔ کہ تخلیقی حیثیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء امام المرسلین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ فضیلت رکھتے ہیں۔ ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق بھی اسی نوع میں شامل ہے۔ کہ باپ (عبداللہ علیہ السلام) اور والد (حضرت آمنہ علیہا السلام) کے ہوتے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے مثل عیسیٰ علیہ السلام — ایک نور مخصوص ہوا۔ جو تمام انوار — رُوح حیوانی — رُوح رحمانی سے افضل قرار دیا گیا۔ یہی نور "الْقَهَّارُ إِلَىٰ أَمْنِهِ عَلَيْهَا السَّلَامُ" نفع نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس کا ظہور ہوا۔

واضح ہو کہ تمام مخلوق انسانی۔ بمعہ انبیاء کے جسم میں دو رُوحیں پائی جاتی ہیں (رُوح حیوانی) زندگی کی رُوح اور دُوسری رُوح رحمانی حصول علم کے لیے تخلیقی اعتبار سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح حیوانی — زندگی کی رُوح — چونکہ نسل نہیں بلکہ مخصوص نور ہے۔ آپ میں رُوح حیوانی نہیں بلکہ نور سے تخلیق ہوئے — اس لیے یہ نور مخصوص



اصلاً نورِ اول — نورِ ابتدائی۔ کائنات کی تخلیق کا نورِ اول ہے۔ جس نور کے ایک جُز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح انسانی (جسے رُوحِ حیوانی سے تشبیہ دیا جاتا ہے) تخلیق ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مقدس کے لیے وقف کی گئی اور اسی نورِ اول کی ایک جُز نورِ رُوحی جُز تخلیقِ انسانی میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے لیے مخصوص کی گئی۔ جو حضرت آدم راحمان کی رُوحِ رحمانی کے لیے اس میں جسم کی تکمیل پر نفخ کی جاتی ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) رُوحِ جہانی اور عام انسان کی رُوحِ رحمانی یکساں ہوتی ہیں۔ اسی تخلیق پر قرآن نے ”سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ“ کا اعلان کیا کہ جہاں مخلوقِ انسانی میں اولیاء اللہ دیدارِ الہی میں رُوحِ رحمانی سے دیدار و معرفت حاصل کرتے ہیں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس بھی نور سے تخلیق ہے۔ اس لیے اس معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ رُوحِ رحمانی جسم سے رسائی و دیدار کرتے ہیں اسی کیفیت کے لیے قرآن نے ”سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ“ اور ”ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی“ اور ”فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی“ کا بیان پیش کیا۔

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ قدسی کے مطابق اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ۔ وَخَلَقَ کُلَّ خَلْقٍ مِنْ نُورِیْ۔ اس کی حقیقی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کائنات کی تخلیق کے منصوبہ ازل میں جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا۔ اس کے سوا مخلوقِ حیثیت میں۔ مخلوقِ کائنات بنانے کی کوئی صورت میسر نہ تھی۔ کہ براہِ راست اپنی ذاتِ احدہ اپنے نورِ لا محدود و خالق سے مخلوق بننا ممکن نہ تھا۔ کہ کل مخلوق۔ مخلوقِ حیثیت میں۔ مخلوقِ ہستیت میں ظہور کرتی۔ سوائے اس کے کہ

لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر نورِ ابتدائی۔ اپنی ذات سے نہ بناتا تو مخلوقِ مخلوق نام سے مخلوق نہ بنتی۔ جس کے لیے۔ اپنی ذاتِ احدہ سے۔ اول ایک مخلوقِ نورِ ظاہر کیا۔ پھر اسی مخلوقِ نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کو مخلوقِ صورت میں پیدا کیا۔



اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ سَبَّحَ سَبَّحَ سے پہلے کائنات بنانے میں جو نور نور الہی — نور احد) سے ”جو“ بنایا گیا وہ میرے نام (نام مقدس) سے معروف ہے۔ اور آئندہ اسی نور سے کل کائنات بنائی گئی۔ ”بنی“ — اس نور کا نام — (جیسے عرش — گرسی۔ آسمان۔ سدرۃ المنتہی وغیرہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف ہوا۔ کہ اسرار کائنات میں جب ایک فرد معرفت الہی کی پہچان کرتا ہے تو کائنات — اسرار کائنات — میں ہر ہریت۔ ہر کیفیت میں اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی۔ میرا صلی اللہ علیہ وسلم ہی نور مشاہدہ میں آتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس محمدؐ پہچانا گیا (پایا گیا) یہ کائنات — اسرار کائنات — دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم — نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت خاتم النبیین سے تعبیر ہے۔ حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس (نور حبیبی) اسی نور اول کی ایک نورِ جز مقرر کی گئی۔ اور تمام مخلوق — تمام انبیاء کی روح رحمانی جس نے انہیں مقام نبوت حاصل ہوتا ہے۔ اسی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجزاء ہیں۔ جو روح وقت معراج میں ”شَمَّ دَنَا فَتَدَلَّی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی“ کے مقام پر جسمانی آنکھوں — جسم — سے اللہ کی ذات میں ”جذب“ ہوا — معراج (معراج جسمانی) سے تعبیر ہے۔

یہ حقیقت ہے۔ بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں کئی ایسے مرید ہیں جو محترمہ گلنار کی مانند معرفت و عرفان الہی کے مراتب کی سیر میں کامل اکمل صاحب عرفان پائے گئے۔ لیکن میرے اس صحیفہ میں تحریر و بیان میں جو ”نور العرفان“ کے چراغ پیش کیے گئے ہیں اس میں انہیں جیسے فقراء کے مشاہدات سے روشنی حاصل کی گئی ہے جس میں میری ذاتی کاوش و عمل کو دخل نہیں — میری حیثیت صرف راوی کی ہے — اس کے ہوا کچھ نہیں — اور مجھے فخر ہے کہ اس صحیفہ میں میں محترمہ گلنار اور دیگر مریدوں کے مشاہدات کو بطور دلیل پیش کرنے میں ایک واضح دعویٰ رکھتا ہوں کہ جو تلاش حقیقت کا طالب ہے۔ ان چند واقعات پر عقل سلیم کے ساتھ مطالعہ کرے تو اس کی ہدایت و راہنمائی کے لیے یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔



افسوس کہ زمانہ ہر حال میں فانی ہے۔ آج کی دلیل کل میسر نہیں آسکتی۔ حضور قبلہ علم کے مریدوں میں اکثر ایسے مخصوص فقیر حال میں موجود نہیں مگر یہ دعویٰ ہے کہ نور العرفان میں ان کے درج شدہ واقعات پر تسلیم کے ساتھ کوئی شخص سلسلہ اولیہ سے نسبت قائم کرے تو آج بھی (یہ آج) — ماضی — مستقبل میں بھی قائم رہے گا۔ اسے ایسے ہی مشاہدات اور مراتب کے اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ خاتون بھی موت کی وادی میں داخل ہو چکی ہے — والد کی وفات کا گلنار نے اپنے عزیزوں کے مقابلہ میں زیادہ اثر قبول کیا۔ آپ کو اپنے والد سے بے حد محبت تھی — اور پھر یہ زمانہ حادثات سے پڑھا۔ کشمیر میں فساد برپا ہونا۔ اس جنگ میں گلنار کو جن حادثات سے دوچار ہونا پڑا وہ حد درجہ دلخراش اور اندوہناک تھے۔ اس نے جنگ کے دوران کمزور اور معصوم عورتوں، بچوں کو تباہ حالت میں دیکھا۔ ان کی دہشت زدگی عصمت لٹی ہوئی پریشان حال معصوم لڑکیوں کی دہشت نے اسے دہشت زدہ کر دیا۔ وہ دنیا سے متنفر ہو گئی۔ جہاں اسلام اور جہاد کے نام پر مظلوموں پر ظلم ڈھائے گئے۔ یہ حادثات گلنار کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ پھر اپنے محبوب پیر سے جدائی میں ایک وسیع اور شدید حد فاصل نے اس کے قلب کو فراق کی آگ میں خاکستر کر دیا۔ والد کی وفات کے بعد وہ کچھ عرصہ زندہ رہی۔ اس کی شادی بھی ہو گئی۔ تین بچے بھی ہوئے۔ گلنار بیحد سنجیدہ۔ بردبار۔ مستقل مزاج۔ صابر اور دلیر لڑکی تھی۔ وہ حادثات سے ٹکرانے کی قوت رکھتی تھی۔ مگر اس کے سامنے جو حادثات آئے وہ ان کی ہولناکی کی متحمل نہ ہو سکی۔ وہ زندہ رہی مگر دنیا کی زندگی کو رسماً قبول کیا۔ یقیناً وہ ایک مومنہ تھی۔ جو کُتْمَنُوا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ کے مصداق — مومن کی طرح موت کی طلب میں زندگی گزارتی رہی۔ وہ دنیوی زندگی کے مقابلہ میں ہمیشہ آخرت کی زندگی کی طرف جانے میں کبھی خوفزدہ نہیں رہی — آخر اس نے موت پر فتح پالی — ابھی اس کی زندگی کے تقریباً تیس سال ہی گزرے تھے۔ اس کی ہمیشگی کی تنہا پوری ہو گئی — اس نے اپنے عزیز و اقربا۔ خاوند۔ اولاد کی محبت پر قابو پا کر موت کی طرف قدم بڑھایا اور دارِ آخرت کی طرف ہجرت کر گئی — آپ کو معمولی سی ہمیش شروع ہو گئی۔



آپ اپنے علاج میں ہمیشہ پرواہ رہیں۔ معمولی سی تکلیف نے طول پکڑا۔ علاج کیا مگر صحت نہ ہو سکی۔ عزیزوں نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کریں۔ گو وہ خود اس پر راضی نہ تھی۔ مگر عزیزوں اور بزرگوں کے اصرار پر مجبور ہو گئی۔ آخر اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کیا گیا اور پیٹ کا مرض السر تشخیص کیا گیا۔ ڈاکٹروں کے مطابق مرض چند دنوں میں رفع ہو کر مریض صحت یاب ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔ مرض مرض ہی رہا۔ آخر گلنار نے بتا ہی دیا کہ اب علاج ہی بیکار ہے۔ میں ہر حال میں جانا چاہتی ہوں۔ دوا پینے سے انکار کر دیا۔ چونکہ ہسپتال میں زیر علاج تھی۔ نرسوں نے دوا پینے پر مجبور کیا مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اب مرنے والی ہوں۔ مجھے تنگ نہ کرو۔ نرسوں نے کہا تم مسلمان لوگ وہی اور کمزور عقیدے کے لوگ ہوتے ہو۔ تکلیف میں طوالت ہوئی تو موت موت رٹنا شروع کر دیا۔ موت کا تو کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم نے مرنا ہے۔ گلنار مزاج کی بھی تیز تھی۔ ان کی اس بات کو برداشت نہ کر سکی۔ اور جلال میں آکر بولی میں مسلمان ہوں۔ مسلمان جب مرتا ہے تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے پاس آتے ہیں اور اپنے پاس لے جاتے ہیں۔ تم عیسائی ہو تمہارا مذہب سچا نہیں۔ اسلام سچا دین ہے۔ تم اسلام اور مسلمان کی حقیقت نہیں جانتے ہو۔ میرے رہبر پیارے ہیں۔ اور اس وقت میرے پاس ہیں۔ وہ مجھے لینے کے واسطے آتے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے بعد ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم خود ہی دیکھ لو گی۔ جاؤ اپنا کام کرو میرا علاج ختم ہو گیا۔ یہ سن کر زریں حیران ہو کر گلنار کو دکھتی رہیں۔ انہوں نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ ایک مریضہ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتی ہے میں مرنے والی ہوں۔ ڈاکٹر بھی گلنار کو دیکھنے آئے۔ گلنار نے انہیں بھی اسلام اور روحانیت پر چند حقائق بیان کیے اور اسلام اور عیسائیت کے متعلق واقعات سنائے تو ڈاکٹر بھی خاموش ہو گئے۔ آخر گلنار نے اپنے خاوند کو وصیت کی کہ بچوں کا خیال رکھنا اور اسے نڈگولی گاؤں (اس کے شوہر کے گھر) دفن کرنا اور بھی چند پیشگوئیاں کیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ آئندہ تم نے کیا کچھ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے کسی علیحدہ جگہ لے چلو۔ تنہائی میں میں نے تم سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ لیکن



اس کے شوہر نے غالباً اس خیال سے کہ کہیں ان باتوں میں اس پر کچھ ذمہ داریاں آجائیں جو اس سے پوری نہ ہو سکیں۔ تنہائی میں جانے سے ٹال گیا۔ گلنار سمجھ گئی مجبوراً خاموش ہو گئی۔ آخر وقت قریب آگیا تو گلنار نے اپنے شوہر سے کہا میری موت پر واویلانا کرنا۔ یہ بے عزتی ہوگی۔ صبر سے کام لینا۔ میرے جسم کو کسی کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔ اپنے عزیزوں کے سوا مجھے یہاں سے کوئی نہ اٹھائے۔ اور موت کے وقت میری آنکھیں اور منہ بند کر دینا۔ پھر کہنے لگی تیرے اوسان خطا ہو جائیں گے تو مجھے سنبھال نہ سکے گا۔ میں خود ہی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لوں گی۔ سب کو سلام اور دُعا کے بعد اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیے۔ آنکھیں بند کیں۔ خدا حافظ کہہ کر فوراً ہاتھ سینے پر باندھ دیے۔ بس! اتنے ہی لمحہ کی دیر تھی گلنار اپنے مقصد کو پا کر اپنے مقصد کو پہنچ چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

عمر خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ مت کہو ان لوگوں کو جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں مُردہ۔ بلکہ زندہ ہیں لیکن تم اس زندگی کو دیکھ نہیں سکتے۔ تَشْعُرُونَ کا اشارہ متشابہات کی وجہ سے ہے کہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔

وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يَبْعَثُونَ

بہنیں مشاہدہ رکھتے۔ نہیں علم رکھتے (کہ قیامت کے دن) کب اٹھائے جائیں گے۔ یہاں موت کے واقعہ کو بھی متشابہ تصور کر کے تَشْعُرُونَ کا اشارہ دیا گیا ہے۔ فی الحقیقت انسان پر وارد سکرات الموت۔ موت کی غنودگی میں اس کے عمل کے مطابق۔ خوبصورت۔ خوش آئندہ کیفیات کا مشاہدہ ایمان کی صورت میں۔ اور گنہگار کے لیے سکرات الموت کے وقت خوفناک مناظر اور تکلیفات انسانی علم سے باہر ہیں۔ اس لیے جبکہ سکرات الموت حق قرآنی بیان سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت سکر کی حالت یعنی غنودگی کے عالم میں باطنی کیفیات برزخ کا مشاہدہ حق ہے تو موت کے وقت دل پر ایسے انکشافات یقیناً حق ثابت ہوتے ہیں۔

حضور قبلہ عالم ولی اکمل۔ اور قطب الاقطاب کا مقام رکھتے تھے۔ اپنے مقام کے اعتبار سے روحانی (روحِ رحمانی) اعتبار سے آپ کو زندگی اور موت میں یکساں مقام

فنائے ذات الہی حاصل تھا۔ اور رُوح حیوانی کے اعتبار سے۔ آپ کا مقام اعلیٰ علیین میں ہونا حق ہے۔ صفات ولایت کے اعتبار سے آپ کی حیثیت۔ زندگی۔ اور موت دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ آپ بہرہ صفات ولایت معرفت۔ علم۔ قوت۔ کرامات کے عالم برزخ میں بھی حامل ہیں۔ موت کے بعد بھی آپ کسی مرید کو خواہ وہ زندگی میں ہو یا نزع کے عالم میں۔ یا بعد موت بھی۔ اس کی عبادت۔ اس کی مدد پر حاضر ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے لیکن اس کے فہم کے لیے قلب سلیم۔ عقل سلیم۔ اور حسن نیت لازم ہے۔

## حضور کا اپنے مریدوں کی وقت آخرت دستگیری فرمانا

ان ہی صفات کے مطابق حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کی نزع کے وقت رفاقت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ گل نثار کے چشم دید واقعہ سے ظاہر ہے۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں بیشتر ایسے واقعات ہیں۔ جو باطنی کمالات کے مظہر ہیں۔ لیکن واقعات کا اظہار ممکن نہیں نہ کوئی ایسے واقعات سننے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ بلکہ آداب طریقت ان کے بیان کرنے میں مانع ہیں۔ سوائے اس کے کہ چند عام چشم دید واقعات پیش کیے جائیں۔

میشتر علاقہ چکار میں حضور قبلہ عالم کے چند مریدوں کا ذکر ہوا۔ ان میں قصبہ چکار کا ایک مرید شیرو سائیں (جھنڈو) صاحب مشاہدہ حضوری فقیر تھا۔ لوگ اکثر اس کی شکایت کرتے کہ جھنڈو مرغیاں چرے کر لے جاتا ہے۔ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رکھ کر ظاہر کرتا ہے۔ کہ میں درود شریف پڑھتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرتا ہوں۔ لوگ اکثر اُسے مشکوک نظروں سے دیکھتے۔ ایک دفعہ جھنڈو بیمار ہو گیا۔ معمولی سا بخار ہوا۔ دیکھی قسم کا دیہاتی علاج کرایا۔ مگر بخار نہ اُترتا۔ یہاں تک کہ ایک ماہ کا عرصہ گزرا۔ جھنڈو بستر پر دراز ہو گیا۔ اس کے عزیز واقربا بیمار پڑسی کے لیے آتے رہے۔ ایک دن اپنے ایک حاسد عزیز نے طعنہ دیا۔ کہ تو تو اپنے آپ کو بڑا ولی سمجھتا تھا۔ اپنے کشمیر کے پیر کو کیوں نہیں بلاتا۔ تجھے ٹھیک کر دے۔ جھنڈو غضبناک ہوا اور بستر سے اُٹھ کر حملہ آور ہوا۔ اس کے عزیزوں نے



اُسے تھاما اور بستر پر لٹا دیا۔ جھنڈو کہنے لگا تم سب شیطان کی امت ہو۔ ایک ولی کی شان میں بغض و حسد کی وجہ سے گستاخی کرتے ہو۔ تم لوگ مجھ پر الزام لگاتے رہے میں چوری کرتا تھا۔ بے شک میں چوری کرتا تھا۔ مگر کشمیر کا پیر ایک عظیم پیر ہے۔ اس کے باوجود میں ان کا مرید ہوں۔ مرید رہا۔ اور زیارت بھی کرتا رہا۔ بد بختو تم اس ولی کو نہیں جانتے۔ افسوس کہ میں اب مرنے والا ہوں۔ میرا پیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ میرا پیر مجھے لینے آیا ہے۔ میں جلدی رخصت ہونے والا ہوں۔ موت کی بیماری مقدر ہوتی ہے۔ اس میں صحت نہیں ہوتی۔ جھنڈو کی باتیں سن کر اس کے عزیز اس شخص سے ناراض ہو گئے کہ ایسے وقت میں ایسی بات کرنی مناسب نہ تھی۔ اسے بہت صدمہ پہنچا۔ دیکھو یہ کیسی باتیں کرنے لگا۔ جھنڈو غصے میں اپنے پیر کی تعریف کرنے لگا۔ ایک سیکنڈ خاموش رہا۔ تب سے گر گئی دیکھا تو شیر و چور — اپنے نگہبان — راہبر کے ساتھ جا چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسی گاؤں کا ایک نمبر دار اور اس کی بیوی حضور قبلہ عالمؐ سے بیعت ہوئے تھے۔ نمبر دار کی بیوی بیمار ہو گئی — کچھ عرصہ بیمار رہی — علاج ہوا — کچھ صحت ہوئی۔ ابھی کمزور تھی۔ زیادہ تر بستر پر ہی پڑی رہتی — ایک دن صبح اٹھتے ہی اپنے عزیزوں کو بلایا اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی بلوانے کے لیے کہنے لگی کہ میں اب رخصت ہونے والی ہوں۔ سب کو آخری ملاقات کے لیے بلواؤ — بظاہر اس کے بشرے سے موت کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔ عزیزوں نے تسلی دینے کی کوشش کی مگر اس نے زور دے کر کہا کہ میری بات پر یقین کرو — رشتہ داروں کو خبر کر دو۔ ورنہ انہیں افسوس ہوگا۔ مجبوراً عزیزوں کو خبر دینے کے لیے آدمی بھیجے گئے۔ اور آپ انتظار میں بیٹھی رہیں۔ کچھ وقت گزرا تو اچانک دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دیکھتے ہی باادب ہو گئی اور قریب کھچی ہوئی چارپائی سے لوگوں کو ہٹا دیا کہ جلدی چارپائی خالی کرو۔ پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ ایسے محسوس ہوا جیسے وہ اُن کے لیے احتراماً جھک گئی اور وہ چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ نمبر دار کی بیوی ٹکٹکی باندھے چارپائی کی طرف باادب ہو کر دکھتی رہی۔

اس اشارہ میں بہت سے عزیز آگئے اور وہ اسے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ اچانک اس نے سب کو السلام علیکم کہا! اور بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ کسی نے اٹھ کر بلایا تو دیکھا کہ وہ اپنے رفیق حقیقی کی ہمراہی میں رفیق اعلیٰ سے وصال پا چکی تھی۔

گزشتہ اوراق میں لالہ وارث علی کا ذکر ہو چکا — یہ شخص اپنی جوانی کے زمانہ میں — ایک خود سر خونی تھا — شدید انتقامی آدمی — کئی قتل کر چکا تھا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب اس سے اس کی وارداتوں کے متعلق پوچھتے تو رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات سناتا — معمولی سی اردو تعلیم رکھتا تھا — راج مزدور تھا — مگر ذہنی قابلیت میں انجینئر بھی اس کے منصوبہ کی تعریف کرتے۔ حد درجہ ذہین تھا۔ گھر بیٹھے حکمت کی کتابیں پڑھ کر حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔ عقل اس قدر وسیع تھی کہ باریک سے باریک نقطہ کی تہ تک پہنچ جاتا۔

حنور سے بیعت ہوا تو اس کی ہمت بدل گئی۔ ضعیف ہو چکا تھا۔ لیکن سردراتوں میں آٹھ کر تہجد ادا کرتا اور کثرت سے درود شریف پڑھتا۔ آخر اس کا وقت بھی آن پہنچا — بیمار ہو گیا — خود ہی علاج کیا۔ لالہ وارث علی کو تشخیص اور نسخہ ترتیب دینے میں کمال حاصل تھا — لیکن کوئی دوائی موثر ثابت نہ ہوئی۔ لالہ اکثر مذاق بھی کرتا تھا — کہنے لگا۔ بھائی لقمان وال بات یاد آگئی۔ میں دوا کھاتا ہوں — فرشتے دوا خلق سے باہر بھیک دیتے ہیں۔ اچھا بھئی فرشتو ہم دوا نہیں کھاتے — بس دوا کھانی ترک کر دی۔ بستر پر لیٹے رہے۔ اس حالت میں بھی رفع حاجت کے لیے خود باہر جانا۔ کسی کی مدد نہ لینا — وضو کرنا — نماز ادا کرنا — درود شریف پڑھنا برابر جاری رکھا۔ آخر ایک دن صبح کے وقت کہنے لگے! لو بھئی وقت آگیا۔ آج ہمارا آخری دن ہے۔ بس وقت کا انتظار ہے۔

اپنے عزیزوں سے باتیں کرتے رہے۔ اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے کسی عزیز سے طے کیا۔ بیوی کو نصیحت کی۔ غرض ہر شخص کے ساتھ معاملات طے کیے۔ کمال یہ ہے کہ بیمار داروں عزیزوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ بتا رہے ہیں۔ کہ میری رُوح پاؤں سے اُپر آگئی۔ تھوڑی دیر بعد بتایا کہ رُوح گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ لائیں بے رُوح ہو گئی ہیں۔ دیکھا تو واقعی پاؤں پنڈلیاں ٹھنڈی اور سخت ہو گئی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بتایا اب رُوح سینہ تک پہنچی



ہے۔ اب رُوح سینے سے اُپر آگئی ہے۔ دیکھا تو بدن ٹھنڈا اور بے حس ہو چکا ہے۔  
 اس دوران خوش باش۔ بغیر کسی دہشت و خوف کے مزے مزے ہنس ہنس کر باتیں کر  
 رہے ہیں۔ جیسے اس پر کوئی حادثہ نہیں ہو رہا۔ گلے کے قریب رُوح پہنچی تو گلے سے فرخراہ  
 کی آواز آنے لگی تو صاف کہنے لگا۔ یہ آخری مقام ہے۔ موت کا آخری منظر۔ یہ گلا  
 بجنا ہے۔ اسے گھنگرو بجنا بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد خاموش ہو گیا۔ لالہ وارث  
 — بستر پر لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے ہیں۔ خاموشی ہو گئی سر ڈھلک گیا۔ دیکھا تو واقعی وہ جسم کو  
 چھوڑ کر مغفرت کی وادی میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک پیر اکمل نے اسے شہادت گز آفت  
 کی قربانی دے کر۔ آج ذبح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو قبول کر کے لالہ وارث علی  
 کو الشہداء آء میں داخل کر کے اپنے انعامات سے نوازا۔ لالہ وارث علی نے عرض کی تھی  
 کہ حضرت اتنی چھری تیز کرتے رہے۔ میں نے سر جھکا دیا اب ذبح کر دیجئے۔ واقعی اس  
 مرد مومن ولی اکمل نے لالہ وارث کے لیے موت اور حیات یکساں کر دی۔ موت  
 کے باوجود آخری دم تک اس کی زندگی میں فرق نہ آنے دیا۔ نکتہ ہے۔ جو سمجھے۔  
 سمجھنے کی کوشش کرے۔ رُوح جسم سے علیحدہ ہو کر جسم کو بے حس کر رہی ہے۔ مگر خود کلام و  
 فہم پر قادر ہے۔ رُوح خود نکل رہی ہے۔ خود بول رہی ہے۔ جسم نہیں بول  
 رہا۔ حلق تک پہنچ کر بھی کلام پر قادر ہے۔ تو ظاہر ہوا جسم کی کوئی حیثیت نہیں۔  
 اصل انسان رُوح ہے۔ جب ہی تو رُوح کی علیحدگی پر جسم نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے۔ نہ  
 کہہ سکتا ہے۔ مگر کوئی تو بول رہا ہے۔ جوا لگ ہو گیا۔ ہاں الگ ہو گیا۔ کہاں؟  
 — عالم ظاہر سے ملے ہوئے۔ عالم باطن۔ عالم برزخ میں موجود ہے۔ مگر اب  
 زبان نہیں کہ لوگ زبان کے واسطے سے کلام سن سکیں۔ یہ رُوح حقیقتاً مجسم انسان  
 ہے۔ جس میں قوت سمع و بصر فہم و ارادہ حرکت موجود ہے۔ اب اس کا لباس نہیں جس  
 سے اس کا احساس ہوتا رہا۔ اب رُوح ہے خالص۔ ہاں تم میں بھی رُوح ہے۔  
 یہی رُوح ہے۔ جو دیکھنا چاہو تو رُوح کی آنکھ۔ رُوح کے کان۔ رُوح کی زبان سے  
 تم بغیر جسم اس رُوح کو دیکھ سکتے ہو۔ اس سے کلام کر سکتے ہو۔ اس سے کہہ سکتے ہو۔

جواب لے سکتے ہو۔۔۔ یہ ولی۔۔۔ اور ولایت کی خصوصیت ہے کہ رُوح انسان ہے۔۔۔ رُوح۔۔۔ رُوح کو دیکھ لیتی ہے سُن لیتی ہے۔ بات کر لیتی ہے۔۔۔ ولی۔۔۔ ولی سے بات کرتی ہے (رُوح) خواہ عالم ظاہر ہو یا عالم برزخ۔ ہاں! یہاں ولی کی صفت ہونا لازم ہے۔

محضور پر نور حضرت الحاج محمد امین صاحب ادیسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔۔۔ نہ ہم آپ کی سوانح میں آپ کی ذاتی خصوصیات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کے غلاموں کی خصوصیات کے چند پہلو پیش کرتے ہیں۔۔۔ یہ سب علم و کمال حضور عالی مقام کی کرم نوازی اور محبوبیت کے طفیل آپ کے غلاموں کو حاصل رہا۔ یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی علوم مرتبت کے اظہار کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔

ذرہ میں آفتاب کا قائل رہا ہوں میں  
سرگشتہ حقیقت و باطل رہا ہوں میں

## ولی کے کمالات تین طرح کے ہوتے ہیں

اس صحیفہ کے ابتدائی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ ولی سے متعلق سیرت بیان کرنے میں ولی کے کمالات کا تذکرہ شامل ہوتا ہے۔ اس تذکرہ میں تین اقسام کی کیفیات ہوتی ہیں۔ قسم اول جسمانی خصوصیت جس میں ولی کا کردار خصائل و اخلاق اسکی روزمرہ زندگی کے حالات کا ذکر۔۔۔ قسم دوم روحانی خصوصیت جس میں ولی کی روحانی کرامات یا ناسوتی کرامات شامل ہیں۔ ان کرامات کا تعلق رُوح حیوانی سے ہے۔ یہ انسانی مادی قوت کی خصوصیت کا اظہار ہے۔ مثلاً بیماروں کا صحت مند ہونا۔ دل کی باتیں بتانا۔ مستقبل کے حالات کی پیشگوئی کرنا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا میں بحسم پرواز کرنا وغیرہ۔ یہ کمالات اگرچہ مافوق العقل تصور کیے جاتے ہیں۔ لیکن انسان کی ناری قوت رُوح حیوانی سے ایسے مظاہر ہونا ممکن ہیں۔ ایسے مظاہر کو کرامات کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات میں بعض ایسے مظاہر



ہوتے ہیں جن کا ذکر کیا جائے تو عام عقل ایسے واقعات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ ان میں سے بعض کو رسائٹیفک، دلائل سے تسلیم نہ کرایا جائے۔ یہ واقعات بھی ایک ولی کی سیرت میں خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ لیکن واقعات کے تذکرہ سے ایک ولی کی سیرت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ولی کی ولایت میں اس کے کمالات ملکوتی کا ذکر موجود نہ ہو۔ یہ قسم سوئم ہے۔ جس میں عالم ملکوت کے آثار و اسرار کا ذکر۔ ان کے مشاہدات۔ ان مقامات کی روحانی رُوح رجمانی کے ذریعہ (سیر کے حقیقی تصور) کا ذکر شامل ہوتا ہے۔ لیکن ملکوتی کمالات پر یقین تسلیم۔ ناسوتی کمالات کے تسلیم سے بھی مشکل ہے۔ کیونکہ ایسے واقعات یکسر نورانی اور روحانی ہوتے ہیں۔ جن کے لیے کوئی مادی عقلی دلیل میسر نہیں آسکتی۔ سوائے اس کے کہ ایک طالب علم قرآن حکیم۔ اور اس کتاب کی تفہیم و تفسیر کا بدرجہ کمال ادراک رکھتا ہو۔ اس علم کے یقین و تسلیم کے لیے قرآن نے خود ایک اصول مقرر کیا۔ کہ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا يَكْتُوبُ عَلَيْهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ هَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ یعنی قرآنی تعلیمات۔ اس میں درج محکمات۔ متشابہات پر ایمان کے لیے لازم ہے کہ قرآن کے عامل رسول کی شخصیت اولاً تسلیم کی جائے۔ یعنی جسمانی خصوصیت نمبر میں اس کے کردار و اخلاق کو شخصیت کے لیے دلیل لیا جائے۔ کہ یہ شخص امین و صادق ہے۔ کہ اس کا ہر قول و فعل مبنی بر حقیقت ہے۔ پھر دوسری دلیل روحانی خصوصیت یعنی کرامات۔ یعنی اسکے پاکیزہ نفس میں روحانی پاکیزگی کا مظاہرہ۔ یہ مظاہرہ ایک شخصیت کے مامور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ان دو دلائل کے بعد جبکہ روحانی اسرار کے دلائل عقلی طور میسر نہیں۔ ایک شخصیت کے قول و فعل کو بلا دلیل تسلیم کرنا لازمی ہوتا ہے۔ لہذا ایک مدعی ولایت کے لیے اولاً شخصیت کو تسلیم کرنے کے لیے اس کا کردار و اخلاق۔ عمل صالح۔ پاکیزہ نفسی۔ اور قرآنی احکام۔ احکام شریعت۔ اور شریعت کی حامل عظیم شخصیت۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے عین مطابق عمل پایا جانا ضروری ہے۔ گزشتہ زمانوں میں بھی۔ اجرائے شریعت و طریقت میں یہی اصول کارفرما رہا۔ کہ انبیاء سابقین کے لیے شخصی کردار سے سوا مافوق الفطرت کرامات کا اظہار ضروری

ہوا۔ یہ اظہار مامور من جانب اللہ ہونے کے لیے کیا گیا۔ یہ ماسوتی کرامات معجزات تھے۔ جو محض انبیاء کے حق ہونے کی دلیل میں پیش کیے گئے۔ اس دلیل پر آئندہ یؤمنون بِالْعِیْب کی صورت میں معرفت الہی کے آثار و اسرار کا تسلیم کرنا منحصر کیا گیا۔ اس حال میں کہ ایک طالب نبی کی اقتدار و اتباع میں آکر خود باعمل اسرار و آثار کا مشاہدہ کر کے حقیقت پا سکے۔ یہی طریق نبی و رسول کے بعد علمائے امت کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ کہ علمائے امت میں۔۔۔ ولی اکمل میں ان تین خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں ایک ولی کی سیرت کے اظہار میں۔۔۔ اولاً اُس کی شخصیت میں کردار و اخلاق حسنہ دوسرے کرامات۔۔۔ ہاں۔۔۔ کرامات سے سوا۔۔۔ کمالات ملکوتی کا اظہار لازمی ہے کیونکہ یہی نوع دلالت کی اصل ہوتی ہے۔ جیسے حضور قبلہ عالم منازل فقر میں فرماتے ہیں:-

ایں سخن پایاں نہ دارد اے امین  
حقہ کو دارد کہ بہت حق الیقین  
حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال  
تابیابی حکمت از صنعہ حلال  
کہ روی در پیش کامل راہنما  
پُر کنی کارہ زخم او چوں گدا  
معرفت کے آثار سے آگاہی و تسلیم کے متعلق فرماتے ہیں:-

آن خلاف از قلم کس شد پدید  
ظاہر گردد کل حقیقت چوں بدید  
جملہ تاویلات، علامت بے وصول  
چوں رسد با اصل شد عین الوصول  
چوں اصل نہ دید تاویلات شد  
چوں بہ اصل آید یقین عین شد

حضور پُر نور حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اس سیرت



میں آپ کے کمالاتِ ملکوتی کو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا کہ آپ کے کمالاتِ ملکوتی کی اساس آپ کے مراتبِ اعلیٰ میں — یعنی ایک ولی کی ولایت کی تکمیل میں معرفتِ الہی — مشاہدہ اسرارِ الہی — آثارِ ملکوتی — عرش — عالم بالا کے نورانی مراتبِ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم — معرفت ذاتِ الہی میں — فنا فی اللہ — بقا باللہ کا مقام حاصل ہونا — اس کی سیرت سے تعبیر ہوئی۔ ایسے صفات و کمالات کا ذکر — ہر زبان — ہر قلم سے بغیر دلیل دیئے بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیر غوثِ زمان — سراجِ منیر — شہنشاہِ اولیاء — سراجِ الاولیاء — حضورِ انور وغیرہ کا مقام رکھتے ہیں — لیکن ان مقامات کی دلیل کسی طرح بھی نہیں دی جاسکتی — کہ یہ کیسے تسلیم ہو — کہ ہمارے پیر فنا فی اللہ — غوثِ زمان ؟ — جبکہ ظاہراً — عقلاً اس کی شناخت کا کوئی ذریعہ میسر نہیں — جب تک کہ کوئی بالمشاہدہ اس مقام سے آگاہی نہ پا سکے ! — لہذا — ایک ولی کے دعوے میں اس کی ولایت کی دلیل — سوائے اس کے نہیں کہ اس کے مُردوں میں مقاماتِ ملکوتی — اسرارِ الہی — آثارِ عالمِ نورانی — حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفتِ الہی کے مشاہدہ کرنے والے موجود ہوں — جو ایک ولی کے دعوے کی اپنے مشاہدات کی بنا پر تصدیق کا اعلان کریں — بس — یہی ایک طریق ہے — جو ایک ولی کی سیرت میں — کمالاتِ ملکوتی کی تصدیق سے سیرت کی تکمیل کر سکتا ہے — ہاں ! اُمت کے اولیاء — اور خود حضور قبلہ عالمِ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں — بلکہ یہ آپ کا دعویٰ تھا — کہ ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ مقامِ فنا و بقا میں اکمل ہو — اور خصوصاً ایک طالبِ حق کو — بغیر کسی مجاہدہ کے ایک آن میں تمام مراتبِ ولایت تا ذاتِ الہی بالمشاہدہ طے کرادے —

اس اصول کے تحت ”نور العرفان“ میں حضورِ پُر نور کی ”سوانحِ حیات“ مرتب کی گئی ہے کہ آپ کے ظاہری کردار و عمل کی وہ تصویر جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عینِ مطابقی ہے — اس کے بعد چونکہ ناسوتی کمالات ایک ولی کی سیرت میں نہ باعثِ تکمیل سیرت ہیں نہ اصولِ ولایت میں ایسے کمالات کو وجہِ شرف قرار دیا جاتا ہے حضور قبلہ علم

رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات کا ضمناً ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بجائے خود ولایت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیے جاتے۔ سوائے اس کے کہ آپ کے کمالات ملکوتی آپ کے مریدوں کے کمالات کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں کہ ”ذره“ سے آفتاب کی حیثیت کو پہچانا جاتا ہے۔

اس صحیفہ میں چند ایک مریدوں کے ملکوتی کمالات و مشاہدات کا ذکر اختصار کے ساتھ ہی پیش کیا گیا ہے۔ جن میں ساتھ ساتھ مقامات ملکوتی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان مقامات کی کیفیات اور تصورات بھی مشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں یٰؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے قرآنی اصول کے تابع تسلیم کرنا شرط ہے۔ لیکن ان کے تسلیم کے لیے عقل و شعور کو آمادہ کرنے کے لیے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی نسبت سے اسی لیے بیان کیا گیا کہ ان کیفیات کے تسلیم کرنے کا طریق یہی ہے۔ کہ کوئی غیر شخص خود عین یقین۔ حق الیقین کی صورت میں دیکھ کر خود اس امر کی شہادت دے کہ اس سیرت میں ایک ولی سے کمالات ملکوتی۔ آثار و اسرار الہی کا مشاہدہ۔ مشاہدہ ذات الہی کرایا جانا۔ حق ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
وَيَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۲)

اللہ۔ قیامت۔ جنت۔ ملکوت السموات۔ عرش۔ کرسی۔ سدرۃ المنتہی  
کیفیات۔ مشابہات کو تسلیم کرنے کے لیے تمہارے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات اقدس کو شاہد بنا کر بھیجا گیا کہ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر پانے  
والے۔ خبر دینے والے ہیں۔ آپ عالم ملکوتی۔ اسرار الہی۔ جملہ مشابہات۔  
ذات الہی کے شاہد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر عالم غیب عیاں ہے۔ آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو امین و صادق تسلیم کیا گیا۔

اے لوگو! اطیعوا الرسول حق پانے کے لیے اسی شاہد صلی اللہ علیہ وسلم کی  
اتباع۔ اطاعت تقلید حاصل کرو۔ تو یہ لوگ رسول کی اطاعت میں صاحب معرفت



کہلاتے گے۔ لہذا اے لوگو! یہی لوگ — اللہ کی اطاعت — رسول کی اطاعت و تسلیم کا ذریعہ ہونگے۔  
 لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ یہی لوگ لوگوں کے لیے شاہد ہیں۔ یہ اَقْلَى الْأَمْرِ —  
 علمائے اُمت — اولیائے کاملین ہیں۔ ان کا کردار دیکھو۔ ان کا قول سنو۔ ان کی اطاعت کرو۔ یہ گواہی  
 دیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بالمشاہدہ اس امر کی نشاندہی کر دی کہ وَمَا يَعْلَمُ  
 تَاوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں تمام غیب المتشابہات کا علم سوائے اللہ  
 کے کسی کو نہیں — سوائے جس کو میں نے علم دیا — وہ — وَالزَّمِينُونَ فِي الْعِلْمِ جنہیں  
 علم راسخ عطا کیا گیا — یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اولیائے کاملین سے پکارا گیا۔ یہی لوگ ہیں جو قیامت  
 تک حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محمود کو جاری رکھیں گے — ان کے تسلیم سے ہی  
 انسان اپنے حقیقی مقصد کو پاسکتا ہے۔

نور العرفان کے ابتدائی بیان میں گزارش احوال کے موضوع میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ  
 حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر مریدوں میں سے جناب ڈاکٹر محمد  
 رمضان صاحب نے حضور قبلہ عالم کی سیرت مرتب کرنے میں جو مستحسن اقدام کیا — بلاشبہ اس اقدام  
 کی تحریک میں حضور قبلہ عالم کی موصوف پر مشفقانہ وابستگی اور موصوف پر حضور کی نظر عنایت اصل  
 محرک ہے۔ حضور کی قربت میں جو توجہ موصوف کو حاصل ہوئی۔ موصوف کے قلم سے اسی توجہ کے  
 نقوش قرطاس پر ثبت ہوئے — کوئی شخص بلا مرضی حضور قبلہ عالم اس اقدام کی نہ صلاحیت رکھتا  
 ہے — نہ جرات کر سکتا ہے — حقیقتاً نور العرفان میں قلبی تاثرات کے ظاہری تصورات کو  
 نقش کیا گیا — جو کسی کو محبوب کی فنا میں میسر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب حد درجہ خوش بخت ہیں جنہیں  
 حضور قبلہ عالم کی دائمی رفاقت و قربت میسر رہی — کیونکہ حضور قبلہ عالم کے آخری سفر  
 میں موصوف ہی آپ کی توجہ میں مخصوص رہے۔ یہ مقام بہت اہم ہے۔ یہ وقت انتقال  
 وراثت (ولایت و خلافت) میں — وارث کے انتخاب کا ہوتا ہے — میری دانست  
 میں اس وراثت کی تقسیم میں جناب ڈاکٹر صاحب کو قربت و ہمنشینی کے اعتبار سے  
 وافر فیض و عنایت سے نوازا گیا — مقولہ ہے ”حاضر کو مر“ — ڈاکٹر صاحب نے جناب قبلہ  
 سخی ولایت خان صاحب کی وفات کے بعد جب کہ حضور قبلہ عالم قبلہ سخی صاحب کو حد درجہ

عزیز اور دوست رکھتے تھے اور قبلہ سخی صاحب بھی حضور کی ہر ممکن خدمت میں ہمہ تن مستعد رہتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ خلا ڈاکٹر صاحب نے کسی حد تک پُر کیا۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حق رفاقت ادا کیا۔ چنانچہ ظاہر اُ بھی اور باطناً بھی حضور قبلہ عالم نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعد قائم مقام سجادہ نشین جناب صاحب زادہ امین الدین صاحب کے اجرائے فیض اویسی و امینی میں مشر و نگران مقرر فرمایا۔ اس اعتبار سے حضور قبلہ عالم کی سیرت نگاری۔ جناب موصوف ہی کا حصہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم کی سوانح کے بیان میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب نے نور العرفان میں آپ کی مختصر سیرت کو ترتیب دیا۔ اس سلسلہ میں میں (معاون راوی) محمد نور الدین اویسی نے بحیثیت ”معاون راوی“ اپنے وقت کے چند چشم دید واقعات کا تفصیلاً ذکر کیا۔ یہ واقعات ۱۹۴۸ء تک کے ہیں۔ یہ زمانہ ڈاکٹر صاحب کی حضور قبلہ عالم سے نسبت سے پہلے کا زمانہ ہے جب کہ ۱۹۴۸ء کے بعد میں محمد حنیف صاحب قریشی کے خاندان کے ساتھ پاکستان چلا آیا۔

نور العرفان کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے زمانہ کے واقعات کو تفصیلاً بیان کروں۔ اس خیال کے مد نظر کہ اس سیرت کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے یقین و تسلیم کی راہ ہموار کر کے انہیں حضور کے فیوض باطنیہ سے مستفید کرنے میں ”شاید“ یہ واقعات مشعل راہ ثابت ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں ان واقعات کا بیان کرنا اس قرآنی اصول کے تحت لازم کیا گیا۔ کہ لِنُكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ سلسلہ اولیہ کے طالبان حقیقت کے کردار و مشاہدات۔ سلسلہ اولیہ کے حق ہونے کی ایک تین دلیل ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کی لفظی ادبیت یا افسانوی رنگ و نمائش کو دخل نہیں۔ بلکہ اصولاً حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ البتہ اس سیرت میں میرا بیان بھی آخری فیصلہ نہیں۔ بلکہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے مریدوں میں سے چند کا ذکر ہوا۔ بلاشبہ اگر تمام تفصیل بیان کی جائے تو یہ امر واقع ہے کہ ایسے واقعات کی فہم اور یقین کے لیے فی زمانہ انسانی عقل و شعور میں استطاعت ممکن نہیں کہ ایسے مافوق الفطرت واقعات کو قبول کریں۔



## نور الدین کی ہجرت

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ میں تھا کہ جب حضور گھر سے شہر تشریف لاتے تو شہر میں ابتدائی قیام محمد حنیف صاحب۔ عبد اللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے گھر میں ہی ہوتا۔ حضور صحن میں داخل ہوتے ہی آواز۔ حفیظ صاحب! دیکر اپنی آمد کی اطلاع دیتے تو سب لوگ نکل کر حضور کے گرد جمع ہو جاتے۔ حضور گھر میں تشریف رکھتے ہی فرماتے۔ نور الدین کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ میں پیشتر ہی حضور کی خوشبو سونگھ کر گھر میں منتظر رہتا۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو جناب قبلہ سخی صاحب ہی پہلے گاندربل سے تشریف لاتے یا حضور کے تشریف لانے کے ساتھ ہی شام تک حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ چند دن شہر میں قیام کے بعد حضور قبلہ عالم۔ سخی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے۔ میں خود اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ یہ حضور قبلہ عالم کی کرم نوازی تھی کہ حضور شہر میں جہاں بھی مدعو ہوں مجھے ہر جگہ ساتھ رکھتے۔ بعض اوقات شہر سے باہر کسی ہم میں جانا ہو تو مجھے ساتھ رہنے کا خصوصی حکم فرماتے۔ یہاں تک کہ سفر میں ضروری خرچ۔ آمد و رفت کا کرایہ وغیرہ خود اپنی گزشتہ ادائیگیاں۔ میری عادت تھی کہ حضور جب بھی شہر تشریف لائیں تو میں ہر شے سے لاپرواہ ہو جاتا۔ خواہ کیسا ہی ضروری کام میرے ذمہ ہوتا۔ میں جب تک حضور موجود ہوں کسی کام کی طرف توجہ نہ دیتا۔ اور پھر اس محبت میں امتحان کا وقت آیا۔ محمد حنیف صاحب کے خاندان میں آپکی والدہ۔ ہمیشہ۔ محمد شریف صاحب۔ ڈاکٹر عبد الحفیظ صاحب۔ میں اور غلام قادر لون پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ سخی صاحب مرحوم بھی اس زمانہ میں پاکستان سے تہذیب و عقیدت رکھتے تھے۔ کشمیر کے حالات دیکھ کر دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ آپ نے بھی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر آپ کی بیگم صاحبہ پاکستان جانے کے لیے تیار نہ تھیں۔ اسی دوران حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ حضور نے ہم سب کا پاکستان جانا محسوس کیا۔ خصوصاً قبلہ سخی صاحب کا حضور کا ساتھ چھوڑ کر جانا۔ آپ کے لیے بے حد رنج و دہ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن

میم صاحبہ کے پاکستان جانے سے انکار نے قبلہ سخی صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ میم صاحبہ نے آخری حصرہ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ سخی صاحب بچوں کو لے کر پاکستان جائیں لیکن میں پیر صاحب کو یہاں چھوڑ کر پاکستان نہیں جاتی۔ یہ الفاظ ہمارے دعوے محبت کے لیے ایک چیلنج تھا۔ لہذا ہمارے سب دعوے کھوکھلے ثابت ہوئے۔

— قبلہ سخی صاحب کو ان کی بیگم نے اچھا سبق دیا۔ انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ لیکن میری حالت ایسی تھی جیسے گھاٹ میں بندھی ہوئی کشتی کا ٹکر کھل جاتے اور وہ غیر ارادی طور پر دریا کے بہاؤ میں بہنے لگے۔ میں دیکھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ کشتی دریا کے موجوں کی پیٹ میں دُور حد نظر سے دُور ایسی بہتی گئی کہ کنارہ پھر دیکھنا ہمیشہ کے لیے نصیب نہ ہوا۔ ہم سب جدا ہوتے وقت روتے رہے۔ قبلہ سخی صاحب ہمیں رخصت کرتے وقت خدا حافظ کہتے رہے۔

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہاتھ ہلا کر فرماتے رہے ہماری رُوح تمہارے ساتھ ہے۔ خدا حافظ۔ یہ عجیب سا نسخہ تھا کہ میں جو حضور قبلہ عالم کے فراق کا تصور کرتے لرز جاتا تھا۔ بے ساختگی میں آپ سے جدا ہوتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ عقل کچھ سوچ نہ سکی۔ سمجھ نہ سکی۔ ارادہ بھی ساقط ہو گیا۔ حالانکہ مجھے پاکستان سے عقیدت تھی نہ دلچسپی۔ لطف کی بات سناؤں۔ میں بلا وجہ۔ بلا ضرورت پاکستان جانے کے لیے تیار ہوا۔

میرا ایک دوست محمد یوسف درزی جو نیا نیا حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوا تھا اور مجھ سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا۔ میرے دوستوں نے مجھے پاکستان جانے سے بہت روکا مگر میں بضد رہا۔ آخر محمد یوسف درزی نے بددعا دی۔ کہنے لگا اچھا جا! میرا دستگیر تجھے واپس لے آئے گا۔ میں نے کہا میں جاتا ہوں۔ جب دستگیر نے واپس کر دیا تو میں واپس آ جاؤں گا۔

چنانچہ ہم لوگ ماؤف ذہنوں کے ساتھ اپنے محبوب پیر کو حادثات میں چھوڑ کر آزاد ملک کی فضا میں سانس لینے کی ہوس میں پاکستان روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن ہمارا قافلہ ادھم پور ٹھہرا۔ یہاں تمام قافلہ والوں کی تلاشی ل جاتی تھی۔ ہماری باری آئی تو ایک آدمی نے پوچھا کشمیری بولتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پکڑ کر ہمارا جہ کے پرانے کھنڈر محل میں دھکیل دیا کہ تم آگے نہیں جا سکتے۔ تمہارے لیے واپس سری نگر بھیجنے کا حکم آیا ہے۔



کھنڈ کے اندر اور بھی لوگوں کو پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ غلام قادر لون جیسا بھی دھریے گئے۔ شریف صاحب کے دونوں کو بھی ساتھ تھے انہیں بھی پکڑ کر کھنڈ میں ڈال دیا گیا۔ تمام دن اسی قید خانہ میں گذرا۔ طبیعت سخت پریشان تھی۔ خیال آیا کہ اب ہمیں واپس سری نگر لے جایا جائے گا۔ محمد یوسف کی بات پوری ہو کر رہی۔ وہ طعنہ دے گا۔ یہ امر میرے لیے باعثِ شرمندگی ہو گا۔ شاید دستگیر نے میرا راستہ روک دیا۔ یہی سوچھی کہ اب دستگیر سے ہی منت کر کے اجازت لی جائے۔ چنانچہ میں مراقبہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ صاف بات عرض کر دی کہ محمد یوسف آخر مجھے طعنہ دے گا۔ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہزبانی کر کے مجھے اس قید سے نکالیں۔ آپ نے جواب تو نہیں دیا صرف تبسم فرمایا۔ میں مزید کچھ عرض نہ کر سکا۔ فکر ہوا۔ شاید مجھے ٹال دیا گیا۔ بہر حال اب واپس ہی جانا ہو گا۔ شام ہونے والی تھی۔ ایک سپاہی آیا۔ محل کے دروازہ پر پکارا۔ محمد شریف کے دونوں اندر ہیں ان کو باہر بھیج دو۔ معاً میرے ذہن نے تحریک دی میں نے غلام قادر لون کو ساتھ لیا۔ دروازے کی طرف لپکے اور باہر نکل آئے۔ آگے پولیس سپرنٹنڈنٹ تلاشی لے رہے تھے۔ میں نے بکس کھولا اور سامان پنڈت جی کو دکھایا۔ اس نے غلام قادر کو پکڑ لیا۔ غلام قادر نے مجھے واپس کر دیا جلدی جلدی ادھر ادھر کر کے سامان دکھا کر بند کیا اور یہاں سے بھاگ کر سیدھا کیمپ میں آگئے۔ بیچلے۔ شریف صاحب کے دونوں کو کہ ہماری بھینٹ چڑھے۔ اور ہم آزاد ہو گئے۔ دستگیر نے ہمیں چھوڑ ہی دیا۔ ہاں یہ مصلحت الہی تھی کہ مجھ جیسا پیر سے حب رکھنے والا۔ جسے ہو کر۔ دیدہ و دانستہ پیر سے جدا ہونے پر بضد رہا۔

پاکستان وارد ہونے کے بعد ہمارا خیال یہی تھا کہ یہ جھگڑا چار پانچ ماہ تک ختم ہو گا۔ اور ہم اوڑی کے راستے واپس کشمیر چلے جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ جھگڑا طویل ہو گیا۔ واپس جانے کی امید ختم ہو گئی۔ غلام قادر لون کی خوش بختی تھی اُسے دوبارہ واپس جانے کا موقع ملا۔ اور وہ اپنے پیر کے قدموں میں حاضر ہوا۔ اس کے جانے کے بعد مجھ میں تڑپ پیدا ہوئی۔ چناری کی طرف سے تین دن کا دشوار پہاڑی راستہ کشمیر جانے کے لیے تھا لیکن اب

میں اس قابل نہ تھا کہ اتنا طویل سفر طے کر سکوں۔ مجبوراً خاموش ہو گیا۔ اس دوران حضور قبلہ عالم سے خط و کتابت رہی۔ حضور کی کرم نوازی آپ نے اکثر خطوط کے ذریعہ ہمیں تسلی۔ دلجوئی۔ وعظ و نصیحت سے سرفراز فرمایا۔ سلسلہ سے متعلق اکثر ہدایت فرماتے رہے۔ حضور کی عنایت سے پاکستان سے سلسلہ کا بہتر اجرا ہوتا رہا۔ اور کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ اولیہ ایشیہ کو پاکستان کے بیشتر شہروں تک وسعت ملی۔ میرا مستقل قیام ایبٹ آباد (ہزارہ) میں ہوا۔ یہاں پنجاب کے اکثر شہروں میں بلاوینڈی۔ گوجرخان۔ جہلم۔ گجرات۔ لائل پور۔ منٹگری اور مختلف علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ دوسری طرف یمن۔ حیدر آباد۔ سندھ۔ کوئٹہ۔ کراچی تک یہ سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کے طفیل یہ سلسلہ روشن طریقہ پر جاری رہا۔ جبکہ حضور قبلہ عالم تک لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔ اس کے باوجود لوگ حضور ہی ہوتے رہے۔ اور اکثر باطناً حضور قبلہ عالم سے فیض و دیدار حاصل کرتے رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت میرا حضور قبلہ عالم کی صحبت سے دور ہونا۔ شاید اس وجہ سے ہو کہ پاکستان میں طالبان حق کو میری وساطت سے سلسلہ اولیہ کا فیض حاصل ہونا مقدر ہو۔ اس سے قبل سلسلہ اولیہ ابتداء سے ضلع ہزارہ۔ پنجاب۔ سندھ۔ کراچی۔ کوئٹہ بلوچستان کے اکثر علاقوں میں موجود تھا۔ یہ سلسلہ حضرت سید نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے جاری تھا۔ عالی جاہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند عالی مرتبت حضرت فخر الزمان شاہ صاحب کی جہد بلیغ سے یہ سلسلہ اپنی پوری نورانیت سے ہر شہر میں جلوہ گر رہا اور آپ کی وفات کے بعد بھی تاحال موضع کوٹ چاند نہ شریف۔ کالا باغ ضلع میانوالی سلسلہ اولیہ کے منبع ولایت سے آپ کے دو فرزند ان حضرت مولانا شمس الزمان شاہ صاحب اور مولانا بدر الزمان شاہ صاحب کی وساطت سے طالبان حق سیراب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے۔



## حضور کے تین پھل

عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا شان نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو آخری بار خلافت عطا کرتے وقت فرمایا تھا: ”کشمیری تمہیں ہم اپنا امانتدار بناتے ہیں۔ تمہارے تین پھل ہوں گے۔ حضور قبلہ عالم اکثر عالیجاہ کے اس فرمانِ عالی کا ذکر فرماتے تھے۔ حضور فرماتے تھے۔ ہماری نسبت سے تین شاخیں تین خلیفوں کے ذریعہ دنیا پر پھیلیں گی۔ مگر ان پھلوں کی بذاتِ خود حضور نے نشاندہی نہیں کی۔ البتہ سلسلہ امینیہ کے مریدوں میں ان کے مراتب۔ مشاہدات اور حضور قبلہ سے قربت اور حضور کی خصوصی توجہ سے ہم نے بعض احباب میں یہ خصوصیت پائی کہ وہ ان پھلوں میں سے تھے۔ ان میں ایک پھل جناب حضرت خواجہ عبدلکریم صاحب زکریا کی ذات والا تھی۔ آپ کو حضور قبلہ عالم کی طرف سے ولی اکمل کی سند حاصل تھی۔ آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ کے ذریعہ تمام علاقہ لولاب۔ ہند واڑہ۔ تحصیل سنگیت سوپور وغیرہ کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے یہ ایک مستقل شاخ ہے جو خواجہ عبدلکریم صاحب کی وساطت سے قائم ہوئی۔ بلاشبہ خواجہ صاحب حضور قبلہ عالم کے خواب کی تعبیر ثابت ہوئے۔ خواجہ صاحب ازلی منتخب اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم آپ کی کثرتِ عبادت و درود شریف اور سن رسیدگی علیم لطیفی کے باعث آپ کا بید عزت و احترام کرتے تھے۔

دوسرا پھل جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی۔ آپ حضور قبلہ عالم کے عاشق بھی تھے۔ اور محبوب بھی تھے۔ حضور سے آپ کو والہانہ عشق بھی تھا۔ اس

۱۔ شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

بحق تحفہ شاہ رسالت ولی عبدلکریم آل خواجہ عالم

جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے روضہ مدینہ منورہ میں اپنے خواب کا ذکر فرمایا ہے۔ تحفہ حضور کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبل از وقت عطا ہوا تھا۔

عذیرہ میں آپ اپنا سب کچھ پر قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ آپ کی حُبِ پیر کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو قبلہ سخی صاحب پروانہ دار آپ کا طواف کرتے۔ اور آپ کی موجودگی میں ہر شے کو بھجول جاتے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی بچوں کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ قبلہ سخی صاحب آپ کو گاندربل گھر لے گئے۔ قبلہ سخی صاحب حضور کے سامنے رونے لگے۔ حضور نے رونے کا سبب پوچھا تو قبلہ سخی صاحب نے دل کا حال بتایا کہ حضور میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور بچے بھی اسی کو دے دوں گا۔ حضور نے متعجب ہو کر سبب پوچھا۔ تو قبلہ سخی صاحب نے عرض کی کہ میں اپنے بیوی بچوں کو آپ کے اور اپنے درمیان حائل دیکھتا ہوں۔ حضور جب تشریف لاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا دھیان بیوی بچوں کی طرف نہ جائے۔ آپ کی موجودگی میں میرے دل میں ان کے لیے سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ آپ تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی موجودگی میرے ذہن سے آپ کا تصور منقطع کر دیتی ہے۔ یہ سُن کر حضور کافی دیر خاموش رہے۔ آپ قبلہ سخی صاحب کے کلام سے بے حد متاثر ہوئے۔ فرمایا۔ سخی ایسا نہیں ہوگا۔ یہ رہبانیت ہے۔ تم رہبانیت سے نکل کر انسانیت کی طرف آئے ہو۔ اب پھر رہبانیت کی طرف جانا چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فعل کو پسند نہیں فرماتے۔ میانہ روی اختیار کرو۔ تمہارے بیوی بچوں کا از روئے شریعت تم پر حق ہے۔ جب تک یہ حق ادا نہیں کرتے تم ولایت میں کامل نہیں ہو سکتے۔ ایسا خیال قطعاً دل سے نکال دو۔ بیوی بچوں کا ساتھ تمہارے حصولِ ولایت میں معاون ہوگا۔ ان سے محبت رکھو۔ ان کے حقوق ادا کرو۔ یہ تمہاری زندگی بلکہ آخرت کے بھی ساتھی ہیں۔ قبلہ سخی صاحب اکثر حضور قبلہ عالم کے دولت کدہ پر حاضری دیا کرتے۔ حضور کی ضرورتوں میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے۔ حضور گھر تشریف لائیں تو بیوی کو الگ بچوں کو الگ ہر ایک کو ترغیب دیتے۔ کہ مائی صاحبہ کے لیے عزیزہ ممتازہ مرحومہ کے لیے تحفے پیش کرو اور ہر شخص چھپ کر اپنے اپنے تحفے نذرانے اکٹھے کر کے حضور کے پیش کرتا۔ اور خود قبلہ سخی صاحب اپنی عزیزہ سے عزیزہ چیز حضور قبلہ عالم کے لیے وقف کرتے۔ قبلہ سخی صاحب عیسائیت کے زمانہ میں بھی تبلیغ کرتے



تھے۔ آپ کے والد بھی تبلیغی سلسلہ میں پادری کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے بیعت ہونے کے ساتھ ہی سلسلہ اویسیہ کے اجرا کا سلسلہ شروع کیا۔ حضور نے آپ کو لوگوں کو درود شریف دینے کی اجازت دی تھی۔ آپ کی وساطت سے سسری نگر شہر۔ گاندربل۔ وائل اور بہت سے علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے اور درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اکثر حضوری ہو جاتے۔ حضور جب شہر تشریف لاتے تو ان لوگوں کو بیعت کراتے۔ یہ سب درامینی بھی قبلہ سخی صاحب سے ہی ارشاد حاصل کر چکا ہے۔ آپ کی توجہ خاص مجھ پر ہمیشہ رہی ہے۔ قبلہ سخی صاحب کا پیر سے عشق اور خدمت گزاری اور پیر کا ہر معاملہ میں ساتھ دینا۔ حضورؐ فرماتے تھے تم سب میرے مرید ہو۔ سخی میرا دوست ہے۔ سخی صاحب کی رفاقت پر حضورؐ کو کافی حوصلہ تھا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ قبلہ سخی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم زیادہ تر گوشہ نشینی کی طرف راغب رہے۔ لیکن اس زمانہ میں لوگوں کا ہجوم بھی زیادہ رہا۔ اسی سبب سے آپ پر بے حد محنت اور بوجھ رہا۔ اس حال میں حضور قبلہ عالم نے خود کو تنہا محسوس کیا۔ یہ احساس قبلہ سخی صاحب کی وفات کے سبب تھا۔ بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی شہر سسری نگر اور دیگر مقامات میں مریدوں کی کثرت اور شہرت میں قبلہ سخی صاحب کی تبلیغی کاوشوں کو بھی دخل ہے۔ قبلہ سخی صاحب کی نظر خاص ڈاکٹر عبد الحفیظ پر تھی۔ انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے اور خاص توجہ فرماتے۔ نتیجتاً ڈاکٹر صاحب میں بھی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے کراچی میں اویسیہ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کیا۔ آپ کی توجہ بھی زود اثر ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے اکثر لوگ حضوری ہو جاتے۔ آپ کے مریضوں میں ضلع میانوالی کے لوگ عالی جاہ حضرت سید نور الزمان شاہ صاحبؒ کے عزیزوں میں سے کچھ مریدوں سے تھے۔ ان میں اکثر لوگ ڈاکٹر صاحب سے عقیدت رکھتے تھے۔ کچھ حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی نسبت سے کچھ ان کی اپنی فقیرانہ کمالیت کی وجہ سے۔ اکثر مریض بچاتے دوا استعمال کرنے کے آپ سے بیمار کو دم کر کے صحتیاب کرنے کی فرمائش کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مریض کو دم کر کے اُسی وقت ٹھیک کر دیتے۔ میں چونکہ قبلہ سخی صاحب کی وساطت سے ہی سلسلہ میں داخل ہوا۔ مجھ پر بھی آپ ہمیشہ توجہ فرماتے۔ اکثر مجھ سے مراقبہ کراتے اور توجہ



دیتے۔ میں بھی اکثر آپ کے در دولت پر گاندربل یا جہاں کہیں بھی تشریف رکھتے ہوں۔ ہر جگہ حاضر رہتا۔ طبیعت میں سرور آتا۔ تو مجھے حکم دیتے۔ ”نور الدین حقہ بھر لاؤ۔“ میں حقہ بھر دیتا۔ آپ پلنگ پر لیٹ کر مجھے حکم دیتے مراقبہ کرو ہم توجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ میں مراقبہ میں مشغول ہو جاتا۔ اور آپ حقہ کا کش لگا کر اجلاس میں پیش کرتے اور میں آپ کی توجہ کو اچھی طرح محسوس و مشاہدہ کرتا۔ کبھی میرا امتحان لینے کے لیے پوچھتے مراقبہ کرو اور بتاؤ میں کہاں جاتا ہوں۔ تو آپ جیسا تصور کرتے۔ ویسے ہی میں مقام کی نشاندہی کرتا کہ آپ فلاں فلاں جگہ پر ہیں۔ اسی طرح اکثر مجھے ٹریننگ دیتے رہتے۔ دوسری جرمن لڑائی ۱۹۴۲ء میں آپ کو ہر لمحہ مشغول دیکھا اور اکثر مجھے بلا کر مراقبہ کراتے۔ اور جرمنی اور برطانیہ کی جنگ کے متعلق محاذوں پر جرمن فوجوں کی نقل و حرکت پوچھتے۔ یہ حقیقت ہے کہ قبلہ سخی صاحب میرے صحبتی پیر تھے۔ آپ کی ذات سے مجھے بہت فیض حاصل ہوا۔ ہر ساعت مجھ پر عنایت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں آپ سے جدا ہو کر بحر و فراق کی وادی میں سرگرداں و پراگندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ میں پاکستان چلا آیا۔ ہاں ولی کے لیے دور و نزدیک کا تصور نہیں وہ ہر جگہ ہے۔ اس کی آمد و رفت میں زمانہ اور مسافت حائل نہیں ہو سکتے۔ دوری کے باوجود ہمیں اپنے محبتوں کی عنایات سے ہمیشہ فیض حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ جناب قبلہ سخی صاحب کی عنایت سے آپ کا سلسلہ میری اور میرے دوستوں کی وساطت سے پاکستان کے وسیع علاقہ تک وسعت پذیر ہوا۔ اور یہاں بھی کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ امینیہ میں داخل ہو کر حضوری ہوتے رہے۔ مراتب اعلیٰ پاتے رہے۔ اللہ کے فضل سے آپ کی نسبت سے پاکستان میں یہ سلسلہ نہایت خوبی کے ساتھ جاری ہے۔ پاکستان کے بیشتر علاقہ میں ہماری نسبت سے سلسلہ اویسیہ کے مرید باقاعدہ سلسلہ چلا رہے ہیں۔

۱۔ پاکستان میں سکونت کے دوران میرا ارادہ خصوصی طور پر مریدی نہ تھا۔ میں کشمیر میں بھی رنگ سازی کی مزدوری کرتا تھا۔ یہاں ایٹ آباد ضلع ہزارہ میں قیام میں بھی طبری ملازمت کرتا رہا۔ قدرتی یہ سلسلہ مجھ سے جاری ہوا کہ میں لوگوں کو درود شریف (درود اویسی) تلقین کرتا رہا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



بیرون ممالک برطانیہ۔ جرمنی۔ فرانس۔ سعودی عرب تک ہمارے سلسلہ کے لوگ پھیلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۵)

مگر پیری مریدی کا ارادہ نہ تھا۔ اسی دوران اچانک ایک صاحب سے ملاقات ہوئی یہ صاحب بھی سلسلہ طریقت کے متلاشی تھے۔ کہنے لگے عرصہ دراز سے میں فقرہ کے پیچھے پھرتا رہا لیکن کسی فقیر کسی پیر سے میں کچھ فیض حاصل نہ کر سکا۔ اب آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ کہیں آپ بھی یہی نہ فرمائیں ”کہ صاحب ہمارے پاس آپ کے لیے کوئی فیض نہیں۔ کسی اور جگہ تلاش کریں۔“ میں اب تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے مایوس نہ فرمائیں۔ میں نے کہا کہ مطمئن رہیں۔ آپ شرائط طریقت پر کاربند رہیں۔ آپ کو اب کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ میں نے نماز کے ساتھ درود شریف گیارہ سو بار پڑھنے کی ہدایت کی۔ طریقت کے کچھ آداب سے واقف ہو چکا تھا۔ نام محمد طفیل تھا۔ آبائی گاؤں تحصیل سمندری فیصل آباد۔ ملٹری ملازم (حوالدار) تھے۔ کوشش میں لگے رہے۔ بلکہ اپنی محنت کے ساتھ لوگوں کو عقیدت کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھنا بتاتے رہے۔ کافی عرصہ یہ عمل ان کا جاری رہا۔ اس دوران انہوں نے کافی لوگوں کو درود شریف بتا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ ملٹری ملازمت کی وجہ سے آپ کا پاکستان کے بیشتر علاقوں میں تبادلہ ہوتا رہا۔ جہاں جاتیں وہاں لوگوں کو تلاش کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ ۳۸۵)

۱۹۸۲ء میں میرا ایک درودخوان دوست غلام محمد شاہ کشمیری ریہ درودخوان بارہ مولہ کے سید خاندان سے تعلق رکھتا ہے) حج پر گیا۔ وہاں بیت اللہ میں سوڈانی حبشی طواف کر رہے تھے۔ ایک سوڈانی اس کے قریب ہی دعا مانگ رہا تھا اور بڑے ہی عجز و انکسار سے آہ زاری کر رہا تھا۔ غلام محمد شاہ انگریزی عربی۔ فارسی اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس نے اپنے پاس بلایا۔ اسے اسی جگہ درود شریف کے ساتھ راقہ کرایا۔ توجہ دی۔ اسی آن وہ حضورؐ کی اجلاس محمدی ہو گیا۔ وہ شخص بید خوش ہوا۔ اور بیت سے سوڈانی حاجیوں کو لایا اور سب نے درود شریف کی اجازت لی۔ اسی طرح محمد شاہ بیت اللہ کے قریب جہاں مقیم تھا۔ وہاں پر بھی چند حاجیوں کو جن میں ترکی۔ ایران ہندوستان اور الجزائر کے لوگ تھے۔ درود شریف دیا۔ جن میں اکثر کو مشاہدہ ہوا۔ اور بعض حضوری بھی ہوئے۔

ہوتے۔ درود خوان۔ ان زمینوں کو بھی تجلیات سے منور کر رہے ہیں۔ بلاشبہ اس حقیقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶)

سلسلہ میں داخل کر کے درود شریف کا ورد بتاتے رہے جس سے میری نسبت سے سلسلہ اولیہ کو کافی وسعت حاصل ہوئی اور لوگ مجھے پیر صاحب پکارنے لگے۔ ان صاحب میں یہ خصوصیت تھی۔ کہ درود شریف پڑھنے کے ساتھ مراقبہ میں پڑھنا تمام رات جاگتے رکھنے کی محنت دیتے رہے۔ جن میں کبھی کسی شخص کو کچھ حالات۔ نوری کیفیات یا اجلاس مدینہ منورہ کا مشاہدہ ہوتا۔ ایسے واقعات سے انہیں بھی مشاہدہ کا کافی شوق پیدا ہوا۔ جہاں بھی جاتیں۔ پاکستان میں پنجاب کے علاقوں میں۔ تبادر کی صورت میں کشمیر، راولپنڈی، جہلم، فیصل آباد۔ ملتان اور بہت سے پنجاب کے علاقوں کے لوگوں کو خصوصاً فیصل آباد جہاں ان کا آبائی گاؤں تھا۔ یہاں لوگوں کو درود شریف کا وظیفہ بتا کر کثرت سے درود خوان بنا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں زیادہ تر علاقوں شہروں میں کثرت سے درود خوانوں کا مجمع ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان میں اکثر لوگ انہی صاحب کی ہدایت حاصل کرتے رہے۔ ملطی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ اپنے شہر فیصل آباد میں تعلیم دیتے رہے۔ یہاں پر بھی انہوں نے سلسلہ اولیہ کا اجراء جاری رکھا۔ یہاں سکول ماسٹر کی ملازمت ملی جس میں سکول کی ملازمت میں بھی لوگوں کو سلسلہ طریقت اویسی میں داخل کرتے رہے۔ یہاں ان کا دولت خانہ ہی مرجع خلافت رہا۔ چنانچہ آپ نے اپنے گھر پر ہی ایک ادارہ سلسلہ اولیہ کا دربار۔ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں لوگ کثرت سے آپ کے حاضری دیتے۔ اور ہدایات و ارشادات حاصل کرتے رہے۔ غرض اویسی دربار نے ایک باحیثیت۔ معقول حیثیت اختیار کر لی۔ اور انہیں پیروں ملیسی عزت افزائی اور عقیدت حاصل ہوئی۔ اسی اثنا میں ان کے ذہن میں ذاتی طور صاحب مشاہدہ ولی ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس کے لیے یہ صاحب اکثر مطالبہ کرنے لگے کہ میں۔ لوگوں کو درود شریف بتاتا ہوں۔ کہ اس درود شریف پڑھنے سے اجلاس محمدی (زیارت سوالیہ) کا مشاہدہ ہوتا ہے لہذا مجھے بھی اس قابل کر دیں کہ میں صاحب مشاہدہ ہو جاؤں تاکہ میں لوگوں کو درود شریف پڑھتے اور زیارت ہونے کی دلیل پیش کر سکوں۔ یہ حالت ایک عرصہ دراز سے ان کے ذہن میں ابھرتی رہی۔ گویا۔ غالباً آٹھ دس سال کا عرصہ گزرا ہو گا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



کے زیر نظر اس امر میں کچھ شبہ نہیں کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب حضور قبلہ عالم کے ازلی  
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۷)

”صوفی محمد طفیل صاحب ادیسی“ باوجود تمام رات مراقبہ میں گزارنے اور لوگوں کو کثرت سے  
درد و خوان بنانے اور راتوں کو مراقبہ کرانے کے۔ آپ کو مشاہدہ کی کیفیت حاصل نہ ہو سکی۔  
اس سلسلہ میں آپ میں مشاہدہ کی شدت بے حد بڑھتی رہی۔ لیکن کسی صورت مشاہدہ نہ ہو سکا۔  
اور میں خود بھی باوجود انتہائی کوشش کے مشاہدہ یا زیارت اجلاس محمدیؐ نہ دے سکا۔ نتیجہ یہ  
ہوا کہ خواہش کی شدت کے نتیجہ میں ان کی طلب نے ایک اور نیا رخ اختیار کر لیا۔

ہوا یہ کہ دوران ملازمت۔ سکول ماسٹری میں۔ ان کا تبادلہ کسی گاؤں کے سکول میں ہوا۔ یہ  
گاؤں شہر فیصل آباد سے دس میل دور چک نمبر ۸۰ میں تھا۔ یہاں اکثر عالم لوگ تھے۔ جو یکتائی کے  
نام سے مشہور تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ گاؤں میں کوئی عالم۔ کوئی فقیر وارد ہو۔ اس کے کمالِ علم  
کا محاسبہ کرنے کے لیے۔ اس سے علمی بحث چھیڑ دیتے۔ ان میں اکثر بنادٹی۔ لاعلم عالم ہوتے۔ جو  
ان کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ آخر گاؤں سے بھاگ جاتے۔ ان کی علمی حیثیت سے انہیں مزید حوصلہ اور  
بحث و مباحثہ کی خو پڑتی رہی۔ جہاں بھی کسی گاؤں میں کوئی عالم۔ فقیر وارد ہوتا۔ تو یہ لوگ اس  
کا پیچھا کرتے۔ ناکامی کی صورت میں پیر صاحب۔ عالم صاحب گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے۔ اسی  
دوران انہیں صوفی محمد طفیل کے متعلق علم ہوا۔ کہ آپ بھی فقیری میں درک رکھتے ہیں۔ چنانچہ یکتائی  
صاحبان میں خاص کر چک نمبر ۹۱ کے مولوی شاہ محمد صاحب جو کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔  
اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی علم میں بدرجہ کمال درک رکھتے تھے۔ ان سے ملاقات  
میں بحث و مباحثہ ہوا۔ لیکن طفیل صاحب نے ان کی کچھ چلنے نہ دی۔ آخر یہ بیشتر یکتائی ان کے  
خاص دوست بن گئے۔ اب صوفی طفیل صاحب کے گھر ”سکول“ پر ہی ان کا اجتماع ہونے  
لگا۔ اور تمام رات صرف بحث و مناظرہ۔ خاص کر قرآنی آیات پر بحث ہوتی رہتی۔ یہ عادت  
ان کی اتنی پختہ ہو گئی کہ یہ لوگ بغیر بحث و مباحثہ رات نہ گزارتے۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ صوفی  
طفیل صاحب بجائے درد و مراقبہ کے۔ تمام رات بلکہ دن بحث و مباحثہ میں گزارنے لگے۔  
اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ مشاہدہ نہ ہونے کے باعث۔ ان کی دل چسپی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منتخب کردہ خلیفہ اکبر دوسرا پھل ثابت ہیں اور آپ اپنے پیر کے دعوے کی بین دلیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۸)

قرآن و حدیث پر بے نتیجہ بے اثر۔ بحث و مباحثہ میں بڑھنے لگی۔ اور طفیل صاحب نے قرآن شریف کے ترجمہ (صرف و نحو کے ساتھ) میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی۔ اسی دوران۔ بعض احباب نے آپ سے ترجمہ تفسیر سیکھنا شروع کیا۔ اس طرح اسی علمی عمل میں آپ کی مشاہدہ کی خواہش کو علمی پیاس سے تسکین ہوتی رہی۔ مگر سلسلہ طریقہ ادیسی میں دلچسپی ختم ہونے لگی۔ آخر انہوں نے بجائے اجرائے طریقت کے قرآنی علم کو اپنانا شروع کیا۔ اس حال میں کہ اب مجھ سے بھی بحث و مباحثہ میں مجادلہ کرنا شروع کیا۔ جو دو دو رات تک جاری رہتا۔ جس میں موصوف اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس کے ساتھ کہ آپ کا مطالبہ۔ مشاہدہ اجلاس محمدی جاری رہتا۔ جو نہ پورا ہو سکا۔ اس کے باوجود دربار ادیسیہ جاری رہا۔ اور سالانہ عرس (قبلہ پیر محمد امین اولیٰ) ہر سال منعقد ہوتا۔ ان کے خاص مریدین و معتقدین میں یسین صاحب شاہ کوٹ والے۔ مرزا رشید بیگ گجرات والے۔ اور اس کے مرید یا بوکر م دین قادر آباد (گجرات) والے شمار ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں میں اکثر حاضری دیتے رہے۔ اور ہدایات سنتے اور عمل کرتے رہے۔ اس حال میں کہ دربار ادیسیہ کو سلسلہ ادیسیہ کی نسبت سے کافی شہرت ملی۔ میں اکثر اپنے احباب کے ساتھ دربار ادیسیہ میں بمع چند احباب کے صوفی صاحب کی خدمت میں بحیثیت مہمان حاضر ہوتا۔ لیکن صوفی صاحب موصوف کا بحث و مناظرہ کا رخ میری طرف ہونے لگا۔ جو بالآخر اختلاف علم اور عقیدہ میں رونا ہونے لگا۔ بالآخر یہی جذبہ میرے اور صوفی محمد طفیل صاحب کے درمیان اختلاف۔ اور آپس کے تعلقات میں رخنہ کا سبب بنا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱۔ شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

بخت او سخی است در ولایت عطیہ مصطفیٰ و ابن مریم

حنور قبلہ عالم فرماتے ہیں سخی کو ہم نے اپنے دعویٰ کی دلیل سے مرید بنایا کہ خود حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اور حنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی بشارت ملی۔



ثابت ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے رفیق خاص اور دوست تھے۔ آپ کی وفات سے حضور قبلہ عالم نے بھی فرقت کا اٹھ لیا۔ لیکن قدرت نے خود اس کا ازالہ کر دیا۔ اس دور میں بھی آپ کو ایک رفیق خاص کی خدمت میسر آئی۔ یہ خوش نصیب ہستی ڈاکٹر محمد رمضان صاحب حضور کے دور ابتلا و کرب کے ساتھی اور محب ثابت ہوئے۔ آخر دم تک آپ نے حضور قبلہ عالم کا ساتھ دیا۔ اسی خصوصیت پر حضور قبلہ عالم کی وفات کے بعد آپ کو حضور کی سوانح حیات کی تدوین کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جس پر موصوف نے کتاب نور العرفان ترتیب دے کر سلسلہ اولیہ کو آپ کی نسبت سے متعارف کرایا۔ کتاب مذکور میں بیشتر واقعات موصوف ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔

گزشتہ بیان میں چونکہ موصوف سے قبل (بیعت ہونے سے قبل) کے واقعات درج

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۹)

جو آخر دائمی جدائی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اب میرے اور ان کے درمیان کوئی دوستانہ تعلق یا رابطہ قائم نہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

یہ حقیقت میں ہر حال میں تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ کا فرمان ہے۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ بلاشبہ صوفی محمد طفیل صاحب نے جو طریق حصولِ حق میں اختیار کیا۔ وہ حدیث نبویؐ کے مطابق اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ نیت پر عمل کا بدلہ ہوتا ہے۔ جہاں تک موصوف کی نیت اور حق کی نیت اور سوچ سمجھ کر نیت خالص کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کسی عمل کی جزا دینی ہے۔ کہ کسی نبی رسول کی ناراضگی کے باوجود اگر اللہ کے نزدیک عمل خالص ہے۔ کسی فرد کا عمل ذرہ بھر بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ صوفی محمد طفیل نے سلسلہ اولیہ میں حسن نیت سے جو محنت کی اس کا اجر۔ درود پڑھنا۔ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کرنا۔ اپنی جگہ ایک عمل ہے جس کو حاصل کرنے۔ حاصل ہونے میں کوئی بھی مغل نہیں ہو سکتا۔ یہ عمل الہی ہے۔ کسی کی جائیداد نہیں۔ جو کوئی کسی کے فیض حاصل کرنے۔ ہونے میں مغل ہونے کا اختیار رکھتا ہو! وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ مگر سمجھ پختہ ہو۔ عمل حسن نیت پر ہو۔ کسی کا عمل ضائع نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ راہِ صحیح اور مستقیم کو سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

(العارض محمد نور الدین اویسی)

تھے۔ ان واقعات میں چونکہ خاکسار اکثر حضور کی صحبت و قربت میں رہا۔ اس لیے مناسب جانا کہ میں بحیثیت شاہد ”معاون راوی“ واقعات کا تذکرہ کرنے میں حصہ لوں۔ اس کے بعد چونکہ ہمیں حضور کی قربت سے فراق کی وادیوں میں دھکیلا گیا۔ اس لیے بقیہ واقعات جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی علمیت میں پیش آتے۔ خود ڈاکٹر صاحب کی زبانی بیان ہوں گے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہی ”نور العرفان“ کی ابتدا کی ہے۔ اس لیے اب آپ کی تصنیف کے مندرجات ہی کا آئندہ اعادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب نور العرفان میں حضور قبلہ عالم کی سوانح میں ایک مثالی واقعہ سے ابتدا کرتے ہیں۔

## مسز ہوگن ایک امریکی خاتون کی سرگزشت

ڈاکٹر موصوف بیان کرتے ہیں :- ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روزِ سعید تھا۔ اسی دن میں قبلہ پیر صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا تھا۔ اور اپنے ظاہر و باطن اور دین و دنیا کو آپ کی نذر کر چکا تھا۔ دوسرے دن صبح پونا شہر (بھارت) کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں روانہ ہونے سے پہلے قبلہ پیر صاحب کی خدمت میں اجازت لینے کے لیے۔ برادرِ محمد ابراہیم صاحب (وانگٹو) کے ہاؤس بوٹ (کشتی) پر گیا۔ وہاں قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی۔ قبلہ سخی صاحب بہت زوردار الفاظ میں کسی کی وکالت کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو کسی امریکن خاتون کا بار بار ذکر ہوتا رہا۔ میرے استفسار پر قبلہ سخی صاحب نے جن سے میں حال ہی میں متعارف ہوا تھا۔ مجھے ”خدا کے دین کا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھتے احوال“ کہہ کر خاموش کر دیا۔ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر پونا جانے کی اجازت لے کر روانہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ پونا کے قیام کے بعد واپس



سری نگر آگیا۔ گھر سے فراغت حاصل کر کے پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں جنگل میں خیمے نصب تھے۔ جن میں یہ امریکن خاتون مسز ہوگن (MRS HOGAN) ٹھہری تھیں۔ موصوفہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھیں۔ جنہیں محمد ابراہیم صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے لائے تھے۔

مسز ہوگن کی داستان متلاشیانِ حق کے لیے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسز ہوگن خود حضور قبلہ عالم کی خدمت میں اپنی کہانی بیان کرتی ہے۔ جو محمد ابراہیم صاحب رمالک ہاؤس بوٹ۔ HOUSE BOAT ترجمہ کر کے حضور قبلہ عالم کو سناتے ہیں۔ آپ کا بیان ہے۔ ۱۹۲۵ء میں جب میری عمر تیس سال تھی۔ میں اپنے شہر ہالی وڈ HOLLYWOOD کے سب سے بڑے گرجے میں عبادت کے لیے گئی۔ عبادت کے بعد میں گرجا کے صحن میں گرسی پر بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہوئی۔ حالت مراقبہ میں مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حالت مراقبہ میں ہی غنودگی کے عالم میں دیکھتی ہوں کہ سامنے ایک بہت بڑا گرجہ ہے۔ اور عیسائی لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی گرجا میں داخل ہونے کے لیے بڑھی۔ تو اتنے میں گرجا کے اندر سے ایک بزرگ نکلے۔ اور مجھے روک کر کہنے لگے کہ تم اس گرجے میں داخل ہونے کے لیے نہیں پیدا ہوئیں۔ اور دائیں طرف ایک عمارت کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ تمہیں اس میں داخل ہونے کے لیے چنا گیا۔ اس عمارت کا رنگ بالکل سفید تھا اور اس میں سبز رنگ کا ایک گول گنبد نظر آ رہا تھا۔ مسز ہوگن کہنے لگی۔ یہ عمارت اور سبز گنبد مجھے بہت بھلا لگا۔ میں اس عمارت کی طرف چلنے لگی دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونا چاہا مگر یہاں بھی روک دی گئی۔ عمارت کے اندر سے ایک نورانی بزرگ نمودار ہوئے۔ انہوں نے فرمایا اس عمارت میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے اور یہاں داخلہ کے لیے ”ان صاحب“ سے اجازت لینی ہوگی۔ یہ صاحب دراز ریش۔ نورانی صورت۔ بڑی بڑی آنکھیں اور کشادہ پیشانی۔ ایک ہاتھ میں تسبیح لیے۔ دوسرے سے کھیت میں ہل چلا رہے ہیں۔ اور خندہ پیشانی سے مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گئی۔ انہوں نے فرمایا پارلیمنٹ میں داخلہ کے لیے میرا مذہب قبول کرنا ہوگا۔ میں نے تبدیل مذہب

کا اقرار کیا اور کچھ کہنے والی تھی کہ غنودگی سہٹ گئی۔ مراقبہ ٹوٹ گیا۔ اسی وقت گھر آکر خواب کی تمام کیفیت اپنی ڈائری پر درج کر لی۔ اس کے بعد مراقبہ میں دیکھی ہوئی ہستی کی تلاش میں گھر سے نکل۔ لیکن اس ہستی کی پوری نشاندہی حاصل نہ کر سکی۔ تین دفعہ امریکہ سے نکل کر مختلف ملکوں کی سیاحت کی۔ (جس میں مسز ہوگن افریقہ۔ مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک کا خصوصی ذکر کرتی ہیں) لیکن میں اس ہستی کا سراغ نہ لگا سکی۔ ۱۹۴۵ء میں امریکہ سے نکل کر جاپان پہنچی یہاں بھی بہت تلاش کیا۔ مگر میں کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر جاپان سے مایوسی کی حالت میں امریکہ واپس لوٹی سمجھی کہ شاید کامیابی مقدر میں نہیں۔ پارلیمنٹ میں داخلہ کی حسرت پوری ہوتی نہیں دکھائی دیتی۔ اپنی ناکامی پر بیدر بنجیدہ۔ اُداس تھی۔ ایک دن میرے والد نے خواب میں آکر بشارت دی کہ ہندوستان جاؤ وہاں مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ ۱۹۴۷ء کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد لاکھوں کی تعداد میں لوگ پرانگندہ پریشان حال کوئی ہندوستان (بھارت) سے بھاگ رہے تھے اور کوئی آرہے تھے۔ میں اسی زمانہ میں دہلی پہنچی۔ مہاجرین کی حالت زار دیکھ کر سخت دکھ ہوا۔ میں شہر شہر گھومتی رہی۔ ہر مذہب کے عالموں۔ فقیروں۔ درویشوں۔ سے ملی۔ مگر کسی سے خواب کی تعبیر میسر نہ آ سکی۔ اسی دوران ایک ہندو عالم شاننا ندھا نے اپنے آشرم میں چھ مہینے گاؤ پوجا اور رکشا کرائی۔ کافی مجاہدہ کیا لیکن مدعا حاصل نہ ہو سکا۔ مایوس ہو کر پھر امریکہ واپس چلی آئی۔ مختلف ملکوں کی جادہ پیمائی میں عمر کے تقریباً پچیس سال گزر گئے۔ طویل مایوسی کے بعد پھر اُمید کا سہارا لے کر آخری جدوجہد کے لیے قدم اٹھایا اور اس بار سیاحت کشمیر کا ارادہ کیا۔ کشمیر پہنچ کر سری نگر میں محمد ابراہیم کے ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ یہاں بھی اسی مردِ حق کی تلاش میں مختلف فقرا مولویوں۔ درویشوں اور

---

لے مسز ہوگن نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے امریکہ سے مہاجرین کے لیے ہر قسم کی امداد ہٹا کرنے کے لیے امریکی حکومت سے اپیل کی۔ اس زمانہ میں امریکہ میں مسٹر ہیری ٹرومین صدارت کے عہدہ پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ کی اپیل پر ہندوستان کے مہاجرین کو امریکہ کی طرف سے امداد دی گئی۔



سادھوؤں سے ملتی رہی۔ اس تلاش میں چھ ماہ گزر گئے۔ اس دوران ہر جمعہ کے دن درگاہ حضرت بلّی حاضری دیتی رہی۔ لیکن وہ صورت نظر نہ آئی جس کی خدمت کے لیے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں میں نے ایک دن باؤس بوٹ کے مالک محمد ابراہیم سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ اپنی خواب کا ان سے ذکر کیا تو قدرت نے میری زندگی کی محنت کو بار آور کر دیا اور میں نے کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد اپنی منزل کو جا لیا۔

خوش قسمتی کی بات تھی کہ مسز ہوگن نے محمد ابراہیم صاحب کے اس کا ذکر کیا ورنہ جہاں میں اس ہستی کا ملنا محال تھا۔ اسلئے کہ یہ ہستی عالم باطن میں ہی پہچانی جاتی تھی۔ دنیا اسے نہ پہچانتی تھی۔ نہ کسی کو اس کا گمان بھی تھا۔ محمد ابراہیم صاحب نے غلام محمد صاحب دانی ڈیٹلیٹ والے سے ذکر کیا۔ انہوں نے قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے مسز ہوگن سے ملاقات کی اور تمام حالات دریافت کئے۔ تو آپ نے انہیں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہونے کا مشورہ دیا۔ جناب قبلہ سخی صاحب کے ملاقات پر ہی مسز ہوگن کو اُمید بندھی کہ میں کامیابی کے زینہ تک پہنچ گئی ہوں۔ مسز ہوگن نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن مسز ہوگن شدید سردی اور برباری میں محمد ابراہیم کی راہنمائی میں کاشیہ شریف حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ محمد ابراہیم نے مترجم کی حیثیت میں مسز ہوگن کی تمام داستان از اوّل تا آخر حضور قبلہ عالم کے بیان کی۔ حضور مسز ہوگن کی تمام داستان سُکر اے دیکھتے رہے۔ آخر اُسے درودِ حضور کی تعلیم فرمائی اور حسبِ ضابطہ جیسا کہ مسز ہوگن نے مراقبہ میں تبدیلی مذہب کا وعدہ کیا تھا۔ بلا چون و چرا حضور کے دستِ حقِ پرست پر کلمہ لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مذہبِ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اور حضور سے بیعت بھی ہوئی۔ انہیں واپس برہنہ مگر بھج دیا اور جناب قبلہ سخی صاحب کو ہدایت فرمائی کہ انہیں اسلامی تعلیمات و آداب

---

لے حضرت بلّی مغلیہ دور کی تیار کردہ ایک یادگار مسجد ہے۔ جو کشمیر کی مشہور جھیل ”ڈل“ کے مغربی کنارے پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹے مبارک ایک منقش پنجرے میں رکھا گیا ہے۔ کشمیر کے لوگ سال میں چھ دن اس مٹے مبارک کی زیارت کے لیے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ اہل کشمیر کے لیے یہ زیارت ایک مقدس مقام رکھتی ہے۔



سے آگاہ کریں۔ مسز ہوگن سری نگر پہنچ کر جناب قبلہ سخی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے انہیں آداب شریعت و طریقت سے آراستہ فرمایا۔ یہاں تک کہ بریاری اور مردی کی شدت میں کمی واقع ہوئی۔ مسز ہوگن نے سری نگر میں سکونت اختیار کی۔ ماہ مارچ میں جب موسم قدرے خوشگوار ہوا تو آپ دوبارہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیرا شریف حاضر ہوئیں۔ حضور نے انہیں خلوت میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ مسز ہوگن حضور کی اجازت سے خلوت گزریں ہوئیں۔ ۲۹ دن مسلسل محنت۔ روزہ۔ شب بیداری و تزکیہ کے بعد مسز ہوگن کا قلب کھلا۔ مشاہدہ شروع ہوا۔ اور وہ وقت سعید آیا کہ مسز ہوگن کی پچیس سالہ تلاش حق میں کامیابی کے بعد اسے وہ مرد حق ملا جس نے عالم باطن میں اپنا روحانی تصور دیا تھا۔ اور وہ اسی تصور کو لے کر مشرق و مغرب کی گرد چھانتی۔ اسے پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مرد حق نے بھی اپنی شرط پوری کر دی۔ یہ مرد حق کہاں تھا؟ یہ مرد حق اسی عمارت کے پاس موجود تھا جو سفید رنگ کی نورانی عمارت تھی۔ جس میں سبز گنبد چمک رہا تھا۔ سبحان اللہ۔ آج مسز ہوگن نے پھر اپنی خواب کو باہوش و حواس دیکھ لیا۔ مسز ہوگن۔ روضہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچی۔ سبز گنبد دیکھ کر پہچان لیا۔ یہی میری خواب کی تعبیر ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اسے پارلیمنٹ کے اندر لے گئے۔ جہاں شہنشاہ کوئین صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ حضور نے مسز ہوگن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مسز ہوگن نے آج دیدار کر لیا۔ اے! اسے کہا گیا تھا کہ تمہیں اس عمارت میں داخل ہونے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ آج مسز ہوگن نے اپنی مراد ایک مرد حق کے دست حق پرست پر پالی۔ دوران خلوت اکیسویں دن مسز ہوگن کو شدید نقاہت اور کمزوری محسوس ہوئی۔ ہاں یہ مقام مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مَوْتُوْا کا ہوتا ہے۔ مسز ہوگن کو گمان گزرا کہ شاید میں موت میں داخل ہو رہی ہوں۔ اس نے صدر امریکہ۔ پرائم منسٹر پنڈت جواہر لال نہرو۔ اور شیخ محمد عبداللہ پرائم منسٹر کشمیر کے نام خطوط لکھے جن میں تحریر تھا کہ وہ بحالت خلوت گزینی وفات پا جائے تو حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب پر کوئی ذمہ داری نہ ہو گی۔ حضور قبلہ عالم کو ان خطوط کے مضمون کے متعلق اطلاع ملی تو آپ نے تبسم فرمایا۔ آپ



نے مسز ہوگن کو محمد ابراہیم مترجم کے توسط سے تسلی دی کہ مطمئن رہیں۔ انہیں خلوت کی حالت میں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ لہذا خطوط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم وہ اسی میں اپنا اطمینان سمجھیں تو خطوط بھیج سکتی ہے۔ ۲۹ یوم خلوت کی حالت میں روضہ مدینہ منورہ میں اجلاس محمدیؑ میں زیارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونے کے بعد حضور قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو مزید عرصہ کے لیے خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسز ہوگن نے خلوت میں چالیس دن پورے کیے اور ولی اکمل بن کر مراتب اعلیٰ حاصل کر کے ولایت کی سند حاصل کر لی۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ معمر خاتون کو جس کی عمر پچپن سال سے تجاوز کر چکی تھی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بعد مزید عرصہ خلوت میں رکھنے میں کیا مصلحت تھی؟ حضور نے فرمایا اگرچہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بعد اس کے قلب سے کفر و شرک کا اندھیرا دور ہو چکا ہے۔ تاہم آئندہ اسرار و معرفت کے انکشافات پر اس کے قلب و ذہن پر یقین محکم کی مہر ثبت ہونے کے لیے ابھی بھی تزکیہ کی ضرورت تھی تاکہ ایک طرف وہ حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو اور دوسری طرف وہ کسی بھی ماحول میں رہ کر فاسد خیالات کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ مرجا!۔ اس پر عزم و استقلال محترم خاتون پر۔ جس نے قرونِ اولیٰ جیسی ہستیوں کے مثل تلاشِ حق میں پیہم جدوجہد اور مسلسل جستجو سے حصولِ مقصد میں کامیابی کی ایک روشن مثال قائم کر دی۔ ہاں!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ خوش نصیب خاتون ازلی نیکہ نخت من جانب اللہ مخصوص و منتخب تھی۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اللہ تعالیٰ آخر اسے پہنچاتا ہے۔ اپنی معرفت کی راہ پر جسے وہ چاہتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ انسان میں اس کی ذمہ داری کا احساس ہو۔ اور فطری تحریک زندہ ہو! کہ وہ تلاشِ حق کا خواہاں بھی ہو۔ انسان خواہ ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو۔ اس میں تلاشِ حق کی فطری خواہش و طلب۔ اور جستجو کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی ”سوئی“ عقل و فرد

سے کام لے کر حق کو قبول کرنے۔ اور اس کی تلاش کی خواہش کرے۔ یہ ظلمت ہی تو تھی۔  
 جس میں مسز ہوگن۔ حقیقت کی تلاش میں مراقب ہوتی رہی۔ طریق کوئی بھی ہو۔  
 مگر نیت تلاش حق کی ہو۔ اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اعمال کا مدار نیت پر ہوتا ہے۔ نیت  
 تلاش حق کی ہو۔ اس کے حصول کا طریق کیسا بھی ہو۔ اُسے حق کی جانب راہ ملتی ہے  
 اور جب ابراہیم علیہ السلام نے تلاش حق میں ستاروں کو دیکھا۔ یہ ظلمت کا ہی تو مقام  
 تھا۔ اور عمل بھی غیر حق۔ مگر نیت میں اپنے خالق کی تحقیق و حال کا جذبہ تھا۔ تو عقل  
 نے بھی راہنمائی کی۔ نہیں یہ خالق نہیں ہو سکتے۔ اور جب چاند کو دیکھا۔ سب سے  
 بڑی طاقت سورج کو دیکھا۔ تو خود ان ظلمتوں سے صراطِ مستقیم کی راہیں نکلتی گئیں۔  
 کہ سب سے بڑی طاقت لَا أُحِبُّ إِلَّا فِئْلَيْنِ۔ اس کی صفت ادھبل ہونا نہیں۔  
 ہیئت تبدیل ہونا نہیں۔ یہ راہ بھی ادھبل ہونے والی قوتوں کے مشاہدے سے ملی۔  
 اسی ظلمت سے ابراہیم علیہ السلام نے اس خدا کے برتر و عظیم کا حقیقی تصور پایا۔ ورنہ  
 آپ نے کس سے راہنمائی پائی۔ آپ کو کس نے کائنات خلقت کے خالق کا پتہ دیا۔  
 ہاں! یہ انسانی فطری تحریک تلاش حقیقت۔ اور فطری جستجو کا مادہ تھا۔ ہاں! اس قدر  
 تلاش حق میں سعی پیہم۔ عزم و استقلال۔ جہد و قربانی۔ مصائب پر لبیک اور مسلسل  
 راہ روی شرط ہے۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی کو اللہ کے نزدیک صراطِ مستقیم تک راہنمائی  
 کا مستحق قرار دیتی ہیں۔ بغیر ان صفات کے کسی کو منتخب نہیں کیا جاتا۔

قسمت کیا ہر چیز کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جانو! غور کرو۔ جب باطن نے مسز ہوگن کو خود ایک راہ کی نشاندہی کرائی تو لازم  
 تھا کہ مسز ہوگن مشرق وسطیٰ میں۔ مدینہ منورہ کی زیارت بھی کر لیتی۔ یہی مقام تو اس نے مراقبہ  
 میں دیکھا تھا۔ تو اسے قریبی راہ مل جاتی۔ مگر یہ راہ زمین کی مشرق و مغرب کی وسعتوں کو  
 طے کرنے سے نہیں ملتی۔ یہ راہ چاند ستاروں کی وسیع فضاؤں کو مسخر کرنے سے نہیں ملتی۔  
 مسز ہوگن نے مشرق و مغرب کی طویل بادہ پیمائی میں کس کی تلاش میں آبلہ پائی اختیار کی؟



وہ تو ایک مردِ حق کی تلاش میں سرگمہ ڈال پھرتی رہی — ہاں! یہ راہ ملنا آسان نہیں —  
یہ راہ ایک مردِ کامل کی راہنمائی سے ملتی ہے — یہ راہ ایک بندِ حجرے میں خلوت گزریں ہو  
کہ — **مُوتُوا قَبْلَ أَنْتُمْ مُوتُوا**۔ کے عمل سے ملتی ہے — مسزہوگن کو عمر کے تیس سال  
اس تلاش میں گزارنے پڑے — ہاں! صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لیے اس راہ کی مشکلات  
پر عبور پانا لازمی شرط ہے۔ بغیر قربانی یہ راہ ملنا مشکل ہے۔ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے  
**أَفَرِحْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ  
مَسْتَهْزِئِينَ سَاءَ الْبَضَاءُ وَزَلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ  
مَتَى نَصُرُ اللَّهَ ط**  
رپارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۱۴

”کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ نہیں پیش آئی تم کو وہ  
حالت جو پیش آئی ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے پہنچی ان کو تنگی اور سختی اور جھڑ جھڑا گئے۔  
یہاں تک کہ بول اٹھے رسول اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ کب ہوگی مدد اللہ کی۔“  
**الْقَوْمِ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُمْتَرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ  
لَا يُفْتَنُونَ ه**  
رپارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۱۱

”کیا خیال کیا لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں کہ ہم  
ایمان لائے وہ آزمائے نہ جائیں گے؟“ حصولِ حق رضائے الہی۔ رضائے رسول صلی اللہ  
علیہ وسلم کی خاطر جانوں پر محنت ڈالنا۔ مشکلات میں گھر جانا۔ ایک آزمائش الہی ہے۔  
عاشقانِ رسول اللہ پر نظر ڈالو — جن کی شرط ایمان — اپنا مال — اپنی اولاد — اپنی جان  
قربان کرنا — قربان کرنا! — اپنی جان تک دے دینا — ہاں دے دینا! صرف قربانی جمع  
خروج نہیں کہ جان دیں گے۔ نہیں! عملی طور جان ہر حال میں قربان کریں گے۔

مسزہوگن ایک خوش نصیب امریکن خاتون ہے۔ جس نے مغرب میں رہ کر مشرق سے  
فیض حاصل کیا — کتنی طویل راہ! — مغرب و مشرق کا بُعد — اور پھر غور کا مقام ہے کہ  
مغرب میں رہ کر کس ہستی کی نشاندہی کی گئی — وہ کون ہستی ہے؟ جو مغرب کی اس  
خاتون کو از باطن دکھائی گئی — **فِذَا هُ امَّيْ وَ اَبِيْ** — ایک دور افتادہ مقام ہے —

غیر معروف شخصیت — جس کی تلاش کرنا — آپ حیوان حاصل کرنے کے مترادف ہے — کون انہیں جانتا ہے — کس نام سے مشہور ہیں — مگر ایک ہستی ہے — جو باطن میں معزز و منتخب ہے — جن کا باطنی عمل دخل مشرق و مغرب میں قائم ہے — یہ ہستی جناب الحاج محمد امین صاحب کاشیراہ کی گنام وادی میں — اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منتخب و محبوب ہستی جنہیں مغرب کی ایک خاتون کی راہنمائی کے لیے مقرر کیا گیا — یہ فسانہ نہیں — یہ امر واقع ہے — زمانہ خود شاہد ہے — جو چاہے تاریخ کو دیکھے — ایک غیر مذہب تعلیم یافتہ انگریز خاتون کا اسلام قبول کرنا — اور آپ سے فیض حاصل کرنا — نہ نفیاتی — ذہنی خلل کے تابع ہے — نہ قصۃ الف لیلیٰ ہے — کہ جس کا حقیقی وجود ثابت نہ ہو —

مسز ہوگن قبلہ عالم کی بیعت و صحبت میں تمام منازل فقر — تا مشاہدہ اسرار الہی — ذات الہی طے کر کے مرتبہ ولایت میں داخل ہو گئی — مسز ہوگن نے اس قلیل وقفہ میں چند کرامات کا اظہار بھی کیا — آپ نے قیام کشمیر میں پرائم منسٹر شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری اور بعد میں ان کی رہائی کی قبل از وقت پیش گوئی کی — حالانکہ اس وقت شیخ محمد عبداللہ کی تنزلی کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا — پنڈت جواہر لال نہرو کی موت اور کئی ایک واقعات کا ذکر کیا — جو وقت پر حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں — حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق نشاندہی کی اور بتایا کہ بوقت ظہور مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہوگی — ماہ رمضان میں لیلة القدر کی ساعت کا انہیں مشاہدہ ہوا — حضرت قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلة القدر کی ساعت کی نشاندہی کرنے کا حکم دیا — آخری رمضان میں مسز ہوگن نے پورے رمضان کے روزے رکھے (مسز ہوگن میرے غریب خانہ پر آئیں اور ایک سرمہ لافافہ مجھے دیا — کہ لافافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کروں — میں نے خود بھی لیلة القدر کا مشاہدہ کیا تھا — یہ لافافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کیا گیا — اس میں لیلة القدر کی نشاندہی تحریر تھی دیکھا تو مسز ہوگن نے صبح ساعت کی نشاندہی کی تھی — حضور قبلہ عالم نے بھی اس کی تصدیق فرمائی — بالآخر مسز ہوگن حضور قبلہ عالم



سے بے شمار انعامات سے مالا مال کامیاب و کامران اپنے وطن روانہ ہو گئیں —  
 امریکہ جانے کے بعد مسز ہوگن اپنا ایک سہ ماہی رسالہ "MY SPIRITUAL EXPERIENCE" شائع کرتی رہیں جس میں حقیقی علم طریقت کے مضامین بھی شائع کرتی رہیں۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ حضور قبلہ عالم کو بھی پیش کیا گیا۔ بالی وڈ جا کر اس کے تین بیٹے اور ان کے بیوی بچے بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ

لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۶۹)

اور وہ لوگ جو "خواہ مغرب میں ہوں" میری راہ میں جدوجہد کریں۔ البتہ میں انہیں "مشرق کے بعد میں بھی" اصل راہ تک پہنچنے کے لیے راہنمائی کرتا ہوں — اور وہ اس میں کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔

حضور قبلہ عالم فیض باطنی عطا کرنے میں حد درجہ کریم و فیاض تھے۔ آپ خلق خدا کی ہدایت اور فیض حاصل ہونے میں "حریص" تھے۔ آپ کی خدمت میں کوئی بھی پیش ہوتا۔ آپ بغیر اس کی شخصیت دیکھے کچھ نہ کچھ ارشاد عنایت فرماتے۔ آپ ہر شخص کو انسانی حیثیت سے دیکھتے کہ انسان ضعیف ہے۔ اس پر اس کی عبدیت کا شدید بوجھ ہے جس کا انسان متحمل نہیں۔ انسان نے اپنی بناوت و نافرمانی پر ایک دن شدید عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ حضور کو انسانی تنزل و پستی کا شدید احساس تھا۔ اس لیے آپ انسانی فلاح کے لیے ہر لمحہ مستعد رہتے۔ آپ کسی شخص کی کوتاہی یا بد عملی پر اظہارِ نفرت نہ فرماتے — بلکہ ایسے لوگوں سے حد درجہ مروت و شفقت سے پیش آتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایک شخص خواہ وہ دین سے کتنا ہی دور ہو۔ آپ کے حسن سلوک سے آپ کا گردیدہ بن جاتا ہے۔ ایسی صورتیں کوئی بھی شخص جو شرعی احکام کی تعمیل پر نہ رغبت رکھتا ہو۔ خود بخود احکام۔ نماز و درود پر عامل ہو جاتا ہے۔

درحقیقت اجرائے دین و قرآن میں قرآنی احکام پر کسی کو تعمیل کے لیے آمادہ کرنا — سوائے اس کے نہیں کہ ایک مبلغ کی شخصیت — اس کے کردار — اس کے

اخلاق حسنہ سے۔ انسان متاثر ہو کر۔ دلی طور۔ خود بخود۔ احکام کی پیروی پر مائل ہو۔ یہ اخلاق حسنہ۔ یعنی انسانی کردار کا ایک خوبصورت پہلو ہے جس کا اثر انسانی قلب قبول کرتا ہے۔ یہی اثر حُب کہلاتا ہے۔ جو کسی انسان کے قلب میں لطافت پیدا کر کے اسے حق کی طرف مائل ہونے کی تحریک دیتا ہے۔ جو انسان کے ہر حسین عمل کا محرک بن جاتا ہے۔ بغیر اس ذریعہ کے انسانی اصلاح و آمادگی تعمیل احکام میں اور کوئی ذریعہ مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ انسان انحراف کا عادی ہو جائے تو کوئی طاقت اسے جھکنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم ایسے ہی اخلاق حسنہ کا نمونہ تھے کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں تھوڑی دیر قیام کرے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی مجلس میں ہر نوع ہر مذہب کا آدمی۔ وہ کسی بھی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ بلا جھجک شامل ہوتا۔ آپ سے کسی بھی طرز پر بحث ہو جائے۔ آپ کی طبیعت مکدر نہ ہوتی۔ آپ ہر شخص کو اس کی طبیعت کے مطابق خندہ پیشانی سے جواب دے کر مطمئن کر دیتے۔ خواہ کسی شخص کا سوال۔ بحث و مناظرہ کی صورت میں تلخ بھی ہو۔ یا آزمائش کے لیے ہو۔ آپ کسی کی سخت کلامی سے متاثر نہ ہوتے۔ بلکہ ملامت سے ہر شخص کے سوال کا واضح دلیل کے ساتھ جواب دیتے۔ تو انسان آپ کی شخصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اور اس کے دل میں آپ کے لیے عزت و عقیدت کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس میں ہندو۔ عیسائی۔ دہریے۔ شیعہ۔ مادہ پرست۔ یا مختلف عقائد سے تعلق رکھنے والے لوگ غرضیکہ ہر مکتب فکر کا آدمی آزادی سے شامل ہو جاتا۔ چنانچہ ایسے لوگوں میں بعض باوجود غیر مذہب۔ اور غیر مسلک ہونے کے۔ حضورؐ نے کچھ ارشاد کرنے کی استدعا کرتے۔ تو حضورؐ بلا امتیاز ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ارشاد (و نطیفہ یا درود شریف) عطا فرماتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایسے لوگوں کے قلوب میں دین اسلام کی نورانیت بر باطن سرایت کر جاتی اگرچہ ظاہر اُوہ دین میں داخل ہونے کا اظہار نہ کرتے۔



## ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری درودخوان بن گئے

قبل ازیں ایک واقعہ بیان ہوا۔ یہ زمانہ غالباً ۱۹۴۰ء کا تھا کہ سری نگر شہر میں رامیراگل پل کے قریب) ڈاکٹر اتری ایک ہندو ڈاکٹر حضور قبلہ عالم سے جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کی عینک خریدتے وقت بحث میں اُلجھ گئے۔ یہ ان کی ابتدائی محدود ملاقات تھی۔ بعد کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کا رسالہ ضبط منازل (منازل فقر و کاز پرسی سری نگر میں زیر طبع تھا) میں (ڈاکٹر محمد رمضان) اور قبلہ سخی ولایت خان صاحب اس رسالہ کا پروف پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایس۔ کے۔ اتری صاحب کا وہاں سے گزر ہوا۔ آداب و تسلیات کے بعد میرے ہاتھ سے ضبط منازل کا نسخہ لے کر پڑھنے لگے۔ نو وجد میں آگئے اور گرسی پر بیٹھ کر ورق گردانی کرنے لگے۔ فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اور دنیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ خود حقیقت کی تلاش کا دل میں جذبہ تھا۔ مطالعہ کے بعد روتے ہوئے کہنے لگے۔ گنگا ہمارے گھر میں بہہ رہی ہے۔ اور میں جاپان تک اس کی تلاش میں ہو آیا۔ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درود شریف پڑھنے کی اجازت لی اور باقاعدہ مریدوں میں شامل ہو گئے۔ حضور نے انہیں درود شریف پڑھنے کی اجازت دے دی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ شخص ہندو ہے۔ دین اسلام میں بھی داخل نہیں۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ کہ حضور کی خدمت میں انتہائی عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ دل میں ایک اثر پیدا ہوا۔ درود شریف کی اجازت مانگی۔ اس حال میں کہ اتری صاحب خود کو ہندو سمجھتے تھے۔ اسلام سے دور کا واسطہ نہ تھا مگر دل نے درود شریف لینے پر مجبور کر دیا۔ ہاں! ایک جذبہ تھا نہ معلوم اس جذبہ میں کیا تاثر تھا۔ اس جذبہ کے تاثر کی ظاہری کوئی شکل نہیں کہ پہچانا جائے یہ تو لطیف تاثر ہے۔ جسے روحانی لطافت کہا جاتا ہے۔ شاید اس جذبہ اور تاثر کے لیے شرط اسلام نہ ہو۔ یا یہی جذبہ اسلام سے تعبیر ہو۔ اتری صاحب نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو قلب کھل گیا۔ مشاہدہ نوری شروع ہوا۔ درود پڑھا۔ انوار کا مشاہدہ ہوا۔ درود میں تو نور محمدی کے

انوار ہی ہوتے ہیں۔۔۔ قلب پاک ہوا تو انہیں انوار میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوتی ہے۔۔۔ ہاں! مگر قرآن واضح بیان دیتا ہے:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكْذِبُوا بَايَعْنَاكَ أَصْحَابُ السَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اللہ تو صرف اپنے دوست ہی کو اندھیرے سے نکال کر نور میں مقام دیتا ہے۔۔۔ اور اس کے برعکس اسلام سے انکار کرنے والے کے لیے نور کا میسر ہونا ممکن نہیں۔۔۔ ڈاکٹر اتری صاحب نے بھی اسلام قبول نہیں کیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور حضور قبلہ عالم کی عظمت کو تو تسلیم کر لیا اور حکم قرآنی کے تابع درود پڑھ لیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا۔۔۔ اتری صاحب نے یہی دعا کی کہ رحمت بھیج ہمارے سردار اور ہمارے مددگار پر۔۔۔ اس کا نتیجہ۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ اظہر من الشمس۔۔۔ کوئی فسانہ نہیں۔۔۔ یہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ شخصیت خود دلیل ہے۔۔۔ اتری صاحب کو مشاہدہ نوری ہوا۔ اتری صاحب مشاہدہ کرتے رہے اور اکثر میرے پاس آکر اپنے مشاہدات بیان کر کے ان کی اصل کیفیت کا علم حاصل کرتے رہے۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت اور عالی مرتبت اور اولوالعزمی کی دلیل ہے۔

## پنڈت جیالعل کا بیعت ہونا

ایک ہندو پنڈت جیالعل صاحب کو آپریٹو سٹور (سیلو گاؤں) میں اکاؤنٹنٹ تھے حضور قبلہ عالم کے اوصاف حمیدہ دیکھ کر ایسا گرویدہ ہوئے کہ عام مریدوں کی طرح بیعت ہوئے۔۔۔ درود شریف کی اجازت لی۔ مراقبہ میں درود شریف پڑھنے لگے۔ اب بھی یقینہ حیات ہیں۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم کے عرس مبارک میں ہر سال شامل ہوتے ہیں۔۔۔ رات بھر شب بیداری میں درود شریف۔ مراقبہ میں پڑھتے ہیں۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مقدس سن کر درود پڑھتے ہیں۔۔۔ جیسے ایک مومن صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا ہے۔ مگر ماتھے پر ہلکے لگاتے ہیں۔ خود کو ہندو پنڈت ظاہر کرتے ہیں۔۔۔ مجلس میں ایک دن پنڈت جیالعل



صاحب نے وجد میں آکر یہ شعر پڑھا۔ ”اسم احمد از ہمہ آفاق اولیٰ تراست“ مگر کوئی کیا بتاتے کہ پنڈت صاحب کو اس شعر میں کیا نظر آیا۔ ہاں یہ ایک لازم ہے۔ جو اسے حضور پر نور الحاج محمد امین صاحب نے بتایا۔ تو یہ راز پنڈت جیالعل صاحب اور حضور قبلہ عالم کے درمیان۔ راز ہی رہے گا۔

بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ بغیر دین میں داخل ہوتے۔ بغیر کلمہ پڑھے ایک غیر مسلم کو درود شریف پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جو درود شریف پڑھتا ہے۔ مراقبہ کرتا ہے۔ مشاہدہ کرتا ہے۔ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ۔ اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی۔ جو چاہا۔ اس وحی کا ذکر نہیں۔ کیا چاہا۔ یہ راز ہے۔ جو نہ قرآن میں آیا۔ نہ احکام میں آیا۔ نہ تعمیل احکام۔ جزا سے اس کا تعلق ہے۔ یہ بھی تو راز ہے۔ جو اللہ اپنے محبوب بندہ پر وحی کرتا ہے۔ جو راز ہی رہے گا۔ شاید اسی راز کی ایک جُز ہو۔ جو شرط تعمیل احکام شرعی سے سوا بھی۔ وحی ہوتی ہے تو یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا جو صاحبِ حال پر ہی کھل سکتا ہے۔

ۛ میانِ عاشق و معشوق رمزیت

کراماً کاتبینِ راہِ ہمِ خبر نیست

پنڈت جیالعل صاحب نے حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ہاں! بیعت کی۔ بیعت سے مراد۔ میں نے اپنی جان ہی۔ رضائے الہی۔ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک راہبر کامل و اکمل کے ہاتھ پر فروخت کر ڈالی۔ میں۔ میں نہ رہا۔ میں کسی غیر خدا کی ملکیت نہ رہا۔ ایک غلام ہوں۔ جو بک گیا۔ جسے قرآن نے عبد کہا۔ عبد ہوا تو قصہ ختم!۔ قرآن کا مقصد واضح ہے۔ وَأَنْ اَعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ! اور میرے غلام بن جاؤ یہی صراطِ مستقیم۔ سیدھا راستہ ہے۔ اس کے بعد اور کیا باقی رہا جس کا اقرار کیا جائے۔ جس کی طلب کی جائے۔ جسے مقصد زندگی بنایا جائے۔ اپنی جان بیچ ڈالی۔ غلام بن گئے۔

یہ ایک غور طلب نکتہ ہے۔ کہ بیعت کس طرح ہوتی ہے۔ کہ ولی۔ ولی اکمل

ہو۔ صاحب معرفت۔ صاحب اختیار۔ جسے چاہے دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرے۔ تو اسے قبول کیا جائے۔ ہاں ایک انسان کے لیے اولاً اسلام قبول کرنا شرط ہے۔ مگر ولی اکمل صاحب اختیار۔ مقام محبوبیت پر فائز ایک شخص کو بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے۔ تو اسے بھی قبول کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت صرف رجسٹر میں نام درج کرانا نہیں بلکہ حقیقت میں بیعت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سستی کی سفارش قبول فرمائیں۔ یہ مقام محبوبیت ہے۔ جو حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالی کو عطا ہوا کہ آپ کی سفارش پر غیر مسلموں کو بھی قرب و دیدار سے نوازا جاتا ہے۔

لے کے دلورام کو جنت میں حضرت جب گئے  
غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

(ایک ہندو شاعر کا شعر)

حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں جو بھی طالب حق آیا۔ آپ نے کبھی اس سے استفسار نہ کیا کہ پہلے کس کے مرید تھے؟ پہلے بیعت کی ہے یا نہیں۔ یا یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص کسی سلسلہ کے پیر سے بیعت ہے تو آپ نے یہ شرط نہ لگائی کہ پہلے پہلی بیعت فسخ کرو اور ہماری بیعت کرو تو تب وظیفہ دیا جائے گا۔ نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوا۔ آپ ہر شخص کو بلا تحقیق و استفسار درود شریف بتاتے اور اس امر کی پابندی نہ فرماتے کہ سلسلہ اویسیہ کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس حالت میں بھی ایسے طالب حضوری ہو جاتے۔ اس کے بعد بھی کسی پر پابندی نہ رکھتے کہ حضوری ہونے کے بعد سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو جاؤ یا ہماری بیعت کرو۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کوئی درود شریف کی اجازت لے کر بیعت ہونے کی خواہش کرتا۔ تو آپ فرماتے

اے سلسلہ اویسیہ میں داخل ہونے کی حضور سے کوئی شرط نہ تھی۔ نہ تربیت یا رہبری حاصل کرنے کے لیے سلسلہ کی پابندی تھی۔



فی الحال درود شریف پڑھو جب زیارت ہو جائے پھر بیعت کرنا۔ ایسا ہی ہوتا کہ لوگ بغیر بیعت کے چند دنوں میں حضور ہی ہو جاتے۔ اب یہ فیصلہ ایک شخص کی فہم پر موقوف ہے کہ وہ حق و باطل کی تیز کے ساتھ حق کو قبول کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ہندو غیر مسلم بھی فیض یاب ہوتے۔ ایسے ہی اکیسین زمانہ گنہگار انسانوں کی ہدایت کے لیے ہی مقرر ہوتے ہیں۔!۔!۔ یہ بھی تو مقام شفاعت ہے۔

## حبیب آخون کی وفات پر دستگیری

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضور کلام فرما رہے تھے۔ دوران کلام حضور نے فرمایا ”نہیں اس کو ساتھ لے جاؤ۔ اپنے سے جد امت کرو۔“ میں نے عرض کی کہ حضور ہماری گفتگو کے ساتھ اس مجملے کا ربطہ نہیں۔؟۔ فرمایا لنگیٹ رگاؤں، میں ایک مرید حبیب آخون جان کنی کی حالت میں تھا۔ شیطان اس کے ایمان کے درپے تھا ہم نے اسے حکم دیا کہ ایمان کا چولہا لباس، شیطان کو نہ دے۔ شیطان نا اُمید ہو کر بھاگ گیا۔ اس سلسلہ میں ظاہر کلام ادا ہوا۔ حضور اسی وقت لنگیٹ روانہ ہوئے۔ تو حبیب آخون وفات پا چکے تھے۔ حضور نے خود اپنے مرید کا جنازہ پڑھایا اور سپرد خاک کیا۔ یہ بھی شفاعت ہی کی ایک ادا ہے۔ جانو کسی مرد اکمل کی خصوصیت!۔ اور اس کے کمالات باطنی کو۔ پہلے تسلیم بالغیب تو کرو۔ ایمان لاؤ۔ پھر جھجک جاؤ۔ تسلیم خم کرو۔ اپنی ”انا“ کو ذبح کرو۔ انکار کی عادت ترک کرو۔ دل اکمل کی غفلت پہچان لو۔ پھر خود مشاہدہ کرو۔ یہ امر بغیر تسلیم اور سر جھکانے کے سمجھا پہچانا نہیں جاتا۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسانِ عقل

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

ہاں یہ کمال ہے کہ ایک دل اکمل محبوبیت کی صفت کے تابع یہ اختیار رکھتا ہے کہ جسے چاہے علم عطا کرے۔ جسے چاہے۔ جب چاہے معرفت میں کامل کر دے مقامِ ولایت

جہد و علم پر منحصر ہے۔ مگر اس کا حصول ولی اکمل کی ذاتی خصوصیت پر بھی منحصر ہے۔  
 ”ولی چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔“ ہاں! اس ”کرنے“ میں ولی کی ذات — اس کا  
 ظاہر ”بشر“ ہے۔ مگر باطن۔ فنا کے مقام پر ”گفتہ او گفتہ اللہ بود“ کے مصداق ہوتا ہے۔  
 ولی کائنات کے ہر گوشہ پر اپنی دسترس رکھتا ہے۔ مرتبہ صدیقی پر بحیثیت قطب الاقطاب  
 زمین پر امور کی انجام دہی۔ ولی کے حکم کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ عالم کے تمام خزانوں کی  
 گنجیاں (چابیاں) ولی کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں۔

## معجزاتِ انبیاء کی حقیقت

حضور کبھی کرامات کو اہمیت نہ دیتے۔ فرماتے ہیں کرامات ولایت میں شامل نہیں۔  
 کرامات ناسوتی عمل ہے جن کا تعلق مقامات ناسوتی سے ہے۔ گزشتہ انبیاء کے معجزات  
 کی نوعیت بھی ناسوتی تھی جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جانا —  
 حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کا مسخر ہونا۔ وحوش و طیور کا کلام سمجھنا۔ حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام کا عصا — ید بیضا — حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو اچھا کرنا  
 — پرندوں میں روح پھونک کر زندہ کرنا — مردے زندہ کرنا — یہ کمالات ناسوتی ہیں۔  
 ایسے کمالات دراصل ان کی خصوصیاتِ نبوت میں شامل ہیں۔ صرف ان کی نبوت کے لیے  
 بطور دلیل مافوق الفطرت مظاہرات کا اظہار کرنا تھا۔ کہ ان کمالات سے ان کی نبوت ثابت  
 کرنا مقصود تھا۔ بہ الفاظِ دیگر نبوت کو رسالت کی دلیل کے طور پر استعمال کرنا کہ ایک ہستی  
 مامور من جانب اللہ — کلام الہی — احکام الہی — معرفت الہی کی تکمیل کرانے والی ہستی۔  
 قابل اتباع ہے — اور معجزات کو نبوت کی دلیل میں اس لیے پیش کیا گیا کہ زمانہ اور اقوام۔  
 مامور من جانب اللہ و رسول کی یؤمنون بالغیب کی صورت میں اتباع کریں۔ اسلئے  
 کرامات کا اظہار محض قوموں کے عقائد و نظریات یا واردات و واقعات کے مطابق اظہار  
 تھا۔ یعنی ہر قوم میں ان کے عقل میں آنے والے کمالات سے بالاتر کمال کا اظہار کرنا۔ جیسا  
 کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بغیر کیاوی ترکیب کے لوہا موم ہونا۔ مافوق العقل۔



ناممکنات سے تعبیر تھا۔ اس لیے یہ دلیل پیش کی گئی کہ انسانی تحقیق سے ماورئی ایسے واقعات کا اظہار رُوحانی اعتبار سے ایک ہستی کا من جانب اللہ رُوحانی قوت کا حامل ہونا ایک نبی ہونے کی دلیل ہے اور نبی سے مراد ایک عظیم رُوحانی قوت کی حامل شخصیت اس امر کی اہل ہے کہ وہ انسان کو حقیقت کی طرف لانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس سے وہ انسان کو معرفت حقیقی کی تکمیل کرنے کی دعویٰ دار ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوا مسخر کرنا۔ پرندوں اور حشرات الارض کا کلام سُننا یا ان سے کلام کرنا وقت کے محققین کے طبی کمالات کے مقابلہ میں ان کے نزدیک ناممکن عمل کو ممکن کر دکھانا۔ نبوت کی دلیل تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اپنے عروج پر تھا۔ جب ہی توساعروں سے مقابلہ ہوا اور ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو ناممکن اور مافوق العقل جان کر آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت عروج پر تھی۔ ان محققین کے نزدیک برص کے مریض کا صحت مند ہونا۔ ناممکنات میں سے تھا۔ اس کے مقابل حضرت عیسیٰ نے طبی اصولوں کے مطابق معجزات کا مظاہرہ کیا جو ان کے لیے مافوق العقل متصور ہوتا تھا۔ اور چونکہ گزشتہ دور میں ایک نبی ایک واحد قوم کے لیے مبعوث ہوتا۔ اس لیے اس قوم کے کمالات کے مطابق ہر نبی کو معجزات دیئے گئے۔ اور یہ معجزات ایک نبی کی سیرت کی نشاندہی کرتے تھے۔ اس لیے جن میں قبولیت کا مادہ ہوتا وہ انہیں قبول کرتے اور اکثر اپنی نفسانی خواہشات کے زیر اثر اسکے ماننے سے انکار کرتے۔ بہ الفاظ دیگر ہر نبی اپنی سیرت کی دلیل میں معجزات کو ہی وجہ دلیل پیش کرتا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کَافَّةً لِلنَّاسِ رُوءے زمین کی تمام مخلوق کے لیے مبعوث کیے گئے۔ جبکہ اس زمانہ میں گزشتہ زمانوں کے تمام علوم و کمالات انسانی ذہن میں جمع ہو چکے تھے۔ جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جامع کمالات بنا کر بھیجا گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے گزشتہ انبیاء کے کمالات و معجزات کے مقابلہ میں۔ بعض مافوق العقل معجزات کو وجہ دلیل نبوت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ وَلَكُمُ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی کردار و عمل کو وجہ دلیل نبوت



قرار دیا گیا۔ یہ کردار معجزات سے کہیں افضل تھا۔ وہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قبل کی زندگی تھی۔ جو اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ کی صورت میں پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوتی کمالات کا حامل قرار دیا گیا۔ اس لیے قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناسوتی کمالات یا معجزہ کا ذکر نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ کفار کے سوال پر کہ گزشتہ انبیاء نے اپنی نبوت کی دلیل میں۔ لوسے کا موم ہونا۔ ہوا کا مسخر کرنا۔ عصا کا اڑدھا بننا۔ یدِ بیضا۔ بیماروں کا صحت مند ہونا۔ مُردے زندہ کرنا۔ ان ہی کمالات کے تصور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کئے۔ مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ میں بجائے خود کوئی معجزہ اپنی نبوت و رسالت کی دلیل میں پیش نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ آپ کی ذاتی شخصیت کو امین صادق کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا۔ ظاہر ہوا اُمّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء اُمّت کے لیے بھی ناسوتی کمالات کا اظہار سنت کے مطابق لازم نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک ولی کے دعویٰ ولایت کے لیے اس کی شخصیت کا اہم ہونا۔ اور اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ کے حکم کے تحت کمالات ملکوتی میں مشاہدہ عالم ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت کی سیر کے ساتھ معرفت الہی کی تکمیل کرنا ہے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ ولی اس حال میں بھی کرامات ناسوتی کا حامل ہوتا ہے۔ گزشتہ انبیاء نے اپنی رسالت کی دلیل میں پہلے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نبی سے مراد۔ میں مامور من جانب اللہ ہوں۔ مجھے تمام اسرار الہی کا علم و مشاہدہ حاصل ہے۔ مجھے معرفت الہی میں مقام فنا و بقا حاصل ہے۔ یہی نبی کے معنی ہیں۔ کہ میں صاحب مشاہدہ ہوں۔ اِسی صفت سے مجھے قِيَامًا يَّاتِيْكُمْ مِّنِّيْ وَهُدًى کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست یا فرشتہ کے ذریعہ ہدایت وحی کی جاتی ہے۔ لہذا میرا کلام اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس اعتبار سے میں رسول اللہ ہوں۔ ان احکام کی اتباع کرو۔ میری اتباع کرو۔ میں تمہیں اسی ضابطہ ہدایت کے ذریعہ علم دوں گا۔ تمہارا تذکیہ کروں گا اور اسرار الہی اور معرفت الہی کی بالمشاہدہ تکمیل کروں گا۔ یہی انسانی زندگی کا واحد مقصد ہے۔ سو ہر نبی و رسول نے اپنی اُمّت کو



یہی تعلیم دی ہے۔ یہی مشاہدہ کرایا۔ یہی اتباع کلام الہی شریعت سے تعبیر ہے۔ یہی طریقت معرفت سے تعبیر ہے۔ یہی دین اسلام ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلٰی سَلَامٍ یہی دین — یہی شریعت یہی طریقت حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس میں تمام عالم انسانی کے لیے ضابطہ ہدایت قرآن کی شکل میں نازل ہوا —

جُوْبَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ ازل سے اللہ تعالیٰ نے مرتب کر کے عالم نوری میں ایک غزانہ میں محفوظ کر رکھا تھا۔ جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰتَہٗ وَ الْاِنْجِیْلَ تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ توراۃ اور انجیل کی — توراۃ و انجیل دلیل دیتی ہے اپنے حق ہونے کی کہ یہ علم قرآن کے اجراء سے ہے۔ دیکھو قرآن بھی یہی کچھ بتاتا ہے جو ہم پہلے بتاتے رہے — اور گزشتہ انبیاء نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ملکوت میں مشاہدہ کیا کیونکہ اسرار الہی صراط اللہ کا راستہ عالم ملکوت سے ہو کر جاتا ہے۔ جہاں کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اَدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ اللہ تعالیٰ نے اسرار الہی کا متعین راستہ صراط اللہ ازل سے مقرر کیا تھا۔ جس میں عالم ناسوت —

عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت۔ مقامات متعین تھے۔ ان ہی مقامات کے سیر و مشاہدہ سے نبی۔ نبی کہلاتا ہے۔ اس لیے ہر نبی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت محمدی کی پیش گوئی کی کہ ایک نبی آخر میں آنے والا ہے۔ جو تمام عالم انسانیت کیلئے ہادی بن کر تشریف لائیں گے۔ انکے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نشاندہی کی کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک چمکتا ہوا نور ظاہر ہوگا۔ جن کی جلو میں ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسی ہونگے۔ جو قیامت تک انسانوں کیلئے ہدایت پہنچائیں گے — یہ شمع بردار پروانے علمائے امت میں نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حامل شریعت — حامل طریقت اولیاء ہونگے۔ جن کی تبلیغ عین اسوۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق — امین و صادق شخصیت کے ذریعہ ہوگی۔ علمائے امت کے لیے بھی کرامات و کمالات۔ وجہ دلیل ولایت نہ ہوگی۔ بلکہ ذاتی شخصیت اور کمالات ملکوتی۔ معرفت الہی کا عطا کرنا اصل ہوگا۔

پیشتر بیان ہو چکا کہ جملہ طریقت کے سلسلوں میں عالم ناسوت کے منازل طے کرنا لازم ہے۔ اس لیے ان منازل میں ایسی کرامات کا صدور لازمی ہے مگر سلسلہ ادیبیہ کے

طالب کو عالم ناسوت سے پھلانگ کر گزرنا ہوتا ہے۔ اس حال میں بھی اس کے لیے یہی صورت ہے کہ وہ ان کرامات کا حامل ہوتا ہے مگر یہ کرامات عالم ناسوت کی حدود میں رہ کر جاتے ہیں۔ عالم ملکوت میں ادب — ادب — ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ ایک لمحہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ نہ رہنا — ایسی صورت میں عالم ملکوت کے داخلہ کے بعد ناسوتی کمالات کی نہ گنجائش ہے۔ نہ موقع۔ سوائے کمالات ملکوتی کے کہ ایک طالب کو عالم ملکوت میں داخل کر کے معرفت الہی میں کامل اکمل کر دینا — یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی تھی کہ آپ ہر لمحہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیدار الہی میں مستغرق رہتے — سو لازم ہے کہ ولی اپنے فنا میں مقام ملکوتی — جبروتی — ہوتی میں ہی طالب کو لے جاتا ہے — ہاں اس کے لیے ابتدا میں اپنی ذاتی شخصیت ہی وجہ دلیل ولایت لازم ہوتی ہے۔

## سید عبدالحق اندرانی کا واقعہ

حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سید عبدالحق صاحب محکمہ تعلیم میں مدرس تھے ایک دن قصبہ سوپور راجو حضور کے آستانہ عالیہ سے تقریباً پچیس تیس میل دور ہے کے بازار میں چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کئی دنوں سے حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا موقع نصیب نہ ہوا۔ دل میں حضور کی قدم بوسی کی شدید تڑپ محسوس ہوئی۔ چنہری قدم چلے تھے کہ حضور قبلہ عالم سامنے دکھائی دیئے۔ آپ نے پوچھا بلانے کا کیا سبب ہوا عرض کی کہ حضور سے ملاقات کی تمنا تھی۔ آپ نے فرمایا — لو ہم حاضر ہیں جب چاہو یاد کرو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اسی عالم میں حضور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ حضور کے کمالات کی ایک جھلک تھی — جانو — یہ کمال بھی ناسوتی ہے۔ اسے طے مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا ہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اَتِيكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاَهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۴۰)



حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے ملکہ صبا کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے قبل پہنچا دے تو ایک عفریت (جن) نے کہا میں جب تک آپ کھڑے ہوں تخت حانتر کر دوں گا۔ مگر ان میں ایک شخص تھا۔ جسے میں نے اپنا علم (معرفت) دیا تھا کہا آنکھ جھپکنے میں تخت آجائے گا۔ پس آنکھ جھپکنے میں وہی تخت ہزاروں میل دور مقام سے اٹھا کر دربار میں لایا۔ یہ ایک کیفیت ہے کہ مادی وجود کو ناری ہئیت میں توجہ سے تبدیل کر کے منتقل کر دیا۔ سو جس نے اپنی روح حیوانی کو نوری ہئیت میں فنا کر دیا اس کی ہئیت جسمانی نوری ہئیت اختیار کر جاتی ہے اور یہ جسم ایک آن میں مشرق سے مغرب تک انتقال کر جاتا ہے۔ یہ ایک ولی کی سیرت میں اس کے جسمانی کمال میں شامل ہے کہ ولی تزکیہ نفس سے خاکی جسم کو ناری ہئیت میں تبدیل کرتا ہے تو وہ ناری نوری صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ مکتوباتِ چشتیہ میں ذکر ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجیر شریف میں استغراق میں بخارا کا خیال فرماتے۔ آنکھ کھولتے تو خود کو بخارا میں پاتے۔ آپ کے تزکیہ نفس کے متعلق ذکر ہے کہ آپ رات کو مسجد کی چھت پر مسجد کے کنگرے کو بکڑ کر تصور و مراقبہ کرتے۔ اس حال میں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نیچے گر جائیں۔ اس طرح ساری رات عبادت میں گزارتے۔ یہی کیفیت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی تھی۔ کہ حصول معرفت میں آپ نے کٹھن مجاہدات سے کام لیا۔ ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے۔ دنوں۔ ہفتوں۔ فاقہ سے گزارتے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ اپنے مریدوں کی پکار پر ان کے پاس مجسم پہنچ جاتے۔

جسمانی حیثیت میں بھی۔ روحانی حیثیت میں بھی وہ قدرت رکھتے تھے کہ روح حیوانی سے فتمثل لہا بشرًا سویتا۔ کی ترکیب کے ساتھ ایک مثالی جسم کے ساتھ اپنے پکارنے والے کے پاس پہنچ جاتے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ انسانی فطری تخلیق کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ان کمالات پر قدرت رکھتا ہے۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کی تھی۔ کہ آپ کی ذات زمان و مکان کی قید سے آزاد تھی۔ راتوں کو اپنے حجرے سے غائب رہتے۔ جب کہ دروازے کھڑکیاں مکمل طور پر بند ہوتی تھیں۔ بہر نوع یہ کمالات حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ کمالات

میں شامل ہیں۔ مگر آپ نے ایسے کمالات کا اظہار نہ فرمایا۔ بجائے اسکے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے تابع کمالات ملکوتی کے بدرجہ اتم حاصل تھے۔ کہ ولایت میں آپ کی ذاتی شخصیت کو وجہ دلیل ولایت سمجھا گیا۔ آپ کے دعویٰ ولایت میں آپ کو ولی اکمل اور قطب الاقطاب کا درجہ حاصل تھا۔ اور آپ ایک طالب کو چند ساعتوں میں حضوری اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کر دیتے۔ آپ کے خلفاء میں بھی جناب عبدالکریم صاحب زرگہ راجہ سخی ولایت خان صاحب۔ ارسلان خان صاحب اور بھی کئی مرید معرفت الہی میں ولی مکمل اور ولی اکمل کا درجہ رکھتے ہیں اور مجلس مشاورت کے ارکان میں قطب العالم۔ قطب الارشاد۔ قطب سلاطین کے مدارج پر فائز ہیں۔ ان میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معزز خاتون گلنار بیگم بھی قطب العالم ولی مکمل کا درجہ رکھتی تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں بیعت کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ ان اکابرین اولیاء نے کثرت سے لوگوں کو سلسلہ اولیہ میں داخل کر کے حضوری کیا۔ بلکہ اونچے مراتب تک پہنچا دیا۔ بلکہ حضور کے ادنیٰ مریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ جو شخص ایک بار سلسلہ میں آپ سے بیعت ہو کر درود شریف پڑھتا ہے، اُسی آن حضوری ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی شخص ابتدائی قدم پر اگر خود کسی شخص کو صرف درود شریف دے۔ اس میں خود ایک طالب کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور ایسا شخص بھی کسی طالب کو حضوری کر سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے منازل فقر میں اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔

باشد وجود اولیاء اندر زمین	از برائے حاصل حق الیقین
تو بکوری ماندہ اے بے یقین	زین سبب حاصل نہ شد حق الیقین
نور مرداں مشرق و مغرب گرفت	تو نہ بینی باش تو بے جان خشت
منکرے را این چنین باشد سزا	کہ نہ بیند نور مرداں از خدا
صد ہزاراں شکر تو اے رب دیں	در دل من تو نہادی این یقین
الاناں ایقان گشتہ آں جہاں	ہست پیش قلب من یک سرعیاں
جز من از کل او کلی شدہ	کز عنایت پیر اکمل پُر شدہ



پیر باشد مثل پیر من عیاں  
 مثل زنبیلے گدایاں بس دراز  
 نظر شان بر اینکه آید مرغ کے  
 اے بسا کہ از نیازِ حلوہ خواں  
 باید اے یاراں دریں راہ کوششے  
 در شبے تاریک ساعتِ ہا دراز  
 تا بجوش آید تہو کاںِ قدیم  
 پڑ شود از لعل او قلبِ دروں  
 ایں سخن پایاں نہ دارد اے امین  
 حاصل ایں آید کہ اے محصلِ کمال  
 کہ روی در پیشِ کاملِ راہنما  
 طالبِ حکمت شو از مردِ حکیم  
 میکنی تسلیم جاں را پیش او  
 یابی از توحید یزداں راز ہا  
 یک تعجلیت بناشد کرد رہین  
 ہست اندر دروئے مردِ خدا  
 نے چو پیرے عرض کیسہ در نہاں  
 ظاہر ش اندر نماز و بس نیاز  
 تا نباشد خالی از حلوا شے  
 گشتہ خالی قلب جان از جلوہ جان  
 تا نہ باشد نورِ حق را پوششے  
 باش گریاں زار تارو۔ زار و زار  
 ریزد از دریائے حق دُرِ یتیم  
 یابی از انوارِ حق بیرون دروں  
 حصہ کو دارد کہ ہست حق الیقین  
 تا بیابی حکمت از صنئے جلال  
 پر کنی کاسہ زخم او چوں گدا  
 تا از و گردی تو بینا و علیم  
 گردی از دریائے حق چوں شمس رو  
 آں زماں کا موخستی پرواز ہا  
 پیش اکمل باش از فتنہ رہین  
 گویا کہ از حق شدن با حق جدا

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ حصولِ معرفت میں ایک ولی اکمل صاحبِ ولایت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر ولی کامل کی راہنمائی کے صراطِ مستقیم کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ ایسا ہوتا آیا ہے۔ کہ فقر کی راہ میں۔ چوراہوں پر فقر کا لبادہ پہنے گندم نما جو فروش نہیں بہت ملیں گے۔ مگر ان فقیروں کا لباس فقیرانہ ہے۔ ان کے اندر خواہشاتِ نفسانی کی حرص و ہوس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ قرآن و حدیث کا وعظ بھی سنتے ہیں۔ ان کے ظاہری چہرے۔۔۔ خوبصورت۔ سرخ و سفید۔ ریش سفید و دراز۔ ایسے ہیں۔ کہ ان پر ولی اللہ ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر ان کے سینے نورِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ ناسوتی کرامات بھی دکھاتے ہیں۔ بزعم خود۔۔۔ یہ خود کو ولی سمجھنے کا دھوکہ بھی کھاتے ہیں۔ یہ فقیر علم ولایت سے بے بہرہ۔ بے خبر۔ خود کو

بھی دھوکہ دیتے ہیں اور طالبانِ حق کے لیے راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يَتَّخِذُ عَدُوَّهُ اللّٰهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ وَمَا يَتَّخِذُ عَدُوًّا إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

(پارہ اول سورۃ البقرہ آیت ۸-۹)

اور لوگوں میں سے بعض ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر۔ یہ ایمان نہیں لائے۔ بلکہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ نہیں دھوکہ دیتے مگر خود اپنے آپ کو مگر انہیں شعور نہیں۔ یہی کیفیت ان نام نہاد فقرا کی ہے جو کہتے ہیں ہم ولی ہیں۔ ہم سے معرفت حاصل کرو۔ انہوں نے ایک کثیر خطہ زمین پر قبضہ جمایا ہوتا ہے۔ اونچے قبوں والے مزار کو قہمتوں۔ بلوری فانوسوں۔ قبر پر زری چادروں کے چڑھاوے سے عود اور اگر بتیوں کی خوشبوؤں سے جنت نما بنایا ہوتا ہے۔ جہاں سادہ لوح عوام الناس عقیدت و احترام میں اپنے دل پیش کرتے ہیں۔ اپنی دولت پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ پتھر دل فقرا یہ جانتے ہیں اپنے باطن میں۔ کہ یہ سب دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کے باوجود وہ لوگوں کو دعوتِ حق دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے میں ان کے سروں پر دستِ آزر (عرص) پھیرتے ہیں۔ ان کے سجدوں کو قبول کرتے ہیں۔ افسوس کہ وہ اصولِ آدابِ طریقت سے بے خبر۔ دلیری سے منہ طریقت پر بیٹھ کر فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جانتے نہیں۔ مگر جانتے ہیں کہ اس بکرو فریب کے نتیجے میں ہم نے اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ مگر دلیرا تنے ہیں کہ خوفِ قیامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بعض جاہل۔ لاعلم مصنوعی فقیر اپنی مصنوعی فقرانہ ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے ہر ناجائز طریق استعمال کرتے ہیں خوفِ خدا کا قطعاً احساس نہیں کرتے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ معرفتِ الہی اور حصولِ معرفتِ الہی تخلیق کائنات کا بنیادی تصور ہے۔ اس کائناتِ نوری۔ ناری۔ خاکی کا وجود نہ پیدا ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ازیلی میں۔ چاہا کہ اَنَا اعْرِفُ میں پہچانا جاؤں۔ اسی خواہش کی تکمیل۔ اسی ارادہ کی تکمیل کے لیے فَخَلَقَ الْحَبَّ۔ پہلے حب کو پیدا کیا۔ یہ حب اس کی اپنی ذات



کے نور کی۔ ایک جڑ تھی۔ جب ارادہ کیا اللہ نے۔ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ۔ فَيَكُوْنُ پہچاننے والے کو بناؤں۔ تو اپنے نور میں ایک جڑ کی شکل میں پیدا کیا۔ یہ کائنات کا بنیادی نور ہے۔ ہاں یہی نور ہے جس کو اپنی پہچان کے لیے بنایا۔ یہی نور اللہ کی پہچان کرنے والا ہوگا۔ اور یہی نور ہے۔ جو حقیقی معنوں میں سب سے زیادہ پہچان کرنے والا ہے۔ اس پہچان کے اعتراف سے۔ اسے ”سب سے زیادہ پہچان کرنے والا“ کہا جائے گا۔ اور عربی اصطلاح میں سب سے زیادہ پہچان کرنے والا۔ ”اُحْمَدُ“ سے متعارف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کائنات کی تخلیق کا بنیادی تصور پہچان۔ اَعْرَافٌ ہے۔ اَعْرَافٌ سے ہی معرفت ماخوذ ہے۔ اور پہچان کرنے والا ”اُحْمَدُ“ اور ”حامد“ کہلاتا ہے۔ یہ ایک عظیم تصور ہے۔ اس کی ایک خاص اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ”حمد“ کے لیے۔ تمام کائنات کے نور کو پیدا کیا۔ جس میں عالم بالا۔ عرش۔ کرسی۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ نجوم۔ اور ارض اور وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ جو کچھ اس کائنات میں ہے۔ وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ نہیں کوئی شے سوائے اس کے۔ کہ اس کے ذمہ صرف (حمد) پہچان مقرر کی گئی۔ اور اس حمد میں مخلوق ارضی کے لیے یہ ”حمد“ خصوصیت کے ساتھ واجب کر دی گئی۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ زمین کی مخلوق کے لیے۔ حق و انس پر ”حمد“ کرنا واجب کر دی۔ یہ امر ارادۂ ازل میں خصوصیت کے ساتھ مقرر کیا گیا۔ کہ اگرچہ ارادہ ازل کے تحت تمام کائنات پر ”حمد“ واجب کی گئی۔ مگر اس مخلوق میں مخلوق ارضی میں۔ انسان پر اس ”حمد“ کو سب سے زیادہ واجب کیا۔ جبکہ انسان سے قبل ملائکہ کے لیے بھی ”حمد“ واجب رکھی گئی مگر انسانی ”حمد“ کو تمام کائنات کی ”حمد“ پر مقدم قرار دیا گیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ کائنات میں نوری اعتبار سے ملائکہ کی ”حمد“ خالص قرار دی گئی مگر اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ میں تمہارے علاوہ زمین کی مخلوق میں سے انسان کو اس ”حمد“ کے لیے خاص طور پر منتخب کرتا ہوں۔ جو تمام کائنات کی حمد سے افضل ”حمد“ قرار دی جائے گی۔ ظاہر ہے۔ یہ ”حمد“۔ یہ ”معرفت“۔ اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے۔ یہ ایک عظیم مقصد ہے جس پر اس کائنات

کی بقا منحصر ہے۔ اور اس کائنات میں انسان کا مقام اس کی ”حمد“ کے اعتبار سے تمام کائنات میں فوقیت اور تفضل حاصل کیے ہے۔ اور جانو اس مقام پر انسان کی پیدائش ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مقام ”حمد“ کے اعتبار سے تمام کائنات پر فضیلت بخشی۔ اس حیثیت کے مد نظر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانے۔ انسان کے ذہن میں ماسوائے معرفت۔ حصول معرفت کسی ماسوا کا تصور قائم کرنا۔ درحقیقت مقصد الہی سے تغافل اور روگردانی ہے۔ سوائے اس کے کہ انسان اس مقصد کے حصول میں اپنی تمام قوتیں صرف کرے اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصد زندگی میں اس کے مرتبہ اور اس کی ذمہ داری کی واضح نشاندہی کی ہے۔ **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ**۔ اے انسان تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں مجتہد محنت بنایا گیا کہ تو نے اپنی تمام قوت۔ اپنا ارادہ صرف اللہ سے رابطہ کرنے میں صرف کرنا ہے۔ محنت کے ساتھ۔ پس تو نے بہر حال اس سے ملاقات کرنی ہے۔ اس کی معرفت حاصل کرنی ہے۔ پس اس سے ملاقات کر! ہاں۔ اس ذمہ داری میں خود کو مجتہد محنت بنا۔ تو نے انتھک محنت کرنی ہے۔ تیری محنت ماسوائے حصول کے لیے حرام ہے۔

باید اے یاراں دریں راہ کوششے      تانہ باشد نور حق را پوششے

اے انسان حصول حق میں تیرے لیے کٹھن محنت ہے۔ عبادات شب بیداری تصور انہماک۔ اور مادی دُنیا کی رکاوٹوں سے جہاد لازم ہے۔ ورنہ تو حق سے دُور ہو جائے گا۔

در شب تاریک ساعت ہادراز      باش گریاں زار زار و زار و زار

حضور قبلہ عالم نے یہ نسخہ کیا بتایا کہ رات کی تاریکیوں میں تو اپنے محبوب کےصال کی تڑپ میں گریہ زاری کر۔

تا بجوش آید تو کانِ قدیم      ریزد از دریاے حق دُرِ قیم

گوہر مقصود حاصل کرنے کا یہ ایک بہتر طریق ہے۔

ہاں! ایک ناتواں جسم کب اس بار کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے پورا کرنے میں



انبیاء قتل کیے گئے۔ اس مقصد کو پورا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون اقدس بہا۔  
 پائے مبارک متورم ہو گئے۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت حسنہ۔  
 اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا کی ہر راحت قربان کر دی۔ جانیں نثار کر دیں۔  
 حضرت بلالؓ نے اپنی جان کے پڑ پچھے اڑوا دیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی جان  
 کا نذرانہ پیش کیا۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے تلاشِ حق کی جستجو میں غریبِ وطنی۔  
 بے سرو سامانی کو اپنی راحت دینوی پر قربان کر دیا۔ حضرت ابراہیم ادھم نے اپنی وسیع  
 شہنشاہی قربان کر دی۔ یہی وہ ذمہ داریاں ہیں جو حصولِ حق میں پوری کرنا واجب قرار  
 دی گئی ہیں۔ اور پھر یہی انسان اَلَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِاللَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ کیا تم  
 حصولِ دنیا کو معرفتِ حقیقی کے مقابل بہتر سمجھ کر ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے میں اپنی  
 قوتوں کو صرف کر کے۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی لذتوں کی خاطر ایک عظیم مقصد کو قربان کرنے  
 میں اپنی آخرت کی تباہی خود اپنے ہاتھوں فرید رہے ہو۔ اور پھر یہ افسوس کا مقام ہے۔  
 کہ اس ذاتِ عظیم کو جو کائنات کا شہنشاہ۔ احکم الحاکمین ہے۔ اس کی عظمت کو حصول  
 حرام میں استعمال کر رہے ہو۔

جانو! انسان کا واحد مقصد معرفتِ الہی میں۔ اپنی جان کو وقف کرنا ہے۔ شدید محنت کٹھن  
 مجاہدات سے کام لینا ہے۔ ہاں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے لازم ہے۔  
 حاصلِ ایس آید کہ اے محصلِ کمال تابیابی حکمت از صنعے جلال  
 ہاں۔ عقلِ سلیم سے کام لینے والے انسان! اگر تو کٹھن مجاہدات کی استطاعت نہیں رکھتا  
 تو عقلِ سلیم سے کام لے تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی چند سکوں کے عوض  
 بے قدری کرتا ہے۔ ایسا نہ کر۔ بلکہ سچے دل سے اس کی اطاعت و معرفت میں  
 جستجو کر۔ تو تجھے کٹھن مجاہدات سے بھی نہ گزرنا پڑے گا۔

کہ روی درپیش کامل را ہنما      پُر کنی کا سہ زخم او چوں گدا  
 تو کسی پیرا کمل کی را ہنمائی حاصل کر کہ وہ تجھے آسانی سے تیرے مقصدِ حقیقی، معرفت میں  
 کامل کر دے گا۔ کیونکہ

من شنیدم از زبان سالک کلاں کہ وجود اولیا۔ پارس بدان  
 صحبت اولیا کی تاثیر یہ ہے کہ پیر اکمل کی صحبت ہی سے تجھے مقام معرفت حاصل ہوگا۔  
 پس بدان کہ ہر توجہ راہنا میشود یصلح لکھو اغنا لکھو راہنا  
 پیر اکمل کی ایک توجہ سے بغیر محنت تیرے مراتب معرفت ایک آن میں طے ہو جائیں گے۔  
 اور تجھے تیرا مقصد آسانی سے حاصل ہوگا۔ مگر شرط پیر اکمل کی ہے۔ ہوشیار باش —  
 ان گندم نما جو فروش — خود فراموش — عاقبت نا اندیش سحت دل فقیروں کی پہلے پہچان  
 کر۔ اور ایک حقیقی عارف کی تلاش کر۔ اپنے بے بنیاد عقائد و نظریات کے خول سے باہر  
 نکل کر صحیح دیانت و عقل سلیم سے تو "حق" — اور پیر کی تلاش کر جب طے تو پھر اس کا  
 ہو کر رہ جا۔ وہ تجھے معرفت میں کامل کر دے گا۔ ورنہ اندھا دھند تقلید و اتباع میں تو  
 گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ یہ امر تیرے لیے دین و دنیا کے خسران اور پریشانی  
 کا سبب بنے گا۔ اور تو صراطِ مستقیم سے دور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور  
 طاغوتی نمائندوں کا پیرو کار ہوگا۔ لہذا ایک ایسے مریدِ کامل کی تلاش کر جو تیرے دین اور دنیا  
 کو سنوار دے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایسے مردِ حق شناس کو  
 پرکھنے کا نسخہ تجویز فرمایا — فرماتے ہیں کہ شیخ وہ ہونا چاہیے۔ جو خود اجلاسِ محمد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ رکھتا ہو۔ اور ولایت کے منازل طے کر چکا ہو۔ جب تو اپنا ہاتھ  
 اس کے ہاتھ میں دے دے۔ تو وہ تجھے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرائے  
 اور تجھے اسی مرتبے پر پہنچا دے۔ جو اس کو خود حاصل ہوا۔ اگر پیر ایسا نہیں کر سکتا تو وہ راہزن  
 ہے اور راہزن۔ زن سے نکلا ہے۔ جو ناقص العقل والدین ہے۔ ایسا پسیر تجھے اور  
 گمراہ کر دے گا۔ لہذا مردِ حق کی تلاش کر۔ ایسا ہی مردِ حق حضور قبلہ عالم مولائی و مرشدی  
 حضرت محمد امین رحمۃ اللہ علیہ جو ولایت میں اکمل تھے۔ اور مریدوں کو اجلاسِ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم میں لے جا کر کاملیت عطا کرتے تھے۔ وہ صاحبِ علم۔ صاحبِ معرفت۔  
 صاحبِ مشاہدہ تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی ان علوم سے نوازتے تھے۔ اور وہ اپنے  
 مریدوں کو ہر وقت نظر میں رکھتے تھے۔ اس میں دوری یا نزدیکی کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔



راقم ایک دفعہ جموں جا رہا تھا۔ رام بن کے قریب ایک موڑ پر دوسری طرف سے ایک ٹرک کے ساتھ ٹکرائے گئے ہی والی تھی۔ کہ ہماری بس (BUS) کو کسی غیبی ہاتھ نے بائیں طرف دھکیل دیا۔ اور بس کھڈ میں گرنے کی بجائے پہاڑی کے ساتھ لگ گئی۔ حضور اپنے مریدوں کی پکار پر فوراً پہنچ جاتے۔ یہاں بھی پیر صاحب پکارنے پر فوراً مدد کو پہنچ گئے اور دستیگری فرمائی اور دوسری ملاقات پر خود ہی اس کا تذکرہ فرمایا۔

## ترال کے نقشبندی پیر کی بیعت

ایک دفعہ حضور قبلہ عالم قبلہ سخی ولایت خان صاحب اور راقم کسی معاملہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ ہم تینوں برابر کہ سیوں پر بیٹھے تھے۔ میں حقہ پی رہا تھا۔ ترال گاؤں سے ایک خمیدہ کمر بزرگ تشریف لائے۔ اندر آتے ہی رونا شروع کیا اور قبلہ سخی صاحب کو پیر سمجھ کر ان کے پاؤں دباننا شروع کر دیئے۔ اور بڑے مایوسانہ لہجے میں اپنی کہانی بیان کرنے لگے۔ کہ میں ایک نقشبندی پیر کے ہاتھ بیعت تھا۔ مراقبہ میں مجھے اپنا پیر نظر آتا تھا۔ لیکن پیر کی وفات کے بعد قلب بند ہو گیا اور اب کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کسی بار میں نے کشمیر کے دوسرے سجادہ نشینوں۔ پیروں سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا مگر میرے پیر صاحب ہر بار مجھے خواب کی حالت میں منع کرتے ہیں کہ میں کسی پیر کے پاس نہ جاؤں۔ آخر ایک دن پیر صاحب نے مجھے بشارت دی کہ شہی چٹمہ میں جا کر ڈاکٹر محمد رمضان کے پیر سے بیعت کروں۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ مجھے بیعت فرمائیے۔ قبلہ سخی صاحب کی سفید چمکتی داڑھی تھی۔ شکل و شباهت میں تقدس اور بزرگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ ان صاحب نے آپ ہی کو پیر سمجھ کر منت و عاجزی کرنی شروع کی۔ حالانکہ حضور قبلہ عالم آپ کے قریب گرسی پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ کی طرف رجوع ہو بھی کیسے؟۔ جبکہ آپ نے ظاہری نمائش یا تن پروری کے آثار کو یکسر جگہ نہ دی۔ ایک جگہ برابر برابر بیٹھے ہیں۔ کوئی چٹخہ نہیں۔ بڑی دستار نہیں تو لازمی سخی صاحب ہی کی طرف رجوع کرنا تھا۔۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے فرمایا۔ بابا میں پیر نہیں ہوں۔ میں پیر کا ادنیٰ غلام ہوں۔

حضور قبلہ عالم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا — آپ کے حضور پیش ہوں — وہ صاحب بے حد شرمندہ و نادم ہوا۔ ترالی صاحب۔ قبلہ عالم کے پیش ہوئے — درود شریف کی اجازت لی۔ اسی وقت بیعت ہوئے۔ رات میرے پاس ہی قیام کیا — ساری رات مراقبہ میں گزاری — اور رات میں ہی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دوسرے دن صبح شاداں و فرحاں بامراد گھر روانہ ہو گئے۔

حضور قبلہ عالم کبھی کبھی کشمیر گسیٹ ہاؤس امیر اکہ ل میں جناب محمد الیاس صاحب کے ساتھ چائے پینے تشریف لاتے۔ ایک دفعہ میں بھی آپ کے ساتھ ریسٹ ہاؤس گیا۔ چائے سے فراغت حاصل کر لی تو حضور قبلہ عالم نماز عصر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے پیچھے مقتدیوں میں محمد الیاس صاحب۔ غلام محمد خان صاحب رجو اس وقت ڈپٹی کسٹوڈین تھے) محمد رمضان صاحب مینجر ہوٹل اور راقم بھی جماعت میں شامل تھے۔ نماز کے دوران ایک شخص نے جماعت کے ساتھ رکوع ادا نہ کیا۔ قیام میں کھڑے رہے۔ رکوع چھوڑ کر سجدے میں چلے گئے۔ غلام محمد خان صاحب نے انہیں ٹوکا کہ آپ نے رکوع ادا نہ کیا اس لیے نماز ادا نہ ہوئی۔ تو اس شخص نے رکوع نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ دوسری رکعت میں قیام کے دوران مجھ پر استغراق طاری ہوا۔ مجھے اپنے وجود کا ہوش نہ رہا۔ اس وقت میں نے دیکھا میں کعبۃ اللہ کے سامنے حطیم میں داخل ہو رہا ہوں اور تجلیات کا اس قدر نزول تھا کہ مجھے احساس نہ رہا کہ میں نماز میں کھڑا ہوں۔ اتنی دیر میں رکوع ہو گیا۔ اور میں بغیر رکوع سجدے میں گیا۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ کیفیت آپ کے لیے مبارک ہے کہ آپ کی نماز حقیقی نماز ہے۔ تاہم لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ سُكْرَى یہ کیفیت سکر میں آتی ہے۔ اس لیے ترک رکوع کے سبب شریعت ظاہری کا التزام ضروری ہے۔ نماز کا حقیقی ثواب تو مل گیا تاہم نماز دوبارہ ادا کریں۔ اس حال میں کہ ذہن پر استغراق طاری نہ ہو۔



## سید حسین شاہ کشتواڑی کا مرید ہونا

ہوٹل سے فراغت کے بعد حضور قبلہ عالم واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک کمرے میں ایک لحیم و شحیم آدمی شراب کے نشہ میں لیٹا دیکھا۔ حضور نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ فرمانے لگے کل چار بجے سے پیشتر یہ شرابی تائب ہو کر ہمارے پاس آکر بیعت ہوگا۔ دوسرے دن عصر کی نماز سے پہلے یہ شخص سید حسین شاہ کشتواڑی غسل کر کے صاف کپڑے پہن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور سے بیعت ہوا۔ ان کا مشغلہ رات دن شراب میں دھت رہنا۔ ہر وقت نشہ میں مست رہنا۔ ان کی روزانہ زندگی کی صبح شراب سے شروع ہوتی اور شراب پر شام ہوتی۔ مشیت الہیٰ — اور ولی اکمل کی نظر پر تاثیر کارگر ثابت ہوتی۔ حضور کی پیشگوئی درست ثابت ہوتی — حضور سے بیعت کے بعد کایا پلٹ گئی — نصف شب کو اٹھ کر غسل کرتے اور صبح کی نماز تک تہجد قائم کرتے ہیں۔ آخر وقت مراقبہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز ادا ہوتی ہے۔ آپ کثرت سے ہر وقت درود شریف ورد کرتے ہیں۔ تقریباً چالیس ہزار درود شریف رات دن میں پورا کرتے ہیں۔ آپ صاحب مشاہدہ حضور فی فقیر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور ہمیشہ بھی کشتواڑی سے آکر حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئیں۔ اور درود شریف باقاعدگی سے پڑھتی ہیں۔

## مولوی عبد الجبار سوپوری کا مرید ہونا

مولوی عبد الجبار صاحب عرصہ چالیس سال سے جامع مسجد قصبہ سوپور کے امام مسجد تھے۔ درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ ان کے اپنے سینکڑوں مرید تھے۔ ایک بار اچانک حضور قبلہ عالم سے ملاقات ہو گئی۔ سلسلہ ادیبہ کے متعلق آپ سے گفتگو ہوئی۔ حضور نے طریقت اور خصوصاً سلسلہ ادیبہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ توحیرت میں پڑ گئے بحید عالم تھے۔ لیکن یہ ایک نیا علم تھا۔ جو مدتوں اس ملک کے علماء کے ذہن میں نہ آیا — دل نے تسلیم کیا — حضور قبلہ عالم کو اپنے گھر مدعو کیا۔ عیدم الفرستی کے

باوجود آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ شام جب قبلہ عالم مولوی صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو مولوی صاحب نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر دیا اور حضور قبلہ عالم کے آگے زار و قطار رونے لگے۔ اپنی گزشتہ زندگی کو ضائع سمجھ کر بے حد نادم و شرمندہ تھے اور افسوس کرنے لگے کہ اگر حضور سے ملاقات نہ ہوتی تو میں اس سرابِ زندگی کی کسی گمشدہ منزل میں بھٹک کر بے نیل و مرام دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ بحمد اللہ

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی مگر ایں پنج روز دریابی  
میری تمام عمر بے خبری کے عالم میں گزر گئی مگر ایک مردِ کامل کی ایک ساعت عطا  
صد سالہ کے برابر — میری زندگی کے پانچ دن بھی غنیمت ہیں کہ میں انشاء اللہ ایک کامیاب  
زندگی میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت بیعت کی۔ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف  
ہوئے۔ اسی وقت حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کپواڑہ پڑاؤ  
پر لاری سے اتر کر ڈیڑھ میل کا فاصلہ پیدل ننگے پاؤں چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے  
— اپنی طویل عمر حقیقی راہ سے محرومی کے بعد چند ساعتوں کی سرفرازی اور عنایت کو دیکھ  
کر دل دنیا سے بے زار ہو گیا۔ مولوی عبدالبجار صاحب اس کے بعد صرف چھ ماہ زندہ  
رہے۔ تھوڑے وقت میں آپ نے اپنے علم اور پیری مریدی سے کنارہ کش ہو کر سارا  
وقت درود شریف اور مراقبہِ حضورِ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف کیا۔ اور تھوڑی  
مدت میں ایک دلِ اکمل کی راہنمائی میں عمر بھر کے خسارہ کو پورا کر کے بامراد عاقبت میں  
داخل ہو گئے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
حضور قبلہ عالم کی خصوصیات میں یہ بات شامل تھی۔ کہ آپ حصول فیضِ باطنی کے علاوہ  
اپنے مریدوں کے حصولِ دنیا میں ہر لحظہ آسودگی کے بھی خواہاں رہتے۔ ہر آن۔ ہر لحظہ انہیں  
اپنے مریدوں کی دنیوی آسودگی کا فکر لگا رہتا۔ چنانچہ آپ اکثر اپنے مریدوں کی مشکلات میں  
برابر دستگیری فرماتے۔ جہاں کسی محب پر کوئی تکلیف وارد ہوئی آپ فوراً اُس کی مدد کو  
پہنچتے۔ ان کی تکلیف رفع کرنے میں ہر تدبیر کام میں لاتے — حضور قبلہ عالم نے کبھی کسی



مرید سے ”پیری مریدی“ جیسا برتاؤ نہ رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کی شفقت و محبت۔  
 رواداری۔ غمگساری نے کبھی کسی مرید کو یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ خود کو آپ کا مرید محسوس  
 کرے۔ آپ ہر مرید سے محبانہ۔ دوستانہ انداز میں پیش آتے۔ گویا آپ قرونِ اولیٰ کے  
 کردار کا مثالی نمونہ تھے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شفقتانہ  
 محبانہ انداز میں تعلق فرماتے۔ ہر شخص سے مساوی حیثیت میں دوستانہ انداز میں پیش آتے جب  
 ہی تو قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے آپس کے تعلق کو ”صاحب“ کے تصور میں  
 ذکر کیا۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مِنْ مَقَامٍ يَافِئُكُمْ هُمْ يَوْمَئِذٍ۔ اللہ تعالیٰ نے بجائے نبی و رسول  
 کے آپ کو صاحب کے خطاب سے پکارا۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے  
 تابعین کو اصحاب کے خطاب سے پکارا۔ أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ فَبِأَيِّهِمْ أَتَدْرُسُ  
 اِهْدِ يَتِيمٌ مِثْلَ دُورٍ مِثْلَ دُورٍ کے گرد ستاروں کے ہیں۔ کہ ان ستاروں کی  
 ضیاء (روشنی) میرے ہی نور سے ہے لہذا ان کی اقتدا کرو تو ہدایت پاؤ گے حضرت  
 مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں ذکر کرتے ہیں :

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح

ہر کہ رازیں رو رود یا بد فتوح

إِنَّ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ السَّفِينَةِ نَوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا  
 وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ

تحقیق میرے اہل بیت مانند کشتی نوح کے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار ہوا۔ اُس نے  
 نجات پائی اور جس نے ان کی عظمت سے انکار کیا۔ ان سے اختلاف کیا۔ وہ غرق ہوا۔ اس  
 مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں آپ کے صحابہؓ اور علمائے اُمت بھی شامل  
 ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط ہی سے اور علمائے اُمت کے ذریعہ ہی اُمتِ مسلمہ  
 کو ہدایت کا راستہ میسر ہوا۔ چنانچہ آئندہ آنے والی اُمتوں میں علمائے اُمت اولیائے  
 کاملین بھی اصحاب کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے دین  
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجرا میں وہی طریق اختیار کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے صحابہ نے اختیار کیا۔ آپ نے اپنے علم و کمال کے باوصف کبھی فخر و ناز کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ آپ عجز و فروتنی کا مجسمہ تھے۔ ہر س و تا کس سے یکساں سلوک روا رکھنے میں آپ نے اپنی برتری کا کبھی احساس نہ فرمایا۔ آپ اپنے ہر مرید سے دوستوں جیسا سلوک فرماتے۔ حضور اپنے مریدوں کی پریشان حالی۔ در ماندگی میں دوست کی حیثیت سے دستگیری فرماتے۔ جہاں تک تدبیر سے کام لینا مقصود ہوتا۔ تدبیر سے کام لے کر۔ داسے درے۔ سخنے امداد فرماتے۔ اور خود ہر شخص کے غم میں شریک ہو کر غمگساری فرماتے اور جہاں حالات تدبیر کی حد سے باہر ہو جاتے۔ رُوحانی طور پر مدد فرماتے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں قبلہ سخی صاحب اور چند احباب کے واقعات میں ذکر ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ ولی اکمل رُوحانی حیثیت میں صاحب کمال صاحب اختیار ہوتا ہے۔ علمائے حق اور اولیائے اکملین کرامات و معجزات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ باطنی مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیتی ہے۔ وہ صاحب حال ہوتے ہیں۔ اپنے ہر مرید کے حال سے آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ قدرت رکھتے ہیں کہ اپنے مرید پر توجہ ڈال کر دوری کی حالت میں بھی صحت مند بنادیں۔ یا اس کی مشکل میں رُوحانی طور پر دستگیری کریں ایسی صورت میں ایک ولی کو مرید تک پہنچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہاں اُسوۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی بے نفس نفیس عیادت فرماتے۔ غیروں کی عیادت فرماتے۔ کبھی کسی صحابی کو شہداء استعمال کرنے کی تلقین فرماتے کبھی دست مقدس پھیر کر شفا بخشتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی امور دنیوی میں تدبیر سے کام لیتے۔ صحابہؓ کو بھی ہدایت فرماتے۔ اس وجہ سے کہ یہ طریق محبت و آشتی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو روح شریعت ہے۔ اسی اُسوۃ حسنہ کے مطابق حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں پر اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے۔ آپ ایک دنیا دار کی طرح خود اپنے مرید تک پہنچ کر اطمینان کر لیتے۔ یہ غمگساری کی ایک ادا تھی کہ خود اپنی ذات کو شریک غم۔ شریک ابتلا کرتے۔ اور جب تک مرید ابتلا سے فارغ نہ ہوتا آپ اس کا پورا فکر رکھتے۔ یہی وہ رسولی ضابطے ہیں جن پر ایک ولی کی اولوالعزمی اور ولایت کا مدار ہوتا ہے۔ ان ہی خصوصیات کی بنا پر ایک ولی کے



تسلیم و اتباع کا قابل قبول ہونا مسلم ہے۔

حقیقت کو تسلیم کرنے میں دو کیفیتیں مانع ہوتی ہیں۔ ایک نامکمل علم — دوسرا جہل — نامکمل علم خود حجاب بن جاتا ہے۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرُ — علم بڑا حجاب ہے — محبوب وہ ہے جو بغیر علم پر کلی عبور ہوئے اپنی تحقیق — اپنے تحقیقی فیصلہ کو — حرفِ آخر سمجھ کر یہ نظریہ قائم کرے کہ میری تحقیق — تحقیق کی انتہا ہے۔ اس حال میں کہ وہ کسی کیفیت کے علم کے تمام پہلوؤں پر عبور نہ رکھتا ہو۔ نہ اپنی تحقیق کو انتہا تک پہنچا سکا ہو — مثلاً ایک شخص انسانی وجود کی تحقیق میں یہ نہ جانتا ہو کہ ایک ہی قسم کی غذا۔ مثلاً گندم سے انسان کے وجود میں۔ نرم گوشت۔ سخت ناخن۔ ہڈیاں۔ بال۔ لطیف آنکھوں کا لطیف پانی۔ لطیف نازک اعضاء۔ رکیہ تک مختلف شکلوں میں کس طرح غذا پہنچتی ہے اور پھر ایک غیر محسوس وجود (انسانی روح) کی ہئیت کیا ہے؟ اس کی غذا کیا ہے؟ — کیسے وجود میں آتی ہے؟ اپنی دانست میں سطحی تحقیق پر انسان کے چند ظاہری آثار کو دیکھ کر ایک کمزور انسان کو دیکھ کر۔ یہ فیصلہ دے کہ انسان ایک حقیر وجود ہے — اس میں روحانی مظاہرات کی قدرت نہیں۔ اور اپنے محدود علم پر یہ فیصلہ قطعی کرے اور اپنے نامکمل نظریہ کو حرفِ آخر سمجھ کر اصل کی نفی کرنے پر بضد ہو تو ایک حقیقت کی پہچان میں اس کا اپنے محدود علم پر فیصلہ کرنا۔ وہ علم اس کے لیے حقیقت پہچاننے میں حجاب بن جاتا ہے۔ جس سے وہ اصل حقیقت کی نفی کر جاتا ہے۔ اس کے مقابل جہل کی تعریف یہ ہے — کہ ایک شخص — ایک حقیقت تسلیم کرنے میں بوجہ لاعلمی — یا کم علمی — یا علم پر کلی طور عبور نہ ہونے کے — ایک غیر معقول یا غیر حقیقی نظریہ پر بضد قائم ہو — جبکہ ایک حقیقت کے تسلیم کے لیے واضح دلائل اور ثبوت ہتیا ہوں — اپنے غیر حقیقی نظریہ پر قائم رہ کر اصل حقیقت سے قطعی انکار جہل سے تعبیر ہے۔ یہی دو صورتیں ہیں جن پر انسان ایک ایسی کیفیت جو انسان کے احاطہ علم سے ماورائی ہو۔ بغیر دلیل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا — حضور قبلہ عالم جہل کے متعلق مثنوی مولانا روم سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں — فرماتے ہیں — جہل سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ جب تک کسی کیفیت کی بنیادی ہئیت تک ادراک نہ ہو۔ اسے اگر تسلیم نہیں تو انکار بھی لازم نہیں۔

بلا دلیل۔ بلا تحقیق۔ نامکمل نظریات کو اپنانے میں بصد نہ ہونا چاہیے۔ یہ جہل ہے جس سے اصل حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھاگتے دیکھا۔ حیران ہوا کہ پیغمبر ہوتے ہوئے آپ کس چیز سے بھاگ رہے ہیں۔ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بھاگنے لگا اور پکارا۔ یا عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ کے رسول۔ ذرا ٹھہریے۔ میں نے آپ سے کچھ پوچھنا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شخص کی پکار پر نہ رکے۔ بھاگتے بھاگتے جنگل میں جا کر دم لیا۔ وہ شخص بھی آپ کے پیچھے بھاگتا ہوا جنگل میں آپ کے پاس پہنچا۔ پوچھا۔ اے اللہ کے رسول۔ آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ آپ کس خوف سے بھاگ کر یہاں پہنچے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تو پناہ مانگتا ہوں۔ جاہل کے جہل سے۔ میں جاہل سے دور بھاگتا ہوں۔ کہ وہ کسی طرح حقیقت ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ امر کسی کے لیے باعث گمراہی اور خسران ہے۔ اس شخص نے عرض کیا۔ آپ نبی ہیں۔ بیماروں کو صحت دیتے ہیں۔ مردے زندہ کرتے ہیں۔ آپ جاہل کو بھی توجہ دے کر حقیقت کی طرف لا سکتے ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کی قسم! میں نے جاہل پر شیراز توجہ دی۔ مگر وہ اپنے جہل سے باز نہ آسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی حقیقت کو پانے میں جلد بازی اور جہل سے کام نہ لے بلکہ میانہ روی اور نرمی اختیار کرے۔ یعنی حصولِ حق میں اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ کسی عالمِ اکمل کی صحبت میں رہ کر آداب سیکھے کہ حصولِ حق کے لیے انسان کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ایک عالم کے مقابل اپنے علم اپنی عقل کی نفی کی جاتے۔ ایک عالم کے علم کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر بہر صورت قبول کرنا چاہیے۔ بشرطیکہ حقیقی معنوں میں علم پر عبور رکھنے کے ساتھ اس (عالم) کی شخصیت مسلم ہو۔

حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ کے مقام فنا و بقا اور اکلیت کے مقام پر آپ کی سیرت کا تذکرہ نہ قوتِ شعور سے ہو سکتا ہے نہ عقل و کلام ہی آپ کے کمالات ولایت کے اصل تصورات کو



پیش کر سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کی سوانح حیات کے چند مختصر واقعات کو عام عقول کے مطابق پیش کیا جائے۔ وہ یہ کہ آپ کے دعویٰ ولایت کی دلیل میں آپ سے نسبت رکھنے والوں کو حصول معرفت حقیقی میں کیا مقام حاصل ہے؟ تاہم یہ امر ضروری ہے کہ جیسے نبوت کے لیے معجزات کو لازم رکھا گیا۔ اسی طرح ایک صاحب شریعت ولی میں بھی کرامات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ غیر شرعی حامل کی کرامات۔ استدراج سے تعبیر ہوتی ہیں اور ولی اکمل کی کرامات وراثتِ انبیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔

## جنگلی درندوں کا مسخر ہونا

پیر غلام نبی ہینگامی — حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سے ہیں۔ حضور کے آستانہ پر حاضری دینے کے لیے گئے قصبہ کپاڑہ پڑاؤ پر پہنچے تو مغرب ہو چکی تھی — قصبہ میں ہی نماز ادا کی — نماز سے فارغ ہو کر حضور کے در دولت کی طرف روانہ ہوئے۔ تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ حضور کے آستانہ تک تقریباً اڑھائی میل کا فاصلہ جنگل سے ہو کر جاتا تھا۔ سڑک کا راستہ طے کرنے کے بعد جنگل میں داخل ہو گئے۔ تو اندھیرا رفتہ رفتہ گہرا ہونے لگا۔ سنان علاقہ تھا۔ خوف و دہشت طاری ہو گیا۔ آسمان اُبر آلودہ تھا ڈر تھا کہ کہیں راستہ نہ بھول جائیں۔ اس عالم میں آپ نے پیر اکمل کو دل سے پکارا۔ کہتے ہیں کہ اچانک حضور قبلہ عالم کی آواز کانوں میں گونجی۔ گھبراؤ نہیں تمہارے یہ حفاظت پہنچنے کا سامان ہو گیا۔ دل کو قدرِ اطمینان ہوا۔ دُور جنگل میں جلتے چراغ نظر آئے۔ میں ان ہی چراغوں کی سمت چلنے لگا۔ چراغ آگے بڑھتے دکھائی دیئے۔ میں بھی ان ہی کے نشان پر چلنے لگا کہ حضور قبلہ عالم کا مکان سامنے نظر آیا۔ قریب پہنچ کر میں مکان کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کہ قریب ہی ایک شیر نظر آیا۔ جس کی دو آنکھیں چراغ کی مانند روشن نظر آ رہی تھیں۔ خیال آیا کہ یہی شیر ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا گیا۔ شیر نے سر جھکایا اور واپس جنگل کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جس درندہ کا تمہیں ڈر تھا ہم نے اسی کو تمہاری راہنمائی کے لیے مامور کیا۔

راقم شاہی چشمہ محکمہ حیوانات میں متعین تھا۔ (سری نگر) شاہی چشمہ جنگل کی رکھ میں جنگل جانوروں کی بہتات تھی۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا تھا کہ کوئی درندہ سرکاری قیمتی جانور اٹھا کر نہ لے جائے۔ سانپ۔ بچھو کثرت سے تھے۔ میں نے ان کا تذکرہ حضور سے کیا۔ آپ مراقب ہوئے۔ چند ساعت بعد فرمایا کہ آج سے شاہی چشمہ کی رکھ تمام حشرات الارض۔ ریچھ۔ شیر سب تمہارے حکم کے تابع کر دیئے گئے۔ اب تمہاری اجازت کے بغیر کوئی درندہ کسی سرکاری جانور پر حملہ نہ کر سکے گا۔ اس کے بعد میں نے اپنی تعیناتی کے دوران کبھی سانپ بچھو کی شکل نہ دیکھی۔ اس سے قبل یہاں کی یہ حالت تھی کہ جہاں سے پتھر اٹھاؤ درجنوں چھوٹے بڑے بچھو نکل آتے۔ اس کے بعد جیسا کہ مجھ سے پہلے یہاں جنگلی درندے شیر وغیرہ سرکاری گائیوں کو اٹھا کر لے جاتے۔ میری موجودگی میں کسی شیر یا جنگلی جانور نے اس طرف کا رخ نہ کیا۔ نہ میری موجودگی میں کسی جانور کو لے جانے کی جرأت کی۔ مئی ۱۹۵۸ء میں جب میری چشمہ شاہی سے تبدیلی ہوئی تو ڈاکٹر غلام احمد صاحب جو اس وقت پولیٹری فارم کے مینیجر تھے میرے پاس چند مسائل کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آئے۔ میں نے انہیں دوران گفتگو بتا دیا کل سے جنگل کے شیر آزاد ہیں۔ یہاں ہماری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ اب اپنی مرغیوں کی رکھوالی اچھی طرح کریں۔ کہیں آپ کی مرغیاں بھی شکار کی نذر نہ ہو جائیں۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے ایک سنسنی خیز خبر سنائی۔ کہ شام ہوتے ہی جنگل سے شیروں کا ایک ریوڑ فارم کے احاطے میں داخل ہوا اور گائے خانہ کے عین سامنے دھاڑنے لگا۔ گائیوں نے خوف کے مارے آہنی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ کوئی شخص باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ میری تبدیلی کے بعد شیر دندانے پھرنے لگے۔ اور ایک ماہ کے اندر سات گائیں ہلاک کر ڈالیں۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر غلام احمد کی مرغیوں پر گیدڑوں نے حملہ کر دیا۔

---

لے رکھ ایک ایسا جنگل ہوتا ہے۔ جس کا نظام اور تحویل محکمہ شکار خانہ کرتا ہے۔ ایسے جنگل صرف جنگلی جانوروں کی حفاظت اور پیداوار کے لیے ہوتے ہیں۔ ان جنگلوں میں انسان کا چلنا پھرنا منع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے جنگلوں میں درندوں اور دیگر جنگلی جانوروں کی بہتات ہوتی ہے۔



ایک رات میں تین سو مرغیاں اٹھا کر لے گئے۔

تاریخ اسلام میں مجاہدین اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ مجاہدین اسلام کا — دورانِ جہاد ایک جنگل سے گزر رہا تھا یہ واقعہ موسیٰ بن نصیر کے عہد کا ہے۔ رات انہیں جنگل میں قیام کرنا پڑا۔ مگر جنگل تمام سانپوں، بچھوؤں اور درندوں سے بھرا پڑا تھا۔ مجاہدین شکر نے امیر شکر کو خبر دی کہ جنگل، زہریلے سانپوں، بچھوؤں اور درندوں سے پُر ہے۔ ایسی جگہ شکر کا قیام کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ مگر امیر شکر نے اسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا خود جنگل کے حشرات الارض کی طرف مخاطب ہو کر حکم دیا کہ اے جنگل کے مکینو اس وقت اس جگہ شکر اسلام اُتر رہا ہے۔ تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اور ہم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہیں اس لیے جیب تک اس جنگل میں ہمارا قیام ہے۔ یہ جگہ مجاہدین اسلام کے لیے خالی کر دو۔ اس حکم کے ساتھ ہی جنگل کے تمام حشرات الارض، سانپوں، بھٹیڑیوں، ہرنوں، شیروں وغیرہ نے اپنے بچے اٹھا کر جنگل خالی کر دیا۔ یہاں تک کہ جنگل سے ایک مچھر کے بھنبھناتے کی آواز تک سنائی نہ دی۔ جنگل بالکل صاف ہو گیا۔ ہاں! اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے کائنات کی ہر شے مسخر کی جاتی ہے۔ ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اور مسخر کیا گیا جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے۔ اس انعام الہی کے تابع ایک ولی کے لیے اسی حال میں کہ جَاهِدُوا فِيْنَا وہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے۔ ہر شے مسخر ہونا قابلِ یقین بات ہے۔ اس تمام مخلوق میں انسان اور خصوصاً ولی اللہ کو بہر حال — شرفِ فضیلت حاصل ہے ہی — ایسے میں حشرات الارض کیوں نہ تابع فرمان رہیں۔ حضور قبلہ عالم کا ابتدائی زمانہ تھا علاقہ درادہ کے کسی گاؤں سے گزر رہے تھے یہاں بارشوں کی وجہ سے پہاڑ کا ایک بڑا حصہ نیچے آ رہا تھا اور اس کی زد میں گاؤں کے مکان آ رہے تھے۔ لوگ سجد پریشان تھے۔ دُعائیں مانگ رہے تھے۔ اسی دورانِ حضورؐ کا گزر اس گاؤں سے ہوا۔ حضورؐ نے لوگوں کی حالت زار دیکھی۔ پہاڑ کی طرف توجہ کی پہاڑ کا سر کنا بند ہو گیا۔ لوگوں نے اس کمن معصوم ہستی کو دیکھ کر تعجب کیا۔ حضورؐ

سے بے حد عزت و احترام سے پیش آئے اور بہت سے خوش نصیب بیعت ہوئے۔

## وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

یہ ۱۹۶۷ء بمطابق ۱۳۸۷ھ کا زمانہ تھا۔ ماہ ذی القعد کے آخر میں مجھے حضور قبلہ عالم کے در دولت پر ضروری حاضر ہونا تھا۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ دفتری کام میں ایک سرکاری ملازم نے غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ میں نے اس کو زور کا تھپڑ مارا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اس کے والد حضور قبلہ عالم کے مرید تھے۔ اور حضور فیقر تھے۔ لڑکے کا سن کراہیں بھی افسوس ہوا کہ معمولی بات پر لڑکے کو سزا دی۔ انہوں نے بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ اجلاس میں باطنامیری پیشی ہوئی۔ میں نے اس بات پر زور دیا کہ لڑکے نے میرے سامنے جھوٹ بولا۔ اس کا قصور تھا۔ مگر اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَ الْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

مومن کے لیے غضب کے وقت عفو لازم ہے۔ آپ نے معمولی جرم پر زیادہ سزا دی۔ یہ امر اعتدال سے بڑھنے کے مترادف ہے۔ لازم تھا۔ کہ فیصلہ مدعی کے حق میں ہونا تھا۔ میں پریشان ہوا۔ اور حضور قبلہ عالم کی خدمت میں خود پیش ہوا۔ اور اجلاس میں فیصلہ کا واقعہ بیان کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ فرمایا کہ۔ ہم حالات سے باخبر ہیں۔ آپ کے خلاف سنگین مقدمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سفارش قبول فرمائی اور سزا میں تخفیف ہوئی۔ لیکن مَنْ عَمِلَ سُوءٍ کے حکم کے تحت جرم کا ازالہ ضروری ہے تھوڑی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ اور آپ کے دوسرے ساتھی کو بھی جو اس جرم میں شریک ہے سزا ملے گی۔ اس کے چند دن بعد میں اور ڈاکٹر بشیر احمد شیرازی ڈائریکٹر صاحب جیپ میں سوار جا رہے تھے کہ اچانک اونتی پورہ گاؤں کے قریب جیپ ایک ملٹری ٹرک سے ٹکرا گئی جس میں ڈاکٹر شیرازی صاحب شدید مجروح ہو گئے۔



حادثہ شدید تھا۔ ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ اور مجھے جیسا کہ قبلہ عالم نے فرمایا تھا۔ تھوڑی سزا ملی۔ جسم پر معمولی چوٹیں آئیں۔ میرا داہنا ہاتھ جس سے تھپڑ مارا تھا، زخمی ہوا اور ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ تاہم اللہ کا فضل ہوا جلد ہی میں صحت یاب ہو گیا۔ بلاشبہ قرآنی قانون کا اٹل فیصلہ ہے

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

ایک ذرہ بھر شر کا بدلہ بھی اٹھانا قانونِ الہی کے تابع ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے وحی کا یہ حکم صحابہؓ نے سنا تو ان پر شدید غم و خوف طاری ہوا۔ کہ قبولِ اسلام سے قبل کے گناہوں کا بدلہ بھی ہم سے چکایا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ پر اس حکم سے اس قدر لرزہ طاری ہوا جیسے (خاکم بدہن) کمر ٹوٹ گئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق و مطیع صحابہؓ کی حالت کو محسوس فرمایا۔ تو ان کی تسلی فرماتے ہوئے بیان فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے خیر و شر کے ذرہ بھر عمل کی سزا دے گا۔ کافر کو قیامت کے دن اس کے عمل کے بدلہ میں عذاب ہو گا۔ مگر مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رعایت ہو گی کہ اس کی نیکیاں آخرت کے لیے وقف ہوں گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوا إِلَّا أَنْفُسَكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ -

جو کچھ نیکیوں میں سے تم (قیامت کے لیے) جمع کرو گے اللہ کے نزدیک اس کا اجر پاؤ گے۔ لیکن مومن کے گناہ دنیا میں بدلہ دیئے جائیں گے۔ دنیا میں اس کے گناہ کے بدلہ میں جسمانی تکلیف سے ازالہ کیا جائے گا۔ اس حال میں کہ آخرت کے لیے بدی باقی نہ رہے گی۔ یہ سنکر صحابہ کو قلبی اطمینان حاصل ہوا۔ ہاں! یہ رعایت محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور صفتِ رحمتہ للعالمین کے سبب اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی مقام اور اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیرِ سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَي غَضَبِي۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس خود شفیع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمت کیلئے۔ کہ آپ کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے اور

آپ سے حب رکھنے والے قیامت کے دن عفو کیے جائیں گے۔ یہی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے علماء اولیا کو ورثہ میں عطا ہوتی ہے کہ اولیائے کاملین حضور کی اُمت کے لیے وجہ شفاعت ہوں گے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ اپنے مرید کے کسی گناہ پر اظہارِ ناراضگی نہ فرماتے۔ بلکہ ہم نے حضور کو ایسے موقعہ پر تبسم کناں ہی دیکھا۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا کہ حضور کے مریدوں کو آپ کے طفیل ان کے گناہوں کے بدل میں شفاعت و رحمت عطا ہوتی رہی۔ آپ کے مریدوں کو کسی گناہ کے جرم میں حضور ہی اجلاسِ محسّدی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج نہیں کیا گیا۔ بلکہ انعامات سے نوازا گیا۔ یہ عنایت محض حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت اور محبوبیت کے سبب تھی۔ حضور اکثر فرماتے۔ کہ ہمارے سامنے کسی مرید کی غلطی کی شکایت نہ کیا کرو۔ کیا میں اپنے عزیز کو فقیری سے خارج کر دوں؟۔ تو پھر ہماری فقیری کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں ہم کیسے آپ کی اُمت پر غضب کر سکتے ہیں! میری بیعت میں آیا ہوا مرید کسی حالت میں فقر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یا درکھو جس کی گردن میں میرا ہاتھ ایک بار پڑا۔ وہ میری گرفت سے نہیں چھٹ سکتا۔ فِدَاہُ اُمّی وَاٰیۃِ الْاٰلِیۃِ شَرَطَیْہِ سَہَہُ کہ پیر سے۔ ماں باپ اولاد بغرض ہر شے سے زیادہ محبت رکھی جائے۔ یہ طریقِ سنت ہے۔ دل بھی قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شفاعت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے لیے بھی رحم و درگزر لازم ہوتا ہے اور مومن کے لیے تو قرآن نے بھی حکم جاری کیا۔ وَ لَکَظِیْمٰیۡنَ الْغِیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ فقیر کا بھی یہ مقام ہے کہ اُمت کو حصولِ ہدایت و معرفت میں (صحابہ) دوست کا درجہ دے کہ اس کے لیے رحم و عفو اور مروت استعمال کرے۔ یہ خصوصیت اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوتی ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین علمائے اُمت۔ اولیاء مخلوق انسانی کے لیے رحم و کرم اور شفاعت کا سبب بنیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ الحاج محمد امین صاحب کی ذات والا کو بحیثیت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بحیثیت نائب اولین قرنی فی السّعد



یہ مقام محبوبیت حاصل تھا کہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو "سوال" عطا تھا۔ جس کی سفارش فرمائی منظور فرمائی جاتی۔ اور حصول حق میں آپ کے مریدوں کو بھی دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں عزت کا مقام حاصل ہوتا۔

## ڈاکٹر غلام محمد شاہ کے والد بزرگوار کی بیعت

ڈاکٹر غلام محمد شاہ صاحب میڈیکل کالج (سری نگر) میں پروفیسر تھے ان کے والد حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ عمر رسیدہ تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت بھی تھے۔ بزم خود۔ اپنے آپ کو مقام فنا فی اللہ میں سمجھتے تھے۔ بقول ان کرات کو انبیاء اولیاء کے ساتھ ہوتے تھے۔ حضور قبلہ عالم سے درود شریف کی اجازت لی۔ پہلے روز خیال آیا کہ درود شریف پڑھنے سے کہیں فنا فی اللہ کے درجے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ درود شریف پڑھنا ترک کر دیا۔ دوسرے دن پھر حضور کی خدمت میں آئے اور اپنے شکوک رفع کرنے کی غرض سے حضور پر سوال کرنے شروع کیے اور آپ سے بحث و مناظرہ شروع کر دیا۔ حضور ٹھنڈے دل سے ان کی فلسفیانہ بحث سنتے رہے۔ آخر فرمایا۔ شاہ صاحب! ایں راہ کہ تو میری بہ ترکستان است۔ جس راہ پر آپ جا رہے یہ راستہ بجائے مدینہ و بیت اللہ کے ترکستان کو مخالف سمت کو جانکلاتا ہے۔ فرمایا۔ باتوں سے تحقیق نہیں ہوا کرتی۔ درود شریف پڑھیں پھر دیکھیں۔ شاہ صاحب رات بھر درود شریف پڑھتے رہے۔ صبح کے وقت مشاہدہ شروع ہوا۔ پچھتم ہوش مشاہدہ کیا۔ کہ حضور قبلہ عالم نے ہاتھ پکڑ کر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ صبح شاہ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کے قدموں میں گرے۔ یقین۔ بلکہ حق الیقین ہوا۔ بیعت ہو گئے۔

## غلام قادر آہنگر کا واقعہ

ابتدائی زمانہ میں وادی کشمیر میں جب حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے شہر کی طرف رخ کیا۔ تو شہر کے بیشتر لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور حضور ہی ہوئے۔ شہر میں رہائی سمہ بازار میں غلام قادر صاحب کی بندوقیں بنانے کی دوکان تھی۔ اکثر لوگ طریقت سے لگاؤ رکھنے والے ان کی دوکان پر آتے رہتے۔ خود بھی باپیر صاحب عمل تھے۔ جناب قبلہ سخی صاحب بھی گاہے ان کی دوکان پر آتے۔ حضور قبلہ عالم کی شہرت سن کر غلام قادر صاحب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف کی اجازت لی اور عقیدت سے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دن گزرے قبلہ سخی صاحب نے پوچھا کچھ مشاہدہ ہوا؟۔ جواب ملا مجھے روضہ شریف نظر نہیں آیا۔ نہ زیارت ہوئی۔ آپ نے مزید استقلال کی تلقین فرمائی کہ مسلسل درود شریف۔ مراقبہ جاری رکھیں۔ ضرور کامیاب ہوں گے۔ غلام قادر کے ذہن میں بھی ایسا ہی خیال ابھرا کہ شاید درود شریف پڑھنے سے پہلی کیفیت زائل نہ ہو جائے۔ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا غلام قادر صاحب! بتائیں کچھ مشاہدہ ہوا یا نہیں؟ کہنے لگے ابھی تک زیارت نہیں ہوئی۔ بلکہ فنا فی اللہ کا نور مشاہدہ کرتا تھا۔ درود پڑھنے سے اب وہ بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ حضور نے پوچھا۔ کیا پہلے۔ فنا فی اللہ کا نور آتا رہا یا فنا فی الرسول کا نور آتا رہا؟ آپ کو فنا فی اللہ کا نور مشاہدے میں آتا ہے تو پھر زیارت رسول آسانی سے ہونی چاہیے تھی۔ بجائے اس کے کہ درود پڑھنے سے آپ کا مشاہدہ بند ہو گیا۔ غلام قادر نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے فنا فی اللہ کا مقام حاصل تھا۔ اب اس مقام سے گر گیا۔ حضور نے فرمایا کہ جسے آپ فنا فی اللہ کا نور سمجھتے ہیں یہ نور بغیر فنا فی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فنا فی شیخ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لازم ہے پہلے فنا فی شیخ اور اس کے بعد فنا فی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد فنا فی اللہ کا مقام آتا ہے۔ یہ ابتدائی نور ہے۔ جو عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ناسوتی نور ہے۔ اس کے چھپ جانے کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ درود شریف کا نور۔ ناسوتی نور پر



غالب ہے۔ جیسے سورج کی روشنی میں ستاروں کا نور چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ شک نہ کرتے۔ درود شریف کا نور مشاہدہ کرتے۔ دراصل درود شریف کے انوار قلب پر آنے سے آپ کا ناسوتی نور چھپ گیا۔ آپ استقامت سے درود جاری رکھیں تو آپ کو زیارت نصیب ہوگی۔ غلام قادر صاحب کہنے لگے اب مجھے اپنا ہی نور مل جائے تو کافی ہے۔ یہ سن کر حضور قبیہ عالم خاموش ہو گئے معلوم نہیں پھر غلام قادر صاحب کو فنا فی اللہ کا نور ملایا نہیں۔

## شریعت اور طریقت علیحدہ نہیں

در اصل حقیقت یہ ہے اسلام میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصور نہیں بلکہ یہ شریعت ہی کی جڑ ہے۔ جسے نتیجہ عمل سے تعبیر دیا گیا۔ شریعت حقیقتاً قرآن و سنت پر عمل کرنا ہے۔ یہی اصل تصور ہے۔ اور طریقت عمل سے ثواب کا باطن میں مشاہدہ کرنا۔ مشاہدہ کرنے کا ایک خاص طریق۔ انسانی عمل۔ اور ثواب کی وسعت۔ جنت سے لے کر ذات الہی کے مشاہدہ تک وسیع ہے۔ یہی طریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جاری ہوتا ہے۔ یہی شریعت خلافت اسلامی میں۔ خلفائے اربعہ۔ اور بعد کے خلفائے اسلام میں جاری رہی۔ جس میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصور قائم نہ تھا۔ البتہ قرآنی آیات سے اس طریق کو ایک علیحدہ حیثیت بھی ملتی ہے۔ مگر اس طریق کو طریقت کی اصطلاح میں الگ تصور میں پیش نہیں کیا گیا۔ حقیقتاً شریعت کا ایک ہی تصور۔ خلفائے اربعہ سے لے کر۔ خلافت امیہ۔ خلافت عباسی اور خلافت عثمانی تک پایا جاتا تھا۔ اور جب خلافت عثمانیہ میں ترکیہ سے اسلام ایران کی حدود میں داخل ہوا۔ اس وقت اسلام تین علیحدہ تصورات میں بٹ چکا تھا۔ ایک خلافت شہنشاہیت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جس میں خلیفہ کے لیے شرعی صفات کو لازم نہیں رکھا گیا۔ وہ یہ کہ خلیفہ کیلئے متقی۔ صاحب علم۔ مدبر ہونا ضروری تھا اور خلیفہ کے لیے اجرائے قرآن و حدیث لازم تھا۔ دوئم یہ کہ امت میں کثرت سے اہل ایمان موجود ہوں۔ اور علمائے امت۔

قرآن و حدیث و فقہ پر عبور رکھنے والی متقی پرہیزگار جماعت موجود ہو۔ جن میں مجلس شوریٰ کے ارکان خود خلیفہ کا تقرر کریں۔ اس تصور میں نہ عوام المسلمین کو خلیفہ کے انتخاب کا حق ہے نہ خود کسی برسرِ اقتدار خلیفہ کو خود اپنی اولاد میں سے خلیفہ منتخب کرنے کا حق ہے۔ اس کے برعکس نہ خلیفہ کے لیے صاحب علم و متقی ہونا شرط رکھا گیا۔ نہ خلیفہ کے ذمہ اجرائے قرآن و سنت لازم رکھا گیا۔ نہ خلیفہ کا مجلس شوریٰ کے ذریعہ انتخاب ہوا۔ خلافت نے بیت المال اپنی ذات کے لیے استعمال کر کے۔ محلات شاہی میں قیام اور زر و جواہرات پر اپنا تصرف کیا۔ ایسی صورت میں۔ خلافت نے ایک علیحدہ حیثیت حاصل کی اور قرآن و حدیث اور عمل کا اقرار۔ شریعت نے علیحدہ حیثیت اختیار کر کے علمائے شریعت نے شریعت کا اقرار مسجد سے کیا۔ اس شریعت میں طریقت کا تصور حسب سابق یکساں تھا۔ لیکن بعد میں علمائے اسلام سے تقویٰ۔ پرہیزگاری اور قرآن و حدیث کے اقرار میں تغافل اور کوتاہی۔ اہل ایمان کو۔ شریعت کی حقیقی روح۔ ایمان۔ تزکیہ نفس۔ پاکیزہ نفسی حاصل نہ رہی۔ تو یہ علم۔ صرف کتابوں کی شکل میں جاری ہوا۔ جس سے شریعت کی حقیقی روح۔ تزکیہ۔ روحانی جسمانی پاکیزگی اور کامل ایمان نہ مل سکا۔ اس مقام پر علمائے اُمت دو فریق میں بٹ گئے۔ ایک جماعت ایسے علماء کی تھی جنہوں نے قرآن و حدیث۔ فقہ و اجتہاد کو علمی حیثیت میں جاری رکھا۔ مگر تقویٰ و تزکیہ کو لازم نہ رکھا گیا۔ دوسری جماعت وہ تھی جس نے حقیقی تصور کے ساتھ قرآن و حدیث و فقہ کا اقرار کیا۔ اس کے ساتھ قرآنی حکم کے مطابق۔ تزکیہ نفس۔ مجاہدات۔ ریاضت و تقویٰ کو لازم رکھ کر قرآن کی روحانی حیثیت کو بحال رکھا۔ ان میں اذل الذکر جماعت علمائے اسلام و شریعت سے منسوب ہوئے۔ دوسری جماعت علمائے طریقت سے منسوب ہوئے۔ ان ہی تین جماعتوں کی عملی تفریق سے اسلام میں مختلف تصورات میں بٹ گیا۔ حالانکہ یہ تینوں تصورات شریعت حقہ کی ایک ہی ہئیت ہیں۔ یہ زمانہ ہے۔ جب اسلام خلافت عثمانیہ کے اقتدار میں ترکیہ تک پہنچا۔ اور ترکی خلافت اسلامی کا دار الخلافہ بنا۔ اسی خلافت کے ساتھ شریعت بھی اقتدار اسلامی کے ساتھ ترکیہ تک پہنچی جس سے علوم قرآن و حدیث کا وسعت کے ساتھ



اجرا کیا گیا۔ لیکن اس مقام پر اصل علمائے اُمت نے مسجد سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر کے قرآن و حدیث کو ایمان و تقویٰ و تزکیہ کے ساتھ جاری رکھا۔ اسی طریق میں قرآنی حکم کے مطابق خصوصی طور پر تزکیہ و مجاہدہ کو لازم رکھا گیا۔ جیسا کہ قرآن نے زائد عبادت کی صورت میں عبادت کو لازم رکھا۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا هـ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا هـ (پارہ ۱۵ سورۃ ۷۸، ۷۹)

یا رسول اللہ نماز قائم کریں۔ مغرب اور عشاء کی۔ اور صبح کے وقت تلاوت کریں۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔ اور رات کو بھی نماز زائد عبادت قائم کریں۔ یہ آپ کے لیے فرض سے علاوہ زائد عبادت ہے۔ عنقریب اس عمل سے ایک ایسا طریق وضع ہوگا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تا ابد حمد کا سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ قرآنی آیت واضح کرتی ہے۔ رات کی عبادت۔ اور قرآن پڑھنا۔ تزکیہ نفس پاکیزگی روح و جسم۔ اور مشاہدہ باطنی حاصل ہونے کے لیے ایک خاص عمل ہے۔ إِنَّ نَافِلَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۸، آیت ۶) رات کا جاگ کھٹن عمل ہے۔ اس سے نفسانی آلائشیں کھلی جاتی ہیں۔ اور کلام میں اثر۔ قبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی عمل ہے جس سے تزکیہ نفس۔ روحانی پاکیزگی اور مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے۔ اسی عمل سے شریعت کے حکم پر سے حاصل شدہ ثواب۔ كَانَ مَشْهُودًا۔ مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہی طریق ہے مشاہدہ کا۔ جسے طریقت سے موسوم کیا گیا۔ یہی عمل علمائے اسلام میں علمائے طریقت نے قرآن و حدیث کے اجرا کے ساتھ جاری رکھا۔ جب ایران خلافت عثمانیہ ترکیہ کے زیرِ نگیں ہوا۔ تو علمائے شریعت۔ علمائے طریقت نے ایران میں بھی شریعت کا اجرا کیا۔ چنانچہ علمائے اُمت کے صاحبِ طریقت اولیاء نے جنگوں میں گوشہ نشینی اختیار کر کے علم طریقت و شریعت کا اجرا کیا۔ اس طرح



جنگلوں کی تنہائی علم طریقت کا مرکز بن گئی۔ جہاں اولیائے اُمت نے گھاس کی جھونپڑوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ۔ تہجد۔ تلاوت قرآن۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ رات جاگنا۔ تصور و مراقبہ کا ایک خاص عمل لازم رکھا۔ چنانچہ طالبانِ حق نے قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ۔ قرآنی حکم کے مطابق۔ قیامِ لیل۔ روزہ۔ مراقبہ پر مداومت کر کے علم معرفت حاصل کیا۔ یہ بات واضح تھی کہ علمائے شریعت نے قرآن و حدیث کی ترویج میں۔ ترجمہ۔ تفسیر۔ فقہ۔ اجتہاد۔ فلسفہ۔ معقول۔ منقول۔ اور دیگر علوم کا اہتمام کر کے قرآنی تعلیم کو وسعت دی۔ لیکن زائد عبادت۔ تزکیہ۔ مجاہدہ کو لازم نہ رکھا جس وجہ سے علمائے شریعت کو وہ روحانی خصوصیت حاصل نہ رہی جو علمائے طریقت کو حاصل تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلاشبہ قرآنی حکمت و فلسفہ کو فروغ حاصل ہوا۔ مگر شریعت کی اصل روح۔ مشاہدہ حقیقت۔ مشاہدہ اسرارِ الہی۔ مشاہدہ متشابہات قرآنی انہیں میسر نہ ہو سکا۔ سوائے قرآنی احکام کی تعمیل کے۔ اس اعتبار سے۔ تفسیر قرآن میں جو حقیقی قوتِ القا تفسیر کے لیے لازم تھی۔ حاصل نہ ہونے کے سبب۔ قرآنی تفسیر میں عقلی استدلال سے کام لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کے عقلی استدلال کے سبب نظریات و عقائد میں وسیع اختلاف پیدا ہوا۔ یہ اختلاف آخر اُمت میں فرقہ بندی اور تفرقہ کا سبب بنا۔ یہی وہ عمل تھا جس نے شریعت اور طریقت میں فرق ڈال دیا۔ کہ شریعت۔ طریقت سے علیحدہ تصور کی جانے لگی۔ بدیں وجہ جب کہ علمائے اُمت نے تزکیہ۔ مجاہدہ کو علم کے ساتھ لازم نہ رکھا۔ علمائے شریعت میں کامل تقویٰ نہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں علمائے سوء کا وجود پیدا ہوا کہ باوجود علم میں کمال حاصل ہونے کے۔ ان کی شخصیت میں مومنانہ کردار نہ پایا گیا۔ جس وجہ سے خود علمائے شریعت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ ان کی شخصی نفرت کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات میں مبالغہ آمیزی کے سبب قرآن و حدیث پر تنقید کی جانے لگی اور یہ علم ر علمائے شریعت کی تفسیر قرآنی حقیقت کو واضح کرنے میں قابلِ تسلیم نہ سمجھا گیا۔ اس طرح عوام الناس کی صحیح ہدایت کی راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ شریعت میں مومن کا تصور محو ہو گیا۔ اس کی جگہ تابع شریعت کو مسلمان پکارا جانے لگا۔



جب کہ قرآن نے اپنے تابع کو مومن کے لقب سے پکارا اور آج ہر عالم خود اس غلط فہمی کا مرتکب یَا یٰھَا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا کے معنی ”اے مسلمانو“ کے تصور میں پیش کرتا ہے اور ہر وہ شخص جس نے صرف کلمہ پڑھا۔ یا کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوا۔ شریعت کی تابعداری اپنے اوپر لازم نہ رکھتے ہوئے صاحب شریعت مسلمان سمجھ کر خود کو تابع قرآن سمجھتا ہے۔

یہی صورت خلافت عثمانیہ (ترکیہ) میں — یا اس سے قبل خلافت عباسی یا اموی میں رہی کہ علمائے شریعت میں کامل تقویٰ و تزکیہ نہ ہونے کے سبب رفتہ رفتہ قرآن کی روحانی سپرٹ ختم ہو کر افراد انسانی کو قرآنی روحانیت میسر نہ ہونے کے باعث حقیقی اسلام کی ہیئت کا مظاہرہ نہ ہو سکا۔ نہ اس کا عمل قائم رہ سکا۔

علمائے طریقت سے مراد ہی یہ ہے کہ ان علماء نے قرآن و حدیث۔ ترجمہ تفسیر۔ فقہ۔ اجتہاد کے ساتھ تزکیہ مجاہدہ سے روحانی قوت کو بحال رکھ کر طالبان علم کو قرآن کے حقیقی آثار و حکمت سے بالمشاہدہ آگاہی دی — ان لوگوں نے مسجد سے ہٹ کر جنگلوں میں بسیرا کیا۔ جہاں طالبان علم حصول علم کے لیے رجوع کرتے رہے — وہ زمانہ تھا جب ایران۔ خلافت عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ جہاں علمائے طریقت نے سازگار ماحول پا کر گھاس کی جھونپڑیوں میں شریعت کا اقرار کیا — یہ طریق عام ہو گیا کہ طالبان علم حصول علم کے لیے گھاس کی جھونپڑیوں کی طرف آنے لگے۔ فارسی میں گھاس کی جھونپڑی کو خانہ گاہ کہتے ہیں — چونکہ یہ مقام شہر سے دور ہوتا تھا۔ لازم تھا کہ ضروریات کے لیے لوگ شہر سے کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لاتے۔ تو یہ ایک سلسلہ شروع ہوا کہ طالبان علم کی ضرورتوں کے لیے خانہ گاہ میں کھانے پینے کی اشیاء لائی جاتیں۔ جس میں بطورِ نیاز لوگ بھی تحائف لانے لگے۔ اس طرح خانہ گاہ میں وافر مقدار میں اشیاء جمع ہونے لگیں — چونکہ یہ لوگ صاحب طریقت تھے — ان سے اکثر کرامات کا اظہار بھی ہوتا — اس طرح خاص طالبان علم کے سوا عام لوگوں کا رجوع بھی یہاں پر ہوتا رہا — ضروری تھا کہ ایک عالم اُمت سے یحیثیت ولی طریقت کا اقرار ہوتا — اس طرح قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ ایک عالم اُمت کے لیے ایک ولی۔ صاحب مشاہدہ۔ صاحب طریقت۔ صاحب کرامت۔

ہونے کی خصوصیت عوام الناس کے سامنے ظاہر ہوتی۔ چونکہ اس مقام پر طریقت کے مظاہرات کو خصوصی حیثیت حاصل رہی۔ اس لیے یہ طریق خالص طریقت کے تصور میں سامنے آیا۔

## استدراجی عمل اور مراتب تصوف

ابتدائی دور میں جب تک قرآنی حکم کے مطابق لوگوں میں تہجد۔ نوافل۔ قرأت۔ قرآن۔ تزکیہ نفس۔ مجاہدہ قائم رہا یہ طریق اپنی روحانی خصوصیت کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن خانہ کدہ میں داخلہ مقدار میں۔ نذر و نیاز میں جنسی اشیاء کے ساتھ مال و زر کی فراوانی رہی۔۔۔ لوگوں میں ضرورت سے زیادہ حصول مال کا جذبہ بڑھنے لگا۔ اس طرح ان کے تزکیہ میں فرق پیدا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا ان کے اعمال میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔۔۔ اب ایک قائم مقام خلیفہ میں وہ خصوصیت باقی نہ رہی۔ جو ایک ولی کے لیے لازم تھی۔۔۔ اور آئندہ۔۔۔ بغیر صفات ولایت کے ایک خلیفہ کا قیام ہوتا رہا۔ جس سے طالبان علم کو حقیقی علم معرفت حاصل نہ ہو سکا۔ اور ہر خلیفہ محض خانہ کدہ میں قابض رہنے کی ہوس میں خود کو خلیفہ کی حیثیت میں پیش کر کے مقام خلافت پر فائز رہا۔ نتیجہ یہ کہ خانہ کدہ میں بھی حقیقی شریعت و طریقت کی روحانی ہیئت کمزور ہوتی گئی۔۔۔ اب خلیفہ نے مصنوعی طریق پر محض لذت نفس اور مال و زر کی طلب و خواہش کے جذبہ کے تحت مصنوعی طریقت کا اجراء شروع کیا۔ جہاں خانہ کدہ میں سوائے مال و زر کے جمع ہونے اور بے جا استعمال کے شریعت و طریقت کی روح مسخ ہو گئی۔ اب خانہ کدہ صرف عیش و عشرت کا اڈہ بن گیا۔۔۔ جہاں خلیفہ اور اس کے وارث۔ خانہ کدہ کے مالک بن گئے۔ اور اس خانہ کدہ نے۔۔۔ خانقاہ کی ہیئت اختیار کی۔ دراصل خانقاہ۔۔۔ خانہ کدہ کا متبادل نام ہے۔ جہاں اب نہ علم القرآن رہا۔ نہ صحیح علم پیش کیا گیا۔ نہ طریقت کا علم و عمل باقی رہا۔ یہی خانقاہ۔ طریقت کی اصل قرار دی گئی۔ اسی زمانہ میں۔ جب قرآن و حدیث اور قرآنی طریق عمل قرآنی طریقت۔ تہجد۔ قرآن کی تلاوت۔ رات کا



جاگنا فاقہ جیسے عمل کو لازم نہ رکھا گیا۔ تو بعض علمائے اُمت نے طالبانِ علم کے لیے تزکیہ نفس کے چند خاص طریق اختراع کیے۔ جس میں بغیر علم القرآن۔ بغیر اتباعِ شریعت۔ بجائے روزہ کے فاقہ کشی رات جاگنے۔ اور قرأتِ قرآن کی جگہ چند مخصوص قرآنی آیات یا الفاظ کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی تزکیہ قلب کے لیے۔ مراقبہ۔ یکسوئی۔ جیسے۔ شمعِ بینی یا کسبِ القمر۔ (چاند پر ٹکٹی لگا کر قوتِ ارادہ کو پختہ کرنا) یا ذکر اللہ ہو۔ یا جس نفسِ راسخ بندہ کے کلمہ شریف در دکرنا وغیرہ۔ ایسی ترکیبیں اختراع کیں جن کا اثر یہ ہوا کہ اس طریقِ عمل سے لوگوں کو قوتِ مشاہدہ حاصل ہوئی جس میں باطنی کیفیات کا مشاہدہ ہوا۔ ان مشاہدات میں دل کے حالات جاننا۔ آنکھیں بند کر کے نورانی کیفیتیں مشاہدہ کرنا۔ زمین کے اندر کی کیفیتیں۔ مدفون خزانے۔ قبروں کے احوال کا مشاہدہ یا بعض کرامات کا

لے کرامات، دراصل اسلامی طریقِ عمل میں۔ رات جاگنا۔ تہجد۔ نماز۔ فاقہ۔ طریقت کے لیے مخصوص عمل تھا۔ یہ عمل شریعت کے عمل نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے ساتھ مشروط تھا کہ بغیر اتباعِ شریعت۔ رات جاگنا۔ فاقہ۔ مجاہدہ کے جو نتائج اس عمل سے حاصل ہوں۔ آسن قرار نہیں دیتے جاتے۔ اس وجہ سے کہ رات جاگنے۔ فاقہ مجاہدہ سے انسانی ناری و روح حیوانی قوت قوی ہو کر اس سے مافوقِ عقل کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن بغیر اتباعِ شریعت یہ قوت شر کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اتباعِ شریعت کے تحت یہ عمل۔ یہ نتیجہ بجائے شر کے خیر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں انسان شریعت کا پابند رہ کر اس قوت کو شر میں استعمال نہیں کر سکتا۔ خلافتِ عثمانیہ کے دورِ خلافت میں۔ ایران و ترکی میں۔ گزشتہ یونانی۔ سدومی اور آریں فلسفیوں اور ریشیوں کے طریقِ عمل میں بغیر اتباعِ شریعت۔ رات جاگنے۔ فاقہ اور مجاہدہ سے کراماتی قوتیں حاصل کر کے۔ اس عمل کو وجہِ فضیلت قرار دے کر ایسے عمل کو دین کی شکل میں جاری کیا تھا۔ اس طرح گزشتہ مذاہب کے ایسے اعمال طریقِ عمل پر طریقت کی بنیاد کو قائم کیا گیا تھا۔ اور اسی عمل پر ایرانی صوفیوں نے اسلامی طریقت کو شامل کر کے طریقت کو کرامات کی اصل پر ایک اسلامی طریقت میں۔ طالبانِ حق کیلئے پیش کیا۔ جس میں اتباعِ شریعت کو لازم نہ رکھا گیا اور اسی عمل کو مبنی بر حقیقت سمجھا گیا۔

حاصل ہونا شامل تھا۔ ان مظاہرات سے ایک شخص کے کمالات کے مظاہرہ میں چونکہ ایسے لوگ خانقاہ سے وابستہ تھے۔ ایک خلیفہ خانقاہ کو دلی سمجھا گیا اور اسی عمل کو طریقت سمجھا جانے لگا۔ بعد کے زمانہ میں علم طریقت کا اسی تصور پر اجرا ہوتا رہا مگر یہ طریق شریعت کی پابندی سے مشروط نہ تھا۔ بعض لوگوں نے شریعت کی پابندی۔ نماز۔ روزہ۔ اخلاق و احسان پر بھی عمل کیا۔ لیکن یہ عمل بغیر شریعت کی پابندی کے بھی رو بہ عمل لایا گیا۔ جب کہ دونوں فریق کے مظاہرات یکساں تھے۔ اس مقام پر طریقت کا عمل دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے خانقاہی طریق عمل سے اختلاف کیا۔ اور خانقاہ سے علیحدہ ہو گئے۔ دوسرے وہ جنہوں نے خانقاہ پر قبضہ جما کر بغیر پابندی شریعت یا حقیقی طریق طریقت سے علاوہ اختراعی طریق عمل اختیار کر کے چند کراماتی قوتوں کا مظاہرہ کیا۔ ان میں فریق اول علمائے اُمت ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کا اجرا۔ اور صحیح طریق پر عمل کر کے ولایت کے مراتب حاصل کیے۔ البتہ ان ادویار نے بھی ایرانی طریق تزکیہ کو طریقت کے عمل میں شامل رکھا۔ کیونکہ یہ عمل مشاہدات و کرامات حاصل کرنے کا آسان طریقہ تھا۔ دوسرے وہ جنہوں نے بغیر اتباع شریعت ایرانی طریق کو اختیار کیا۔ اول الذکر عالم کو عامل یا صاحب شریعت دلی کہا گیا۔ جو اصول شریعت کے تحت احسن تھا۔ دوسرا طریق شریعت کے خلاف۔ استدراجی یا شیطانی طریق قرار دیا گیا۔

یہی وہ طریق تھا جو خلافت عثمانیہ کے دور میں ترکہ کی اور ایران میں جاری تھا۔ اور خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد جب منغل شہنشاہوں نے ہندوستان میں داخل ہو کر بیشتر علاقے فتح کیے تو شہنشاہیت کے ساتھ شریعت کے علماء نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سے قبل بھی ایران۔ کابل کی راہ بعض علماء شریعت و طریقت ہندوستان میں وارد ہوئے جو صرف دین اسلام کی وسعت اور مخلوق انسانی کی ہدایت کے جذبہ کے تحت ہندوستان آئے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں ہندوستان میں دین اسلام کا نفاذ کیا اور کثرت سے لوگوں کو دین میں داخل کیا۔ ان علمائے اُمت نے ایک طرف قرآن و حدیث کی تعلیم دی دوسری طرف علم طریقت کا بھی اجرا کیا۔ لیکن ان کے پاس بھی علم طریقت کا وہی طریق



تھا جو ایرانی طریق طریقت تھا۔ جس میں۔ فاقہ۔ رات جاگنا۔ ذکر۔ حبس نفس وغیرہ استعمال ہوتا تھا۔ مگر اس طریق میں چونکہ شریعت پر کامل عمل لازم تھا۔ اس لیے ایسے عمل سے طالبان حق کو معرفت کی راہ میسر ہوتی رہی۔ انہیں مشاہدہ و مراتب حاصل ہوتے رہے۔ ان علمائے امت میں حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ہندوستان کے مشہور اولوالعزم ہستیاں شمار ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان میں حقیقی علم شریعت و طریقت کے علم و عمل کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد ان کے جانشین۔ خلفاء نے بھی طریقت کا علم و عمل بہتر شکل میں جاری رکھا۔ مگر ہندوستان خاص کر مغل شہنشاہیت کے دور میں ہندوستان میں زرو جو اہرات کی فراوانی نے ان اولیاء کے علمی و عملی مراکز کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔ ہندوستان میں قبل ازیں ہندو آیین قوموں کا تسلط تھا۔ جس میں ہندو فلسفہ علم میں بھی۔ ایک قدیم تصور طریقت کا جاری تھا۔ جس میں ہندو علماء (برہمن) بھی استدراجی طریق پر تزکیہ و مجاہدہ سے روحانی قوتوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔ نیز ان کے پاس بھی مشاہدات و کرامات سے متعلق علم طریقت کا تصور موجود تھا۔ جس میں علم الہیات میں کیفیات یاطنی کا مشاہدہ اور تصور و مشاہدہ ذات الہی کا تصور پایا جاتا تھا۔ اس تصور پر ہندو فلسفہ علم الہیات میں خاص نظریہ وحدت الوجود ہے جس کے ہندو مذہب کے اہل دانش قائل ہیں۔ ہندو مذہب کے نظریات و عقائد میں ان کے خاص عمل تزکیہ نفس کو خاص دخل ہے۔ ہندو علماء (برہمن) اکثر تزکیہ نفس۔ فاقہ۔ حبس نفس (سانس بند کرنے کی مشق) نقطہ بینی۔ بلور بینی۔ شمع بینی پر یکسوئی (CONCENTRATION) کے ذریعہ قوت ارادی اس قدر قوی کی جاتی۔ کہ سادھو اس عمل سے۔ بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔ پانی پر چلتے۔ ہوا میں اڑتے۔ اور ایک خاص عمل یہ کہ سانس بند کر کے اپنی روح پر قابو پا کر۔ زمین میں دفن ہو کر ہفتوں۔ مہینوں زندہ حالت میں رہتے۔ اس قوت کو حاصل کرنے کے لیے ان کے تزکیہ نفس کے عمل کو ہندی زبان میں ”پرانا یوگ“ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اولوالعزم اولیاء کے علم شریعت و طریقت کے احوال پر ہندو مذہب کا یہ

طریق زیادہ تر استعمال میں نہ آیا۔ اس کی جگہ شریعت و طریقت نے لے لی اور یہاں اسلامی طرز کا طریق طریقت جاری رہا۔ لیکن ایرانی اختراع کردہ طریق طریقت میں جس نفس کیسوی۔ کا طریق ہندو مذہب کے طریق کے مطابق یکساں تھا۔ اس لیے یہ عمل ہندوؤں مسلمانوں میں مشترک رہا۔ اور اس عمل کے نتائج کرامات و کشف یکساں نوعیت کے تھے۔ فرق صرف یہ تھا۔ کہ اصول شریعت کے تابع ایک ولی کا عمل شریعت کے تابع احسن تھا۔ اور سادہ و کا عمل بغیر اتباع شریعت استدراجی یا شیطانی کہلاتا تھا۔ یہی عمل مسلمان کے لیے بغیر اتباع شریعت۔ طریقت سمجھا جانے لگا۔ چونکہ اس طریق میں کرامات کا اظہار بھی ہوتا رہا۔ تو لوگوں نے غلط فہمی میں ایسی کرامات کو دائرہ اسلام میں تصور کیا۔ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں جب کہ اس طریق میں پھنگ۔ چرس۔ شراب۔ اور خلاف شریعت اعمال کے ہوتے کرامات کا اظہار ہوتا رہا۔ طریقت کو شریعت سے الگ عمل سمجھا گیا کہ طریقت شریعت سے الگ ایک راز ہے جس میں شریعت کی پابندی لازم نہیں۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً شریعت حقہ کے خلاف استدراجی۔ شیطانی عمل تصور ہوتا ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں اسلام (خلافت اسلامی) خلفاء اربعہ میں خلافت۔ اقتدار اعلیٰ۔ شریعت۔ طریقت۔ ایک واحد حیثیت رکھتی تھی۔ کہ خلیفہ کے لیے امیر المؤمنین کی حیثیت میں قرآن و حدیث پر عبور و عمل بدرجہ اولیٰ ہونا۔ اس حال میں کہ اس زمانہ میں طریقت کا کوئی الگ تصور قائم نہ کیا گیا تھا۔ یعنی اتباع شریعت میں کامل و اکمل ہونا۔ اور صاحب طریقت ہونا شرط تھا۔ مگر بعد کے زمانہ میں خلفاء کی صنوابط شریعت میں کوتاہی کے سبب اقتدار اعلیٰ نے خلافت کی ایک علیحدہ حیثیت اختیار کی اور شریعت و طریقت کو علیحدہ حیثیت میں علماء اُمت نے اپنایا۔ اور آگے چل کر جب قرآنی اصول کے تحت۔ علماء شریعت نے تزکیہ۔ مجاہدہ۔ قیام لیل۔ تہجد۔ تلاوت قرآن کے عمل میں کوتاہی برتی۔ تو شریعت دو ہیئتوں میں بٹ گئی اور طریقت کو علیحدہ حیثیت دی گئی۔ اس طرح علمائے اسلام نے شریعت کی اتباع کو اپنے عمل میں شامل رکھا تو یہ طریق قرآن و حدیث کے عین مطابق رہا۔ اور جب علمائے اُمت میں رفتہ رفتہ شریعت کی اتباع میں کوتاہی پیدا



ہوئی۔ تو یہی حقیقی عمل بغیر اتباعِ شریعت استدراجی عمل قرار دیا گیا۔ البتہ چونکہ اہل اسلام کی نسبت قرآن و حدیث سے ہی رہی ہے۔ اس لیے لاعلمی کے سبب توں ہندوستان میں یہی عمل جاری رہا۔ جس میں بغیر اتباعِ شریعت۔ تزکیہ نفس۔ حبس نفس۔ اور ایرانی طرز کے اختراع کردہ طریق۔ ذکر نفی اثبات۔ ذکر اللہ ھو وغیرہ پر عمل ہوتا رہا۔ اس طریق کو لاعلمی کے سبب حقیقی طریقِ طریقت سمجھا جانے لگا۔ درحقیقت اصولِ طریقت یا اصولِ تصوف میں مشاہداتِ باطنی میں کیفیات کو مراتب کی صورت میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ وہ مراتب عالمِ ناسوت۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت۔ عالمِ لاہوت مقرر کیے گئے ہیں۔ ان مراتب کے تصورات۔ حقیقی معرفت و مشاہدہ اسرارِ الہی پر قائم کیے گئے ہیں۔ اول عالمِ ناسوت۔ عالمِ ناس سے تعبیر ہے یعنی۔ علمِ مادی یا عالمِ دنیا۔ یہ مادی یا ناری ہستیوں کے ظاہری و باطنی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے دوسرے عالمِ ملکوت۔ یہ نوری ہستیوں کے باطنی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس علم کا تصور ملائکہ یعنی نوری ہستیوں کے تصور پر قائم کیا گیا۔ عالمِ جبروت بھی نوری مقام ہے۔ جو عالمِ ملکوت کے ماورائی۔ عالمِ نورانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس عالم کا تصور بھی۔ جبرائیل۔ یعنی عظیم نوری ہستیوں پر قائم کیا گیا۔ عالمِ لاہوت۔ یہ خالص نوری مقامات علیا سے تعلق رکھتا ہے جو نورِ محض صفاتِ الہی کے تصور پر قائم کیا گیا۔ عالمِ ناسوت میں عمل۔ اتباعِ شریعت کے ساتھ احسن ہے۔ بغیر اتباعِ شریعت اس علم کا مشاہدہ۔ بلا تیز مذہب ہر انسان کو صرف تزکیہ نفس سے ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے عالم کو اگر اس نے اتباعِ شریعت کے ساتھ عمل کیا ہو ”عالم“ کہا جاتا ہے۔ البتہ اصولِ طریقت کے مطابق ایسا شخص دل نہیں کہلا سکتا۔ اور بغیر اتباعِ شریعت یہ عمل شیطانی عمل سے تعبیر ہوتا ہے۔ ایسا شخص شیطان صفت زمرہ و لایت۔ زمرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے لیکن لاعلمی کے سبب جب کہ مدتوں علمائے اُمت نے اصولِ قرآن کے تابع تزکیہ و تقویٰ پر عمل نہ کیا۔ انہیں مقاماتِ علیا کے مراتب کا مشاہدہ حاصل نہ ہوا۔ انسانی ذہن ایسے مراتب کے تصورات سے خالی ہو گیا۔ اس کے مقابل۔ عالمِ ناسوت کے عمل اور مشاہدہ کا غامِ چرچا رہا۔ عوام الناس نے علمِ ناسوت کے علم و عمل کو ہی حقیقی طریقت سمجھ کر۔ یا استدراجی فقیر دل

کی طرف رجوع رکھا۔ یہاں تک کہ لوگ حقیقی علم طریقت مشاہدہ۔ علم ملکوت۔ جبروت۔ لاموت سے یکسر غافل رہے۔ یہی وجہ تھی کہ مدتوں سے کیا عوام الناس اور کیا طالبان حق کسی کو بھی حقیقی علم طریقت و معرفت نہ حاصل ہوا نہ کسی موقع پر ایسے صاحبان علم ولی اکمل کے مشاہدات و مراتب کے قائل ہوئے۔ نہ ایسے علم پر یقین کرنے پر آمادہ ہوئے۔

اس موقع پر حقیقی علم طریقت کی وضاحت لازمی ہے کہ سمجھا جائے۔ از روئے قرآن حقیقی علم طریقت کی ہیئت کیا ہے؟ اسکے متعلق قرآن نے ایک خاص بیان پیش کیا اور علمائے طریقت اسی قرآنی حکم کی روشنی میں ایک خاص عمل متعین کیا جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْكَ الشَّمْسِ اِلَى عَسَقِ الْاَيْلِ وَقُرْ اِنَّ الْفَجْرَ

اِنَّ قُرْ اِنَّ الْفَجْرَ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (پارہ ۱۵، سورہ ۱۷، آیت ۷۸)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز قائم کریں سورج غروب ہونے سے رات گہری ہونے تک صبح کو قرآن پڑھیں تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ ۖ قِمِ الْاَيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۖ نِّصْفَةً اَوْ الْقُصُ مِنْهُ قَلِيْلًا ۖ

اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۖ (پارہ ۲۹، سورہ ۷۳، آیت ۱۴)

اے کمل والے نبی! ٹھیں رات کو۔ مگر تھوڑا۔ رات کا نصف یا اسے کم کریں یا چاہیں زیادہ کریں اور قرآن پڑھیں۔ یہ عمل اس لیے مقرر ہے کہ اس عمل سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور آثار باطنی۔ اور قرآنی آیات کے انوار (نُورٌ مُّبِيْنٌ) مشاہدے میں آتے ہیں تجلیات قرآنی باطنی اسرار سے مشابہ ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الْاَيْلِ هِيَ اَشَدُّ وُطْأً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۖ

تحقیق رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے نفسانی رکشیف (آلائشیں کچل جاتی ہیں اور کلام میں تاثیر (روحانی کرامات) پیدا ہوتی ہے۔

قرآن نے واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو خاص عمل دیئے ایک رات کا جاگنا۔ دوسرا تلاوت قرآن۔ یہی دو عمل صحابہ کی خاص جماعت نے حاصل کئے جنہیں وَطْأٌ ثَفَّةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (پارہ ۲۹، سورہ ۷۳، آیت ۲۰) کے حکم کے مطابق



خاص جماعت مقرر کیا۔ یہی خاص جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ قائم مقام خلفاء میں سے ہیں۔ جنہیں رات جاگنے اور تلاوت سے مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے۔ یہ جماعت مومنین کی ہے۔ جو اولاً شریعت کی پیروی میں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ احسان۔ اخلاق کی بدرجہ کمال پابندی کرتے ہیں۔ اور رات کے آخری حصہ میں تلاوت کرتے ہیں یعنی رات کو جلتے ہیں۔ اور قرآنی آیات کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کا مشاہدہ۔ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ بلاشبہ رات جاگنے اور روزہ رکھنے سے جسمانی کثافت تحلیل ہو جاتی ہے۔ اس کا لازمی اثر رُوح کی لطافت ہے۔ رُوح کی لطافت کا لازمی اثر مشاہدہ باطنی ہے۔ لہذا اس قرآنی آیت کا مفہوم واضح ہے کہ قرآن کا اشارہ۔ مشاہدہ باطنی کی طرف ہی ہے کیونکہ فطری اصول و قانون کے تابع۔ ایسا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اس مقام پر مفسرین نے مَشْهُودًا کے مفہوم کا ایک مبالغہ آمیز تصور دیا کہ صبح کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ قرآنی اصطلاح میں شاہد ہونا۔ عجمی تصور میں گواہ ہونا۔ کسی کیفیت پر قریب ہو کر اطلاع پانا ہے۔ یہ تصور دراصل۔ تفسیر میں قوت القانہ ہونے کے سبب۔ عقل استدلال پر قائم کیا گیا۔ جب کہ مَشْهُودًا سے اصل مراد کسی کیفیت باطنی کا ادراک میں آنا ہے۔ اور یہ مفہوم۔ ایک عالم کے طریق مشاہدہ باطنی سے آگاہ ہونے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس مفہوم میں مبالغہ کی یہ صورت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سَمِيعٌ یَّصِیْرٌ کی صفت کے اعتبار سے۔ ہر غیب و ظاہر۔ ہر دور و نزدیک کیفیت پر علمی احاطہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس حال میں کہ یہاں کسی عمل کو اللہ کے حضور پیش کرنے کا تصور قطعی مبالغہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جب کہ کسی کے قرآن پڑھنے کے ساتھ ہی اللہ کا بحیثیت سَمِيعٌ عَلِیْمٌ قرآن سُننا لازم ہوتا ہے۔ دوسرے اس مفہوم کے تحت کہ صبح کا قرآن پڑھنا فرشتے اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی مبالغہ ہے کہ ملائکہ کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی ذات تک رسائی حاصل کر سکیں لہذا یہ تصور اور تفسیر درست نہیں ہو سکتی۔ یہی دو عمل طریق طریقت میں مستعمل ہیں۔ جس میں۔ رات جاگنے سے قوت مشاہدہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مشاہدہ میں قرآنی آیات کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ اسی آیت

کے تحت طریقت میں علمائے اُمت نے قرآنی آیات میں — خاص حروف — الفاظ یا آیات مخصوص کی ہیں جو انوار کی شکل میں مشاہدے میں آتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ اَنْ لَّنْ نُّحْصُوهُ ۚ فَاقْرُؤْ وَاَمَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۙ  
اس حکم کے تحت قرآن الفجر کے حکم میں تخفیف و تخصیص کی گئی۔ کہ قرآن کی تلاوت کو  
ایک آیت — ایک حرف — ایک لفظ تک مختصر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
يَا اللَّهُ الصَّمَدُ — اللَّهُ هُوَ يُطَهِّرُنِي فِي آيَاتِهِ وَحُرُوفِ الْاَنْوَارِ مشاہدے میں آتے  
ہیں۔ ان انوار میں — عالم باطن — عالم ملکوت — عالم جبروت — عالم لاہوت  
کے آثار مشاہدہ کیے جاتے ہیں۔ البتہ اس عمل میں ایک عالم اُمتِ سول اکمل کی  
راہنمائی لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ طریق بھی قرآن نے وضع کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۖ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ ۖ شَاهِدًا ۖ وَمُبَشِّرًا ۖ وَذَاعِيًا ۖ وَهَادِيًا ۖ  
وَنَذِيرًا ۖ إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ

ان آیات میں حضور خود شاہد ہیں — پھر ہادی ہیں اور آپ کے ذریعہ ہی صراطِ مستقیم  
پر پہنچنا مقرر کیا گیا۔ لہذا ہر زمانہ میں مخلوقِ انسانی کے لیے صراطِ مستقیم میں ایک ہادی کا  
راہبر ہونا شرط کیا گیا۔ یہی طریق علمائے اُمت — اولیاءِ کاملین کو ورثہ میں ملتا ہے کہ شاہد  
ہوتے ہیں — ہادی ہوتے ہیں۔ جو اس قرآنی عمل کے ذریعہ طالبانِ حق کو صراطِ مستقیم تک  
پہنچا کر صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مطابق عالمِ ناسوت — عالم ملکوت —  
عالم جبروت — عالم لاہوت کی راہ پر لے جا کر معرفتِ الہی تک پہنچاتے ہیں۔

یہ ایک خاص طریقِ قرآن نے معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کا مقرر کیا جس میں علمائے  
اُمت اولیائے کاملین نے صراطِ مستقیم میں مشاہدہ کر کے عالمِ ناسوت — ملکوت — جبروت  
کے مراتب متعین کیے — عالمِ ناسوت چونکہ عالمِ ناس — عالمِ ناری سے تشبیہ ہے۔ یہ عالم  
بغیر اتباعِ شریعت بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ اس لیے یہ علم طریقِ طریقت میں ولایت کے  
زمرہ میں شمار نہیں ہوتا۔ جب تک عالم ملکوت میں داخل نہ ہوا جائے۔

علمائے اُمت اولیائے کاملین نے مشاہدہ حقیقی میں عالم ملکوت کی کیفیت کے



مشاہدہ میں مقام و مرتبہ کا تعین کیا۔ کہ عالمِ ناسوت میں مراتب کے اعتبار سے اکتالیس منازل آتے ہیں۔ ان منازل کے طے کرنے کے بعد عالمِ ملکوت کی ابتدا ہوتی ہے۔ عالمِ ملکوت کا ابتدائی باب۔ روضہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی اجلاس ہے جہاں وقت کے تمام ادیاء صف بستہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور اسے دربارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم کیا گیا۔ یہ دربار حقیقتاً ازل سے مقرر ہے۔ اس کیفیت کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ کُنْتُ نَبِيًّا كَانَ اَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ۔ ہم اس وقت بھی بحیثیت نبی موجود تھے جب حضرت آدم کی بشری ہیئت ابھی تکمیل پذیر نہ ہوئی تھی۔ یہ حدیث اسی تصور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عالمِ ملکوت میں دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حقیقی طریقت ہے۔ یعنی معرفتِ الہی کے لیے عالمِ ملکوت کے باب میں داخل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ صراطِ مستقیم۔ صراطِ اللہ کی راہ کا یہ ایک خاص راستہ ہے۔ بغیر اس باب کے داخل ہوتے۔ معرفتِ الہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اس مقام میں داخل ہونے کے لیے۔ قِمْرَ اللَّيْلِ۔ رات جاگنا۔ اور قُرْآنَ الْفَجْرِ۔ صبح کا پڑھنا۔ اسی مقام پر۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے لیے قُرْآنَ الْفَجْرِ تلاوتِ قرآن میں ایک خاص عمل مقرر کیا گیا۔

## صَلُّوْا کی تشریح

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۶)

تحقیق اللہ تعالیٰ اور ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (صلُّوْا) بھیجتے ہیں۔ اسے ایمان والوں پر بھی لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیو یہ حکم بھی قُرْآنِ الْفَجْرِ میں شامل ہے۔ قرآن نے مجملاً اس تلاوت میں صَلُّوْا کا حکم دیا لہذا صَلُّوْا کی تفسیر میں

اس تلاوت کا حقیقی مفہوم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ آپ پر درود ان الفاظ میں بھیجا جائے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ یہ درود براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا۔

در اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین میں صحابہ جو ذریت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زبان خالص تھی۔ اس زبان کو زبان قریش سے بھی تشبیہ دیا جاتا ہے۔ اور قرآن بھی زبان قریش (عربی) میں نازل ہوا۔ جس زبان کے کلام کو مکہ و مدینہ کے عربوں کو سمجھنے میں دقت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل کیا صحابہ نے بغیر دقت اس کلام کو سمجھا اور یہ خصوصیت بھی انہیں حاصل تھی کہ حکم بھیجئے پر کلام سمجھنے کے ساتھ وہ اس پر عمل کرنا بھی جانتے تھے۔ انہیں قرآن کے ترجمہ یا تفسیر کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ادھر اللہ نے حکم دیا۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ۔ ادھر صحابہ نے صَلُّوْا عَلَیْہِ کا مفہوم سمجھ لیا اور خود اپنے الفاظ میں صَلُّوْا کا عمل ادا کیا اور اس عمل کا تصور بھی سمجھ لیا۔ کہ صَلُّوْا سے کیا مراد ہے اور صَلُّوْا کس طرح ادا کیا جائے۔ ایسی صورت میں صَلُّوْا کا مفہوم سمجھنے کے لیے یا صَلُّوْا ادا کرنے کے لیے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم۔ حکم الہی میں روحانی خصوصیت ہونے کے باعث اصحاب پوچھ لیتے تاکہ انہیں اپنی فہم اور عمل کی تصدیق حاصل ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک حکم کا مفہوم اور طریق عمل فرمادیتے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود کا ایک خاص طریق بیان فرمادیا۔ بجز اس کے کہ ہر شخص اپنی زبان میں۔ یہی الفاظ ادا کرتا کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یَا کَیْسُ نے درود شریف کو ان الفاظ میں ادا کیا جس کی صفت قرآن نے بیان کی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّ الْاُمَمِی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی جَبِیْنِکَ۔ رَسُوْلُکَ غرض قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن صفات سے پکارا یا اصحاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن صفات سے پہچانا ان صفات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ یہ سب صَلُّوْا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن و حدیث سے دلیل لینے کی ضرورت



ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب رکھنے والے آپ کی تعریف میں جو تصور رکھتے اسی تصور کے ساتھ آپ پر درود بھیجتے۔ مثال کے طور پر۔ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب میں جو جذبہ اور ”وجدان“ پایا اسی تصور کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ کسی نے جذبہ حُب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوتے انور کو والضحیٰ کی صفت سے پکارا۔ کسی نے آپ کی زلفِ عنبر کو والکحل کی صفت سے پکارا۔ کسی نے جذبہ عشق و محبت میں دل سے یہ صدا دی۔

یا صاحب الجہال ویا سید البشر  
من وجہک المیز لقد نور القمر

کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوتے اظہار پر چمکتے پسینہ کے قطرات کو موتیوں سے تشبیہ دے کر اظہارِ عشق کیا۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا کو سرو قد سے تشبیہ دی۔ یہ ایک فطری تاثر تھا ان کے جذبہ عشق کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ قدسی کیلئے موزوں و مناسب تھا۔ ان صفات سے آپ کو پکارنا۔ فطری جذبہ حُب اور وجدان کے تابع تھا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب کا اظہار ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ان تعریفی کلمات پر اظہارِ خوشنودی فرماتے۔ لہذا ان صفات کے ساتھ آپ پر درود بھیجنا ہر حال میں جائز تھا اور آپ پر درود بھیجنا بھی جذبہ حُب کے زیر اثر تھا۔ لہذا اس امر میں یہ شرط و شروط نہ تھی کہ اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی لازمی ضرورت رہتی۔ اسی تصور کے ساتھ جس نے جس صفت کے ساتھ۔ یا جس نے جس صفت کو درود میں شامل کیا۔ اس طریق مقرر کیا جاتا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ  
صَاحِبِ النَّاجِ وَالْمُعْزَاجِ -

اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی صفات کو شامل کیا جائے جائز ہے۔ کیونکہ اس عمل سے حضور سے انتہائی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ حَامِلِ لُؤَاءِ الْحَمْدِ - دَافِعِ الْبَلَاءِ - وَالْوَبَاءِ -

وَالْأَلَمِ - شَفِيعِ الْمَذْنِبِينَ - آيِنِسِ الْغَرِيبِينَ - مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ  
وَالْمَسَاكِينِ - رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ -

وغیرہ ان صفات کے ساتھ درود پڑھنا کسی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی حُب کے تحت احسن قرار دیا جاتا ہے۔ ان ہی درودوں میں اولیاء اللہ نے جذبہ حُب میں درود کے ساتھ جو صفت شامل کی وہ درود جائز تصور کیا جاتا ہے۔ وہی درود شریف اولیاء اللہ کی نسبت سے ان کے تابعین (مریدوں) میں رائج ہوا۔ اس کے لیے قرآن و حدیث سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رسالت میں ایک شخص کعب بن زہیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں ایک شاعر تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صحابہ نے اس شاعر کا تعاقب کیا کہ جہاں ملے اُسے قتل کر ڈالیں۔ کعب بن زہیر قتل کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ جب اس نے کسی طرح اپنی جان بچتی نہ دیکھی۔ تو اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھا اور جی کھول کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اشعار لکھے۔ اور یہ قصیدہ لے کر۔۔۔ برقع اوڑھ کر۔۔۔ دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا۔ دربار کے قریب پہنچا تو حضرت علیؓ بھی تشریف لارہے تھے۔ آپ نے کعب بن زہیر کو پہچان لیا لیکن اس پر ہانٹا اٹھا میں برقع مانع ہوا کہ برقع پوش پر نظر اٹھا کر دیکھنا از روئے شریعت جائز نہ تھا۔ کعب بن زہیر سیدھا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا۔ اور برقع اوڑھ کر ہی قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعب کا قصیدہ سنتے رہے۔ ایک جگہ پر ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہایت لطیف انداز میں کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنا تو خوش ہو کر کعب کو اپنا ردائے مبارک عطا کیا۔ کعب نے ردائے مبارک لے کر چوم لیا آنکھوں سے لگایا۔ اور برقع اُتار دیا۔ صحابہ کعب کو دیکھ کر قتل کے لیے پکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ کہ کعب معاف کیا گیا۔ کعب اسی



وقت کلمہ شہادت پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا خواں غلاموں میں داخل ہوا۔ یہ قصیدہ بابت سعاد کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اور بھی قصیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے گئے۔ جن میں حضور صلی اللہ کی صفات کی تعریف کی گئی۔ لازمی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصیدے سنکر اظہارِ خوشنودی کیا۔ ان میں قصیدہ بردہ بھی مشہور قصیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تعریفی انداز میں۔ جو اشعار۔ جو قصیدے۔ لوگوں نے ترتیب دیئے ان کی سند قرآن سے ثابت نہیں مگر محبتِ رسول میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں جو بھی لفظ ادا کیا گیا وہ محض محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ اور وجدان کے زیرِ اثر ترتیب پاتا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا ایسے اشعار کا پڑھنا کسی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا سبب بن سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ایسے اشعار۔ جن کی قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو محض ایک انسان کی ذاتی وجدانی اختراع ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پڑھنا کسی طرح بھی بدعت یا ناجائز قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اسی تصور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں جو بھی الفاظ ادا کیے جائیں اگرچہ قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو جائز ہو سکتا ہے۔

اولیاء کرام۔ قائم مقام۔ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ انہیں بھی براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے۔ قرآن کی فلاں سورۃ یا فلاں آیت پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں یا درود شریف پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ خلفاء اربعہ اور وَطَائِفُ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ کی خاص الخاص جماعت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور و ظائف عطا فرماتے رہے۔ جو حدیث میں درج نہیں۔ یہ و طائف سلسلہ بہ سلسلہ۔ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ یہی و طائف مختلف سلسلوں (قادری۔ نقشبندی۔ چشتی۔ مہروردی) میں منتقل ہوتے رہے۔ ان سلسلوں میں حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے چند و طائف سلسلہ میں سینہ بہ سینہ درود میں آتے رہے۔ ان میں درود شریف بھی

شامل ہے۔ آپ کے سلسلہ میں درود شریف بہ سدا ارشاد ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ  
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِيْبِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

اسی طرح باقی سلسلوں میں بھی وظائف ارشاد ہوتے ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِيْبِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم درود خضریٰ کہلاتا ہے۔ یہ درود سلسلہ  
چشتیہ قادریہ — صابریہ کے اولیاء اللہ ارشاد کرتے رہے — یہی درود شریف سلسلہ  
اویسیہ میں حضرت شاہ عبد الکریم بلہڑی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حضرت شاہ عبد لطیف بھٹائی  
رحمۃ اللہ علیہ کے ورد میں آتا ہے — اس کے علاوہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ  
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل تھی۔ آپ کو براہ راست حضور صلی اللہ  
سے درود شریف ارشاد ہوا وہ درود شریف —

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کا وظیفہ ہے۔

## حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کی نسبت رسول اللہ ﷺ

یہ امر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں میں سے جوئے  
خدا آتی ہے۔ اس ارشاد سے مراد میں میں ایک ہستی ایسی ہے۔ جسے معرفت الہی اور  
حُب الہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہے — صحابہؓ کے استفسار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا میں میں ایک ہستی اویس ہیں جو قریہ قرن میں رہتے ہیں۔ ولی اکمل صاحب  
فنا و بقا ہیں۔ ظاہر ہے یہ مقام بتغیر نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میسر نہیں آ  
سکتا تو صحابہؓ نے عرض کی کہ اویس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہیں؟ آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم سے نہیں ملے۔ ان کی والدہ ہے جس کی خدمت کے سبب انہیں  
یہاں آنے کا موقع میسر نہیں — لازم ہے کہ فنا و بقا معرفت الہی بغیر عالم ملکوت میں داخل



ہوتے بیستر نہیں ہو سکتی تو یہ بات واضح ہوئی۔ کہ حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل ہے۔ جس میں حضرت خواجہ ادیس قرنیؒ کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری میسر ہے۔ اسی نسبت باطنی سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درود شریف ارشاد ہوا۔ یا بغیر درود۔ صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجلاس محمدی میں رسائی ملی۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ارشاد ملا۔ یا یوں کہا جائے کہ زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ نے ان الفاظ میں خود درود ادا کیا۔

یہ درود شریف ان ہی الفاظ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا يَا مُحَمَّدُ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ وَآلِهِ وَسَلِّمْ

سے ادا ہوتے ہیں۔ لیکن درود ادیسی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس درود میں زائد الفاظ۔

يَا مُحَمَّدُ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ کا ایک خاص تصور ہے۔ یعنی یہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو پڑھتے وقت حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر حالت میں سامنے ہوتے تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر انگشت شہادت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے یا مُحَمَّدُ رائے محمد آپ نبی امی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوں۔ انگشت شہادت کے اشارہ کے ساتھ درود میں یا مُحَمَّدُ ادا کرنا۔ عربی اصطلاح قریش۔ یا عربی ادب کے تابع ہے کہ باطن میں۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو حاضر کر کے پڑھتے ہیں۔ حاضر حالت میں یا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ یہی طریق سلسلہ ادیسیہ کے ہر ولی کے لیے لازم آتا ہے کہ ولی خود کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کر کے پڑھتا ہے جس کے لیے ہر ولی کو اسی سنت کے تابع رہا طنی طور، انگشت شہادت کے اشارہ کے ساتھ یا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اسی ارشاد کے تابع سلسلہ ادیسیہ کے ہر مرید کے لیے یا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ سلسلہ ادیسیہ کی نسبت سے ایک ولی ابتدائی بیعت میں مرید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے۔ جہاں مرید بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوتا ہے۔ تو مرید کے لیے بھی یا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب



ہو جاتا ہے۔ سلسلہ اولیہ کے مرید کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ ایک ولی کی بیعت میں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر سمجھے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ابتدائی حالت میں بعض میں صفائی قلب نہ ہونے کی وجہ سے اس کیفیت کا مشاہدہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر مشاہدہ کرے۔ بعض لوگ بیعت کے ساتھ ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ خود کو اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کے پیش دیکھتے ہیں۔ سلسلہ اولیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ سے نسبت رکھنے کے ساتھ ہی جب مرید درود شریف پڑھتا ہے تو وہ خود بخود باطنی طور پر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کے پیش ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر تصور کر کے یا تمسّی پڑھنا لازم ہوتا ہے۔ اور یہ خصوصیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے باطنی طور نسبت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بغیر دیکھے ایمان لائے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو انتہائی عشق تھا کہ اسی حب کے جذبہ کے تحت آپ نے جنگ احد کے موقع پر جب سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ نے گوارا نہ کیا کہ آپ اس درد سے خالی رہیں۔ آپ نے تمام دانت توڑ کر اس درد کو قبول کیا۔ اسی جذبہ حب کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں خوشنودی حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوئی۔ اسی خوشنودی اور رضائے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی محنت و مشقت۔ مجاہدہ و تقویٰ کے سبب آپ کو مقام محبوبیت عطا ہوا۔ یہی خصوصیت آپ کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عالی جاہ جناب سید

---

۱۔ چونکہ بعض حالتوں میں مرید کو اجلاس محمدی کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس تصور کے نہ پانے کے باعث کہ مرید خود کو حضور کے سامنے مشاہدہ نہیں کرتا۔ انگشت شہادت سے اشارہ لازم نہیں رکھا گیا۔ گویا یہ اشارہ صرف خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔



محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں عطا ہوئی۔ حضرت عالی جاہ سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا کو بھی سلسلہ کی نسبت سے علاوہ۔ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوئی۔ آپ دیوبندی نظریہ رکھتے تھے۔ طریقت کے قائل نہ تھے۔ آپ نے گزشتہ ادوار اللہ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا جس میں تصور و مراقبہ کے طریق اور مشاہدات کے ارشادات تھے۔ آپ نے بھی بغیر کسی دل کی نسبت کے تصور و مراقبہ شروع کیا۔ اسی تصور و مراقبہ میں آپ کو مشاہدہ ہوا۔ اور آپ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کو حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا حکم ہوا۔ جہاں آپ سلسلہ ادیبہ کی نسبت میں داخل ہوئے۔ آپ کو معرفت الہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہوا۔ شریعت و طریقت میں آپ کی محنت و سعی اور کامل حب کے صلہ میں مقام محبوبیت عطا ہوا۔ حضور قبلہ عالم عالی جاہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں عالی جاہ کو خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

لے خواب۔ حضور قبلہ عالم مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اشارہ از منازل فقر  
ص ۴۷ تا ص ۴۹

نور احمد ہستی تو اندر فعال	زین سبب فرمود احمد در مقال
آمد آں ختم رسل خیر الوری	در مدینہ چوں رسید در سرلے
گفتند نام من چنین خلق برد	گفت نام چیت تو اے پر خرد
گفتند نور احمدی تو ہم بخواں	مولوی نور الزمان اندر جہاں
ہم زمانہ رونق افزا شد جدید	کہ نہ تو نور احد گشتہ پدید
یافتہ از علم تو نام و نشان	رونق فیض الہی در جہاں
ظاہر آید ساکاں اندر زمین	کہ نہ تو ہر فعل مثل نور من
آں زمان کہ میشود تو راہ تما	ہم حضور می شوند فی مجلسنا

نے آپ سے ازراہ شفقت فرمایا۔ آپ کا نام کیا ہے؟۔ آپ نے جواباً عرض کی کہ لوگ ہمیں نور الزمان کے نام سے پکارتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج سے آپ نور احمد کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ خواب میں آنا اور یہ خطاب دینا محض آپ کی محبوبیت کے پیش نظر تھا۔

جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت عالی جاہ جناب سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیر اکمل کی حب میں انتہائی مشقت اٹھائی اور آپ کی حب کا بیت اللہ میں مظاہرہ ہوا۔ تو حضور عالی جاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے عاشق زار کو بے انتہا نعمتوں سے نوازا۔ اور انہیں محبوبیت کا خلعت عطا فرمایا۔

اس محبوبیت کا حضور قبلہ عالم کی نسبت میں بدرجہ کمال مظاہرہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو آپ گالی بھی دیں وہ بھی حضوری ہو جاتا ہے۔ آپ کی نسبت سے بیت بھنے کے ساتھ ہی ایک طالب حضوری اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے مریدوں میں ایک ادنیٰ مرید بھی کسی کو درود شریف ارشاد کرے۔ وہ بھی ایک بار درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو جاتا ہے۔

## وظائف اولیسیہ

سلسلہ اولیسیہ کے ”وظائف اولیسیہ“ سب درود شریف ہیں۔ جن میں یہاں چند درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا يَا مُحَمَّدُ زِي النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

یہ درود۔۔۔ درود حضوری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹوں میں گیارہ سو بار پڑھا جاتا ہے۔

(۲) صَلِّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

یہ درود خضری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں پانچ ہزار پڑھا جاتا ہے۔

(۳) یَا حَسْبُیْ یَا قِیُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یہ درود شریف اکثر مستورات کو حضور رحمۃ اللہ ارشاد فرماتے۔ نیز خلوت کے موقع



پر بھی پڑھنے کو فرماتے۔ رات دن کثرت سے پڑھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد خلوت میں پوری کرنا۔

(۴) هُوَ اِلَهٌ - هُوَ اللّٰهُ - الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ -  
یہ درود اکثر خلوت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں پڑھنے کیلئے دیا جاتا ہے۔

(۵) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْبِهَا وَمُرْسَلَهَا اِنَّ رَآیَ لَغْفُوْرًا الرَّحِيْمِ  
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ -

یہ درود شریف اولیسی۔ حضور قبلہ عالم۔ دوئم اجلاس محمدیؐ میں تصور بیت اللہ کے ساتھ ارشاد فرماتے۔

(۶) هَا - هُوَ - هِيَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ  
یہ درود شریف اکثر غیر مسلم عقیدت مندوں کو ارشاد فرماتے۔ یہ درود شریف کلمہ طیبہ کا مخفف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ - کا مخفف ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا۔ ہُو مخفف اِلَّا اللّٰهُ کا۔ هِيَ مخفف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا۔ اس درود سے ایک قاری کلمہ طیبہ کی ادائیگی سے۔ فیض نبوی۔ فیض اولیسی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ان کی استطاعت کے مطابق درود ارشاد فرماتے۔ جو لوگ کاروبار دنیوی سے کسی حد تک فارغ ہوتے انہیں پانچ ہزار درود خضریٰ پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ اور اکثر ملازمت پیشہ یا مصروف لوگوں کو گیارہ سو درود حقوری پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ مستورات کے لیے بھی تخفیف فرماتے کہ جتنا ہو سکے درود پڑھیں بعض کو ایک سو اور بعض کو صرف گیارہ بار درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرماتے کہ اتنی ہی تعداد میں درود شریف پڑھنے سے اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی۔ اکثر اوقات اپنے خاص عقیدت مند طالب علموں کے لیے صرف بیعت ہونا اور حضور کی خدمت میں حاضری دینا۔ حصول مراتب۔ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہوتا۔ اور حضور جب اپنے کسی عزیز مرید کے گھر تشریف فرما ہوتے۔ تو ان کی بیویوں اور بچوں کا اظہار محبت و احترام۔ خاص کر بچوں



کا اظہارِ محبت کافی ہو جاتا کہ بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف قربت پیر سے انہیں مشاہدہ حاصل ہوتا اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہو جاتا۔ یہی نہیں بلکہ بیت اللہ اور عرشِ تک ان کا مشاہدہ جاری ہو جاتا۔ اکثر بچے ایسے دیکھنے میں آئے جنہیں کمسنی میں مشاہدہ ہوا۔ ان میں خاص کر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحبِ رحم کی دختر زینت کو خاص مقام حاصل تھا۔ اسے مثل آفتاب روشن مشاہدہ حاصل تھا۔ اس کے مشاہدہ میں ذرہ بھر بھی غلطی یا تخمیل شامل نہ ہوتا تھا۔ جو کچھ مشاہدہ کیا صاف اور حقیقت ہوتی۔ جناب قبلہ سخی صاحب پر اکثر قبض طاری رہتی تھی چونکہ آپ حُب پیر اور حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل تھے۔ آپ پر کثرت سے تجلیات وارد ہوتیں طبیعت میں جذب بھی تھا۔ جلال بھی تھا جس کے نتیجہ میں آپ لطیفہٴ اخفا میں غرق ہو گئے۔ آپ پر قبض طاری ہو گئی۔ مگر اس حال میں آپ کی توجہ تیغ برہنہ کا اثر رکھتی تھی۔ ادھر توجہ دی ادھر طالب ایک آن میں کھل گیا۔ کسی نے سلسلہ کے متعلق تنقید کی۔ تو دعویٰ کے ساتھ چیلنج فرماتے۔ آپ مونچھیں صاف منڈواتے تھے۔ مگر چیلنج کے وقت مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر فرماتے۔ یقین نہیں۔ تو میدان میں آؤ۔ ابھی دلیل دیتے ہیں۔ کوئی قسمت کا مارا۔ غلط فہمی میں آگے آ جاتا۔ تو خواہ بازار ہو یا بھری مجلس۔ فرماتے آنکھیں بند کرو۔ دیکھو۔ آپ توجہ دیتے۔ تو وہ نوری توجہ سے اُچھل کر دُور جاگرتا اور بے ہوش ہو جاتا۔ ہوش آتے ہی۔ معافی مانگتا اور غلاموں میں شامل ہو جاتا۔ قبلہ سخی صاحب کو خود روشن مشاہدہ نہ تھا۔ اس کے لیے اپنی دختر کو استعمال کرتے چنانچہ گزشتہ سخی صاحب کے ذکر میں اس کا ذکر تھوڑا سا ہوا، اسی طرح مرحوم راجہ علی اکبر خان صاحب چھتہ بل والے حضور قبلہ عالم کے عزیز عقیدت مندوں میں سے تھے۔ حضور کبھی علی اکبر خان صاحب کے گھریا ڈیوٹی پر متعین علاقہ میں تشریف لے جاتے۔ تو آپ کی بیوی حد درجہ اظہارِ عقیدت کرتی۔ آپ کا بیٹا نذیر احمد حضور کی تشریف آوری پر بیحد خوشی کا اظہار کرتا اور حضور اسے گود میں بٹھاتے۔ بس اس کا عمل اتنا ہی تھا۔ اسی عمل سے نذیر احمد والد کے برابر مشاہدہ کرتا۔ دونوں کے مشاہدے میں ذرہ بھر فرق نہ ہوتا۔ ان کا مشاہدہ بھی صاف اور حقیقی ہوتا۔ اسی طرح حضور



کے اکثر مریدوں میں ان کے بیوی بچے صرف اظہارِ خوشی سے ہی حضورِ صاحبِ مشاہدہ ہو جاتے۔ خاکسارِ رڈاکٹر محمد رمضان کے گھر کو حضورِ قبلہ عالم اکثر رونق بخشتے تو میری بیوی بھی حد درجہ عقیدت و احترام سے پیش آتی۔ حضور نے انہیں صرف ایک سو درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ بس اتنے ہی عمل سے انہیں مشاہدہ و مراتب عطا فرماتے۔

طریقت کے تمام سلسلوں میں حصولِ معرفت کے لیے کثرت سے مجاہدہ۔ تزکیہ اور پرہیز لازم رکھا گیا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں تو شدت کا پرہیز لازم رکھا گیا کہ نماز۔ روزہ کی پابندی کے ساتھ۔ رات جاگنا۔ کثرت سے مراقبہ کرنا۔ کھانے پینے کی پرہیز میں پیاز۔ تھوم۔ مچھلی۔ زیادہ غذا۔ گوشت۔ انڈا۔ قطعی ممنوع رکھا گیا۔ اسکے علاوہ وظائف ادا کرنے میں غفلت۔ پاکیزہ لباس کی شدت سے پابندی رکھی گئی ہے۔ مگر سلسلہ اویسیہ خصوصاً سلسلہ امینیہ میں نسبت حضورِ قبلہ عالم میں سوائے پابندی شریعت کسی قسم کی پابندی لازم نہیں رکھی گئی۔ نہ ادائے درود و مراقبہ میں کسی قسم کا ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حلال اشیاء میں جو چاہیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ درود شریف پڑھتے وقت۔ دوزانو۔ یا التحيات کی شکل میں پڑھنے کی پابندی نہیں۔ بیٹھے۔ اٹھے۔ چلتے۔ پھرتے۔ لیٹے۔ بستر پر دراز ہو کر پڑھا جاسکتا ہے۔ رات بستر پر لیٹ کر اپنے محرم کے ساتھ لیٹ کر بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں مراقبہ میں مشاہدہ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس حال میں بھی طبائے کے لیے اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ درود پڑھنے میں غسل۔ وضو کی پابندی نہیں۔ صرف استنجا لازم ہے۔ بعض حالتوں میں استنجا کی بھی پابندی نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ استنجا نہ ہونے کی صورت میں بھی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضورِ بی ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

یہ سب حضورِ قبلہ عالم حضرت الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولوالعزمی اور محبوبیت کے طفیل مخلوقِ انسانی کو میسر آسکتا ہے۔ اور حضور کی وفات کے بعد بھی یہ فیض عام اسی طرح جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ عَلَيَّ بَعْدَ وَفَاتِي كَعَلَمِي فِي حَيَاتِي۔

ہمارا علم بعد وفات ایسا ہی ہے جیسا ہماری حیات میں ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتی خصوصیات۔ بعد وفات علیٰ حالہ قائم ہیں۔ یہ صفت حضور علی اللہ علیہ وسلم کے علمائے اُمت اولیاء البکلیین کو بھی بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ کیونکہ علم معرفت و مشاہدہ اور کمالات۔ ولی کی رُوح سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ تمام علم و کمال ولی کی رُوح کو بعد وفات بھی حاصل ہوتا ہے کہ رُوح زندہ مجسم ہے۔ عالم برزخ میں۔ ولی اپنے تمام علم و کمال سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کمالِ علم کے ساتھ ولی اپنی تمام صفات و قوتوں کے استعمال پر قادر ہوتا ہے اس لیے اس کا فیض بعد وفات بھی ایسے ہی جاری رہتا ہے۔ جیسے اس کی حیات میں جاری رہتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے۔ عالم برزخ میں۔ عالم ظاہر کے مقابلہ میں جب کہ اس کی جسمانی ہیئت بعض حالتوں میں حائل رہتی ہے۔ ولی کی رُوح جسم کی علیحدگی میں۔ اپنے رُوحانی علم و کمال کے اجراء میں پاک۔ وسعت کے ساتھ اپنی روحانیت کو استعمال کر سکتا ہے۔ حضور قبیلہ عالم کو یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ حاصل ہے کہ بعد وفات بھی آپ کا فیض۔ فیض اویسی علیٰ حالہ جاری ہے اور رہے گا۔ زَادَهَا اللَّهُ تَعَالٰی وَ تَكْرِيًّا۔

## آپ پر بھی آزمائشیں ہوتیں

آپ اپنے خاندان میں ایک واحد شخصیت تھے۔ جن کے ذمہ خاندان کی کفالت تھی۔ آپ کثیر اولاد بھی تھے۔ جن کی پرورش۔ تعلیم و تربیت کا تمام تر بار گراں آپ کے کندھوں پر تھا۔ ان حالات میں دنیوی کاروبار کی فکر انسان کے عزائم کو متزلزل کر دینے والی تھی۔ زمین کی کاشت۔ دیگر خانگی ضروریات کی فراہمی۔ اس زمانہ میں ایک نحیف تن واحد کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔ ایک زمانہ ابتلا کا آپ پر ایسا بھی آیا کہ شدید محنت اور ضرورت سے زیادہ ذہنی سوچ نے آپ کے وجود کو متاثر کیا۔ آپ اکثر سردرد کے عارضہ میں مبتلا رہتے تھے۔ ایک بار درد سر کا شدید حملہ ہوا۔ جس سے آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور آپ مسلسل تین دن بیہوش رہے۔ حضور پر سردرد کا حملہ ہوا ہی تھا کہ اسی دن شام کو پیر غلام نبی میرے پاس آئے اور حضور کی علالت کی خبر دے کہ سب کو



پریشان کر دیا۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد میں کاشیرا روانہ ہوا۔ کپواڑہ سے ڈاکٹر ڈار صاحب کو ساتھ لے گیا۔ پیدل چلتے وقت ہم اس معاملہ پر بحث کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ رگ پھٹی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو فالج کا گرنا لازمی تھا۔ میں نے اپنے مشاہدہ میں دیکھ لیا تھا کہ رگ پھٹ چکی ہے اور دماغ کے ایک حصہ (CEREBRUM) میں جما ہوا خون موجود ہے۔ اور یہ بات میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتائی تھی آخر وہ تشخیصی تجربات کرنے پر راضی ہو گئے۔ قبلہ عالم کی ریڑھ کی ہڈیوں کے درمیان ایک لمبی سوئی داخل کی گئی۔ جسے میڈیکل زبان میں LUMBAR PUNCTURE کہتے ہیں۔ سوئی سے خون برآمد ہوا تو ڈاکٹر صاحب حیران ہو گئے کہ رگ پھٹنے کے باوجود فالج نہیں گرا۔ ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ ہمارے پاس ایک ایکسریز ہے جس سے جسم کے کسی حصے کا فوٹو ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اسی ایکسریز میں قبلہ عالم کے دماغ کا وہ حصہ نظر میں آ گیا جس میں رگ پھٹنے سے خون منجمد ہو گیا تھا۔ حضور قبلہ عالم چند روز بیمار رہ کر صحت مند ہو گئے اور فرمایا حضور رسول ﷺ علیہ وسلم نے مجھے بشارت دی تھی کہ رگ پھٹ جائے گی مگر فالج نہیں گرے گا۔ اولیاء اللہ پر بھی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ عام لوگوں کی آزمائش کی طرح نہیں ہوتی چوری کرنا۔ جوا کھینا۔ زنا کرنا۔ یا شراب کا پینا۔ ایسے فعل کی سزا میں ایک شخص کو کسی کردہ یا ناکردہ گناہ میں قید کیا جائے۔ یا بیمار ڈال دیا جائے۔ یہ دراصل بلائے سزا ہے۔ اس میں قدرتی مصلحت و منشاء کار فرما ہوتی ہے۔ یہ سزا رحمت سے تعبیر ہوتی ہے۔ اس سزا میں ایک طرف گناہ کا کفارہ ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف گناہ کے ارتکاب میں رکاوٹ پیدا کرنا۔ جس سے آئندہ انسان ایسے افعال سے باز رہے۔ ظاہر ہے کہ قید کی تکلیف سے جسم کا تزکیہ ہوتا ہے جس کے معنی کفارہ ہے۔ دوسرے مسلسل طویل مدت قید میں رہنے سے عادتِ ثانیہ بھی بدل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں انسان مصیبت میں بے بس ہو کر فطری تحریک (خمیر) کے زیر اثر اللہ کی طرف اور عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو ہر انسان کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے مقابل بلائے رضا کا مقام خاص ہوتا ہے۔ بلائے رضا سے مراد رضائے الہی



کے تحت کسی مصیبت کا نازل ہونا جیسے قرآن میں ذکر ہوا —

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنْفُسِ وَالشَّرَاتِ ۖ وَكَثِيرٍ مِّنَ الصَّبْرِ ۚ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ  
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ رَافِہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۵-۱۵۶

اور البتہ ہم بلا میں آزماتے ہیں مومنوں کو جوع-خوف نقصان سے مالوں میں-جسموں میں  
رزق میں — اور بشارت دیں ان صبر کرنے والوں کو۔ جب انہیں پہنچتی ہے مصیبت تو  
وہ اضطراب میں اور ہیجان میں داویلا نہیں کرتے بلکہ دل میں میل نہیں لاتے۔ اور خندہ پیشانی  
سے وقت گزارتے ہیں۔ یہ تصور کر کے کہ یہ مصیبت اللہ نے ہم پر ڈالی ہے۔ ہم اس کی ہر  
مرضی پر راضی ہیں۔ تو میں اس صبر و استقلال اور عزم و ہمت سے برداشت کرنے اور میری  
یاد کو جاری رکھنے کے عوض انہیں خوشحالی دنیا میں اور آخرت میں رضا و محبوبیت کے اونچے  
مراتب عطا کروں گا۔

یہ ابتلا مومن کے لیے ہے — اس ابتلا کی بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ  
کہ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

اللّٰهُ أَحْسَبُ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا  
يُفْتَنُونَ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ  
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ ۝ رَافِہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۴-۲۵

کیا لوگوں نے خیال کیا وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے  
اور وہ آزمائے نہ جائیں۔ اور ہم آزمائے چکے ہیں ان کو کہ جو پہلے ہو چکے ہیں۔ ان سے پس البتہ  
ضرور معلوم کرے گا اللہ ان کو جو سچے ہیں اور معلوم کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں کیا تم سمجھتے ہو  
کہ بغیر محنت ڈالے تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے؟ — نہیں میں تم پر ضرور آزمائش ڈالوں گا  
— یہ ابتلا بھی مصیبت سے متعلق ہے اور مومن جب اس پر صبر کرتا ہے تو جو انعام اللہ کی  
طرف سے اسے ملا ہوتا ہے یہ اس انعام کا ”کفارہ“ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی  
ہے جب تمہیں ایک ولی اکمل کی نسبت سے بے محنت حضور ی — یا مراتب حاصل ہوں۔



تو اس کے لیے اصولی طور پر محنت و مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے قبل مراتب حاصل ہوں تو اس کا کفارہ بعد میں (اگر آپ خود محنت نہ کریں) ادا کرنے کی صورت میں محنت ڈالی جاتی ہے۔ اس محنت کی منشا میں دو باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ولایت کے اہل بنانا کہ فقیر کے لیے محنت کا عادی ہونا۔ لازم ہے۔ دوسری یہ کہ فقیر ولایت کا حقدار ہو جاتا ہے اور اس کی ولایت اس کی زندگی تک قائم و محفوظ ہو جاتی ہے اور اسے ولایت سے خارج نہیں کیا جاتا۔

دوسری صورت ابتلا کی بلائے رضا حقیقی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی مرضی سے ابتلا ڈالتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض اسے رضا و خوشنودی بے شمار عطا کر کے اسے اپنا محبوب بنائے۔ اس رضا میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بلا محنت انعامات عطا کر کے بندے کو اپنے ”قرب“ میں لے لیتا ہے۔ یہ بلا وہ اپنے مخصوص بندوں پر نازل کرتا ہے۔ جنہیں وہ اپنا مقرب و محبوب بناتا ہے۔ اب اسی ابتلا کے تصور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتلا پر فکر کریں۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنی رضا کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ ان بندوں میں انبیاء کا مقام آتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل میں آسانی پیدا کرے کہ نبی کو تبلیغ دین میں آسانی پیدا ہو۔ اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہوتا ہے۔ مگر منشاء الہی یہی ہے کہ ہر نبی کو مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ دشمنان دین کو انبیاء کو تکلیف پہنچانے کی کھلی چھٹی ملتی ہے کہ وہ نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں مگر نبی صبر کرتا ہے۔ اس میں عزم و استقلال قائم رہتا ہے۔ تو اس کی بشارت میں اسے قرب الہی اور مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محبوب کو اللہ کی نصرت حاصل تھی۔ دنیا کی کوئی طاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اپنی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شجاع۔ غالب۔ صاحب رُوحانیت اور نصرت ملائکہ کے حامل تھے۔ مگر آپ کی ذات کو جن مصائب سے گزرنا پڑا وہ کٹھن مراحل تھے۔ آپ کی ذات کو تکلیف پہنچانا۔ آپ کی اولاد میں۔



آپ کے فرزندوں کا پیدا ہو کر وفات پانا اور آپ کا محسوس کرنا۔ آپ کے دوستوں کی شہادت۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ حضرت حسنین علیہما السلام کی شہادت یہ ایسے واقعات ہیں جن پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ یہ ابتلا من جانب اللہ منظور و مقصود۔ بلا اور فساد سے تعلق رکھتے ہیں یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس سنت کی پیروی خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واجب آتی ہے چنانچہ زمانہ شاہد ہے۔ علمائے امت میں اولیاء کرام کی اس سنت کے مطابق زندگیاں گزریں کہ وہ مقدس و محترم و محبوب گردانے جاتے ہیں جنہیں زندگی میں وَلَسْبَلُوْا تَكْمُرُ کے مصائب میں سے گزر کر شدید مصائب سے عزم و ہمت سے سرخرو ہو کر گزارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کے مقرب و محبوب قرار دیئے جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی ذات گرامی کو بھی ایک زمانہ میں ان ابتلا سے گزرنا پڑا۔ آپ کے ابتدائی دور میں آپ کے کٹھن مجاہدات۔ زمانہ طالب علمی کی مشکلات۔ پھر ہم نے دیکھا کہ دورِ فقیری میں لوگوں نے آپ کو شدید تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ طویل داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں نہ کوئی ان واقعات کو سننے کی سکت رکھ سکتا ہے۔ کٹھن تکالیف۔ حضور کی دو صاحبزادیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان میں مثلِ مریم علیہا السلام۔ صاحبزادی ممتازہ تھیں۔ حضور اس وقت گاندربل تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع ملی کہ صاحبزادی ممتازہ شدید بیمار ہیں۔ یہ سن کر حضور بے حد پریشان ہوئے۔ ممتازہ سے حضور کو بید لگاؤ تھا۔ فوراً گھر چلے آئے۔ اپنی طرف سے علاج شروع کیا مگر حالات کچھ اور سامنے آئے۔ بیماری کے دوران صاحبزادی ممتازہ نے بہت سی باطنی کیفیات کے مشاہدات بیان کیے۔ حضور کی فراست نے جان لیا۔ آخر صاحبزادی ممتازہ نے واضح انکشاف کیا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بلا واسطہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ممتازہ بیٹی تمہارے لیے جنت سجائی گئی ہے۔ تمہارا انتظار ہے۔ اسی عالم میں صاحبزادی ممتازہ جنت کو سدھاریں۔ اگرچہ یہ امر حضور قبلہ عالم کے لیے انتہائی مسرت کا تھا۔ مگر قدرت نے ان کے قلب منور میں محبتِ پدری بھی بھر دی تھی۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ پر بھی مثل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قاسم و حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ



والسلام کی وفات پر (صد مد و گریہ طاری ہو۔ یہ بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل تھی۔ یہ بھی بلا رضا کا ابتدائی باب تھا۔ اس کے بعد حضور قیام عالم کے مقام خلافت و ولایت میں آپ نے اپنے مریدوں سے بیٹے بیٹیوں سے زیادہ شفقت و محبت روا رکھی۔ اسی سلسلہ کی کڑیوں میں جناب سخی ولایت خان صاحب۔ ارسلان خان صاحب۔ اور خواجہ عبدالکریم صاحب۔ جو تبلیغ دین میں آپ کی معاونت و غمخواری میں برابر دوست رہے ان کا غم بھی تو کچھ اثر رکھتا تھا۔ ہاں قدرت ساتھ ساتھ اپنے محبوب کے غم کا مداوا بھی کرتی رہتی ہے۔ کہ حضور کے سلسلہ میں آپ کی نسبت کو چار دانگ عالم میں ہر زمانہ میں وسعت ملتی رہی۔ یہ سلسلہ ہمیشہ پھلتا پھوٹتا رہا۔ ہر زمانہ میں سلسلہ اویسیہ کے مجاہد آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی اس سلسلہ کو جاری رکھنے میں اپنے پیر اکمل کے اسوۂ حسنہ پر کاملاً عمل پیرا ہو کر روشن طریقہ سے اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ تَزَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَتَشْكُرِيْمًا۔

## سفر حج

حضور قبلہ عالم اگرچہ معرفت الہی میں یکتائے روزگار ولی اکمل تھے۔ آپ ایک اشارہ سے ایک طالب کو دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرماتے آپ کا یہ مشغلہ عام تھا آپ کے اکثر مرید دیدارِ الہی میں بھی کامل اکمل تھے۔ لیکن حبِ رسول اللہ صلی اللہ کی تڑپ میں آپ ظاہراً دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی حاضری کے متمنی تھے۔ اس سے قبل آپ نے عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب کی معیت میں بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی۔ اس وقت آپ محبتِ پیر میں جذب کی حالت میں تھے۔ آپ فنائے شیخ میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پر تو میں غرق تھے۔ اب تو آپ اس استغراق سے فارغ تھے۔ اس لیے بہ نفس نفیس حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے اس خادم کو حج کے انتظامات مکمل کرنے کا حکم دیا۔ میں نے حج کا فارم اور دیگر ضروری کاغذات مکمل کر کے حضور کی طرف سے درخواست دی جو جلد ہی منظور ہو گئی۔ اس سفر میں مجھے بھی حضور

کے جلو میں سفر کی سعادت ملی۔ سفر طویل تھا۔ بظاہر حضور کی طویل علالت اور ضعف اس طویل سفر کی صعوبت کے تحمل نہ ہو سکتے تھے۔ بذاتِ خود میں خود کو بھی اس بارگراں کا تحمل نہ سمجھتا تھا۔ میں نے حضور سے استدعا کی کہ سفر کی دقت و طوالت کے زیرِ نظر بہتر ہے کہ دوسرے خدمت گار کو بھی ہمراہ رکھا جائے تو حضور نے عبدالقادر لون کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس کے لیے بھی حج کی اجازت مل گئی۔ الحمد للہ ہم مارچ ۱۹۶۲ء میں ایک قافلہ کی شکل میں کشمیر سے جموں کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ میری اور عبدالقادر لون کی انتہائی خوش بختی تھی کہ حضور قبلہ عالم کی کرم فرمائی نے ہمیں اپنی خدمت کی سعادت فرمائی۔ میں خود کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ حضور قبلہ عالم نے اظہارِ محبوبیت و خوشنودی کے لیے ہم جیسے ادنیٰ ذروں کو۔ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی میں شریک فرما کر عالی جاہ۔ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سنت کا اعادہ فرمایا جب عالی جاہ شاہ صاحب نے حضور قبلہ عالم کو اپنا محبوب بنا کر بیت اللہ کے سفر میں اپنا نورِ نظر فرمایا تھا۔ وہ زمانہ تھا کہ حضور اپنے کعبہ کا طواف کرتے تھے مگر آج خود دوست کی حیثیت میں دوست کے مہمان بن کر جا رہے تھے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ۔ بظاہر یہ سفر ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر بہ باطن یہ ایک انتہائی عظمت کا مقام ہے کہ حضور قبلہ عالم زَادَهَا اللَّهُ تَعْلِيْمًا وَ تَكْوِيْمًا۔ کی معیت میں۔ آپ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَكَ لَبَّيْكَ کی پکار میں ہمیں بھی شامل فرما رہے تھے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ۔ یہ حقیر حشرات الارض چوہے ٹیاں بلند پرواز شہباز کے پروں سے چپٹ کر لَكَ لَبَّيْكَ کے تصور کے ساتھ بارگاہِ الہی میں رسائی حاصل کرنے کی سعادت پاتے ہیں۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد

وگر نہ من ہما خاکم کہ ہستم

جموں پہنچ کر قافلہ نے بخشی غلام محمد وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ یہ تو حضور قبلہ عالم کی ذرہ نوازی تھی کہ بخشی غلام محمد جیسے دین سے عاری شخص کو وزارتِ عظمیٰ پر منتخب فرمایا۔ بخشی صاحب نے حاجیوں کو ہدایات دیں کہ حج سے واپسی پر حاجیوں سے قابلِ اعتراض



اشیاء برآمد ہوتی ہیں۔ اس لیے حاجی صاحبان ایسی اشیاء لئے سے باز رہیں۔ قافلہ میں بخشش صاحب نے مجھے بھی دیکھا۔ سمجھے اپنے کسی عزیز کو رخصت کرنے آیا ہوں۔ مگر ان کے بھائی حاجی غلام نبی نے بتایا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس سال قافلہ میں شامل ہیں۔ اس بار حجاج کو سفر حج میں کافی سہولت ہوگی۔ بخشش صاحب نے مجھ سے بیٹ اللہ میں دُعا کے لیے فرمائش کی۔ میں نے بلند آواز میں دُعائیۃ الفاظ دہرائے کہ اے اللہ! بخشش صاحب کو وافر دنیا عطا کر۔ اب اسے دین کی طرف مائل کر کے آخرت میں بھی بخشش عطا کر۔ اے اللہ! اسے حقیقی معنوں میں انسان بنادے۔ لیکن اس دُعا سے بخشش صاحب کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس ہوتے۔ آنکھیں بند کیں اور کچھ سوچنے لگے۔ چند لمحوں بعد بخشش صاحب سب حاجیوں سے ملے۔ لیکن میری طرف توجہ نہ دی۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا بخشش صاحب کی نیت میں فتور آگیا تھا۔ وہ تمہیں حج پر جانے سے روکنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر ہم نے اس کا ارادہ بدل دیا۔

جہوں سے قافلہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے مشاہدہ کیا۔ کہ حضور کی گاڑی کے آگے دو موٹر سائیکل سوار حضور کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر نماز عشاء ادا کی۔ دُعا مانگتے وقت پھر کیفیت مشاہدہ طاری ہوئی تو دیکھتا ہوں۔ اس تاریخی شہر کے اراکین اولیاء حضور کی اقتداء میں شامل تھے اور سب حضور سے مل رہے ہیں۔ دہلی سے روانہ ہوئے تو حضور ہمیں مناسک حج سے واقف کر رہے ہیں اور تمام سفر میں آپ وعظ و نصیحت میں آداب حج اور مشاہدات اولیاء کا ذکر فرما رہے ہیں۔

## محمد اسماعیل اور محمد صدیق مہمینی کا بیعت ہونا

مہمینی چہنچے تو یہاں مہمینی کے ایک انجینئر محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ

---

ملے عالم باطن میں کسی اولوالعزم ولی کی آمد پر محافظین مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو مثالی شکل میں موٹر سائیکلوں پر سوار مشاہدے میں آتے ہیں۔

صاحب حکومت ہند کی طرف سے سعودی حکومت کی دعوت پر مکہ معظمہ میں سرکاری چھاپہ خانہ میں انجینئر مقرر ہو کر ہمارے ساتھ ہی جا رہے تھے۔ یہ صاحب شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت خوبصورت قرأت کے ساتھ کر رہے تھے۔ جہاز میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ رہے۔ ایک دن میں نے انہیں درود شریف پڑھنے کی دعوت دی۔ شافعی مسلک میں تصورِ پیر یا تصورِ روضہ شریف کو بشرک تصور کیا جاتا ہے۔ مگر قدرت نے انہیں قلبِ سلیم عطا کیا تھا۔ دعوت قبول کی۔ درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ایک رات میں ہی انہوں نے انوار کا مشاہدہ کیا۔ حقیقت حق الیقین کی صورت میں سامنے آگئی۔ دوسرے دن صبح حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ اس کے بعد محمد اسماعیل صاحب دوران حج حضور قبلہ عالم کے ساتھ رہے۔ یہ بھی تو سنتِ الہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام آگ لے کر جا رہے ہیں۔ قدرت انہیں رسالت عطا کرتی ہے۔ محمد اسماعیل صاحب حصولِ دنیا کی غرض سے سفر کر رہے تھے۔ مگر یہاں مشرق و مغرب کا بُعد تھا۔ ایک ولی اکمل کی صحبت میسر آئی۔ سفر میں معرفت کی راہ مل گئی۔ مکہ معظمہ میں ان کے ایک دوست مولوی محمد صدیق میمنی جو بیعتی کے رہنے والے تھے۔ مکہ معظمہ میں تجارت کرتے تھے۔ یہ صاحب دوران کی اہلیہ حافظ قرآن تھے۔ بہت صاف و شفاف پاکیزہ زندگی گزارتے تھے۔ محمد اسماعیل صاحب نے ان سے حضور کا ذکر کیا آپ نے بھی حضور سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ حرم پاک میں حضور سے ملے۔ درود شریف کی اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر ایک دن بیت اللہ میں نماز فجر کے بعد ہم باہر نکل رہے تھے۔ تو مولوی صاحب کو باب السعود پر منتظر پایا۔ حضور قبلہ عالم کا دست مبارک تھام لیا۔ سیدھا اپنے گھر لے گئے۔ مولوی صاحب نے درود شریف کے ورد میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوں۔ اسی وقت حضور سے بیعت ہو گئے۔



## واقعات عرین شریفین

قیام عرب کے دوران حضور کی شفقت و محبت کا جو مظاہرہ ہوا۔ اب تک کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ پہلے روز کا واقعہ ہے۔ ہم سب کعبۃ اللہ کے سامنے مراقب تھے۔

میری زبان پر درود شریف جاری تھا۔ میرا دل وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اِمِنًا کا ورد کر رہا تھا۔ قلب پر رقت طاری تھی۔ اچانک پردہ اٹھا اور کعبۃ اللہ کا باطن سامنے آیا۔ اور دریائے توحید میں دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف باریابی بخشا۔ حضور قبلہ عالم کی ہمانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے دست مبارک سے شربت کے تین گلاس مرحمت فرمائے جو ہم نے پی لیے۔

ایک روز طواف کعبہ سے فارغ ہو کر میں مقام ابراہیم کے قریب مراقبہ میں مشغول تھا حضور قبلہ عالم میرے آگے تشریف فرما تھے۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح اللہ حجاج کو آب زمزم پلا رہے ہیں اور حضور قبلہ عالم کو اپنے ساتھ چلا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس حقیر کی طرف بہ تبسم متوجہ ہیں۔ اور سب سے پہلے اس نعمت سے مستفید ہونے والا یہی ناچیز تھا۔ جس پر پیر اکمل کی بے شمار عنایتیں نازل ہو رہی تھیں۔ واپسی پر حضور قبلہ عالم فرمانے لگے: ”آج تمہاری پیاس کا کیا حال ہے؟“ یہ اشارہ اسی کیفیت کی طرف تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضور بہتر جانتے ہیں۔ سمندر سے قریب پیاس کا تصور کفر ہے۔

مدینہ منورہ کے راستے بدر کے مقام پر ہمارا قافلہ ٹھہرا۔ حضور قبلہ عالم کی آنکھیں پر غم ہو گئیں۔ آپ درود شریف کا ورد کر رہے تھے۔ شہدار بدر کے لیے فاتحہ پڑھی۔ مسجد میں دو گانہ ادا کیا۔ مراقبہ کیا۔ تو میرے سامنے غزوہ بدر کا سارا واقعہ پیش ہوا۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود فتح جماعت اسلامی کے لیے دعا مانگ رہے ہیں۔ اسی حال میں حضور نے روانگی کا حکم دیا۔

## حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ طیبہ قریب آنے لگا۔ گنبدِ خضرا پر جو نہی نظر پڑی دل نے زور زور سے دھڑکانا شروع کیا۔ ایسے لگا کہ دل سینہ سے نکل کر دیارِ محبوب میں پکھنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ باوجود ضبط کے میری چیخیں نکلیں۔ حضور نے میری طرف توجہ فرمائی۔ ساتھ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں باادب رہنے کا حکم خداوندی سنا کر مجھے خاموش کر دیا۔ لاری میں بیٹھے جذبِ طاری ہوا۔ عجب سماں دیکھنے میں آیا۔ فنا شیخ غالب آگیا۔ دیکھا حضور قبلہ عالم کے تنفس مبارک کے ساتھ گنبدِ خضرا کا اتار چڑھاؤ بھی دکھائی دے رہا ہے۔ اور ساری کائنات اس تنفس کے ساتھ سانس لیتی نظر آ رہی ہے۔ گویا مجھے فنائے شیخ میں فنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اور حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کی رُوح جَسَدِ الْکَوْنِیْنِ وَعَيْنُ حَیوَةِ الدَّارِیْنِ کی پوری تفسیر میرے مشاہدے میں آ رہی تھی۔ ایک جگہ ڈرا بیور حسبِ ٹھہر گئے اور الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارے قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی یہاں نماز عصر ادا کی۔ معلوم ہوا کہ یہ مسجد ”قبا“ ہے جس کی تعریف خود خدائے قدوس نے کی ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے پر نماز ادا فرمائی تھی۔ یہاں سے چل کر مغرب سے پہلے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شرفِ باریابی ہوا۔ حضور قبلہ عالم نے صلوٰۃ و سلام ادا کیا۔ ہم دونوں حضور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ قدسی کا طواف کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں اپنی فریادیں پیش کر رہے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس سن رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَلَّی عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ جَوَ شَخْصِ ہمارے مرقد مبارک پر درود پڑھے وہ ہم بہ نفسِ نفیس سن لیتے ہیں۔ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت و انکشاف ایک طرف۔ حضور کا فرمانا اس امر کے لیے کافی ہے۔ کہ سَمِعْتُهُ ہم خود سننے ہیں۔ کہ حیاتِ انبی ہیں۔ اس مقام پر جو کچھ فریاد کرو جو مانگو آپ سننے ہیں۔



— یہ مقام جہان نوازی کا ہے۔ جہان کو عظیم انعامات سے نوازا جاتا ہے۔  
 قیام مدینہ منورہ میں حضور ہر لمحہ کثرت سے درود پڑھتے رہے۔ اور ہمیں بھی کثرت  
 سے درود پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس قیام میں مدینہ منورہ کے مضافات میں مشہور مقامات  
 مقدسہ کی زیارت کی۔ میدانِ احد پر گئے۔ شہدائے احد پر فاتحہ پڑھی۔ میں نے فاتحہ  
 پڑھتے مراقبہ کیا۔ تو معاذِ اللہ وہ احد کا منظر سامنے آیا جہاں سید الشہداء حضرت امیرِ حمزہ رضی اللہ عنہ  
 کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کے جمال کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکا۔ تجلیات کا اتنا شدید  
 درود ہوا تو حضور قبلہ عالم نے حالت دیکھ کر سہارا دیا ورنہ گمان تھا کہ قلب پھٹ کر ٹکڑے  
 ہو جاتے گا۔ فِذَا هُ اٰتٰی وَ اٰیٰی ہر محلہ پر دستگیری فرماتے رہے۔ مزار بقیع پر حاضری دی  
 اور حمید اصحاب کو ایصالِ ثواب پیش کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار  
 مقدس پر سلام عرض کیا اور عالم اسلام کی سربلندی کے لیے دعا کی۔ حضور قبلہ عالم بھی دعا کر  
 رہے تھے۔ میں نے مشاہدہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ بھی حضور کے ساتھ آمین  
 کہہ رہے تھے۔ اسی مقام پر حضرت فاطمۃ الزہرا نور عین رسول اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی  
 نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ وسلم فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب  
 ہوئی۔ قیام مدینہ منورہ میں ایک روز نماز عصر کے بعد میری ہوس دید نے سرا بھارا۔  
 حضور سے عاجزانہ التماس کی کہ حضور میرے مراتب میں اضافہ فرمائیں۔ نماز مغرب  
 کے بعد حضور نے مراقبہ میں بٹھایا تو تجہ دی تو

”طے شود جادۂ صد سالہ بہ آبے گاہے“

کے مصداق دل ایک آن میں طالب کے مراتب طے کر دیتا ہے۔ اسی آن میں نے  
 احدیت مجرہ کا مشاہدہ کر لیا۔ جہاں سہرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور  
 انعامات سے نوازا۔

---

۱۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس  
 کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا۔ رحمتہ للعالمین اپنے جہان کو وہ کوئی بھی۔ کسی بھی حالت  
 میں ہو۔ اس کی جھولی انعامات سے بھر دیتے ہیں۔ وہ اپنے پکارنے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مدینہ منورہ سے واپسی سے ایک روز قبل میرے دل میں خیال آیا کہ ہماری حاضری دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ اچانک حضور نے میری طرف غصیلی (سوالیہ) نظروں سے دیکھا۔ میں سہم گیا۔ فی الواقع یہ میرے نفس کا تاثر تھا۔ نماز مغرب کے دوران اس بات کا مشاہدہ ہوا۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈاکیہ کے ذریعہ ایک سربراہ لفظ میرے حوالہ کیا گیا۔ اس میں کیا تحریر تھا۔؟ یہ ایک سربراہ راز ہے۔ جو ضابطہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے قبل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عصر کی نماز پڑھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت چاہی۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ عالم کے سامنے تجویز پیش کی کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام تک حضور مدینہ شریف میں ہی سکونت فرمائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وجوہ کی بنا پر حضور قبلہ عالم کو واپس جانے کی اجازت فرمائی۔ حضور قبلہ عالم نے مجھے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ کی خاک مقدس سے ہر جگہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کر لوں جسے حضور اپنی تربت میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں تعمیل حکم میں مقامات مقدسہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کرتا رہا۔ حضور فرماتے تھے حج کے بعد ارض مقدس کی یہ سب سے قیمتی سوغات ہے۔

مکہ مکرمہ میں مدینہ طیبہ سے واپسی پر چند دن کیلئے حج کی تیاری میں مصروف رہے۔ عرفات میں حضور نے خصوصی طور پر عالم اسلام اور کشمیر کے مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی۔ منیٰ کے قیام میں حاجی عبدالرحمان بٹ صاحب لال پورہ نے حضور نے خصوصی دعا کیلئے التجا کی اور عرض کی کہ حج قبول ہو۔ اور ایمان پر خاتمہ ہو۔ حاجی صاحب اس وقت تک مرید نہیں ہوتے تھے۔ حضور نے دعا فرمائی۔ رات کو ہجرت کے وقت حاجی عبدالرحمان بٹ صاحب میرے پاس آئے اور خوشخبری سنا کر مبارکباد دی۔ حاجی صاحب نے بتایا۔ بیت اللہ کے صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور حضور قبلہ عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف گرسی پر تشریف فرما ہیں۔ حجاج سامنے صف بستہ ادب سے

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ)

والے کو کسی حالت میں خالی نہیں جاتے دیتے۔ پھر جو آپ کے محبوب کے جلو میں۔ حاضر ہوا۔ اس کا دین و دنیا میں سرخرو ہونا یقینی ہے۔



بیٹھے ہیں۔ اور ایک ایک کا نام پکار کر حضور قبلہ عالم ان کو ایمان کی سند عطا کرتے ہیں۔ اس مشاہدہ کے ساتھ ہی حاجی صاحب منیٰ کے مقام پر ہی حضور سے بیعت ہو گئے۔ حج سے فراغت پا کر ہم واپس وطن روانہ ہو گئے۔

جدہ سے روانگی کے وقت حضور نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دل کی گہرائیوں سے دُعا فرمائی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم میں سے بہت لوگ دُعا میں شامل تھے۔ دُعا کی۔ الہی ہم تیرے کعبہ اور تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس جا رہے ہیں۔ ہم نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی۔ اے اللہ ہم سب کو اس توبہ پر قائم رکھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے قلوب کو اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور کر۔ اے اللہ ہمیں پھر عزمین شریف میں آنے کا شرف عطا کر۔ اے اللہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ۔ تو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام ہمارا دین ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی اور رسول ہیں۔ اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں اس عقیدہ پر قائم رکھ۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں عاجزی سے دُعا کرتے ہیں کہ زمین پر تو پھر خلافت الہیہ قائم کر۔ تاکہ تیرے قانون کا اجرا ہو۔ اے اللہ اسلام کو سر بلندی عطا کر اور مسلمانوں کو پہلے کی طرح اسلام کی وجہ سے عزت عطا کر۔ حضور جب تک ساحل حجاز آنکھوں سے دور نہ ہوا اُسی طرف دیکھتے رہے اور دُعا مانگتے رہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

وہ سارا دن حضور جدائی کی وجہ سے اشکبار رہے۔

## سقوطِ طوفان کا ٹلنا

بہاز میں سفر کا تیسرا چوتھا دن تھا۔ عصر کے وقت حجاج نماز کی تیاریوں میں مصروف تھے بہاز کا کپتان گھبرا یا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے بہت بُری خبر سنائی کہ جزیرہ سقوطِ طوفان سے چار سو میل جنوب میں ایک طوفان آیا ہے اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے

ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب ہم اس طوفان کی زد میں ہوں گے۔ لہذا حاجیوں کو لائف بلیٹ پہنانے کا طریقہ بتا دو۔ ایسا نہ ہو لوگ بے خبری میں مارے جائیں۔ — ساتھ ہی انہیں پڑ سکون رہنے کی ہدایت بھی کرو۔ میں بھی سخت گھبرایا۔ حضور کی خدمت میں دوڑا۔ آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ یہ سن کر بجائے فکر کرنے کے متبسم ہوئے۔ فرمانے لگے ابھی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہمیں اس واقعہ سے آگاہ فرمایا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ آپ لوگوں کو بچانے کا انتظام کیا گیا۔ انتظار کرو کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جہاز میں سترہ سو حاجی ہیں۔ ان سب کی حفاظت کا سامان ہونا لازمی ہے۔ تو حضور نے فرمایا ہم اس معاملے کو پیش کریں گے۔ مجھے بھی حکم دیا گیا کہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو جاؤں۔ — مشاہدے میں ایسی کیفیت سامنے آئی جس کا ذکر میں نے حضور سے کیا آپ نے فرمایا۔ جہاز اب محفوظ ہے۔ طوفان کا رخ بدل دیا گیا۔ ساتھ ہی اس کیفیت سے متعلق انکشاف فرمایا۔ بخشی غلام محمد کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی ریڈیو پر ایک خبر نشر ہونے کی بھی اطلاع دی۔ میں نے جہاز کے کپتان کو بتایا کہ ہم طوفان کی زد میں نہیں آئیں گے۔ طوفان کا رخ بدل جائے گا جس کی تصدیق کپتان نے خود دس بجے رات آکر دی۔ اس دن رات کو نو بجے ریڈیو پاکستان سے یہ خبر نشر ہوئی کہ وزیراعظم چو این لائی نے پکنگ میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جمہوریہ چین اور چین کے لوگ کشمیر کی حق خود ارادیت کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی ایک خبر تھی جس کی مشاہدہ میں ہمیں اطلاع دی گئی تھی۔ حضور قبلہ عالم فرمانے لگے کہ ہم چینی فوجوں کو ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ دُنیا نے ۱۹۶۲ء میں چینی فوجوں کو ہندوستانی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔

جج سے واپسی کے بعد حضور قبلہ عالم نے بہت حد تک گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ اکثر وقت استغراق میں رہتے۔ کئی بار حضور نے اس خواہش کا میرے سامنے اظہار فرمایا کہ آپ کسی دُور جنگل میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ دُنیا کی مصروفیت سے علیحدہ ہو کر دائمی انہماک و استغراق میں گزاریں لیکن اس زمانہ میں حضور کے مُریدوں کی کثرت تھی۔ ان کی آمد و رفت ہر وقت رہتی



تھی۔ حضور اپنے مریدوں کا خیال کئے کہ یہ لوگ مایوسی کا شکار ہوں گے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ ترک فرماتے۔ اس حال میں آپ پر مہانداری اور لوگوں کی تعلیم و تربیت میں محنت کا شدید بوجھ رہا۔ آپ ہر وقت مریدوں کی دلجوئی اور تربیت میں خندہ پیشانی سے مصروف رہتے۔

## بخشی غلام محمد کی وزارتِ عظمیٰ سے برطرفی

حج سے واپسی کے بعد حضور پانچ سال بقید حیات رہے۔ اسی دوران جب لوگوں کی اصلاح کا عظیم بار اپنے سر لیا۔ آپ نے ضعیفی کی حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں سر مو فرق نہ آنے دیا۔ آپ اپنے اظہار خیال میں خود کو آزاد سمجھتے اور کسی کی پاسداری نہ کرتے نہ کسی کی طاقت سے مرعوب ہوتے۔ کلمہ حق کا برملا اعلان کرتے۔

مارچ ۱۹۶۳ء میں ڈکٹیٹر بخشی غلام محمد فرعونیت پر اتر آیا اور مجھے ملازمت سے برطرف کرنے کا حکم صادر کیا۔ حضور کو اس بات کا علم ہوا تو آپ سخت برہم ہوئے۔ اور حلال میں آکر فرمایا کہ ہم نے اسے خود وزارت پر بٹھایا تھا۔ اب اس کے ظلم کا بدلہ اس کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ ہم اسے اسفل السافلین میں پہنچا دیں گے۔ پھر چند ہی مہینوں میں بخشی غلام محمد کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے کامراج پلان کے تحت وزارتِ عظمیٰ سے برطرف کر دیا۔ بخشی غلام محمد کو اس امر کی اطلاع ملی۔ چنانچہ بخشی کے دوستوں اور عزیزوں نے حضور قبلہ عالم کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ حضور کو متاثر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

بخشی غلام محمد کی برطرفی کے بعد شمس الدین ریشی کو وزیرِ اعظم بنایا گیا اس کے متعلق حضور قبلہ عالم نے پیشگوئی فرمائی کہ اس کے دور میں ایک دلسوز واقعہ پیش آئے گا۔ جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوں گے۔ ملک میں فساد برپا ہوگا۔ اور شمس الدین ریشی زیادہ دیر اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکے گا۔ چنانچہ حضور کی پیشگوئی کے مطابق کشمیر کی مشہور زیارت۔ درگاہ حضرت بل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موعے مبارک چرایا گیا۔

## موتے مقدس کی چوری اور بازیابی

یہ حادثہ عقیدت کے اعتبار سے مسلمانانِ کشمیر کے لیے واقعی اندوہناک تھا۔ اس واقعہ سے وادی کے تمام مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے موتے مقدس کی بازیابی کے لیے ایچی ٹیشن شروع کیا۔ موتے مبارک کی گمشدگی میں درپردہ مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش کا رفرما تھی اور جب کشمیری مسلمانوں کی تحریک نے شدت اختیار کی تو اس سازش میں شامل مسلمان منافقوں کو مجبوراً موتے مبارک واپس لانا پڑا۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ ایک شرمناک واقعہ تھا جو شمس الدین کی حکومت میں رونما ہوا۔ جو مسلمانانِ کشمیر کے دینی و روحانی احساسات پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس واقعہ نے مسلمانانِ کشمیر کے دلوں میں حکومت خاص کر شمس الدین کے خلاف نفرت و بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بالآخر شمس الدین کو بھی اس عہدہ وزارت سے دستبردار ہونا پڑا۔

جس رات درگاہ حضرت بل سے موتے مقدس چرایا گیا۔ میرے مشاہدے میں ایک عجیب کیفیت آئی۔ رات کے دس بجے ہیں۔ میں نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا۔ اچانک مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ آسمان ستاروں سے مزین ہے۔ چودھویں کا چاند بجائے گول ہونے کے خربوزہ کے مانند مخروطی شکل میں لمبا ہو گیا ہے۔ چاند کی تابانی ماند پڑ گئی ہے۔ درگاہ حضرت بل اور جھیل کا تمام منظر دکھائی دے رہا ہے جھیل میں سبز کشتیاں چلتی صاف نظر آرہی ہیں۔ یہ کیفیت چند لمحوں سامنے رہی تو غنودگی ہٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر میں فکر مند ہوا کہ اس کیفیت میں کسی اہم واقعہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صبح ہوئی تو شہر میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ موتے مبارک حضرت بل سے اٹھایا گیا ہے۔ یہ زبانِ اہل کشمیر کے لیے نہایت پُر آشوب تھا۔ ۱۹۶۵ء میں ہندو پاک جنگ کے دوران سرحدوں کے قریب لوگوں کو جنگ کی ہولناکیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ فوجی سپاہی دیہاتوں میں گھس کر غریب عوام پر شدید مظالم ڈھاتے۔ لوگوں کے گھروں میں سے زبردستی جو شے ملتی نکال کر لے جاتے۔ اس ظلم و جبر سے لوگوں کا جینا دو بھر ہو گیا تھا۔ حضور قبلہ عالم کا علاقہ بھی



سرحد میں شامل تھا۔ جہاں فوجی سپاہی ہر وقت گاؤں کے لوگوں کو ہراساں کرتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بے حد فکر مند ہوئے۔ آخر ایک دن حضور نے اپنے مکان کے دالان میں کھڑے ہو کر اپنے گاؤں کے گرد انگلی کے اشارہ سے دائرہ کھینچا۔ اور فرمایا آج کے بعد اس علاقہ میں کوئی فوجی داخل نہ ہوگا۔ اس کے بعد اس علاقہ میں کسی فوجی کو نہ دیکھا گیا۔ اور گاؤں فوجیوں کے مظالم سے محفوظ رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ان علاقوں میں شدید حملے ہوتے رہے۔ فوجی علاقہ کے چپہ چپہ پر گشت کرتے رہے۔ مگر آپ کے گاؤں میں اس دوران ہر طرح کا سکون رہا۔ کسی فوجی نے اس طرف کا رخ نہ کیا۔

## سفر آخرت کی تیاری

۱۹۶۸ء میں جنوری کا مہینہ تھا۔ حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے فرمانے لگے کہ ہماری تمنا تھی کہ ہماری قبر مدینہ منورہ میں ہو۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت ہوئی کہ یہ تمنا پوری کرنا چاہتے ہیں۔ تو دو ماہ تک وقت ہے۔ دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤں۔ لیکن افسوس اتنی جلدی ہم مدینہ منورہ جانے کی تیاری نہ کر سکے۔ یہ المناک خبر سن کر ہم پر بجلی سی گری۔ صاف ظاہر تھا کہ اس بات میں حضور قبلہ عالم کی اس جہان سے رخصت کا وقت قریب ہونے کا اشارہ ہے۔ یہ اشارہ ہمارے لیے مایوس کن تھا۔ کہ آپ کے بعد اتنی وسیع جماعت کا کون نگران ہوگا۔ ہماری مشکلات میں کون ہماری دلجوئی و امداد کرنے والا ہوگا۔ ہم اپنے ذاتی مسائل میں کس کی راہنمائی کا سہارا لیں گے۔ حضور نے ہماری پریشانی کو محسوس کیا۔ ظاہر ہے جو شفیق مہستی اپنے مریدوں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی ہو۔ انہیں بھی اپنے عزیزوں کو نہا چھوڑ کر جانے کا غم ضرور تھا۔ لیکن اس عالم میں حضور نے ہمیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ کہ یہ سنت الہی ہے۔ اس امر سے کسی کو مفر نہیں۔ ایسا ہر حال میں ہونا اٹل ہے۔ اسی لیے منشاء الہی پر راضی ہو کر صبر و استقلال ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ فرمایا۔ فقیر کی موت سوائے اس کے نہیں کہ وہ ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ ورنہ ولی

کے لیے حاضر و غائب یکساں مقام ہے۔ جیسا کہ اب ہے ویسا ہی بعد موت بھی موجود ہے۔ جس حال میں ولی کو ظاہر میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ دیکھنا روحانی حیثیت میں باقی رہتا ہے۔ اسی حال میں بعد موت بھی ولی کو دیکھا جاتا ہے۔ ولی ہر حال میں حاضر ہوتا ہے ایسی صورت میں غم کرنے کا مقام نہیں میں ہر حال میں تم سے قریب اسی طرح ہوں جس طرح آج۔ آپ نے اپنے رُوتے انور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ اس شکل کو یاد رکھو پھر کوئی مشکل مشکل نہ ہوگی۔ جب بھی میرا تصور کرو میں تمہارے سامنے ہوں گا۔ ہاں قدرت نے نظام کائنات کو قوام و دوام دینے کے لیے ہر شے میں حُب کا اثر قائم رکھا ہے۔ اسی حُب کے زیرِ نظام کائنات برقرار ہے۔ ماں باپ۔ بھائی بہن۔ عورت مرد میں تعلق صرف حُب کے زیرِ اثر قائم ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ لوگوں کے دلوں میں میری ذات سے جو نسبت اور محبت ہے اس کا تعلق میری موجودگی سے ہے۔ اس کا واحد علاج۔ میرا ”تصور“ قائم رکھنا۔ اس کا مطلب کثرت سے درود و مراقبہ جاری رکھنا۔ اس عمل کو اپنی زندگی کے ساتھ جاری رکھو۔ پھر تمہیں فراق کا احساس نہ رہے گا۔

حضور قبلہ عالم ماہ شوال اور ذیقعد کے دو مہینوں میں بار بار شہر شریف لاتے رہے۔ اور اپنے مریدوں کو وعظ و نصیحت سے وَتَوَاصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَّوْا بِالصَّبْرِ تلقین فرما کر ہمارے دلوں سے غم و اندوہ کا بوجھ ہلکا کرنے کی سعی فرماتے رہے۔ اس دوران جن کے مشاہدے میں رکاوٹ تھی توجہ سے انہیں مشاہدے میں کامل فرماتے اور جو نئے درود خوان آتے انہیں حضور کی کر دیتے۔

حضور قبلہ عالم کی واحد ذات تھی جن کے سر پر اپنے اہل و عیال کی پرورش موقوف تھی۔ اپنے اہل و عیال کا واحد سہارا تھے۔ ظاہر ہے ایک مقدس و مومن شریکِ حیات کے لیے آپ کی جدائی ناقابلِ برداشت تھی۔ معصوم بچوں کی یتیم حالت کا آپ کو احساس تھا۔ اس کسمپرسی میں ان معصوموں کا بے یار و مددگار ہو جانا۔ یہ احساس آپ کے لیے تکلیف دہ تھا۔ مگر آپ صبر و استقلال کا مجسم پکیر تھے۔ آپ کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے اس موقع پر ہر تکلیف دہ احساس پر قابو رکھا اور بہ کمال خوشنودی



رضائے الہی پر راضی رہے۔ گھر پر اپنے رخت سفر کا تمام انتظام مکمل کر لیا۔ تجہیز و تکہیز کی سب تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اپنی قبر شریف کا تعین فرمایا۔ تابوت بھی تیار کر لیا۔ اب صرف وقت کا انتظار تھا۔ اپنے فرزندوں اور حضرت مائی صاحبہ کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے آئندہ زندگی میں آنے والے واقعات سے نمٹنے کے لیے تفصیلی ہدایات فرماتے رہے۔ حج سے واپسی کے بعد حضور زیادہ تر وقت عبادات میں گزارتے۔ اور اکثر مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم نے ایک خواب بیان کرتے ہوئے اپنے رخصت ہونے کا اشارہ فرمایا۔ فرمایا۔ ایک دن ہم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر ادا کر کے باہر نکل رہے تھے۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ جوق در جوق دوڑ رہے ہیں۔ ہم بھی اس طرف چل پڑے۔ اور خلیفہ سوئم سے ہم نے بھی بیعت کی۔ اس وقت تو میں اس خواب کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ بعد میں میں نے اندازہ کیا کہ حضور قبلہ عالم کی یہ خواب حضور کی وفات کی طرف ایک باطنی اشارہ تھا۔

## سیرۃ الحزن

عید الاضحیٰ ہمارے لیے جمعۃ الوداع ثابت ہوئی۔ ۱۰ ذوالحجہ کی صبح نماز کے بعد میں مراقبہ میں تھا کہ مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ اس عالم میں ایک عجیب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ میرے مکان کے صحن میں جنوب کی طرف سے ایک شفاف پانی کی نہر داخل ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے سارا صحن پانی سے بھر گیا۔ اب یہ پانی کروں میں بھی داخل ہونے لگا۔ دیکھتا ہوں کہ یہ پانی باورچی خانہ میں داخل ہوا ہے۔ میری بیوی ایک چھوٹے چوکر تختے پر بیٹھی پانی میں تیر رہی ہے۔ میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے شیریں پانی سے نوازا ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ تیری شکایت اب دور ہو گئی کہ ہمارے نکلوں میں پانی نہیں ہوتا۔ اب اس عطیہ پر اللہ کا شکر کرو اور احتیاط رکھو کہ پانی میں کوڑا کرکٹ نہ ڈالا جائے۔ میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں ایک سنہری لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ اور کسی اہم کام کے لیے جا رہا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ پانی میں چلنے سے جوتا تر ہو جائیگا۔ اب کس طرح باہر نکلوں۔

میری بیوی اس پانی کے نکاس کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس کے سخت خلاف ہوں۔ اسی دوران خیال آیا کہ مجھے اپنے پیر اکمل نے ہوا میں اُڑنے کی طاقت بخشی ہے۔ آج میں اسی طاقت سے کام لوں گا۔ اور میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ہوا میں پرواز کرتا ہوں۔ پرواز کرتے ایک جنگل میں اترتا ہوں۔ یہاں ایک انجنیئر سامنے آتے ہیں۔ اور میرے سامنے سڑک کی تعمیر کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ درمیان میں سڑک ایک جریب کے برابر نامکمل رہ گئی ہے۔ سامنے پہاڑ کے دوسرے طرف سڑک مکمل ہو چکی ہے۔ اور آمد و رفت کے لیے بالکل تیار ہو چکی ہے۔ میں انجنیئر سے ناراض ہوتا ہوں۔ کہ باقی حصہ کیوں مکمل نہیں ہوا۔ انجنیئر صاحب مجھے موقع پر لا کر دکھاتے ہیں کہ بیچ سڑک کے ایک تناور درخت سڑک کی تکمیل میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس درخت کی شاخیں مشرق و مغرب پھیلی ہوئی ایک وسیع علاقہ تک سایہ پھیلائے ہوئے ہیں۔ انجنیئر کہتے ہیں کہ سڑک کی فوری درستی کے لیے اس درخت کا درمیان میں سے کاٹنا ضروری ہو گا۔ ورنہ اس درخت کی موجودگی میں ارد گرد کئی چھوٹے درختوں کو کاٹنا پڑے گا۔ جس سے سڑک ٹیڑھی بنے گی۔ میں موقع پر ہی درخت کاٹنے کا فوری حکم دیتا ہوں۔ انجنیئر صاحب بجلی سے چلنے والی مشین نصب کر کے درخت کاٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں سڑک کے دوسری طرف معائنہ کر کے آ جاتا ہوں۔ درخت کاٹا جاتا ہے اور سڑک صاف اور سیدھی تیار ہو جاتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر پھر پرواز کی کوشش میں میرا استغراق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ کر کے میں سخت حیران ہوں کہ یہ کیا واقعہ ہے اور کس حادثہ کی نشاندہی کرتا ہے؟ سوچنے کے باوجود میں کسی نتیجہ پر پہنچ نہ سکا۔ سارا دن اسی پریشانی میں گزرا۔ رات میں وضو کر کے بستر پر لیٹ گیا۔ دس بج چکے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہوں۔ معاً حضور قبلہ عالم کو سامنے پاتا ہوں جو اپنے پورے لباس میں ملبوس ہیں۔ چہرہ انور سے شدت کا جلال ٹپک رہا ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور فرمایا ”ڈاکٹر صاحب میں چل پڑا۔ خدا حافظ۔“ میں جلدی سے آپ کے دست مبارک کو مکڑ کر بوسہ دیتا ہوں۔ محسوس کر رہا ہوں کہ حضور میرے



سامنے بجمد موجود ہیں۔ میں گھبراہٹ میں چونک گیا۔ اسی وقت میری زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جاری ہوا۔ دل نے صدا دی کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر ”خدا حافظ“ کہہ گئے۔ مجھ پر شدت کا اضطراب طاری ہوا۔ بمشکل رات تڑپتے گزاری۔ علی البصر میں حضور کے آستانہ عالیہ کی طرف روانہ ہوا۔ بد قسمتی سے راستہ میں میری موٹر خراب ہو گئی۔ پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ افسوس کہ میں حضور کے آخری دیدار سے محروم ہو گیا۔ میرے پہنچنے سے قبل حضور قبلہ عالم مرحوم کو سپرد خاک کیا جا چکا تھا۔ یہ واقعہ میرے لیے حذرِ دلفگار تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں قبر شریف پر آیا۔ اس کیفیت کے بیان کے لیے الفاظ نہیں کہ دل کیفیت بیان ہو سکے! حضور کے قدموں میں سر رکھ کر فاتحہ پڑھی تو حضور سامنے ظاہر ہوئے۔ فرمایا یہی خواب کی تعبیر تھی۔ آپ کے دیدار سے گوشتِ قلب کو سکون ہوا۔ — کہ آپ مجھ سے جدا نہیں۔ ہم آپ سے جدا نہیں۔ — درحقیقت میں سمجھتا ہوں کہ میرے بروقت پہنچنے میں تاخیر ہونا حضور کی مصلحت کے تابع تھا۔ یقیناً ایسے موقع پر احتمال تھا کہ اس سانحہ عظیم کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ شدتِ غم سے جان بدن سے نکل کر اپنے محبوب کی طرف پرواز کر جاتی۔

حضور محترمہ مائی صاحبہ سے معلوم ہوا کہ رات ساڑھے نو بجے حضور نے گرم پانی سے وضو کیا اور سر مبارک میں خوشبودار تیل ملا۔ آپ کی عادت شریفہ میں تھا کہ حسب معمول ابتدائے شب تھوڑی دیر استراحت فرماتے بعد میں اٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اسی طرح آپ بستر پر لیٹ جاتے۔ صاحبزادہ امین الدین۔ بشیر الدین آپ کے پاؤں دباتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صاحبزادوں کو سو جانے کے لیے فرمایا کہا والدہ کو ہمارے پاس بھیج دو۔ سب بچے سو گئے۔ — جناب مائی صاحبہ حضور کے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا وقت آچکا ہے ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ انہیں نصیحت فرمائی کہ ہمارے بعد میں ہر حال میں بھروسہ اللہ پر رکھنا۔ ہماری وفات پر آہ و زاری نہ کرنا اور ہر حال میں شریعت کی پابندی کرنا اس کے بعد حضور نے تین بار اللہ واللہ۔ اللہ کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ رَحِمَتْ اللہُ اَبَدًا اَبَدًا۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کی وفات طالبانِ حق کے لیے محرومی اور خصوصاً  
سلسلہ اولیہ پر ایک سانحہ عظیم تھا۔ کہ وہ حضور کی رفاقت سے محروم ہو گئے۔  
ان کا پشتی بان۔ نگہبان۔ غمگسار دوست انہیں تنہائی کے خارزار میں بے بسی کے  
عالم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ہر مرید کو آج محسوس ہوا کہ اس کا خفیق باپ۔ اس کا دست و  
بازو بھائی۔ اس کی غمگسار ماں کا آج ہی انتقال ہو گیا۔ کیونکہ حضور اپنے مریدوں  
کیلئے خفیق باپ۔ ہمدرد بھائی۔ اور غم رکھنے والی ماں سے زیادہ۔ درد رکھنے والے تھے۔  
حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں محبتوں کی ہر حال میں خیر و فلاح کی فکر رکھتے تھے۔

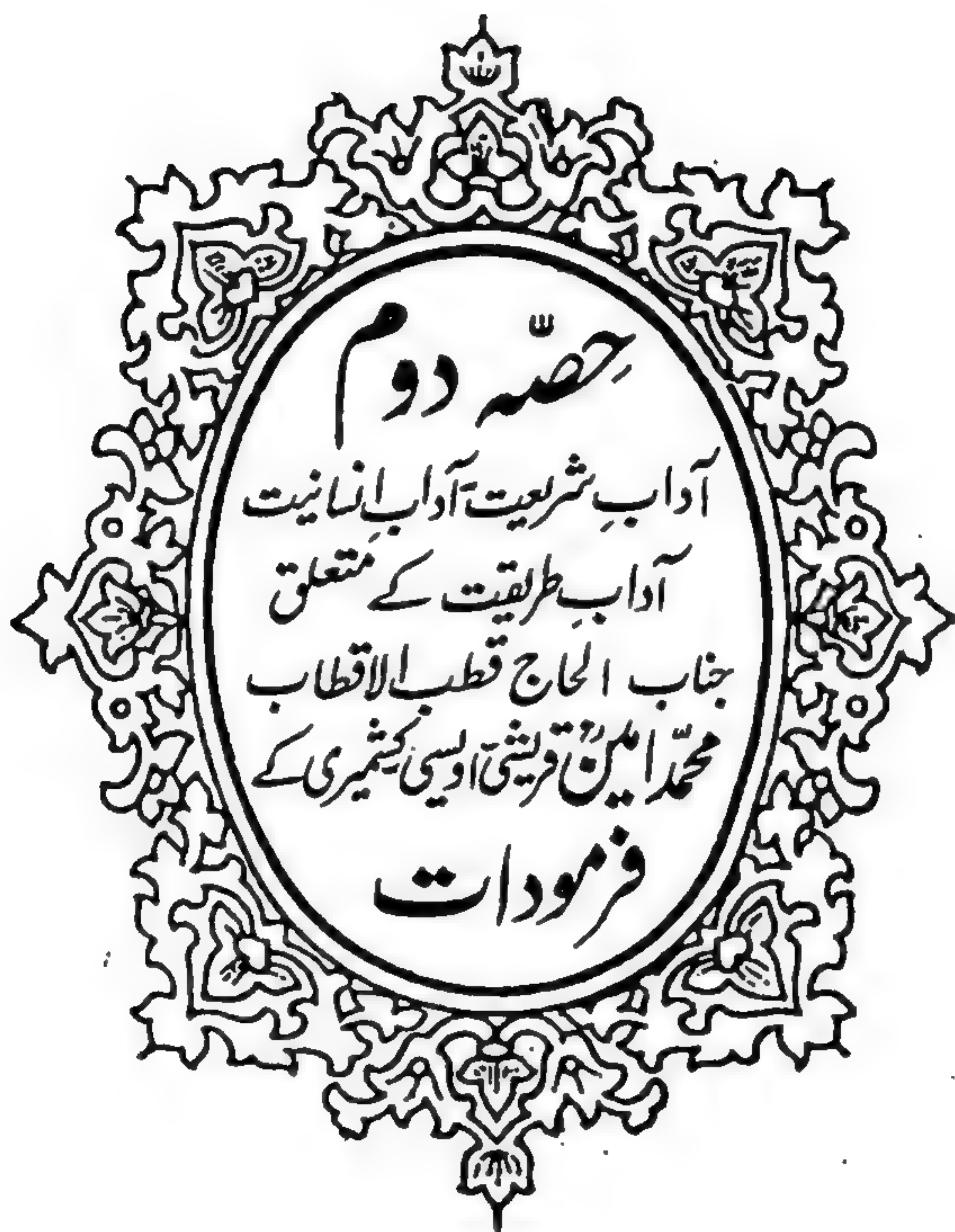
بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ اقدس حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ کی نبوی صفت  
سے متصف تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب فضا میں بارش کے لیے سیاہ بادل آسمان پر  
آنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار باہر تشریف لا کر بادلوں کو بے چینی سے دیکھتے۔  
انہیں فکر لاحق ہو جانا کہ کہیں گزشتہ قوموں کی طرح ہماری قوم رکھارم پر کوئی طوفان تو نہیں  
بھجیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیہ کلمات زبانِ اقدس سے ادا فرماتے۔

حضور قبلہ عالم کو بھی ہمیشہ اپنے مریدوں کی ابتلا کا فکر رہتا۔ بار بار اپنے مریدوں کو  
دیکھتے ان کے گھروں تک پہنچ جاتے۔ حضور قبلہ عالم شریعت و طریقت کی ایک اولوالعزم  
ہستی تھے۔ بلاشبہ آپ علمائے اُمت میں سابقین علمائے اُمت کے حقیقی جانشین تھے۔  
جن کے ذریعہ شریعت و طریقت کا حقیقی معنوں میں اجرا ہوتا رہا۔ اور طالبانِ حق کی صحیح راہنمائی  
ہوتی رہی۔ ہاں وہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ زمانہ کو اب اس آفتاب کی  
روشنی ملنی محال ہے۔ آہ۔ یہ خطہ ارضی پر جبکہ دُنیا کا گوشہ گوشہ باطل کے اندھیروں  
میں ڈوبا ہوا۔ حقیقت کی روشنی سے محروم تھا۔ آپ کی ضیا پاشیوں سے کما حقہ فیضیاب  
ہو رہا تھا۔ ہاں! دُنیا اس آخری سہارے سے محروم ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ ایک زمانہ آئے گا۔ دُنیا پر ہر طرف شر و فساد  
طاری ہو گا۔ انسانیت ہدایت سے محروم ہو گی۔ شریعتِ حقہ کا حقیقی تصور انسانی ذہنوں  
سے محو ہو جائے گا۔ دُنیا پر کثرت سے مسجدیں تعمیر ہوں گی۔ ان میں کثرت سے عبادت ہو گی۔ مگر



ان میں رُوحِ ایمانی مفقود۔ محض رواجی اور بے نتیجہ عمل پایا جائے گا۔ ”یہ زمانہ شر کا ہوگا۔“  
 کہ مومن اپنے دروازے سے ایک قدم نکال کر۔ واپس داخل ہو تو وہ ایک قدم میں ایمان  
 کھو بیٹھے گا۔ زمانہ میں کثرت سے علماء ہوں گے۔ وہ قرآن و حدیث تلاوت کریں گے مگر  
 قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اُتے گا۔ وہ بے عمل ہوں گے۔ ان کی تبلیغ۔ راہبانِ نبی اسرائیل  
 کی مانند محض حصولِ دُنیا۔ اور ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر ہوگی۔ اس زمانہ میں انسانی  
 ہدایت کی راہیں مسدود ہوں گی۔ لوگوں کو حقیقی شریعت (و طریقت) کی راہنمائی میسر  
 نہ آ سکے گی۔ ایسے شر کے زمانہ میں حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا۔ ایک روشن ستارہ  
 کی مانند طالبانِ حق کی راہنمائی کرتی رہی۔ یہ شرف طریقِ اولیہ کو حاصل تھا۔ کہ آپ  
 کی ذات سے دُعا کے ایسے قبولیت کے اظہار میں ایسے زمانہ میں بھی عوام الناس کو  
 ہدایت و معرفتِ حق کا سامان میسر آتا رہا۔ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا کو یہ شرف حاصل  
 تھا۔ کہ اس شر کے زمانہ میں جبکہ انسانی آبادی کثرت سے شریعت کی تعمیل میں غافل  
 تھی۔ آپ کی نسبت سے بے شمار طالبانِ حق کو معرفتِ الہی حاصل ہوتی رہی۔ ہاں!  
 یہ منور آفتابِ معرفت غروب ہو چکا۔ مگر زمانہ پر اس آفتابِ معرفت کی حرارت اور روشنی کا  
 اثر ابھی بھی باقی ہے۔ آپ کی جہدِ تبلیغ سے آپ کے تربیت یافتہ ولی۔ قائم مقام۔ ابھی  
 زمین پر باقی ہیں۔ جن سے آپ کے مشن (منصب) کی تکمیل برابر ہوتی ہے گی۔ انشاء اللہ  
 یہ سلسلہ اولیٰ اپنی مقبولیت دُعا کے ساتھ مَقَامًا مَّحْمُودًا کی تکمیل کرتا رہے گا۔  
 بلاشبہ آپ کی ذات دُعا کے ایسی کی منظر تھی۔ کہ آپ کی ذات سے اُمتِ محمدی  
 صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے دُعا کے ایسی میں شامل ہو کر معرفتِ حقیقی کی راہ پاتی  
 رہی۔ زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيمًا وَ تَكْرِيْمًا۔



## حصہ دوم

آدابِ شریعت آدابِ انسانیت

آدابِ طریقت کے متعلق

جناب الحاج قطب الاقطاب

محمد امین قریشی اویسی کشمیری کے

فرمودات



## فرمودات حضور قبلہ علم رحمۃ اللہ علیہ

حُبِّ رَسُولِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ محبت رسول صَلَّی اللہ علیہ وسلم کو سب اعمال پر مقدم سمجھتے۔ اور اپنی تبلیغ میں اپنے محبوں کو اسی محبت کا سبق دیتے۔ آپ کسی طرح بھی حضور صَلَّی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ذرہ بھر گستاخی برداشت نہ کرتے۔ آپ فرماتے ہیں: حضور صَلَّی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے محبت کی جائے اور آپ کے دشمنوں سے بغض رکھا جائے خواہ وہ اپنے عزیزوں میں سے کیوں نہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: محبت میں چا پلوسی اور زمانہ سازی روا نہیں۔ کیونکہ محبوب کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی صورت میں اللہ اور رسول صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے دوستی و صلح کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسا شخص حُب کا دعویٰ کرنے میں باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ فعل تصور ہوگا۔ منافق خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ خالق کائنات۔ مالکِ کل ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی کسی لعزش کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی صفت تَوَّابُ الرَّحِیْمُ ہے۔ وہ اپنے بندوں کی بغاوت و نافرمانی پر درگزر کرتا ہے۔ اسی ذاتِ دُنْیَا کے جابر سے جابر باغی سے باغی۔ شَدَاد۔ نمرود۔ فرعون جیسے انسانوں کو خود عزت و جلال دیا۔ ان کی بغاوتوں پر درگزر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی موت کا وقت آیا ہاں! ان کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا۔ حضورؐ فرماتے ہیں: یاد رکھو۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے کہ وہ خود کسی انسان کے مقدر میں شقاوت لکھے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان خود اپنے آپ کو لائق عذاب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آدم سے لے کر قیامت کے آخری فرد تک اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے تصور میں فطرت اسلام پر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مال سے ستر درجہ زیادہ محبت رکھتا ہے۔ شَدَاد۔ نمرود۔ فرعون بھی اپنی بندوں میں شامل ہیں۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کا بندہ نجات یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ تَهَاوُی سَعَادَتٍ وَشَقَاوَتٍ تَهَارِی اِپنے ہاتھوں سے ہے اور میں نے تمہارے لیے رحمانیت اور رحیمیت کی راہیں آسان و کشادہ کر رکھی ہیں کہ تم ہر حال میں نجات یافتہ ہو سکو۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے درگزر کرتا ہے تو بندہ کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بھائی سے ہر حال درگزر سے کام لے۔ خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی انسان کی نافرمانی پر ذاتی طور نفرت و غضب کا اظہار نہ کرے۔ یہ جانے کہ ہر انسان اولادِ آدم سے ہے۔ انسان انسان کا حقیقی بھائی ہے جس میں غیرت کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں اپنے بھائی کے نقصان پر اس کی آئندہ گزشتہ تکالیف و مصائب کا احساس کرتے ہوئے اس کے لیے جذبہ احسان پیدا کر کے اس سے محبت کرے۔ اس کی تکلیف کا احساس کر کے خود دکھ محسوس کرے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ میں تھا کہ حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوفٌ رَّحِیْمٌ آپ کفار پر ان کے اعمال کے سبب عذابِ آخرت سے دکھی رہتے تھے۔ لہذا لازم ہے اپنے انسان بھائی سے محبت رکھو۔ اس کے قریب ہو جاؤ۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرو البتہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ خود اپنے محبوب کی بے عزتی اور تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ لہذا صاحبِ ایمان کے لیے دشمنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حال میں دشمنی رکھنا فرض ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ اعمال میں سب سے بہتر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم اور محبت ہے بلاشبہ حضور قبلہ عالمِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت دوست دشمن سے مروت و احسان سے پیش آتے اور ہر شخص کے لیے فیض کا دروازہ کھلا رکھتے۔

## علم و دانائی

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ حصولِ دین و دنیا میں ”دانائی“ اختیار کرو۔ دانائی سے مراد عقل کی راہنمائی۔ عقل ہی سے انسان اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے عقل سے راہِ حق تلاش کرنے میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَالْعَقْلُ



اَصْلُ دِیْنِی۔ میرے دین کی اصل عقل ہے۔ نادان ہونا حقیقت سے دوری ہے نادانی انسان میں بکثرت پیدا کرتی ہے۔ بکثرت میں عقل معطل ہو جاتی ہے۔ انسان جان بوجھ کر حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس دانائی سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ خود اعتمادی پیدا ہونے پر انسان حق بات کہنے میں بے باک ہوتا ہے۔ اس حال میں انسان حق کو زیادہ پسند کرتا ہے جس سے انسانی کردار بلند ہو جاتا ہے۔ اسی کردار سے انسانی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ تو ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے۔ اس عزت افزائی سے انسان زیادہ تربیتی پر عامل ہونے کی خواہتا ہے۔ جو انسان عوام الناس میں مقبول ہو وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی مقبول و پسندیدہ ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ فطری طور پر اس میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ایسا انسان خواہتا نفسانی کی شر سے محفوظ رہتا ہے اس کا ہر عمل اَلْحَبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تحت احسن اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ یہی عمل انسان کی سرخروئی کا ضامن ہوتا ہے۔

## تقویٰ

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کا محاسبہ کیا کرو۔ اپنی کمزوریوں پر ہر لمحہ نظر رکھو۔ اپنی کمزوریوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے سے بہتر ہے کہ انہیں دور کرنے کی کوشش کرو۔ اپنی سادہ کمتر حیثیت کو امیرانہ مصنوعی لباس۔ اور طمع سازی سے چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ لباس تقویٰ اختیار کرو تا کہ کمتر حیثیت میں بھی تمہیں تقویٰ کی بدولت حقیقی عزت حاصل ہو۔ تصنع سے حاصل کی ہوئی عزت سے انسان غرور و حسد کا شکار ہو کر فتنہ کا سبب بن جاتا ہے۔ مصنوعی ساکھ قائم رکھنے کے لیے انسان میں دھوکہ اور فریب کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ وہ مجسمہ راز بن جاتا ہے۔ جس راز کو چھپانے کے لیے اسے بار بار جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ انجام کار ایسا شخص بجائے اعتماد حاصل کرنے کے اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی سچی باتوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے اس طرح انسان لوگوں کی نظروں سے گر کر ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق جس حال میں ہو اسی حال میں لوگوں کے سامنے پیش ہو۔ حسن اخلاق اور اعمال صالح سے اپنی حیثیت

کو زینت دے تاکہ خود بخود لوگ اس کی عزت کریں اور اس پر بھروسہ کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان اس کے لباس سے پہچانا جائے بلکہ حسن کردار سے پہچانا جائے۔ ایک بااخلاق شخص پھٹے کپڑوں میں بھی مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ لازم ہے کہ انسان۔ انسان سے عزت و تکریم حاصل کرنے کا جذبہ دل میں نہ رکھے بلکہ اعمالِ صالح اور حسنِ اخلاق اختیار کر کے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ہی اپنا مقصد قرار دے۔

## کبریائی

اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت اللہ اکبر ہے۔

حنور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اللہ کی خصوصی صفت جس میں اس کا شریک نہیں اللہ اکبر ہے۔ اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔ یہ اس کی لامحدودیت کی علامت ہے یہی لامحدودیت اللہ کی ذات کی ماسوئی سے بلند مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس لیے انسان میں کسی قسم کی بڑھائی کا تصور شرک کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقابل کسی مخلوق کا ”کبر“ برداشت نہیں کرتا۔ انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بلند مرتبہ عطا کیا — لیکن مخلوق ہونے کے اعتبار سے۔ وہ ہر حال میں محتاج ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اللہ غنی ہے۔ اور تم محتاج ہو۔ اس احتیاج میں انسان اپنی تقدیر میں با اختیار نہیں اور وہ شخص جو معرفتِ الہی میں مشاہدہ اسرارِ الہی میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے آثار و اسرار سے کما حقہ آگاہ ہو کر اللہ اکبر کی حقیقت پہچانتا ہے۔ بلاشبہ اسے اپنی ذات ہر حیرتِ حقیقی میں حقیر نظر آتی ہے۔ پھر اس میں ذرہ بھر ”کبر“ کا اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ حقیقت ہے کہ سوائے اللہ کی ذات کے کائنات میں ”بکر“ کا کوئی حقدار نہیں۔ اس تصور کو قائم کرنے سے ہی خود اپنی ذات کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہی تصور حقیقی نفی کا ہے۔ جس سے اثبات کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی نفی اور اللہ کی کبریائی کا تصور حقیقی معرفت کی علامت ہے۔ جو شخص اللہ کے آگے حقیر حیثیت میں پیش ہو وہی کائنات میں معزز کہلاتا ہے۔ کہ اس نے حق ”عبدیت“ پورا کیا۔ مقامِ عبدیت ہی مقامِ انسانیت ہے۔ ایسا انسان



سوائے اللہ کے کسی مخلوق کا نہ محتاج رہتا ہے نہ ماسویٰ کی اس کے دل میں طلب باقی رہتی ہے۔

## ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

حضور فرماتے ہیں کہ انسان اولادِ آدم سے ہے۔ ہر انسان جسمانی تخلیق میں یکساں حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ پیدائشی اعتبار سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں نہ کوئی انسان کسی فرد کو اپنے سے کمتر سمجھے نہ خود فخر کرے۔ فخر بے جا غرور سے تعبیر ہوتا ہے۔ غرور کے معنی دھوکہ ہے۔ دھوکہ سے مراد خود کو اس حقیقت سے دیکھنا جو صفت اس میں نہ ہو۔ انسان ہر حال میں ضعیف ہے۔ ضعف میں تنزل کا مادہ ہے۔ ضعیف محتاج ہوتا ہے محتاج اپنی بڑھائی جتا نہیں سکتا۔ یہ انسان کی فطری خاصیت ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے لیے بے جا فخر و غرور لازم نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اونچا مقام پایا۔ قرآن نے بتایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تحقیق تم میں سے بڑا وہ ہے جو پاکیزگی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ ہاں انسان خود بڑا نہیں بن سکتا۔ البتہ اللہ خود کسی کو بزرگی دیتا ہے۔ بزرگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعام پر موقوف ہے۔ دنیا کا کوئی شہنشاہ ہو۔ سربراہ مملکت ہو۔ ادیب ہو یا خطیب ہو۔ سپہ سالار ہو یا جرنیل ہو۔ یا عدلیہ کا قاضی یا جسٹس ہو۔ مفکر ہو یا موجد ہو۔ صاحبِ جائیداد امیر ہو یا تاجر۔ بزرگ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اصولِ الہی کے تابع اس کی شخصیت۔ اس کے کردار میں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کی خصوصیت موجود نہ ہو ورنہ یہ خوبیاں کسی کی بزرگی کی ضمانت نہیں بن سکتیں اس حیثیت میں کسی شخص کے لیے نسلی برتری پر فخر کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس نسلی برتری میں تقویٰ کی صفت موجود نہ ہو۔

## خليفة في الارض

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا مقصد واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط یعنی تخلیقی حیثیت میں انسان طین لاذب سے بنایا گیا۔ جو اپنی صفت کے اعتبار سے خاکی اور سفلی مادہ کی حامل ہے۔ خاکی حیثیت تخلیق کی کمرہ حیثیت قرار دی گئی۔ جیسا کہ شیطان کے قول سے ظاہر ہے۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ جَخَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝

(پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۲)

انسان کی تخلیق میں خاکی عنصر ہے جو نار سے کمرہ ہے۔ گویا خاک نار سے کمرہ ثابت ہے۔ بلاشبہ خاک ہئیت نار سے کمرہ ہے۔ لیکن شیطان اَنَا خَيْرٌ کے دعویٰ سے ہی راندہ درگاہ ہوا۔ لہذا اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ کا دعویٰ ہی حق سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ انسان کے لیے البتہ خَلِیْفَتَہ کی صفت اسے نور سے افضل قرار دیتی ہے۔ خلیفہ سے مراد صاحب تسبیح و حمد۔ متقی صفت کا حامل انسان ہی صفت انسان کو بزرگی عطا کرتی ہے کہ انسان متقی عباد گزار ہو۔ اس مقام پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انسان کے لیے سوائے تسبیح و حمد اور تقویٰ کے کوئی عمل لازم نہیں اور انسان اس عمل میں اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا تھا۔ کہ وہ خلیفہ کی حیثیت میں تقویٰ تسبیح و عبادت قائم رکھتے ہوئے حصولِ دنیا میں ضرورت سے زیادہ نہ اُلجھتا۔ تو اس کا عمل خاص تسبیح و عبادت اور تصورِ معرفتِ الہی قائم رہتا۔ اسے حصولِ دنیا میں جستجو کی ضرورت نہ تھی۔ جب کہ قدرت نے۔ اس کی پیدائش سے قبل۔ اس کا سامانِ زندگی وافر مقدار میں ہتیا کر رکھا تھا جس کے لیے اسے جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان لذتِ نفس۔ خواہشاتِ نفسانی کی بے جا تکمیل میں ذہن کو اُلجھا کر تسبیح و حمد اور تصورِ الہی سے دور ہوتا گیا کہ انسان مضطرب ہو کر اپنی پاکیزگی نفس اور تسبیح و عبادت کو قائم نہ رکھ سکا۔



## انسان کی پستی کا سبب فطری قانون سے انحراف ہے

درحقیقت انسان کے لیے پستی کا کوئی مقام نہیں۔ خلیفہ کی حیثیت سے انسان تسبیح و عبادت کے اعتبار سے افضل قرار دیا گیا۔ سوائے اس کے کہ عملی حیثیت پر اس کی پستی کو محمول کیا جائے۔ عملی حیثیت میں ہی کوئی انسان اپنے حقیقی فرائض سے تغافل برت کر اپنی قوت کو غلط استعمال کر کے جابر و ظالم شہنشاہ بن جاتا ہے۔ دوسری طرف اس تغافل کے باعث انسان کمزور ہو کر ذلیل سے ذلیل کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ سوائے اس کے کوئی مادی اقتدار۔ کوئی مادی خصوصیت۔ خواہ وہ کسی شعبہ حیات سے متعلق ہو۔ وجہ بزرگی قرار نہیں دی جاسکتی۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اللہ کی رستی مضبوطی سے تھام رکھو اور آپس میں ”فرق“ نہ کرو۔ الگ الگ نہ ہوں۔ اس بیان میں حَبْلِ اللَّهِ دین ہے۔ دین تسبیح و عبادت کا تعبیر ہے۔ کہ تسبیح و عبادت پر قائم رہنے میں ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ قائم کرو۔ اور آپس میں کمتری برتری کا احساس نہ رکھو۔ غیرت کا تصور نہ رکھو۔ کیونکہ انسان ابنِ آدم سے ہے۔ اور اس تصور کو ”ایمان“ سے تقویت دی گئی۔

## نماز میں اجتماعیت کا تصور محض دین کے لیے ہے

### حصولِ دین کے لیے نہیں

جب تک تم مومن ہو تو ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ ایمان سے خالی۔ نہ مومن مومن رہ سکتا ہے۔ نہ بھائی بھائی رہ سکتا ہے۔ تسبیح و حمد میں معاونت سے مراد۔ حصولِ عبادت۔ حصولِ نجاتِ آخرت میں ایک دوسرے کے لیے ماحول پاکیزہ رکھ کر۔ پاکیزہ معاشرہ تشکیل دو۔ کہ ہر انسان کو حصولِ دین حصولِ حق کے لیے آسانی حاصل ہو۔ یہ طریق ایک اجتماعی شکل دیا کرتا ہے۔ لیکن یہ صورتِ غرضِ دین کے لیے ہے۔ مادی اقتدار کے حصول کے لیے نہیں۔

اور اس طرقتی کی ضرورت بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانیت میں محض حصول دنیوی میں بے جا حصول کی وجہ سے انتشار، بغض و عناد اور فساد غالب ہو۔ ایسے موقع پر قرآن نے ”دین“ کی صورت میں ایک ضابطہ پیش کیا جو ضابطہ تسبیح و حمد عبادت کا حامل ہو۔ جس کا مظاہرہ عبادت۔ یعنی ارکان اسلام و ایمان سے کیا گیا۔ ارکان اسلام میں الصلوٰۃ۔ یعنی نماز ایک ایسا عمل ہے جس میں اجتماعیت کا خصوصی تصور پایا جاتا ہے۔ یہ عمل انفرادی طور پر بھی ہے اور وَاِغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ کی صورت میں اجتماعی صورت میں لازم و واجب کیا گیا۔ جس میں نماز باجماعت۔ مجملہ عیدین کے اجتماعات کو لازم قرار دیا گیا۔ لیکن یہ عمل بھی فرق مراتب میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تیز کا تصور کیسے مٹانے کے لیے قائم ہوتا ہے۔ اور انفرادی حیثیت میں انسانی عمل میں اسکی جستجو۔ جدوجہد۔ محنت و حب سے اس کا مقام ارفع بہر حال حاصل کرنا۔ ایک اہم تصور ہے۔ البتہ جب کہ قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان سے اس کی انفرادی حیثیت میں حساب لیا جائے گا۔ کوئی شخص بھی کسی کا مددگار نہ ہوگا نہ حمایت کر سکے گا البتہ اجتماعیت۔ انفرادی حیثیت میں مقام ارفع حاصل کرنے میں آسانی کا سبب بنتی ہے۔ تاہم بحیثیت مستقی۔ انسان میں یہ تصور مضبوط ہو جاتا ہے کہ انسان پیدائشی حیثیت میں برابر کا درجہ رکھتا ہے۔ لہذا ہر انسان کے لیے اپنے بھائی کی ہر طرح عزت و تکریم اور مقصد زندگی میں ایک دوسرے کی معاونت لازم ہو جاتی ہے۔

### عبدیت :

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ سوائے اس کے نہیں۔ کہ اللہ اور انسان کا تعلق عبود و معبود کے تصور سے ہے۔ عبدیت ذات باری کے اثبات اور اپنی ذات کی نفی اور انکساری کا بہترین نمونہ ہے۔ جو الصلوٰۃ کے عمل سے پورا ہوتا ہے۔ الصلوٰۃ عبدیت کا بہترین مظاہرہ ہے۔ الصلوٰۃ (نماز) میں اظہارِ عجز ہے۔ عجز اسلام کی اور عمل کی روح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الْعِجْزُ فَخْرٌ عِجْزٌ مِیرا فخر ہے۔ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ نماز میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ عجز اختیار کرو تو نہ تمہارا کوئی دشمن ہوگا نہ تم



کسی سے دشمنی کرو گے۔ اس طرح نماز کی ادائیگی سے انسان دنیا کے ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو انسانی تفریق کو ختم کر کے مساوات انسانی کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ مظاہرہ ہے جس سے انسان میں فساد و خوریزی کا مادہ ختم ہو کر اس کے لیے طلب حق کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

## ”فرمودہ“ اکثر عذاب قبر عذاب حشر کا تصور کیا کرو

حنور فرماتے ہیں اپنی دعاؤں میں عجز اختیار کرو۔ تم رحم و کرم کے مستحق ہو جاؤ گے تم دعائیں پکارو! اے اللہ میں ضعیف ہوں۔ ناتواں ہوں۔ اے اللہ میں ذلیل و بے سمیت ہوں۔ تیری ذات مجھے لیے جیسا کہ لائق ہے اور مجھ پر واجب ہے۔ میں تیرے احکام کی پیروی نہ کر سکا نہ کر سکتا ہوں تو میری مدد کر و اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ مجھ پر فضل کر۔ مجھ اپنی طرف سے عبادت کی توفیق بخش کہ میں تیری عبادت کروں مجھ سے عبادت کرا۔ نیکی تیری ذات سے وابستہ ہے۔ بدی میری اپنی ذات سے ہے۔ تو درگزر فرما۔ تو اللہ تمہاری عاجزی پر رحم فرمائے گا۔ تم پر فضل کرے گا۔ تمہاری مدد کریگا۔ تمہارے لیے بدی کی راہ بند کر دے گا۔ تمہارے دل میں توجہ ڈالے گا کہ تم عبادت کی طرف مائل ہو جاؤ گے۔ بدی سے نفرت کرو گے۔ یہی اس کا فضل ہے۔ کہ وہ عاجزی کرنے والے بندے کی اپنی طرف سے مدد کرتا ہے۔ نیکی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اس پر توجہ ڈال دیتا ہے۔ تو لازم ہے کہ انسان اپنے بُرے اعمال کا احساس کرتے ہوئے۔ عذاب قبر۔ عذاب حشر کا اکثر تصور رکھے اور آنے والے زمانہ کی حشر تاکی سے خوف زدہ ہو۔ تو انسان کے قلب پر خوفِ عذاب سے رقت طاری ہوتی ہے۔ انسان میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ہاں یہ امر ضروری ہے کہ اللہ کے نزدیک اس حال میں جاؤ کہ تمہاری زبان اور دل کی آواز ایک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے الفاظ ادا کرو مگر دل خوفِ قیامت سے خوف زدہ نہ ہو۔ دل پر رقت طاری نہ ہو۔ ایسی دعا قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ جب تک انسان کو اپنے اعمال بد کا احساس نہ ہو اور اس امر پر مائل ہو کہ خود گناہوں سے باز رہنے کا عہد کرے۔ ہاں ارادہ کرو تو نچتہ کرو۔ وعدہ کرو

تو پختہ کرو۔ تو اللہ سے اجابت کی امید رکھ سکتے ہو۔ ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کا کھوج لگاؤ ان پر مذمت اور خوف کا احساس پیدا کرو۔ جانو تم پر دو وقت شدید آنے والے ہیں۔ جواٹل ہیں۔ وہ ہیں۔ قبر۔ اور قیامت۔ قبر اور قیامت کا بار بار تصور کرتے رہو۔ قیامت کی ہولناکی شدید ہے۔ ایسا ہی خوف قلب پر طاری کر کے دُعا مانگو۔ کہ اللہ آخرت۔ قبر اور قیامت کی ہولناکی سے مجھے محفوظ رکھ۔ یہ تصور نہایت ضروری ہے۔

## ”فرمودہ اللہ کی خوشنودی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ رُدُّ عِبَادَتِ الْكَافِرِ (ہے) یعنی دُعا سے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَانْتُمْ الْفُقَرَاءُ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ طریق بھی عبدیت کا مظہر ہے۔ اظہارِ عبدیت سے ذاتِ باری کا دریائے رحمت جوش زن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمت کے لیے دُعا کرنا لازم کرتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم مومنوں کے لیے دُعا مانگا کرو۔ یہی طریق انسان کے لیے مقرر ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے رسول و نبی کو وسیلہ بنائے۔ قرآن نے بتایا ہے۔ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اللّٰهُ تَعَالٰی سے خیر طلب کرنے میں وسیلہ حاصل کرو۔ لہذا بہتر ہے کہ حصولِ خیر میں ایک نائبِ رسول ولی کی شفاعت سے وسیلہ حاصل کرو۔ وسیلہ حاصل کرنے کا طریق ولی کی صحبت و بیعت اختیار کرنا اور ولی سے نسبت و محبت قائم کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس شے سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔ ایک ولی سے محبت کی جائے تو وہ ولی اس کا شافع ہوگا۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ اُٹھے گا۔ ولی محبوبِ الہی۔ محبوبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ لہذا ولی قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاءِ الْحَمْدِ کے سایہ میں ہوگا اور جس نے ولی سے نسبت قائم کی اور اس نسبت کو زندگی تک قائم رکھا وہ قیامت کے دن اپنے محبوب کے ساتھ لِوَاءِ الْحَمْدِ کا سایہ پائے گا۔ ایک دن حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سے ایک صاحب نے مولانا روم کا شعر حضور



کے سامنے پڑھا۔

لب بستہ خفۃ دربع شری

مشری بے حد کہ اللہ اشتری

شعریٰ ہی آپ پر جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمانے لگے طریقت کا اصل بالاصل ہے کہ مرید کے لیے طالب حق ہونا ضروری ہے کہ وہ محض معرفت الہی۔ رضائے الہی۔ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے۔ ایک پیر اکمل کی راہنمائی کا طلب گار ہو۔ سوائے اس کے کہ مرید صادق کے لیے۔ حصولِ دنیا سے دستبردار ہو کر۔ اپنی سعی و جہد کو رضائے الہی کے لیے وقف کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے حصولِ حق کے لیے ایک خاص تصور دیا۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ  
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ

(پارہ ۲۵ سورۃ ۲۲ آیت ۵۲-۵۳)

تحقیق آپ صراطِ مستقیم پر پہنچانے والے ہیں اور صراطِ مستقیم پر پہنچانے میں راہنمائی کرنے والے ہیں۔ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صراطِ اللہ۔ اللہ کا راستہ۔ اللہ کا راستہ کیسا ہے؟ وہی جو زمین سے آسمان سے ہوتا ہوا جاتا ہے۔ اس بیان میں راہِ حق کی نشاندہی کی گئی ہے اور راہِ حق پر چلنے کے لیے ایک رسول کی راہنمائی کو لازم کیا گیا ہے صراطِ مستقیم اللہ کے راستہ کا تعین کیا گیا ہے کہ یہ آثار و اسرار ملکوتی سے منظور ہوتا ہے۔ جسے اسرارِ الہی سے تعبیر دیا گیا۔ جسکی آخری منزل معرفتِ الہی ہے۔ یہی طریق طریقت سے تعبیر ہے اور اس کے حصول کے لیے ایک رسول کی راہنمائی لازم کی گئی ہے کہ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ رَبِّكَ فَخَذُّوْهُ وَمَا نَهَكُمُّ عَنْهُ فَأَتَتْهُوْا

(پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۷)

حصولِ حق کی تلاش میں ایک رسول کی راہنمائی میں اتباعِ رسول لازم ہے لہذا تم اپنے ارادے ساقط کر کے رسول کے حکم کی پیروی کرتے رہو۔ رسول جو کچھ تمہیں عمل کرنے کو کہے اسی کو پکڑو اور جس سے باز رکھے اس سے باز رہو۔ اس حکم میں اپنے ارادے

کو ساقط کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ رسول کے بعد یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو رسول کی اتباع میں صراطِ مستقیم اور صراطِ اللہ کے مراحل و منازل طے کر کے معرفتِ الہی حاصل کرتا ہے اس حال میں کہ وہ تمام آثار و اسرارِ الہی سے کما حقہ مشاہدہ و آگاہی حاصل کیے ہو یہ بہستی قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ولی اکمل ہوتا ہے۔ لہذا معرفتِ الہی میں یہی شخص ایک طالب حق کی راہنمائی کا دعویٰ کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اگر کسی مدعی کو معرفتِ الہی کے آثار و اسرار سے مشاہدہ و آگاہی حاصل نہ ہو تو وہ نہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ عالمِ اُمت کہلانے کا مستحق ہے نہ وہ کسی طالب حق کی راہنمائی کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ طریقت کا اصل الاصول ہے کہ پیر کے لیے اس وقت تک بیعت کرنا لازم نہیں جب تک کہ وہ کسی کے ارادے کو ساقط کر کے اس کے خیر و شر کی ضمانت دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یہ امر مرید کے لیے نازک مقام ہے۔ کہ مرید اپنی خواہشات کو ترک کر کے پختہ معزم کے ساتھ قائم رہنے کی استقامت کرے اور پیر ایک شخص کے خیر و شر کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے یومِ حساب میں سرخرو ہو سکے۔ یہ آسان کام نہیں! اس کے لیے انسان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ پیر اکمل ہو تو اس کا کام آسان ہوگا ورنہ بنیر قدرت کسی انسان کی خیر و شر کی ذمہ داری لے کر اُسے پورا نہ کرنا۔ یومِ حساب میں ذلت و رسوائی کا سبب ہوگا۔ یہ ایک عظیم نقصان ہوگا جس کا واقع ہونا یقینی ہوگا۔ بلاشبہ یہ ایک نازک مقام ہے اس کے لیے ایک ولی کو معرفتِ الہی میں اکمل اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں محبوبیت کا مقام حاصل ہونا لازمی ہے۔ یہ ذمہ داری بغیر اکملیت اور محبوبیت قبول نہیں کی جاسکتی۔ اصولِ طریقت کے مطابق کسی شخص کا بغیر اکملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کرنا اس حال میں کہ ایک طالب حق ایسے شخص پر الدِّینِ یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کی صورت میں بھروسہ کر کے اپنی خواہشات سے دستبردار ہو کر اپنے ارادہ کو ساقط کر کے اپنے مقصد میں کامیابی کی اُمید رکھ کر اس کے حکم پر چلے اور پیر اس کے مقصد کی تکمیل نہ کر سکے ایسے شخص کے لیے یومِ حساب میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔ افسوس



ان لوگوں پر جو بغیر اکملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کر کے عوام المسلمین کو اپنے اعتماد میں لیکر اپنی اور طالبانِ حق کی گمراہی کا سبب بن کر محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں راہنمائی کرنے کی جرات کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اس کردار سے طالبانِ حق حصولِ حق میں محروم ہو کر راہ سے دور بھٹک جاتے ہیں جس کا نتیجہ ایک طرف ان کے کردار سے دین کی ہتیت مسخ ہو جاتی ہے اور دوسری طرف طالبانِ حق کے لیے حصولِ حق کی راہیں دشوار ہو جاتی ہیں۔ یہ مقام نہایت نازک ہے! کہ طالبانِ حق حصولِ حق میں۔ دنیا کی تمام لذتوں سے دستبردار ہو کر صرف حصولِ معرفتِ الہی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دے اور پیر ایک طالبِ صادق کو معرفتِ الہی میں تکمیل کی ضمانت دے کر اس کے مقصد کی تکمیل کر دے۔ ہاں سلسلہ اویسی کے طالبانِ حق کا یہ ایمان ہے کہ وہ حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر ایمان لا کر اَلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے قولِ الہی کے مطابق اپنی ذات کو اویسی اور الواعزم ہستی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس حال میں حضور عالی مقام نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکملیت و محبوبیت کے مقام پر فائز ایک صاحبِ حق کو مشاہدۂ اسرارِ الہی۔ معرفتِ الہی کی تکمیل کر دیتے ہیں جس کی بین مثال حضور کے مریدوں میں کثرت سے حضور صی اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفتِ الہی میں کامل اکمل پائے جاتے ہیں اور انہیں یہ یقین حاصل ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پیر اکمل کی معیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاءِ الْحَمْدِ کے سایہ میں وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ قیامت کی ہولناکی سے محفوظ ہوں گے۔

## حضور قبلہ کا وعظِ سننے سے بھی حضوری ہو جاتے ہیں

حضور قبلہ عالم کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی مجلس میں لوگ آپ کے پُر حکمت وعظِ سننے سے بھی حضوری ہو جاتے۔ حضور جب اپنے مریدوں میں مجلس فرماتے تو آپ کے طرزِ کلام میں بظاہر وعظ کا طریقہ نہ ہوتا۔ عام حیثیت میں عام عقل کے مطابق رسمی بات چیت شروع ہو جاتی تو رفتہ رفتہ اس کلام کا رُخ حقیقت کی طرف ہو جاتا۔ اس گفتگو میں آپ بہت

سے رموز و اسرار بیان فرماتے ایسا محسوس ہوتا جیسے سامعین پر حقیقت کے آثار القا ہو رہے ہیں۔ حضور اکثر اپنے مریدوں کو آدابِ طریقت سے روشناس فرماتے کہ بغیر علم فقیری بے زینت لباس ہے۔ حضور قبلہ عالم اپنی مجلسوں میں آدابِ مجلس بیان فرماتے کیونکہ آپ کی مجلس میں مختلف الخیال لوگ جمع ہوتے اس لیے یگانگت و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ٹھوس اصول بیان فرماتے جو ہر شخص کے حسبِ حال ہوتے اور کسی شخص کو سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ گویا۔ مکتبِ فکر۔ عقیدہ کے فرد کو اس کے فہم کے مطابق خود بخود راہنمائی حاصل ہو جاتی۔ یہ حضور کی معجز بیانی کا اثر تھا کہ غیر مذہب کے لوگ بھی آپ کے کلام سے سبق حاصل کرتے۔ اس کے باوجود حضور فرماتے۔ کہ اپنے علم۔ ادنیٰ عمل پر فخر مت کرو یہ غرور کی علامت ہے۔

## نفسِ امارہ کی تفصیل

حضور فرماتے ہیں کہ انسانی تخلیق میں۔ انسانی وجود میں روح حیوانی نفسِ امارہ سے موسوم ہے۔ یہ ایک ناری قوت ہے۔ اسی ناری قوت سے جن اور شیاطین بنتے ہیں۔ قرآن سے واضح ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۖ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۖ

۱۔ صلصال کیا ہے؟ مفسرین نے صلصال کی تفسیر میں تخلیقی ترتیب کا صحیح تصور پیش نہیں کیا۔ ان کے مطابق صلصال کی تفسیر میں جو ترتیب پیش کی گئی اس میں مبالغہ ہے۔ کہ انسان (آدم) کو مٹی کا پتلا بنایا پھر یہ مٹی ہوا لگنے سے کھنکھانے لگی۔ یہ تصور فطری تخلیق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جبکہ آدم کے پتیلے کو ٹھیکری کے مانند وجود پانے کی نہ ضرورت تھی۔ نہ اس کے وجود میں ٹھیکری کے مانند بچنے والی مٹی کے آثار پاتے جاتے ہیں۔ درحقیقت اس آیت میں انسانی وجود کے بنیادی مرکب کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انسان کی اصل ٹھیکری کے مانند بچنے والی مٹی ہے اور اس آیت میں دانستہ طور پر الْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ ۝ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بھتی مٹی سے اور بنایا جنوں کو زمین ناری کی آگ کی لوؤں سے۔ انسانی وجود میں یہ شہوانی قوت سے موسوم ہے۔ یہ قوت ناری قوتوں کی جنس سے ہے اس کا مقابلہ نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اسی شہوانی قوت پر انسان کی صحت اور تندرستی کا انحصار ہے۔ یہ قوت جسم کے ذرہ ذرہ میں بیوست ہے۔ انسانی ارادے کی تکمیل جسمانی حرکت و عمل سے ہوتی ہے۔ لہذا انسانی حرکت و عمل میں انسانی جسم کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جس قدر جسم صحت مند ہو۔ اسی قدر ارادہ کے عمل کی صحیح تکمیل ہو سکتی ہے۔ انسانی صحت کا دار و مدار۔ صاف۔ پاکیزہ اور قوی غذا سے ہے۔ پاکیزہ غذا سے پاکیزہ خون بن جانا اور پاکیزہ خون سے قوی مادہ منویہ بننا۔ قوی مادہ سے جسم کے گوشت پوست۔ ہڈیاں اور دیگر اعضاء انسانی بنتے ہیں۔ مادہ منویہ کو شہوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی مادہ منویہ دراصل رُوح و جسم کا مرقع ہے۔ اسی مادہ منویہ کی رُوح۔ انسانی رُوح حیوانی سے موسوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۲)

داور بنایا جنوں کو زمین کی ناری قوت سے آدم سے پہلے۔ کا بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جن یکسر ناری قوت ہیں۔ یہ زمین سے پیدا کیے گئے۔ ظاہر ہوا کہ زمین ابتدائاً ناری تھی۔ سائنسی تحقیق سے بھی یہ واضح ہے کہ زمین بھی مثل دیگر سیاروں کے سیارہ ہے۔ تمام سیارے ناری فضا میں ناری حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ابتدائی طور زمین کا ناری ہونا محقق ہے۔ اسی ناری زمین کی ابتدائی ہیئت سے جن بنے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ جب زمین تنزل پذیر ہوتی رہی تو ایک زمانہ نار و خاک کی درمیانی حالت میں یہ ٹھیکری کی مانند بنی۔ اسی کیفیت کی طرف صَلْصَالِ کا لُغَتاً کا اشارہ ہے۔ ورنہ بغیر آگ کی آمیزش کے مٹی کا ہوا سے کھنکھناتی ہونا۔ فطری تخلیق کے خلاف تصور ہے۔ اس امر سے واضح ہے کہ انسان کے مرکب میں ناری عنصر بھی موجود ہے یہی ناری عنصر رُوح حیوانی سے موسوم ہے۔ یہی وجود انسان کا بنیادی وجود ہے۔ اسی ناری وجود کی اصل زمین ناری سے ہے۔ یہی ناری وجود حَمِیًّا مَسْنُونِ میں مقام کر کے مٹی کا محسوس وجود و پا کر آدم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے اور آئندہ اسی ترکیب سے رحم مادر میں بھی ایک ناری ذرہ خون رحم جذب کر کے وجودی ہیئت اختیار کر کے بشر کی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

ہے۔ جو دراصل ناری مرکب ہے۔ ناری اعتبار سے یہ قوت شہوانی اثرات کی حامل ہے۔  
 ظاہر ہے انسانی صحت خون اور مادہ منویہ پر ہی موقوف ہے اس لیے جس حد تک  
 یہ شہوانی قوت قوی و پاکیزہ ہو اسی قدر انسان صحت مندرہ سکتا ہے۔ شہوانی قوت کی  
 خاصیت جسمانی قوتوں کو صحت مند حالت میں رکھنا اس کے علاوہ۔ غصہ۔ کینہ۔ بغض۔ رنج۔  
 خوشی۔ کدورت۔ ایسی خاصیتیں بھی شہوانی قوت سے تعلق رکھتی ہیں۔ لازم ہے جسمانی صحت  
 کے ساتھ ان خاصیتوں کا قوی اور صحت مند ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ۔ انسانی ارادہ و عمل  
 کا ان خاصیتوں سے قریبی تعلق ہے۔ صحت مند حالت میں انسانی کردار کی تعمیر ان ہی قوتوں سے  
 ہوتی ہے۔ شہوانی قوت صحت مند ہو تو غصہ۔ کینہ۔ بغض۔ حسد۔ رنج۔ خوشی قوی حالت  
 میں استعمال ہوں گے۔ کمزور حالت میں یہ قوتیں صحیح معنوں میں اپنا فعل پورا نہیں کر  
 سکتیں۔ یہ قوتیں کمزور ہوں تو غصہ ہونے کی صورت میں غیرت نہیں کر سکتا۔ بغض و حسد کینہ  
 قوی نہ ہو تو دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ اپنی ترقی میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ رنج قوی نہ  
 ہو تو انسان بے حس۔ بے ہمت ہو جاتا ہے خوشی کی خاصیت کمزور ہو تو کاروبار زندگی  
 کے لیے حصول نفع کے لیے دلچسپی قائم نہیں رہتی وغیرہ۔ شہوت کی کمزوری کے سبب  
 ذہنی صلاحیتیں متاثر ہو کر انسان ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے بنیادی  
 طور پر انسانی شہوت مضبوط اور صحت مند ہونا لازمی ہے تاکہ وقت پر غصہ سخت آئے  
 اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت ہو۔ غصہ کے وقت خیر و شر کی تمیز سے عاری نہ ہو تاکہ  
 اسے غلط طور استعمال نہ کیا جائے۔ کینہ و بغض صحت مند ہو۔ تاکہ اللہ کے دشمن سے اس  
 کی طاقت سے مجبور ہو کر یا اپنے اغراض کی خاطر اس سے دوستی نہ کرے بلکہ اس سے  
 ہر حال میں مقابلہ کرے۔ حسد کی خاصیت صحت مند ہو تو دشمن کی شر سے محفوظ رہنے کے  
 لیے مستعد رہتا ہے۔ حرص نہ ہو تو انسان ذاتی منفعت میں جستجو میں بے ہمت ہو جاتا ہے۔  
 اس امر سے ظاہر ہے کہ پاکیزہ حالت میں یہ خاصیتیں انسان کے کردار کی پاکیزگی اور  
 جسمانی ہئیت میں بہتر تعمیر کا کام دیتی ہیں۔ درحقیقت یہ قوتیں انسانی جان کی بقا و تحفظ  
 کے لیے انسان کے مرکب میں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ قوتیں خیر کا ذریعہ ہیں۔ خیر کا ذریعہ اس



صورت میں ہو گا۔ جب اس قوت کو بنیادی طور پر پاکیزہ غذا پاکیزہ خون۔ ہتیا ہو تو پاکیزہ قوت شہوت سے پاکیزہ جسم اور پاکیزہ شہوانی خاصیتیں بن سکتی ہیں۔ جن کے اثرات پاکیزہ ہوں گے۔ لہذا شہوانی خاصیتوں سے پاکیزہ اور خیر کا عمل صادر ہو گا اور ان کی کمزوری کا سبب غیر پاکیزہ غذا اعرام سے کمائی ہوئی دولت سے حاصل کی ہوئی غذا مضر اشیاء ضرورت سے بے جا طریقہ پر غذا کا استعمال۔ شراب نشہ آور اشیاء۔ اور دیگر اشیاء جن میں مضرت کے اثرات موجود ہوں ان کے استعمال سے نظام یا ضمہ کی خرابی خون کی بناوٹ میں مضرت اثرات کا پایا جانا اور ناقص خون سے مادہ منویہ کا ناقص ہونا۔ یہ اسباب قوت شہوت اور شہوانی خاصیتوں کی کمزوری اور نقص کے ہیں لہذا انسانی شہوانی خاصیتوں سے بجائے خیر کے استعمال ہونے کے ان سے زیادہ تر شر کا عمل صادر ہوتا ہے۔ جیسے ان خاصیتوں پر قابو نہ ہونے کے سبب انہیں ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے بغصہ۔ کینہ۔ حسد۔ بغض۔ رنج۔ خوشی کے مضر اثرات سے انسان سے شریدا ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ان قوتوں کو پاکیزہ حالت میں اپنے ارادے کے ساتھ قابو میں رکھ کر انہیں خیر و فلاح کے لیے استعمال کیا جائے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ قوت۔ ناری جنس سے تعلق رکھتی ہے۔ ناری اعتبار سے اس قوت میں شر کا مادہ بھی قوی ہوتا ہے جس کا قابو میں رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ ان قوتوں کو قابو میں رکھنے اور صحیح طور پر خیر میں استعمال کرنے کا ایک واحد ذریعہ ”خوف“ ہو سکتا ہے۔

## شہوانی قوتوں کو خیر میں استعمال کرنے اور قابو میں

### رکھنے کے لیے خوف پیدا ہونا ضروری ہے

خوف سے مراد۔ ڈر کسی غالب قوت کا۔ اس خوف کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔ قرآن نے ”خوف“ کا تصور قوت کے لفظ سے دیا۔ یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے خوفزدہ

لَهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۰۳)

ہوتے کا احساس پیدا کرنا اعمال کے نتائج میں خیر سے فلاح و راحت پانا۔ اور اعمال کے نتائج میں شر سے عذاب و دردناک تکلیف حاصل ہونا۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اعمال کے نتائج میں شر پانے میں دل میں خوف پیدا کرے کہ بُرے اعمال کے نتیجہ میں اسے شدید عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہ عذاب دنیوی حالت میں جسمانی منزل بیماری اور مصائب و مشکلات میں پیش آتا ہے۔ اس کے سوا۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ دنیا پر یہ مصائب ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی جس کا موت کے بعد واقع ہونا اٹل اور یقینی ہے۔ اس زندگی میں انسان ہر حال میں اپنے اعمال کے نتائج میں خیر و شر سے دوچار ہوتا ہے اور یہ واقعہ انسانی مقصد زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسان آخرت کی زندگی میں شدید عذاب کا احساس کرے۔ یہ احساس ہی ہے جو انسان کو اعمال بد سے باز رکھ سکتا ہے۔ اور باز رکھنے کے لیے ایک عمل لازم ہے۔ وہ قرآن نے بتایا کہ الہی احکام کی پابندی ضروری ہے۔ الہی احکام بھی قرآن نے عباد کی صورت میں پیش کیے۔ لہذا یہ حقیقت ہے کہ انسان کے لیے الہی احکام پر پابند رہنا ضروری ہے۔ بغیر پابندی احکام الہی۔ انسان کی شہوانی قوتوں سے ہر حال شر کا صدور یقینی ہوگا۔ جو انسانی آبادی میں فساد و خونریزی۔ انتشار و اضطراب کا سبب ہوتا ہے۔ حقیقت ہے کہ انسانی کمزوری میں ان قوتوں سے شر لازمی ہے۔ انسان اخلاق و کردار میں ذلیل و رذیل ہو جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات نے انسانی اخلاق کو بنانے کے لیے بعض فروعی اختراعیں مرتب کی ہیں۔ جو نیم روحانی قرار دی جاتی ہیں۔ جن میں تصور و مراقبہ۔ ناری قوتوں سے رابطہ کر کے اپنی ناری قوت میں قوت پاکیزگی پیدا کرنا۔ جس نفس۔ سانس کی مشقیں کیسویں میں ناری تصور وغیرہ ان ترکیبوں سے اگرچہ انسان کی شہوانی قوت میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ لیکن اس روح کی ناری جنس ہونے کی حیثیت میں اس میں شر کا وجود یکسر ختم نہیں ہو سکتا بلکہ ناری جنس ہونے کے اعتبار سے اس میں شر کا احتمال قوی ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی قوی قوتوں سے کمزور قوتوں پر غلبہ پا کر انہیں ناجائز طور استعمال کر کے سبب فساد بن جاتا ہے۔ سوائے اس کے۔ کہ جب تک الہی قانون کی پابندی۔ اور خوف آخرت کا احساس



نہ کیا جائے۔ انسانی قوت شہوت میں قوی حالت میں شرف و فساد کا مادہ ختم نہیں ہو سکتا لہذا ضروری ہے کہ اس قوت کو قابو میں رکھنے اور اس سے خیر و فلاح اور بہتر تعمیر اخلاقی و جسمانی میں استعمال کرنے کے لیے احکام الہی (دین اور شریعت) کی اتباع نہایت ضروری ہے۔ شریعت میں احکام الہی یعنی قرآنی احکام و آیات میں بجائے ناری قوتوں کے ساتھ رابطہ کرنے کے۔ خاص طور پر نوری قوت سے رابطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآنی احکام میں نوری احکام ہیں۔ جنہیں قرآن نے ذَوُّ قُتُبِیْنَ کے تصور میں پیش کیا اس طرح قرآنی آیات کی تعمیل میں ناری قوت کا رابطہ مراقبہ۔ یکسوئی۔ تصور کے ذریعہ سے نوری قوت سے ہو جاتا ہے۔ نوری قوت کے رابطہ و وصال سے ناری قوت میں نوری خاصیت کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ نوری خاصیت میں شر کا مادہ قطعاً موجود نہیں بلکہ یہ نوری قوت شر کو خیر میں تبدیل کرتی ہے یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسانی قوت شہوت کی نوری خاصیت کی حامل ہو کر اسے خیر و فلاح میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ فردی ذریعوں سے اس کے شر کی خاصیتیں انسان کے لیے ہر حال میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں جب تم مادی جسم کی نشو و نما میں مادی حصول کی جستجو کرو تو اس کے ساتھ اپنی ناری قوت کو پاکیزہ بنانے کے لیے نوری ذریعہ کو بھی شدت کے ساتھ قائم رکھو۔ اور الہی احکام کی پیروی میں عبادت کو لازم رکھو اپنے ہر سانس میں تصور و مراقبہ میں یکسوئی میں اللہ اور ذکر رسول کو شامل رکھو۔ سب سے بہتر ذریعہ ولی اکمل کی صحبت و نسبت ہے۔ جیسا کہ ولی کا نوری قوتوں سے کامل رابطہ ہوتا ہے۔ اس نسبت سے ایک طالب علم کو حصول نور میں آسانی میسر آتی ہے۔ نیز ولی کی نسبت و بیعت میں۔ ولی بذات خود اپنے مرید کی اصلاح نوری توجہ سے کرتا ہے اور اسے غلبہ شیطانی سے محفوظ کرتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کے لیے ایک ولی اکمل سے نسبت رکھنا اس کے مقصد کی کامیابی میں اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ جملہ امور انسانی تخلیق سے متعلق ہیں۔ کہ انسان دنیا میں رہ کر ایک پاکیزہ زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔

## ”فرمودہ انسانیت کی تکمیل حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

حضورِ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے مقدم جانتے تھے فرماتے تھے کہ کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ مسلمان رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو اپنا دشمن جانے اور ان کے ساتھ کمال بغض رکھے محبت میں چالپوسی روا نہیں کیونکہ محب محبوب کی مخالفت برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی طریقے سے شریعت کے مخالفوں کے ساتھ صلح و صفائی کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو محبوب کی حب کا دعویٰ غلط اور باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ چند روزہ زندگی کو اہود و لعب میں ضائع نہ کر دبلکہ اس کو سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں خرچ کرو تو نجات کی امید ہے ورنہ تیرے سب اچھے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک صاحب تشریف لائے اور کہا کہ آج بخشی غلام محمد صاحب کے گھر مولویوں اور پیروں کا بہت بڑا اجتماع تھا وہ اسماء اصحاب بدر کا ختم پڑھ رہے تھے۔ دوران گفتگو اس صاحب نے کہا کہ آپ آج تک کبھی پرائم منسٹر کے پاس نہیں گئے۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھی اوروں کی طرح بدعتی کی تعظیم کروں۔ کان کھول کر سن لو جس کسی نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کے گرانے میں بدعتی کی حمایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيِّ لِقْنَاهُ فَقَدْ ذَهَبَ ثُلُثُ دِينِهِ

اگر کوئی شخص کسی مالدار کے سامنے اس کی دولت کی وجہ سے عجز و انکساری کا اظہار کرے اور اس کی عزت بھی اس بنا پر کرے تو اس شخص کا تہائی دین جاتا رہا اور وہ دین دُنیا میں ذیل و خوار ہوگا۔

نام نہاد صوفیاء کی ایک جماعت جو نماز نہیں پڑھتے اور احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔



اتَّخَذُوا أَخْيَارَهُمْ زُرَّهًا لَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۳۱)

یعنی ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مسند ترمذی میں حدیث مبارک درج ہے۔ انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیوں نہیں وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ لوگ ان کے کہنے پر چلتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔ پس سب جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور نام نہاد مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں شامل ہیں ایسے ہی بے سمجھ اور جاہل درویشوں اور عالموں نے فی زمانہ اپنے مریدوں کے لیے نماز سے کھلی چھٹی۔ گانا سننے کی کھلی اجازت اور روزہ داری سے کھلی بغاوت کا حکم دے دیا ہے ایسے ہی لوگ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ کا نعرہ حق سن کر بھی گانے کی محفل جمائے رکھتے ہیں اور پھر بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ان کے گانے کی یہ محفل بھی نماز ہی ہے۔ یہ تو صریحاً کفر ہے اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ یہ تو دین اسلام کے علاوہ کوئی نیا دین اختراع کیا گیا ہے جس میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہیں نہیں ہے ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۵)

فرمایا جو شخص اللہ کے دین کے سوا اور کوئی دین پیش کرے اس کا وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو۔ وہ مردود ہے۔ فرمایا ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ لوگ نماز کے بغیر قرب خدا کیسے حاصل کر سکتے ہیں جب کہ قرآن کریم نے صاف اور واضح الفاظ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ فرمایا نماز پڑھو اور قرب خدا حاصل کرو۔

فرمایا شریعت کے تین ارکان ہیں۔ کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ اور اجماع امت ان تینوں کو مضبوطی سے پکڑ لو گمراہ نہیں ہو گے۔

فرمایا! نادان لوگ ہی اپنی قوت کے بھروسے پر اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جاتے

ہیں۔ تواضع اور عجز اختیار کرو اور عاجزی سے دعا کیا کرو تاکہ حکمِ قضا سے محفوظ رہو۔  
 حتی الامکان سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ جانے نہ دو۔ اگر کچھ نہ میسر ہو تو  
 حلم و نرمی سے معافی مانگ کر اس کو واپس کر دو۔  
 بیماروں کی عیادت کرو۔ خدا تمہیں صحیح و سلامت رکھے گا۔

جنت میں جانے کے خواہشمند ہو تو اپنے ہمسائیوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔  
 راستے میں پڑی ہوئی مصرت رساں چیزیں ہٹایا کرو کیونکہ یہ ایمان کا ایک جُز ہے۔  
 بچوں میں اسلامی کردار پیدا کرنے کے لیے شفقت کے ساتھ سختی کرو۔ وعدہ کرنے  
 سے احتراز کرو۔ اگر کرو تو پابندی کے ساتھ ایفا کرو روزانہ نمازِ عشاء کے بعد اپنے دن  
 کے اعمال کا محاسبہ کیا کرو اور اپنی کوتاہیوں کے لیے استغفار کیا کرو۔  
 ہمیشہ با وضو رہا کرو۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسِكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبِكَ

کی تفسیر میں فرمایا کہ نفسِ انسان کا بدترین دشمن ہے۔ اس لیے اللہ نے اس کو سورۃ الناس  
 میں ختناس کا لقب دیا ہے اور ختناس کا تمام ظاہری اور باطنی بلیات سے زیادہ خطرناک  
 ہونا اس بات سے بخوبی واضح ہے کہ سورۃ فلق میں ایک دفعہ پروردگار کا نام لے کر  
 چار بڑی بلاؤں اور آفتوں سے پناہ مانگی ہے جن میں ہر ایک بجائے خود ایک بلائے عظیم  
 مانی گئی لیکن سورۃ الناس میں ایک عظیم الخطر بلا سے پناہ مانگتے سے پہلے خدائے قدوس  
 کو تین دفعہ پکارا گیا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ

پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پالنہار کی۔ لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی اور لوگوں  
 کے معبودِ برحق کی۔ یہ بلا اتنی عظیم ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسری بلا کے ذکر کا خیال  
 تک نہیں آتا۔

فرمایا۔ کہ اس ختناس کے بدترین دشمن ہونے کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے



ایک یہ ہے کہ نفس اچھے اعمال کو بُرے اور بُرے کو اچھے دکھاتا ہے۔

مَرَاتِنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ۔ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنا نفس انسان کو محبوب ہے اس لیے اس کی بدی گوارا ہے اور جو چیز گوارا ہو اس کا تدارک ناممکن ہے۔

(۱) انسان اس کی دشمنی کو دوستی سمجھتا ہے۔

(۲) نفس کی دشمنی آخرت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ آخرت کا ضرر دُنیا کے ضرر سے

زیادہ خطرناک ہے۔

نفس کے ساتھ صلح کرنا اس کی دشمنی کو بڑھادیتا ہے اور آدمی گناہ پر زیادہ مستعد ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے دُنیاوی دشمن صلح کے بعد خیر خواہ بھی بن سکتے ہیں۔ نفس کے بہکانے سے آدمی حصول دُنیا میں سرگرم ہو جاتا ہے جس سے آخرت کا عذاب فرید لیتا ہے۔

نفس تھوڑی سی عبادت کو زیادہ اور بہت سے گناہوں کو کم دکھاتا ہے۔

نفس کے اس مکر و فریب سے بچنے کے لیے پیر اکمل کی صحبت ضروری ہے جو

اس زہر کا تریاق جانتا ہے اور نفس کے سحر کا توڑ بتا سکتا ہے جس سے نفس کو مسخر اور

مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ایں طلسم سحر نفس اندر شکن

سوئے گنج پیر کامل نقب زن

## آدابِ انسانیت

حضور قبلہ عالمِ آدابِ انسانیت میں فرماتے ہیں۔ انسان ہونا۔ انسان کی فطری

تخلیق رپیدائش ہے۔ لیکن انسانی صفت کو اپنی زندگی میں اعلیٰ حالت قائم رکھنا بہت کٹھن

ہے۔ حضور انسان کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا اور آخری تصور ہے۔

انسان تخلیق کا ازلی۔ ابدی تصور ہے۔ کائنات میں تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ اس اعتبار

سے انسان کی فطری شخصیت عظیم ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط  
جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے زمین میں۔ تمہارے بعد۔ تم سے بہتر تیسع و عبادت کرنے والا۔ انسان بناؤں گا۔ ظاہر ہے خالص نوری وجود کے مقابلہ میں مادی سفلی وجود کی تسبیح و حمد کامل نہیں ہو سکتی۔ اسی اصول فطرت پر ملائکہ نے اس تفصیل کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَیَمْنُ  
نَسِیْحٌ بِحَمْدِکَ وَنُقْدَسُ لَکَ ط (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۳۰)

کہ یہ تیرے فطری قانون کا خاصہ ہے کہ تسبیح و حمد سوائے نوری خاصیت کے مادی پیدائش کا عمل نہیں ہو سکتا۔ ارضی خاصیت میں ناری اور خاکی عنصر شہوت غالب ہے ان قوتوں سے سوائے فساد و خونریزی تسبیح و حمد ممکن نہیں۔ اس پیدائش میں ایسی کوئی کیفیت نہیں جو اسے ہم سے افضل تسبیح کا حامل بنادے۔ تو اللہ نے کہا تمہارا تجزیہ درست ہے زمین میں نوری قوت موجود نہیں۔ مگر سفلی مخلوق کا نوری مخلوق سے افضل تسبیح کا حامل ہونا ہی میرے ارادے میں ہے کہ میں کس طرح سفلی مخلوق کو نوری صفت کا حامل بنادوں یہ ایک ایسی تخلیق ہے جس پر تمہارا ادراک احاطہ نہیں کر سکتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس راز کو ملائکہ پر واضح کر دیا۔

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ اَبَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا مَسَّوْیْتُمْ  
وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ فَسَجَدُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ۔ (پارہ ۲۳ سورہ ۳۸ آیت ۷۱-۷۲)

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے اب وقت آن پہنچا ہے کہ میں اس پیدائش کی ابتدا کروں۔ دیکھو!۔ میں ایک انسانی شکل و صورت کا خوبصورت مرقع۔ مٹی کے جوہر سے بنا رہا ہوں۔ یہی وجود ہے جس کی تم نے تعریف کی کہ یہ فساد و خونریزی کا مجسمہ ہے۔ بیشک۔ مگر میں اسے سنواروں گا۔ اس میں ایسی خاصیتیں۔ ارادہ۔ اختیار ہوگا اس میں



یہ قدرت ہوگی کہ یہ خود کو فساد و خوریزی سے پاک رکھ سکے۔ اور اب اس کی تسبیح و حمد کی صفت کی خصوصیت کا راز یہ ہے۔ کہ میں اس انسان ہیں۔ ایک اضافی قوت — جو زمین کی جڑ سے نہیں۔ بلکہ روحی“ میرا مخلوق کردہ ایک نور ہے۔ جو ملائکہ کے نور سے افضل ہے جو اس وجود میں ودیعت کیا جاتا ہے۔ — كَذٰلِكَ — هُوَ عَلٰیٰ هٰٓئِیْن — میں کسی فطری تخلیق کا خود پابند نہیں۔ جس طرح چاہوں بنا سکتا ہوں۔ اسی نور سے یہ بشر تم سے افضل تسبیح و حمد کا حامل ہوگا۔ اور پھر یہ میرا فعل — غیر فطری نہیں البتہ مافوق الفطرت مافوق الادراک ہے۔ اس کے لیے بھی میرے پاس فطری دلیل ہے اس انسان کی صفت خلیفہ کیا ہے؟ — دیکھو — اور سنو — وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا — اس نوری روح کی صفت کے اعتبار سے اس روح کی رسائی مجھ تک ہے لہذا — اس نور سے اس بشر کو کائنات کی تمام اشیاء ارض و سماوات کرسی و عرش سدرۃ المنتہی — اس سے اوپر عالم بالا — میری ذات تک — مشاہدہ و آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اس آگاہی کے مطابق میری ذات اور میری خالقیت کے اسرار کے مشاہدہ پر حیرت و وجدان اس پر طاری ہو کر جو تصور قائم ہوتا ہے وہی اس کی تسبیح و حمد ہے جو نوری حیثیت میں تمہیں حاصل ہے نہ میسر ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل میں ابھی پیش کرتا ہوں۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (پارہ ۱ سورہ ۲ - آیت ۳۳)

پھر میں نے آدم اور ملائکہ کا مقابلہ کرایا۔ اور ملائکہ سے کہا۔ اے ملائکہ اگر تم اپنے قول معترض میں سچے ہو کہ تم ہی تسبیح و حمد کے حامل ہو۔ تو پھر مجھے اپنی ہئیت و حیثیت کی تخلیق و ابتداء — عرش — سدرۃ المنتہی — عالم بالا۔ اور میری ذات کی خبر دو کہ کیا تم ان اسرار سے آگاہی حاصل کیے ہو؟ — ملائکہ نے کہا

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

پاک ہے تو غلط کہنے — غلط کرنے سے — ہمیں اتنا علم نہیں سوائے اپنی قوت کے

مطابق اپنے ماحول کے۔ اللہ نے کہا تو اب میں اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہوں۔ یٰٰدَہْرُ  
 اَنْبِئْهُمْ بِاسْمَائِهِمْ اے آدم تو انہیں ان کے اسرار اور جملہ اسرار الہی کی خبر  
 دے۔ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ پس آدم نے تمام اسرار الہی کی ملائکہ کو خبر  
 دی۔ اس مقام پر قرآن نے فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ کے بیان میں لفظ نَبَا استعمال کیا جس  
 میں نبی کا تصور واضح ہو جاتا ہے کہ خلیفہ سے مراد نبی کا پیدا کرنا ہے۔ اس بیان  
 سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارضی بشر کو پیدا کرنے میں کتنا عظیم منصوبہ بنایا  
 کہ اسے کائنات کی تمام مخلوقات سے سفلی حیثیت میں بھی افضل پیدا کیا۔ ظاہر ہے  
 اتنی عظیم تخلیق کے اعتبار سے انسان کے لیے اس کی فضیلت قائم رکھنے کے لیے۔  
 عظیم عبادت و تسبیح اور شدید محنت اس کے ذمہ قرار دی گئی جس کے لیے۔ آدم  
 — ابنِ آدم — انسان کے لیے ہر لمحہ تسبیح و عبادت اور تصور ذات الہی میں مشغول  
 رہنا اشد ضروری ہے۔ یہ ایک اہم اور عظیم مقام ہے جس کے لیے انسان پر ایک  
 اہم اور عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لیے انسان کو ہر لمحہ ہر سانس وقف  
 کر کے مستعد رہنا ہے۔ لہذا انسان کو اپنے مقام کا احساس رکھنا لازمی ہے۔ باخبر  
 شواہد مقام آدمی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ یہ تصور قطعی مبالغہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا پر  
 حکومت کرنے کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ کہ میری جگہ تو میرا قائم مقام ہو کر لوگوں پر  
 حکومت کرنا یا ان کے دنیاوی سامان کی فراہمی کی ذمہ داری لینا۔ ایسا ہرگز نہیں۔  
 وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کے مفہوم میں مادی کیفیتوں کے علم پر اکتفا کرنا انسانی عظمت  
 اور منصوبہ الہی کی نفی کے مترادف ہے۔ اسماء سے اصل مراد۔ مشاہدہ اسرار الہی ہے  
 — اسی خصوصیت سے انسان کا مقام ملائکہ سے افضل قرار دیا جاسکتا ہے۔ برعکس  
 اس کے ادنیٰ درجہ کی ارضی اشیاء کا علم وجہ فضیلت نہیں جب کہ ملائکہ بھی نوری حیثیت  
 میں ان اشیاء کا علم رکھتے ہیں۔ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام سے انسانی مقصد  
 تخلیق کا مظاہرہ کیا گیا۔ کہ زمین پر جو بھی انسانی شکل و صورت۔ انسانی مرکب میں پیدا ہوگی۔



إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ كَيْفَ تَعْلَمُ ۚ اس کا علم روح رحمانی سے ہوگا۔ لہذا زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے منصوبہ الہی کے تحت خلیفہ کی حیثیت میں پیدا ہونا۔ اسے مشاہدہ اسرار الہی۔ معرفت الہی اس کی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہونا۔ عین منصوبہ الہی کے تابع یقینی ہوگا۔ اس کے لیے انسان کو اپنی پیدائش کے بعد بلوغت پر یہ خصوصیت حاصل ہی نہیں کرنی۔ بلکہ اپنی پیدائشی خصوصیت کی حفاظت کرنی ہے کہ اس کی پیدائشی صفت علم و مشاہدہ تسبیح و حمد کے ذریعہ علیٰ حالہ قائم رہے لہذا حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نسل آدم علیہ السلام کے لیے بھی یہی ضابطہ فطری طور قائم رہے گا اور ہر انسان کے لیے تسبیح و حمد۔ علم و مشاہدہ اسرار الہی۔ معرفت الہی کا حاصل ہونا ہر عمل سے مقدم اور ضروری ہوگا۔ اس حال میں کہ ہر انسان یہ صفات روحانی پیدائش کے ساتھ حاصل کئے ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد۔ پیدائشی ترکیب بدل جاتی ہے کہ انسان بجائے زمین کے عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس پیدائش میں پیدائشی ترتیب یکساں ہے۔ اول یہ ہے کہ۔ یہ وجود بھی تین قوتوں۔ نور۔ مار۔ خاک سے مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ نسل۔ پیدائش میں کوئی نیا وجود پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ وجود بھی آدم ہی کا وجود ہوتا ہے۔ صرف پیدائشی ہئیت بدل جاتی ہے۔ اس حیثیت میں نسل وجود نہ کوئی نیا وجود ہے نہ کوئی خارجی وجود بلکہ آدم کے وجود کی ایک جز بشری شکل میں دوبارہ نمودار ہوتی ہے۔ یہ سوال کہ نسل انسانی کا دوسرا وجود کیا ہے؟ اس کی تفصیل قرآن نے واضح طور بیان کی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۖ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۖ يَخْرُجُ

مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۚ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۶ آیت ۶-۷)

پس دیکھئے انسان کو کس چیز سے بنایا؟ بنایا ہم نے (انسان کو) ایک اچھلتے پانی سے (یہی نسل کا بنیادی مرکب ہے) جو مرد کی صلب (پٹھ) سے اور ماں کی ترائب (چھاتیوں) سے نکلتا ہے۔ ان میں ایک مرد ہوتا ہے۔ ایک عورت مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ۔ الصُّلْبِ۔



وَالْكَرَّائِبِ — یہ تین کیفیتیں ہیں جس سے نسل کا وجود ترتیب دیا جاتا ہے۔ اچھلتا پانی — مادہ منویہ۔ شہوت سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ شہوت سے مراد۔ روح حیوانی — تو ظاہر ہوا کہ نسل کی بنیادی ترتیب میں باپ کی رُوح و رُوح حیوانی کی جُز ہی۔ رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ رُوح ایک ذرہ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ سائنسی تحقیق میں یہ کیفیت آچکی ہے کہ مرد کے وجود سے مادہ منویہ کی شکل میں اچھلتا پانی — عورت کے رحم میں منتقل ہوتا ہے۔ اس مادہ منویہ میں لاکھوں زندہ ذرات پائے جاتے ہیں جو خوردبین سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان ذرات (SPERMS) میں سے ایک ذرہ نسل انسانی کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ یہ ذرہ (SPERM) زندہ ذرہ ہوتا ہے — اس ذرہ کا ایک جسم — ایک رُوح لازمی ہے۔ یہی ذرہ جسم اور ذرہ کی حرکت کا سبب رُوح — نسل میں انتقال کر کے ایک مقررہ مدت کے بعد ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس ترتیب سے واضح ہے کہ نسلی وجود اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ کوئی خارجی وجود ہے۔ بلکہ باپ ہی کے وجود کا ایک جز — ایک ذرہ — پھر اسی بشری شکل میں ارتقا کر کے ظہور کرتا ہے اور آگے چل کر یہی نسلی وجود — بشر — باپ کی شکل میں اپنے ہی وجود کی جُز سے ایک نسلی بشر پیدا کرتا ہے — ہاں یہ ترتیب پیدائش کائنات کی فطری تخلیق کے عین مطابق عمل میں آتی ہے۔ اسی ترتیب پر کل کائنات کا وجود پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ۔

(پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۱۹)

پھر زمین پر آؤ دیکھو کہ کسی وجود کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوتی ہے — تخلیق کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے — کہ اللہ تعالیٰ سے سوائے ایک مخلوق کا وجود محسوس ہے۔ سو اس مخلوق کی ابتدائی ترکیب و ترتیب کیا ہے؟ — تو یہ امر مسلمہ ہے کہ اللہ کی ذات لامحدود ہے — اسی ذات میں — اس کی نوری جُز سے — اس کی مخلوق پیدا ہوئی — یہ ایک ابتدائی نور تھا — اسی نور ابتدائی کی جُز سے — اس کی نوری نسل پیدا ہوئی



اور اس دوسرے وجود سے پھر اس کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوئی اور یہ سلسلہ اسی طرح ترتیب کے ساتھ مسلسل چلتا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ آسمانوں کا وجود بھی اسی ترتیب کے ساتھ پیدا ہوا۔ اور آسمانِ دنیا (آسمانِ اول) کے اجزاء میں تمام سیارے پیدا ہوئے۔ زمین بھی سورج کی نسل سے بنی۔ اور زمین کی نسل سے ہر شے ارضی جو اس کے اجزاء سے پیدا ہوئی اور زمین کی مخصوص پیدائش (انسان) زمین کی جز یا نسل سے بنی۔ اور یہ سلسلہ انسانوں میں بھی اسی طرح جاری رہے گا کہ ہر مقام پر باپ کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوتی رہے گی۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً

اور ان عورت مردوں سے کثیر مرد اور عورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ اب واضح ہوتا ہے کہ اس ترتیب پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ قرآن نے انسان کی تخلیق میں واضح کر دیا۔ کہ انسان کے ذمہ صرف اپنے مقام فضیلت پر بہم صفات و خاصیت قائم رہنا۔ یعنی جو علم۔ اسرار الہی و معرفت الہی کا اسے دیا گیا۔ تسبیح و حمد سے اسے قائم رکھنا۔

دوسرے اپنی جسمانی قوتوں — نور — نار — خاک — کو پاکیزہ اور صحت مند حالت میں قائم رکھنا بس یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد عمل ہے۔ تیسری ایک اہم ذمہ داری ہے کہ نسل حیثیت میں انسان خود ”انسان ساز“ حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی نسل سے — کامل صحت مند انسان پیدا ہو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے کہ اس کی نسل سے ایک پاکیزہ انسان پیدا ہو۔ اس لیے کہ انسان کی روحانی جز ہی اس کی نسل کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اگر انسان (والدین) نے اپنی جسمانی روحانی پاکیزگی کو قائم رکھا تو اس کی جز میں پاکیزگی ہی ہوگی یہی جز پاکیزہ وجود کے ساتھ نسل کی شکل میں پیدا ہوگی اور اگر انسان نے اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کو قائم نہ رکھا — یہ جسم بھی صحت مند نہ رکھ سکا نہ روح کو پاکیزہ رکھ سکا تو اس کی جز بھی ناقص الوجود پیدا ہوگی لہذا اس کثیف و ناقص وجود سے جو عمل سرزد ہوا اس کی ذمہ داری خود انسان (ماں باپ) پر ہوگی — اور انسان اپنی نسل (ذرت) کی بے عملی — تنزل اور برے نتائج کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ یعنی اگر باپ کی جسمانی و روحانی

حیثیت پاکیزہ رہے تو اس کا مشاہدہ اسرارِ الہی و معرفتِ الہی قائم رہے گا۔ اور جُز کی حیثیت میں اس کی نسل کو پاکیزہ جسم و روح میسر ہو تو خود بخود اس کا علم و مشاہدہ و معرفت جاری رہے گا۔ ناقص حالت میں جب خود بھی انسان کا مشاہدہ و معرفت قائم نہ رہ سکا تو اس کی جُز بھی اس کیفیت سے متاثر ہوگی۔ تو اس سے بھی ناقص و جُود میسر ہوگا اور وہ بھی خود بخود علم و مشاہدہ سے محروم پیدا ہوگا۔ لیکن جہاں تک معرفتِ الہی کا تعلق ہے۔ یہ مشاہدہ رُوحِ رحمانی کو حاصل ہوتا ہے۔ رُوحِ رحمانی ایک سالم و پاکیزہ وجود ہے۔ اس لیے پیدائش کے ساتھ ہی اس رُوح کو ہر حال میں مشاہدہ اسرارِ الہی دیا جاتا ہے۔ جو پاکیزہ جسمانی و روحانی حالت میں برابر قائم رہ سکتا ہے۔ اور انسان کا عمر کی بلوغت کے ساتھ ساتھ مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ لیکن ناقص وجود میں پیدا ہونے کی صورت میں رُوحِ رحمانی کو مشاہدہ اسرارِ الہی و معرفت حاصل ہوتا ہے مگر جسمانی و روحانی درجہ حیوانی کی کمزوری کے باعث انسان عمر کی بلوغت کے ساتھ اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ ایک نبی — ایک ولی کی نسبت حاصل نہ کی جائے۔ اس کیفیت کے حصول میں ایک نبی — یا ولی کی نسبت و صحبت کے ذریعہ جسمانی و روحانی پاکیزگی حاصل کر کے مشاہدہ اسرارِ الہی اور معرفتِ الہی رُوحِ حیوانی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے لیے لازم ہے۔ جبکہ اس کی نسل و ذریت کے افعال و اعمال کی پاکیزگی کی ذمہ داری خود انسان پر ہو۔ تو اسے انسان سازی کی حیثیت میں انتہائی محتاط ہونا چاہیے۔ اس لیے انسان کو اپنے مقصد زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اپنی جسمانی و روحانی قوتوں کو ہر لمحہ پاکیزہ رکھنا چاہیے۔ اور جب اس کے لیے ”انسان سازی“ یعنی نسل کشی کا وقت آئے تو اس موقع پر انسان کو قدم قدم۔ سانس سانس پر محتاط رہنا چاہیے۔ کہ کہیں اس کے غلط اقدام کے نتیجہ میں اس کی نسل ناقص الوجود پیدا نہ ہو۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد مرد و عورت دونوں کے لیے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے محتاط رہنا ضروری ہے کہ کہیں ان کی کوئی ناشائستہ حرکت ان کی نسل کے لیے باعثِ تنزل اور شر کا سبب نہ بنے۔ ورنہ ان کی ذریت کے ہر برے عمل و اعمال کا وبال خود ان کی گردن پر ہوگا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا



قول ہے۔ ”اگر انسان بُرا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے بُرا ہے۔ اگر انسان اچھا ہے تو وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اچھا ہے۔ یعنی آنے والا (انسان) اپنی فطری اچھائیاں یا بُرائیاں اپنے والدین کے ورثہ سے لے کر آتا ہے۔“ اس بیان کی تصدیق ملتی ہے۔ کہ اولاد ماں باپ کی جُڑ ہونے کی حیثیت میں۔ ماں باپ کے اچھے بُرے اثرات ورثہ میں لے کر آتی ہے۔ دوسرے ماں کے پیٹ میں بھی بچہ ماں باپ کے عادات و خصائل و حرکات و سکنات کا اثر قبول کرتا ہے۔ گو بچہ ابھی جسمانی حالت میں مکمل نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بے ہوش بچہ اس حال میں بھی والدین کے عادات و خصائل اور حرکات کا اثر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ شادی کے بعد ماں باپ دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کی پیدائش کے لیے۔ اپنی جسمانی و روحانی پاکیزگی۔ تسبیح و حمد۔ مشاہدہ و معرفت کو ہر حال میں کھشن محنت کے ساتھ قائم رکھیں۔ تاکہ اس وجہ سے ایک پاکیزہ وجود پیدا ہو۔ نیز ماں کے پیٹ میں بچہ کے قیام کے دوران یہ احتیاط بھی لازم ہے۔ کہ میاں بیوی کے درمیان ”حیا“ کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اندرون خانہ غلط حرکات۔ جھوٹ بولنا۔ گالی دینا۔ ننگے بدن ہٹنا۔ امور خانگی میں بے احتیاطی۔ بے ضابطگی۔ غصہ۔ حسد۔ کینہ جیسی کمزور عادات کا ارتکاب یہاں تک کہ میاں بیوی کے پوشیدہ رازوں میں یا ان کے اظہار میں آپس میں آزادی سے ملنا۔ بوس و کنار کرنا۔ ایک جگہ ننگے ہو کر لیٹ جانا۔ ان سب امور میں احتیاط رکھنا لازمی ہے۔ ورنہ ان سب عادات و حرکات کا اثر ماں کے پیٹ میں پرورش کے دوران بچہ پر ضرور پڑتا ہے۔ بعض عادتیں ان کی جسمانی ہیئت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض عادتیں ان کے اخلاق پر انداز ہوتی ہیں۔ اس طرح بچہ پیدائش کے وقت یہ سب خصائل لے کر پیدا ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد بھی جب بچے کے عقل و شعور بچہ نہیں ہوتے۔ اس حال میں بھی بچہ والدین کی عادات جذب کرتا ہے۔ بے ہوشی کے عالم میں بچے کے حواس خمسہ اور حافظہ کام کرتے ہیں صرف قوتِ گویائی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ حافظہ کی ناپختگی ہے۔ کہ اس میں کیفیات جمع ہوتی ہیں مگر ان کیفیات کو عمل میں نہیں لاسکتا۔ اس کے باوجود بعض کیفیتیں اس کے حافظہ میں جمع رہتی ہیں جو سن بلوغ پر ابھر کر اس کے کردار کو متاثر کرتی ہیں۔



مثلاً گھر میں عام نیچے۔ یا ماں باپ ناشائستہ کلام۔ گالی گلوچ کے عادی ہوں۔ ایسی باتوں کو اپنے حافظہ میں جمع رکھتے ہیں اور جوں جوں بلوغت کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ جمع شدہ ناقص مواد خود بخود ان کی زبان پر آتے ہیں اور بلا کسی تحریک کے غلط کاری پر اتر آتے ہیں اس غلط اور ناگفتہ بہ کلمات سے ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھتے نہیں۔ کہ ان ناشائستہ حرکات کے وہ خود محرک ہیں اس کے برعکس اگر والدین عبادت کے حامل ہوں۔ نماز۔ روزہ۔ تلاوت قرآن مجید۔ تہجد۔ اچھے کلام اور اچھے کردار کے حامل ہوں تو ان کے نیچے شکم مادر سے یہی تاثر لے کر بلوغت میں اس اثر کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اسی احسن بنیاد پر نیچے سکول یا ماحول سے اثر قبول کرتے ہیں چہ جائیکہ کسی قدر بھی غلط ماحول میں بچہ ہو مگر نیک والدین کی اولاد اس ماحول سے بہت کم متاثر ہوتی ہے اور یہ اثر جزوی طور پر رہ سکتا ہے۔ اور ثانوی عادت ہو سکتا ہے بلکہ بنیادی خصلت برے افعال و کردار کو قبول کرنے میں مانع بن جاتی ہے۔ ان دو قسم کے افراد سے نیک و بد معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ عملی طور واضح ہے کہ انسان خود۔ اپنی نسل۔ اپنی ذریت۔ اپنے معاشرہ کی خرابی کا ذمہ دار ہے۔ لہذا انسان کے لیے اس حقیقت کو خصوصی طور ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس کی زندگی فکر و احتیاط سے خالی نہیں گزر سکتی۔ انسان بلوغت کو پہنچ کر جب اپنی فکر۔ اپنا ارادہ۔ اختیار کرنے کے قابل ہو جائے تو اس پر فکر۔ احتیاط لازم ہے۔ کہ وہ اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی بہر حال قائم رکھے۔ یہ اس لیے کہ سن بلوغت کے پختہ ہونے کے ساتھ اس کی حیثیت ”انسان ساز“ کی ہوتی ہے کہ بلوغت کے بعد اسے ایک بیوی کی ضرورت پڑتی ہے اس موقع کو غیر معمولی حیثیت دی جائے شادی کے ساتھ ہی انسان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ شادی کا اولین مقصد نسل پیدا کرنا ہے اس لیے ضروری ہے کہ انسان شادی سے پہلے پاکیزہ روح اور جسم حاصل کئے ہوئے ہو۔ ورنہ کسی بھی وقت اس سے نسل کا وجود ظاہر ہو جائے تو یہ نسل اس کے قبل از شادی کے وجود کی جڑ ہوگی اور پھر شادی کے بعد نیچے کی پرورش میں ماں باپ دونوں کے خصائل کے اثرات اولاد پر مکمل طور پر اثر انداز ہوں گے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ناچختہ شعور نیچے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی اس



ناپختہ زندگی میں توقع نہیں کی جاسکتی۔ بارہا ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ ناپختہ عمر حیوانی عمر ہوتی ہے جیسے حیوان ایسی حرکات کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے کہ زرمادہ پر سوار ہو جاتا ہے یہی حالت بچہ کی ہوتی ہے کہ غیر شعوری طور پر کھلے عام شہوت کے زیر اثر ایک نیچے میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور نتیجتاً کم سن طفل زرمادہ باہم مباشرت پر اتر آتے ہیں۔ یہ سراسر ماں باپ کی بے پردگی اور بے حیائی کا پھل ہے والدین کی بے حسی۔ بے حیائی میں جو نیچے نشوونما پاتے ہیں وہ سن بلوغت میں ان ناگفتہ بہ کیفیات کا زیادہ خطرناک۔ ناقابل برداشت کر توت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس حد تک کہ یہ مضر منشیات۔ زنا۔ فتنہ و فساد۔ بد اخلاقی غرض ہر ناقص کام میں الجھ جاتے ہیں جو نہ صرف ان کی اپنی ذات کے لیے مضر اثرات کے حامل ہوتے ہیں بلکہ یہ انسانی معاشرہ کے لیے زود اثر زہر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق ارضی کی ہر نوع کی تخلیق میں اس کی پیدائشی ترتیب میں — ایک نفس واحد کا تصور دیا — کہ ہر وجود کی ابتدا ایک نفس واحد (ایک جان یا ایک روح) سے ہوتی ہے — اور انسان کی پیدائش بھی ایک نفس واحد سے ہونا بیان کیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ اس میں بھی ایک ہی وجود کا تصور پایا جاتا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقُ بَشَرًا — میں بھی ایک ہی وجود کی تخلیق کا انتظام ظاہر ہوتا ہے — لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ایک اور وجود بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اِیَادُمْ اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ اس مقام پر حضرت آدم کے ساتھ ”حوا“ کی شکل میں ایک دوسرا وجود بھی ظاہر ہے — لیکن اس وجود کی پیدائشی ترتیب کا کوئی واضح بیان نہیں ہوا — سوائے اس کے کہ قرآن نے اس کے متعلق ایک ترکیبی بیان کا اجمالی تصور دیا۔

الَّذِیْ خَلَقْکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ  
مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً ج (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۱)

وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان (روح) سے اور بنایا اس کا جوڑا — اسی وجود سے اور اس جوڑے سے لاتعداد مرد اور عورت بنے۔ اس بیان میں مثل آدم دوسرے وجود کی جو بعینہ آدم کے وجود کے مماثل ہے تصور پایا جاتا ہے۔ یہ وجود بھی انسانی ہئیت میں

ہے۔ آدم کی پیدائشی ترتیب کے مانند اس دوسرے وجود کی ترتیب پیدائش کا ذکر نہیں۔  
 سوائے اس کے کہ اس وجود کا آدم کے وجود سے نکالا جانا ظاہر کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ  
 وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی ترکیب کیا ہے؟ اور جبکہ یہ جوڑا بھی انسانی ہئیت میں ظاہر  
 ہے تو کیا یہ وجود بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت میں شامل ہے؟ اگر  
 ہے تو پھر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں اس کی تخلیق ترکیب کا اظہار کیوں ہوا  
 جبکہ قرآن نے بشر اور انسان کی تفصیل کا واضح بیان پیش کیا۔ اگر بشری تخلیق میں اس کا ذکر  
 نہیں تو یہ پیدائش انسان اور خلیفہ میں شامل نہیں اگر ہے تو مثل آدم اس سے مظاہرہ علم  
 کیوں نہ ہوا۔ یعنی — یَا اٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِہُمْ میں ”حوا“ کو شامل نہیں کیا گیا؟  
 — یہ امر تحقیق طلب ہے انسان — اور خلیفہ کی حیثیت میں زوجہ کا کیا مقام ہے؟  
 اولاً زوجہ (حوا) کی پیدائشی ترکیب کا تجزیہ ضروری ہے۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا  
 کی کیا ترکیب ہے؟ یہ ترکیب خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کی ابتدائی ترکیب کی  
 تخلیق سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

کائنات خلقت کی تحقیق میں ہر وجود کی ابتداء بھی نفس واحد سے ہوتی ہے۔ یہ امر  
 سائنسی تحقیق سے واضح ہے کہ سادہ ترین اور ناقابل تقسیم مادی ذرہ جس کو ATOM یا  
 جوہر کہتے ہیں۔ چند برقی ذروں سے بنایا گیا ہے جن کو ماہرین اور محققین نے الیکٹران  
 (ELECTRON) پروٹان (PROTON) اور نیوٹران (NEUTRON) وغیرہ کے  
 نام دیے ہیں کائنات میں جتنے عناصر پیدا کیے گئے ہیں ان کے ایٹم ان ہی ذرات کی  
 مختلف تعداد مختلف عناصر کو بناتے ہیں۔ یہی ترکیب حیوانات میں پائی جاتی ہے کہ  
 حیوان کی ابتداء بھی ایک خلیہ (CELL) سے ہوتی ہے۔ یہی خلیہ (CELL) اپنی ابتدائی  
 ارتقاء میں دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر دو وجود ساتھ ساتھ ارتقاء کر کے دو وجودوں  
 میں ز مادہ کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ ہاں امر محقق ہے کہ ایک ذرہ کی تقسیم میں دوسرا  
 وجود مادہ کی ہئیت میں بنتا ہے۔ یہ قدرت کی تخلیق کے تابع کسی وجود کے پیدا ہونے کی دلیل  
 ہے کہ دوسرا حصہ ہر حال مادہ ہی بنتا ہے۔ اسے ”زوج“ کہا گیا اس کی نفس واحد کے مقابلہ



میں ثانوی حیثیت ہے اسی نرمادہ سے آئندہ نسل حیوانی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں **الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ** کی ترکیب میں انسانی وجود کی تخلیق بھی اسی ترتیب سے ہونا مقرر ہے۔ اور یہ نظام تخلیق میں خالق کائنات کی طرف سے پیدائشی ترکیب کا خصوصی نظام مقرر ہے کہ ہر وجود کی تخلیق کی ابتداء ایک نفس واحد یا ذرہ سے ہونا مقرر ہے۔ انسان کی بنیادی تخلیق بھی اسی انداز سے ہوتی ہے۔ کہ **صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ** ایک ناری ذرہ انسانی وجود کے لیے منتخب ہوا۔ اور اسی ترتیب پیدائش کے ساتھ جب اسی ذرہ ناری نے **حَمًا مَّشْنُونًا** میں خاکی وجود کی طرف انتقال کرنا شروع کیا تو اس انتقال میں ارتقاء کے ساتھ ہی ابتدائی مرحلہ میں یہ ذرہ دو حصوں میں تقسیم ہوا اور دونوں حصے نرمادہ کی شکل میں اپنے ارتقائی۔ انتقال۔ مرحلوں میں بڑھنے لگے۔ ایک ذرہ سے انسانی ہئیت تک پہنچنے میں۔ ہئیت کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کیں یعنی حیوانی ہئیت میں مختلف جسامتوں میں محسوس ہوئے۔ یہاں تک کہ حیوانی ہئیت میں انسانی قد و قامت تک پہنچے۔ بالا فردوں وجود انسانی شکل و صورت میں نمودار ہو گئے۔ ان ہی دو صورتوں میں ایک ”آدم“ تھے دوسرے ”حوا“ اس مقام پر پہنچ کر ایک تصور قائم ہوتا ہے۔ **كَرِائِيٍّ جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** کے اعلان پر دونوں وجود موجود ہیں۔ مگر اظہار خلافت میں ابتداء میں صرف **وَعَلَّمَ آدَمَ** ہی کی طرف اشارہ ہے ”حوا“ کی طرف نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں وجود انسانی حیثیت و ہئیت اختیار کیے ہیں لیکن صفت کے اعتبار سے دونوں خلیفہ کی حیثیت میں شمار ہیں البتہ مضروبہ الہی۔ مرضی الہی کے تحت اولاً آدم ہی کو علم دیا گیا۔ جب کہ قرآن نے حوا کو علم دینے کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے آدم ہی سے اظہار خلافت ہوا۔ اب یہ امر آدم پر موقوف ہوا کہ وہ حوا کو بھی اس علم سے آگاہ کرے تاکہ وہ بھی **إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** کی صفت سے متصف ہو کیونکہ یہ امر لازمی ہے کہ وجودی اعتبار سے آدم و ”حوا“ کا وجود ایک ہی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ پیدائشی ترتیب علیحدہ ہے لیکن حوا میں بھی بحیثیت انسان۔ جسم خاکی۔ روح ناری موجود ہے اور انسان ہونے کی حیثیت میں اس میں بھی روح حاکم



کا نفع ہونا لازمی ہے۔ اس کا ذکر قرآن نے اس لیے نہیں کیا۔ اول یہ کہ شروع سے قرآن نے آدم کی تخلیقی ترکیب کے مقابلہ میں۔ حوا کی تخلیقی ترکیب کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ اس تخلیقی ترکیب میں ایک فرق تھا۔ کہ حوا ”نفس واحدہ نہیں۔ یعنی حوا“ نفس واحدہ کی صفت میں شمار نہیں بلکہ نفس واحدہ کی جر سے اس کا ہونا مقرر تھا۔ اس لیے اسکی حیثیت ثانوی ہے۔ البتہ آدم کی ناری روح مستقل وجود ہے۔ حوا۔ اس مستقل وجود کی جر ہے مگر حیثاً مَسْنُون میں دونوں رو میں ایک جیسا مادہ حاصل کر کے انسانی بشری شکل و صورت اختیار کر جاتی ہیں اور انسان کے مقام پر پہنچ کر حوا کی ناری روح مثل آدم ایک مستقل وجود و ہئیت اختیار کر جاتی ہے۔ اس مقام پر دونوں روحیں ایک جیسی ہئیت میں قائم ہوتی ہیں۔ اور جب حوا بھی بشری ہئیت اختیار کرتی ہے تو اس کے لیے بھی بحیثیت انسان روح رحمانی کا نفع ہونا لازمی ہے۔ اس کا بیان اس لیے نہیں ہوتا کہ اول اس کی تخلیقی ترتیب واضح ہے جس کے ذکر کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور انسانی ہئیت پر روح رحمانی کا نفع لازم ہو گیا۔ جو مشاہدہ میں خود بخود واضح ہو گیا تو اس کے بیان کی بھی ضرورت نہ رہی البتہ اس مقام پر بنیادی حیثیت میں آدم کو حوا پر تفوق (فضیلت) حاصل ہے۔ کہ وہ کل کی حیثیت رکھتا ہے اور ”حوا“ جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اظہارِ خلافت صرف آدم سے ہی ہونا لازم آتا ہے۔ قدرت کی طرف سے یہ ترتیب مقرر ہے کہ آدم کو براہِ راست علم دیا جائے اور اسی سے خلافت کا مظاہرہ کیا جائے۔ آدم کو معلم کی حیثیت دی گئی۔ اور حوا کو متعلم کی حیثیت ملتی ہے اور جب حوا کو بھی آدم سے علم عطا ہوا تو یہ بھی علم کے اعتبار سے خلیفہ قرار دی جاتی ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ حوا کو بحیثیت زوجہ۔ مادہ عورت کی حیثیت سے کیوں پیدا کیا گیا؟۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات خلقت کی تخلیق میں یہ ایک فطری خاصیت پائی جاتی ہے کہ ایک وجود سے دوسرا وجود بنتا چلا آیا ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک وجود منتشر ہو کر مختلف وجودوں میں تقسیم ہو۔ جیسا کہ اس امر کی ابتدائی پیدائش سے نشانہ ہی ہوتی ہے کہ کائنات خلقت اللہ کے نور سے بنی۔ اس ترکیب میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا نور



منتشر ہو کر کائنات کی مختلف شکلوں — ہتیتوں — کیفیتوں میں تقسیم ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود اور وسیع ہے۔ اس کا مختلف ہتیتوں میں تقسیم ہونا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اس نور کے ایک جز سے ایک وجود پیدا ہو — ایک ہی وجود — اور پھر اسی فطری تخلیق کے تابع دوسرا وجود بھی مختلف ہتیتوں میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ اس وجود کے جز سے دوسرا وجود پیدا ہو — اس حال میں اس کا اپنا وجود بھی باقی رہے۔ یہی ترتیب کائنات خلقت کی تخلیق میں کار فرما ہے کہ ہر مقام پر ایک نور علت ر سبب یا CAUSE کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ایک معلول — مسبب یا EFFECT پیدا ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی نوری ہتیت کی کیفیت ہے کہ ایک علت نور سے معلول نور ہی پیدا ہو — اور جب نور — آخری حد پر ایک نور ”علت“ میں دوسرا نور پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس نور سے ناری ہتیتیں پیدا ہوتی ہیں اس کی مثال آسمان سے ملتی ہے کہ آسمان اول نور کی آخری حد ہے اس نور میں سے دوسرا نور پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ لہذا اس نور کی ایک جز ناری ہتیت میں پیدا ہو گئی — یہ آسمان اول کا حقیقی مقام ہے جہاں اس میں قوی ناری قوتیں جز کی صورت میں پیدا ہوں گی۔ اب دوسرے مقام پر ان ہی ناری وجودوں سے جز کی صورت میں ناری وجود پیدا ہوں گے ان ہی ناری و منقسم وجودوں میں سولج کا ناری کہہ بھی ہے جس کی ایک جز زمین ہے اور زمین سے جب دوسرے وجود کی گنجائش تھی تو اس سے چاند اور چند ستارے پیدا ہو گئے اور جب اس کی ناری قوت تنزل پذیر ہوئی تو اس کے اجزاء سے — گیس — ہوا — پانی پیدا ہوئے اور اسی زمین سے انسانی وجود پیدا ہوا۔ اب لازم ہے فطری ترتیب کے مطابق آئندہ وجود کی پیدائش جاری رکھنے کے لیے انسان کے وجود سے بھی اجزاء جدا ہوں گے۔ مگر انسان کی نشوونما کے لیے حَمِیَّ مَسْنُونِ — زمین کی جوہری قوت کا ہونا ضروری ہے — لیکن زمین پر تخلیقی ترتیب میں حَمِیَّ مَسْنُونِ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ لہذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انسانی جز سے ایک جز نکال کر اسے مادہ عورت کی شکل دی گئی — اور عورت کے جسم میں جم بنا جس میں عورت زمین سے غذا حاصل کر کے اس غذا کے جوہری مادہ کو حَمِیَّ مَسْنُونِ

کے متبادل رحم میں جمع کرتی ہے۔ اس رحم میں مرد کے ناری ذرہ (نطفہ) کو مثل حَمَیَا  
مَسْنُونِ غذا میسر ہو کر انسانی حیثیت تشکیل پاتی ہے۔ لہذا یہ امر واضح ہے کہ بغیر عورت  
— بغیر رحم — بغیر خون حیض — انسان کا تشکیل پانا کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں — یہ ممکن  
نہیں کہ مثل آدم ہر انسان زمین کے ذرہ کی حیثیت میں زمین کے حَمَیَا مَسْنُونِ میں نشوونما  
پاکر وجود حاصل کرے۔ جب کہ زمین سے آئندہ حَمَیَا مَسْنُونِ کا مرکب پانا ممکن نہیں  
اور جب قدرت کی تخلیق کا فطری نظام ہے تو انسانی تخلیق کے لیے عورت کا ہونا ضروری  
ہوگا۔ تاکہ آئندہ انسانی مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہو۔ اس امر سے واضح ہے  
کہ عورت اگرچہ صفات کے لحاظ سے انسان تصور کی جاتی ہے لیکن مرد کے مقابلہ میں اس  
کی حیثیت ثانوی ہے۔ یہ مرد کی جز سے ہے اس لیے مرد کے مقابلہ میں عورت مرد کے ہم پلہ  
(برابر) نہیں ہو سکتی — دوسرے مرد ”مذکر“ ہے اور عورت ”مونث“۔ مرد سبب ہے — اور  
عورت مسبب — مسبب کے مقابلہ میں جبر کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل  
نہیں — پھر مرد معلم ہے — عورت متعلمہ (شاگرد) ایسی صورت میں مرد قائم ہے —  
عورت مقتدی — مرد سے مرد وجود پاتا ہے — عورت سے عورت — اس حالت  
میں بھی عورت کا مقام مرد سے پست ہے اس کیفیت کی طرف قرآن نے اشارہ دیا۔  
الزَّجَالُ قَوْمٌ عَلَى النِّسَاءِ مرد کو عورت پر فوق (برتری) حاصل ہے۔ عورت مرد  
کی مقتدی (مقلد) ہے۔ عورت پر مرد کی اقتدار و اطاعت واجب ہے — یہ تو انسانی  
تخلیق میں مرد و عورت کی تخصیص ہے — اب زمین پر عورت کا مرد سے کیا نسبت و تعلق  
قائم ہوتا ہے؟ اولاً مرد عورت کے تعلق میں دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں — ایک مرد سے  
علم حاصل کرنا دوسرے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِيرًا نسل انسانی کے تسلسل کے لیے مرد  
کی صحبت میں آنا سوائے اس کے دوسری کیفیت ابتدائی دور میں سامنے نہیں آتی —  
ابتدائی دور کا تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ آدم و حوا کے لیے خلیفہ کی حیثیت میں ایک ہی  
عمل مقرر تھا کہ حصول علم کے ساتھ مشاہدہ اسرار الہی تصور و معرفت ذات الہی کو ہر لمحہ  
قائم رکھیں ان کے لیے حصول سامان زندگی کی کوئی ایسی مہم نہ تھی جس کے لیے انہیں جستجو



کرنا تھی سوائے اس کے کہ ان کی پیدائش سے قبل ان کی غذا کے لیے پھل موجود تھے۔  
 صرف تصور میں اتنا وقفہ پیدا ہوتا کہ بھوک پر غذا حاصل کر کے کھلیتے۔ پس —  
 اور پھر مشاہدات میں منہمک ہو جاتے کیونکہ انسان کی زندگی کا واحد مقصد و نصب العین  
 اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶)  
 اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصد زندگی کو واضح کر دیا کہ نہیں بنایا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف  
 عبادت و تسبیح و حمد اور معرفت کے لیے۔ اس تصور میں مرد اور عورت کی حیثیت منفرد  
 ہے۔ الگ الگ تھی۔ مرد اور عورت میں رشتہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ سوائے اس کے  
 عورت مرد سے حصول علم میں رجوع کرے۔ یہ زمانہ ہے جب انسان یکسریا کیزہ نفس تھا۔  
 اس کا عمل صرف مشاہدات و معرفت الہی کے لیے وقف تھا اور اسے استغراق سے  
 فراغت میسر نہ تھی۔ یہ انسان کی فطری تخلیق کا خاصا ہے کہ مشاہدہ اسرار الہی۔ معرفت الہی  
 میں استغراق کی صورت میں انسان کے قلب میں ماسوا کی نہ خواہش ابھرتی ہے نہ اسے ماسوی  
 کی طرف رجوع کرنے کی طلب رہتی ہے۔ انسان دیدار الہی کی لذت میں کسی شے کی نہ خواہش  
 رکھتا ہے نہ ذہن کو کسی ماسوی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہی کیفیت آدم و حوا کی تھی کہ  
 پاکیزہ وجود میں ان پر شہوت کا غلبہ نہ تھا نہ اس کا احساس تھا۔ دونوں وجود منفرد  
 حیثیت میں اپنے اپنے عمل پر مشغول تھے۔ اگرچہ ہزاروں سال دونوں ایک جنس ہونے  
 کی حیثیت میں ایک دوسرے کے قریب ارتقاء کرتے رہے۔ اس کے باوجود ان میں  
 زندگی یکجا بسر کرنے میں اجتماعیت کا تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔ نہ انہیں ایک دوسرے  
 کی خدمت و معاونت کا جذبہ محسوس ہوتا تھا۔ نہ اس کی ضرورت تھی البتہ اس استغراق  
 و انہماک میں بھی انہیں جسمانی بقا و تحفظ کی ضرورت تھی کہ وہ جسم کی بقا کے لیے مادی حصول  
 کی خاطر ایک وقت ذہن کو معرفت و استغراق سے فارغ رکھیں۔ لیکن آداب انسانیت  
 کے تابع انہیں پاکیزہ و خالص غذا استعمال کرنے کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ یہ کیفیت  
 مشاہدہ میں آتی ہے کہ انسان بن شیر خوارگی سے سن بلوغت تک۔ بلوغت سے قبل

تسات سے تیرہ سال کی عمر تک غذا استعمال کرتا ہے۔ اس کا جسم بچہ ہوتا ہے تاہم اس عمر میں اگرچہ اس پر شہوانی اثرات کا غلبہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن انسان پر اپنے شہوانی جذبات کو استعمال کرنے کا اثر غالب نہیں ہوتا (یہ ایک پاکیزہ جسم کی مثال ہے) نہ اس وقت جسمانی حالات میں نسل کشی کے قابل ہوتا ہے۔ اس لیے فطری اصول کے تابع سن بلوغت میں سولہ سترہ سال کی عمر نکاح کے لیے مقرر ہے۔ اس سے قبل انسان کو نسل کشی میں کامل نہیں تصور کیا جاتا۔ آدم و حوا کو اگرچہ ایک کامل انسان کی ہئیت میں تصور میں لایا جاتا ہے لیکن معرفت الہی میں استغراق یا آدم و حوا کی آپس کی قربت میں شہوانی جذبات کے غلبہ میں آپس میں اختلاط نہ کرنے کا موقع نہ آنا الہی اصول کے تابع تھا۔ کہ جب تک ان سے باہمی اختلاط۔ یا نسل کشی کا عمل صادر ہونا ظاہر نہیں۔ ایسی حالت ہے۔ جیسے لڑکا لڑکی تیرہ سال کی عمر تک باہم قریب رہ کر بھی نہ انہیں شہوانی غلبہ کے جذبہ کا اثر ہوتا ہے اور نہ انہیں باہم اختلاط (مباشرت) کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ رشتہ ازدواج کا تصور پایا جاتا ہے۔ نہ نکاح کی صورت پیش آتی ہے۔ یہی دور۔ یہی کیفیت اس وقت تھی جب ابتدائی دور میں آدم و حوا باہم قریب ہو کر بھی غلبہ شہوت کا احساس نہ رکھتے تھے۔ نہ ہی نسل کشی کے لیے ان کے جسم کا ملیت کے درجے پر پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو حکم دیا

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا  
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ

۱۔ اس مقام پر ذَوْجُكَ میں بیوی کا تصور نہیں البتہ خَلَقَ مِنْهَا ذَوْجَهَا اس دو وجودوں کا تصور پایا جاتا ہے۔

۲۔ مفسرین نے شجر کے معنی میں گندم کے پودے کا مفہوم لیا ہے۔ حالانکہ گندم کا پودا شجر کی صفت میں نہیں آتا۔ عام عقول کے مطابق درخت کی صفت میں۔ تنا۔ شاخیں۔ پتے اور پھل آتے ہیں۔ لہذا قرآن و حدیث سے شجر کی تعریف ثابت نہیں۔ سوائے اصطلاح قریش۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۵)

اے آدم تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں سکونت رکھو اور اپنے جسم کی بقا کیلئے پاکیزہ غذا استعمال کرو۔ مگر ایک درخت (نشان کردہ) کے قریب نہ جانا (یعنی اس درخت کا پھل نہ کھانا) اگر تم نے اس درخت کا پھل کھایا۔ تو غلط کاروں میں سے ہو جاؤ گے اور تم پر اندھیرا چھا جائے گا۔ غلط کاروں سے مراد کسی شے کا حکم الہی کے خلاف غلط طریقہ سے استعمال کرنا اور ظلمت سے مراد مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی سے محروم ہونا۔ لازم تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو وکلاً مِنْهَا رَعَدَ اَحْيَتْ شَيْئاً۔ جی بھر کر کھانے کی تحریک و احساس دیا تو آدم و حوا نے ضرورت کے وقت حصول غذا میں توجہ دینا شروع کی جس کا فطری اثر تھا جو آدم و حوا پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ اس فطری اثر نے آدم و حوا کے ذہن میں معرفت الہی پر استغراق میں ایک اضافی تصور پیدا کیا۔ فطری اثر کے تابع آدم و حوا کا ذہن دو تصورات میں بٹ گیا۔ اور حصول غذا کے تصور نے بھی ذہن میں جگہ پائی۔ لازم تھا کہ ان میں حصول غذا میں جستجو بڑھ جاتی۔ جستجو نے لذت پیدا کی لذت نے جستجو کو مزید تقویت دی۔ اس طرح آدم و حوا میں لذت نفس کے لیے جستجو کا مادہ بڑھتا گیا۔ یہ عمل انہماک و استغراق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۸)

عربی میں درخت کی تعریف لی جائے۔ کہ قریش کے نزدیک درخت کی تعریف کیا ہے؟ اسی تعریف پر درخت کی صفت میں مضبوط تنا۔ شاخیں۔ پتے اور پھل کا تصور محقق ہو سکتا ہے جس کے پھل میں کثافت اور بھرپور شہوت کا مادہ پایا جاتا ہے۔

الظَّالِمِينَ کے لغوی معنی ایک شے کو غلط طریقہ پر استعمال کرنا یا خلاف قانونِ فطرت عمل کرنا۔ اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵) اللہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے انہیں اندھیروں میں سے روشنی (نور) کی طرف۔ یہاں اندھیرا۔ قلب و شعور کا اندھیرا مراد ہو سکتا ہے اور نور۔ ہدایت اور حق کا تسلیم اور مشاہدہ نوری مراد ہو سکتا ہے۔

میں — ”وقفہ“ اور خلل کا باعث بنا۔ اسی وقفہ سے شیطان نے فائدہ اٹھایا۔ شیطان قوی ناری وجود تھا۔ اور آدم و حوا میں بھی یہی ناری قوت (روح حیوانی) موجود تھی۔ شیطان نے موقع پا کر ناری توجہ دینا شروع کی۔ شیطان اس عمل میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے توجہ سے آدم و حوا کے ذہن میں دوسرے پیدا کیا اسی ”دوسرے“ نے یہ کیفیت طاری کر دی کہ شاید اس پھل کے کھانے میں کچھ مصلحت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حصول لذت کی جستجو میں جب انسان رابطہ نوری سے غافل ہو تو شیطان دوسرے ڈالنے میں موقع پا جاتا ہے اور اس دوسرے سے ذہن متاثر ہو جاتا ہے۔ ہاں طویل مدت ایک حالت میں سکونت کرنے میں انسان بھول گیا۔ اس میں احتیاط نہ رہی۔ درخت کا پھل بے خبری میں کھا مارا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ کثیف غذا کھانے سے خود بخود استغراق و اہمک کی کیفیت میں استحکام نہ رہ سکا۔ مشکل پیش آئی دائمی مشاہدہ میں فرق آیا رفتہ رفتہ مشاہدہ میں خلل پیدا ہوا یہاں تک کہ آدم علیہ السلام اور حوا کا مشاہدہ یکسر بند ہو گیا ان پر قبض طاری ہو گئی یہ ایک سانحہ عظیم تھا۔ جس سے آدم علیہ السلام پر اضطراب و پریشانی طاری ہو گئی اور اضطرابی حالت میں اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر چکا ہے۔ اس ندامت پر آدم اللہ کے آگے گڑ گڑایا۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا كَذِبًا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (پارہ ۸ سورۃ، آیت ۲۳) اے اللہ ہم نے خود اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈال دیا۔ ہم معرفت و قرب سے دور ہو گئے۔ اگر تو ہماری خطا معاف نہ کر دے تو ہم شدید نقصان میں پڑ جائیں گے۔ اس واقعہ نے آدم اور حوا کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔ کہ ایک تو ان کی بلوغت کا وقت آچکا تھا۔ دوسری کثیف غذا کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت طاری ہو چکا تھا۔ آدم کی دعا قبول ہوئی۔ فَتَابَ عَلَيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے آدم پر توجہ ڈالی تو اس کا مشاہدہ پھر سے جاری ہوا۔ ضرورت تھی کہ آدم و حوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی بے محنت غذا سے اپنی جسمانی بقا کو قائم رکھتے ہوئے معرفت الہی میں مشغول رہتے مگر بے محنت حصول میں انسان میں آرام طلبی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں سعی اور جدوجہد کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت آدم کی تھی۔ بے محنت حصول



میں آرام طلبی نے اس میں جدوجہد کا مادہ قائم نہ رہنے دیا۔ سعی اور جدوجہد کا مادہ نہ ہو تو انسان اپنی بقا و تحفظ سے — لا تعلق اور غافل ہو جاتا ہے — ایسے موقع پر بے خبری میں شرکی قوتوں کو اثر انداز ہونے کا موقع مل جاتا ہے — اللہ تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا اِهْبِطُوا فِي الْأَرْضِ۔ اب تم باغ سے باہر نکلو اور زمین کی وسعتوں میں اُترو — اور حصول رزق میں سعی بھی کرو — تاکہ تم میں جدوجہد کا جذبہ قائم رہے — اور یہ امر انسانی پیدائش کے منصوبہ میں شامل تھا۔ کہ انسان نے زمین کی وسعتوں میں پھیلنا تھا۔ جنت میں قیام صرف آدم و حوا کے لیے مخصوص تھا — حادثاتی طور پر آدم پر آزمائش آئی۔ یہ آزمائش آدم کے لیے تھی کہ معرفت الہی میں کہاں تک استقامت رکھ سکتا ہے کیونکہ تخلیق انسانی کے مظاہرہ علم و معرفت میں آدم کو ہی مخصوص کیا گیا تھا — آدم و حوا باغ سے نکلے۔ اب وقت تھا کہ فطری قانون کے مطابق آدم و حوا سے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا کا سلسلہ نسل کشی شروع ہو — اور اب آدم و حوا نے ”شوہر“ ”بیوی“ کی حیثیت اختیار کی — اسی حیثیت میں ایک دوسرے سے قریبی رابطہ قائم ہو گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ آدم نے معلم کی حیثیت میں حوا کو طریق مشاہدہ میں تربیت دی اور اس کے ساتھ ہی حوا کی ضرورت غذا کو پورا کیا۔ یہی کیفیت الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ مرد عورت پر حصول علم۔ تربیت۔ اصلاح نفس میں معلم کی حیثیت رکھتا ہے — اس حال میں عورت کا مرد کے تابع رہنا اور اس کی اتباع میں اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا جس میں عورت کے لیے اپنے ارادہ عمل کو مرد کی ہدایت کے تابع کرنا لازم ہے — اور پھر حصول سامان زندگی میں بھی جب کہ اس کا ارادہ اختیار مرد کی ہدایت کے تابع ہو۔ مرد کی محتاجی میں آنا لازم ہے۔ یہی ایک حصول و ضابطہ عقد سے تعبیر دیا گیا جس کے معنی عقداً گرہ لگانا (دونوں کا تعلق مستحکم ہونا) اللہ تعالیٰ نے چونکہ آئندہ نسل کشی کا ایک نظام مقرر کیا کہ مرد عورت باہم تعلق کریں۔ اس لیے عقد کی شرائط کے تحت مرد عورت کا باہم مل کر تعلق قائم کرنا لازم ٹھہرا — یہ قدرت کا اہم فریضہ مقرر ہے۔ اس فریضہ میں انسان کے ذمہ اہم کام سپرد ہوتا ہے۔ اول عبادات و تزکیہ سے اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھنا۔ دوم عورت کی تربیت اصلاح نفس — اور

عورت کو علم دینا — عورت کی ضرورت (سامان زندگی) پورا کرنا — اور باہم اختلاط سے اولاد پیدا کرنا — اس امر سے واضح ہے کہ انسان ہی انسان پیدا کرتا ہے — لہذا ضروری ہے کہ نظام الہی کے تحت انسان ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنے کا خود ذمہ دار ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے ساتھ اولاد کی پیدائش میں ایک خصوصی مقصد کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عورت مرد کے اختلاط میں اولین نظریہ ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنا ہے۔ ایسی صورت میں عورت مرد کے باہم تعلق میں سوائے نسل کشی کے اور کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ ظاہر ہوا کہ زمین پر عورت کا مقام مرد کی اطاعت میں ایک طرف حقیقی مقصد معرفت الہی حاصل کرنا اور آئندہ انسان پیدا کرنے میں مرد سے وابستہ رہنا تھا — اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا — انسان نے حصول دنیا میں لذت نفس کے زیر اثر حصول کی جستجو کی اور زمین پر سکونت میں اپنی آسانی اور آسائش کے لیے مختلف طریق اختیار کیے۔ تو اس سے زائد حصول میں دوسرے انسان کی معاونت کی ضرورت محسوس ہوئی — اس سے قبل پیدائشی حیثیت میں انسان منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا عمل منفرد تھا مگر حصول زائد نے اسے دوسروں کی معاونت کے لیے اجتماعیت کی طرف تحریک دی۔ انسان دوسروں سے رابطہ رکھنے لگا اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ انسان منفرد حیثیت میں پیدا ہوتا ہے اس حال میں اس کی زندگی کا مقصد سوائے معرفت الہی کے کچھ نہیں۔ اس کے برعکس معرفت الہی میں کوتاہی حصول زائد کی ہوس ہی اس کی اجتماعی ہئیت کا سبب بنی جس سے انسان نے اجتماعیت کی طرف رجوع کیا اس طرح جب انسان نے دوسروں سے رابطہ قائم کیا تو اجتماعی حیثیت میں اس نے قبیلوں اور گروہوں کی ہئیت اختیار کی اس طرح ابتداء میں مرد نے عورت کو بھی حصول سامان زندگی میں شریک کر کے اسے شریک حیات کے تصور میں پیش کیا — مرد سامان فراہم کرے اور عورت اس سامان کو آراستہ کر کے مرد کے سامنے لائے اور اولاد کی پرورش میں اس کی شرکت لازمی ہوگی تو اس صورت نے ایک خاندان کی شکل اختیار کی — یہ انسانی پیدائش میں ایک اضافی کیفیت تھی — جو انسانی ضرورت نے پیدا کی ورنہ فطری طور پر اپنی پیدائش اور عمل میں وہ منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اگر انسان حصول سامان زندگی میں



ضرورت سے زیادہ جستجو نہ کرتا تو اسے کسی دوسرے کی نہ معاونت کی ضرورت تھی نہ اجتماعیت کی ہئیت پیدا ہوتی۔ لیکن یہ امر انسان کی فطرت میں تھا کہ اسے حصول سامان زندگی کی طرف اپنی بقا کے لیے متوجہ ہونا پڑا۔ اور اس حصول میں اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان کیا۔ کہ اس کی! خاندانی ہئیت حاصل ہونے کے لیے۔ ایک ضابطہ مقرر کیا۔ **هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا** وہ اللہ جس نے انسان کو بشر کی حیثیت میں پیدا کیا لیکن انسان نے اجتماعیت کے تابع ایک تمدنی زندگی اختیار کی تو اس کی آسانی کے لیے **فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا** پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۴) سلسلہ نسلی جاری کیا اور آپس میں انسانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے رشتہ ازدواج کا طریقہ جاری کیا۔ جسے سسرال کہا گیا۔ کہ آپس میں مرد و عورت کے عقد سے ایک ہمدرد اور معاون قبیلہ کی صورت پیدا کر دی۔ یہ اس لیے کہ مختلف اور منتشر قبیلے آپس میں محبت و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایک دوسرے کی ضرورتوں میں معاون و مددگار ہوں۔ ان ہی ضرورتوں کے مد نظر عورت کو مرد کے ساتھ دائمی رفاقت میں رکھا گیا تاکہ عورت مرد کے ساتھ شریک حیات بن کر اس کی ضرورتوں میں اس کی معاون بنے۔ اس طرح مسلسل زندگی میں عورت مرد کی جُزن بن گئی اور اس کے ذمہ مرد کی خدمت کا خاص انتظام مقرر ہوا۔ اور چونکہ آئندہ نسل کی ابتدائی پرورش بھی انسان کے ذمہ تھی۔ اس لیے مرد اور عورت کی مشترکہ پرورش میں۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہر شعبہ زندگی میں معاون بن گئے۔ **هُنَّ لِيَاْسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِيَاْسٌ لَّهُنَّ** کہ اصول فطرت کے تابع مرد و عورت کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے اور عورت مرد کی معاون بن کر مرد کی زینت بنے۔ اس تمام واردات کا ماحصل۔ درحقیقت۔ زمین پر ایک پاکیزہ وجود۔ پاکیزہ عمل انسان کا پیدا کرنا ہے۔ کہ یہ امر انسان کی اپنی ذات پر منحصر ہے۔ کہ اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی اور فطری پیدائش کا خاصا۔ مشاہدہ اسرار الہی۔ معرفت الہی کو بہر حال قائم رکھ کر اپنے وجود سے جزوی حیثیت میں ایک نسل انسانی کے پیدا کرنے کا اہل ہوا کہ اس ضابطہ کا خیال نہ رکھا گیا۔ انسان نے اپنی وجود کی سالمیت اور پاکیزگی کو قائم رکھنے میں۔

تساہل و تغافل برتا۔۔۔ تو لازمی طور پر انسانی نسل ناقص الوجود پیدا ہوگی۔ پھر نسل انسانی کے اعمال کی تمام تر ذمہ داری خود انسان پر ہوگی۔ نسل انسانی کی خرابی میں اس کے اعمال کی جزا میں خود انسان بھی اس جزا میں شریک ہوگا۔ قرآن نے بتایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْوُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۶)

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے بیوی بچوں کو۔۔۔ اپنی ذریت کو عذابِ آخرت کے مواخذہ سے بچاؤ۔ ایسی ہی حالت میں جب انسان نے اپنی ذمہ داریوں سے تغافل برتا۔۔۔ تو زمین پر ناقص الوجود انسان نے پیدا ہو کر فساد و خوریزی برپا کی۔ اور یہ حالت پہنچی کہ زمین پر نہ پاکیزہ انسان میسر آیا نہ پاکیزہ انسان پیدا ہونے کی کوئی صورت نظر آئی ظاہر ہے جب انسان خود پاکیزہ نہ ہو تو اس سے ناقص الوجود انسان ہی پیدا ہوگا۔ اس معاشرہ میں جب ہر انسان ناقص الوجود اور نافرمان پیدا ہو تو پاکیزہ انسان پیدا ہونا ممکن نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ پر ایسی قوموں کو تباہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا ه  
إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا  
كُفَّارًا ه (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶-۲۷)

ایسے ہی موقع پر نوح علیہ السلام نے کہا اے رب یہ قوم اپنے کفر اور انحراف میں حد سے گزر چکی ہے۔ ضروری ہوگی۔ تو انہیں زمین پر زندہ نہ چھوڑا، انہیں ختم کر دے اور اگر تو نے انہیں اس حال میں چھوڑا تو یہ ناقص الوجود ہو چکے ہیں لہذا ان سے سوائے فاجر اور کافر کے پاکیزہ اولاد پیدا ہونا ممکن نہیں اور ایسی مخلوق آئندہ نسلوں کے لیے گمراہی کا سبب بنے گی۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ اپنے بنیادی مقصد زندگی کا شدت سے احساس کرو۔ اپنی زندگی کو تزکیہ نفس۔ اطاعتِ الہی۔ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نسبتِ ولی سے پاکیزہ بناؤ۔ ہمہ وقت اپنی زندگی میں حصولِ دنیوی میں حصولِ آخرت رضا الہی اور رضا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھو۔ بلاشبہ انسان ضعیف ہے۔ حصولِ دنیا میں مشغول رہنے



کی اس میں فطری خاصیت ہے۔ لیکن قدرت نے تمہیں ایسی روحانی قوت بخشی ہے کہ اس کی مدد سے تم حق کی طرف رجوع رکھنے کی قوت رکھتے ہو مگر اس امر میں کٹھن محنت کی ضرورت ہے۔ محنت و تزکیہ سے جی نہ چراؤ۔ نسبت پر صحبت پر۔ ایک بہتر ذریعہ ہے۔ حصول حق کے لیے۔ اپنی فرصت کا وقت بلا ضرورت اشغال میں ضائع نہ کرو۔ وقت کو غنیمت جانو۔ اکثر وقت تصور و مراقبہ اور درود شریف میں مشغول رہو۔ تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہی صورت مقام انسانیت حاصل کرنے کی ہو سکتی ہے۔

## آدابِ مجلس

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آدابِ مجلس میں فرماتے ہیں کہ مجلس میں اس حالت میں بیٹھو کہ تمہارا قیام کسی دوسرے کی طبیعت کے خلاف بُرا تاثر پیدا نہ کرے۔ دوستی اور برابری کے باوجود ایک دوسرے کی طرف لائیں پھیلا کر نہ بیٹھو اس طرح دوسرا احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ رک مجھے کم حیثیت سمجھا گیا اور اس طرح دوسرے شخص کی "انا" پر ضرب پڑتی ہے۔ کہ ایسی حرکت سے وہ اپنی توہین سمجھتا ہے یا ایسی حرکت سے باہم نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مجلس میں دوسروں کے لیے جگہ بیٹھنے کے لیے ہتیا کرو۔ لازم ہے کہ جو شخص پہلے آئے اپنی "انا" (خودی) مجلس سے باہر چھوڑے اور خود مجلس میں آکر پچلی سطح پر بیٹھے تاکہ آنے والے شخص کو اپنے لیے مخصوص جگہ تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس طرح جو شخص مجلس میں داخل ہوگا اسے خود بخود اونچا مقام ملتا رہے گا۔ اور کسی فرد میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تخصیص کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ ورنہ احتمال ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد مجلس میں پچلی سطح پر جگہ پا کر اپنی کمتری محسوس کرے تو یہ تاثر بھی آپس میں نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ مجلس میں مختلف طبیعتوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں مبادا کسی شخص میں اپنے مقام کو دیکھ کر احساس کمتری پیدا ہو جائے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ انسانی نفس امارہ شرارت پر اتر آتا ہے۔ اور ذہن میں فتور پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص اونچی جگہ پر بیٹھ کر

میری تذیل کرتا ہے۔ اس طرح شیطان کو نفرت اور کدورت پھیلانے کا موقع ملتا ہے لہذا مجلس میں ہر شخص دوسرے شخص کا احترام نہ نظر رکھے اور مجلس میں اس انداز سے بیٹھے کہ دوسرے لوگوں کی طبیعتوں میں احساس کمتری کو ابھرنے کا موقع نہ ملے اور مجلس میں محبت و یگانگت اور برابری کی فضا قائم رہے اور ہر شخص فروعی خیالات و تصورات سے فارغ رہ کر حق کی تعلیم قبول کرنے میں آسانی پاسکے۔ حضور فرماتے ہیں دوران گفتگو ہر اعلیٰ و ادنیٰ کے ساتھ مہذب طریقہ سے پیش آنا چاہیئے اور ہر شخص کو بجائے ”تو“ کے ”آپ“ سے مخاطب کرنا اخلاقی بندی کا ثبوت ہے۔ مجلس میں بے جا قہقہے لگانا یا زور زور سے چینچنا یا آواز اعتدال سے زیادہ بلند کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ دوران کلام سنجیدگی اور آہستگی اور خندہ پیشانی اختیار کرنی چاہیئے۔ کلام میں سختی اور ترشی سے بھی باہمی نفرت اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ دوران گفتگو کلام میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر شخص کو کلام اس وقت تک برقرار رکھنے کا موقع دینا چاہیئے جتنی دیر وہ خود مزید کلام سے نہ رُکے۔ دوران کلام کسی شخص کی نامعقول بات پر تنقید یا ٹوکن اچھا نہیں اس لیے کہ جس بات کو تم غلط سمجھ رہے ہو تکمیل کلام پر صحیح ثابت ہوا اور قابل تسلیم ہو۔ ایسی صورت میں بے جا تنقید و اعتراض سے مناظرہ و مجادلہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کوئی وعظ۔ کوئی گفتگو مناظرہ کی شکل اختیار کر جائے تو اصل حقیقت ذہنوں سے دور ہو کر ناقابل فہم ہو جاتی ہے اور مناظرہ کی صورت میں فریق حق کی بجائے اپنی ”انا“ کو درمیان میں لا کر کبر و غرور کی حدیں داخل ہو جاتے ہیں کہ مخالف فریق کی حق بات قبول کرنے میں اپنی خودی پر ضرب پڑتی ہے۔ اور انسان اپنی تذیل کے احساس میں اپنی بات منوانے میں بے جا دلائل پیش کر کے حق بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ امر آپس میں نفرت و بد اعتمادی پیدا کر کے آپس کے جذبہ محبت میں فرق ڈالنے کا سبب بن جاتا ہے لازم ہے کہ ہر شخص کو اپنی بات کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ درمیان میں دوسرے کی بات کاٹ کر بات نہ کی جائے۔ جب موقع ملے تو اپنے خیالات کا اظہار اس انداز سے کیا جائے کہ دوسرے کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس بیان میں اس کے نظریات و خیالات کی رد کی جا رہی ہے۔ ایسی صورت میں احتمال ہے کہ دوسرا



شخص مجلس میں اپنی توہین یا بے عزتی محسوس کرے تو یہ صورت بھی آپس میں جذبہ نفرت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ لازم ہے کہ مجلس میں فروعی گفتگو کرنے سے پرہیز کیا جائے اور اکثر دینی مسائل کو زیر بحث لایا جائے۔ مجلس میں جو بھی مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ خواہ وہ قرآن سے تعلق رکھتا ہو یا حدیث و فقہ سے یا نفسیات سے یا سائنس و فلسفہ سے۔ علم کلام سے ہو یا معقول و منقول سے۔ ہر نوع علم کے لیے قبل از وقت۔ ساتھ ساتھ ٹھوس اور مدلل دلائل دینے چاہئیں۔ تاکہ کسی مسئلہ کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہے۔ لازم ہے کہ بحث برائے علم ہو۔ اپنی علمی برتری دل میں نہ ہو۔ ورنہ انسانی ذہن میں عدم قبولیت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ حق بات تسلیم کرنے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجلس میں اگر دعوت کا انتظام ہو تو کھانے میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔ اپنی ذات پر دوسروں کو فوقیت دینی چاہیے۔ بجائے خود کھانے کے اوروں کو سیر ہو کر کھانے کا موقع دینا چاہیے اس طرح دوسروں میں بھی ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور دوستوں میں باہم محبت اور عزت بڑھ جاتی ہے اور ایک دوسرے کی قربانی کے لیے ہر شخص دوسرے کی مدد اور بہتری کا جذبہ استعمال کرتا ہے۔ لازم ہے۔ کھانا کھاتے وقت کسی کے ہاتھ یا دہن یا کھانے کے برتن پر نظر نہیں رکھنی چاہیے۔ اس طرز طریق سے دوسرا شخص شرم محسوس کرتا ہے اور اپنی طبیعت کے مطابق سیر ہو کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ یہ امر بھی آپس میں نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ مجلس میں کھانا کھاتے وقت پاکیزگی کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ کھانا کھانے کے لیے ہر حال میں ہاتھ دھونا ضروری ہے۔ بغیر ہاتھ دھوئے۔ اگرچہ وضو اور نماز سے ہی فارغ کیوں نہ ہوتے ہوں۔ پھر بھی ہاتھ دھونا لازمی ہے۔ کیونکہ درمیان میں ہو سکتا ہے۔ کہ کسی چیز کو ہاتھ لگایا ہو۔ ہاتھ دھونے کے بعد کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے نہ ہاتھ دھو کر ٹوٹ یا بوٹ کے تسمے کھولنے چاہئیں۔ بغیر ہاتھ دھوئے شامل ہونا افراد کی طبیعت کو مجلس میں مکرر کر دیتا ہے اور پھر ان کے لیے کھانا تناول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چونکہ مجلس میں نفاست پسند افراد بھی ہوتے ہیں لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی صورت

میں نفاس پسند طبیعت قے کر جاتے اور تمام مجلس میں بد مزگی اور نفرت پھیل جاتے۔ کھانا اتنی تیزی اور جلدی سے نہ کھایا جاتے۔ نہ بے ترتیبی برتی جاتے۔ کھانا چبانے کی آواز ساکھ والے فرد تک نہ آتی چاہیے۔ نہ کھانے کے بعد ڈکار ڈالنے چاہئیں۔ یہ بد تمیزی کی علامت ہے جس سے افراد مجلس کی طبیعت کو تکلیف پہنچتی ہے اور بجائے خوشی اور اتفاق کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے احباب سے مجلس میں ملنے کے وقت سستی اور نرمی اختیار کرو اس طرح دوسرا اپنی عزت افزائی سمجھ کر آپ کی بھی عزت کرے گا۔ لازم ہے کہ جب مجلس میں سب ہم خیال اور ہم مشرب احباب جمع ہوں تو آپس کی گفتگو میں کانا پھوسی کرنا۔ آہستہ بات کرنا۔ یا کسی سے علیحدگی میں کلام کرنا آداب مجلس کے بالکل اور شدید طور منافی ہے لہذا سخت منع ہے۔ ہم مشرب احباب اپنے ظاہر و باطن کو ایک دوسرے کے سامنے یکساں حالت میں رکھیں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان سے ظاہر ہو۔ ایسا کلام منع ہے جو ایک دوست سے ظاہر ہو اور دوسرے دوست سے صیغہ راز میں ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ایک فرد دوسرے سے نفرت کرنے لگتا ہے اور یہی عداوت اور ضد کی بنیاد بنتی ہے۔

## آداب معاشرت

جو بات کسی پر ظاہر ہونا لازم نہ ہو مجلس میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہیے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ معاشرے کی ابتداء فرد اور گھر سے ہوتی ہے اس لیے گھر کے ماحول کو صاف اور پاکیزہ رکھو۔ گھر کے ماحول میں ایک فرد سے بنیاد اٹھتی ہے۔ کہ فرد کی حیثیت میں انسان خود پاکیزہ کردار کا مالک ہو اس کے بعد گھر کے ماحول میں عورت (بہوی) شامل ہوتی ہے۔ عورت کو گھر کے ماحول میں شامل کرنے سے قبل ضروری ہے کہ عورت بھی پاکیزہ کردار کی مالک ہو۔ لہذا عورت کو شریک حیات بنانے میں ایک پاکیزہ عورت کا انتخاب ضروری ہے۔ قرآن نے بھی اس امر کی تاکید ہے۔



الْحَيِّثُ لِلْحَيِّثِينَ وَالْحَيِّثُونَ لِلْحَيِّثَاتِ ج وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ  
وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ج (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۲۶)

بُری عورتیں بُرے مردوں کے لیے ہیں اور پاک مردوں کے لیے پاک مومن عورتیں  
ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ مومن مرد۔ مومن عورت کو شریکِ حیات بنائے۔ اس عقدِ شرعی  
کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر میں پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول قائم ہوگا۔ اس گھر میں صالح اور  
مومن اولاد بھی پروان چڑھے گی۔ یہی گھر کے افراد ایک ماحول کی شکل میں بیرونی معاشرہ  
کی بنیاد ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بُرے یا اچھے افراد سے اجتماعی معاشرے کی تشکیل ہوتی  
ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ گھر کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے لیے گھریلو نظام کو  
خوبصورت رکھا جائے۔

قرآن مقدس نے گھر کے نظام کو پاکیزہ رکھنے کے لیے مرد کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔  
مرد ہی گھر کا منتظم اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے گھر کے تمام افراد کی پاکیزگی کی ذمہ داری  
مرد پر عائد ہوتی ہے۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** (پارہ ۵ سورۃ ۴، آیت ۳۴)  
”ترجمہ“ مرد عورتوں کی اصلاح کا ضامن ہے۔ مرد خود پاکیزہ اور بلند کردار رہ کر عورت کو  
اپنی تربیت میں رکھ کر اس کی اصلاح کرتا رہے۔ اس حال میں کہ عورت مرد کے حکم سے سر مو  
انحراف نہ کرے۔ اس حیثیت میں عورت کو مرد کے زیر اثر رہنا ضروری ہے۔ کہ  
عورت مرد کے حکم کے تحت عمل کرے۔ سب سے اوّل پاکیزگی نفس کے لیے۔  
دین کو اولیت دی جائے۔ کہ مرد خود دین کا پابند ہو اور اس کے ساتھ عورت کو اپنی  
صحبت میں رکھ کر دین پر عمل پیرا رہنے کے لیے مائل کرے۔ یعنی گھر میں۔ نماز۔  
روزہ۔ تلاوت قرآن مجید اور بہترین اخلاق کا پابند رہ کر عورت کو بھی اس ماحول سے  
متاثر کرے کہ وہ بھی نماز۔ روزہ۔ تلاوت قرآن مجید کے ماحول میں سمو جائے۔  
**الصُّحُبُ مُؤَثَّرَةٌ**۔ پاک صحبت میں تاثیر ہوتی ہے اور اس سے دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔  
**الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ**۔ سے بھی یہ مراد ہے کہ مرد کی صحبت میں عورت مرد کے  
کردار کا اثر قبول کر لیتی ہے۔ تو مومن مرد سے عورت بھی مومن بن جاتی ہے۔ اور ان

ہی دو مومن افراد سے مومن اولاد پیدا ہو کر دیندار معاشرہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ دین کی پابندی کے ساتھ گھر کا دنیوی نظام پاکیزہ رکھنا ضروری ہے۔ ایک گھر اور کنبہ کی صورت میں۔ مرد گھر کا بادشاہ۔ یا سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کا عیال بیوی بچے اس کی رعیت ہوتی ہے۔ مرد راہبر۔ استاد۔ عالم کی حیثیت رکھتا ہے اور عیال مطیع و تابع کی حیثیت میں مرد کے ہر حکم کے تحت عمل پیرا ہو کر مرد سے راہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اس صورت میں امور دنیوی میں مرد اپنے عیال کی ہر ضرورت کا کفیل ہوتا ہے کہ مرد کا رو بار زندگی میں پاکیزہ۔ حلال روزی حاصل کئے۔ تاکہ پاکیزہ روزی سے پاکیزہ کردار کنبہ تشکیل ہو۔

جہاں تک مرد عورت کے درمیان مرد کی بالادستی اور عورت کی محکومیت یا اطاعت کا تعلق ہے مرد پر شدید اور نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ خود اپنے اخلاق۔ حرکات و سکنات اور عمل میں محتاط رہے۔ کیونکہ وہ راہنمایانہ حیثیت رکھتا ہے لہذا اس کا قول و فعل شریعت اور آداب شریعت کے عین مطابق ہو۔ تاکہ اس کے کردار سے اس کا عیال متاثر ہو کہ پاکیزہ کردار بنے۔ مرد سے کسی لمحہ کوئی بڑی حرکت۔ کوئی برافعل۔ کوئی اخلاقی کمزوری۔ عورت کے سامنے نہ آتے۔ ایسے حالات اگر وقوع پذیر ہوں تو مدیکیم اپنی بالادستی کی اہلیت کھو کر عورت کی نظروں میں گر جاتا ہے اور عورت اس کی سرپرستی اس کی برتری سے منہ موڑتی ہے۔ رفتہ رفتہ عورت مرد کی گرفت سے نکل کر اپنی مرضی اور منشاء پر چلنے لگتی ہے۔ اگر بچے وغیرہ ہوں تو گھر دو عمل تربیت میں آکر ربط و ضبط کی حدود سے نکل جاتا ہے اور کیفیات آخر الامر اتنی تلخ روی اختیار کر جاتی ہیں کہ گھر میں ہر وقت اختلافات خود روی اور فساد ہوتے ہیں جس سے گھر کی وحدانیت اور نظام خانگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اس مرد اور عورت کے اختلاف کا اثر تمام عیال و بچوں پر اس قدر خراب ہوتا ہے۔ کہ یہ اولاد معاشرے کے لیے زہر ہلاہل بن جاتی ہے۔ ان حالات کے زیر نظر مرد کو بہت حد تک پاکیزہ۔ محتاط۔ حساس اور محنتی ہونا بہت ضروری ہے۔ مرد کے لیے یقین ہے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہ کر پاکیزہ روزی ہتیا کرے اور اپنی عورت



کی ہر جائز ضرورت پوری کرے۔ اپنے عیال کے ساتھ خوش اسلوبی اور سلیقہ شعاری اختیار کرے۔ محنت اور حلال روزی سے اپنے عیال کو پالے۔ شریعت اسلام پر اپنے تمام کنبہ کو زندہ رہنے پر مائل کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب مرد بڑے افعال سے اجتناب کرے۔

— عورت مرد کے ساتھ رہ کر — اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھنے کا جذبہ رکھتی ہے۔ اس کو اپنا انفرادی حق اس حد تک حاصل ہے کہ یہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتی ہے لہذا گھر کے ماحول میں اس کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے گھر کا کاروبار چلانے کے لیے اس کو پورا اختیار دیا جائے۔ کھانا پکانا — کپڑے دھونا — گھر کی صفائی — گھر کی زینت اور دیگر گھریلو کاروبار کا انتظام عورت کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑا جائے تاکہ کسی موقع پر اسے اپنی محکومیت کا احساس نہ ہو۔ یہ ضروری ہے کہ عورت کو قریب لانے کے لیے اس کے ہر کام کی حوصلہ افزائی کی جائے اور بہتر کارکردگی کے لیے تعریف کی جائے۔ اسی تعریف سے عورت کی انفرادیت قائم رہتی ہے تو عورت مرد کی خادم بن جاتی ہے۔ وہ مرد کی ہر ضرورت — ہر خواہش پوری کرنے کے لیے — محبت و دیانت سے — محنت کرتی ہے اور اپنی خواہشات پر مرد کی ضرورتوں کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ کیفیت عورت کے دل میں مرد کے لیے وسیع محبت اور فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی ایک جذبہ ہے جو عورت کو مرد کا مطیع بنا کر اس کے ہر حکم کی تعمیل پر آمادہ رکھتا ہے۔ یہی اصول ہے جو *الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ*۔ مرد کی حاکمیت و سرپرستی کو عورت سے تسلیم کرانے کا بہتر ذریعہ ہے۔ کہ عورت کو یہ یقین دلادے کہ مرد اس کے سوا — کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتا اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ مرد کو چاہیے۔ کہ وہ عورت کی محبت کے جواب میں محبت سے جواب دے۔ مرد عورت کے ہر کام کی تعریف کرے اور خود اس کے ہر کام میں شریک رہے۔ یہ محبت کا تقاضا ہے۔ کہ مرد عورت کے کام میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ بلکہ عورت کے ذمہ کام خود کرنے لگ جاتا ہے۔ عورت کھانا پکاتے تو مرد چولہا جلاتے۔ برتن اکٹھے کرے۔ کھانا پکانے میں عورت کا ہاتھ بٹائے۔ صبح نماز کے لیے اٹھے۔ خود وضو کے لیے پانی لے۔ بلکہ عورت کے لیے بھی پانی لائے۔

سردی کا موسم ہو تو خود تکلیف کرے۔ آگ جلاتے۔ پانی گرم کرے اور عورت کیلئے وضو کی خاطر ہولیات بہم کرے۔ اسی طرح باقی گھریلو کام کاج میں عورت کا ساتھ دے۔ تو یقیناً عورت مرد پر اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اس طرح گھر کا ماحول خوش آئند اور پُر مسرت بن جاتا ہے۔ ایسے مرد و عورت کو کبھی دکھ کا سامنا نہیں ہوتا۔

— مرد اگر کسی وجہ سے کاروباری حالت میں پست ہو جائے۔ تو عورت مرد کی اس مشکل میں نہ اس سے اپنی ضرورتیں طلب کرتی ہے نہ اپنی انفرادیت کا احساس کرتی ہے۔ کہ مرد اس کے تمام حقوق پورے کرے۔ بلکہ مرد کے ساتھ صبر و قناعت اختیار کرے۔ اسکی مشکل میں یہاں تک ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر مرد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خود قربانی دینے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اور مرد کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی دلجوئی کرتی ہے۔ باوجود فاقہ کے ہر وقت کشادہ چہرہ اور خندہ پیشانی سے مرد کے پیش آتی ہے۔ اس طرح مرد پر مصائب کے احساس میں غم و اندوہ کا بار کم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں بھی مرد عورت خوشی خوشی زندگی گزار کر اپنے ماحول کو متاثر نہیں ہونے دیتے۔

اس کے بعد مرد اور عورت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ مرد عورت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک خانگی امور کا تعلق ہے۔ بچے ماں باپ کی جز کی حیثیت میں اپنے ماں باپ کے قریب رہتے ہیں۔ بچوں کی ضروریات کا پورا کرنا مرد کا کام ہے۔ قَوْمُون کی حیثیت میں بچے بھی مرد کی زیر نگرانی اور زیر تربیت ہوتے ہیں۔ لہذا بچوں کی صحتمندی جسم و کردار کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ البتہ جہاں تک عورت (ماں) کی پرورش میں بچے کی نشوونما کا تعلق ہے۔ ماں بھی بچے کی صحت مندی جسم و کردار کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرد اور عورت کے لیے لازم ہے کہ صحت مند اور پاکیزہ کردار اولاد پیدا کرنے کے لیے بچے کی پیدائش کے بعد بھی اپنا کردار پاکیزہ رکھیں۔ اپنے عقائد۔ خیالات اور افعال پاکیزہ رکھیں۔ کیونکہ شیرخوارگی میں بچے کا ذہن (حافظہ) اگرچہ ناپختہ ہوتا ہے لیکن اس کے حافظہ میں ہر اس کیفیت کا عکس جمع ہو جاتا ہے جو کان آنکھ جس کے ذریعہ



دماغ و عقل تک پہنچتا ہے اس حال میں کہ بچے کو ان کیفیتوں کے وجود کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کیفیات حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ لہذا بچہ فطری عمل کے مطابق اپنے باپ کے وجود میں اس کے کردار کا اثر عز کی حیثیت میں ساتھ لاتا ہے۔ دوسرے مقام پر ماں کے پیٹ میں۔ باپ کے افعال و اخلاق اور ماں کے افعال و اخلاق — اور غذا کی تاثیر سے متاثر ہوتا ہے۔ اور تیسرے مقام پر شیرخوارگی سے سن بلوغت تک ماں باپ کے گھریلو ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ان ہی تین مقامات کے تاثرات سے بچے کا کردار تخلیق ہوتا ہے۔ اگر ماں باپ نے بچے کی پرورش میں اس کے کردار کی پاکیزگی کا خیال رکھا اور یہ خواہش کی کہ بچہ پاکیزہ کردار (مومن) پیدا ہو اور آئندہ زندگی میں پاکیزہ کردار ہو تو ضروری ہے کہ وہ خود اپنا پاکیزہ کردار قائم رکھیں۔ اور ہر لحاظ سے فطری آئین و شریعت کے کاملاً پابند رہیں۔ تو بچہ ہر حال میں پاکیزہ کردار اور نیک اور احسن خصال کا حامل پیدا ہوگا۔ اور جب بچے اچھے اور پاکیزہ ماحول میں پالے جائیں تو یہ ایک گھریلو پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسی طرح۔ ہر ماں باپ ہر گھر میں انہیں آداب معاشرت کا لحاظ رکھ کر اپنے کردار کو پاکیزہ رکھ کر۔ میاں بیوی۔ بچوں کا ایک کنبہ اجتماعی حیثیت میں ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ برعکس اس کے جب انسان خواہشات نفسانی کے غلبہ سے۔ فطری قانون — شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے بڑے افعال کا ترکیب ہوتا ہے تو اس کی اپنی حیثیت گر جاتی ہے۔ تو پھر وہ عورت کے لیے نہ معلم ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی اصلاح کر سکتا ہے نہ اسے میطع رکھ سکتا ہے۔ اس طرح عورت ایسے ہر دے اس قدر متاثر ہوتی ہے۔ کہ وہ پاکباز یا صالح نہیں رہ سکتی بلکہ مرد کی اطاعت سے گریز کر کے خود سری اور بغاوت پر اتر آتی ہے۔ عورت ایسے وقت میں خود کو مرد کی گرفت سے آزاد رکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ وہ خلاف فطرت اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں آزاد ہو اس ”دو جسمی“ معاشرہ ہے مرد عورت کی اولاد بھی باپ کے لطف سے ناقص الوجود۔ ماں باپ کے ماحول سے۔ بد کرداری و رشتہ میں پا کر ایک بڑا گھریلو معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ ہر انسان۔ عورت مرد پر تمام مخلوق ارضی کی اصلاح و پاکیزہ کردار ہونے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ

ایک فرد کی نیکی سے ایک پاکیزہ معاشرہ کی بنیاد اٹھتی ہے۔ اور ایک بدکردار فرد کی بدی سے تمام انسانی آبادی متاثر ہو کر بدی حاصل کرتی ہے۔ اس لیے ہر انسان کے لیے بحیثیت فرد پاکیزہ کردار ہونا۔ قانونِ فطرت اور شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنا از حد ضروری ہے۔ ورنہ ہر فرد اجتماعی اعتبار سے تمام معاشرے کی بُرائی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ قرآن نے اسی معاشرتی بُرائی کے متعلق ایک خصوصی بیان دیا

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّانًا ۝  
إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ لَيُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا  
كُفَّارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ ۱۱ آیت ۲۶-۲۷)

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑ زندہ زمین پر ان احکام خداوندی کی اطاعت سے انکار کرنے والوں کو۔ کیونکہ انہوں نے شریعت کی پابندی نہ کی۔ ان کا کردار پاکیزہ نہیں۔ اور اگر یہ لوگ زمین پر زندہ رہے تو لازمی ہے۔ ان کی نسل سے پاکیزہ کردار پیدا نہ ہوں گے۔ ان کا مجموعی معاشرہ بدی سے پُر ہے۔ اس لیے یہ لوگ آئندہ آنے والی نسلوں کی بدکرداری کا سبب بنیں گے۔ اور ان کی نسل سلسلہ در سلسلہ بدکردار اور انکار کرنے والی ہوگی اور ایسے مجموعی معاشرہ میں کسی فرد کے لیے نیک کردار حاصل کرنے کی گنجائش نہیں اس لیے اس قوم کو یکسر تباہ کر کہ اس قوم سے پاکیزہ کردار انسان پیدا ہونے کی اُمید نہیں۔ ان سے فاجر اور کافر ہی پیدا ہوں گے اور ہوتے رہیں گے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اولاد صالح پیدا کرنے کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے۔ ماں باپ پاکیزہ کردار ہوں تو ان کے وجود سے پاکیزہ کردار وجود (نسل) پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ کا کردار نیچے کا کردار تعمیر کرنے میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اچھے کردار والے والدین کی اولاد بیرونی ماحول سے برا اثر قبول نہیں کرتی اور وہ بُرے معاشرے کی شر سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ ضروری ہے عبادت و تقویٰ سے اپنی جسمانی و روحانی ساخت کو پاکیزہ رکھو تا کہ تمہارے وجود سے ایک پاکیزہ جُز نکلے اور اس پاکیزہ جُز سے اس وقت تک پاکیزہ جُز نکلتی رہے گی جب تک کہ وہ اپنی ذات کو جسمانی اور



روحانی طور پر پاکیزہ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ انسان واحد الشخص ہے۔ اور کثیر الصفات اس سے مراد۔ انسان شخص واحد کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور کثیر الصفات میں انسان کی صفت۔ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا۔ اس سے بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں جس کا ایک عمل۔ بنیادی عمل۔ باپ کے عمل پر انحصار رکھتا ہے۔ لہذا ہر انسان کا عمل باپ کا عمل تصور ہوتا ہے۔ یہی کثیر العمل صفت کثیر الصفات کی کیفیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ ہر صفت کو اسی ایک انسان سے نسبت دی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جہاں تک انسان کے کامل ہونے کا تعلق ہے۔ بلوغت کے بعد ہر انسان خود اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کہ اسے بہتر عقل و شعور۔ ذہن و قلب میسر ہوتا ہے۔ وہ اپنی فکر اور قوت شعور سے اپنی راہ متعین کر سکتا ہے۔ لہذا ہر انسان بذاتِ خود اپنے افعال نیک اور بد کا ذمہ دار ہے۔ اس عمل میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس عمل میں انسان تنہا ہے۔ انسان اپنی ایک منفرد زندگی اور عمل رکھتا ہے۔ لہذا انسان کے لیے یہ تصور غالب ہے کہ اس نے اپنے مقصد زندگی تسبیح و حمد کو فرد کی حیثیت میں پورا کرنا ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنی انفرادی حیثیت جیسے ابتداء میں تھی اسی تصور پر اپنی زندگی کا مقصد۔ تسبیح و حمد۔ اور مشاہدہ ذاتِ الہی قائم رکھو اس کے بعد بحیثیت مجموعی۔ انسانی معاشرہ میں ہر انسان کو اپنا بھائی سمجھ کر حسن سلوک روا رکھو۔ ہر انسان کی ہمدردی اور مدد کا جذبہ دل میں قائم رکھو۔ اپنے نفع سے پہلے دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم سمجھو۔ دوسروں کی بھلائی کے لیے پیشقدمی کرو۔ یہ ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی مدد کے لیے پکارے بلکہ خود تلاش کرو کہ کون ضرورت مند ہے۔ کسی کی مدد کرنے میں بدلاؤ اور صلہ کی نیت نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر مدد یا ہمدردی کرنے کے ساتھ یہ سوچے کہ جس کی مدد کی گئی اس سے بھی مدد کی توقع رکھی جائے۔ اس صورت میں اللہ کی جانب سے اس کا نیک بدلہ نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی پر کبھی تھوڑی سی خیر کی یا احسان کیا تو اس گمان کو دل میں جگہ ہی نہ دو کہ تم نے خیر کی ہے یا کسی پر احسان کیا ہے ہاں یہ خیال رکھو کہ کسی پر احسان کرنا تمہارا فرض بحیثیت ایک مومن و مسلمان

کے ہے۔ جب بھی تمہیں کسی پر احسان کرنے کی فضیلت نصیب ہو تو کسی اور فرد سے اس احسان کو نہ جلاؤ۔ اگر ہو سکے تو احسان کئے ہوئے فرد کو بھی پتہ نہ لگے کہ محسن کون ہے؟۔ الغرض احسان کرتے ہی اس کو صیغہ راز میں رکھو۔ اس لیے کہ اگر احسان جلا دیا گیا تو احسان مند۔ احساس کمتری کے تحت تمہارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گا بلکہ اس کی "انا" اور ضمیر پست ہو جائے گا۔ روپیہ پیسہ کے عوض کسی شخص کی عزت نفس پر زور پڑنا اچھا نہیں۔ اگر تم پر کوئی احسان کرتا ہے تو احسان فراموش نہ بنو بلکہ اس احسان کو یاد رکھو اور محسن کی ہمیشہ عزت کرو۔ اگر احسان بھول گیا تو یہ کمینہ پن کے مترادف حرکت ہے۔ محسن کی عزت و احترام ہی شکرانہ ہے۔ یہ کوشش بھی نہ کرو کہ میں احسان کا بدلہ چکا کر ضمیر کی پستی کے احساس سے فالغ ہو جاؤں۔ بلکہ بار بار اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اس کے احسان کو بار بار دہراؤ اس کی خدمت کرو۔ اس کے احسان کا تذکرہ دوسروں کے سامنے کرو۔ تاکہ دوسروں کے دلوں میں اس کی عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہو کسی شخص کے احسان کا بدلہ دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ نہ یہ کہ محسن کو احسان سے ہی بدلہ دیا جائے۔ اگر یہ نیت ہو کہ محسن کو اس کے کئے کا احسان سے ہی بدلہ دیا جائے تو یہ احسان بخشی کے مترادف حرکت ہے یا اگر محسن کو اپنے سے پست یا کمتر خیال کیا جائے یہ مکمل طور پر اپنی پست خیالی اور سفلہ حرکت کا مظاہرہ ہے۔

## آداب ہمسائیگی

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک روا رکھو۔ ہمسایہ معاشرے کا ایک اہم اور قریبی جز ہے۔ ہمسایہ کو اپنا قریبی رشتہ دار سمجھو۔ کہ جیسا تم اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے ہو اسی طرح اپنے ہمسایہ کی ضروریات کی تکمیل میں پیش پیش رہو اور اس کا ساتھ دو۔ اپنی آسائش کی تلاش کے ساتھ ہمسایہ کی آسائشیں ہتیا کرنے کی کوشش کرو۔ ہمسایہ کی فکر رکھو۔ تجسس کرو کہ اس کو کوئی تکلیف تو نہیں اگر ہے تو اس کے رفع کرنے میں پیش قدمی کرو۔ اپنے ہمسایہ کی ہر لحاظ سے عزت کرو۔ اس لیے کہ یہ ایک متبرک



امانت ہے لہذا تم پر لازم ہے کہ اس کے خیر و شر میں برابر کے شریک ہو کر اس کا ساتھ دو — اپنے غریب ہمسایہ کو قرض حسنة دو — یہاں تک کہ جو خود کھاؤ پہنو اس میں ہمسایہ کو برابر کا شریک کرو — ایسا نہ ہو کہ کسی وقت تم رات کو آسودہ ہو کر سو جاؤ — اور تمہارا ہمسایہ پریشانی کے عالم میں رات بھر جاگتا رہے۔ یہ امر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے — یہی سلوک معاشرہ کے ہر فرد سے رواد رکھنا لازم ہے — کہ معاشرہ کے ہر فرد کے لیے اس سے صحیح راہ پر لانے میں نصیحت کرنا اس میں جدوجہد کرنا — اس کی ضرورتوں کے حصول میں اس کی مدد کرنا — راہ چلتے مسافر کو سفر میں مدد کرنا — دُور سے وارد ہوا ہو تو اسے کھانے اور رہائش کے لیے اپنے گھر مہمان رکھنا — پھر اگر منزل کی تلاش میں دقت ہو تو اسے اس کی منزل تلاش کرنے میں ساتھ دے کر اسے منزل تک پہنچانا کہ مسافر منزل پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے۔ اس امر میں خواہ تمہیں — اپنا کام اپنا وقت صرف کرنا پڑے۔ یہ سب امور احسان میں شامل ہیں۔ احسان کرنے والا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ اللہ ایسے شخص پر اس وقت احسان کرتا ہے جب وہ اس کا محتاج ہوتا ہے۔

صنوبر قبلہ عالم نصیحت فرماتے ہیں۔ کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال نفع بخش نہیں ہوتا۔ حلال حرام کی تمیز کیا کرو۔ حلال غذا کا آدھا سو کھا لقمہ حرام مال سے پیدا کردہ مغن غذا سے زیادہ نفع بخش اور صحت منداثرات کا حامل ہوتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کیے ہوئے مال میں دوسرے انسانوں کا حق غصب کیا ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو ناجائز طریقہ سے دوسروں کا حق چھین کر اپنے خزانوں میں جمع کرے جذبۂ انسانیت سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں ایشارہ و قربانی اور رجم کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور انسانی معاشرہ میں شر و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ کسی طور ناجائز طریقہ پر کوئی شے حاصل نہ کی جائے۔ خواہ وہ ایک دانہ گندم کا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ جائز ذریعہ میں بظاہر نفع کم ملتا ہے۔ لیکن یہ نفع بابرکت پایدار اور خیر کا ضامن ہوتا ہے۔ انسان سمجھے کہ حق پر چلنے میں تکلیفیں ہو سکتی ہیں مگر یہ تکلیفیں مستقل

نہیں ہوتیں۔ ایسے مصائب جو حق کے لیے پیش آئیں ان پر صبر کرنا مانند جہاد ہے۔ ان آزمائشوں پر صبر کرنے میں دائمی خوشی اور رضائے الہی کی بشارت ملتی ہے۔ ایک طرف انسان میں صبر و قناعت سے عزم و استقلال بچھتا ہو جاتا ہے۔ دوسرے انسان کسی مشکل وقت میں اضطراب و پریشانی کا شکار نہیں رہتا۔ وہ اس حال میں پُرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ اس میں قوی توکل کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ پر قوی توکل کرنا۔ اللہ کو مائل یہ کرنا ہے۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے جیسا کہ لائق ہو۔ تو اللہ اس بندے کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے۔

انسان کو یہ حقیقت نہ بھولنا چاہیے۔ کہ انسان کسی فرقہ۔ قبیلہ۔ مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں۔ ہر انسان پر اللہ۔ اس کی کتاب اور رسول کو تسلیم کرنا ہر حال میں فرض و لازم ہے۔ انسانی اعتبار سے ہر انسان پر اللہ کی غلامی (عبدیت) تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اور غلامی کے بعد اللہ اور رسول کے احکام سننا اور قبول کرنا لازمی ہے۔ انسانی پیدائش میں ہر زمانہ میں۔ انسانی معاشرہ خراب ہوتا رہا۔ تو اس وقت ایک رسول۔ ایک کتاب اصلاح انسانی کے لیے آتے رہے۔ یہ کائناتِ ارضی کی فطری عادت ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے۔ ایک کتاب ایک رسول آنا مقرر رہا۔ اور آخری زمانہ میں جب کائناتِ ارضی پر مشرق سے مغرب تک انسانی معاشرہ بُرائیوں اور بد حالیوں سے پُر ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصلاح انسانی کے لیے ایک جامع کتاب۔ قرآن۔ اور رحمتہ للعالمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح کائنات کے لیے بھیجا۔ جنہوں نے اپنی مقدس زندگی میں ایک عالمگیر ضابطہ اصلاح و ہدایت پیش کیا۔ یہ ضابطہ ہر زمانہ میں ہر انسان کی اصلاح کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ یہ اصول و ضابطہ ہر زمانہ میں۔ قیامت تک ہر انسان کو علمائے امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کے ذریعہ میسر آ سکے گا۔ جن اصولوں پر چلنے سے دُنیا پر ایک پاکیزہ معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ بغیر اس ضابطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محقق۔ کسی سائنسدان۔ کسی عدلیہ کے سربراہ۔ یا کسی لیڈر کا اصلاحی ضابطہ انسانی معاشرہ کو پاکیزہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔



لہذا لازم ہے کہ ہر انسان انفرادی حیثیت میں قرآن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اولی الامر اولیائے امت کے اصلاحی احکام پر عمل پیرا ہو کر ایک اجتماعی معاشرہ پیدا کرے تاکہ دنیا میں انسان اضطراب و پریشانی کی حالت سے نکل کر پُر سکون زندگی حاصل کر سکے۔

## آداب دوستی

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آداب دوستی میں فرماتے ہیں کہ دوست کا مقام خونی رشتہ سے بھی قریب ہوتا ہے۔ اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو "صحابہ" کہہ کر پکارا اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز ساتھی (صحابہ) سے کہہ نہ غم کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو "صحابہ" کہہ کر پکارا۔

اصْحَابِيْ كَالنَّجْمِ فِيْ بَآئِهِمْ اَقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (رداءہ رزین)

میرے اصحاب دوست مانند ستاروں کے ہیں ان کی اقتدا کرو۔ ان سے راہنمائی حاصل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول کو صاحب کے خطاب سے ارشاد کرتا ہے۔ مَا صَنَعَ صَاحِبُكُمْ نَحْنُ غُلَطْرَاهُ پر تمہارا دوست۔ ظاہر ہوا۔ دوست میں صاحب کی صفت پائی جاتی ہے اور اس صفت میں خصوصیت ہے۔ لہذا دوستی کرو۔ تو صحابہ جیسی۔ بلاشبہ والدین اور اولاد کی محبت ہر شے کی محبت پر مقدم ہے۔ مگر محض رضائے الہی۔ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دوستی۔ ماں باپ اور اولاد کی محبت پر فوقیت رکھتی ہے۔ معلوم ہوا۔ دوستی بغیر خالص محبت کے قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی معاونت میں ماں باپ۔ اولاد و رشتہ داروں کی محبت رضائے الہی رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر کے ہی "صاحب" کا خطاب پایا۔ لہذا لازم ہوا کہ دوست کے لیے محبت کو خالصتاً وقف کر دو۔ محبت قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے دوست کی خاطر اپنی ہر شے کی قربانی دینا لازمی

ہے۔ ایسے مقام پر دوست اپنے عزیز واقارب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ جس کے سامنے اپنے قریبی راز بھی چھپاتے نہیں جاسکتے۔ کیونکہ دوست ہر محرم۔ ہر شکل میں ساتھ دینے والا ہوتا ہے۔ تمہارے دوست کو تم پر مکمل بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے۔ لہذا دوست سے وہی بات کرو جو تمہارے دل میں ہو۔ دوست سے سچ بات کہو وہ تم پر بھروسہ رکھتا ہے کہ میرا دوست مجھ سے سچ بات کہہ رہا ہے۔ ورنہ دل میں اور۔ زبان پر اور۔ یہ حرکت منافقت میں شمار ہوتی ہے۔ دوست دوست کے درمیان منافقت شدید ناہ تصور ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اپنے دوست سے سچ بات کہو کیونکہ تمہارا دوست تم پر اعتماد رکھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ میرا دوست سچ بات کہہ رہا ہے۔ غلط بات کہنے سے بے اعتمادی اور شکوک کو دل میں پیدا ہونے کا موقع ملتا ہے۔ جو ایک دوسرے میں نفرت کا سبب بنتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے ملنے والے دوست کو اس کا صحیح مقام دو پھر جو کچھ تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ وہی اپنے دوست کے لیے پسند کرو۔ تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارا دوست تمہاری غیبت میں تمہاری عیب جوئی کرے۔ تمہیں دھوکہ دے۔ مشکل وقت میں تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ تمہاری مدد نہ کرے۔ تمہارا احسان بھول جائے۔ تم سے اظہار محبت نہ کرے۔ یہاں تک کہ تم سے اپنا راز چھپائے۔ تو تم اس فعل کو برا سمجھو۔ ایسا ہی تمہارے فعل سے تمہارا دوست برا محسوس کرے گا۔ یہ امر آپس میں نفرت و غیریت کا سبب بن جاتا ہے۔ حضور قبلہ عالم اس بات کو پسند نہ فرماتے کہ کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی شکایت کرے۔ آپ شکایت کرنے والے کو تنبیہ فرماتے کہ ہمارے سامنے کسی دوسرے مرید کی شکایت نہ کی جائے بلکہ باہم دوستوں میں ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔ نہ کسی کی خامیوں پر نکتہ چینی کی جائے۔ بجائے اس کے دیانت و خوش دلی سے ایک دوسرے کو حق کی راہ پر ڈالنے میں مدد کی جائے۔

حضور قبلہ عالم آداب دوستی کے بنیادی فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر انسان ابن آدم۔ ایک ہی باپ کی اولاد ہے۔ انسان خواہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ وہ



کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ کسی انسان کا وجود بغیر آدم کی نسل کے خارجی پیدا آتش سے نہیں لہذا انسان فطری طور پر ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ کوئی بھائی اپنے بھائی کی بُرائی یا نقصان پر خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ یہی چاہتا ہے کہ میرا بھائی ہر بُرائی سے محفوظ۔ بھلائی و خیر کا حامل ہو یہ انسان کے فطری جذبہ (خونی رشتہ) کا اثر ہے۔ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ رہتا ہے یہی خونی رشتہ ازل سے ابنِ آدم میں چلا آتا ہے۔ حالات زمانہ کے

مطابق۔ جغرافیائی حیثیت میں۔ انسان کے ایک دوسرے سے دُور ہو کر مشرق و مغرب کی دوری۔ بھائی بھائی میں فرق پیدا نہیں کر سکتی۔ سوائے اس کے انتقال مکانی میں مسافت کی دوری یا زمانہ کی طوالت میں ماضی و حال کا بُعد۔ انسان کو ایک دوسرے سے نا آشنا کر دیتا ہے۔ انسان ماضی کے تعلق کو بھول جاتا ہے۔ اور جب مشرق کا انسان مغرب کے انسان کے قریب ہو جاتا ہے تو ابنِ آدم کی حیثیت میں وہ رشتہ میں ایک دوسرے کے حقیقی بھائی ہوتے ہیں لیکن مستقل تعلق نہ ہونے کی بنا پر وہ ایک ”موہوم“ غیریت کا احساس رکھتے ہیں۔ تو ایک بھائی دوسرے بھائی کو ”دوست“ کہہ کر پکارتا ہے۔ گویا دوست کا خطاب دراصل ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے۔ محبت و ہمدردی کے اس جذبہ کو ابھارنے کا ایک اہم ذریعہ ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے رشتہ میں فطری طور ”نسلی“ اعتبار سے ورثہ میں ملا ہے۔ دوستی کا تصور اس اخوت کے جذبہ کو اور اہم بنا دیتا ہے۔ ورنہ انسان۔ انسان میں غیریت کا تصور پایا جانا۔ غیر فطری عمل ہے۔

حضور فرماتے ہیں آدابِ دوستی میں ایک دوست کے لیے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے دوست کی ہر مشکل اپنے سر لے کر اسے مامون کرے۔ یہاں تک کہ اپنے دوست کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہ کرے۔ یہ مقام۔ آدابِ دوستی میں اعلیٰ وارفع ہے۔ ہاں! الْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تصور کے ساتھ دوستی محض حصولِ رضائے الہی و رضائے رسول کے لیے خاص ہو تو ایسا جذبہ شریعت و طریقت کی اصل رُوح تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب میں اسی جذبہ حب کے تصور کو ایمان کی کاملیت کا اصل ذریعہ قرار دیا ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ  
أَجْمَعِينَ۔

کے خطاب میں حب کو اصل ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اسی حب کی اکملیت پر تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب (دوست) کا خطاب ملا۔ پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مومن نہیں جو اپنے دوست سے محبت نہ کرے۔ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی دوست کے لیے پسند کرے۔ ظاہر ہوا۔ شریعت و طریقت میں اپنے ہم مشرب سے دوستی و یگانگت میں۔ دوستی میں۔ ایک دوسرے کے لیے قربانی۔ بھلائی کا جذبہ قائم رکھنا۔ حقیقی عمل ہے۔

حضور فرماتے ہیں دوست اور مرید (طالب حق) میں ایک ہی تصور پایا جاتا ہے۔ مرید۔ مرید کا دوست کہلاتا ہے۔ لہذا۔ مرید۔ اپنے دوست سے خاص محبت قائم کرے۔ اس حال میں کہ اس نسبت سے ماں باپ عزیز و اقربا سے زیادہ دوست کو قریب سمجھا جائے۔ دوست کے لیے لازم ہے کہ اپنی ذاتی منفعت پر دوست کے

لے ایسے واقعات دیکھنے میں آئے۔ ان واقعات میں ایک واقعہ کا ذکر بیان کرنا مثالی ہے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر غلام قادر لون صاحب نوکر کی حیثیت میں کام کرتے تھے جب غلام قادر حضور قبیلہ عالم سے بیعت ہوئے تو ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب غلام قادر سے بحیثیت پیر بھائی پیش آئے۔ پھر غلام قادر کو گھر کا ایک فرد سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد بار غلام قادر ڈاکٹر صاحب سے برابری میں حجت بھی کرتے۔ جیسے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ توقع اور یکسانیت کی بنا پر جھگڑتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی خیال تک نہ کیا کہ غلام قادر ہمارا ملازم ہے بلکہ بعض اوقات غلام قادر کی سرزنش اور شدید غضب کے آگے جھک جاتے۔ یہی حال گھر کے باقی افراد۔ والدہ۔ ہمیشہ ان وغیرہ کا تھا۔ کہ لوگ غلام قادر کی کسی حرکت کو ملازم کے تصور میں محسوس نہ کرتے۔ الغرض غلام قادر گھر کا عزیز اور باوقار فرد خیال ہوتا تھا۔ گھر کے سب افراد اس کی خوشامد کرتے تھے اور۔ اس حسن سلوک اور احسن برتاؤ نے غلام قادر کے دل میں احساس کمتری کو جگہ نہ دی۔



نفع کو مقدم سمجھے۔ اپنی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ دوست کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھے۔ دوست غریب ہو تو اس کی غربت اور مشکلات میں برابر کا شریک ہو۔ دوست کی مشکلات دور کرنے میں اپنی خدمت وقف کر دے۔ تا وقتیکہ دوست آسودہ حال ہو دوست کی امداد میں۔ کوئی شے۔ جنس یا روپیہ قرض نہیں دیا جاتا۔ بلکہ یہ امر دوست کے فرائض میں ہے کہ وہ دوست کی ہر ضرورت بلا معاوضہ۔ بلا بدل پوری کرے۔ دوست کو قرض حسنہ دینے میں واپس ادائیگی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ خیال رکھو۔ باطن میں حصول مراتب میں بھی دوست کی ترقی مراتب کا جذبہ اپنے ساتھ رکھو۔ دوست دوست میں فرق مراتب کا تصور جائز نہیں۔ دوست امیر ہو۔ یا اعلیٰ ہو۔ اپنے غریب یا ادنیٰ حیثیت کے دوست کو اپنے دوست کے مقابلہ میں احساس کمتری محسوس نہ ہو۔ ایک جگہ بیٹھو بلکہ خلوص نیت سے اپنے دوست کو اونچا مقام دو۔ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں یکسانیت کا جذبہ قائم رکھو۔ یہی وہ جذبہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام کے کردار میں نمایاں اور ظاہر ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرؓ یا سیدیؓ کہہ کر مخاطب ہوتے۔ یہ آداب مریدی۔ آداب دوستی کے حقیقی مظاہرے ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے کردار سے صاف واضح ہوتا ہے۔ یہ کردار آداب دوستی ہی سے منظر ہے۔ کیونکہ تابعین کو اسی عمل کی نسبت سے صحابہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری طرف حضور قبلہ عالم بھی اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے تابعین (مریدوں) سے دوستوں جیسا سلوک روا رکھتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان کبھی پیری مریدی کا سلوک روا نہ رکھا۔ باوجود ولی اکمل ہونے کے آپ اپنے مریدوں میں برابری (یکسانیت) کی حیثیت میں اٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے۔ چلتے پھرتے۔ اور باہم گفتگو فرماتے۔ اس حال میں کہ کوئی غیر شخص ان میں پیری مریدی کا مظاہرہ نہ پاسکتا۔ حضور اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنے مریدوں میں صاحبِ کُم کا مثالی نمونہ تھے۔ حضور قبلہ عالم آداب ہمانداری میں آداب دوستی کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ جب ایک دوست کے گھر بحیثیت ہمان جاؤ۔ تو اسکی حیثیت کا خیال رکھو۔ دوست اگر مال حالت میں کمزور ہو۔ تو اکثر اس کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے۔ اس کے گھر جاؤ۔ اور رازدارانہ انداز میں اسکی

حالت کا مکمل طور جائزہ لو مگر ایسا مہمان نہ بنو کہ دوست بجائے آپ کی مدد اور رفاقت کے مصیبت کا شکار ہو۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ جب بھی دوست کے ہاں جاؤ تو اپنے ساتھ تحائف لے جاؤ۔ تحائف ایسے ہوں جو ایک طرف اس کی خانگی ضروریات میں معاون ہوں۔ دوسری طرف اسے آپ کی مہمانداری میں زیادہ بوجھ برداشت نہ کرنا پڑے۔ کھانے کی اشیاء۔ بچوں کے لیے کارآمد اور پسندیدہ اشیاء۔ نقدی وغیرہ ضرور اپنے دوست کو پیش کیے جائیں۔ مہمانداری میں دوست جو کچھ ماحضریہ پیش کرے قبول کرے۔ انسانی اخلاق کا تقاضا ہے کہ طبیعت کو تکلفات کا عادی نہ رکھا جائے۔ جس شخص نے جو کچھ پیش کیا طبیعت اس کو ہر حال میں قبول کرے۔ اس میں کراہت یا نفرت پیدا نہ ہو۔ لہذا دوست جو کچھ بھی پیش کرے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ اس حال میں کہ دوست کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس کی کوئی چیز مہمان دوست کو پسند نہیں۔ لازم ہے کہ اپنے میزبان دوست کے گھر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے۔ تاکہ اسے اپنی حالت کے مد نظر بجائے اظہار محبت کے ذہنی الجھن اور طبیعت کی گرانی کا شکار ہونا پڑے۔ لازم ہے کہ دوران مہمانداری اپنے دوست کے خارجی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مبادا کہ اس پر مشکلات وارد ہوں۔ جس کے لیے تمہاری مدد کی ضرورت ہو۔ اس لیے آداب میزبانی میں بھی۔ اولاً مہمانوں کے لیے لازم ہے۔ کہ دوست کچھ ہاں۔ مناسب وقت پر جائیں۔ تاکہ اس کو دوست کے بے وقت نازل ہونے پر اس کی خدمت کرنے میں۔ یا اس کے لیے کھانا فراہم کرنے میں دقت یا مشکل کا سامنا نہ ہو یا پریشانی نہ ہو۔ ایسی صورت میں دوست دوست کی آمد ایک زحمت سمجھ کر۔ نفرت والے مہمان کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ دوست کے گھر ایسے مناسب وقت پر جانا چاہیے۔ جب وہ آسانی سے مہمانداری کے لوازمات ہتیا کر سکے۔ ہاں اگر دوست بے وقت مہمان ہو تو اس کی آمد پر دل تنگ نہ کرو بلکہ خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہو خلوص کے اظہار میں بناوٹ نہیں پائی جانی چاہیے۔ دوست کے لیے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو۔ جانو۔ دوست بحیثیت مہمان۔ میزبان کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے۔ میزبان۔ مہمان کو جو کچھ پیش کرے وہی کچھ وہ قبول کرے گا جہاں بٹھائے



وہیں بیٹھے گا۔ مہمان میزبان پر اپنی پسند کے مطابق فرمائش نہیں کر سکتا۔ اس لیے لازم ہے کہ میزبان اپنے دوست مہمان کی طبیعت کو پہچان کر اس کی طبیعت کے موافق خوراک۔ رہائش آرام مہتیا کرے۔ تاکہ کسی وقت دوست کو جسمانی یا ذہنی الجھن کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اور دوست کے لیے جو خوشی لایا ہے۔ وہ بد مزگی کی تذر نہ ہو جائے۔ لازم ہے۔ دوست — دوست کے پاس ازراہ محبت آتا ہے۔ لہذا دوست اپنا وقت دوست کی قربت و صحبت میں گزارے اور اپنے خانگی کاروبار کو وقتی طور پر ملتوی کر دے۔ دوست اپنے دوست کی خود خدمت گزاری میں پیش پیش رہے کسی نیچے یا ملازم کو خدمت کے لیے مامور نہ کرے۔ مہمان کے خود ہاتھ دھلائے۔ کھانے میں خود بھی شریک ہو کر ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھائے۔ اور اگر ہم مشرب اور عزیز دوست ہو۔ تو اپنے بیوی بچوں کو کھانے میں شریک کر کے سب ایک دسترخوان پر کھانا کھائیں۔ زیادہ دیر قیام کی صورت میں۔ میزبان اپنے دوست کے کپڑے دھوئے۔ تبدیل کرنے۔ اور غسل کا انتظام کیا جائے۔ ہاں! مہمانداری اور میزبانی۔ حتیٰ دوست کے زمرہ میں آتی ہے۔ لہذا دوست کی ہر طرح پر خلوص خدمت کی جاتے جس میں محبت اور آشتی کا جذبہ کار فرما ہو۔

حضور فرماتے ہیں۔ اگرچہ دوست قریب از جان ہوتا ہے۔ تاہم انسان ضعیف ہے۔ اس میں کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں جو دوسروں پر ظاہر ہوں تو اس کی ”انا“ پر حرف آتا ہے۔ اس لیے دوست کے اندرون کا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرو۔ جب تک کہ وہ خود تم پر اپنا راز افشانہ کرے۔ باوجود قربت کے دوست کے گھر جا کر۔ دروازہ پر دستک دیجئے پھر اندر داخل ہوں ورنہ کبھی دوست اس حال میں ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے موزوں نہیں۔ اس طرح بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے قدرتی طور پر نفرت پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ دوستوں میں باہم ایک دوسرے کی مرضی کے مطابق تعلقات کا استوار ہونا۔ قربانی۔ محبت۔ ہمدردی اور دیر پا دوستی کا سبب بنتا ہے۔ آداب دوستی میں۔ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا باہم محبت و یگانگت۔ ہمدردی۔ قربانی کا بہتر ذریعہ ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی ہر شخص کے ساتھ برادرانہ۔ دوستانہ تعلق میں بہتر سلوک روا رکھا جائے تو دنیا میں کوئی کسی

کانہ دشمن ہو سکتا ہے نہ کوئی زبردست کمزور پر بالادستی قائم رکھ سکتا ہے۔ جانو۔۔۔  
 حسن سلوک سے کوئی تمہاری عدم موجودگی میں عیب جوئی نہ کرے گا۔ بلکہ تعریف ہی کرے گا۔  
 اس طرح لوگوں کے دلوں میں بھی تمہاری محبت و عزت قائم ہوگی۔ ہر شخص خلوص نیت سے  
 تمہاری خدمت و مدد پر آمادہ ہوگا۔ اس طرح تمہیں دین و دنیا میں بلند مقام حاصل ہوگا۔ تم  
 نے ہر شخص سے خلوص نیت سے محبت کی تو ہر شخص تمہارا دوست بنے گا اور تمہارا دوست  
 تمہارا ہر حال میں مددگار معاون بنے گا جس سے راہ حق میں باہم مل کر قدم بڑھانے سے  
 حق کی منزلیں طے کرنا آسان ہوں گی۔ جانو سب سے بہتر اور افضل دوست اولی الامر۔  
 ولی اکمل۔ ولی اکمل کی نسبت و صحبت ہے۔ جو تمہارا دوست کہلاتا ہے۔ سب سے  
 بہتر اس ہستی سے حب اور وفا لازم ہے۔ یہی دوستی تمہاری امن و سلامتی اور کامرانی  
 کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

## آداب شریعت

حضور قبلہ عالم آداب شریعت میں فرماتے ہیں۔ شریعت اصلاح نفس کا ایک  
 ضابطہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پر  
 اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ہم نے آدم کو تمام اسرار الہی  
 کا مشاہدہ دیا اور اپنی معرفت دی۔ یہ مقام۔ وہی۔ راہی طرف سے بلا محنت اور اعزاز  
 تھا۔ ان ہی مشاہدات کے تصور میں آدم نے ایک حیرت پائی۔ اس نے حقیقت کو  
 پایا کہ ایک قلبی جذبہ پایا۔ یہی پہچان۔ اور اسی قلبی پہچان کا تاثر۔ آدم کی عبادت  
 قرار پائی کہ اس نے خالق و مخلوق کی حقیقی کیفیت کا مشاہدہ کیا۔ عبد اور معبود کی حقیقت  
 پہچانی۔ یہی کیفیت ”حمد“ سے تعبیر ہوئی اور اس حمد سے دل جذبات میں نکلے ہوئے الفاظ  
 تَبِیح سے تعبیر ہیں۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ  
 الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ



الْمَوْءِنِ الْمُهِمِّنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ طَسْبِيْحُ اللّٰهِ عَمَّا  
يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى  
يُسَبِّحُ لَهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ صِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ

(پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۲۲ تا ۲۴)

وہ اللہ ہی ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے جو اپنے اسرار و آثار لاہوتی ملکوتی اور علم ظاہری جاننے والا ہے۔ بلاشبہ۔ اس نے اپنے بندوں کے لیے بے شمار انعامات کے خزانے جمع کر رکھے ہیں (الرَّحْمٰن) اور ان انعامات کے خزانوں کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ جو ان کا طلب گار ہو آسانی سے ان خزانوں سے انعامات حاصل کر سکتا ہے۔ (الرَّحِيْم) وہ اللہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اس کے ایک ہے کائنات کا۔ نورِ مطلق ہے (قُدُّوس) امن دینے والا۔ (السَّلَام) محافظت کرنے والا (مُهِمِّن) غالب (الْعَزِيزُ) منتظم اعلیٰ (الْجَبَّارُ) لامحدود ذاتِ کبریا۔ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے۔ کائنات کی ابتداء کرنے والا ہے اور احسن تقویم اور نظم و نظام کے ساتھ کائنات بنانے والا۔ تمام اسرارِ الہی اور مجملہ کائنات اسی کے نور سے بنی۔ تسبیح کرتی ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ غالب۔ صاحبِ حکمت۔ اپنے پوشیدہ اسرار کا جاننے والا ہے۔

یہی الفاظ۔ جو اللہ کی معرفت میں۔ انسانی قلب سے۔ حیرت و وجدان کے ساتھ ادا ہوئے۔ اللہ کے ذکر سے تعبیر ہے کہ وَ اذْكُرْ وَاللّٰهُ كَثِيْرًا اللہ کے اسرار و معرفت میں۔ اس کی حقیقت پہچان کر اس کی صفات کا اکثر ذکر و تصور کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات و ذات کی پہچان کے ساتھ اس کی صفات کے مشاہدہ میں حیرت (تعجب) کے تاثر کے ساتھ اس کی صفات کا قلبی جذبہ کے ساتھ دہرانا حقیقی تسبیح و حمد ہے۔ یہی عمل آدم کی تسبیح و حمد سے تعبیر ہوا۔ جو ملائکہ سے ممکن نہ ہوا۔ اس عمل کے ساتھ آدم کو کسی شریعت کی ضرورت نہ تھی۔ اس حال میں کہ اس نے پاکیزہ جسم و روح کے ساتھ ان ہی آثار و اسرار کا مشاہدہ جاری رکھنا تھا اور اولادِ آدم میں اس عمل کے ”معلم“ خود آدم بنے

اور اولاد نے متعلم کی حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام سے یہی علم اور تربیت پائی۔ اس حال میں بھی جب تک اولاد آدم میں پاکیزہ جسم و روح کی صلاحیت باقی رہی ان کا عمل جاری رہا۔ لیکن اللہ نے اولاد آدم کی سفلی خاصیت کے تابع قبل از وقت یہ منصوبہ مقرر کیا تھا۔ وَ لَكُمْ لِبَعْضٍ عَذَابٌ۔ اور تمہاری اولاد پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ لذتِ نفس کے زیر اثر حصولِ زائد کی خواہش میں میرے تصور۔ مشاہدہ اسرارِ الہی سے۔ تغافلِ برت کر ایک دوسرے کے دشمن بنیں گے۔ ان کی رُوحانی صفات مسخ ہو کر رہ جائیں گی۔ انہیں مشاہدات و معرفتِ میسر نہ ہوگی۔ تو میں ان پر احسان کروں گا۔ جیسے تم پر احسان کیا۔ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى مِّنْ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ صُلْحًا لِّبَيْنِیْ وَ بَيْنِهِمْ۔ عطا ہو گا یہی وہ ہُدٰی۔ ہدایت کا ضابطہ۔ جسے شریعت سے تعبیر دیا گیا۔ اسی کتاب میں پاکیزہ جسم و روح۔ مشاہدہ اسرارِ الہی۔ معرفتِ الہی حاصل کرنے کے لیے احکام کی صورت میں۔ ضابطے پیش کیے گئے ہیں۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ پس جس نے اس کتاب کے اصلاحی احکام پر عمل کیا اسے اپنی پستی اور گمراہی کے نتیجہ میں عذابِ آخرت کا خوف باقی نہ رہے گا۔ وہ اپنا مقصد حقیقی پانے میں کامیاب ہو گا۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اُولَٰئِكَ اصْحَابُ النَّارِ۔ اور جس نے ان اصلاحی ہدایات پر عمل کرنے۔ اور انہیں تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور میری آیات پر تنقید کی اور انہیں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لازماً انہیں اصلاحِ نفس کا موقع نہ مل سکے گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ پستی اور اندھیرے میں گر جائیں گے پستی و ظلمت کا نتیجہ سوائے خرابیِ آخرت کے اور کچھ نہ ہو گا۔

اللہ نے اپنی ہدایت (ہُدٰی) بھیجنے کا ایک خصوصی انتظام کیا۔ وہ یہ کہ



هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ  
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲)  
وہ اللہ ہے جس نے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ  
مومنوں پر احسان کیا کہ ان کی ہدایت کے لیے ان ہی میں ایک انسان کو منتخب کیا جب کہ  
اس انسانی آبادی میں وَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ان کی نسلوں سے سوائے فاجر و کفار  
کے کسی پاکیزہ رُوح و جسم و صاحب مشاہدہ انسان کے پیدا ہونے کی قطعی گنجائش نہ تھی۔  
اسی قوم سے ایک فرد کو منتخب کیا۔ اس حال میں کہ اس کی فطری خاصیت۔ پاکیزہ رُوح و  
جسم کے علیٰ حالہ محفوظ رکھا۔ اسی پاکیزہ رُوح و جسم سے اس کا مشاہدہ اسرارِ الہی قائم رہا  
۔ اسے رُوحِ رحمانی کے ذریعہ اسرارِ الہی اور معرفتِ الہی کا مشاہدہ دیا جس طرح اس  
سے قبل آدم کو دیا تھا۔ تو یہ منتخب فرد۔ پیدائش کے ساتھ اسرارِ الہی۔ معرفتِ الہی۔  
خبر پانے والا۔ خبر دینے والا۔ نبی پید ا ہوا۔ یہ اس پاک فرد کی پیدائشی صفت و  
خصوصیت تھی۔ اسی مشاہدہ کے ذریعہ سے اس شخصیت نے (ہُدٰی) ہدایت۔ اصلاحی

لے حضور قبلہ عالم نے۔ آدابِ انسانیت میں۔ خلیفہ و نبی کی صفت کے متعلق تفصیلاً بیان پیش  
کیا۔ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ قرآن نے اپنے دانستہ بیان میں۔ خلیفہ کے تصور میں۔  
حضرت آدمؑ کا عَلَّمَ اَدَمَ اَرْوَاقَ فَلَمَّا اَنْشَاَهُمْ فِي بَنِي كَانُ مَخْصُوصَ تَصَوُّر دیا۔ کہ زمین پر پیدا ہونے والا  
ہر انسان حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت کے ہر فرد تک۔ بحیثیت خلیفہ و نبی پیدا ہوگا۔ لہٰذا  
قرآن کے اس تاریخی بیان کی روشنی میں فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے بیان سے ہر انسان نسلِ آدم۔  
ذریت کا پیدائشی طور نبی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ جبکہ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔  
أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا كَمَا زِيَرِ اِنْسَانٍ فَسَادٍ خَوْنِزِي كَرَسَ كَا۔ اس بیان سے  
ثابت ہے کہ اِنِّیْ بَخَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِیْقَةً کا اشارہ تمام مخلوقِ انسانی کی طرف ہے۔ اور  
یہ ظاہر ہے فِي الْاَرْضِ خَلِیْقَةً کا اشارہ تمام مخلوقِ انسانی کی طرف ہے۔ اور  
اس وقت بھی ایک مخصوص ہستی کے لیے نبی کی صفت بیان کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ  
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)





ہوں گی ایک اس کی ہدایت الہی کے مطابق عمل زندگی کا کردار۔ دوسرا رسول کی عام زندگی کا حسن کردار کہ عام انسان اس کی زندگی کے حسن کردار سے متاثر ہو۔ یہ رسول کے اعمال و افعال اور اس کا ذاتی کردار ہوگا۔ جو اصولِ فطرت کے تابع احسن ہوگا۔ یہ حسن اخلاق ہے۔ یہ اسوۂ حسنہ ہے جس سے لوگ فطری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس رسول کے کردار پر اسکی عزت و تکریم کریں گے۔ عزت و تکریم کا حاصل۔ انسانی قلب

(بقیہ حاشیہ ۵۶۰)

منتخب ہستی کا ”نبی“ کی صورت میں تصور پیش کیا۔ ھُوَ الَّذِیْ بُعِثَ فِی الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ۔ یعنی ایک زمانہ میں جب انسان صفت نبوت سے محروم ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک انسانی فرد کو مخلوقِ انسانی کی اصلاح و ہدایت کے لیے منتخب (مصطفیٰ) کیا۔ جو اپنے مخصوص انداز میں تخلیقِ انسانی کے منصوبہ کے تحت ”نبی“ پیدا ہوا۔ اور اس کی صفتِ نبوت قائم رہی۔ تو یہ صفتِ نبوت۔ وہی صفت ہے جس صفت پر ہر انسان پیدا ہو کر ”نبی“ کہلاتا ہے۔ یعنی ایسی ہستی کا ”نبی“ کہلانا کسی خاص صفت کے تحت نہیں بلکہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے تخلیقی منصوبہ کے تحت پیدا آئشی خلیفہ ہونا ہے کہ مثل ہر انسان اس انسان کو۔ اس کی روح رحمانی کے ذریعہ علم و الاسماء کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد فساد و خوریزی کرنے والوں میں یہ صفت باقی نہیں رہتی۔ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انسان کو منتخب کرنے کی صورت میں ایسے انسان کی صفتِ نبوت محفوظ رہتی ہے۔ اسی پیدائش خصوصیت پر یہ انسان ”نبی“ کہلاتا ہے۔ السبۃ آیت قرآنی کی رُود سے۔ اس منتخب نبی کی خصوصیتِ نبوت کا باقی رہنا۔ یا نبی کہلانا۔ اس خصوصیت کے تابع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستی کو ہدایت و اصلاح انسانی کے لیے منتخب کرنے کی خصوصیت ”پر رسول“ کی صفت کے ساتھ مبعوث (مقرر) کرتا ہے۔ اس مقام پر ”نبی“ کا تصور بجائے عام مخلوقِ انسانی کے صرف ایک ہستی کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ یہاں جملہ مخلوقِ انسانی کے افراد۔ اور مخصوص ”نبی“ کے مابین ایک فرق محسوس ہوتا ہے۔ کہ ”نبی“ کی صفت۔ خبر یا نَارِعْلَمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءُ اور خبرینا۔ (فَلَمَّا اَنْبَاھُمْ سے مکمل ہوتی ہے اولادِ آدم میں بعض عالم کی حیثیت سے۔ دونوں صفات کے حامل خبر پانے والا اور خبر دینے والا کامل ہوتے ہیں اور بعض متعلم کی حیثیت میں صرف خبر پانے والے ہوتے ہیں۔ خبر دینے والے نہیں۔ اس اعتبار سے عام

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ایسے شخص کے لیے محبت و احترام کا جذبہ پیدا ہونا یقینی ہے۔ عزت و احترام اور محبت کا ہی خاصا ہے کہ اس کے کلام کو سنا جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس کے کلام کو مبنی برحق سمجھ کر۔ اسے امین و صادق تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقی صفت ہے۔ کلام الہی۔ احکام الہی کو تسلیم کرنے۔ اور ان پر عمل کرنے کی اس صفت پر کلام

(بقیہ حاشیہ ۵۶۱)

مخلوق کے مقابلہ میں ”نبی“ خبر پانے والے۔ خبر دینے والے کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت ایک فساد و خوریزی کرنے والی قوم میں جبکہ ان میں ہر انسان نبی کی حیثیت سے پیدا ہوا۔ مگر فساد و خوریزی کی وجہ سے مثل حیوان ہو گیا۔ تو ایسے وقت میں ایک منتخب و مخصوص ہستی کو ہی ”نبی“ تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسی ہستی کو باقی مخلوق پر فضیلت ملتی ہے کہ یہ ہستی ”خبر پانے والا“ و ”خبر دینے والا“ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس ہستی کو مقام رسالت عطا ہوتا ہے۔ جو عام انسانوں کو عطا نہیں ہوتا۔ لہذا عام انسانوں کے مقابلہ میں اس ہستی کو ”نبی“ ہونے کی خصوصیت اور رسول ہونے کی خصوصیت سے ایک منفرد تصور اور مقام ملتا ہے۔ یہاں یہ تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ اس ہستی کے لیے ”نبی“ کا تصور۔ اور علم۔ وہی ہے جو خلیفہ کے تصور میں ہر انسان کے لیے نبی کی صورت میں قرآن نے پیش کیا۔ صرف زمانہ کے حالات کے مطابق جب مخلوق انسانی میں صفت نبوت باقی نہیں رہتی۔ تو ایک ہستی کو ”نبی“ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس نبی کو وہی علم نبوت۔ اَلْاَسْمَاءُ کا علم دیا جاتا ہے۔ جو آدم۔ اور اولادِ آدم کو اس کی پیدائش کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اور انتخاب کی خصوصیت میں۔ اس ہستی کو رسول منتخب کرنے میں علم نبوت کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ براہِ راست اللہ کی طرف سے۔ یا ملائکہ کے توسط سے احکام ہدایت (کتاب) دیئے جانے سے رسول تصور کیا جاتا ہے۔ گویا نبوت و رسالت کے دو علیحدہ تصورات۔ اور صفات ہیں جو ایک منتخب رسول کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

اس بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ قرآنی بیان کی روشنی میں جب تک زمین (فِی الْاَرْضِ) میں انسان پیدا ہوگا۔ خلیفہ و نبی کی حیثیت سے پیدا ہوگا۔ اس لیے یہ مقام نبوت ”نبی“ کا تصور انسانی پیدائش میں قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد مخلوق انسانی میں فساد و خوریزی کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



الہی۔ احکام الہی کے نفاذ کا انحصار ہے۔ بغیر اس صفت کے کلام الہی احکام الہی کا نفاذ قطعی ممکن نہیں۔ اس خصوصیت کے ہوتے ہوئے رسول کے لیے دعویٰ نبوت کرنا لازمی تھا کہ میری شخصیت تقاضا کرتی ہے کہ میں من جانب اللہ مامور ہوں۔ اور میں اسرار الہی۔ معرفت الہی کا مشاہدہ کرنے والا۔ خبر پانے والا۔ اور تمہیں خبر دینے والا ہوں کہ ہر انسان کو بحیثیت خلیفہ پیدا کیا۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُلُّ مُؤَلَّدٍ یُّوَلَّدُ عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ ہر شخص۔ ہر انسان۔ ہر بشر۔ بحیثیت خلیفہ پیدا کیا جاتا۔

(بقیہ ماحشیہ صفحہ ۵۶۲)

موقع پر ایک انسانی فرد کے مخصوص و منتخب ہونے پر ”نبی“ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ۔ اس فرد کی خصوصیت میں عام مخلوق انسانی میں ”نبی“ کی صفت سے پکارے جانے کے ساتھ رسول کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جب تک مخلوق انسانی میں فساد و خونریزی رونما ہوگی۔ قیامت تک ایسے ہی نبی و رسول کا مبعوث ہونا۔ لازم ہوگا۔ چنانچہ اس الہی منصوبہ کے تحت گزشتہ زمانوں میں۔ انہیں تصورات ”نبی“۔ ”رسول“ کے ساتھ ظہور ہوا۔ جن میں نوح۔ لوط۔ یونس۔ ابراہیم احمق و اسماعیل علیہم السلام کا ظہور ہوا۔ کہ ہر نبی پیدا ہوا تھا۔ ان کی خصوصیات صرف مخلوق انسانی کی ہدایت کے لیے بحیثیت رسول ہونا تھی۔ چنانچہ اس نبوت و رسالت کا تمثیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد بھی مخلوق انسانی میں ایک عالمگیر فساد و خونریزی پیدا ہوئی۔ جسکی اصلاح کے لیے ایک آخری ”رسول“ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق انسانی کی ہدایت و اصلاح کے لیے مبعوث کیا۔ آپ کی ذات کو تمام عالم کی ”ہدایت“ ”اصلاح“ کے لیے مبعوث کیا گیا۔ لیکن اس عمل میں ”نبی“ کا تصور شامل نہیں۔ بلکہ رسول کا چونکہ آپ کی ذات تمام عالم کے لیے منتخب کی گئی۔ اس حال میں کہ آپ پر وحی شدہ احکام تمام مخلوق انسانی کے لیے کافی ہیں کہ اس کے بعد مخلوق انسانی کو کسی رسول کی ضرورت نہ رہے گی۔ البتہ ایک تصور ”نبی“ قیامت تک باقی رہے گا۔ جس میں بحیثیت رسول مبعوث ہونے والے ”نبی“ کی ضرورت رہے گی۔ نہ اس کا انتخاب اور نہ تصور باقی رہے گا کہ کسی نبی کا بحیثیت رسول انتخاب ہو لیکن اس مقام پر ”نبی“ کا تصور۔ رسول کی صفت کے ساتھ مشترک نہیں۔

(باقی ماحشیہ لکھ صفحہ پر)

منشائے الہی کے مطابق مقرر ہے۔ کہ اس کی پیدائش کے ساتھ۔ اس کی رُوح رحمانی کو مشاہدہ اسرارِ الہی و معرفتِ الہی دیا جاتا ہے لیکن اس کے مالِ باپ اس کو مجوسی۔ نصرانی۔ یہودی بناتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ خود پاکیزہ رُوح و جسم نہیں رکھتے لہذا ان کی اولاد کو بھی پاکیزہ رُوح و جسم میسر نہیں ہوتا اس لیے وہ خصوصیتِ علمی سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اس وجہ سے وہ حقیقت سے منکر گمراہی کی حالت میں سرگرداں ہیں۔ اب وعدہ الہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاحِ نفس کے لیے بھیجا۔ میری طرف آؤ میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ خالق اور معبود ہے اس کی معرفت و تسبیح انسان پر واجب ہے۔ ہاں میں نبی ہوں۔ اس کے لیے مجھے معجزات بھی عطا کیے گئے ہیں جو معجزات میری نبوت کی دلیل ہیں ان ہی خصوصیات کے ساتھ ایک رسول کو اصلاحِ انسانی کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ رسول کی حیثیت میں وہ آیاتِ الہی لوگوں کو سناتا ہے۔ جب رسول کی نبوت لوگ قبول کرتے ہیں اس کی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں تو رسول انسان کو مشاہدہ دینے کے لیے دُیَیْنُ گِیْہِیْمُ (دو کا تزکیہ کرتا ہے)۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جن افعال و اعمال سے انسان کی رُوح و جسم کشیف ہو کر مشاہدہ سے محروم ہو ان کی اصلاح کرتا ہے۔ انسان کو دنیوی حیثیت میں پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے کہ سچ بولو۔ کم نہ تولو۔ زائد حصول کی جستجو میں ناجائز طور پر مال و دولت جمع نہ کرو۔ دوسروں سے حسد۔ بغض۔ رکیں نہ دشمنی نہ رکھو۔ احسان کا جذبہ پیدا کرو۔ اپنے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ اختیار کرو۔ صبر و قناعت اختیار کرو۔ اور جب انسان نے رسول کی شخصیت کو عزت و احترام اور محبت کے جذبہ کے ساتھ تسلیم کر لیا تو اس کے لیے آسان ہو گا کہ وہ رسول کے قول کو تسلیم کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس قول و عمل میں ہدایت (ہدای) کے احکام پر

در بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۳

بلکہ اس نبوت کا تصور۔ پیدائشی تصور کے ساتھ ہے۔ جس صفت پر ہر انسان پیدا ہوتا ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علماء امت کا ظہور لازمی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد ایک طویل زمانہ باقی ہو گا جس کی اصلاح کی ضرورت باقی رہے گی۔



ہی انسان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ یا رسول جن افعال کو ذاتی طور پر بُرا سمجھے ان سے منع کرے اور جن باتوں میں بھلائی۔ نیکی ہو ان کی تلقین کرے۔ تو یہی ضابطہ شریعت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان کا اخلاق سنور گیا تو یٰزِکَیْہِمْ کا رُوحانی عمل شروع ہوتا ہے کہ رسول صفت نبوت کے مطابق ایک تابع پر رُوحانی توجہ ڈالتا ہے۔ جس سے اسکی جسمانی اور رُوحانی کثافت دُور ہو کر مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو اسی مشاہدہ سے کتاب اللہ میں مندرج متشابہات اور پوشیدہ اسرار انسان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان کا ایمان یقین کامل ہو جاتا ہے کہ کتاب اللہ کے آثار کا علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے ساتھ آگاہی پا کر۔ خالق و مخلوق۔ معبود و عبد کی حقیقت پہچان کر قلبی جذبہ کے ساتھ اللہ کی تسبیح و حمد کر کے حقیقی مقام خلافت پاتا ہے۔ جس سے اس کے مقاصد زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ دُنیا کا کوئی ذی رُوح۔ کوئی بشر ایسا نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادلوا العزم شخصیت کا قائل نہ ہو جب کہ کائنات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت محقق و مسلم ہو سوائے اس کے انسان اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں۔ لذت نفس کے زیر اثر۔ باطل خواہشات پوری کرنے میں دیدہ دانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت سے انکار کرے۔ یہ اس کا ذاتی فعل ہو گا جس پر وہ بلا دلیل۔ بلا وجہ۔ انکار پر بضد ہو گا۔ ورنہ آپ کی شخصیت کو دُنیا کا کوئی فرعون۔ کوئی محقق۔ کوئی موجد۔ کوئی فلسفی تسلیم نہ کرنے کا جواز پیدا کر سکتا ہے۔ نہ اس کے لیے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ ضروری ہو گا کہ علماء امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شخصیت تسلیم کرنے کے لیے خود اپنے کردار اور عمل صالح سے نمونہ پیش کریں اور لوگوں تک حقیقی علم اس کی ظاہری اور باطنی صفات کے ساتھ پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تسلیم نہ کریں یا اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ دین الہی شریعت الہی کے اجراء کے لئے علماء امت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ بن کر پیش ہونا ضروری ہے۔ بغیر کامل نمونہ کے لوگوں کے سامنے پیش ہونا عالم امت ہونے کا کوئی شخص نہ مجاز ہو سکتا ہے نہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ نہ اس وصف

کے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ۔ رسول اور کتاب تسلیم کرنا۔ اسلام سے تعبیر ہے۔ لیکن اس وقت تک اسلام کامل نہیں جب تک کہ اولاً رسول کو تسلیم نہ کیا جائے۔ — لہذا اولاً رسول کو تسلیم کرنا شرط ہے۔ کیونکہ اللہ و کتاب کو رسول کی شخصیت پر بلا دلیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ رسول ہی اللہ و رسول کے تسلیم کی ضمانت بنتا ہے۔ بغیر رسول کے تسلیم کے اسلام کامل نہیں۔

اور اسلام کے بعد احکام الہی پر عمل۔ اور رسول کی اتباع و اطاعت میں مشاہدہ حقیقت یا حقیقت (متشابہات) کا تسلیم ایمان سے تعبیر ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا بِكَ لَمْ نُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط ر پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۴

یہ گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ایسا نہیں یہ ایمان کے درجے میں داخل نہیں لیکن یہ کہو کہ ہم نے اللہ و رسول اور کتاب کو تسلیم کیا اور جب تک تم رسول کی اتباع میں — تزکیہ — اصلاح نفس سے مشاہدہ حقیقت حاصل کر کے جذبہ قلبی کے ساتھ تسلیم و حقیقت پا کر دنیا جان و مال اولاد ہر شے قربان کر کے اللہ اور رسول کی محبت میں کامل نہ ہو۔ تم صاحب ایمان کہلا نہیں سکتے۔ ابھی تو تم نے اللہ اور رسول کی عزت و محبت کا مظاہرہ کیا ہی نہیں ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ ظاہر ہوا کہ ایمان عمل سے نہیں۔ بلکہ قلبی رقت و جذبہ سے وابستہ ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ ایمان حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسلام کے رکن اَدَل کو دل سے تسلیم کرنا کہ

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تسلیم کرتا ہوں۔ کہ آپ امین و صادق ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات معبود ہے لہذا میں الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغِیْبِ وَیُقِیْمُونَ الصَّلَاةَ کے حکم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو دلیل لے کر تسلیم کرتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ کی ذات



معبود و خالق ہے۔ اس حال میں کہ آپ کی صداقت پر اپنی شہادت کو مستحکم کرتا ہوں۔ گویا میں خود اللہ کو دیکھ کر شہادت دیتا ہوں خالق و معبود ہونے کی صورت میں۔ میں اس کا عبد۔ غلام ہوں۔ مجھ پر اس کے ہر حکم کی تعمیل واجب ہے۔ میں اسے حاضر و ناظر جانتا ہوں۔ اس حال میں کہ وہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ہے۔ صاحب عزت و احترام ہے۔ اس کی عزت و احترام مجھ پر واجب ہے۔ یہ ایک اہم تصور اس شہادت کا ہے کہ اس ذات کو عِلْمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةُ ظاہر حالت اور پوشیدہ حالت پر حاضر و ناظر حیثیت میں یقین کامل کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اور جب اس کے عزت و جلال کا تصور قائم رکھو۔ تو جب تم اپنے بُرے اعمال عام انسانوں سے پوشیدہ رکھ کر شرم و حیا محسوس کرتے ہو کہ ان پر میرے گناہ ظاہر نہ ہوں۔ کہ میں لوگوں کی نظر میں مجرم و ذلیل و رذیل سمجھا جاؤں۔ تو اس واجب العزت ہستی کے سامنے کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ اس کی موجودگی میں گناہ کا مرتکب ہوں۔ جبکہ میرے پوشیدہ افعال و اعمال سے اللہ واقف ہے۔ یہ حیا کا مقام ہے۔ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ حیا و شرم ایمان کے بغیر نہیں لہذا اللہ کے آگے حیا کے جذبہ کو قائم اور مستحکم کرو کہ تمہیں اندرون خانہ۔ پوشیدگی میں جب کہ تمہارے بُرے اعمال لوگوں سے پوشیدہ ہیں لیکن اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ تمہارا یہ احساس قوی ہو جائے کہ اس واجب العزت ہستی کے سامنے گناہ سرزد ہونا۔ اس ذات کی بے عزتی کے مترادف ہے۔ تو اس ذات کی بے عزتی سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہو سکتا ہے تو حیا تمہیں پوشیدہ حالت میں گناہ سے باز رکھنے کا موجب بنے گی۔ یہ حیا کا جذبہ کیسے مستحکم ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَرَاكَ (راوی مسلم)

عبادت اس طرح کرو جیسے اللہ کو دیکھتا ہے تم نماز اس حالت میں ادا کرو کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر یہ صورت ممکن نہیں تو خیال کرو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ نماز اس تصور کو بچتے کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کہ تم یہ تصور بار بار کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور جب تم اس کے عزت و جلال کا جذبہ و تصور اس نماز میں شامل کرو۔ تو تم پر خشوع و

خضوع کی کیفیت طاری ہوگی۔ تمہاری نماز میں انہماک اور اس کے جلال کی ہیبت تمہارے دل پر طاری ہوگی۔ یہی ہیبت خداوندی کا تاثر جیا پیدا ہونے کا اصل ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ تم عقل و خرد کے ساتھ اس تصور کو قائم کرو۔ تو تمہارے قلب پر رقت طاری ہوگی۔ یہ علامت پاکیزگی قلب و روح اور کامل ایمان کی علامت ہے۔ تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان پوشیدہ حالت میں بھی گناہ کی طرف مائل ہو۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا اور فرمایا

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۴۵)  
نماز میں جب تم اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کے ساتھ اسے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ میں انسان کی سانس کی نالی (جو قلب سے متعلق ہے) سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ تصور کرو۔ اور اس کی عظمت و جلال کو قلب پر طاری کرو تو پھر یقینی طور پر یہ نماز کا عمل فحش و انکار کی شر سے محفوظ رکھنے والا ثابت ہوگا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔

جب تم نماز میں داخل ہو تو تم ذات الہی کے سامنے عبد و غلام کی حیثیت میں پیش ہو اور خشوع و خضوع میں اس کے عزت و جلال کی تجلی تمہارے قلب پر طاری ہو۔ بلاشبہ یہی ذریعہ ہی راستہ حقیقی معرفت الہی کا ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کے اصلاحی احکام میں الصَّلَاةُ۔ تزکیہ نفس۔ پاکیزگی جسم و روح۔ یکسوئی و انہماک اور نزول تجلی الہی اور معرفت حقیقی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں باقی احکام کے مقابلہ میں الصَّلَاةُ۔ اَقِمُوا الصَّلَاةَ کا بار بار ذکر آیا۔ کہ یہ عمل حصول معرفت میں تزکیہ نفس اور مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی پسندیدہ عمل الصَّلَاةُ ہی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُرْآنٌ عَلَيَّ فِي الصَّلَاةِ نماز ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس ٹھنڈک کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے قلوب عشق الہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لذت سے آشنا ہوں ورنہ ٹھنڈک کسی بے ادب کے لیے اس کی جسمانی حرارت کو منجمد کرنے کا سبب بنتی ہے۔



حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں محبتِ الہی تب تک میسر نہیں ہوتی جب تک محبتِ رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم قلب پر موجزن نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-  
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

نہیں مومن ہو سکتا۔ نہیں کسی شخص کے قلب میں ایمان کی عداوت قائم ہو سکتی۔ جب  
تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور ہر شے مطلوب سے  
زیادہ محبت نہ رکھی جائے۔ ظاہر ہو کہ ایمان کا حصول اور محبتِ الہی کا جذبہ حاصل ہونے  
میں محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کہ محبتِ رسول اللہ کے  
بغیر نہ ایمان کامل حاصل ہو سکتا ہے نہ محبتِ الہی سینہ میں جگہ پاسکتی ہے کیونکہ حصولِ معرفت  
میں حصولِ رضا الہی میں حصولِ ایمان و اسلام میں حصولِ ہدایت میں جب تک رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و راہنمائی حاصل نہ ہو انسان ہر عمل اور حصول میں ناکام اور  
نامراد رہے گا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی حصولِ مقصود کا سبب  
ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و حب ہر شے کے حصول سے مقدم ٹھہری اور جانیں  
وَاقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے قرآنی حکم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ  
مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔ جس نے جان بوجھ کر بلا وجہ نماز ترک کی اس نے گویا نماز ادا کرنے  
سے انکار کیا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مَا اتَّكَمُ الرَّسُوْلُ رَجُو  
رسول تمہیں دے۔ یا کہے۔ اسے قبول کرو میں رسول اللہ کا حکم جاری ہونا شامل ہے جس نے نماز  
ادا نہیں کی۔ گویا اس نے یہ نیت کر لی۔ کہ ”جاؤ میں نہیں مانتا“ یہ انکار کائنات میں سب سے  
بڑا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت ماننے سے انکار  
کر دیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ ایسا کیوں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
الصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ هَدَمَ الدِّیْنَ۔  
نماز دین و شریعت کا ستون ہے۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی گویا اس نے دین کی عمارت  
کو منہدم کر ڈالا۔ یہ نہایت افسوسناک مقام ہے۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضور محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے تابعین نے۔ اس دین کی عمارت کو تعمیر کرنے میں کس قدر مصائب اور تکالیف اٹھائیں۔ نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلوے مقدس میں پھندا ڈالا گیا۔ آپ پر اوچھڑیاں پھینکی گئیں۔ بہاد میں جب صحابہ نے باجماعت نماز ادا کی تو دشمنوں نے موقع پا کر حملہ کر کے کئی مجاہدین دین کو شہید کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کی حالت میں شہید کیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز کی طرف جاتے شہید کیا گیا۔ حضرت حسین علیہ السلام کو بھی نماز میں شہید کیا گیا۔ کیا یہ نماز رکوع و سجود تھی یا کچھ اور۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے طائف میں مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے جسم مقدس سے خون اتنا بہا یا گیا کہ نعلین مبارک خونِ اطہر سے تر ہو گئیں۔ آپ کے تابعین نے خود اسی دین کی خاطر اپنے ہاتھوں۔ اپنے بالوں۔ اپنے فرزندوں اور اپنے عزیزوں کو قربان کر دیا۔ اب بھی یہی دین ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے دعویدار عمداً و قصداً ترکِ صلوٰۃ سے منہدم کر رہے ہیں۔ دشمن کی برائی اتنی تکلیف دہ نہیں۔ جتنی دوست کی بے وفائی افسوسناک ہوتی ہے۔ اُمتی ہونے کے دعوے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی قربانی کو خاطر میں نہ لا کر دشمنی کرنا حد درجہ افسوسناک ہوتا ہے۔ کائنات میں اس سے بڑھ کر ظلم اور بے وفائی کا تصور ہی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تارکِ الصلوٰۃ دوست سے سرزد ہوتی ہے۔ جو دوست بن کر آپ سے دشمنی کرتا ہے ایسے شخص کے لیے دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و رسوائی کے کسی رحم یا شفقت کا خیال رکھنا بالکل لا حاصل ہے۔ لہذا ہر حال میں نماز قائم رکھنا امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لازم اور واجب ہے۔ جب کہ نماز ہی دین کی اصل ہے۔ نماز ہی انسان کے لیے باعثِ نجاتِ آخرت اور فلاحِ دین و دنیا کی ضامن ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی نماز کو انسانی فلاح و کامرانی کا سبب قرار دیا۔ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ**۔ نماز و صبر سے اللہ سے مدد مانگو۔ نماز کا فراور مومن میں فرق کرنے والی ہے۔ بغیر اداائے نماز انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ **فَقَدْ كَفَرَ** یعنی نماز کا فراور مومن میں فرق کرنے والی ہے۔ **الصَّلَاةُ** کیا ہے؟ قرآن نے بتایا



کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی۔ ہر قوم کو الصلوٰۃ کا حکم دیا۔ اِس الصلوٰۃ کو۔ قیام و قعود۔ رکوع و سجود۔  
 وَاقِمُْوا الصَّلَاةَ — وَادْكَعُوا وَاَسْجُدُوا کی ہیئت میں پیش کیا گیا — کسی نبی  
 نے قیام کی شکل میں نماز ادا کی۔ کسی نبی نے رکوع کی شکل میں نماز ادا کی۔ کسی نبی نے سجود  
 کی شکل میں نماز ادا کی۔ کسی نبی نے قعود و تحیت میں نماز ادا کی۔ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ان تمام انبیاء کی نماز کا مربوب و مجموعہ دیا گیا — یا یوں کہو کہ حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو ارکان نماز کا کامل مجموعہ دیا گیا اور باقی انبیاء کو جزوی حیثیت میں اسی نماز  
 کے ارکان میں سے اجزائے نماز دیئے گئے۔ اِس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت  
 کے لیے تمام انبیاء کی نماز سے افضل نماز عطا کی گئی — جس میں قیام — رکوع — سجود —  
 تحیت تمام ارکان کو یکجا کیا گیا۔ ہاں نماز۔ درحقیقت قیام۔ رکوع۔ سجود کا عملی اور ظاہری مظاہرہ  
 ہے۔ بغیر ان ارکان کی ادائیگی کے نماز — نماز نہیں کہلا سکتی اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ان ہی ارکان سے نماز ادا کی اور ان ہی کی ہدایت فرمائی ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے زیادہ کس کو معرفت الہی۔ وصال الہی۔ انہماک و استغراق خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا  
 ہے۔ لیکن ان صفات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو پورے ارکان کے ساتھ  
 ادا کر کے اُمت کو ایک نمونہ دیا — کچھ نام نہاد صوفیاء نماز کا ایک مبالغہ آمیز نظریہ پیش  
 کرتے ہیں کہ انسان کو حضورِ حق میں وصال الہی میسر آئے تو نماز صرف حضورِ حق حاصل  
 کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب حضورِ حق حاصل ہو تو نماز کی ضرورت نہیں رہتی — اصل نماز  
 — یا نماز کی رُوح وصال الہی ہے — وصال الہی حاصل ہو تو نماز کی حاجت نہیں رہتی  
 مگر — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ  
 نماز حضورِ حق — وصال الہی حاصل کرنے میں سیڑھی — زینہ کا کام دیتی ہے۔ قرآن  
 کریم نے بار بار الصَّلَاةَ کا تذکرہ کر کے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی تَقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ كَوَاحِدٍ  
 ذَرِيعَةُ الصَّلَاةِ هِيَ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

عاشقانِ خدا تو ہر وقت نماز کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام  
 کی جبین مبارک پر کثرتِ سجود سے گٹھلی پیدا ہو چکی تھی سَيِّمَاهُمَا فِي وَجْهِهِمَا مِنْ أَثَرِ

السُّجُودِ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی۔  
صوفیائے کرام کی نماز کے بارے میں حضرت رومی فرماتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون  
عاشقانِ ہم فی الصلوة دامتون

یعنی عاشق دائمی نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور عوام تو ایک نماز پڑھنے کے بعد غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر عاشق الصلوة کے انتظار میں دائمی نماز کا ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔ نماز تو معراجِ مومن ہے۔ وہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کر کے تقرب الی اللہ حاصل کرتا ہے جس میں اس کو مشاہدہ انوار الہی حاصل ہو جاتا ہے کچھ لوگ تو الہی انوار میں محو ہو جاتے ہیں لیکن دوسرا مومن وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ کے حکم کے تحت دیگر امور میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس شہود کا مشاہدہ دائماً نہیں رکھ سکتا کہ اسے امور دنیوی میں بھی مشغول رہنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ اس کے قلب و ذہن پر دنیوی فکر کا غلبہ رہتا ہے۔ دن میں پانچ بار اسے اس حال میں حضوری حاصل کرنے کا حکم دیا گیا کہ تم امور دنیوی کے مشاغل میں اپنی قوتِ مشاہدہ۔ محویت و استغراق۔ کو نماز کے ذریعہ جلا دو تا کہ تمہارا قلب و ذہن۔ ہمہ وقت۔ محویت و استغراق کا عادی رہے ورنہ انسان کی۔ سفلی۔ جسمانی۔ خاصیت کا تقاضا ہے کہ اگر اس نے نماز سے علاوہ اپنی مشاہدہ اور محویت کی قوت کو محض رات کے اندھیرے تک مختصر کر دیا۔ تو لازم ہے حصول دنیا کی فکر میں تمہاری مشاہداتی قوت پر شہوانی غلبہ پاری ہونے کا احتمال ہو گا کہ نفسِ امارہ انسان کی زندگی تک۔ زندہ رہتا ہے۔ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ اس کی خاصیت ہر لمحہ ظلمت کی طرف زور دینے کی ہے۔ لہذا تمہیں ہر لمحہ اس کی زد سے بچنے کے لیے پاکیزگی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے دن کی دنیوی مصروفیت میں۔ کم از کم پانچ بار۔ محویت اور استغراق کی عادت کو قائم رکھنے کے لیے۔ نماز۔ از حد لازمی ہے۔ اگر نماز ادا نہ کی تو جانو۔ تم کسی وقت (بِالسُّوءِ) لذتِ نفس کا شکار ہو کر اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کھو سکتے ہو۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے۔



کہ نماز میں محویت و استغراق لازم ہے۔ سوائے اس کے نماز ہوش و حواس کے دائرے میں ادا کرنا لازم ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى۔ نماز اس حالت میں ادا نہ کرو کہ تمہاری عقل سُکر کی حالت میں اپنے اعضاء جسمانی پر گرفت نہ رکھتی ہو جس سے اولیٰ ارکان نماز میں خلل واقع ہوگا۔ سُکر۔۔۔ سے مراد عقل کا سُکر جانا۔ اور شعور کا برسرِ عمل نہ ہونا۔ ایسی حالت میں نماز ادا کرنا جائز نہیں کہ نماز میں ارکان کی ادائیگی لازم ہے چنانچہ سُکر طاری ہونے کے سبب نماز ادا نہیں ہو سکتی نہ ایسی حالت میں آداب نماز کا اہتمام رکھا جاسکتا ہے۔ نماز میں انسان یہ سمجھ سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہے اور اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ ایسی حالت میں جب مشاہدہ تجلیات الہی میں سُکر پیدا ہو انسان اپنے اعضاء پر کامل تصرف نہ رکھ سکے ارکان نماز ادا نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت پر۔۔۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ۔ کا حکم جاری ہوتا ہے۔ اس کی دوسری غالب ہئیت یہ ہے تجلیاتِ نوری میں انسانی عقل پر انوار کی شدت غالب آجاتی ہے۔ اس وقت انسان پر یکسر بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کہ عقل انسانی جسم پر وارد ہوتی واردات کا قطعی احساس نہیں کہ پاتا اس حال میں کہ اگر اس کے جسم پر کوئی شدید حادثہ بھی طاری ہو تو انسان اس کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ نہ اسے اس تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو ”جذب“ سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان نہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتا ہے نہ اس پر اس حالت سُکر میں نماز ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو مجذوب کہا جاتا ہے۔ مجذوب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو تجلیاتِ الہی میں یکسر محو ہو کر جسم کے تصرف سے یکسر غافل اور بے احساس ہو۔ اگرچہ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے بھی ایسی کیفیت جذب طاری ہو جاتی ہے لیکن یہ کیفیت چونکہ ناری اثر کے تابع ہوتی ہے اس حالت کو ناقص اور شیطانی واردات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور جذب کی اصل تعریف تجلیاتِ الہی کے وارد ہونے پر عقل کا یکسر محو دیدار ہونا اس حال میں کہ اسے اپنے جسم کا احساس نہ ہو۔ سوائے ذاتی تجلیاتِ الہی کے۔ مخلوقی انوار میں جذب۔ مجذوبیت کی اصل نہیں قرار دی جاتی ہے کیونکہ اصول طریقت کے مطابق جذب کے حقیقی مقام ہیں۔ یعنی طالب حق کو حصول معرفت میں صراط اللہ کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔

ان مراحل میں عالم ناسوت — عالم ملکوت — عالم جبروت — عالم لاہوت منازل ہیں —  
ان مراحل میں تجلیات پائی جاتی ہیں۔ ان مراحل میں پہلے عالم ناسوت کے انوار آتے ہیں۔ ان  
انوار کی تجلیات سے اگر طالب پر جذب طاری ہو وہ ناقص کیفیت ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت  
— عالم جبروت — عالم لاہوت کے مراحل میں سے گزرنے پر اگر طالب حق پر ان انوار کے وارد  
ہونے پر جذب طاری ہو تو اصولاً یہ کیفیت بھی ناقص ہوتی ہے۔ ان مقامات پر جذب طاری  
ہونے کا اصل سبب کامل تزکیہ نہ ہونے کے باعث ہوتا ہے کہ انسان ان انوار کی تجلی کا تحمل  
نہیں ہوتا۔ گویا ایسا شخص باطناً مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی میں روحانی حیثیت میں سالم  
اور ہوشمند ہوتا ہے لیکن از روئے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ یہ دلیل ثابت ہوتی ہے کہ  
نماز کی ادائیگی میں ارکان نماز ادا کرنے سے ہی نماز کی تعمیل و تکمیل مقرر ہے۔ ورنہ معرفت الہی  
میں بوجہ سکر کے نماز سے منع ہے ظاہر ہو نماز ارکان سے ادا کیا جانا فرض ہے۔ نہ کہ حضورِ  
حق سے جس کی حیثیت میں عقل بوجہ محویت نور الہی کے جسمانی تصرف پر قادر نہیں رہ سکتی ایسے  
سکر کی حالت میں نماز واجب نہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم نوری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لیے مراتب  
کے اعتبار سے یہ حالت احسن قرار دی جاتی ہے لیکن اصول شریعت کے تابع بہر حال ناقص  
تصور کی جاتی ہے۔ اس کے مقابل ایک طالب حق عالم ناسوت سے لے کر عالم جبروت تک  
کے مراحل میں بقائمی ہوش و حواس اگرچہ روحانی حیثیت میں وہ ان انوار میں جذب پاتا ہے۔ لیکن  
عقلی حیثیت میں اس کی عقل پر محویت طاری نہیں ہوتی بلکہ ہوش و حواس بھی قائم رکھتا ہے۔  
بدیں وجہ اس کا تزکیہ روحانی بحد کمال قوی ہوتا ہے کہ اس کی عقل تجلیات نوری کے درود سے  
متاثر ہو کر سکر کی حالت میں نہیں جاتی — یہاں تک کہ اس پر خالص تجلیات الہی کے انوار  
کا بھی نزول ہو — سکر کی حالت اس پر پھر بھی طاری نہیں ہوتی۔ ایسے عالم کو سالک سے  
موسوم کیا جاتا ہے۔ ان حالتوں میں جس شخص پر تجلیات الہی کے نزول میں دائمی سکر پیدا ہو  
کر اپنی جسمانی حالت سے یکسر بے خبر ہو وہ حقیقی مجذوب کہلاتا ہے۔ اس پر لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ  
کا مستقل حکم جاری ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی بھی حالت میں ہوش میں نہیں آتا گویا ایسا شخص باطناً  
مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی میں روحانی حیثیت میں سالم اور ہوشمند ہوتا ہے۔ لیکن



جسمانی حیثیت میں عقل۔ بوجہ محویت نور الہی کے جسمانی تصرف پر قادر نہیں رہ سکتی۔ ایسے ایسے سکر کی حالت میں نماز واجب نہیں۔ از روئے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ۔ یہ دلیل ثابت ہوتی ہے۔ کہ نماز کی ادائیگی میں ارکان نماز ادا کرنے سے ہی نماز کی تکمیل و تکمیل مقرر ہے۔ ورنہ معرفت الہی میں بوجہ سکر کے نماز سے منع ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز ارکان سے ادا کیا جانا حق ہے۔

ماسوائے اس کے جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ بعض طالبان کو دائمی استغراق حاصل نہیں ہوتا بلکہ جذبات قلبی کے زیر اثر ان پر تجلیات کا کسی آن نزول ہوتا ہے۔ ان پر جذب طاری ہو جاتا ہے۔ اور پھر جذب سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے تا وقتیکہ اس پر جذب کیفیت میں سکر طاری ہوا اس پر نماز لازم نہیں لیکن اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اگر جذب کی حالت میں نماز کا وقت آیا اور قضا ہو گئی تو اس پر وہ نمازیں جو جذب کی حالت میں قضا ہوئیں۔ ادا کرنا فرض ہیں۔ بصورت دیگر عدم ادائیگی نماز پر وہ قابل مواخذہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ولی صاحب فرد ہوتا ہے صاحب علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فرائض جلتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی آن تجلیات الہی کے نزول پر جذب میں داخل نہ ہو۔ اگرچہ اسے فنا و بقائے الہی میسر ہے۔ غیر سکر کی حالت میں اس پر نماز ادا کرنا ہر حال میں واجب ہے۔ وہ کسی طرح بھی نماز کی ادائیگی سے فارغ نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے لیے نماز سے اصلاح نفس کی ہر لمحہ ضرورت باقی رہتی ہے۔

یہ امر قابل فکر ہے۔ کہ ہر اس شخص کو جو تزکیہ جسمانی۔ روحانی پر عامل ہو۔ اس سے مافوق الفطرت۔ مافوق العقل۔ کمالات و کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ یہ انسانی تخلیق کا فطری خاصہ ہے کہ پاکیزہ روح کی حالت میں انسان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ ان کمالات کا ناری قوت۔ روح حیوانی سے صدور ہوتا ہے۔ روح رحمانی کا کرامات سے تعلق نہیں اگرچہ نورانی حیثیت میں اس روح سے بھی کرامات کا اظہار ہو سکتا ہے۔ لیکن قدرت نے اس روح کو محض مشاہدہ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی اور معرفت ذات الہی کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اس لیے ولی اکثر حالتوں میں سوائے مشاہدہ اسرار معرفت الہی۔ اس روح کو کرامات کے لیے

استعمال نہیں کرتا۔

بلکہ نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ اسے محویت کا مقام حاصل نہ ہو۔ ناسوتی کرامات کا رُوحِ حیوانی سے صدور۔ بلا تميز اتباعِ شریعت ہر انسان سے ہو سکتا ہے۔ اس میں صرف فاقہ رات جاگنا یا کسی انسان میں پیدائشی طور رُوحِ حیوانی کا قوی و پاکیزہ رہنا۔ بغیر اتباعِ شریعت بغیر پابندی عبادت قوت کرامات پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نشہ آور اشیا۔ چرس۔ بھنگ۔ شراب پیئے بھی قوتِ مشاہدہ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ نشہ آور اشیا سے عقل پر سکڑ پڑی ہو جاتا ہے اور شعور برسرِ عمل ہو جاتا ہے۔ شعور دراصل رُوحِ حیوانی کا مخزن ہوتا ہے۔ اس لیے نشہ کی حالت میں شعور خود مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مشاہدہ میں ناسوتی عالم کی کیفیات کا۔ چونکہ عالم ناسوت کی کیفیات بھی ناری ہیں۔ ان میں زمین میں مدفون خزانے۔ قبروں کے احوال۔ دل کی باتوں کا علم۔ اور زمین پر واقع ہونے والی واردات کا مشاہدہ شامل ہے۔ اس شخص کا عمل ولایت میں شامل نہیں۔

واضح ہو کہ گذشتہ انبیاء سابقین کو اجماع شریعت میں جو معجزات (وہی طور) عطا ہوئے۔ ان میں معجزہ سلیمانی۔ ہوا میں اڑنا۔ حشرات الارض کے کلام سننا۔ معجزہ داؤدی۔ لوہا موم ہونا۔ معجزہ موسوی۔ عصا اور یدِ بیضا۔ معجزہ عیسوی۔ بیماروں کا اچھا کرنا۔ پانی پر چلنا۔ مردہ زندہ کرنا۔ غیب کی باتیں بتانا۔ یہ معجزات محض ان کی نبوت کے لیے پیش کیے گئے کہ انسان ان کے مافوق العقل کمالات سے۔ ان کی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی اور روحانی رابطہ کی دلیل پاسکیں کہ یہ ہستیاں مافوق الفطرت کمالات کی حامل و مامور من جانب اللہ ہیں۔ یہ کمال مامور من جانب اللہ شخصیت کے لیے بطور دلیل پیش کیا گیا۔ کہ ان کی شخصیت مسلم ہو اور لوگ ان کی اتباع میں وحی و شریعت پر عامل ہو کر راہِ حق حاصل کریں۔ کمالات انسانی شخصیت کی برتری تسلیم کرنے کے لیے پیش کیے گئے۔ جن کا اثر۔ کرامات اور مشاہدات تھے۔

اور ہر زمانہ میں انبیاء نے ایسے ہی کمالات کا مظاہرہ کیا۔ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ لیکن گزشتہ زمانوں کے منتقل شدہ تصورات پر ہی یہود و نصاریٰ نے گزشتہ نبیوں جیسے معجزات کا مطالبہ کیا کہ چاند کے ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ مٹھی میں چھپائی ہوئی کنکریوں کا



ہونا۔ قیامت کا حال بتائیں وغیرہ۔ یہ انبیاء کی دلیل نبوت کے لیے بطور ثبوت مانگا گیا۔  
 گزشتہ زمانوں میں ہر قوم میں نبی مبعوث ہوتے رہے ظاہر ہے کہ ان کے مامور من جانب اللہ  
 ہونے کے لیے انہیں بھی مافوق الفطرت کمالات میسر ہوئے اور نبی کی صفت میں یہ امر شامل  
 ہے کہ اسے صرف قوتِ مشاہدہ پر۔ بغیر ملائکہ و وحی۔ ہدایت ملتی رہی اور نبی نے بحیثیت معلم  
 لوگوں کا تذکیہ کر کے انہیں مشاہدہ و معرفت دی۔ رسول اور رسالت میں بھی تو اصلاحِ نفس  
 کے لیے ہدایات ہیں۔ ملائکہ کے نزول میں کتاب اور نبی کی فضیلت مقصود ہوتی ہے۔  
 چنانچہ گزشتہ قوموں نے انبیاء سے قوتِ مشاہدہ اور کمالاتِ نبوت کا علم حاصل کیا لیکن زمانہ  
 کی طوالت کے ساتھ جب نبی کی تعلیم باقی نہ رہی مگر کمالاتِ ناسوتی باقی رہے اور ان کا علم  
 بھی باقی رہا۔ اور جب اس علم میں شریعت کی اتباع شامل نہ رہی تو نام نہاد ادویہ قائم مقام  
 انبیاء نے بغیر اتباعِ شریعت صرف تذکیہ سے کمالات کا مظاہرہ کیا جس میں مخرب اخلاق افعال  
 شراب۔ جوا۔ زنا کا ارتکاب شامل ہوا۔ تو آئندہ آنے والی قومیں ان ہی کمالات سے متاثر ہو  
 کر ایک استدراجی ولی کی طرف رجوع کرتی رہیں اور اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا ان  
 گزشتہ صاحبِ کمالات شخصیتوں کو ولی تصور کیا جانا جائز ہے۔ اس حال میں کہ ان کا علم و عمل  
 یکسر شریعت کے خلاف ثابت ہے۔ وَلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ ہر قوم کے لیے اللہ نے  
 ہادی بھیجے جو الہی احکام لے کر آئے۔ انہوں نے قوموں کی شریعت کے تابع راہنمائی کی  
 البتہ اپنی نبوت کی دلیل کمالات و کرامات سے دی۔ بعد میں ان کے پیروؤں نے شریعت  
 کی پیروی ترک کر کے صرف جنگلوں کی تنہائیوں میں شدید تذکیہ نفس سے کمالات حاصل کر کے  
 ایک فسروی علم کو جنم دیا۔ یہی علم آئندہ قوموں کی علمی اساس بنی۔ اسی پر  
 ان کے مذہب کی بنیاد پڑی۔ چونکہ اس علم میں کمالاتِ نبوت کا استدراجی مظاہرہ ہوا۔ اس  
 لیے قوموں نے اس مذہب کو ہی حقیقت تصور کیا۔ یہی حقیقت ہندوستان میں ہزاروں سال  
 قبل قدیم آریائی قوموں کی رہی کہ ان میں بعض لوگ حصولِ حق میں مخلص تھے۔ انہوں نے لوگوں کو  
 ہدایت کی طرف بلایا وہ اوتار۔ رشی کہلاتے مگر زمانہ کے ساتھ جب اس علم و عمل میں اخلاق  
 حسہ اور ہدایت کا صحیح تصور باقی نہ رہا تو اس علم و عمل کو حصولِ مال و زر اور عوام الناس کو

زنجیروں میں جکڑنے کے لیے استعمال کئے۔ راجاؤں۔ مہاراجوں۔ برہمنوں۔ شودروں کا وجود پیدا کر دیا۔ یہی علم و عمل مدت بہ مدت ہندوستان میں جاری ہوا جو آخر میں۔ ہندومت۔ بدھمت اور دیگر امتوں میں جاری رہا اور اشوک کے زمانہ میں ہندوستان سے علاوہ۔ ایران۔ چین تک یہی علم پھیلا تو اس سے یہ علاقے بھی متاثر ہوئے اور اسی زمانہ میں ایسا ہی علم۔ چین۔ ایران میں بھی رائج رہا۔ اور جب اسلامی شریعت نے الہی کلام کا تصور ان علاقوں میں پیش کیا تو اس وقت خلافت عثمانیہ کا دور تھا جس کی اپنی اسلامی اور شرعی اساس اپنی اصلی حالت میں کمزور ہو چکی تھی تو ایران نے اپنے مروجہ علم میں کلام الہی کو شامل کر کے۔ ایک نیا علم تشکیل دیا یعنی یہاں اس سے پیشتر تزکیہ نفس میں۔ بہمنی تزکیہ جسم کو اذیت دینا۔ سانس بند کرنا۔ لمبے سانس لینا۔ یکسوئی و مراقبہ کرنا۔ بلور بینی سے یکسوئی کی مشق کرنا۔ یا سورج چاند پر نظر جما کر یکسوئی کرنا۔ یا سانس بند کرنے کی طویل مشق کر کے گھنٹوں۔ دنوں ہفتوں مہینوں۔ سانس بند کر کے۔ زندہ رہنا۔ اس عمل میں کلمہ توحید۔ اے اعظم اللہ ہو۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے قلب پر ضرب لگانا یا قرآن و وظائف کا استعمال کرنا۔ اسلام میں داخل ہونے والے آریہ برہمنوں نے جو نو مسلم فقیر کہلائے اسلامی تصوف کا نیا تصور دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے عمل یا ایسی مشقوں میں دین کی شرط بھی نہیں لیکن ایران و ترکی۔ عراق و مصر اور عرب سے آنے والے علمائے شریعت۔ ادیا بھی جب ایران سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان میں سے بعض اولوالعزم ہستیوں نے حقیقی دین اسلام قرآن اور حدیث اور حقیقی علم طریقت کا اجرا کیا اور بعض نے علم شریعت کے ساتھ علم طریقت میں ایرانی تصوف کی آمیزش سے علم طریقت کا اجرا کیا تو اس طرح اسی ایرانی تصوف نے ہندوستان میں رواج پایا۔ کہ بغیر اتباع شریعت مکاشفات و کرامات کو دین کی اصل تصور کر کے اس پر عامل ہوتے۔ اور جہاں تک اس علم میں شریعت پر عمل ہوا۔ یہ حقیقی اسلامی تصوف تصور کیا گیا۔ لیکن اس تصوف میں ایرانی تزکیہ نفس کو شامل رکھا گیا اور اس طرز۔ طریقہ کو اسلامی تصوف کی بنیاد تصور کیا گیا اور قرآن نے طریقت کے متعلق جو طریق پیش کیا اس پر بہت کم عمل کیا گیا۔ چنانچہ ہندوستان میں جو سلسلے عرب و عراق و ایران سے ہندوستان میں پہنچے ان میں قادری سلسلہ۔



چشتی سلسلہ۔ نقشبندی سلسلہ۔ بہروردی سلسلہ مشہور ہیں۔ گو ان میں بنیادی طور قرآنی طریق طریقت موجود تھا مگر ہندوستان میں فقرار نے محض تزکیہ نفس کی آسانی کے لیے ایرانی تصوف کے طریق کو شامل کر کے طریقت اسلامی کا ایک ضابطہ قائم کیا۔ اسی ضابطہ پر جب اس علم میں علم شریعت کی ضرورت کو استعمال نہ رکھا گیا تو نام نہاد فقرار نے محض لاعلمی کے باعث یا اپنی خواہشات نفسانی کے حصول میں حصول دولت کی خاطر استدراجی عمل کو اپنا کر طریقت کا ایک غلط اور گمراہ کن طریق اپنایا اور لوگوں نے بوجہ لاعلمی ایسے کمالات کو حقیقت سمجھ کر اس پر اظہار عقیدت کیا۔ اس تصور میں ایک استدراجی فقیر کے علم کو اس کے کمالات کی بنا پر فنا فی اللہ ولی تسلیم کیا جس میں شریعت کی اتباع کو لازم نہ سمجھ کر شریعت سے علیحدہ ایک باطنی علم قرار دے کر۔ ایک فقیر اتباع شریعت میں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے خصوصی ارکان سے انحراف کرتے ہوئے بھی ولی صاحب معرفت تصور کیا جانے لگا۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ایسے ولی جو بغیر اتباع شریعت بغیر ادائیگی ارکان نماز فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب اور دین حق کے اجرا میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔ بغیر اتباع شریعت۔ بغیر حصول مراتب۔ عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت۔ ولایت کا دعویٰ کرنے والا مدعی ولایت کذاب ہے۔ مدعی ولایت کا دعویٰ بمنزلہ دعویٰ نبوت ہے۔ کیونکہ طریقت میں علماء امت کیلئے صاحب شریعت اور مراتب اعلیٰ کا حامل ہونا ضروری ہے۔ بغیر خصوصیت ولایت دعویٰ نبوت کرنے والا۔ جھوٹا نبی۔ نبی کذاب تصور ہوتا ہے۔ ایک ولی کے لیے علم ملکوت میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانا لازمی ہے۔ اور یہ مقام بغیر اتباع شریعت اور ادائیگی نماز کے ممکن نہیں۔ لہذا ہر مرید کے لیے نماز پانچ وقت نماز تہجد حصول معرفت میں استیقام و دوام کے لیے لازم ہے۔ ورنہ نماز ترک کرنے کی صورت میں کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے حضور حاصل ہو۔ نماز اور اتباع شریعت بہر حال لازم ہے۔

## آدابِ طریقت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں — طریقت کا شریعت سے علیحدہ کوئی تصور نہیں — نہ کوئی حیثیت ہے — طریقت شریعت کی جز ہے آپ فرماتے ہیں — شریعت چار اجزا سے مرکب ہے — اول اللہ تعالیٰ کی ذات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت راین و صادق پر بلا دلیل تسلیم کرنا — یہ تسلیم نیت کرنا سے تشبیہ ہے — اس کے بعد پہلی جز قرآن کو تسلیم کرنا — اس پر عمل کرنا — اسے ”وحی جلی“ کہا گیا — دوسری جز قرآنی احکام پر عمل — اور قرآنی علم کی فہم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا — اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنی علم کی تفسیر اور طریق عمل حاصل کرنا — اسے تفہیم وحی جلی کہا گیا — اس تفہیم کو ”وحی خفی“ سے بھی تعبیر دیا گیا — یعنی قرآنی علم کی تفسیر ایک باطنی مشاہدہ کے ساتھ قرآنی علم کی اصل حقیقت معانی کا سمجھنا — دوسرے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقلی طور — قرآنی علم کی تعمیل میں ایک لائحہ عمل دینا — اسے ”اجتہاد نبوت“ سے تعبیر دیا گیا — جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا —

اتَّقُوا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ -

مومن کی فراست سے ڈرو۔ تحقیق وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے — مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وحی — اصطلاح قریش (عربی زبان) پر بدرجہ اتم عبور رکھتے تھے۔ قرآن عربی کے ہر حرف — ہر لفظ کی فہم پر قدرت رکھتے تھے۔ دوسرے — تعمیل قرآن — تعمیل احکام الہی میں عقلی طور بھی — ایک صحیح طریق فہم — طریق عمل وضع کرنے کی استطاعت رکھتے تھے — جس میں وحی کی راہنمائی کی احتیاج نہ تھی — درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی فہم اس قدر وسیع و بلند بالاتھی — کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدس سے بھی عالم انسانیت کو ہدایت کا ضابطہ دیتے تو وہ بھی انسانی فلاح و ہدایت کے لیے کافی ہو سکتا تھا — یہ لائحہ عمل اجتہاد نبوت سے تعبیر ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ایک طریق عمل دیتے رہے — جیسے الصلوٰۃ میں قرآن نے

لے وحی علی سے مراد — اللہ تعالیٰ کی کلام جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر وحی ہوئی — اور کتابی صورت میں مرتب ہوئی — جو یَسْتَلُوا عَلَيْهِمُ الْيَتٰی میں شامل ہے۔



وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فِيْ سَرَفٍ قِيَامٍ - ركوع - سجود کا حکم - وَاِذْ كَعُوْا - وَاَسْجُدُوْا کی صورت میں پیش کیا - اس کے علاوہ الصَّلٰوة میں قیام میں ثنار - فاتحہ - سورۃ - رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ - سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی تین بار تکرار - اس کے علاوہ التَّحِيَّات (تحیت) میں شہادت - دُرود - دُعا اور ترتیبِ نماز میں - اول قیام - پھر رکوع ایک بار - اور سجدہ دو بار تحیت میں ترتیبِ نشست اور السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ سے اختتام - یہ تمام ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خود ترتیب کردہ ہے اس میں وحی خفی شامل نہیں جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دُعا فرماتے ہیں -

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اس دُعا سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اس دُعا میں وحی کا تعلق نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں - اس بات ارکان نماز میں - فرض - قیام - رکوع - سجود سے ماسوائے تمام ارکان نماز - رکعت وغیرہ - خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہادِ نبوت سے ترتیب فرمائے ہیں - وحی خفی میں - قرآن کے آثار و اسرار کا مشاہدہ شامل ہے جو تفہیم قرآن میں حقیقت کی گاہی - قرآنی لُطُن - نور مبین - قرآنی الفاظ کے انوار کا مشاہدہ - اور ان آیات کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ترتیب دیا ہوا طریق فہم اور طریق عمل ہے - تفہیم وحی جلی سے موسوم ہے - ایک اور مثال اس حدیث سے ملتی ہے کہ ایک بار ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں برباد ہو گیا - مجھ سے گناہ سرزد ہوا میں نے روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کیا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم مطابق حکم دیا کہ ساٹھ روزے مسلسل رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ - صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا - اس وقت کہیں سے کھجوریں تحفہ میں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ کھجوریں صحابی کو عطا فرما کر فرمایا جاؤ یہ کھجوریں مسکینوں میں تقسیم کرو۔ صحابی نے نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث کیا۔ مدینہ کے علاقہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس چمک اٹھا اور آپ نے کھل کھلا کر تبسم فرمایا۔ حکم دیا جاؤ اپنے بیوی بچوں کو کھلا دو۔ وہ صحابی کھجوریں لے کر واپس گھر چلا گیا۔ اصول الہی — حکم الہی کے تابع صحابی پر — ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض تھا۔ اس کے بعد اس حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کو کھجوریں مرحمت فرمانا — بظاہر تعمیل فرائض میں شامل نہیں۔ لیکن از روئے قرآن اس حکم میں وسعت ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی آپ کا ذاتی حکم — اجتہاد نبوت میں شامل ہے۔ مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ رُسُولٌ جُوتَہیں حکم دے اسے قبول کرو۔ بَشَاك مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ میں اجتہاد نبوت شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جانتا ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى۔ وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے۔ اپنی عقل سے کوئی حکم دیں وہ منشا الہی کے عین مطابق ہو گا کہ عقلی طور پر آپ کا اجتہاد نبوت بھی ہدایت کا اثر رکھتا ہے۔

تیسری جز۔ تفہیم وحی جلی و خفی — یعنی قرآن و حدیث حکم الہی و حکم رسول کا فہم و تعمیل — یہ جز اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نائب رسول۔ علمائے امت سے متعلق ہے۔ کہ قریش کی حیثیت میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اول یہ کہ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۲)

تحقیق ہم نے قرآن کو اصطلاح قریش میں ان کی اپنی مستعمل زبان میں ان کے رواجات کے مطابق نازل کیا۔ اس حال میں کہ تمہیں قرآن سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ سوائے اس کے کہ اس قرآن میں ماورائی ادراک متشابہات اور وہ ضابطے درج ہیں جن پر عملی طور یا عقائد کی صورت میں تمہارا ادراک ٹھیک نہیں جیتا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تم ان آیات کے معنی



نہ سمجھو: ظاہر ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کی صحابہ کے سامنے تلاوت (تکرار) فرماتے اور صحابہ ان آیات کو سن کر خود ان پر عمل کرتے۔ کسی موقع پر ایسا نہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نازل شدہ آیات کے بیان کے ساتھ ان آیات کے معنی یا ساتھ ساتھ طریق عمل بتاتے۔ مکہ و مدینہ کے لوگ خواہ وہ کافر تھے یا اہل ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کرنے پر سمجھ جاتے جس کے لیے انہیں سمجھانے کی ضرورت نہ رہتی۔ کافر انکار کرتے اور اہل ایمان خود بخود ان احکام پر عمل شروع کرتے البتہ جہاں وحی میں روحانی معنی پائے جاتے۔ صحابہ ان آثار کو امین و صادق کی حیثیت میں رسول اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کیے گئے الفاظ و آیات کو سمجھتے اور ان پر یقین کرتے لیکن ان آیات کے معنی میں ایک روحانی لطف ہوتا جو عمل سے تعلق نہیں رکھتا لیکن عقائد سے تعلق رکھتا۔ تو ان معنی کو صحابہ سمجھ لیتے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق و صحبت رہتی اور علم میں کامل ہوتے باقی صحابہ اصطلاح قریش میں ان تشبیہات کا ایک تصور قائم کر لیتے لیکن ان کا اصل تصور مشاہدہ پر منحصر رکھا جاتا۔

الْبَحَّةُ — السَّار — الْحَشْر — وغیرہ کے معنی اصطلاحاً سمجھ جاتے اور ان آثار کا تصور بھی پاتے لیکن تشبیہی ہونے کے باعث ان کیفیات کا حقیقی تصور بغیر مشاہدہ ممکن نہ تھا۔ جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آثار کی نشاندہی یا حقیقی تصور پیش نہ کرتے اور ان آیات پر ادراک کامل فہم و عقل اور قوت فہم — قوت القیاس پر موقوف تھا جو محض عقائد کے لیے ضروری تھے لیکن عمل میں شامل نہ ہوتے تھے۔ البتہ بعض آیات الہی میں جو بظاہر عام فہم معنی رکھتی ہیں لیکن آیات میں صاحب بصیرت پر ایک حکمت کے آثار بھی عیاں ہوتے۔ جیسے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کی صورت میں بظاہر فتح و نصرت کی بشارت ہے لیکن جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو عام صحابہ نے اس صورت کو فتح و نصرت الہی کے تصور میں پایا۔ لیکن سورت کے نازل ہونے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بجلالے خوشی کا اظہار کرنے کے۔ درد و غم کے ساتھ رونے لگے۔ تو کسی صحابی نے پوچھا ایسی خوشی آئند بشارت پر گریہ کرنے کا کونسا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کی رسالت کی تکمیل پر ہم سے جُدائی کی بھی خبر ہے۔ یہی فرق تھا جو قرآن کی فہم میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی تلاوت کی صحابہ نے سنا۔ اور احکام میں تو انہیں سمجھنے میں مشکل نہیں خود بخود اس پر عمل شروع کیا اور بعض احکام کی تعمیل میں اگر کسی صحابی نے ذاتی تاویل سے کام لے کر صحیح عمل نہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمادی جیسے قرآنی آیت میں روزے سے متعلق حکم میں استعارۃ بیان ہوا۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۷)

کہ تم روزہ اس وقت شروع کرو۔ جب سفید و سیاہ دھاگے میں تمیز کر لو۔ تو ایک صحابی نے سیاہ و سفید دھاگہ اپنے سر ہانے رکھا مگر بعض صحابہ نے اس صحابی کے عمل کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفسیر میں رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کا ہونا بیان فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان قریش رکھنے کے اعتبار سے قرآن کا فہم رکھتے تھے۔ سوائے اس کے کہ بعض احکام پر عمل اور فہم کے لیے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری تھا۔ اسی فرمان کو قول و فعل اور حدیث (فرمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا گیا اور قرآن کی فہم میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و عمل ترتیب دیا گیا۔ اور صحابہ نے اس پر عمل کیا اور جو کچھ قرآن و حدیث اور خود اپنی ذات سے سمجھا اور عمل کیا اسے تفہیم وحی جلی و خفی سے تعبیر دیا گیا۔ لہذا آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی فقہ و اجتہاد سے جو علم و عمل ترتیب دیا اسے تفہیم وحی جلی و خفی یا فقہ کہا گیا۔ فقہ سے مراد۔ پاکیزہ روح جسم۔ پاکیزہ قلب سے جو القائی قوت پیدا ہوتی ہے اس قوت کے ذریعہ سے علم و عمل ترتیب دینا۔ جو اگرچہ قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن صحابہ نے خود قرآن و حدیث کی تفسیر میں ایک علم و عمل ترتیب دیا اور القائی قوت سے مراد۔ اگر قرآنی آیات کی حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے واضح نہ ہو تو اصحاب رسول



صلی اللہ علیہ وسلم یا تو قلبی مشاہدے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے بعد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَیَّ بَعْدَ مَمَاتٍ کَعَلَمِیْ فِی حَیَاتِیْ وفات کے بعد ہمارا علم۔ ایسا ہی ہے جیسا ہماری زندگی میں علم ہے اس میں فرق تصور نہیں۔ اس حدیث کے مطابق صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ممات بھی اکتساب علم و فیض حاصل کر سکتے ہیں اور اگر مشاہدہ نہ ہو تو پاکیزہ نفسی میں صحابہ کے قلب پر مشاہدہ قرآن و حدیث کے حقیقی معنی القار ہوتے ہیں۔ وہی معانی شریعت کی اصل ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تین اجزا ہیں جن پر شریعت کا مدار ہے۔ یہی تین اجزا کی شریعت مرتب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد آئندہ آنے والی دنیا کی تمام مخلوق کے لیے لائق تسلیم۔ لائق عمل قرار دی جاتی ہے۔ اسی کیفیت کی طرف قرآنی اشارہ ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ - وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ - يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ۔

اے نبی۔ اے رسول۔ ان لوگوں سے کہہ دیجئے۔ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ۔ میرے احکام لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ اس مقام پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذریعہ ہیں لوگوں تک احکام پہنچانے کا۔ اللہ۔ قرآن کے حکم کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد جو قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کی اطاعت کرو۔ اور رسول کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص علمائے امت۔ جنہیں قوت فقہ و القا اور قوت اجتہاد حاصل ہے۔ ان کے قول و فعل کی اطاعت کرو۔ اُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ سے مراد جو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص و منتخب علماء جن کا قرآن و حدیث پر بدرجہ اتم فہم و ادراک ہو اور ان کا عمل اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو اور جو صرف۔ اور صرف قرآن و حدیث کے علم و عمل پر موقوف ہو۔ محض ہدایت انسانی اور نجات آخرت کے لیے علمائے امت سے اکتساب فیض کرنا۔ اولی الامر سے مراد ہے جو علمائے امت قرآنی حکم کا نفاذ کریں اس کے سوا کچھ نہیں۔



واضح ہو کہ کتاب الہی کی آیات پر عمیق غور کیا جائے تو قرآن کے نزول کا ایک خاص انداز ہے کہ قرآنی احکام کا نفاذ براہ راست مکہ اور مدینہ کے لوگوں سے متعلق ہے جیسے قرآنی خطاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ  
وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ  
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ (پارہ ۷، سورۃ ۶ آیت ۹۲)  
اور یہ کتاب ہے۔ انا راہم نے اس کو۔ دائم رہنے والی تصدیق کرنے والی۔ ان کتابوں  
کی جو ان (یہود و نصاریٰ) کے پاس ہیں۔ اور تاکہ ڈرائیں آپ مکہ والوں کو اور جو لوگ اس  
کے مضافات میں رہنے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ آخرت پر ایمان  
لائے۔ ساتھ اس کتاب کے۔ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت میں قرآن کا نازل ہونا۔ مکہ اور اس کے ملحق مضافات کے لوگوں اور  
یہود و نصاریٰ اور اہل ایمان لوگوں کے لیے مخصوص ہوا۔ لہذا قرآن ان ہی لوگوں  
سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور ان ہی کے لیے احکام پیش کرتا ہے۔ اسی آیت کی  
وسے قرآن مخصوص انداز میں ان لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ! يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! يَا هَلَا الْكِتَابِ! قُلْ  
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ! يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ!

ہر تمام خطاب اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل کتاب کی طرف خاص ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ! بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۝ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶۷)  
قرآن کا ابتدائی خطاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جن کے ذمہ صرف الہی احکام  
لوگوں تک پہنچانا۔ اور ان ہی احکام کی تعمیل پر آمادہ کرنا ہے۔ بَلِّغْ۔ پہنچانا۔  
کن لوگوں تک؟ جو مکہ اور مدینہ میں بسنے والے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہیں۔ وہ لوگ یا اہل الکتاب کے خطاب میں شامل  
یہود و نصاریٰ۔ وَالصَّابِقِينَ۔ یہود اہل توراۃ میں سے ہیں۔ نصاریٰ اہل انجیل میں سے



ہیں۔ جو مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ فِي شَمَارِ  
ہوتے ہیں۔ اور وَالصَّابِينَ۔ وہ لوگ ہیں جو قوم قریش یا بنی اسماعیل کی ذریت میں سے  
ہیں۔ جن پر اس سے قبل کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ان کا تعلق براہِ راست دینِ ابراہیم  
علیہ السلام سے ہے۔ جو دُعَاۓ ابراہیمی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ  
ذُرِّيَّتِنَا رِپَارہ اول سورہ ۲ آیت ۱۲۸)

اے رب بنا ہمیں اپنا تابعدار اور ہماری ذریت ربی اسماعیل کو بھی۔ ان کے لیے  
مخصوص ہوا کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ رِپَارہ اول سورہ ۲ آیت ۱۲۹)

اے رب اٹھا ان میں ایک رسول اسی ذریت سے جو انہیں تیرے احکام سنائے اور  
ان کا تزکیہ کرے۔

بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ كَاحْکَمِ اَوَّلًا مخصوص ہوا۔ ان لوگوں کے لیے جن کے لیے دُعَاۓ  
ابراہیمی میں خصوصی ذکر ہوا۔ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اور پہلے اپنے قریبی عزیزوں  
(ذریت اسماعیل) کو ڈراتیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم تک احکام پہنچائے۔  
تو ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا  
أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

رِپَارہ ۲۱ سورہ ۳۲ آیت ۷۳)

یہ کہ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ قرآن اپنی ذات سے  
گھڑ لیا ہے؟۔ نہیں۔ بلکہ یہ حق ہے۔ آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائیں آپ قوم (اپنی) کو۔  
کہ انہیں آیا آپ سے پہلے۔ انکے پاس کوئی ڈرانے والا۔

اس طرح قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک جو ایمان لائے وہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
صاحبِ ایمان ہوئے۔ اور دوسرے وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا جنہوں

نے انکار کیا اور قرآن کو جھٹلایا۔ یہ لوگ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ انکار کرنے والے کافر ہوئے۔

ذریت اسماعیل علیہ السلام سے سوا۔ مکہ اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔  
— اُم القریٰ میں یہ لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بھی بعض ایمان لائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ  
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ ج ر پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۶۲)

تحقیق ایمان لانے والے اور وہ لوگ جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابی ہیں ان  
میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ انکے عملوں کی جزا۔ اللہ کے پاس بہتر جزا ہے۔ اور بعض نے  
احکام ماننے سے انکار کیا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ

ر پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷۰)

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو آیات الہی کا اور تم گواہی دیتے ہو اہل کتاب  
میں سے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اللہ کے احکام مانے وہ  
اب یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا میں شامل ہیں۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد انہیں اہل کتاب  
نہیں کہا جاتا۔ اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور  
قرآنی احکام ماننے سے انکار کیا۔ وہ بھی یَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ میں شمار ہیں اس صورت  
میں یَا أَهْلَ الْكِتَابِ سے ہٹ کر کفار پکارے جائیں گے۔

اُم القریٰ میں ذریت اسماعیل علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی طرف بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكَ قرآن بھیجا گیا۔ ان ہی قوموں میں سے ایک گروہ اہل ایمان ہوا۔ دوسرا کافر۔ اب  
آئندہ اسی حیثیت سے قرآن۔ یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ۔ یَا أَهْلَ الْكِتَابِ  
۔ یَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ ان گروہوں کی طرف مخاطب  
ہوا ان ہی تک اپنے احکام خاص کر دیتا ہے۔ قرآن میں جتنے الہی احکام پیش کیے  
گئے وہ دنیا کے لوگوں میں اہل ایمان کے لیے نازل ہوئے ہیں جسے قرآن نے



قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ  
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (پارہ ۹ سورۃ، آیت ۱۵۸)

یَا أَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب کیا۔ اے عالم کے لوگو—تحقیق میں بھیجا گیا ہوں اللہ کی  
طرف سے تم سب کے لیے اس اللہ کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا۔ نہیں  
کوئی لائق عبادت سوائے اس کے جو انسان کو پیدا کرتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔ پس  
ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی قدرت کاملہ پر۔ تم اس کی پیروی کرو  
تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس آیت میں وسعت ہے کہ قرآن کے احکام اور رسول کی رسالت  
اس وقت تک قائم ہے جب تک زمین پر انسان کا وجود قائم ہے۔ دُنیا کے سب  
اقوام کی طرف خطاب ہے۔

ان آیات کے نزول کے اعتبار سے قرآنی احکام صرف ان لوگوں کے لیے خاص  
کیے جاتے ہیں جو صاحبِ ایمان ہیں۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ کیونکہ قرآن میں تمام  
احکام کی تعمیل کے لیے صاحبِ ایمان لوگوں کو ہی مخصوص کیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي  
نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۖ

(پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۳۶)

اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور اس کتاب پر جو  
رسول پر نازل کی گئی۔ اور ان کتب پر جو نازل کی گئیں پہلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول کی  
موجودگی میں۔ رسول کے قریبی دوست ”اصحاب“ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں  
شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ متقی کی صفت۔ ڈرنے والے ہیں۔ جو کہ لَتُنذِرَ کے حکم میں آتی  
ہے۔ جیسا کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد اللہ پر۔ رسول پر۔ الْيَوْمَ الْقِيَمَةِ یقین کر کے  
قیامت کے عذاب کا احساس کرنا اور اس احساس پر وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ نیک عمل کرنا۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ  
يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ - (پارہ اول سورہ ۲ آیت ۲-۳)  
یہ کتاب حقیقتاً ان ہی لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے جو صرف محمد رسول اللہ کی شخصیت  
تسلیم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔ بلا دلیل اللہ کی ذات اور  
اس کی کتاب (کلام) کو تسلیم کرتے ہیں۔ یومِ آخرت کے حساب پر یقین رکھتے ہیں۔ اور  
عذابِ آخرت کے خوف سے ڈر کر قرآن کی طرف رجوع کرنے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
کی پیروی کرتے ہیں۔ لہذا اہل ایمان کی صفت یہی ہے کہ وہ متقی ہیں۔ یومِ آخر پر ایمان  
رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حساب سے ڈرنے والے ہیں۔ اس اعتبار سے مکہ مدینہ کے  
لوگوں میں قرآنی احکام کا نزول صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوتا ہے اور وہ من کل الوجود  
اس پر عمل کرتے ہیں۔

حقیقتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں۔ صاحب ایمان ایک ”معلم“  
کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اس کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جو علم و عمل  
اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ وہ معلم کی حیثیت سے دوسرے  
لوگوں تک پہنچائے یہ ذمہ داری ہر صاحب ایمان پر قرآن کی رو سے عائد ہوتی ہے۔  
اس خصوصیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے خود اس تعلیم کے لیے اہل ایمان میں سے  
ایک خاص گروہ منتخب کیا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (پارہ ۲ سورہ ۳ آیت ۱۰۴)  
اور ہونی چاہیے تم میں سے (اہل ایمان میں سے) ایک خاص جماعت جو بلائے لوگوں کو خیر  
کی طرف اور حکم کرے نیک کاموں کا۔ اور باز رکھے برے اعمال سے۔ وہی ہیں فلاح  
پانے والے اس کے حکم کے تحت ایک جماعت مخصوص ہوتی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے قرآن کا تمام علم حاصل کرے۔ قرآن کے جملہ علوم سے آراستہ ہو۔ جس میں ظاہری احکام میں  
— نماز — روزہ — زکوٰۃ — احسان وغیرہ پر تعمیل کلی اور قرآن کے علم میں متشابہات



— آثار — رموز و اسرار حقیقی پر ادراک کلی رکھیں تاکہ اقصائے عالم کے (اناس) لوگوں کو قرآنی علم کے تمام رموز و اسرار و آثار سے آگاہی دینے کی ان میں کامل صلاحیت موجود ہو۔ — یہ وہ گروہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے جملہ علوم سیکھتے ہیں اور آپ کی پیروی میں ہر حکم کی تعمیل سیکھتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُونِ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (پارہ ۲- سورہ ۲- آیت ۱۴۳)

اور اس طرح بنایا ہم نے تمہیں ایک درمیانی جماعت تاکہ تم لوگوں کے لیے علم و عمل کا نمونہ پیش کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے علم و عمل کا نمونہ حاصل کرنا مقرر ہے۔ یہ جماعت خاص یا مُرُونٌ بِالْمَعْرُوفِ۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام لوگوں تک اللہ کا امر پہنچائیں گے۔ آیات کی تلاوت کریں گے۔ ان کا تذکرہ کریں گے اور انہیں کتاب اور علم و حکمت کے آثار سے آگاہ کریں گے۔ یہ لوگ صاحب امر کہلائیں گے۔ اس حیثیت میں قرآن کے نفاذ کا دائرہ مکہ مدینہ سے علاوہ تمام عالم انسانی تک وسیع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مقام پر مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کی خاص ترتیب نمایاں ہو جاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ مکہ مدینہ کے لوگوں تک اور اہل ایمان — صحابہ — اور خصوصاً امت وسطا تک علم و عمل پہنچانا — اور امت وسطا کو عالم انسانیت کے لیے قیامت تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عمل اور نمونہ عمل پہنچانا مقرر کیا جاتا ہے — کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوں تو اللہ کا امر (روحی جلی) اور رسول کا علم و عمل (تفہیم و جلی و خفی) امت وسطا کے ذریعہ (تفہیم و جلی و خفی) قیامت تک کے (يَا أَيُّهَا النَّاسُ) انسانوں تک پہنچایا جائے — اس صورت میں امر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر زمانہ میں قائم و باقی ہونا لازمی ہے اور اسی حکم کو — امت وسطا جماعت خاص صاحب امر کی حیثیت سے ہر زمانہ میں لوگوں تک پہنچائیں — ذَلِكِ الْكِتَابُ۔ یہ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ یہ وہی کتاب ہے جو آئندہ زمانوں میں بھی موجود رہے گی۔ سو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ امت وسطا کی شخصیت پر بلا دلیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

تسلیم کرے۔ اس حال میں کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اس کے علم و عمل کو امت و سطا کے ذریعہ ہر زمانہ میں پیش کیا جاتا ہے اور یہی امت و سطا کے علم و عمل قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم بطور اولوالعزم شخصیت کے اللہ اور رسول اور کتاب و حدیث پر ایمان لانے کی ضمانت ہو تو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لیے رجوع کرنا لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم القریٰ مکہ و مدینہ کے لوگوں کے لیے پیش کی گئی لہذا جو انسان حق کا طالب ہو وہ اس کتاب سے (جو اس کے زمانہ میں بھی موجود ہے) رجوع کرے تو اسے بلاشبہ ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ معجزہ قرآنی کہ یہ کتاب اور امت و سطا ہر زمانہ میں موجود ہوں گے اور ہر شخص وہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو کسی بھی فلسفہ و تحقیق کا عامل ہو اس قرآن اور صاحب امر سے ہدایت پا سکتا ہے اور ان کے لیے فلاح انسانی — اور ہدایت انسانی کی ایک اہم ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ جب کہ قرآن واضح طور بیان کرتا ہے: **أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ** اطاعت کرو اللہ کی — اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اطاعت کرو امت و سطا میں صاحب امر رحیم الہی و حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یہ تمام تشریح اجزائے شریعت کے۔ وحی جلی — تفہیم وحی جلی اور تفہیم وحی جلی و خفی — یعنی اللہ کی کتاب — حدیث قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت و سطا قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم علمائے امت کی — کے بیان میں پیش کی گئی — اب اجزائے شریعت میں چوتھی جز کا ذکر آتا ہے۔ وہ ہے ان تین اجزائے شریعت پر عمل کرنے سے جو نتیجہ عمل (ثواب) حاصل ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ عمل ان تین اجزائے شریعت کی روح ہے۔

## حقیقتِ حمد

واضح ہو کہ قرآن نے رسول رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت آپ کے علم و عمل کا ایک واضح بیان پیش کیا۔ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ** وہ اللہ ہے — جس نے اٹھایا امیوں میں سے۔ ان ہی کے قبیلہ سے۔ ان ہی جیسے انسانی



ہیئت میں۔ لیکن یہ صفت مختصر ہے۔ صرف اس لیے کہ مکہ مدینہ کے لوگ ایک انسانی شخصیت کو اس کے ذاتی کردار سے سمجھیں۔ یہ صرف شخصیت تسلیم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کہ مکہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وحی سے قبل بنیروہی و احکام آپ کے ذاتی کردار سے پہچان کر ہر محقق۔ ہر فلسفی۔ ہر ادیب۔ ہر شاعر۔ ہر امیر تاجر۔ ہر عام آدمی نے۔ امین و صادق۔ رؤف و رحیم۔ صاحب حسن اخلاق تسلیم کرتے ہوئے۔ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا۔ یہ اس لیے کہ آپ کے قول و فعل کو حق تسلیم کرتے ہوئے۔ آپ کے ہر قول پر بلا دلیل یقین کرے۔ اس امر کے لیے قرآن نے بتایا۔ یٰۤاَیُّهَا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ کہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ ہستی مامور من جانب اللہ ہے اور جو حکم دہناتے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے۔ پس۔ اس عمل سے صرف مقصد یہ ہے کہ لوگ برضا و رغبت اللہ کا کلام سننے اور اس پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں اور پھر جب انسان نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تو قرآن بتاتا ہے وَ یُزَکِّیْہُمْ اور جو لوگ تلاوت سننے والے رسول کی پیروی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ رسول ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیہ صرف غسل کرنے وضو کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور جسم کو پاک و صاف کرنے تک محدود نہیں بلکہ اس تزکیہ میں وسعت ہے کہ انسانی مرکب جسمانی۔ جسم سے علاوہ۔ رُوح حیوانی۔ رُوح رحمانی کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ بطور اعمال کا تعلق جسم کی حرکت سے ہے لیکن عمل میں ایک عقیدہ اور حسن اخلاق کو بھی دخل ہے۔ جس کا عملی طور اظہار نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق قلب و رُوح سے ہوتا ہے۔ لہذا تزکیہ میں قلب و رُوح کا تزکیہ بھی شامل ہے قلب و رُوح کے تزکیہ کے لیے رُوحانی طور علاج ہوتا ہے وہ یہ کہ رسول اپنی روحانی توجہ سے انسانی قلب و رُوح کو پاکیزہ و مزکی کرتا ہے۔ ”رُوحانی توجہ“ کا ایک خاص انداز ہے۔ یعنی رُوح سے رُوح کی نسبت قائم کرنا۔ جس میں ”قول“ استعمال نہیں ہوتا بلکہ رُوح استعمال کی جاتی ہے۔ اسے رُوحانی نسبت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ عمل قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن یُزَکِّیْہُمْ کے لفظ میں یہ عمل یہاں ضرور ہے جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لیے قول کی ضرورت نہیں کہ یہ بیان کیا جائے کہ

”رسول سے تمہاری روحانی نسبت قائم ہوتی ہے جب کہ یز کیٹھم سے خود اس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس تزکیہ سے یَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ۔ کتاب کا علم حاصل کرنا۔ اور پوشیدہ اسرار سے آگاہی حاصل کرنا اصل مقصد ہے۔ کیونکہ قرآن ایک روحانی کتاب ہے جس میں متشابہات آیات کا بھی ذکر ہے۔ ان متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنا بھی لازمی ہے۔ متشابہات کیفیات میں ہر ماوراء ادراک کیفیت شامل ہے۔ جس میں زمین کے مدفون خزانے۔ آسمان۔ جنت۔ عرش۔ سدرۃ المنتہی۔ عالم بالا اور ذات الہی تمام اسماء تشبیہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ادراک کے لیے وَیُزَكِّيهِمْ عمل لازم ہوتا ہے۔ اس علم کے لیے قرآن نے ایک خصوصی عمل بتایا۔ جو اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا گیا۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِكَ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ  
إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۚ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ  
نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۚ

(پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸-۷۹)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے رات گہری ہونے تک اور صبح کو قرآن پڑھیں۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے اور رات میں تہجد (نماز) ادا کریں یہ عمل صرف آپ کے لیے مخصوص زائد عبادت میں شامل ہے۔ عنقریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر اٹھائے۔ اس آیت کی تفصیل میں اور اس کی ترتیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور حکم دیا۔

يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ ۚ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ نِصْفَهُ ۚ أَوْ نَقْصُ مِنْهُ

قَلِيلًا ۚ أَوْ مِنْ دُونِ ذَلِكَ ۚ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۚ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۴)

اے کمل والے نبی اکھیں رات کو مگر تھوڑا۔ نصف رات یا اس سے کم چاہیں یا زیادہ

چاہیں اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھیں۔ یہ عمل اس لیے مقرر ہے کہ اس عمل سے تزکیہ

ہوتا ہے۔ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا ۚ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۶)



تحقیق رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے نفسانی کیف آلائشیں کچل جاتی ہیں۔ اور کلام میں قوام پیدا ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے۔ قرآن میں یہ احکام بھی واجب التعمیل ہیں۔ البتہ یہ عمل خاص ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ یہ عمل محض تزکیہ کے لیے ہے۔ کہ اس سے نفسانی کثافت جل کر روح پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اس عمل کو وَئِزْ كَيْهِمْ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کی حیثیت میں گوہر صاحب ایمان کے لیے لازم ہے۔ لیکن مَقَامًا مَّحْمُودًا کی تفسیر میں یہ عمل امت و سطا کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امت و سطا کے لیے بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کے حکم کے تحت بحیثیت قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ حاصل کرنا۔ اور امت کا تزکیہ کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن اس عمل کی خود نشاندہی کرتا ہے کہ

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ

وَتُلُثُهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ طر پارہ ۲۹ سورۃ ۴، آیت ۲۰

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اپنی مخصوص۔ زائد عبادت میں رات کو نماز قائم کرتے ہیں تین حصہ رات۔ نصف رات۔ یا تیسرا حصہ رات اور آپ کے ساتھ ایک خاص جماعت بھی اس عمل میں شریک ہوتی ہے۔ لہذا اس جماعت کو بھی قیام لیل اور تلاوت قرآن کے عمل سے تزکیہ حاصل ہوگا۔ وَطَاءٌ وَأَقْوَمُ قِيلًا۔ اور إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ کہ رات کے پڑھنے میں قرآنی آیات کے انوار باطنی کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ جو کہ لازمی اور یقینی ہے۔ اس طرح طائفہ کو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی خصوصیت حاصل ہوگی۔ اور جب یہ طائفہ جملہ علوم قرآنی کا علم و ادراک حاصل کریں تو یہی جماعت قائم مقام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت و بطاعل امت کی حیثیت میں معلم القرآن کی حیثیت میں آنے والے لوگوں کے لیے ہدایت و راہنمائی کا مقام حاصل کر کے آنے والوں تک اولی الامر کی حیثیت میں حکم الہی۔ حکم رسول پہنچانے کی ضامن ہوگی۔ جَوَيْتُلُوا عَلَيْهِمُ الْآيَاتِ۔ وَئِزْ كَيْهِمْ۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

کا عمل پورا کریں گے۔ ہاں! یہ جماعت بحیثیت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم و حکمت میں آثار و اسرار باطنی سے بھی آگاہ کرے گی۔ جس میں مشاہدہ اسرار الہی معرفت الہی اصل کیفیت ہوگی۔ یہی علم و عِلْمُ اَدمَ الْاَسْمَاءِ کُلِّہَا کی اصل ہے۔ جس سے انسان مقام خلافت حاصل کرتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ اجزائے شریعت پر عمل سے ایک نتیجہ عمل لازم و یقینی ہے۔ اجزائے شریعت پر عمل کا ماحصل۔ نتیجہ عمل ہی ہے جو امتہ وسطا۔ اولی الامر سے ہی حاصل کرنا مقرر ہے۔

اولی الامر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتہ وسطا ہی سے تعبیر ہے۔ امتہ وسطا علمائے امت نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں۔ شریعت میں حقیقی معلم یہی طائفہ اور جماعت مومنین ہیں۔ یہی صاحب ایمان لَیَّا یُہَا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا۔ جمیع صحابہ میں مخصوص و بلند مقام حاصل کیے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ عالم انسانیت کو حقیقت کا علم اور صراطِ مستقیم بالعلم۔ اور بالمشاہدہ حاصل ہو سکتا ہے اور آئندہ اسی جماعت کے علم و عمل سے ان کے متعلم جانشین علم حاصل کر کے ہر زمانہ میں عالم امت کی حیثیت سے لوگوں کو علم القرآن اور معرفت حقیقی عطا کریں گے۔ یہ عالم امت امتہ وسطا میں شمار ہوں گے جو طَائِفَةٌ مِّنَ الذِّیْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں۔ صاحب تزکیہ صاحب مشاہدہ عالم قرآن اور عالم حدیث و فقہ اور اجتہاد کے حامل ہوں گے۔ ان ہی ہستیوں کو اولیاء کا ملین کے لقب سے پکارا گیا کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہ امر واضح ہے۔ کہ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَکُوْنُوْا شٰہِدًا عَلٰی النَّاسِ مِیْنِ اُمَّةٍ وَّ سَطًا۔ اور شٰہِدًا عَلٰی النَّاسِ کا خطاب ہے۔ کہ انسانوں میں سے۔ ایک مخصوص جماعت منتخب ہوگی۔ جن کی شخصیت۔ جن کا علم عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینے والا ہوگا کہ وہ وَلَکُمْ فِیْ دَسُوْلِ اللّٰہِ اُسُوۃٌ حَسَنَةٌ کا کامل نمونہ ہوں گے وہ قرآن کے مجملہ علوم سے آراستہ ہوں گے۔ ان کا علم مبنی برحقیقت ہوگا۔ جس علم پر دنیا کے کسی محقق کو تنقید و نکتہ چینی کرنے کی جرأت نہ ہوگی جن کا علم و عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے والا ہوگا۔ کہ مزکی و متقی ہوں گے۔



صاحب معرفت ہوں گے۔ ہاں یہ انسانوں میں سے منتخب ہوں گے۔ ہر زمانہ میں ان کا وجود پایا جائے گا اور ہر زمانہ میں شَہِدَاءُ عَلٰی النَّاسِ سلسلہ در سلسلہ مخلوقِ انسانی کی راہنمائی کریں گے قرآن کی آیت (عَلٰی النَّاسِ) میں الناس کا بیان اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ قرآن کی اس آیت سے مراد تمام عالم انسانی میں تاقیام قیامت کے انسانوں کے لیے۔ علمائے امت کا اُمّۃ و سَطَا اور وَطَافِئۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں وجود پایا جانا۔ اور قرآنی علم۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے امت کی فقہ و اجتہاد سے فیض و ہدایت حاصل ہونا منشاء الہی کے تابع لازم و یقینی ہوگا۔ یہی کیفیت مَقَامًا مَّحْمُودًا سے تعبیر ہے کہ اسی جماعت سے کلام الہی کی تفسیر و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عمل لوگوں تک پہنچا کر شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تاقیامت دوام و قیام حاصل ہوگا۔ اور ہر زمانہ میں ”مُحَمَّدٌ“ کی حمد جاری رہے گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ہی مَقَامًا مَّحْمُودًا کی اصل تفسیر ہے۔

## طریقیت۔ شریعت سے الگ نہیں

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ شریعت کی چوتھی جز نتیجہ عمل۔ ثواب ہے۔ اور طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل فَتَهْجَدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ رات جاگنے۔ روزہ رکھنے۔ نماز پڑھنے اور قرآنی وظائف پڑھنے سے۔ شریعت پر عمل کا نتیجہ مشہود ہو

۱۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ساری کائنات میں ہر وقت جاری ہے۔ رُودے زمین کا کوئی ”کوڑہ“ کوئی جگہ اُونچی ہو یا نیچی۔ پہاڑ ہو یا سمندر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک سے ہر آن مطہرہ اور منور نہ ہوا ہو۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کی آواز چار دانگ عالم میں ہر ساعت گونج رہی ہے اور رُودے زمین کی آبادی میں کسی پیغمبر یا رسول کا نام اس کثرت سے استعمال نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ہے اور یہ حمد ابد تک جاری رہے گی۔

جاتا ہے۔ یہی طریق جس سے شریعت کے عمل کا نتیجہ۔ ثواب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو اس کے شریعت پر عمل سے کیا ثواب ملا۔ وہ اپنے نتیجہ عمل کا مشاہدہ کرتا ہے اور قرآنی آیات میں اسرارِ حکمت کا اسے جو مشاہدہ ہوتا ہے۔ طریقت سے تعبیر ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں البتہ ایک عامل ایک نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جب اس کے قول و فعل کی پیروی کرتا ہے اور اسے تزکیہ حاصل ہوتا ہے تو اس کا ادراک علم "جنت" تک محدود نہیں رہتا بلکہ اسے معرفت الہی میں "فنا وبقا" کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طریقت سوائے شریعت پر عمل کے کوئی علم نہیں۔ طریقت صرف شریعت پر عمل کرنے سے اس کے ثواب کے مشاہدہ کرنے کا ایک خصوصی عمل ہے۔ شریعت پر عمل محدود نہیں بلکہ اسی عمل سے معرفت الہی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ اسی معرفت کے حصول میں ایک عالم امت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت و سطا کی راہنمائی اور اس کی پیروی کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی عالم امت کو اصطلاح طریقت میں ولی - فقیر - راہبر طریقت - یا عجمی اصطلاح میں صوفی درویش کہا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ صوفی - درویش - راہبر طریقت کو صاحب شریعت۔ عالم قرآن و حدیث اور صاحب فقہ۔ صاحب معرفت ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر اتباع شریعت کسی شخص کا درویشی۔ یا راہبر طریقت کا دعویٰ کرنا۔ استدراجی۔ شیطانی عمل سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جو حقیقتاً عالم انسانیت کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آدابِ مرشدی کے متعلق اصول بیان فرماتے ہیں۔ یہ تصور قطعی لغو ہے۔ کہ طریقت شریعت سے علیحدہ کوئی باطنی علم ہے۔ اسی طرح بغیر عالم شریعت ہونے کے۔ اجر لے طریقت۔ جہل و گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ ایک پیر کیلئے۔ دعویٰ طریقت میں۔ علم قرآن و حدیث و فقہ۔ واجتہاد۔ اور جملہ علوم فلسفہ اسلامی میں عالم اجل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایک شخص کو قرآنی علم سے آگاہی میسر نہ ہو۔ وہ شریعت پر عامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو شریعت پر کاملاً عامل نہ ہو۔ اس کے نتیجہ عمل میں اسے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان صفات کے باوصف کوئی ولی کسی بھی طالب حق کو اپنی بیعت



میں لے کر اس کی خیر و شر کی ذمہ داری لینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ البتہ طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق حُب رکھنا ضروری ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔  
 نہیں کوئی صاحبِ ایمان (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) ہو سکتا جب تک کہ ہم سے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام چیزوں سے زیادہ محبت نہ رکھے۔ ظاہر ہوا کہ ایمان کے لیے حُب لازمی ہے۔ طریقت میں اصل عمل ”حُب“۔ اللہ تعالیٰ سے حُب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ”حُب“ اور عالمِ اُمت اہنمائے کامل سے حُب۔ ایک عالمِ اُمت۔ صاحبِ معرفت ولی سے حُب دراصل سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ہے کہ بغیر حُبِ ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ ایمان۔ حصولِ معرفت ہی کی صفت ہے جو شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ولی اکمل قائم مقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی علم سکھاتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ در سلسلہ علمائے اُمت کے ذریعہ ہر زمانہ میں میسر آتا ہے۔ لہذا عالمِ اُمت کے لیے صاحبِ معرفت ہونا ضروری ہے کہ اسے معرفتِ الہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہو اس لیے آدابِ طریقت میں جو شخص معرفتِ الہی کے حصول میں طالبِ حق ہو اسے سوائے ولی اکمل کے کسی اور سے رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ طریقت میں حصولِ معرفت کے لیے بیعت ضروری ہے جب کہ قرآن سے بیعت کرنا طریقتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ  
 الْجَنَّةُ طَيِّقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ تَفَوْعِدُوا عَلَيْهِ حَقًّا

۱۔ ولی اکمل کی تعریف گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

۲۔ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ط وعدہ ہے اوپر اللہ کے سچا یہ وعدہ تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا ہے اور قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ اس آیت میں توریت اور انجیل میں وعدے کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گزشتہ انبیاء اور ان کی اُمتوں میں بھی یہ عمل جاری رہا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ  
فَأَسْتَبْشِرُوا بَبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ طَوْدًا لَكُمْ هُوَ الْقَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝ (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۱۱)

تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بدلے جنت کے جہاد  
کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔ یہ وعدہ سچا ہے مومنوں  
————— (رقبہ حاشیہ صفحہ ۵۹۹) —————

تھا کہ انبیاء کے لیے — شریعت پر عمل — نتیجہ عمل اور زائد عبادت کے ذریعہ اسرار الہی و  
معرفت الہی حاصل کرنا اہم فریضہ تھا۔ کیونکہ یہ عمل حضرت آدم ہی سے شروع ہوا جو اسے  
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا میں مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی میں دیا گیا اور یہی عمل حضرت  
آدم کے لیے مقرر ہوا۔ اور بحیثیت بشر و انسان ہر نبی۔ ہر امت کے لیے ہر زمانہ میں مقرر کیا گیا۔  
یہ عمل بغیر نبی کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کی  
بحیثیت نبی بعثت صرف علم نبوت کے اجراء و تعلیم کے لیے ہی مخصوص تھی۔ یہی علم و عمل تورات  
کے ذریعہ انبیاء بنی اسرائیل کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کے ذریعہ نصاریٰ کو دیا گیا۔ جس میں حصول  
معرفت کے لیے نبی سے حب کرنا۔ نبی کی اطاعت کرنا — شریعت پر عمل کرنا — یہ عمل  
”حب“ اور ”ریح“ کی صورت میں مقرر ہوا۔ اسی عمل کی شہادت قرآن و عَدُّ اَعْلٰیہ حَقًّا فِي  
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ کے بیان سے دیتا ہے۔ اس امر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیاء  
کی بعثت صرف اسی مقصد کی تکمیل کے لیے تھی کہ وہ انسان کو شریعت پر عمل یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہِ  
وَيُزَكِّیْہُمْ کے حکم کے مطابق اسرار الہی اور معرفت الہی کا علم اور مشاہدہ عطا کریں جس کے  
لیے انہیں کٹھن مجاہدات سے گزرنا پڑتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسرار الہی — معرفت الہی کے  
منازل و مراحل وہی ہیں جو ازل سے مقرر ہیں۔ جن کا حضرت آدم کو مشاہدہ دیا گیا۔ ان اسرار الہی  
میں۔ منازل و مقامات — عالمِ ناسوت۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت۔ عالمِ لاہوت ازل سے  
مستعین ہیں۔ جن اسرار میں عالمِ ملکوت کے ابتدائی باب میں۔ اَوَّلِ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم  
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اسی طرح اجلاسِ دوم میں۔ بیت اللہ  
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



اور اللہ کے درمیان۔ یہ بیع گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے۔ اور لکھا ہے۔ تورات اور انجیل میں۔ اور قرآن میں بھی لکھا ہے۔ اور جس نے اللہ سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ پس خوشخبری ہے ان کے لیے۔ جو سودا اللہ اور اس کے درمیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کا مقصد پورا کر کے کامیاب بنائے گا۔ اس آیت میں اِشْتَرٰی سے مراد خرید و فروخت (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۰)۔

میں دریلے توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنہری کشتی میں اجلاس فرما ہیں۔ اسی طرح عرش۔ تحت الثریٰ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اسی مشاہدہ پر ہر نبی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کی۔ اسی پہچان پر ہر نبی نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کی بعثت کی گواہی دی۔

اصول طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ باطن میں مشہود و مخدود ہیں۔ لہذا ہر نبی کے لیے مشاہدہ اسرار الہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب لازم ٹھہری جیسا کہ قرآنی بیان سے واضح ہے۔ اس لیے ہر نبی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب کے ذریعہ ہی مشاہدہ و معرفت الہی حاصل کی جبکہ معرفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے ہی تعبیر ہے۔ اسی حیثیت میں ہر نبی کی حیثیت اولی الامر کی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اشارہ ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرٰٓئِيْلَ کہ آپ کے تابعین میں اولی الامر کی حیثیت انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہے۔ کہ انبیاء بنی اسرائیل مشاہدہ اسرار الہی و معرفت الہی میں اپنی امتوں کو وہی علم دیتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اولی الامر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انبیاء سابقین کی حیثیت ولی اکمل یا قطب الاقطاب کی تھی اور ہر نبی کے محبوب و مشہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ اس حیثیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولی الامر کا وہی مقام ثابت ہوتا ہے جو انبیاء سابقین کا تھا۔ اسی کیفیت کے مطابق قرآن وَغَدَا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْآنِ بیان پیش کرتا ہے۔ کہ یہ عمل ازل سے شروع ہے۔ یہی عمل تورات کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کو دیا گیا اور چونکہ قرآن ازل سے صحیفہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو تمام کتب کا جامع ہے۔ اس لیے قرآن (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرنا ہے۔ اَنْفُسُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ۔ اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ کی ملکیت میں دے کر اپنے اختیار سے دستبردار ہونا۔ اس عمل کو قرآن نے بِبَيْعِكُمُ الَّذِي۔ بیع قرار دیا۔ اس بیع سے ”بیعت“ کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہ طالبِ حق کے لیے دراصل اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ایمان میں داخل ہونے کے لیے اپنے جان و مال کو اللہ کے ہاتھ بیع کرنا ضروری ہے اور شریعت کی اصل ”ایمان“ ہی ہے جب تک ایمان حاصل نہ ہو۔ طالبِ شریعت میں کامل نہیں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط (پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت ۱۴)

اور یہ گنوار کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ رکہہ کہ ہم ز تسلیم کیا را اسلام میں داخل ہوئے (البتہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۱)

ہی اس کی شہادت دیکر گزشتہ انبیاء کے علم و عمل کی تصدیق کرتا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اسی کیفیت کی طرف اشارہ واضح ہے۔ کہ کُنْتُ بَشَرًا كَانَتْ أَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ابھی ان کی خلق مکمل نہ ہوئی تھی یعنی آپ آدم کی پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ اس کی ایک صورت یہی ہے کہ اسرارِ الہی ازل سے متعین تھے۔ جو عالمِ ملکوت جبروت لاہوت کی ہئیت میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ترتیب دیتے تھے جن میں اسرارِ الہی میں نورِ محمدی۔ حقیقتِ محمدی۔ اور اجلاسِ محمدی بھی ازل سے مقرر تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کل کائنات نورِ محمدی سے بنی ہے۔ یہی نورِ عالم اسرارِ الہی سے تعبیر ہے جن میں نورِ محمدی کی پہچان اسی کیفیت کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کُنْتُ بَشَرًا كَانَتْ أَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ ہے اور ہر نبی کو اسرارِ الہی کے مشاہدہ میں حقیقتِ محمدی کی پہچان ہوتی ہے اسی پہچان سے انہیں نبی کا درجہ ملتا ہے اور جب تک کہ ہر نبی اجلاسِ محمدی میں داخل نہ ہو نبی نہیں کہلایا جاسکتا اور چونکہ عالمِ ملکوت میں ولایت کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ اس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کہلاتے ہیں۔



اس آیت سے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سے مراد اللہ اور رسول اور کتاب اللہ کو تسلیم کرنا۔ اور کتاب کے احکام پر عمل کرنا۔ لیکن ایمان کا تعلق (فِي قُلُوبِكُمْ) قلب سے ہے۔ یعنی ایمان ایک لطیف جذبہ۔ جس کا عمل سے اظہار نہیں ہوتا۔ البتہ حُب سے ہوتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ایمان“ کی واضح نشاندہی فرمائی۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ  
وَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (متفق علیہ)

نہیں مومن بن سکتا تم میں سے اسے ایمان والو) کوئی جب تک کہ محبت نہ رکھو ہم سے۔ اپنی اولاد۔ اپنے ماں باپ۔ اور اپنی ہر محبوب شے سے زیادہ۔ ظاہر ہے۔ اس حُب کا مظاہرہ نہ نماز کی شکل میں ہو سکتا ہے اور نہ روزہ کی شکل میں نہ زکوٰۃ کی شکل میں نہ حج کی شکل میں نہ تہجد کی شکل میں۔ یہ تمام ارکان شریعت اگرچہ عملی طور پر مظاہرہ سے پورے کیے جاتیں۔ اس کے باوجود اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلی جذبہ کے تحت ایسی محبت نہ کی جائے جیسی اپنی جان سے۔ اپنی اولاد سے۔ اپنے ماں باپ سے اپنے مال سے کی جاتی ہے تو ان تمام ارکان اسلام کی بغیر حُب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل حیثیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے اس حدیث کی تائید میں قرآنی بیان واضح ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نِّاقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۲۷)

ان لوگوں سے کہہ دیجئے۔ اگر ہوں تمہارے باپ۔ تمہارے بیٹے۔ تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں۔ تمہارے رشتہ دار۔ تمہارا مال و جائیداد جو تم نے کمایا ہے۔ اور تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں فکر رہتا ہے۔ اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔

زیادہ عزیز — تمہارے لیے — اللہ اور رسول اور جہاد کرنے سے اس کی راہ میں —  
توانتظار کرو — یہاں تک کہ لاتے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں پہنچاتا صراطِ مستقیم پر جو  
فاسق ہیں۔

اس آیت میں ایک مومن کے لیے کائنات کی تمام خواہشات سے دستبردار ہو کر  
اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب — اور جہاد کرنے میں شدت سے عمل  
کرنے کی تنبیہ کی گئی اور اگر اللہ اور رسول سے محبت نہ کرو تو انتظار کرو کہ اللہ تمہیں کسی  
مصیبت میں گرفتار کرنے کا حکم دے۔ ایسے لوگ جو اس جذبہ حُب سے خالی ہوں —  
اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے کہ وہ فاسق ہیں انہیں حقیقت کا راستہ کسی طرح بھی نہ مل سکے گا۔  
قرآنی تاریخ نے ان آیات و احادیث کی واضح مثال پیش کی ہے — جس میں بیع  
ربیعہ اور حُب کا تصور سامنے آتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط يَدُ اللَّهِ  
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ؕ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰)

تحقیق جو لوگ بیعت کر رہے ہیں آپ سے وہ حقیقتاً بیعت کر رہے ہیں اللہ ہی  
سے — اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے — قرآنی تاریخ سے  
ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بیعتِ رضوان سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے متعلق قرآن نے واضح  
اشارہ دیا ہے۔

۱۔ اس آیت قرآنی میں جہاد کے تصور میں ایک بنیادی نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب میں  
اپنی جان و مال کی محبت سے دستبردار ہونا ہی ہے — اور محبت کے عہد پر ”بیع ہونا“ یعنی  
بیعت کرنا۔ اس محبت کا عملی مظاہرہ — یعنی شریعت پر عمل اور شریعت پر عمل سے نتیجہ عمل  
حاصل کرنا — نتیجہ عمل میں — جنت کے معرفت الہی تک مرتبہ حاصل کرنا اور نتیجہ عمل کا  
مشاہدہ کرنا۔ اصل حقیقت ہے۔ یہی نتیجہ عمل اولی الامر کی حُب و اطاعت سے حاصل ہوتا  
ہے۔ اسی عمل کو طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔



لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(پارہ ۲۶ سورہ ۲۸ - آیت ۱۸)

البتہ تحقیق اللہ راضی ہوا ان لوگوں سے جب انہوں نے درخت کے نیچے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ان آیات کا حوالہ سورۃ الفتح (۲۸) میں دیا گیا ہے۔ ایسی بیعت کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فتح و نصرت کی بشارت دی۔  
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔ (پارہ ۲۶ سورہ ۲۸ آیت ۱)

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا بیت اللہ میں عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے بیت اللہ میں عمرہ کرنے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنے کے بارے میں بات طے کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو منافقین نے افواہ پھیلا دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے شہید کر ڈالا۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اُسی وقت صحابہ سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمرہ کی نیت سے بیت اللہ میں داخل ہونے کی غرض از روئے شریعت خالی ہاتھ ہونا شرط تھا جس میں انہیں کسی قسم کا فساد کرنے کے لیے ہتھیار ساتھ رکھنے کی ممانعت تھی تمام صحابہ یکسر نہتے تھے۔ اس حالت میں جب کہ مکہ کے قریش ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جہاد کرنے میں اپنی جانیں قربان کرنے کے سوا کوئی نتیجہ حاصل ہونا نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر۔ اپنی جان اپنے ماں باپ۔

لہٰذا اس امر سے واضح ہے۔ کہ قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اہل ایمان کے لیے اس وقت جہاد لازم ہوتا ہے۔ جب کسی مسلمان (مومن) پر کفار ظلم و قتل روا رکھیں۔ ایسے موقع پر اگر جہاد سے تغافل برتا گیا تو اس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب واجب ہوتا ہے۔

اپنی اولاد۔ اپنے گھربار کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کر دی ہاں —  
 جہاں قرآن جہاد کا ذکر کرتا ہے — اس جہاد کا یہ نکتہ قابل غور ہے — کہ اسلام نے  
 جہاں جہاد کے لیے شدت سے حکم دیا ہے دراصل یہ جہاد اگرچہ قتال کا تصور رکھتا ہے  
 مگر فی سبیل اللہ کے تصور میں جہاد کو اللہ کی راہ میں قتال کرنے سے متعلق کر دیا گیا کہ اللہ  
 کے قرآن اور اس کے احکام کو مخلوق تک پہنچانے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا۔ اس حال میں  
 کہ جب کفار مکہ نے اسلام اور جماعت اسلامی کو ختم کرنے کے لیے خود جنگ چھیڑ دی۔ ورنہ دین  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے  
 لیے امن و سلامتی کے داعی ہوں — اسلام کے لیے — تبلیغ اسلام کے لیے — سوائے  
 صبر و تحمل — حسن و اخلاق — راحت و رحمت — مخلوق انسانی کا درد — حَرِیصٌ  
 عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ کا جذبہ رحمت استعمال ہوتا ہو — اسلام کے  
 لیے نہ تلوار اٹھانے کا کوئی موقع ہے نہ اللہ کی طرف سے قتال کرنے کا کوئی فرضی حکم  
 ثابت ہے۔ ہاں اگر کفار مکہ اسلام کو ختم کرنے کے لیے برسرِ پیکار نہ ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ  
 کو قتال کا حکم دینے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ جہاد کا حکم نازل ہوتا — حقیقتاً اس جہاد  
 کے حکم میں دو مصلحتیں تھیں — ایک یا مل قوتوں کا زور ختم کر کے مخلوق خدا کو ہدایت  
 حاصل ہونے میں راہ ہموار کرنا — دوسری مصلحت جو ان قرآنی آیات سے واضح ہے کہ  
 تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب کا امتحان لینا — اور ان میں اپنی جان مال  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے میں۔ ان کے جذبہ حُب کو حد کمال تک پہنچانا  
 تھا — ان تمام واقعات میں ایک اہم تصور — اُمت میں — اہل اسلام کے دلوں  
 میں جذبہ حُب کے اظہار کو واضح کرنا تھا — کہ طالب حق کے لیے نتیجہ عمل میں —  
 ایمان کی خصوصیت حاصل ہونا لازمی ہے جس کے لیے بیع ”بیعت“ کو اظہار حُب کا ذمہ دار  
 قرار دیا گیا — لہذا اسلام و ایمان میں ”حُب“ عمل کی اصل قرار دی گئی اور اس کے اظہار  
 کے لیے بیع کو فرض اولین قرار دیا گیا۔ یہی طریقہ عمل علمائے اُمت ولی اکمل کیلئے واجب  
 ہے — کہ وہ ایک طالب حق کے ذَلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ — فوز عظیم



عطا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ کہ وہ مقام معرفت میں ولی اکمل کا درجہ رکھتا ہے۔ اور طالب حق کے لیے حصول شریعت میں ایک ولی اکمل کی راہنمائی اور راہبری حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اس راہنمائی کے لیے بطریق سنت ولی اکمل سے بیع ہونا بیعت کرنا اور ولی اکمل سے حب قائم کرنا لازمی ہے۔ بغیر اس عمل کے نہ شریعت کامل ہو سکتی ہے نہ طریقت۔ لہذا قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہوشیار رہ زمانہ میں ایسے نام نہاد فقراء چپہ چپہ پر اپنی دوکانیں سجاتے بیٹھے ہیں جو عام انسان کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات کا بھی احساس نہیں کہ خلق خدا کو دھوکہ دینے میں جو عمل ان کے لیے تیار ہوتا ہے اس سے وہ بے خبر ہیں وَالْیَکُنْ لَا تَشْعُرُونَ انہیں مشاہدہ نہیں کہ اس عمل سے ان کے نامہ اعمال سیاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جو ان کے لیے عذاب کا سبب ہونگے۔ اور ایسے فقراء سے بھی گریز کر جو جاہل لاعلم چند استدراجی ترکیبوں سے خود کو ولی سمجھ کر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بیعت مراد سوا اس کے نہیں کہ ایک انسان کو معرفت حقیقی میں کامل کر دے جو خود گمراہ ہو وہ کسی کو کیا راہ دکھا سکتا ہے۔

باشد وجود اولیاء اندر زمین

از برائے حاصل حق الیقین

اللہ تعالیٰ نے اَنَا اعْرِفَ (میں پہچانا جاؤں) کے منصوبہ میں۔ یہ مقرر کیا ہے۔ کہ اس کی پہچان ایک نبی کی راہنمائی کے ذریعہ ہو۔ اس لیے معرفت حق میں ایک نبی کی راہنمائی لازمی ہے۔ کیونکہ نبی واقف اسرار الہی اور معرفت الہی میں کامل اکمل ہوتا ہے۔ نبی کے بعد علم امت۔ بحیثیت قائم مقام۔ نائب رسول۔ خلیفہ رسول۔ اس معرفت کی تکمیل کراتا ہے۔ ہاں۔ یہ لازم ہے کسی نبی۔ کسی ولی کی ولایت سے انکار نہیں۔ بے شک جب کذاب نبی۔ یا ولی کے دعوے پر اس کے کردار و شخصیت اور اس کے عمل سے۔ اس کا مقام مشکوک ہو جائے۔ تو اس کی اطاعت لازم نہیں لیکن اس تصور پر حقیقت سے انکار بھی جائز نہیں کہ معرفت و حقیقت کی اصل کچھ نہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس انکار

پر مضجے رہتے ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں

ۛ تو بکوری ماندہ اے بے یقین

زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین

اندھے کا سورج سے انکار۔ قابل قبول نہیں بلکہ حقیقت۔ حقیقت ہے چونکہ تمام کیفیات متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے اس کے تسلیم کے لیے قلب اور شعور کی روحانی قوتوں کا اقرار۔ اور ان کا استعمال شرط ہے۔

ۛ نور مرداں مشرق و مغرب گرفت

تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

دل اکمل کی صفات کا احاطہ کرنے کے لیے قوت قلبی کی ضرورت ہے۔ خالی تعلیم سے اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ ہاں اس کے مشاہدہ کے لیے خصوصی۔ صفت حب۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عزت و تکریم لازمی ہے۔ محبت نہ ہو تو بے محبت دل مانند بے جان اینٹ کے ہے۔ جو نور کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ہاں! حضور قبلہ عالم کی ذات والا شان کا یہ دعویٰ تھا۔

صد ہزاراں شکر تو اے رب دیں

در دل من تو نہادی این یقین

شکر ہے اللہ رب العالمین کا۔ کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی۔ کہ آپ کی ذات کو معرفت حقیقی میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ آپ فرماتے ہیں :-

اے امین تو شکر کن پروردگار

در وجود تو عیاں شد این بہار

الانماں ایتقان گشتہ آں جہاں

ہست پیش قلب من یکسر عیاں

پیر کے فنا میں مجھ پر اسرار الہی کے آثار ظاہر ہوئے اور میں ان اسرار کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔



آپ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرتے ہیں کہ آپ کو ان انعامات سے نوازا  
ان انعامات کا جامع تصور پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جز من از کل او کل شدہ  
کز عنایت پیبر اکمل پُر شدہ

میری جز (روح) کل میں فنا ہو کر کل ہو گئی۔ یہ عنایت مجھے فنائے شیخ اکمل سے میسر  
آئی۔ بلاشبہ یہ حقیقت و معرفت ایک اولوالعزم ولی اکمل کی بیعت و ارشاد سے  
ہی انسان پر کھلتی ہے۔ یہ مقام حضور قبلہ عالم کو بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ بلکہ آپ کی  
صحبت و بیعت میں طالبانِ حقیقت کو آپ کی محبوبیت کے شرف سے بلا محنت مقاماتِ  
ولایت و معرفت حاصل ہوتے رہے۔ اب اگر اس سلسلہ طریقت سے بے توجہی اور  
نفرت کا اظہار ہوتا ہے تو اس کا سبب ایسے ہی نام نہاد فقراء کا فیری کا دعویٰ کر کے  
ذاتی اغراض اور غلط علم کا اجرا ہے۔

## حقیقت بنائے اسلام

حضرت قبلہ عالم بنائے اسلام کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔ کہ بنائے اسلام میں۔  
ایمان محمل کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقِيلْتُ جَمِيعَ  
اَحْكَامِهِ اَقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقًا بِالْقَلْبِ۔

میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ ہے۔ اپنے اسماء سے اپنی صفات سے اور قبول کیا  
اس کے تمام احکام کو برائے تعمیل۔ اس پر میں زبان سے اقرار کرتا ہوں اور قلب  
سے تصدیق کرتا ہوں۔

عمیق تحقیق میں جائیں تو اسماء صفات اللہ تعالیٰ کے نورانی ہیں ان پر ایمان لانا اس  
حال میں کہ میں نے تسلیم کیا اور یقین کے ساتھ یہ تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت  
تسلیم کرنے کے ساتھ ہے۔ بلا دلیل بلا مشاہدہ۔ اور لازم ہے قلب سے تسلیم کرنے کے لیے



بھی — یقین و تحقیق کو کامل کیا جاتے — سو اسماء و صفات کی تحقیق و تسلیم بالقلب تصدیق کرنے کا کوئی ذریعہ ہتیا ہونا لازم ہے۔ قلب کے ذریعہ تصدیق کا طریق — واحد طریق — فقہ قلبی مراد ہے۔ لَہُمْ قُلُوبٌ لَا یَفْقَهُونَ بِہَا۔ ان کے دل ہیں ان سے فقہ نہیں کرتے — فقہ سے مراد غیر محسوس۔ روحانی ماورائے ادراک کیفیتوں کو — روحانی طور مشاہدہ کرنا — جیسا کہ قرآن نے اس کا اشارہ دیا —

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِیْہِنَّ طَوَّانٌ مِّنْ شَیْءٍ إِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہِ وَلَکِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِیْحَہُمْ

ربارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۲۲)

تسبیح کرتے ہیں واسطے اللہ کے سات آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور یہ کہ نہیں کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے۔ ساتھ اس کی پہچان (معرفت) کے لیکن تم ان کی یہ تسبیح فقہ نہیں کر سکتے۔ چونکہ سات آسمان — اور زمین کی بعض کیفیات متشابہات سے ہیں اور ان کی تسبیح بھی متشابہات سے غیر محسوس — ماوراء ادراک ہے — اس لیے ایسی کیفیتوں کی تحقیق و علم کے لیے خود قرآن نے فقہ کا طریق بتایا — لہذا ثابت ہوا کہ فقہ سے مراد غیر محسوس روحانی کیفیات جو ادراک میں نہ آتی ہوں۔ قلب کی فقہ سے تحقیق و علم میں لا کر ان کی حق الیقین کی حد تک تصدیق کی جاتی ہے۔

## متشابہات علم کے تین ذرائع

واضح ہو کہ ماوراء ادراک متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ تین طرح سے ہے۔ اس ذریعہ کا اشارہ اس آیت سے واضح ہے۔ وَجَعَلْ لَّکُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ۔ بنائے تم میں کان۔ اور آنکھیں۔ اور دماغ و دل اَفْئِدَةُ کو قریشی اصطلاح عربی میں دماغ کے لیے اور دل کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ یعنی کسی کیفیت کا ادراک سمع۔ بصر۔ دماغ و دل سے ہوتا ہے۔

اول کسی کے سنانے سے ایک شے کے وجود کو تسلیم کرنا۔ اس کے ہونے کا اقرار کرنا۔



اس کیفیت کو سمع الیقین کہا جاسکتا ہے کہ کسی کیفیت کا کانوں سے سُن کر یقین کرنا۔ جب کوئی اس شے کی کیفیت کا بغیر دکھائے (بغیر مشاہدہ) وجود کی شناخت دے۔ تو اسے علم الیقین کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس شے کی ماہیت کا ذہن میں ایک موہوم تصور قائم ہوا۔ لیکن علم کامل نہیں جب تک کہ کیفیت کے وجود کو دیکھا نہ جائے۔ دوم۔ اور جب کوئی اس شے کی ماہیت آنکھوں کے سامنے لا کر اس کے وجود کے ہونے کی شہادت دے کہ فی الواقع یہ ایک شے موجود ہے۔ اسے عین الیقین کہا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر سمع الیقین سے ہم نے ایک شے کے وجود کا اقرار کیا مگر اس کے وجود کا اقرار اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ آنکھوں سے اس شے کا ادراک و علم حاصل نہ کیا جائے۔ اب اس بصر سے اس شے کا وجود قابل تسلیم ہوا تو ضرورت ہے کہ اس شے کی تمامی ذات صفات کے مرکبات کا بھی علم ہو جائے سو اس کے لیے اس شے کے بنیادی اجزاء کی تحقیق میں اس کی جسمانی ساخت اور مرکبات کا احاطہ کیا جائے کہ جس نام و ہیت سے اُسے پکارا جاتا ہے۔ آیا وہ ان اسمائے صفات سے مرکب ہے یا اس شے میں بنیادی مرکبات کس قسم کے ہیں۔ اور۔ اسکی تخلیق کس طرح ہوئی جیسا کہ حکم ہوا فَسَيُرَوُّا فِي الْأَرْضِ فَاَنْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ پھر زمین پر اور دیکھو ایک شے کی پیدائش کا بنیادی وجود کیا ہے۔ تو اس کی تحقیق میں عقلی طور تحقیق اور قلبی فقہ ہی ادراک کر سکتی ہے جسے حق الیقین کہا جاتا ہے۔ اس حق الیقین سے تصدیق بالقلب کی تکمیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے۔ کہ فلاں جنگل میں ایک تالاب ہے جس کا پانی زرد رنگ کا ہے۔ اس زرد رنگ پانی کی صفت یہ ہے کہ اس پانی میں نارش کا مریض غسل کرے اسی آن اس کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ یہ خبر کانوں سے سُنی گئی تو ایک کیفیت کا کانوں سے علم ہو جاتا ہے۔ اس ذریعہ کو سمع الیقین کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ علم کامل نہیں جب تک کہ اس وجود کے حق ہونے کی تصدیق نہ ہو۔ اس کا ذریعہ یہی ہے کہ تالاب کے پاس پہنچ کر۔ آنکھوں کے ذریعہ دیکھ کر تصدیق کی جائے اور جب آنکھوں کے ذریعہ تالاب اور زرد پانی کو دیکھا گیا تو یہ کیفیت عین الیقین (بصر الیقین) کی حد میں آتی ہے۔ لازم ہے کہ اس

کیفیت کو حق الیقین کی صورت میں علم میں لایا جائے جس کے لیے ضروری ہے کہ تالاب کے پانی میں داخل ہو کہ اس کی صفت کو دیکھا جائے کہ یہ پانی غارش زدہ مریض کا مرض دور کرتا ہے اس ذریعہ کو حق الیقین سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا ذریعہ عقلی تحقیق یا فقہ قلبی سے پورا ہوتا ہے لہذا یہ تحقیق سمع الیقین — بصر الیقین (عین الیقین) اور قلب الیقین (أَفْئِدَةُ) سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔

ایک ولی کا دعویٰ ہوتا ہے کہ اسے معرفت الہی حاصل ہے۔ اور وہ طالبانِ حق کو اس معرفت میں راہنمائی کر کے۔ ذاتِ حق کی معرفت دلا سکتا ہے۔ بلاشبہ اس کا اشارہ بنیادی تسلیم میں۔ ایمانِ مجمل میں کَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِمْ وَصَفَاتِهِمْ میں صاف ظاہر ہے کہ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ میں بھی ذاتِ الہی کے اسرار و آثار پنہاں ہیں۔ انہیں اسماء کے مشاہدہ کو معرفت سے موسوم کیا گیا — لہذا یہ واضح ہے۔ کہ جب تک کوئی پہچان کرنے والا کسی کیفیت کا ذکر نہ کرے۔ کوئی شخص کسی وجود کا تصور و اقرار خود نہیں کر سکتا — نبی کہتا ہے۔ میں معرفتِ الہی کے اسرار و آثار کا علم حق الیقین تک رکھتا ہوں۔ سو جو طالبِ حق ہے۔ وہ میری اتباع میں آئے — نبی کہتا ہے — آسمان ہے — جنت ہے — ملائکہ ہیں — آثارِ نوری ہیں — طالبِ یَوْمِئِذٍ بِالْغَيْبِ کی صورت میں رسول کی شخصیت کو تسلیم کرتا ہے — پھر طالب کو علم سے مشاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے تو نبی آسمان کی ہئیت بتاتا ہے — کہ نوری فضل ہے — وسیع دنیا ہے — پھر اُسے فقہ قلبی سے مشاہدہ کرتا ہے — یہی اس کا عین الیقین بن جاتا ہے — پھر اسے راس کی رُوح رحمانی کو اٹھا کر آسمان میں لے جاتا ہے۔ کہ رُوح آسمان کے نور میں مل جاتی ہے (یا فنا ہو جاتی ہے) تو یہ صورت حق الیقین کی ہو جاتی ہے — ظاہر ہے کہ کسی کیفیت کے علم کے لیے نین صورتیں لازم ہیں۔

(۱) اول — نبی — ولی — راہبر — یعنی کسی وجود کی خبر پانے والا — خبر دینے والا — اس ذریعہ سے کسی وجود کے ہونے کا علم ہونا — سمع الیقین — یا علم الیقین — کی صورت ہوتی ہے۔



(۲) دوئم۔ ایک وجود کے فی الواقع ہونے کی تصدیق کا ذریعہ بصیر الیقین — یا عین الیقین — کی صورت ہوتی ہے۔

(۳) سوئم۔ طریق تحقیق۔ کہ ایک وجود کی مکمل ہئیت اس کی ذات و صفات سے آگاہی حاصل ہونے کا ذریعہ — رُوح الیقین — یا قلب الیقین — یعنی رُوح و قلب کی قوت سے ایک وجود کے ظاہر و باطن کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ — تصدیق بالقلب کی صورت میں اس طریق میں — ایک کیفیت میں — جذب — یا اتصال ہونا لازم ہے۔ جسے فنا یا وصال سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس طریق سے کسی کیفیت کا علم حق الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے۔

لہذا کسی وجود کے علم حاصل کرنے میں ابتدائی۔ اور لازمی صورت علم الیقین (سمع الیقین) کی ہوتی ہے۔ کہ کسی کیفیت کے وجود کی خبر ملے۔ ”یہ خبر“ — ایک ”خبر پانے والے“ سے میسر آتی ہے۔ اس خبر کے اعتبار سے ایسے شخص کو ”ولی“ یا ”نبی“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تو ولی کی تعریف کیا ہے؟

عالم — علم سے ماخوذ ہے — علم کے معنی کسی شے کی حقیقی ماہیت کو ذہن میں لانا۔ علم الاخلاق کی رُو سے یہی معنی علم کے ہیں۔

عالم سے مراد وہ ہستی ہے جسے مخلوق کائنات کی ہر شے کی اصل ماہیت کا بدرجہ اولیٰ علم ہو۔ خصوصاً شرعی اعتبار سے — قرآن علم پر — کلی عبور رکھتا ہو۔ محکمات جملہ اصول و عقائد سے واقف ہو — قرآنی حقائق میں حکمت و معنیت کے آداب و اصول سے واقفیت رکھتا ہو۔ تخلیقی آثار کی جملہ ترکیبوں پر احاطہ رکھتا ہو تاکہ اس علمیت میں قرآنی علم کا حصول و تعلیم کسی طالب علم کے لیے مشکل نہ ہو۔ ایسے عالم کو عالم شریعت کہا جاتا ہے۔

اس علم کی تکمیل کے بعد ایک عالم علوم قرآنی کے متشابہات آثار کا یا المشاہدہ علم رکھتا ہو۔ اسکی ابتداء سے لے کر اس علم کی انتہا تک حق الیقین کی حد تک تمام آثار و اسرار باطنی سے آگاہی رکھتا ہو۔ یہی عالم حقیقی معنوں میں علمائے امت — نائب سول — اور ولی میں شمار

ہوتا ہے۔ ایسے عالم شریعت کو عالم طریقت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے متشابہات کا علم۔ ماوراء ادراک تصور ہوتا ہے اس کے لیے قلبی فقہ اور مشاہدہ شعوری استعمال ہوتا ہے۔ ہذا اس علم کی حقیقت ولی کے قول و فعل سے ہی سمجھی جاتی ہے۔ جس کی شہادت خود ولی ہی سے مل سکتی ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ علمائے امت میں — عالم — جو ولی کا مقام رکھتا ہے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ولی کامل — ۲۔ ولی مکمل — ۳۔ ولی اکمل —

۱۔ ولی کامل وہ ہے جو عالم ملکوت میں داخل ہو کر حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشاہدہ۔ مشاہدہ قلبی سے آگاہ ہو۔

۲۔ ولی مکمل وہ ہے جو اسرار الہی۔ آثار ملکوتی و نوری تا ذات الہی سے بالمشاہدہ معرفت حاصل کر چکا ہو۔

۳۔ ولی اکمل وہ ہے جو نائب رسول۔ جو قرآن و حدیث کے علم پر کلی طور عبور رکھتا ہو۔ قرآن کے متشابہات سے آگاہ ہو۔ اور تمام اسرار الہی تا ذات الہی کی خبر رکھتا ہو۔ اور طالبان حق کو اس راہ تک پہنچا کر ان کے حصول معرفت میں تکمیل کرنے والا ہو۔ یہی ولی ہے۔ جو خبر اسرار الہی کی پاتا ہے۔ اس خبر سے طالبان حق کی راہنمائی کرتا ہے۔ اور کسی کیفیت کے وجود (ادنیٰ شے مخلوق سے لے کر ذات الہی تک) کی خبر دیتا ہو اور اس کیفیت کا مشاہدہ و علم دیتا ہو۔

جہاں تک ماورائے ادراک اسرار کا تعلق ہے اس کا علم ایک ولی سے ہی سنا جاتا ہے۔ ایک ولی سے کسی کیفیت کی خبر سننا سمع الیقین سے تعبیر ہے۔

اس کیفیت کے باوجود حق ہونے کے لیے مستحکم یقین — ولی کی تقلید یا اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جس میں ولی وہ طریق بتاتا ہے جس سے ایک کیفیت عین الیقین کی حد تک علم میں آئے۔ اس طریق میں — قلبی فقہ سے کیسے کام لیا جاتا ہے؟ اس میں تصور — کیسوئی — مراقبہ اور روح سے روح کی نسبت اور رابطہ ہوتا ہے — اس طریق میں صورت یقین یہ ہوگی کہ ولی اصول طریقت کے مطابق جس کیفیت کا علم مقصود ہو اس کا



تصور دیتا ہے لیکن اس تصور کا طریق — ول کی رُوح سے رُوحانی نسبت قائم کرنا —  
یعنی طالب اپنی رُوح رحمانی سے ماوراء ادراک کیفیت کے علم کے لیے پہلے ول کی  
رُوح سے رابطہ قائم کرتا ہے۔

یہ امر محقق اور تسلیم شدہ ہے کہ انسان میں دو روہیں موجود ہیں جو بجائے خود ایک  
نوری وجود رکھتی ہیں۔ ان میں سمع۔ بصر۔ فہم کی قوی قوت موجود ہے۔ ان میں روح رحمانی  
بھی ایک کامل وجود۔ قوت سمع۔ بصر و فہم کی حامل ہے۔ یہی رُوح تصور و مراقبہ سے پیر  
”ولی“ کی رُوح سے رابطہ و اتصال پیدا کرتی ہے۔ ول اکمل کی رُوح ہر مقام پر کیفیت  
سے آگاہ ہوتی ہے۔ اس لیے یہ رابطہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ طالب پہلے پیر کی رُوح  
کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے تصور شیخ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جب طالب تصور شیخ پانے  
میں کامیاب ہوا تو پیر طالب کو مطلوبہ کیفیت کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ یہ مشاہدہ عین الیقین  
سے تعبیر ہے جو فقہ قلبی سے ہوتا ہے یعنی رُوح رحمانی کا جسم میں مقام قلب ہے۔ یہی  
رُوح قلب کے مقام سے عالم باطن کا مشاہدہ کر کے ماوراء ادراک کیفیات کا عکس  
حاصل کر کے دماغ کو کیفیات کا عکس فراہم کرتی ہے۔ دماغ مسکن و مخزن ہے۔ رُوح  
حیوانی کا۔ جیسا فقہ قلبی میں رُوح مشاہدہ کرتی ہے۔ اسی طرح دماغ میں رُوح حیوانی  
عکس حاصل کر کے ذہنی طور کسی کیفیت کی ہئیت و اصل سے آگاہ ہوتی ہے۔ لہذا  
ایک طالب کی رُوح رحمانی پیر کی رُوح رحمانی سے رابطہ قائم کر کے مطلوبہ کیفیت  
کے نام۔ ہئیت مشاہدہ کر کے یہ علم رُوح حیوانی کو فراہم کرتی ہے تو اس صورت میں  
کسی ماوراء ادراک کیفیت کا بالمشاہدہ علم۔ عین الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے۔  
یہ صورت کسی کیفیت کے وجود کے اقرار کی ہے۔ لیکن اس علم میں حق الیقین کی ایک  
صورت لازم ہے۔ کہ کیفیت کی اصل حقیقت بہر صفات مکمل علم میں آئے۔ طریقت میں  
حق الیقین کے لیے ایک خاص طریق ہے۔ اسے ”فنا“ کہتے ہیں۔

## ف

فنا سے مراد ہئیت تبدیل کرنا ہے۔ ایک ہئیت کا دوسری ہئیت میں ضم ہو جانا۔ اس حالت میں کہ ایک ہئیت کی اپنی وجودی ہئیت گم ہو کر۔ یا غیر محسوس ہو کر۔ دوسری ہئیت اختیار کر کے باقی ہو جائے۔ یا وہی کیفیت بن جائے جو دوسری کیفیت کی ہے۔ اس فنا میں ہئیتوں کا ہم جنس ہونا لازمی ہے۔ ورنہ غیر جنس میں فنا ممکن نہیں۔ اصطلاح طریقت میں۔ طالب حق کی رُوح رحمانی کا پیر کی رُوح رحمانی سے رابطہ قائم کر کے دو کی حیثیت کا ختم ہو جانا۔ اس حال میں کہ طالب کی رُوح کا پیر کی رُوح سے اتصال کر کے رُوح میں سما جانا۔ یا ضم ہو جانا۔ فنا سے تعبیر ہے۔ اگرچہ طالب کی رُوح کا وجود۔ دو کی صورت میں موجود نہیں۔ مگر پیر میں فنا کی صورت میں پیر کی رُوح کا اثر قبول کر کے ایک ہو جانا۔ اس حال میں کہ پیر کی رُوح میں طالب کی رُوح کی حیثیت معدوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر۔ سمندر سے نکلا ہوا پانی جب بخارات کی شکل میں سمندر سے الگ ہوا تو فطری اصول کے تابع سمندر کے وجود کی اپنی حیثیت سمندر کی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کی ایک جُز سمندر سے علیحدہ ہو کر اسی جنس ”پانی“ میں ایک علیحدہ وجود اختیار کر جاتی ہے۔ حقیقتاً سمندر سے نکلے ہوئے پانی کی کمی سے سمندر میں نقص واقع نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اس کی ایک جز اپنا علیحدہ وجود اختیار کر لیتی ہے۔ یہی بخارات پھر اسی جنس میں تبدیل ہو کر قطرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی قطرہ ہے جو پھر کُل شئی ویدِ جمعِ الیٰ اَصْلہ پھر سمندر میں ضم ہو جاتا ہے۔ قطرہ سمندر کی جز تھا۔ سمندر میں ضم ہو کر اپنی اصل میں مل گیا۔ تو سمندر بنا جو پہلے تھا۔ دوسری صورت اب قطرہ سمندر میں ضم ہو کر اپنی ہئیت میں قائم رہتا ہے۔ اگرچہ وہ سمندر میں مل کر سمندر کی ہئیت بن کر اپنی پہلی ہئیت گم کر جاتا ہے۔ یہی کیفیت فنا کی ہے۔ کہ طالب کی رُوح پیر کی رُوح میں ضم ہو کر اس کا وجود ایک طرف پیر کی صفت و خاصیت اختیار کر جاتی ہے مگر دوسری طرف



وہ اپنے وجود کا فنا کی شکل میں بھی احساس رکھتی ہے۔ یہی وہ فنا ہے جس میں طالب کی رُوح ہر اُس کیفیت کا ادراک کر لیتی ہے جس کا عکس پیر کی رُوح پر پڑتا ہے۔ پیر کی رُوح چونکہ عقل کل ہوتی ہے وہ تمام آثار و اسرار کی کیفیتوں کا عکس پا چکی ہوتی ہے۔ جو انتہائی تابان نوری قوتوں کا اثر ہوتا ہے۔ تو طالب کی رُوح اتنا ہی اثر قبول کرتی ہے۔ جتنا ہی طالب کی رُوح رحمانی کا عکس رُوح حیوانی قبول و برداشت کرے کیونکہ جزوی حیثیت میں طالب کی رُوح اس وقت تک تمام کیفیات کا اثر قبول نہیں کر سکتی جب تک کہ اس رُوح میں فنائے رسول اور فنائے ذاتِ الہی کا مقام حاصل نہ ہو۔ اس لیے پیر اکمل کی فنا میں رُوح رحمانی کیفیات اسرار کا اسی حد تک مشاہدہ کرتی ہے جس حد تک رُوح حیوانی اس کا مشاہدہ برداشت کر سکے۔ ورنہ اگر قوی تجلیات کا عکس رُوح حیوانی تک پہنچا تو یہ اس کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتی ہے تو طالب پر جذب طاری ہو کر مجذوب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک صورت ہے حق الیقین کی کہ طالب کی رُوح رحمانی براہِ راست اسرارِ الہی تک رسائی حاصل کر کے ان انوار کی سی قوت پا کر اسی نور کے مشاہدہ ہو کر اس نور میں فنا ہو جاتی ہے۔ اس فنا سے ان اسرار کی اصل حقیقت رُوح پر وارد ہو کر کیفیت حق الیقین کی حد تک علم و ادراک میں آتی ہے۔ اس حصولِ علم میں پیر اکمل کی رُوح رحمانی میں فنا حاصل کر کے۔ فنا فی الشیخ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اسی اتصالِ رُوح پیر سے رابطہ و قوت حاصل کر کے یہ رُوح پیر کے اس مقام میں داخل ہوتی ہے جہاں پیر کی رُوح فنا فی الرسول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں فنا حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ اسی رُوحی فنا میں طالب فنا فی الرسول کہلاتا ہے۔ دراصل یہاں براہِ راست طالب فنا فی الرسول نہیں ہوتا۔ بلکہ پیر کی رُوح میں ضم ہو کر فنا فی الرسول حاصل ہوتا ہے۔ یہی طریق فنا فی اللہ کا ہے۔ یہاں نہ طالب فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ نہ پیر فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ بلکہ پیر کی رُوح نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہو کر خود کو گم کرتی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح میں ضم ہو کر رسول بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں خود رسول فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس رُوح میں پیر اور مرید کی رُوح بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فنا فی اللہ پیر اور

طالب کی فنا سے بھی تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس فنا سے حق الیقین کا مقام حاصل ہو کر حقیقت کی تحقیق کے ساتھ اسماء و صفات ذات الہی کی تحقیق و علم کے ساتھ تصدیق یا القلب کا عمل پورا ہو جاتا ہے۔

ایک ولی کی اکملیت اسی صفت سے متصف ہوتی ہے کہ وہ بالفنا حقیقت کا ادراک مشاہدہ حق الیقین کے ساتھ رکھتا ہے تب ہی کسی ولی کے دعویٰ کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے کہ ایسا ولی کسی طالب حق کو حق الیقین کے ساتھ معرفت الہی کی تکمیل کرا سکتا ہے۔ یہ امر بے مشکل ہے۔ اس کے لیے شدید محنت کٹھن مجاہدات اور حُب کی ضرورت ہے۔ ایسا ہی ولی صاحب کرامت ولی حقیقتاً ولی کہلانے کا مستحق ہے۔ ورنہ ناسوتی کلمات ولی کی ولایت کی دلیل۔ کچھ معنی نہیں رکھتی۔

ان ہی خصوصیات کے ساتھ حضور قبلہ عالم کے مشاہدات۔ اور کمالات متعلق ہیں۔ جن میں مقام فنا کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ اسی اصول اور طریق پر سلسلہ اویسیہ میں منازل فقر کے مراتب حاصل کیے جاتے ہیں۔ اور ان کا مشاہدہ عین الیقین اور حق الیقین کے ساتھ ہوتا ہے۔ سلسلہ اویسیہ میں ابتدائی مشاہدہ میں اول منزل فقر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسے عالم ملکوت کا ابتدائی باب بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل عالم ناسوت کی اکتالیس منزلیں بھی نورانی عالم کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ان منزلوں کا مشاہدہ رُوح حیوانی سے ہوتا ہے۔ رُوح حیوانی کے مشاہدہ کے لیے بلا شرط۔ اتباع شریعت صرف عام حیثیت میں رات جاگنا فاقہ رکھنا۔ یا جسم پر فاقہ یا محنت سے شدت ڈالنا یا اس کے علاوہ کسی انسان میں پیدائشی طور۔ رُوح حیوانی کا لطیف ہونا کافی ہوتا ہے جس تزکیہ سے ہر انسان بلا تمیز مذہب و شریعت صاحب مشاہدہ ہو کر عالم ناسوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اکتالیس منزلوں کے بعد ابتدائی عالم ملکوت میں۔ اول اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس جس جس جہرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مقدس ہے۔ بجائے تربت نظر آنے کے ایک وسیع اجلاس نظر آتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت نشین ہوتے ہیں۔ اور آگے دورویہ قطار میں



وقت کے مقرب اولیاء کرسی نشین ہوتے ہیں۔ اسی طرح۔ دریائے توحید عرشِ تحت الثریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مقام پر ایک اجلاس کی صورت میں تخت نشین ہوتے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ وقت کے مقرب اولیاء۔ اور قطب بھی کرسی نشین ہوتے ہیں۔ جن کیفیات کا یہاں ذکر ہوا۔ یہ سب مقام حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ واسطے مریدوں کو بہت قلیل مدت میں حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ کے اکثر مرید ذاتِ الہی کے مشاہدہ و معرفت تک کامل مکمل ہوتے ہیں۔ یہ صفت و خصوصیت بہت کم فقراء کو حاصل ہے۔ جہاں تک حضور قبلہ عالم کی ولایت کا تعلق ہے۔ آپ مرتبہ صدیقی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف مرتبہ قطب الاقطاب پر فائز ہیں۔ اور جو احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں وہ حضور قبلہ عالم کے ذریعہ باقی اقطاب کو دیئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں رجب حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت عطا ہوئی) حضرت قبلہ نے اپنا ایک مشاہدہ بیان فرمایا کہ آپ کو ایک خاص مقام پر پیش کیا گیا۔ وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مرتبہ قطب الاقطاب عطا کرنے کے لیے۔ فقرار کا معائنہ کیا۔ اور جب آپ کا معائنہ کیا۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے سر مبارک پر ایک دُور بین لگا کر دیکھا۔ تو آپ بھی نظر آیا۔ کہ دُور بین میں قطب الاقطاب لکھا نظر آ رہا تھا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو قطب الاقطاب کے مرتبہ پر فائز فرمایا۔

ایک روز میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لیے جا رہا تھا میرے ساتھ کئی ایک دوست بھی تھے۔ جنگل میں چلتے ہوئے میرے دل میں اچانک ایک خیال پیدا ہوا کہ مجھے حضور قبلہ عالم کے قطب الاقطاب ہونے کے بارے میں مشاہدہ ہونا چاہیے۔ حضور کی خدمت میں پہنچ کر قدم بوسی کی۔ چائے پی رہے تھے کہ پھر یہ خیال پیدا ہوا۔ حضور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اَوَلَوْ تَوَدُّ مِنْ مِّنْ بَنِي سَاخَةِ عَرْضٍ كِي۔ بلی! وَلٰكِنْ لَّيُظْمِنُ قَلْبِي۔ نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضور نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد مجھے مراقبہ کرنے کا حکم ہوا۔ دس منٹ کے اندر میں نے مشاہدہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آستانہ عالیہ

پروفائز لیس لگا ہوا ہے۔ اور دنیا کے تمام ممالک کے جھنڈے اس پر لہرا رہے ہیں اور ہر جھنڈے کے ساتھ دائر لیس سے ایک ایک تار جڑا ہوا ہے۔ حضور آستانہ عالیہ میں صدارت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اور سینکڑوں آدمی مختلف ممالک سے پیغامات وصول کر رہے ہیں۔ میں نے اپنی دانست میں کسی پیغام میں رد و بدل کرنا چاہا۔ اُسی وقت حضور نے آواز دی کہ بس کرو۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بار میں نے وصال سے چند دن قبل حضور سے دریافت کرنا چاہا۔ کہ حضور کے بعد یہ مرتبہ کس خوش نصیب کو عطا ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”جیسے آسمان پر دو آفتاب نہیں ہو سکتے۔“ اسی طرح زمین پر دو قطب الاقطاب نہیں ہو سکتے۔ امام صاحب رامام مہدی علیہ السلام اچارچ لینے کے لیے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور ہمیں ولایت صرف اسی لیے ملی تھی۔ کہ ان کے ظہور کے سلسلہ میں انتظامات مکمل کر لیں۔ اب وہ انتظام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس لیے ہمارے بعد قطب الاقطاب سوائے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کوئی نہ ہوگا۔

## اقطاب کی مجلس مشاورت

جاننا چاہیے کہ طریقت میں قطبیت کے مراتب ولایت کے مراتب نہیں بلکہ یہ مراتب مخصوص ہیں۔ دراصل طریقت کے مراتب میں ولی کے تین درجے ہیں۔ ولی کامل۔ ولی مکمل اور ولی اکمل (اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے) ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ ذات الہی کی معرفت میں اکمل ہوتا ہے اور طالبان حقیقت کے لیے راہنمائی کرتا ہے۔ اس کے مقابل قطبیت چند مخصوص مراتب ہیں جو تمام اولیاء میں چند مخصوص ہستیوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ان میں یہ ضروری نہیں کہ ولی قطب کہلاتا ہو۔ یہ مراتب اولیاء اُمت میں صرف ان مقبول و مخصوص ہستیوں کو ملتے ہیں۔ جو علم القرآن و حدیث و فقہ اور انتظام دنیوی میں بدرجہ کمال فہم و تدبیر کے مالک ہیں۔ ان اولیاء کا تعلق ایک خاص مجلس سے ہوتا ہے جسے مجلس مشاورت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ مجلس مشاورت اس مجلس مشاورت سے مشابہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ نے قائم کی تھی۔ یہ ظاہری مجلس مشاورت کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی مجلس مشاورت بھی قائم ہے مجلس مشاورت



دریائے توحید کے اجلاس دوم میں قائم ہے۔ اس مجلس مشاورت کے ارکان حضرت ابن عربی نے گیارہ بتائے ہیں۔ ان میں

اول ولی۔ قطب الاقطاب کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت کے دائیں طرف اول اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتبہ صدیقی پر فائز ہوتا ہے۔ ولایت کے مرتبہ میں اس کا ولی اکمل ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث۔ فقہ و دیگر علوم اور امور دنیوی میں فہم و تدبر کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا شرط ہے۔

دوم۔ قطب العالم۔ قطب العالم کا ولی مکمل ہونا شرط ہے۔

سوم۔ قطب الارشاد۔ قطب الارشاد کا بھی ولی مکمل ہونا شرط ہے۔

قطب الارشاد۔ قطب الارشاد تیسرے درجہ کا قطب ہوتا ہے اس کے لیے بھی ولی مکمل ہونا شرط ہے۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث و فقہ کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا بھی شرط ہے۔ اور جب قطب الارشاد امت میں درس قرآن و حدیث اور تبلیغ دین کے اجرا کرنے کی خصوصیت پائے تو اُسے غوث کا خطاب دیا جاتا ہے۔ غوث سے مراد تبلیغ دین کرنے والا۔

چہارم قطب مدار۔ پنجم قطب سلاطین ششم قطب الاوتاد۔ سہتم قطب الابدال۔ یہ سات قطب ہیں۔

اس کے علاوہ قطب الارشاد چار ہوتے ہیں اور ایک قطب القلندر کہلاتا ہے اس حساب سے قطب گیارہ ہوتے ہیں۔ ان اقطاب کے علاوہ مجلس مشاورت سے منسلک اوتاد۔ ابدال بھی ہوتے ہیں۔ جو قطب الابدال کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان گیارہ اوتاد سے علاوہ۔ باقی اولیاء کے لیے قطب ہونا مراتب مرتبہ ولایت میں شرط نہیں۔ ہر ولی ولی ہوتا ہے۔ ابدال۔ غوث یا قطب نہیں کہلاتا۔ ہر جمعرات کی رات سے دوپہر جمعہ تک دریائے توحید کے دوم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقطاب جمع ہوتے ہیں۔ جنہیں امور دنیوی سے متعلق احکام دیئے جاتے ہیں۔ جن احکام کے تحت دنیا کا نظام چلتا ہے۔ یہ احکام ہر سال لَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ میں لوح محفوظ سے آسمان سوم پر نازل ہوتے ہیں اور لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں دوم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش

ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب جمعہ کو ان اقطاب میں احکام تقسیم کرتے ہیں۔ یہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطب الاقطاب کو دیتے ہیں۔ قطب الاقطاب دوسرے قطبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم مرتبہ صدیقی پر فائز تھے۔ سلسلہ اولیہ کے مریدوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات والا سے نسبت رکھنے والا ہر مرید حضور کو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت کے دائیں طرف کرسی نشین دیکھتا رہا۔ اس حیثیت میں حضور قبلہ عالم کو وراثت حضرت خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ سے محبوبیت کا مقام عطا تھا۔ نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی نسبت قادری سے وراثت میں ”سوال“ عطا تھا کہ آپ کی ہر سفارش کو دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرف قبولیت ملتا رہا۔ اسی نسبت سے حضور قبلہ عالم کے مریدوں کو بھی شرف قبولیت عطا تھا کہ ان کے ہر مطالبہ کو قبول کیا جاتا۔ آپ کے مریدوں میں کسی کا سوال رد نہ ہوتا تھا۔ گزشتہ باب میں اس کی چند مثالیں بیان کی گئیں۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط — وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ج

کون ہے جو سفارش کر سکتا ہے۔ اگر جسے وہ اللہ اجازت دے! کوئی بھی اس کے اسرار قدرت پر احاطہ کر نہیں سکتا۔ جسے چاہے اس کا علم دے۔ یہی ہیں وہ مقدس ہستیاں جنہیں وہ اذن دیتا ہے۔ جنہیں سوال عطا ہوتا ہے۔ جنہیں اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔

وَ أَطْلَعَنِي عَلَى سِرِّ قَدِيمٍ

وَ قَلَّدَنِي وَ أَعْطَانِي سُؤَالَ

یہ مقام محبوبیت ہے۔ جو اولیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ انہیں کی نسبت سے شفاعت ملتی ہے۔ یہ تصور غلط ہے کہ بے گناہوں کی مغفرت نہیں کر سکتا کہ کوئی کسی کی مدد آخرت میں نہیں کر سکتا۔! — ایسا نہیں۔ بلکہ اولیاء کاملین کو مقام محبوبیت میں اس کا اذن دیا جاتا ہے۔



دعویٰ طریقت میں ایک شخص کا صاحب ایمان — ولی اکمل ہونا ضروری ہے اور طالب کے لیے ولی سے بیعت کرنا — اور ولی سے نسبت قائم کرنا ضروری ہے — جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ — جس نے بیعت کے بعد اپنا عہد پورا کیا — وہ عہد کیا ہے؟ — قرآنی احکام پر بہ تمام و کمال عمل پیرا ہونا — تقویٰ حاصل کرنا — اور طریق سنت کے مطابق ولی اکمل کی بیعت میں بمنزلہ ادلی الامر ولی کی حُب میں اپنی جان — اپنا مال — اپنی اولاد — اپنے ماں باپ کی محبت قربان کر کے اپنی تمام خواہشات قربان کر کے صرف ولی کے حکم پر ہر لمحہ تعمیل کے لیے مستعد رہنا ہے۔ ہاں یہاں پر وہم ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے حکم کے مقابلہ میں ایک انسان کے حکم کی تعمیل اور محبت بشرک سے تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن کے انداز بیان سے یہی کیفیت واضح ہوتی ہے کہ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۖ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۳۱)

ان سے کہہ دیجئے کہ جو میں نے بیان کیا کہ اللہ کی محبت تمام شے کی محبت پر مقدم ہے۔ مگر میرے نزدیک اس محبت کا اظہار ایسے ہو گا کہ اگر تم اللہ سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ ان ہی سے تمہیں محبت کرنے کا سلیقہ مل سکے گا۔ پھر جو اللہ سے محبت کرنا چاہتا ہو۔ وہ میرے محبوب سے محبت کرے۔ تو اس آداب محبت کے سوا کوئی بھی میری محبت کو پورا نہیں کر سکتا — پھر محمد رسول اللہ کائنات عالم کے محبوب اور میرے محبوب ہیں اس لیے اسی ذات کی محبت کو دل میں جاگزیں کرو۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (پارہ ۱۱، سورۃ ۹، آیت ۱۰۰) اس جذبہ محبت و اثار سے میں راضی ہوں گا۔ اس جذبہ محبت کے صلے میں میں اسے بے شمار انعامات و تجلیات سے نوازوں گا کہ وہ مجھ سے خوش ہو گا۔

اور پھر أَطِيعُوا اللَّهَ — وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ — رسول تو تمہیں میرے ہی احکام کا حکم دیتا ہے۔ مگر اس کا اپنی ذات سے حکم دینا مسلم ہے کہ تم اسی کے حکم کے مطابق میرے حکم کی تعمیل کرو۔ جب تک تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت نہ کرو میری اطاعت تک

پہنچ نہیں سکتے اس لیے حکم کے ساتھ تم پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی اصل عمل ہے۔  
 اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اُمّۃ و سَطّاء اللہ اور اس کے رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حکم دیتے ہیں۔ ان کا اپنا کوئی حکم اس میں شامل نہیں لیکن یہ بھی تو  
 حکم دیتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ یہ بھی حکم میں شمار ہوتا ہے۔ انہیں میں نے  
 اولی الامر کا خطاب دیا ہے۔ ان کا حکم بھی مانو۔ یہ اس لیے کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود  
 ہوگا۔ انسانی خامیتیں۔ خیالات۔ جسمانی ہمتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ان کیفیتوں کے  
 مطابق تمہیں اصلاح کی ضرورت ہوگی یہ میرے ولی دوست کہلاتے ہیں۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۷

یہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول و محبوب ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر واجب ہے  
 لہذا ان ہی کی اطاعت میں تمہیں اللہ اور رسول سے محبت کے آداب میسر آ سکتے ہیں۔ ان  
 سے حُب قائم کرو۔ ان کی اطاعت کرو۔ ان سے ہدایت و معرفت حاصل کرو۔ لہذا  
 بغیر اول الامر کی اطاعت و راہنمائی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حُب کامل نہیں ہو  
 سکتی نہ اللہ کی حُب کامل ہو سکتی ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ طریقت و شریعت بغیر اولیاء کا ملین کے  
 اطاعت و محبت کے کامل نہیں ہو سکتی ہے۔ نہ کوئی حصولِ حق میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ حصولِ  
 حق ہر مرد۔ اور ہر عورت کے لیے فرض ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ جب ولی اکمل سے  
 عہد کرو تو فیصلہ کرو کہ ہم کو اپنی جان و مال اور ہر شے کی محبت سے دستبردار ہونا ہے۔  
 پھر عہد کرو پورا۔ کہ ولی اکمل سے سوائے معرفتِ حقیقی دُنیا کی کسی شے کی توقع نہ رکھو  
 ۔ نہ طلب باقی رکھو۔ حضور فرماتے ہیں کہ ولی سے نسبت کے بعد ولی کی محبت رکھو۔  
 محبت و نسبت و قرب قائم رکھو۔



## اصول طریقت

اصول طریقت میں ابتدائی پرہیز یہ ہے۔ (۱) کم کھانا (۲) کم کلام (۳) کم نیند۔ پھر تلاوت قرآن اس پرہیز سے مشاہدہ کلام پاک حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد تصور یکسوئی اپنا دائمی شعار بناؤ۔ اس سے تمہیں اسرار الہی کی معرفت حاصل ہوگی۔ طریقت میں بہتر طریقہ حصول معرفت اولی الامر کے لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور تصور ہے اور ”الناس“۔ طالبان حق کے لیے اولی الامر۔ اولیائے کاملین کا تصور ضروری ہے بغیر اس تصور کے معرفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ معرفت الہی کے اور کوئی راہ نہیں حضور فرماتے ہیں۔ بغیر اولی الامر کی صفت کے نہ کسی شخص کو علم۔ یا عالم اُمت کہلانے کا حق ہے نہ ولی ہونے کا دعویٰ کرنے کا حق ہے۔ جو شخص بغیر صفت ولایت فقر کا دعویٰ کرے۔ وہ خود کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور مخلوق کی گمراہی کا ذمہ دار ہے۔ کسی شخص کو اپنے علم پر فخر نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ علم بغیر مشاہدہ حقیقی کامل نہیں۔ کسی شخص کے لیے ولایت کا دعویٰ جائز نہیں۔ ولایت کے دعویٰ سے مراد۔ کہ اسے معرفت ذات الہی۔ اور معرفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ٹھوٹ بولے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہذا طالب حق کے لیے لازم ہے کہ وہ معرفت کے لیے حقیقی عالم اُمت اور ولی اکمل سے بیعت کرے۔ ہاں ولی کی شناخت ضروری ہے۔ اس شناخت کا آسان طریقہ یہ ہے۔ اس کے دعوے کے ثبوت میں اس کے مریدوں میں ولی مکمل ہونا ضروری ہیں۔ ولی مکمل سے مراد وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا ہوا اگر یہ نہیں تو اس کے مریدوں میں ولی کامل ضرور ہوں ولی کامل سے مراد جسے اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو۔ اس کے سوا عالم ناسوت میں اکتالیس منزلوں میں بھی انوار کے مشاہدات ہوتے ہیں مگر یہ مقامات ولایت کے مدارج میں شامل نہیں ہیں۔ ان مقامات میں بے شمار نورانی کیفیات و عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ کیفیات ماورئی ادراک اور مافوق العقل تصور کیے جاتے

ہیں۔ بعض اوقات ان مقامات میں ایک شخص کو مافوق الفطرت کرامات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن ایسا شخص ولی کہلانے کا حقدار نہیں لہذا ایسے شخص سے نسبت رکھنا یا بیعت کرنا لازم نہیں۔ ایسے لوگ تزکیہ و مجاہدہ کرتے ہیں اور یہ مقامات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کو ولی اکمل سے بیعت نہیں ہوتی ہے یا اگر ہو بھی تو یہ لوگ اصول طریقت کے مطابق اپنا عہد پورا نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں حصول دنیا کی خواہش باقی رہتی ہے۔ اس لیے انہیں مقامات ولایت۔ زیارت رسول یا اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے لوگ ولایت کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں نہ ان کی بیعت جائز ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خالی علم۔ قرآن و حدیث پر عبور۔ ترجمہ تفسیر اور دیگر علوم پر عبور و کمال حاصل کرنا کوئی درجہ ولایت نہیں جب تک کہ قرآنی اصول کے تابع۔ تزکیہ و مجاہدہ اور خالص نیت پر حقیقی مشاہدہ۔ عالم ملکوت نہ ہو کیونکہ عالم ملکوت میں اول اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ بغیر راہنمائی ولی اکمل بغیر توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالم اجل بھی شیطان سے دھوکہ کھا سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ۔

شیطان ہماری شکل بنا کر مومن کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ اس ناری قوت میں ہماری شکل بنانے کی طاقت نہیں۔ البتہ عالم ناسوت میں ایسی تجلیات پائی جاتی ہیں۔ جو اگر کسی کے مشاہدہ میں آئیں تو وہ لاعلمی کے باعث ایسی کیفیات کو اللہ کا نور سمجھ کر۔ غلط تصور یا ندھ لیتا ہے۔ عالم ناسوت ناری عالم سے تعبیر ہے چونکہ شیطان ناری ہے لہذا ایسے انوار کی شکل بنا کر انسان کے دل میں غلط تاویلات ڈال کر گمراہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب انسان عالم ملکوت میں داخل ہو تو درود شریف پڑھتے وقت اور پیر اکمل کی راہنمائی میں اس کے قلب پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم طاری ہوتا ہے۔ ایسے قلب پر نہ شیطان اثر انداز ہو سکتا ہے۔ نہ اللہ کا مصنوعی نور بنا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ اس لیے عالم کیلئے۔ مشاہدہ اجلاس



محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اس کا علم اس کے لیے حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ ایسے ناسوتی کراماتی فقیہ کی نسبت اور بیعت لازم نہیں۔ ان آداب کو طریقت میں آداب مرشدی میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

## آداب مرشدی

جیسا کہ آداب طریقت میں ولی اکمل کی خصوصیات بیان ہوئیں ایک ولی اکمل مرشد کے لیے ان صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اور جہاں تک ایک طالب حق — اور ولی اکمل پیرو مرشد کا تعلق ہے — کہ ولی اکمل کے لیے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ۔ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ہونا ضروری ہے۔

ولی کے لیے۔ اولی الامر کی حیثیت میں۔ صاحب علم ہونا ضروری ہے کیونکہ فقیری بغیر علم بے زینت لباس کے مانند ہوتی ہے۔ اسی طرح علم بغیر فقیری بے بصر سوار کے مانند ہوتا ہے۔ ولی کے لیے اکل حلال — اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا رزق حاصل کرنا لازمی ہے۔ بغیر حلال روزی قلب منور نہیں ہو سکتا۔ قلب منور نہ ہو تو نہ عقل کامل ہو سکتی ہے۔ نہ حقیقت کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ ولی کے لیے اخلاق حسنہ کا مجسمہ ہونا نہایت ضروری ہے۔

ولی کشادہ دل اور کشادہ رو بھی ہونا چاہیے تاکہ ہر شخص ولی کی شخصیت سے متاثر ہو کر حق کی طرف آمادہ ہو۔ ترش روئی انسان میں بجائے قبولیت کے نفرت کا جذبہ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان حق سے دور ہو جاتا ہے۔ ولی اپنے مریدوں سے خلوص اور شفقت سے پیش آئے۔ جب کہ مرید اسے ہر شے سے عزیز رکھتا ہے۔ اسی طرح ولی بھی اپنے مرید کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ کیونکہ مادی رشتہ سے روحانی رشتہ قریب اور پایدار ہوتا ہے۔ ولی کے لیے ایک سنون وصف کا ہونا لازم ہے وہ یہ کہ وہ اپنے مرید کے خیر و شر میں برابر کا شریک رہے۔ اور مشکل وقت میں ظاہری و باطنی حیثیت میں اپنے مریدوں کا معاون اور مددگار ثابت ہو۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ہر مخلوق انسانی کے لیے اس کے دل میں جذبہ ایثار قربانی موجود ہو۔ ولی کے لیے دست دراز

کرنا جائز نہیں بلکہ اس قدر خود کفیل ہو کہ وہ زکوٰۃ و صدقات سے محتاجوں کی امداد کرے۔  
 اپنے نادار۔ اور غریب مریدوں سے باخبر رہ کر۔ ان کی ضرورتوں کی فراہمی میں دلچسپی  
 اور معاونت ایک ولی کا فریضہ ہے۔ کیونکہ مرید اپنے آپ کو تمام خواہشات ترک کر کے  
 حصولِ حق کی خاطر بیع کر کے اپنے پیر کی رضا کا تابع رہتا ہے۔ لہذا ولی اپنی اولاد کی طرح  
 اپنے مریدوں کی آسائش و آرام کا خیال رکھے۔ ولی کے لیے لازم ہے کہ وہ اجراءِ طریقت  
 میں کشادہ دل۔ اور وسیع فیض رسانی کا حامل ہو۔ اپنے مرید کی کوتاہی پر غضبناک نہ  
 ہو بلکہ درگزر سے کام لے تاکہ مرید اس کی تربیت و طور طریق سے اس قدر متاثر ہو کہ وہ  
 اپنا ظاہر و باطن اس کے سامنے رکھے۔ ولی اپنے غریب اور امیر مریدوں پر یکساں نظر  
 رکھے بلکہ عملی اعتبار سے مراتب کے لحاظ سے۔ غریب کی عزت افزائی کرے تاکہ اس  
 شخص میں عملی جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو اور امیر کو صرف ظاہری برتری پر بے جا فخر کرنے کا موقع  
 نہ ملے۔ اس میں عجز اور فروتنی کی خو پیدا ہو۔ ولی کے اوصاف میں یہ بھی ہوتا ہے کہ  
 جب وہ اپنے مریدوں کی احوال پرسی کے لیے جائے تو امیر کے مقابلہ میں غریب مرید  
 کے پاس قیام کرے اور غریب کی دعوت کو اولیت دے۔ لازم ہے کہ جب پیر کسی  
 غریب کے گھر مہمان ہو۔ ہر غریب و امیر اس کے مہمان ہوں گے۔ ایسی صورت میں  
 پیر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ذات سے تحائف لے کر جائے۔ اپنی گرہ سے مرید کی  
 مدد روپیہ وغیرہ سے کرے تاکہ مرید پر پیر اور مہمانوں کی مہمانداری کا گراں بوجھ نہ پڑے۔  
 اسی طرح ہر مرید اپنے پیر بھائی کے لیے جذبہ محبت و ہمدردی پیدا کرے اس کی امداد  
 کا احساس پیدا ہو۔ پیر کے لیے لازم ہے جب کوئی مرید دعوت دے تو اپنی خدمات کے  
 اہتمام میں مرید پر تکلفات کا زیادہ بوجھ نہ ڈالے بلکہ جو کچھ مرید سے میسر ہو اسے بخوشی  
 قبول کرے۔ ایسے موقع پر مرید کی استطاعت کے مطابق تعداد میں مریدوں کو دعوت میں  
 شریک کرے تاکہ ضرورت سے زیادہ مہمانداری کا بوجھ محسوس کر کے دل تنگ نہ ہو  
 کیونکہ فراوانی اور استعداد سے باہر تکلفات سے نفرت اور دوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔  
 پیر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے مرید کی ہر جائز اور مناسب استدعا کو خندہ روئی سے



قبول کرے۔ جائز است دعا پر مرید کی مدد کرے اور اگر ناقابل قبول است دعا ہو تو پیر کیلئے لازم ہے کہ وہ حسن و خوبی کے ساتھ مرید کو سمجھا کر اس سے باز رکھے۔ صبح کے بعد مرید اپنے پیر کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس لیے پیر اپنے مرید کی احتیاج کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے حصول معرفت میں مرید کی اصلاح کے لیے فکر رکھے۔ اور اس کی ہر قدم پر کامیابی کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرے تاکہ ہر مرید کامیابی سے ہمکنار ہو۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ولی اکمل ولایت کی جملہ خصوصیات سے متصف ہو۔ ورنہ اگر ولی کو ولی اکمل کا درجہ حاصل نہیں تو کسی شخص کی اس کے مقصد حقیقی معرفت الہی کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ ورنہ ایسے شخص کو روزِ حشر میں اللہ کے محاسبہ پر ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اور ایک محروم مقصد کے گناہوں کا بار اس کے سر ہوگا۔ ان آداب پیری کا ایک اعلیٰ طریقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود آداب مرشدی کے متعلق خیال فرماتے۔ آپ کسی مرید پر ضرورت سے زیادہ بار نہ ڈالتے۔ آپ نے کسی کے آگے کوئی فرمائش نہ کی نہ کسی مرید سے کسی امداد یا خدمت کا خیال فرمایا۔ شہر سے اپنی ضرورت کی اشیاء اپنی گھر سے خرید کر لے جاتے بلکہ کسی شے کے خریدنے میں کسی مرید کو بازار جانے کے لیے زحمت نہ دی۔ حضور کی طبیعت حد درجہ اعتدال پسند تھی۔ آپ اپنی آمد پر کسی خاص اہتمام میں تکلف برتنا پسند نہ فرماتے۔ حضور شہر تشریف لاتے تو پہلے محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرماتے اور اس قیام پر شہر کے مرید اسی جگہ حاضری دیتے۔ اور دنوں یہاں مجلس رہتی۔ محمد حنیف صاحب اور ان کی والدہ حد درجہ ہمان نواز اور حضور کے عقیدت مند تھے۔ صبح و شام جتنے ہمان گھر میں موجود ہوں۔ سب کے لیے کھانا بھیجا جاتا۔ حضور کی تشریف آوری پر کشادہ دل سے ہمانداری کرتے۔ حضور تمام ہمانوں میں مل کر کھانا کھاتے۔ آپ اپنے لیے علیحدہ کھانا پسند نہ فرماتے۔ حضور قبلہ عالم اپنے کسی مرید کے ہمان ہوتے تو شدت سے تنبیہ فرماتے کہ کسی قسم کی فراوانی یا تکلف نہ کیا جائے۔ بلکہ حسب معمول جو کچھ گھر میں موجود ہوتا بخوشی تناول فرماتے۔ بار بار ایسا ہوا کہ حضور رات کو ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اور ہم رڈاکٹر محمد رمضان

نے ان کے کھانے کا انتظام کرنا چاہا مگر حضور نے منع فرمایا اور کہا تکلف کی ضرورت نہیں۔  
 ڈاکٹر صاحب! چائے کی ایک پیالی اور جو کچھ روٹی گھر میں موجود ہو کافی ہے اور بے تکلف  
 کھانے پر بے حد مسرت کا اظہار فرماتے۔ حضور قبلہ عالم کا شہر تشریف لانا محض اپنے مریدوں  
 کی خیر و عافیت دریافت کرنا اور ان کی مہموں میں ان کی راہنمائی کرنا ہوتا۔ جب بھی حضور  
 اپنے گھر سے کسی جگہ جاتے تو اپنی گھر سے سفر خرچ ادا کرتے اور واپس جاتے تو کسی سے  
 کوئی مطالبہ نہ کرتے اور اس توقع سے بے نیاز تھے کہ کوئی مرید کچھ نذرانہ پیش کرے۔ حضور  
 قبلہ پر اللہ کا فضل اس قدر تھا کہ ان کو کسی قسم کی محتاجی نہ تھی۔ اپنے اور تمام کنبہ کے اخراجات  
 زمینداری کر کے پورا کرتے۔ خورد و نوش کا تصرف غلہ سے ہوتا۔ زائد غلہ حاجت مندوں اور  
 مسکینوں اور اپنے عزیزوں کو بھیج دیتے۔ کسی بھی جگہ یہ ثابت نہیں کہ آپ کسی مرید سے  
 کچھ لینے یا حاصل کرنے جاتے یا کچھ فرمائش کرتے۔ یا کسی مرید کے گھر اس خیال سے جاتے کہ

نظر شان برائیکہ آید مرغ کے

تانبا شد خالی از حلوائے شے

کسی نے اگر از روئے محبت تکلف کیا تو قبول فرمایا۔ کسی نے سادہ غذا سے نوازا  
 تو زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔

## اہل حدیث حضرات کے سوال کا جواب

حضور کی شہرت سری نگر میں عام ہو چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی ملاقات کے  
 لیے آتے تھے۔ ایک دن چند اہل حدیث حضرات بھی تشریف فرما ہوئے۔ جن میں میرے  
 ایک دوست خواجہ غلام محمد خان ڈیٹی ڈائریکٹر سپلائر پیش پیش تھے۔ انہوں نے انتظام  
 کیا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد ہم ان کے مکان واقع ڈل گیٹ پر چلے گئے۔ گفتگو ہو رہی تھی  
 کہ ان میں سے ایک صاحب نے حیاۃ النبیؐ اور حیاۃ الاولیاء کے لیے سوال پوچھا۔ اور  
 کہنے لگے کہ آپ لوگ مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ  
 کے بعد کون زندہ رہ سکتا ہے۔ حضور نے فرمایا آپ لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔



اسی لیے سمجھتے نہیں۔ حضور کا فرمان واضح ہے کہ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَسِيرَ فِيهِ فِي الْيَقُظَةِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیکھا جانا۔ احادیث اور صحابہ کی خوابوں سے بھی ثابت ہے۔ — یہ حدیث صحابہؓ کو سنائی گئی۔ یہ خطاب صحابہ سے ہوا۔ — تو ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب کہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح و شام دیکھتے تھے۔ لیکن آپ کو خواب میں بھی دیکھا جاتا تھا۔ — اور اسی خواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ اس سے مراد — آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاگتی حالت میں دیکھنے کا اشارہ بالمشاہدہ ہے۔ نیز یہ حدیث صرف صحابہ کے لیے مخصوص نہیں۔ بلکہ آئندہ امت کے لیے بھی ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خواب میں دیکھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح بجائے نیند میں دیکھنے کے جاگتی حالت میں دیکھنا روحانی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایک دل نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے تو جاگتی حالت میں دیکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔ یہی کیفیت مشاہدہ روحانی سے موسوم ہے۔ جو ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ ولی کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اور جاگتی حالت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ لہذا یہ ممکن ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زمانہ میں مشاہدہ کرے۔ اس کیلئے کسی بھی کیفیت کا مشاہدہ کرنا ممکن ہے۔ یہ کیفیت زندگی میں وارد ہوتی ہے۔ جو روح سے تعلق رکھتی ہے۔ لہذا ایک ولی کی روحانی حیثیت برزخ میں قائم رہتی ہے۔ اس لیے ولی زندگی اور موت کے بعد یکساں حالت میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہمارا سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں ایسے ہی ولی کو قرب الہی کا مقام حاصل ہوتا ہے اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے۔ کہ سلسلہ کی نسبت سے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ لہذا آپ کے لیے بھی ہمارا دعویٰ قائم ہے۔ — اگر کوئی شخص آزمائش چاہتا ہے۔ — تو آزمائش بھی اسے دکھا سکتے ہیں۔ حالانکہ اس زیارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے محبت و عقیدت و احترام شرط ہوتا ہے۔ — آپ بغیر محبت و عقیدت کے بھی چاہیں آپ میں سے جو چاہے اسے دکھا دیں گے۔ اہل حدیث حضرات نے حضور سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

بحث چھیڑی تو حضور نے فرمایا کہ موت کے بعد قبر میں حساب پر یقین اہل حدیث کے لیے بھی لازم ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قبر میں ہر انسان سے حساب ہوتا ہے۔ اگر آپ اس حدیث پر یقین رکھتے ہیں تو یہی یقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات ہونے کی دلیل ہے۔ یہ واضح ہے کہ حساب صرف امت یا صحابہ کے لیے خاص نہیں بلکہ انسان۔ یا بشر کے لیے ہے۔ انسان۔ اور بشر تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم سے بھی سوال ہوگا۔ جو آدم سے لیکر قیامت تک کے آخری انسان تک ہوگا۔ پھر آپ سے سوال ہے۔ جیسا آپ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں۔ تو بشر کی حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سوال ہوگا۔ — مَا تَقُولُ لِهَذَا الرَّجُلِ؟ یہ رجل تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو آپ سے کیا سوال ہوگا؟ دین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے جس کے متعلق سوال ہوگا۔ مَا دِينُكَ کیا دین والے سے سوال ہوگا کہ آپ کا دین کیا ہے؟ اگر آپ اس سوال سے مستثنیٰ ہیں۔ تو پہچان لیجئے کہ آپ کی حیثیت کیا ہے۔ جہاں بشری حیثیت میں تمام انبیاء۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسحاق۔ اسماعیل۔ یعقوب۔ یوسف۔ داؤد۔ سلیمان۔ عیسیٰ علیہم السلام سے سوال ہوگا؟ کیا انبیاء سے یہی سوال ہوگا؟ کہ مَنْ دِينُكَ۔ وہ بھی کہیں گے اِلَّا سَلَامٌ دِينِي۔ وہ دین کون سا ہوگا؟ ان کا دین یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین۔ اگر ان کا دین ہوگا تو ایسا سوال صاحب دین سے کرنا مبالغہ و بے معنی ہے۔ سوائے اس کے اگر امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے متعلق سوال ہوگا تو لازم ہے ہر انسان خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل ہو۔ یا بعد۔ سوال دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوگا۔ جو ہر نبی قبول کرے گا۔ اس دین کی نشاندہی کرے گا۔ اور ہر نبی اپنی امت کو بتائے گا۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ یعنی توراۃ اور انجیل کی شکل میں حقیقت دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اقرار ہوتا رہا۔ ہوتا رہے گا۔ ایسی ہستی جوازیلی ابدی ہے۔ اس کے لیے ”حیات“ ہونے میں کیا شک ہے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی



ذاتِ اقدس کو ہر انسان نے پہچان کر جواب دینا ہے۔ ہَذَا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ امر حدیث کے خلاف ہوگا۔ اگر ہر اُمت کو اس کے نبی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ وہ کہے گا۔ هَذَا نُوحٌ۔ هَذَا إِبْرَاهِيمُ۔ مُوسَى وَعِيسَى۔ یہ امر حدیث کے خلاف ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرو ناظر ہونا یا حیات البنی ہونے میں شک کرنا حقیقت سے لاعلمی اور روگردانی تصور ہوگی۔

— حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ عالم ہونے کی حیثیت میں قرآن پڑھو۔ اس کی حقانیت کو سمجھو یہ کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔ اور اسے نُورٌ مُبِينٌ کہا گیا۔ پھر احادیث کا بغور مطالعہ کرو۔ مگر جان لو تم خود اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک تمہیں ایک عالم قرآن عربی کے معانی تفسیر نہ بتائے۔ اور بغیر تقلید کے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ عالم تم سے کہلا (الف) پڑھو تم الف پڑھنے میں ایک عالم کی شخصیت تسلیم کر کے ”الف“ پڑھتے ہو۔ کیا الف کے الف ہونے کیلئے۔ آپ اپنی ذات سے الف پڑھتے ہو۔؟ یا استاد سے دلیل مانگتے ہو کہ الف کے الف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ مگر بغیر دلیل الف پڑھتے ہو۔ قبول کرتے ہو۔ عالم تمہیں لا کے معنی عجمی زبان میں ”نہیں“ کہتا ہے۔ تم بغیر ”دلیل“ نہیں کے معنی قبول کر لیتے ہو۔ کیا تم شخصیت کو دلیل نہیں لیتے کہ یہ شخص جو معنی کرتا ہے صحیح کرتا ہے؟ جب تم علم حاصل کرنے میں ایک شخص کی تقلید میں اس کے علم کو حق سمجھتے ہو تو پھر اس کے سوائے تقلید کسے کہتے ہیں۔؟ قرآن نے حقیقت تسلیم کرنے کے لیے۔ ہدایت پانے کے لیے اللہ کو تسلیم کرنے کے لیے جب حکم تسلیم کا دیا تو تم اس تقلید سے انکار کیوں کرتے ہو۔ قرآن نے ابتدائی باب میں پہلے تقلید کا حکم دیا۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِالْغَيْبِ -

اس کتاب میں۔ شک نہیں۔ کہ یہ راہ دکھاتی ہے۔ متقیوں کو۔ جو بغیر دلیل مانگے ایک امین و صادق شخصیت کے قول کو بغیر دلیل۔ بغیر حجت تسلیم کرے۔ جو کچھ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کہتا ہے بغیر تحقیق و ثبوت ہم تسلیم یقین رکھتے ہیں۔ تو اس میں نہ اپنی ذات سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔۔۔ بغیر شخصیت کے۔ ایک شخصیت کے قول و فعل پر۔۔۔ بلا تحقیق۔ بلا ثبوت۔۔۔ بلا دلیل۔ ان باتوں پر یقین کرنا۔ جو کسی طرح نہ مشاہدے میں آیا ہے۔۔۔ نہ علم میں۔۔۔ تقلید سے تعبیر ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ تم قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اس کی تقلید کرو جو تمہیں قرآنی علم کا بالمشاہدہ ادراک کراتے۔ مگر شرط شخصیت کو بلا دلیل تسلیم کرنا ہے۔ کیونکہ انسان میں کسی شخصیت کو کسی علم کو اپنی ذات۔ یا ذاتی قوت علمی سے پہچاننا ممکن ہے۔ نہ اس کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ سوائے اس کے خود کو کسی عالم کے پیش کر کے اس کی تقلید کرے۔ اس کے بعد عالم کی شخصیت پر کھنے کا یہی اصول ہے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ سچ کر دکھائے۔ اگر اس پر ایمان ہے تو آئیں ہم دکھائیں گے۔

نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت

تو نہ بلینی باش تو بے جان خشت

ایک موقع پر میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مدعو تھا۔ میں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم کی صحبت میں رہ کر آپ کے مرید سگریٹ نوشی کرتے رہتے۔ اہل حدیث حضرات بھی اس مجلس میں تھے انہیں میری سگریٹ نوشی پر نکتہ چینی کا موقع فراہم ہوا اور اعتراض کیا کہ ایک طرف آپ سگریٹ پی رہے ہیں دوسری طرف درود پڑھ رہے ہیں۔ یہ امر خلاف شریعت ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں۔ میں کچھ کہنے والا تھا کہ مسجد سے اذان ہوئی اور حضور نے نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے ان کی امامت میں نماز ادا کی مگر اہل حدیث حضرات نے نماز نہ پڑھی تو حضور نے ان سے جماعت کے ساتھ یا علیحدہ نماز نہ پڑھنے کا سبب پوچھا۔ ان حضرات نے جواباً کہا کہ آپ کے ساتھ عقائد کا اختلاف ہے اس لیے نماز نہ پڑھی مگر علیحدہ بھی نہ پڑھنے کے لیے ان کے پاس کوئی بھی جواب نہ ملا۔ بلکہ ٹالنے کی غرض سے کہا کہ وضو نہ تھا اس لیے نماز نہ پڑھی۔ حضور نے کہا ایک طرف آپ توحید کے علمدار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور حدیث پر عمل کرنے والے ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کہتے ہو۔ ظاہر ہوا کہ تمہارا علم محض بحث و مناظرہ کے لیے



ہے۔ عمل کے لیے نہیں۔ انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے مجھ پر حملہ کیا نہ ڈاکٹر صاحب بھی شریعت کے خلاف حقہ تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی بغیر وضو نماز پڑھی۔ ان کے اعتراض پر میں کچھ کہنے والا تھا کہ حضور نے انہیں ان کے اعتراض پر ہی ملامت کی تم لوگ خود کو متقی کہتے ہو۔ مگر جانتے نہیں کہ مومن ہمیشہ تقویٰ میں رہتا ہے۔ مومن کے لیے ہر وقت با وضو ہونا شرط ہے۔ ڈاکٹر صاحب وضو میں تھے اس لیے انہیں وضو کی ضرورت نہ تھی۔ باقی رہا۔ تمباکو نوشی یہ اعتراض۔ برائے اعتراض ہے۔ آپ کا علم محدود ہے۔ کتابیں پڑھیں اور گزشتہ علماء کے فیصلوں کی طرف بھی دیکھیں۔ اسی سلسلہ میں فتاویٰ شامی سے باب صُلَحِ بَيْنِ الْأَخْوَانِ فِي أَبَا حَبِيبِ الدُّخَانِ کا فتویٰ پیش فرمایا کہ شام میں تمام عالم اسلام کے چیدہ علماء و فقہاء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً چالیس ہزار علماء نے شرکت کی۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آیا دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس بحث میں کئی دن غور ہوتا رہا۔ بالآخر فیصلہ اس نکتہ پر ہوا کہ کھانا پکانے اور دیگر ضروریات زندگی میں آگ ضروری جز ہے۔ جس سے انسان دھوئیں میں گھرا رہتا ہے۔ اگر دھوئیں سے پرہیز کیا جائے۔ تو روزمرہ زندگی میں دقتیں پیش آئیں گی۔ اس لیے طے پایا کہ دھواں بذاتِ خود جسمانی حالت کو تقویت نہیں دیتا۔ نہ ہی دھوئیں میں کوئی قباحت ہے۔ اس لیے دھوئیں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں جہاں تک تمباکو نوشی میں دھوئیں کی قباحت کو سمجھا جاتا ہے۔ اس دھوئیں میں کوئی مکروہ یا نجس مادہ نہیں جس وجہ سے اس کے استعمال سے آدابِ شریعت میں بے ادبی ہوتی ہو اور طریقت میں بھی تمباکو پینے سے کچھ فرق نہیں آتا جب کہ طریقت میں نور سے رُوح کا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی طریقت میں مشاہدات یا عملِ رُوح سے تعلق رکھتے ہیں جس پر دھوئیں سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس وجہ سے شریعت و طریقت میں تمباکو نوشی سے کوئی خلل یا بے ادبی واقع نہیں ہوتی۔ دراصل یہ فروعی کیفیتیں ہیں جو بنیادی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ان کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ کیفیتیں چونکہ بنیادی نہیں اس لیے ان کے جائزو

ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں سوائے اس کے کہ یہ مسائل فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فقہ میں علمائے اُمت کا فیصلہ مسلم ہے۔ علمائے امت صاحب القیاس متقی اور صاحب فہم ہوتے ہیں اس لیے ان کے فیصلے حقیقت سے مطابقت رکھتے ہیں جن میں کسی قسم کے فتنہ یا گمراہی کا احتمال نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَتَّقُوا مِنْ فَرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِتَوْبِ اللَّهِ

دُور و مومن کی فراست سے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ فراست مومن میں

القائے نوری ہوتا ہے اس لیے اس کے فیصلے مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں۔

الغرض ان دلائل کے بعد اہل حدیث حضرات کو سوائے فرار کے اور کوئی

چارہ نہیں تھا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ کی صورت میں قرآن کا تمام علم اور مشاہدات

کیفیات کا علم حاصل کرنا۔ انسان کے لیے فرض اور ضروری ہے۔ یہی علم قرآن و

حدیث سے موسوم ہے۔ یہی علم۔ علم ہے۔ جو وراثتِ انبیاء کی صورت میں

علمائے امت کو تفویض ہوتا ہے۔ اسی علم کا اجرا علمائے امت نے کرنا ہے۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم ان جملہ خصوصیات کے حامل علماء امت میں سے تھے۔ آپ

نے حق وراثت ادا کیا۔ آپ نے مخلوق خدا کو کما حقہ اللہ کے دین سے ظاہری و باطنی

صورت میں آگاہ فرمایا۔ اور اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے مریدوں میں سے کثرت

سے لوگ اس علم سے مستفیض ہوئے اور یہ فیض آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ہاں۔ یہ

سُنَّتِ الہی ہے۔ انسان ایک وقت ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر نبی مبعوث

ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ انسان کو ہدایت کا راستہ فراہم ہو جاتا ہے۔ پھر آخری نبی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر تشریف لائے۔ آپ نے اس علم کو رہتی دنیا تک

باقی رہنے کا سامان فراہم کر دیا کہ آپ کی اُمت کسی زمانہ میں ہدایت سے محروم نہ ہوگی۔

ہر زمانہ میں علمائے اُمت کا وجود موجود رہے گا۔ مگر سنت اللہ کے مطابق یہ سلسلہ حیات و

موت کا جاری رہے گا۔ ایک آئے گا ایک جائے گا۔ اسی طرح وقت کے ساتھ



امت کے اولیاء بھی جاتے رہیں گے مگر ان کی ہدایت دو طرح سے باقی رہے گی —  
 ایک ولی اپنی ذات سے عالم برزخ میں اسی طرح باقی رہے گا جس طرح عالم دنیا میں  
 تھا — دوسری صورت ایک ولی کے تابعین میں ولی موجود ہوں گے — حضور قبلہ عالم  
 کے مریدوں میں مخصوص ہستیاں — جن میں جناب ارسلان خان مرحوم — ایک اولوالعزم ہستی تھے —  
 آپ کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا — مگر وقت آیا — کہ آپ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے —  
 راقم ایک دن محمد ایاس خان صاحب کے ساتھ قصبہ سوپور جا رہا تھا — بس پرسوار  
 ہوتے ہی ارسلان خان صاحب سامنے ظاہر ہوئے — اور فرمایا — میں گھر میں تمہارا انتظار کر  
 رہا ہوں — وہ مجھ سے بے حد اُنس رکھتے تھے — میں نے ایاس صاحب سے کیفیت بیان  
 کی کہ خان صاحب مجھے بلا رہے ہیں — لہذا ہم ہند واڑہ ان کے گھر چلے گئے — وہاں پہنچے  
 تو ارسلان خان سے بلانے کا سبب پوچھا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہنے لگے  
 ڈاکٹر صاحب آپ کی ڈیوٹی جموں میں لگی ہے — آپ جموں جاتے گے — مگر میں واپسی پر آپ  
 سے نہ مل سکوں گا — میرا وقت قریب آچکا ہے — میں رخصت سفر باندھ چکا ہوں — خیال آیا  
 کہ آخری ملاقات آپ سے ہو جائے اس لیے آپ کو بلایا تھا — دل پر غم کا بوجھ ہوا مگر اس  
 ہستی کا سفر عام سفر تو نہیں تھا — یہ تو ایک ایسی جگہ جا رہے تھے جہاں ایک مومن راحت  
 سکون حاصل کرتا ہے — یہ موقع غم و خوشی کی ملی جلی کیفیت کا تاثر دیتا ہے خیر ہمارے دلوں  
 میں بھی ایسا ہی غم و خوشی فراق و وصال کا ملاحظہ تھا — کچھ دیر دلی تمناؤں کو سیراب  
 کر کے ہم جدا ہوئے آہ! یہ بھی ایک سماں ہوتا ہے —

فرق است میان آن کہ یارش در بر

با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

فرق ہے اس کے درمیان کہ ایک کا محبوب اس کے پاس ہو — اس کے مقابلہ میں ایک  
 کی آنکھیں انتظار میں دروازہ کی طرف لگی ہیں — میں رخصت ہو کر گھر واپس آیا —

جناب قبلہ سخی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم تقریباً بارہ سال بقید حیات  
 رہے — یہ زمانہ انتہائی پر آشوب رہا — دنیا میں ہر طرف فتنہ رہا — خطہ زمین پر انسان

پراگندگی کے عالم میں مایوسی کا شکار تھا۔ دین سے لگاؤ۔ حقیقت کی تلاش انسان کے لیے ناممکن ہو رہی تھی۔ اس عالم میں بھی حضور قبلہ عالم نے اہل دین اور اہل طریقت کا فریضہ اپنے نجیف کاندھوں پر اٹھاتے رکھا۔ اس زمانہ میں کٹھن سعی و جہد جاری رکھی۔ اس سعی و جہد کے نتیجہ میں دادی کشمیر کے دور دراز علاقوں تک آپ نے سلسلہ ادیبہ کو وسعت دی۔

## تصورِ پیر

واضح ہو کہ طریقت میں تصور ایک خاص عمل ہے۔ تصور سے مراد روح (روح حیوانی) کے ذریعہ کسی ماوراء حواس و عقل کیفیت سے روحانی رابطہ کر کے۔ اس کی غیر جسمانی۔ روحانی۔ ہئیت کا مشاہدہ کرنا۔ اس عمل کو ”مراقبہ“ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ رآنکھ حواس کے احاطہ میں نہ آنے والی کسی کیفیت کو علم کے احاطہ میں لانے کے لیے۔ اس کیفیت کا تصور کیا جاتا ہے۔ کہ اس کیفیت کی ہئیت کیسی ہے۔ اور جب ایسی کیفیت حواس کے احاطہ میں نہ ہو تو روح کے ذریعہ اس کیفیت کی ہئیت کا ادراک کیا جائے۔ ظاہر ہوا کہ تصور سے کسی کیفیت کی ہئیت کا روح کے ذریعہ علم و ادراک حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً آئینہ کے ذریعہ آفتاب کے وجود کا ادراک و مشاہدہ۔ یہ عمل بھی انسانی ادراک کا روحانی ذریعہ ہے۔ جو ذریعہ انسان کو اس کی تخلیقی ترکیب میں میسر آتا ہے۔ اس ترکیب کی روشنی میں تصورِ پیر کی اہمیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس ترکیب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دلیل مل سکتی ہے۔

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَسِيرَاتِي فِي الْيَقُظَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جس نے ہمیں نیند میں دیکھا۔ عنقریب وہ ہمیں جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ رآی فی المنام نیند میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ ظاہری طور پر دیکھنا ”آنکھ“ سے ہوتا ہے مگر نیند میں آنکھ سے دیکھنا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود بغیر آنکھ نیند میں دیکھا جاتا ہے۔ طبعی اصول کے



تابع رہیسا کہ گزشتہ بیان ہوا) حواس صرف کیفیت کی ہیئت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔  
 دیکھنے یا علم حاصل کرنے کا اصل ذریعہ۔ دماغ۔ اور دماغ میں رُوح۔ رُوح حیوانی  
 ہے۔ اور جب حواس معطل ہو جائیں تو رُوح کا بذاتِ خود ادراک کرنا جاری رہتا ہے۔  
 یہی رُوح فی المناہِر۔ نیند میں دکھتی ہے۔ اس امر کی دلیل خود حدیث کے دوسرے  
 حصہ سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو نیند کی حالت میں دیکھا جاتا  
 ہے۔ یہ دیکھنا رُوح سے ہے۔ اس کی ایک علیحدہ ترکیب ہے کہ حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی بشری ہیئت بستر یا دولت کدہ پر ہوتی ہے مگر انسان آپ کو بلا تعین مقام و  
 زمانہ ہر مقام پر دیکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے۔ نیند میں دیکھا جانے والا وجود۔  
 حضور کا رُوحانی وجود ہے۔ یہ وجود رُوح رحمانی کے ذریعہ جیسے آنکھ کسی ہیئت کا  
 عکس حاصل کر کے رُوح حیوانی تک پہنچاتی ہے۔ یہ دیکھنا رُوح رحمانی کے ذریعہ ایک  
 رُوحانی وجود کا عکس رُوح حیوانی تک پہنچانا۔ ذای فی المناہِر کی ترکیب میں آتا  
 ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود کا رُوح کے ذریعہ مشاہدہ کرنا۔  
 فَسَیَرَ اِنِّیْ فِی الْیَقْظَةِ۔ یعنی جاگتی حالت میں دیکھنا۔ طبی اصول کے تابع جاگتی  
 حالت میں آنکھ سے دیکھنا لازم ہے مگر اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے  
 خطاب فرماتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت آنکھ سے دیکھتے رہتے ہیں ایسی  
 صورت میں صحابہ کے لیے آنکھ سے دیکھنے کا اشارہ بر محل نہیں ہو سکتا جب کہ وہ ہر وقت  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ لہذا فی الْیَقْظَةِ۔ کا اشارہ رُوحانی حیثیت  
 میں دیکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دیکھنا رُوحانی طور پر ایسا ہے جیسا نیند میں رُوحانی  
 طور دیکھا جاتا ہے۔ یعنی جس قوت (رُوح) سے نیند میں دیکھا جاتا ہے جب کہ آنکھ کا عمل  
 ساقط ہوتا ہے جاگتی حالت میں بھی آنکھ کے عمل کو ساقط کر کے (یعنی آنکھ بند کر کے)  
 رُوح کے ذریعہ دیکھا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ عقل بیدار ہوتی ہے۔  
 مراد دونوں حالتوں "نیند اور بیداری" میں دیکھنا ایک ہی طرح "رُوح" سے رُوحانی وجود  
 دیکھنا" کا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو جاگتی



حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی وجود کو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بشری حیثیت میں موجود بھی ہیں۔ دیکھا جاتا ہے۔ اس دیکھنے کی ترکیب یاد رکھنے کا عمل تصور سے ہوتا ہے۔ یعنی انسان جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنکھیں بند کر کے روحانی طور پر تصور کرتا ہے تو جس شخص کی روح حیوانی۔ قوی و مزکی (پاکیزہ) ہو تو اس کی روح رحمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے رابطہ کرتی ہے۔ تو روح رحمانی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے اتصال (قرب) ہو جاتا ہے۔ اس اتصال سے روح رحمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا عکس حاصل کر کے روح حیوانی تک پہنچاتی ہے۔ اس رابطہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ یہ عمل تصور کے ذریعہ ہی سے پورا ہوتا ہے۔

اس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود۔ اور اس رُوحانی وجود کا مشاہدہ و ادراک ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوحانی وجود اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تخت پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اس طرح اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ رُوحانی حیثیت میں رُوح کا مقام و مکان خاص ہوتا ہے جہاں رُوح قیام رکھتی ہے۔ یہ مقام و مکان۔۔۔ مرتبہ سے موسوم ہوتا ہے۔ اسی طریق پر۔۔۔ صراطِ مستقیم۔۔۔ صراطِ اللہ۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں زمین سے لے کر آسمان اور آسمان سے لے کر عرش تک۔ اور عرش سے لے کر عالمِ جبروت لاہوت کے مقامات کی رُوحانی (نورانی) ہیئتیں متعین ہیں۔ ان ہی ہیئتوں کا تصور کر کے رُوح کے ذریعہ مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ رُوحِ رحمانی۔۔۔ ان مقامات کی سیر میں ان مقامات تک پہنچتی ہے۔ یہ مقامات مراتب سے تعبیر ہیں۔ جہاں رُوحِ رحمانی پہنچ کر اپنا مرتبہ حاصل کرتی ہے۔ یہ عمل تصور سے قائم ہوتا ہے۔ تصور کی ترکیب مراقبہ سے ہوتی ہے۔ یعنی طالب آنکھیں بند کر کے ذہن میں ایک رُوحانی تصور کر کے اس مقام سے رُوحانی رابطہ حاصل کرتا ہے۔



طریقت کے اصول کے مطابق صراطِ مستقیم — اللہ کا راستہ — مقاماتِ عالم ملکوت —  
 عالم جبروت — عالم لاہوت — نورانی مقامات تک مراتب کی رسائی — اور ان کا  
 مشاہدہ — ولی اکمل کے ذریعہ ہی مقرر ہے — جیسا کہ قرآنی آیات سے اس کی دلیل  
 ثابت ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے معرفتِ صراطِ اللہ —  
 اسرارِ الہی اور معرفتِ الہی کا ایک خاص طریق مقرر کیا کہ یہ راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی روحانی راہنمائی کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے — اس کا طریق یہی ہے کہ اُمّۃً وَسَطًا  
 صراطِ مستقیم میں جانے کے لیے — آپ کی راہنمائی میں — اَوَّلَ تَصَوُّر کے ذریعہ حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس سے رابطہ کریں گے۔ جب عالم باطن میں حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی روحانی ہستی رَفْسِيْرًا فِي الْيَقْظَةِ کا جاگتی حالت میں اجلاسِ محمدی  
 صلی اللہ علیہ وسلم میں رابطہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ  
 عَالَمِ جبروت — لاہوت میں ساتھ لے جا کر مقام پر پہنچائیں گے — مقام پر پہنچنے کے ساتھ انہیں  
 ان عالموں کا مشاہدہ ہوگا یہاں تک کہ اسرارِ الہی کی سیر میں ذاتِ الہی تک رسائی اور معرفت و  
 مشاہدہ حاصل ہوگا۔ ظاہر ہوا کہ معرفتِ الہی آناً نَافَاً نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اَوَّلَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ  
 مُّسْتَقِيْمٍ۔ کے ارشاد کے مطابق معرفتِ الہی حاصل کرنے کے لیے تصورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 لازم اور ضروری ہے — بغیر اس عمل کے۔ بغیر اس تصور کے مشاہدہ اسرارِ الہی و معرفتِ الہی ممکن نہیں  
 ہو سکتی۔ لہذا اسی ضابطہ پر طریقت و معرفت کا اصول مرتب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اہل  
 ایمان میں اُمّۃً وَسَطًا کو ایسی حیثیت میں معرفت عطا کر کے اُمّۃً وَسَطًا اکمل بناتے ہیں یہی  
 اکملین اسی ترتیب کے ساتھ باقی اُمت کو مشاہدہ و مراتب میں پہنچنے کیلئے لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ  
 کا عمل پورا کریں گے۔ لہذا اسی طریق پر ایک طالب حق کو ولی اکمل کی راہنمائی حاصل کرنا اسی قرآنی  
 ارشاد کے مطابق لازم ہے اور راہنمائی حاصل کرنے کیلئے جیسے اُمّۃً وَسَطًا تصورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 طالب حق کے لیے تصورِ ولی اکمل کرنا لازمی ہے۔ بغیر تصورِ ولی اکمل — دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم تک رسائی ممکن نہیں وہ اس لیے کہ ولی اکمل کو اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی  
 ہوتی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ولی اکمل کی روح اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ

حاصل کیے ہوتی ہے اور جب ولی اکمل کے روحانی وجود کا تصور کیا جائے تو اس تصور میں ولی اکمل کی روح کے مشاہدہ کے ساتھ مکان و مقام۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح طالبِ حق۔ جس قدر۔ تزکیہ و مجاہدہ۔ اور حُب میں کامل ہو ولی اکمل طالبِ حق کو اس کی استطاعت کے مطابق۔ دوئم اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عرش۔ تحت الثریٰ اور عالم بالا کے مراتب میں ساتھ لے جا کر مکان و مقام کا مرتبہ دیتا ہے اور اسے مشاہدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک مراتب کی سیر میں اسرارِ الہی کا مشاہدہ کر کے ذاتِ الہی کے نور تک مرتبہ دے کر ذاتِ الہی کا مشاہدہ و معرفت عطا کرتا ہے۔ یہی طریق۔ طریقت میں معرفتِ الہی کا ہے۔ جس کی ابتدا تصورِ ولی اکمل سے ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ مراتب کی سیر اور مشاہدہ میں روحِ رحمانی کی مراتب تک رسائی لازم ہوتی ہے۔ یعنی روحِ رحمانی جس قدر مزکی و قوی ہو اسی قدر اس کا مراتب میں عروج ہوتا ہے اس سے مراد۔ نوری مراتب میں روحِ رحمانی تب تک داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود روحِ رحمانی کی حیثیت نورانی کیفیت و ہیئت کے مطابق نہ ہو۔ مثال کے طور پر روحِ رحمانی تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کا مشاہدہ نہیں کر سکتی جب تک کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال نہ ہو۔ اتصال سے مراد نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی روح کو ضم کرنا۔ اس کیفیت کو ”فنا“ کہا جاتا ہے۔ بغیر فنا کسی کیفیت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ مشاہدہ ہو سکتا ہے اور جب روح کو فنا حاصل ہو گئی تو اس کی ہیئت وہی ہو جاتی ہے جو اس وجود کی ہے جس میں اسے فنا حاصل ہوتی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود میں اتصال و فنا میں طالب کی روح فنا فی الرسول ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر جب ولی اکمل کی روح کا تصور کیا تو ابتدائی تصور میں ولی اکمل کی روح سے رابطہ کرنے سے ولی اکمل کی روح سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اس اتصال میں طالب کی روح ولی اکمل کی روح میں ضم ہو کر۔ فنا ہو جاتی ہے۔ اس فنا کی کیفیت کو طالب فنا فی الولیٰ جسے عجمی اصطلاح میں فنا فی الشیخ کہا جاتا ہے کی ہیئت



میں محسوس کرتا ہے اور جب فنا فی الہی کی حیثیت میں قرب و اتصال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ رحمانی میں قوت آجاتی ہے تو اس مقام پر طالب ولی کو فنا فی الرسول کی ہیئت میں محسوس و مشاہدہ کرتا ہے اسی فنا سے طالب حق فنائے دلی۔ فنا فی الرسول کی ہیئت میں خود کی نفی کر کے۔ فنا کی حیثیت میں مراتب کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ یہی عرفان کی کیفیت رُوحِ رحمانی کی ہیئت کا عکس قلب کے ذریعہ رُوحِ حیوانی پر آکر طالب کو اسرارِ الہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ میں خود ان مراتب میں پہنچا اور ان کی ہیئتوں کو ”رُوحی“ دیکھتا ہوں یہاں تک کہ اسی ترتیب فنا کے ساتھ فنا فی اشیخ۔ فنا فی الرسول کی ہیئت میں طالب اللہ کی ذات تک اتصال کرتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اصولِ طریقت کے مطابق طالب حق بغیر فنا فی اشیخ۔ فنا فی الرسول۔ ذاتِ الہی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ نہ اتصال ہو سکتا ہے۔ فنا فی الرسول میں طالب کی اپنی ہیئت ضم ہو کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے لہذا ظاہر ہوا کہ بغیر فنائے رسول۔ بغیر رسول ہیئت حاصل کیے قرب ذاتِ الہی یا وصال ذاتِ الہی نہیں ہو سکتا۔ اس حیثیت میں طالب کی اپنی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ضم ہو کر نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت ہو جاتی ہے تو ظاہر ہوا کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اللہ کی ذات سے اتصال ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ وصال طالب کا وصال نہیں بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتا ہے۔ اس مقام پر جب طالب اپنے پیرِ اکمل کی رُوح کو دیکھتا ہے تو مشاہدہ میں طالب کو اپنے پیر کی رُوح فنا فی اللہ کے مقام پر۔ فنا کی حیثیت میں۔ نورِ الہی میں ضم۔ نورِ الہی میں محسوس ہوتی ہے لازم ہے۔ کہ جب طالب حق پیرِ اکمل کو فنا کی حالت میں اللہ کی ذات میں گم پاتا ہے تو اسے وہاں خود اللہ ہی کی ذات محسوس ہوتی ہے۔ تو اللہ کی ذات کے لیے اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک نکتہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طالب حق مراقبہ و تصور کی صورت میں اپنے پیرِ اکمل کے بشری وجود کو مرکزِ تصور بنا لیتا ہے اور اسی تصور میں جب طالب مراتب کی سیر میں پیرِ اکمل کو فنا فی الرسول میں دیکھتا ہے۔ تو اس وقت وہ ولیِ اکمل کی تعظیم۔ حُبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں کرتا ہے اور جب مراتب کی سیر

میں ذات الہی تک پہنچ کر ولی اکمل کا تصور ساتھ رکھتا ہے تو ولی اکمل اسے فنا فی اللہ کی حیثیت میں۔۔۔ خود ذات الہی کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ یہاں خود ولی ذات الہی کی ہیئت نہیں بنتا بلکہ اس کی رُوح نور الہی میں ضم ہو جاتی ہے۔ ہاں! یہاں ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ولی اکمل کی بشری ناری ہیئت اپنے مقام پر موجود باقی ہوتی ہے۔ صرف رُوح رحمانی وصال و فنا حاصل کرتی ہے۔ مراتب میں ولی اکمل کا بشری وجود نہ تصور میں آتا ہے نہ مراتب میں۔ اسی طرح ابتدائی قدم پر ولی اکمل کا ناری وجود ولی اکمل کی شکل میں تصور میں آتا ہے۔ لیکن یہ وجود عالم ناسوت میں آتا ہے۔۔۔ یہ وجود بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ عالم ملکوت میں ولی اکمل کی رُوح رحمانی کا شاہد ہوتا ہے۔ ایک طالب اگرچہ پیر اکمل کے وجود بشری کو ہی مرکز تصور بنا لیتا ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کے تصور میں ولی کی رُوح رحمانی آتی ہے جو ایک مقام پر فنا فی الرسول کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور ایک مقام پر فنا فی اللہ کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور جب فنا فی اللہ کی حیثیت میں ذات الہی کا دیدار۔۔۔

فنائی شیخ کے ذریعہ ہی حاصل ہوا تو اس وقت قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے ارشاد کے مطابق ولی اکمل کے بشری وجود کی حیثیت مسجد الحرام کی مثال بن جاتی ہے کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ طالب معرفت الہی کے حصول میں ولی اکمل کی رُوح سے اتصال میں تصور پیر کرتا ہے تو نیت اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی ہی رکھتا ہے مگر اس کا طریق مسجد الحرام کی طرف وَجْهَكَ کا تعین سامنے آتا ہے۔ ظاہر ہے اس عمل میں مسجد الحرام کو سجدہ نہیں بلکہ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کو سجدہ ہے اور جہاں تک فنا فی اللہ میں پیر اکمل کا مقام ہے وہاں شیخ کو سجدہ نہیں بلکہ ذات الہی کو سجدہ ہوتا ہے اور ان تمام مراتب و مشاہدات

لے اس لیے اولیاء اللہ کاملین نماز میں تصور پیر کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اکملین زمانہ قطب الاقطاب۔ غوث وقت کعبہ سے افضل ہے۔ عبد اللہ بن عمر حج کے موقع پر جب کعبۃ اللہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ تو بے ساختہ زبان مبارک سے فرماتے ہیں اے کعبہ تو افضل ہے اور ہمارا قبلہ ہے۔ مگر قلب مومن سے افضل نہیں۔



حاصل کرنے کے لیے ابتدائی طریق کی خاطر اصولِ طریقت میں تصورِ پیر کی یہی حیثیت ہے جو از روئے شریعت جائز اور حقیقی اصول ہے جس پر شرک کا کسی مقام پر تصور نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس مقام پر مشاہدہ باطنی میں — پیر اکمل کی روح سے رابطہ ہو کر — اس کی روحِ رحمانی کو فنائے ذات کی حالت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

## حضور کے اوصافِ حمیدہ

واضح ہو کہ حضور قبلہ عالم باوجود عالمِ اجل ولی اکمل ہونے کے سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے آپ کے لیے کوئی خاص حجرہ متعین نہ تھا کہ مرید آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر باہر خاموش منتظر رہتے — نہیں — بلکہ آپ کی مجلس عام تھی جس میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ ایک ہی حیثیت میں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور حضور خود مریدوں کی مجلس میں تشریف رکھتے۔ ہر شخص آپ سے والہانہ محبت رکھتا۔ آپ آدابِ طریقت اور آدابِ مجلس میں آزاد تھے۔ آپ عام آدمی کی حیثیت میں اپنے مریدوں میں گھل مل کر بیٹھتے۔ آپ کی مجلس میں ہر طرح کی گفتگو میں خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو — یا دین سے — فروعی گفتگو ہو یا ادبی ہو۔ ہر شخص کلام کرنے میں بے تکلف رہتا۔ حضور کسی شخص کے بے محل کلام پر اظہارِ ناراضگی نہ فرماتے۔ اسی وجہ سے ہر شخص آزادانہ بلا تکلف آپ سے ہم کلام ہوتا۔ آپ کا کلام سادہ اور آسان ہوتا کلام اگرچہ بظاہر سادہ ہوتا مگر ایک ایک لفظ تدبیرِ رموز و حکمت سے لبریز ہوتا۔ کسی بھی فرد بشر کو آپ کا کلام سمجھنے میں دقت نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ کوئی عالم کے علاوہ اُن پڑھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ یقین جانیئے — اپنے محبوب مریدوں میں آپ کا مزاحیہ کلام بھی عشق و مستی کے مسحور کن رموز سے بھرپور سبق ہوتا۔ حضور مثنوی مولانا روم سے اشعار بیان فرماتے۔ ان اشعار میں عشق مجازی کے اشعار کی تفسیر میں حقیقت کے آثار بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ انسان ان آثار کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ دورانِ عطف سیف الملوک کے اشعار بھی دہراتے جن میں عشق و محبت کے لطائف بیان فرماتے — سیف الملوک کے اشعار پڑھتے وقت آپ پرستی کی کیفیت طاری ہوتی۔ اکثر دیکھنے میں آیا

کہ آپ اندرون خانہ تنہائی میں سیف الملوک کے اشعار گایا کرتے۔ اور آپ پر سرور کی کیفیت طاری ہوتی۔ بلاشبہ آپ مجسمہ محبت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ اسی لیے آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا۔

حضور قبلہ عالم دینیو نمائش کی آلائشوں سے پاک تھے۔ آپ کا سینہ مبارک ہر کدورت سے پاک تھا۔ آپ نے عطائے فیض باطنی میں کبھی نخل سے کام نہ لیا۔ آپ کے دشمن بھی۔ آپ کے فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ کے کسی امیر کبیر مالدار یا کسی اعلیٰ عہدے پر مامور شخصیت کی عظمت و سطوت کو کبھی خاطر میں نہ لایا۔ کہ کسی بڑے آدمی کو سلسلہ میں داخل کرنے میں پہل کی ہو۔ اس نظریہ سے کہ ایسے شخص کے سلسلہ میں داخل ہونے سے سلسلہ کی بڑھائی یا صداقت ثابت ہو! اس وجہ سے کسی امیر دولت مند یا اعلیٰ شخصیت کی دعوت قبول نہ فرماتے جب تک وہ خود حضور کی مجلس میں حاضر ہو کر۔ شریعت کی تابعداری اور طریقت میں شمولیت کر کے دین پر کامل طور پابند نہ ہوتا۔ اس امر میں ذاتی فخر یا کبر و نخوت کو دخل نہ تھا۔ آپ کو اپنی برتری یا بزرگی کا ذرہ بھر بھی گماں نہ ہوتا۔ آپ کسی امیر یا اعلیٰ عہدیدار کی بے جا تعریف یا چاپلوسی میں شریک ہونا پسند نہ فرماتے۔ اس کے برعکس جب کوئی اعلیٰ شخصیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو اس کی حیثیت کے مطابق اسکی پزیرائی فرماتے۔ اس کے منصب کے مطابق اس کی عزت افزائی میں۔ پہل کر کے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے۔ اور کشادہ دلی سے پیش آتے۔ اس کے مقام کا پورا خیال رکھتے۔ دورانِ تکلم۔ آداب کو ملحوظ رکھتے۔ مخاطب کی طرف لفظ آپ سے کلام فرماتے۔ ایسے شخص کے لیے مہمانداری کے آداب کا پورا خیال رکھتے۔ اور طبیعت اور حیثیت کے مطابق حسب استطاعت اس کی دعوت کرتے۔ اس امر میں آپ کا یہ نظریہ نہ تھا کہ ایسے شخص سے اپنی عزت افزائی یا کسی قسم کا حصول مقصود ہو کیونکہ آپ اپنے مریدوں میں کسی بھی اعلیٰ و ادنیٰ شخص سے کسی قسم کی امداد حاصل کرنے کے روادار نہ رہے۔ آپ نے کسی مقتدر شخص سے اپنی کسی غرض کو پورا کرنے کا کبھی تصور ہی نہ کیا۔ بلکہ اکثر اپنی طرف سے اپنے مریدوں کی مدد کرنے کا جذبہ رکھا۔ حضور قبلہ عالم نے



اپنے مریدوں کی مہانداری میں فرق مراتب کا کبھی خیال نہ فرمایا۔ البتہ کسی شخص کی طبیعت کے مد نظر اس کی خدمت و عزت افزائی فرماتے رہے۔ البتہ سلسلہ میں داخل ہوئے مریدوں میں۔ ان کی حُب کے زیرِ نظر اپنائیت میں تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ فرق اسی حد تک قائم رکھا۔ جب ایک اعلیٰ حیثیت کا فرد خود ادنیٰ حیثیت میں خود کو پیش کرے۔ تو اس وقت تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ امر کسی شخص کی حُب اور جذبہ یکسانیت اور اس کے دین کے معاملہ میں دلچسپی اور جہد پر موقوف ہوتا کہ ایک اعلیٰ حیثیت کا مالک۔ جذبہ حُب کے تحت محب بن کر پیش ہوتا۔ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ کسی اعلیٰ حیثیت کے مالک فرد کے مقام کا خیال فرما کر اس کی عزت افزائی فرماتے یہاں تک کہ رخصت کے وقت اس کے جوتے سامنے رکھنے میں بھی عار نہ فرماتے اور اس کو الوداع کہنے کے لیے ساتھ ساتھ تشریف لے جاتے۔ اس کا سامان خود اٹھا کر لے جاتے اس میں آپ کو سبکی کا احساس نہ ہوتا۔ اس کردار سے متاثر ہو کر ہر متکبر انسان میں بھی عجز و انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اپنی شان بھول کر حضور کے قدم چومنے لگ جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے نزدیک کسی اعلیٰ شخصیت کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونا محض حصولِ حق کے لیے ہوتا۔ آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہر انسان حق کی طلب میں مخلص ہوتا۔ آپ سے فیض کا طلبگار ہوتا۔ اور اس کی خودی عجز میں بدل کر حقیقی عزت حاصل ہوتی۔ پھر آپ کی مجلس میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تخصیص یکسر مٹ جاتی۔ اور ہر اعلیٰ اور ادنیٰ میں ایک دوسرے کی محبت و عزت و احترام کا جذبہ کامل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ کردار کسی شخص کے فیضِ یاب ہونے میں نسخہ کیما کا اثر رکھتا تھا۔

حضور قبلہ عالم کے مرید آپ کی محبت و شفقت اور لانا تنہا نواز شات پر دل و جان سے آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ رہتے۔ مگر حضور نے کبھی اپنی مہموں میں اپنے مریدوں پر بوجھ نہ ڈالا۔ آپ صاحبِ تدبیر و فہم تھے۔ آپ نے اپنی روحانی قوت کو مشکل سے مشکل وقت میں امورِ دنیوی کی انجام دہی میں کبھی استعمال نہ کیا۔ بلکہ ایسے مواقع پر اپنے تدبیر و فہم سے ہر کام انجام دیا۔ بجائے اپنے لیے مریدوں سے امداد حاصل کرنے

کے خود مریدوں کی مشکلات میں ان کی مدد فرماتے۔ آپ کرامات کا استعمال اپنی خود نمائی کے لیے نہ کرتے بلکہ اپنے مریدوں کی مشکلات میں شریک رہ کر عملی تدابیر تلاش کر کے مشکل پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ آپ ایک رفیق کی حیثیت سے میلوں دور سفر کر کے اپنے مریدوں کے گھر جا کر خبر گیری کرتے اور یہ سفر اپنے ذاتی خرچ پر کرتے۔ کسی سے نہ لیتے نہ لینے کا خیال تھا۔ متعدد بار دیکھا گیا کہ اپنے مریدوں کے ہمراہ سفر کرتے تو زاد راہ اپنی ذات سے ادا کرنے میں کوشاں رہتے۔ غرض جس پہلو سے دیکھا جائے۔ آپ صفات انسانی اور شفقت کا معطر مجسمہ تھے۔ بلاشبہ ایک با پرہیز مومن اور با کمال ولی اکمل ہونے کے باوجود کسی کو اپنی فضیلت کا احساس نہ ہونے دیتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر ہو یا سفر آپ کی سادہ زندگی میں یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ آپ کی ذات گرامی اس زمانہ کی عظیم ترین ہستیوں میں ایک منفرد اور ایک مخصوص شخصیت ہے۔ ایسی شخصیت کو دیکھ کر باور کرنا مشکل ہو جاتا کہ آیا سادہ لوح انسان کیا معرفت الہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل کیے ہوئے ہے؟ بعض لوگ آپ کی شخصیت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے کہ اس شخص سے فیض حاصل ہونا باور نہیں کیا جاسکتا تا وقتیکہ وہ حضور کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے کلام پر حکمت درموز سے متاثر ہوتے۔ یہ کیفیت بالعموم حیرانگی کا باعث بنتی۔

حضور قبلہ عالم فیض طریقت عطا کرنے میں مثل سمندر۔ فیاض تھے آپ کسی شخص کی لا تعلقی یا بے ادبی خاطر میں نہ لاتے۔ خواہ کوئی آدمی آپ کی حیثیت کو نہ سمجھ کر آزمائش کے طور ہی۔ آپ سے فیض کا طلب گار ہوتا۔ تو اس کی ناشائستہ حرکت آپ کو فیض عطا کرنے سے باز نہ رکھتی۔ حضور کشادہ دلی سے ایسے لوگوں پر مہربان ہو کر انہیں فیض عطا کر کے۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کر کے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف کر دیتے۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی۔ کہ اجلاس محمدی میں حضور قبلہ عالم کے پیش کردہ شخص کی پذیرائی ہوتی۔ اور اس کے نقائص کو سامنے نہ لایا جاتا۔ اور وہ حضور می ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ بعض لاعلم لوگ حضور قبلہ عالم کے مریدوں کی ہیئت کذاں دیکھ کر شبہ میں پڑ جاتے۔ کہ خلاف شریعت آداب کے ہوتے ہوئے۔ ایک وارثی مویچھ مونڈھا۔ انگریزی لباس پہنے۔



عام آدمی۔ بغیر تزکیہ۔ بغیر آداب شریعت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہونے اور حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کرنا کسی طرح بھی قابل یقین نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ خصوصیت۔ صرف قبلہ عالم کی محبوبیت اور آپ کے اوصاف حمیدہ کا اسوۂ حسنہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونے کے باعث تھا۔

سُبْحَانَ اللَّهِ۔ حضور قبلہ عالم اگرچہ مغربی علوم میں ”درک“ نہیں رکھتے تھے مگر آپ کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ آپ جملہ علوم کی حقیقت سے آگاہ تھے کیونکہ آپ تمام اسرار و آثار تخلیقی سے با مشاہدہ آگاہی رکھتے تھے۔ ہر نوع کا علم آپ کے قلب مبارک پر القا ہوتا تھا۔ آپ کے بیان میں آتے ہوئے رموز میں ہر نوع کے علم کی دلیل ملتی تھی۔ خواہ مشرقی علم ہو۔ یا مغربی۔ یونانی، ہویا عربی۔ آپ کے دلائل ہر علم سے تائید حاصل کرتے تھے۔ آپ محض درویش ہی نہ تھے۔ بلکہ ہر صفت موصوف تھے۔ آپ امور دنیوی میں ہر کار و بار میں فہیم و مدبر تھے اپنے کام انجام دینے میں آپ کو اپنی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔ آپ زمیندار تھے خود ہل چلا کر روزی کماتے تھے۔ کسی بھی موقع پر آپ نے اپنی عالمانہ حیثیت کا احساس نہ کیا۔ گھر کا تمام کار و بار خود کرتے۔ آپ نے ادنیٰ سے ادنیٰ کام انجام دینے میں کبھی عار نہ کیا۔ آپ اپنے مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ اپنے جتنے بھی کام ہوں خود تکمیل کیے جائیں کسی پر اپنی ضرورتوں کا بوجھ نہ ڈالو۔ حصول دنیا کے لیے فقیری استعمال نہ کرو۔ دنیا کو عقل و تدبیر سے پورا کرو اور عبادت کو آخرت کے لیے وقف کرو۔ کیونکہ عبادت کا صلہ دنیاوی حاجتوں کے مقابلہ میں عظیم نفع کا حامل ہے۔

اَلَّذِي هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ط (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۶۱)

کیا تم تبدیل کرتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں پر اعلیٰ درجہ کے سرمایہ کو۔ یعنی عبادت کا اجر عظیم۔ دنیا کی ادنیٰ چیزوں کے حصول پر بدلنا نہیں چاہیے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ دنیاوی مشکلات میں کبھی روحانی قوت و کرامات استعمال نہ کرتے۔ سوائے ایسی صورت کے کہ جب ظاہری اسباب سے کام انجام پذیر ہونا مشکل ہو جاتا وہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ اپنے محبتوں کی مشکلات حل کرنے کے لیے۔ قدرتی طور عمل میں آجاتا۔ ورنہ اپنے مریدوں

کی مشکلات میں خود شریک ہو کر تدبیر سے کام لے کر مشکلات حل کرتے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ۔ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا تو فوراً اُس کی مدد کو پہنچ جاتے۔ پھر جو بھی صورت مناسبت ہوتی عمل فرماتے۔ حضور قبلہ عالمؐ نے اپنی عملی زندگی میں مشکلات کا سامنا کیا اور دُنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ آپؐ نے اجرائے قرآن و سنت اور اجرائے طریقت کے لیے اپنی ذات کو وقف کر رکھا تھا اس کے ساتھ ہی آپؐ امور دنیوی میں بھی مشغول رہتے۔ آپؐ کو راہبانہ زندگی سے نفرت تھی اور مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ فقیری کے ساتھ دنیا دار بنے رہو۔ یہ سالکانہ طریق فقر ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ۔ سالک کی یہ صفت ہے۔ کہ ایک طرف وہ مشاہدہ ذات میں مشغول ہو اور دوسری طرف وہ کسی شے کی خرید و فروخت میں دوکاندار سے دام کرتے وقت صحیح لین دین کے دوران عرق ریز ہوتا کہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ تن آسان ہے اور اس کی ہمت فقر عیاں نہ ہو۔

بعض اوقات آپؐ عبادات و مراقبہ درود شریف کے مقابلہ دُنیا داری پر زیادہ زور دیتے۔ بلکہ اگر کسی مرید میں گوشہ نشینی کی خواہش محسوس کی تو اسے قبض میں ڈال کر مشاہدہ بند کر دیتے یا دُنیاوی مشاغل میں مصروف کر دیتے تاکہ طالب خود بخود دُنیا کی طرف مائل ہو اس طرح طالب دُنیا سے لاتعلقی کی خوب دل کر طبیعت کو اعتدال پر لے آتا۔

حضور فقیری میں ظاہری نمائش کے اظہار کو پسند نہ فرماتے کہ فقیر وہ ہے جس کے سینہ میں علم اتنا پوشیدہ ہو کہ دوسرا پہچان نہ سکے۔ نہ فقیر اپنے فقر کے ظاہر کرنے میں ایسی ہمت اختیار کرے جس سے فقیری نمایاں محسوس کی جائے حضور اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمُخَدَّعُ مَقَامِي  
وَاقْدَاهِي عَلَى عُنُقِ الرِّجَالِ

ہم ذریت امام حسن علیہ السلام سے ہیں اور ہمارا مقام مخدع ہے۔ اور ہمارا قدم تمام صاحب معرفت اولیاء کی گردن پر ہے۔ مخدع۔ وہ مقام ہے۔ جہاں فوج اپنا



سامان حرب چھپا کر رکھے تاکہ دشمن اس کا سراغ نہ پاسکے۔ اسی طرح فقیر کا ایک مقام ہے کہ وہ اپنے علم و عمل کو گنجینہ قلب میں (لا انتہا وسعت سے) اس حد تک چھپائے کہ شیطان اس کے قلب میں جھانک کر نہ سراغ لگا سکے۔ یعنی ایک دلی ذات الہی کے وجود لا انتہا میں مقام بقا حاصل کرے جہاں شیطان اس کے علم و عمل پر ضرب لگانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور ظاہراً اس کے گنجینہ قلب میں اس قدر وسعت ہو کہ اس کی ذاتی حرکات و سکنات سے فقر مترشح نہ ہو کہ ذات الہی کی تجلیات اس کے گنجینہ قلب میں اس طرح سما جائیں کہ اس پر دیدار الہی میں نہ ”حال“ طاری ہو۔ نہ وجدانی حالت میں اس کے عقل و شعور سے اس کا اظہار ہوتا ہو۔ حضور قبلہ عالم اس کیفیت کی مثال حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ سے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب بسطامی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں فروش تھے کہ ایک شخص آپ کو تلاش کرتے کرتے مسجد میں آیا۔ اور حضرت موصوف سے فیض کا طلب گار ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں فیض دے سکوں کیونکہ ابھی میرا فقر محفوظ نہیں۔ ممکن ہے کسی وقت میرا علم ضائع ہو تو تمہیں بھی میری راہنمائی میسر نہ ہو سکے گی۔ اس شخص نے جواب دیا۔ کہ آپ وقت کے اولیاء میں شمار ہیں۔ اور مشہور زمانہ ہیں۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہی امر میری عدم کاملیت کا ثبوت ہے۔ کہ میرے علم سے ہر شخص آگاہ ہے اور فقیر اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کا علم شیطان کی زد سے باہر ”مقام مخدع“ میں نہ ہو۔ کیونکہ ایسی حالت میں شیطان میرے علم پر ضرب لگا سکتا ہے چونکہ میرا علم ابھی خطرے کی زد میں ہے۔ اس لیے جب تک مجھے میرے علم کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو میں تمہیں فیض دینے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے تو ابھی ہر شخص جانتا ہے۔

حضور قبلہ عالم ”فرماتے ہیں فقر میں ظاہری نمائش یا اپنے علم پر فخر کرنا اپنے آپ کو شیطان کی زد میں لانے کے مترادف ہے۔ اس لیے اپنے گنجینہ قلب کو صبر و صلوٰۃ سے وسعت دو کہ اس میں سے علم کا ایک قطرہ بھی اچھل کر باہر نہ آئے۔ اور اپنے ظاہری لباس سے بھی فقیرانہ ہئیت کا مظاہرہ نہ ہو اور تقویٰ اور عمل بھی اس طرح کیا جائے کہ غیر اس کو

دکھا دیا خود نمائی سے تعبیر کرے۔ بلکہ فقیر کی ہئیت سے انکساری ٹپکتی ہو۔ حضور عالی مقام محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو مقام فنا اور بقا حاصل تھا لیکن آپ کے ظاہر سے فقیرانہ علامت محسوس نہ کی گئی۔ اس خصوصیت سے آپ کے مریدوں سے بھی فقیرانہ ہئیت نمایاں نہ ہو سکتی تھی۔ ایک شخص اپنے مراتب میں کامل اکمل ہونے کے باوجود ایک عام انسان کی حیثیت کا محسوس ہوتا۔ کوئی بھی شخص یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوتا کہ یہ شخص بھی حضور ہی ہے اور ہر شخص ایک دنیا دار کی حیثیت میں۔ ملازمت مزدوری کرتا۔ اور اپنے دنیوی معاملات میں عام آدمی کی طرح تدبیر و فہم سے کام لیتا۔ تا وقتیکہ اس طریق سے فقر میں کسی کرامات یا کمال کا اظہار نہ ہوتا۔ یعنی قبلہ عالم کے مریدوں میں عام ایسے مرید پائے جاتے جو کسی شخص کو ایک توجہ سے حضور می کر کے اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کرتے جس سے باطن میں کسی مرید کے کمال و مراتب کا علم ہو جاتا یہ امر واقع ہے کہ حضور قبلہ عالم کو آپ کی ذاتی ہئیت میں ان کے کمال علم اور مرتبہ فنا و بقا کی پہچان کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ جب تک کہ آپ کی مجلس و صحبت سے آپ کے مواعظ حسنہ اور آپ کے راہنمایانہ عمل سے آپ کی ولایت کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ فی زمانہ۔ جاہل بے عمل فقراء کی مبالغہ آمیز نمائش سے انہیں فنا فی اللہ کا درجہ دے کر خلاف شریعت افعال کو اصل فقر تصور کر کے ان کی پوجا کی جاتی ہے اور دنیا ان کے آستانوں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ مگر ان کی تلاش۔ ان کی طلب۔ بے مقصد اور لغو تصور کی جاتی ہے۔ کہ لوگ چالاکی زمانہ سازی سے لاعلم لوگوں کو من گھڑت عقائد۔ اور چرب زبانی سے اپنا گردیدہ بنا کر بیعت کر کے اپنا مطیع بنا کر ان سے مال و زر حاصل کر کے بلند و بالا عمارتیں۔ اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ مٹاتے ہیں اور وہی مرید جو اپنی پونجی ان نام نہاد فقراء کی عیش و عشرت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ دیوانگی کا مقام ہے کہ وہی مرید ان نام نہاد فقراء سے دولت دنیوی اور دنیوی مرادیں پانے کے لیے ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں جب کہ ان کے ذہنوں میں تلاش حق کا قطعی تصور نہیں ہوتا۔ حضور فرماتے ہیں ایسے ظاہری نمائش والے فقراء جو قیمتی موٹر کاروں میں مرید کے گھروں پر دھاوا



بولتے ہیں کہ وڑوں کی جائیدادوں کے مالک اپنی فیکری کا سکہ اس قدر جباتے ہیں کہ کسی شخص کو ان کے کردار پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں پڑتی۔ بلکہ ایسے لوگوں کو اس حال میں بھی صاحبِ کمال ولی فانی اللہ یقین کر کے سر آنکھوں پر بٹھا کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ایسے سنگدل۔ بے خوف انسان اپنے کردار پر نظر ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس طرزِ عمل سے لاکھوں بندگانِ خدا کو گمراہی کے اندھیروں میں ڈال کر ان کی عاقبت خراب کیتے ہیں۔ جس کے لیے یومِ حشر ایسے نام نہاد فقراء کو ذلت و رسوائی کا سامنا ایک اٹل فیصلہ ہو گا۔ اور انہیں اللہ کے نزدیک تمام مخلوق کی گمراہی کے لیے جواب دینا ہو گا لہذا خیال لکھو کہ آدابِ مرشدی میں ایسا کردار شریعت و طریقت میں بجائے حصولِ مقصد کی ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد کے لیے لازم ہے کہ جب تک کہ اس کا عمل شریعت و طریقت پر قرآنی ضابطہ کے مطابق نہ ہو مخلوق خدا کو گمراہ کنیکا سبب بنے۔

## آدابِ مریدی

حضور قبلہ عالمؑ اپنے مریدوں کو آدابِ مریدی سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک طالبِ حق کے لیے قرآن و سنت اور اول الامر کے فقہ کی روشنی میں معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بغیر شریعت کی اتباع کے طریقت حاصل ہونا۔ ایک مرید کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری ہے۔ ایک طالبِ حق۔ ایک عالمِ امت۔ حاملِ قرآن۔ اور حاملِ اسوۂ حسنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہ تحقیق رجوع کرے۔ اس کے برعکس اگر ایٹمی ولایت مردہ زندہ کرے۔ اور وہ شریعت کا پابند نہ ہو۔ اس کا عمل استدراجی۔ شیطانی تصور ہوتا ہے اس کی اتباع کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ہاں آدابِ طریقت میں۔ ایک ولی اکمل کی نسبت ضروری ہے۔ اور نسبت کے بعد جب کہ ولی اکمل کی شخصیت مسلم ہو۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ کے قرآنی اصول کے مطابق اسے بلا دلیل بلا آزمائش تسلیم کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی شخص کے پاس ولی کی شناخت کے لیے کوئی کسوٹی نہیں۔ سوائے

اس کے۔ کہ عالم اُمتِ اولی الامر کی صفت پر اس کا کردار۔ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو۔ اور وہ قرآن و حدیث و ذاتی فقہ و اجتہاد میں بحد کمال عبور رکھتا ہو۔ اس کی نشاندہی اس کے کردار اور عمل سے ثابت ہو۔ دوسرے ایک مدعی ولایت کے مریدوں میں بھی صاحبِ شریعت اور ولی کامل کثرت سے پائے جاتے ہوں۔ اس کی تبلیغ نتیجہ خیز ہو کہ غافل۔ بے عمل انسان۔ مجسمہ شرافت اور متقی ہوں۔ اور اس کی تعلیم اور اجرائے دین سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں میں وسعت و فریغ حاصل ہو۔ اگر کثرت سے نہیں تو بھی اس کے تابعین میں۔ اتباعِ شریعت تیز کیہ مجاہدہ اور حسن اخلاق کا حقیقی مظاہرہ ہو۔ ایک مرید طالبِ حق کیلئے کسی مدعی ولایت کی طرف رجوع کرنے کے لیے ان خصوصیات کے ہوتے ہوئے بلا دلیل ولی اکمل کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ رجوع۔ اور تسلیم کے بعد۔ ایک حقیقی مقصد کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ ۛ ھدی للْمُتَّقِیْنَ۔ کہ تسلیم کے بعد ایک ولی سے نسبت قائم کرنے میں۔ اب کسی شک و شبہ لا ریب۔ کو دل میں گنجائش نہ دے۔ اور پھر اپنا ایک مقصد متعین کرے۔ وہ تقویٰ کو اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک عمل خاص کرے۔ کہ انسان وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِی۔ انسان کیلئے اللہ کی عبادت لازم ہے۔ وہ اس لئے کہ انسان اپنی زندگی میں بغیر عمل۔ عمل نیکے بد۔ ایک لمحہ خالی نہیں رہ سکتا۔ وہ اسلئے کہ اس دُنیا میں عمل پر ہی اس کے خیر و شر راحت و عذاب کا دار و مدار ہے۔ اگر نیک عمل نہ کیا جائے تو اس کے لیے دُنیا میں ہر قدم پر خسران نقصان و مصیبت اور بے چینی پیدا ہو گی۔ اور آخرت میں اسے شدید عذاب و پریشانی میں مبتلا ہونا ہوگا۔ انسان اپنی زندگی میں پہلے قدم پر اس کا احساس اور شدید احساس کرے تو اس پر اپنے اعمالِ شر میں آخرت میں عذاب پانے کا خوف طاری ہوگا۔ اس تاثر کو مد نظر رکھ کر انسان ایک حقیقی عالم اُمت۔ ولی اکمل کی راہنمائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ کہ وہ عملِ خیر کے جذبہ کے تحت ایک ولی اکمل کی نسبت و راہنمائی کے لیے ایک مقصد لے کر اٹھتا ہے اور پھر قرآن کے اس ارشاد میں وسعت ہے کہ انسان کو ازلی طور مشاہدہ اسرارِ الہی۔ معرفتِ الہی حاصل کرنا واجب ہے۔ ایسی صورت میں اس کے مقصد میں معرفتِ الہی حاصل کرنا ایک اہم مقصد قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی شخص



کو طالبِ حق کہا جاتا ہے۔ ہُدٰی سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک طالب کو اسکے مطلوب و مقصود تک پہنچنا۔ یا پہنچانا۔ اس مقصد کی تکمیل ایک ولی اکمل سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ مقصد واضح اور خاص مقصد ہے۔ جس کے لیے ایک مرید طالبِ حق کسی ولی اکمل کی رہنمائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے قرآن نے آداب و شرائط مقرر کیے۔ اور وہ ہیں احکامِ الہی کی کامل پابندی۔ اور حصولِ معرفت میں طریقِ قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حسنِ اخلاق۔ ارکانِ شریعت پر خالصتاً عمل اور زائدِ عبادت پر دوام جو ایک عالمِ اُمت۔ اولی الامر۔ ولی اکمل کی اتباع میں ممکن ہو سکتا ہے۔ ایک مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ اسی مقصدِ خاص کو لے کر ایک ولی اکمل کی نسبت حاصل کرے۔ اس نسبت کے حاصل کرنے میں قرآن نے ایک اہم شرط لازم رکھی ہے وہ ہے

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا۔ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ فَاسْتَبَشِّرُوا بِبِئْعِكُمْ  
الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ۔

ایک ”وعدہ“۔ دوسرا ”عہد“۔ تیسرا ”بیع“ (ربیعیت)۔ چوتھا خصوصی عمل اُحَبَّ۔ اللہ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر۔ ولی اکمل سے ”حُب“ کرنا۔ انہی چار خصوصیات کا ایک طالبِ حق میں پایا جاتا۔ اہم شرائط میں شامل ہے۔ کہ طالبِ حق اپنے مقصد کا تعین کر کے ایک ولی اکمل سے وعدہ کرتا ہے کہ میں قرآن و سنت اور اولی الامر کے حکم کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کے لیے وہ اپنے پیر اکمل کے ہاتھ پر عہد کرتا ہے کہ میں قرآن و سنت و فقہ پر اپنی زندگی میں عمل کے سوا اپنے لیے نہ کوئی اور عمل اختیار کروں گا۔ نہ ماسوائی کی طلبِ قلب میں قائم کروں گا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ اس حکم کی اتباع میں کاملاً ولی اکمل کے حکم کی پیروی کرے۔ اس حال میں کہ جو کچھ ولی اکمل حکم کرے اُسے پورا کرنے میں۔ پوری قوت صرف کرے۔ اس کیلئے ضروری ہے۔ کہ ولی اکمل کے احکام پورا کرنے میں۔ اپنے ارادے اور اختیار پر ولی اکمل کے حکم اور مرضی کو مقدم سمجھے۔ اور اپنے اختیارات ساقط کر دے۔ یہ صورت۔ اپنے آپ کو ولی اکمل کی سپردگی میں۔ اپنے اختیارات سے دستبردار ہو کر۔ اپنے آپ کو حصولِ مقصد کیلئے من کل الوجود ولی اکمل کے سپرد کرنا۔ بیع سے تعبیر ہوتا ہے۔ یہی بیع۔ عہد۔ اور وعدہ پورا کرنے کا خصوصی عمل ہے۔

اور جب ایک طالب حق اپنے آپ کو ولی اکمل کے ہاتھ پر بیع کرے تو اس کے لیے لازم ہے کہ پھر اس کے ذہن میں سوائے ولی اکمل کی اتباع کے اور کوئی تصور ماسویٰ کا قائم نہ ہو۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ایک ولی اکمل کی بیعت پر یہ تصور اور عقیدہ قائم کرنا ضروری ہے کہ میرا تمام خیر و شر ولی اکمل کے ہاتھ میں ہے۔ اور ولی اکمل کو۔ بالحقیت ولی اکمل سمجھ کر اسے فنا و بقا کے مقام پر اکمل تصور کرتے ہوئے یقین کامل کے ساتھ اس پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کی کامیابی۔ اتباع میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں نہ رکھے۔ طالب حق کے لیے۔ یہ تصور۔ یہ عقیدہ حصول مقصد میں اہم مقام رکھتا ہے۔ اور جب تک یہ تصور کامل نہ ہو۔ نہ وعدہ کامل ہو سکتا ہے اور نہ عہد پورا ہو سکتا ہے۔ نہ بیعت مستحکم ہو سکتی ہے۔ مرید صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم امت ولی اکمل سے قرآن و حدیث و فقہ رومی جلی۔ وحی خفی۔ تہنیم وحی جلی و خفی کا علم حاصل کرے۔ اور اس کے علاوہ قرآنی ارشاد کے مطابق زائد عبادت۔ رات جاگنا۔ روزہ رکھنا۔ راتوں میں نماز و تلاوت پر مداومت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معرفت الہی میں ان ارکان پر شدت سے عمل کے ذریعہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ علم امت ولی اکمل کی خصوصیت میں **وَيُزَكِّيهِمْ**۔ تزکیہ نفس کے لیے ولی اکمل سے روحانی توجہ حاصل کرنا۔ اہم اور خصوصی عمل ہے۔ بغیر توجہ کے یا تزکیہ کے انسانی روح کو مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ولی اکمل کی صحبت میں زیادہ وقت صرف کر کے ولی سے توجہ حاصل کرے تاکہ طالب حق کو شریعت پر عمل۔ اور جو عمل ولی اکمل ایک طالب حق کے لیے۔ ذاتی فقہ و اجتہاد سے مقرر کرتا ہے اس عمل کے نتیجہ کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اس عمل میں مشاہدہ اسرار الہی اور معرفت الہی حاصل ہونا یقینی ہوتا ہے۔ لہذا حصول مشاہدہ کے لیے ولی اکمل سے نسبت اور طویل صحبت اور توجہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ طویل صحبت اور توجہ میں طالب حق کو ایک خاص تصور حاصل



ہوتا ہے۔ طویل مدت صحبت میں رہنے سے پیر اکمل کا تصور (تصور خیالی) ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور جب طالب حق تلاشِ حق میں۔ قلب کو حقیقت۔ صراطِ مستقیم کی طرف یکسو کرتا ہے۔ تو قربِ پیر کی وجہ سے اس کے ذہن میں پہلے تصور پیر آتا ہے۔ یہ تصور پیر ظاہرِ پیر کا ظاہری وجود تصور خیالی کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے لیکن اس عمل کو رُوح کے ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ظاہری آنکھ بند ہونے سے طالب کے ذہن پر تصور پیر ابھرتا ہے۔ اس کی ہئیت رُوحانی ہوتی ہے۔ اس طرح رُوح کی رُوح سے نسبت ہو جاتی ہے۔ اسی رُوحی نسبت سے طالب کی رُوح پر ولی کی رُوحانی نسبت سے قرب و وصال ہو جاتا ہے۔ اس وصال سے پیر کی رُوحانی قوت طالب کی رُوح میں سما کر اسے نوری تقویت پہنچاتی ہے۔ یہی کیفیت ”توجہ“ سے تعبیر ہوتی ہے لازم ہے۔ جب طالب نے ایک ولی اکمل کی نسبت میں تصور پیر کو لازم سمجھا۔ تو یہ عمل جستجو پیدا کرتا ہے۔ یہ جستجو طلب پیدا کرتی ہے۔ طلب میں حُب کا عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ جس چیز کی طلب کی جاتے وہی شے محبوب بن جاتی ہے۔ اسی عمل سے اَحَبّ۔ حُب کی تکمیل و تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس حُب کا خلاصہ ہے۔ کہ حصولِ معرفت کے پہلے قدم پر پیر اکمل کی حُب ہی مقصد بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ عمل مبالغہ نہیں بلکہ قرآنی ارشاد میں حُب کا خلاصہ۔ اور حُب کی تاثیر یہی ہے کہ طالب حق کے لیے ابتداً اولی الامر۔ ولی اکمل کی حُب لازم ہے۔ اور جب کہ طالب اپنے آپ کو بیع اور اتباع کے لیے وقف کرتا ہے۔ تو سوائے اس کے نہیں کہ طالب اولی الامر ولی اکمل کی حُب میں۔ ولی اکمل کی حُب کو ہی مقدم کرتا ہے۔ ولی اکمل کی صفت فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہوتی ہے۔ یعنی ولی اکمل کی رُوح نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور نور الہی سے وصال رکھتی ہے۔ لہذا۔ فنا فی الرسول۔ اور فنا فی ذاتِ الہی میں یہ آسان ذریعہ ہے۔ کہ ولی اکمل کی رُوح میں فنا حاصل کر کے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ تک پہنچ جائے۔ یہی طریق مشاہدہ اسرارِ الہی اور معرفتِ الہی کا ہے جس سے ایک مرید طالب حق کے مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ یہ اصول ایک ولی اکمل کی راہنمائی۔ وعدہ۔ عہد۔ بیعت۔ حُب میں رُوحانی حیثیت میں معرفتِ حاصل

کرتے کا ہے۔ اس کے علاوہ طالبِ حق کے لیے۔ ایک زندہ ولی کی صحبت کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس عالمِ اُمت سے حصولِ معرفت میں۔ آداب و علم قرآنی و حدیث و فقہ کا علم عمل حاصل کیا جائے۔ بغیر اس ذریعہ کے معرفت حاصل ہونے میں کامیابی قطعی ناممکن ہے جب تک ایک ولی اکمل سے قرآن و حدیث و فقہ کا علم اور اس پر صحیح طریقہ پر عمل کرنا سیکھنا جائے۔ معرفتِ روحانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں فقیری بغیر علم کے بے زینت لباس اور علم بغیر مشاہدہ (فقیری) بے بصر سوار ہے۔ اس لیے طالبِ حق مرید کے لیے ایک زندہ عالم ولی اکمل کی صحبت حاصل کرنا لازمی ہے۔ اس حال میں بھی ایک ولی اکمل سے وعدہ۔ عہد۔ بیع۔ حُب ظاہری طور ہی ہوتی ہے۔ لہذا ظاہری طور پر ولی اکمل سے حُب کرنا اصل طریقت ہے۔ اس حُب میں ظاہری عمل و فعل استعمال ہوتا ہے۔ وہ عمل جسمانی حیثیت میں ولی اکمل سے محبت و عزت احترام اور باہمی رابطہ و تعلق لازم ہے۔ مرید صادق کے لیے لازم ہے۔ کہ جب ایک شخصیت کو ولی اکمل کی حیثیت میں کامل رہنا۔ فنا فی اللہ۔ بقا باللہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اس حال میں کہ اپنے آپ کو اس پر بیع کر دیا تو اپنے پیر اکمل کے مقابلہ میں کسی دوسری شخصیت کو فوقیت دے نہ اس کی طرف تکمیل مقصد کے لیے رجوع کرے۔ یہ امر۔ خلاف عہد۔ خلاف بیعت ہوگا۔ اگر ایسا کیا یعنی یکے بعد دیگرے ولی اکمل سے رجوع کرے تو لازمی ہے کہ اس کے دل میں شکوک بھی پیدا ہوں گے اور کسی خاص لائحہ عمل کا حامل نہ ہوگا اور پیش از پیش ایسا نظام طریقت کے خلاف ہے بلکہ یہ ثلویہ یقین کے خلاف ہے۔ طالبِ حق کے لیے کسی طرح بھی کسی دوسرے ولی سے حصولِ فیض میں استفادہ کرنے کی گنجائش ہے نہ اصولی طور پر ایسا کرنا جائز ہے۔ طالبِ حق کے لیے یہ یقینی پختہ کرنا ضروری ہے کہ اپنے حصولِ فیض معرفت میں اپنے پیر کامل پر بھروسہ کر کے کسی دوسرے ولی سے توجہ حاصل کرنا لازم نہیں جب کہ پیر اکمل ایک طالبِ مقصدِ کلی کی تکمیل کی بیع کے ذریعہ ذمہ داری لے چکا ہو۔ اور وہ اس کا اہل بھی ہو۔ تو پھر کسی کی طرف رجوع کرنا۔ شک و ریب کے مترادف ہوگا۔ جو عقیدہ یکسر ناقص ہوگا۔ طالبِ حق کے لیے لازم ہے۔ کہ از روئے قرآن و حدیث حصولِ حق میں



پیر اکمل سے اپنے ماں باپ - اولاد - عزیز و اقارب اور ہر شے سے زیادہ محبت لازم رکھے۔ یہی حُب کا جذبہ تصور پیر کو کامل بنا کر مشاہدہ حقیقی کا ضامن ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہری طور پر حُب کو اپنی ہر خواہش پر مقدم سمجھا جائے یہاں تک کہ حصول معرفت و مشاہدہ میں۔ ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طالب حق حُب پیر میں۔ وصال پیر کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔ یہ عمل بھی مقصد حقیقی معرفت الہی کا بہتر ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس جذبہ سے فنائے پیر حاصل ہو کر معرفت حقیقی حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ طالب حق۔ مرید صادق کو پیر کی خوشنودی میں بغیر محنت و مجاہدہ۔ مراتب معرفت حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ولی اکمل کی صفت میں یہ خصوصیت شامل ہے۔ کہ ایک مرید صادق کی حُب کو دیکھ کر۔ اسے اپنی مرضی و اختیار سے مراتب اعلیٰ میں لے جاتا ہے۔ لہذا لازم ہوا۔ کہ حصول معرفت میں مرید کے لیے خوشنودی پیر حاصل کرنا معرفت و مراتب حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ ہوتا ہے۔ ایسا عقیدہ نہ خلافت شریعت ہے۔ نہ اس سے شرک لازم آتا ہے۔

اصول طریقت میں ایک طالب حق کے لیے۔ وصال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصال الہی۔ فنائے الہی اصل مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کو عمل۔ شریعت پر عمل۔ زائد عبادت کی محنت۔ فاقہ۔ شب بیداری کے کٹھن عمل پر منحصر کیا گیا اسے ایمان سے تعبیر دیا گیا۔ لیکن جہاں تک حُب کا تعلق ہے یہ عمل ایمان سے افضل قرار دیا گیا کہ بغیر حُب ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ ثابت ہو ا کہ حصول معرفت میں حُب کو تقدم و تفوق حاصل ہے۔ ایمان۔ عمل ہے۔ اور حُب ایک لطیف قلبی جذبہ ہے۔ جس کا اظہار عمل سے نہیں ہوتا۔ بلکہ واصلان حق نے۔ حُب کو ایک لطیف قلبی وجدانی درد سے تعبیر دیا ہے۔ کسی انگریز محقق نے اس حُب کو ایک لطیف انداز میں پیش کیا ہے۔

( LOVE IS THE PAINFUL PLEASURE AND THE PLEASANT PAIN )

( محبت ایک پُر درد و سرور ہے اور پُر سرور درد )

اس جذبہ کے تحت ایک طالب صرف اپنے محبوب کو پسند کرتا ہے۔ یہاں ”حُب“ کیلئے ایک محبوب کا تصور قائم ہوتا ہے۔ اس تصور میں ذات الہی اور ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور پایا جاتا ہے۔ محبوب وہ ہے جو حسین ہو اور اسی حسن پر اُسے چاہا جائے۔ اور معشوق و عشق میں حُب اور محبوب کے مقابلہ میں فرق ہے۔ معشوق اور عشق میں عجمی تصور ہے۔ عشق کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے۔ یہ مجازی اثر رکھتا ہے۔ اس اثر کے تحت معشوق کو اس کے حسن پر چاہا نہیں جاتا بلکہ عاشق جسے پسند کرے۔ یہ کسی مجازی معشوق کے لیے خواہ وہ حسین نہ ہو پسند کرے اس کے تصور میں کھو جائے۔ یہ ناقص حُب ہے۔ حُب اللہ و رسول اللہ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ محبوب حقیقی کے لیے۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جَمِیلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اللہ حسین ہے۔ اور حسن کو پسند کرتا ہے اللہ خود حسین ہے۔ کُنْتُ کُنْزًا مَخْفِیًّا فَاحْبَبْتُ اَنَا اَعْرِفُ فَخَلَقْتُ الْحُبَّ۔

اللہ ایک مخفی نور تھا۔ اسے خواہش ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو پہچان میں جمال پر ہی پہچان کی جاتی ہے تو اس نے ”حُب“ کو پیدا کیا۔ ایک مجسم درد کو پیدا کیا۔ یہ مجسم درد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ نُورِیَّ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نور کو حُب کی شکل میں سب سے پہلے خلق کیا۔ یہی مجسم درد ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں پیدا ہوا۔ اس مجسم درد نے دردِ حُب سے ہی اللہ کی ذات کو اس کے جمال میں پہچانا۔ تو اللہ اس دردِ مجسم کی حُب پر راضی ہوا۔ اور اس دردِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کیلئے جیسا کہ اللہ نے اپنی پہچان کی خواہش کی ہے۔ کائنات کو خلق کیا یہ دردِ مجسم۔ حُب۔ مجسم حُب ہے۔ جس کی صفت ”جمال“ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب جمال ذات اقدس ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حُب کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کیا۔ اَحَبُّ اِلَی اللہِ وَرَسُولِهِ۔ یہ پہچان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مخفی سے مراد۔ ازل میں اللہ کی ذات کے سوا اس کو پہچاننے والا کوئی موجود نہ تھا۔



حُب کے باعث۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہارِ رُضا و خوشنودی کی منظر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال سے جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیا۔ یہ جمال بھی جَمِیلُ الشَّیْءِ ہے۔ اور یَجِیْتُ الْجَمَالَ۔ خود جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو۔ اس دردِ مجسم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درد۔ حُب کے لیے پیدا کیا۔ اسی حُب سے حمد کی تکمیل ہوئی۔ اور مخلوق میں جو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حُب کرتا ہے۔ اسے رضاءِ الہی۔ رضاءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک درد ہے جو ایک مجسم درد سے پیدا ہوتا ہے۔ جو مخلوق کے دلوں میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں موجزن ہوتا ہے۔ اسی حُبِ مخلوق میں حُب کرنے والا۔ محبوب ہو جاتا ہے۔ اسے رضاءِ الہی۔ رضاءِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ یہی عمل قرب و وصالِ الہی اور قرب وصالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ضامن ہے۔ یہی عمل معرفتِ الہی کا ضامن ہے۔ جس میں ایک لطیف درد کا تاثر ہوتا ہے۔ یہ درد مدہوشی۔ سرور۔ انہماک و استغراق پیدا کرتا ہے۔ یہی صفت معرفتِ الہی میں اصل عمل ہے۔ جس میں باقی عمل کو دخل نہیں۔ ہاں! شریعت و طریقت کے عمل میں محنت ہے۔ مگر اس محنت میں ایک ”غرض“۔ معرفتِ الہی کا جذبہ نہاں ہے مگر حُب میں غرض نہیں۔ اس میں ساقی جان۔ ماں باپ۔ اولاد۔ کی قربانی بلا غرض مقصود ہوتی ہے۔ جب یہ حُب طالبِ حق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنی ہر خواہش۔ ہر غرض۔ ہر مقصد سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کہ تجھ سے تیرے لیے محبت کرتا ہوں۔ ہاں! اس میں بھی وصالِ الہی کی غرض نہاں ہے۔ مگر اس مقام سے بالاتر ایک اور مقام ہے۔

آ اور دیکھ محویت بے خودی مری

تجھ سے بھی بے نیاز ہوا جا رہا ہوں میں

طالبِ حق۔ جمالِ الہی۔ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار میں۔ ایک لطیف درد پاتا ہے۔ وہی درد اس کا مقصود بن جاتا ہے۔ ہاں یہ درد۔ وصال کا طلب گار نہیں۔ بلکہ فراق کا طلب گار ہوتا ہے۔ جب فراق کا درد قلب میں موجزن

ہوا تو وصال کی تنہا باقی نہیں رہتی۔۔۔ دل میں لذتِ دردِ مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ دل میں ناسور کی طرح زخمِ ڈال دیتا ہے۔ جس سے دردِ بہہ بہہ کر نکلتا ہے۔ یہی محبت کا ناسور حقیقی طالبانِ حق کی عبادت ہے۔ جس میں کسی خواہش کا وجود باقی نہیں رہتا۔ یہ دردِ دل کی نفی کر دیتا ہے۔ اپنی نفی کر دیتا ہے۔

عجب دردِ یست اندر دل اگر گویم زبانِ سوز  
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز و استخوانِ سوز  
اس درد کی تفصیل کا کوئی طالبِ حق متحمل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا بیان کرنا مغزو  
استخوانِ سوزنی ہے۔ جس کا میں رراوی محمد نور الدین متحمل نہیں۔  
حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں حصولِ حق میں بے غرض محبت حاصل کرو۔ تو تمہارے  
وجود کی نفی ہوگی۔ بغیر نفیِ ذات معرفت حاصل نہیں۔ مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر اکمل  
کی حُب میں بے غرض حُب استعمال کئے۔ تو پھر نہ اپنے ارادہ سے کسی شے کی طلب و  
جستجو باقی رہے گی۔ نہ عہد۔ اور بیع میں نقص واقع ہونے کا احتمال ہوگا۔ تمہاری  
نسبت پیرا بد تک قائم رہے گی۔ یہی نسبت تمہاری کامیابی کے لیے کافی ہوگی۔ ہاں  
پھر میں اس امر کا اعادہ کرتا ہوں کہ پیر اکمل سے ظاہری طور حُب استعمال کرو۔ پیر کی ذات  
کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے پر مستعد رہو۔ پیر سے ظاہری نسبت میں مرید کے لیے  
لازم ہے کہ پیر کے لیے اپنی خدمات وقف کر دے۔ پیر کی ضرورت کے لیے اپنی ذات  
سے محنت۔ خدمت۔ قربانی پیش کرو۔ جانو پیر اپنے مریدوں کے پاس اپنی غرض  
کے لیے نہیں آتا بلکہ اسے اپنے مریدوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنے مریدوں کا غم اپنا  
غم سمجھتا ہے۔ وہ بار بار اپنے مریدوں کی خبر گیری اور ان کی احوال پرسی کے لیے آتا  
ہے۔ ایسی حالت میں آدابِ مریدی ہیں۔ مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ جب پیر کسی مرید کے  
گھر وارد ہو۔ تو اپنے تمام کاروبار سے دست کش ہو کر پیر کی صحبت و خدمت میں ہر لمحہ اپنے  
آپ کو وقف کر دے۔ مرید کے لیے لازم ہے۔ کہ ظاہری طور پیر کی طبیعت کو پہچانے۔  
اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھے۔ جو امر۔ جو شے پیر کی ناپسندیدہ ہو اس سے گریز کرے۔



مبادا۔ پیر کی طبیعت مکدر ہو۔ اسے ذہنی یا روحانی تکلیف ہو۔ پیر کی طبیعت کے مطابق اس کی غذا۔ رہائش اور خاطر خواہ مدارت کا حسب پسند انتظام کیا جائے۔ جو چیز پیر کو پسند ہو وہی شے کھانے پینے میں پیش کرے۔ آداب پیری کے مطابق پیر اپنے مرید کی اخلاقاً ہر پسندیدہ و ناپسندیدہ دعوت قبول کر لیتا ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو۔ اپنی طرف سے وہی شے پیش کی جائے جس سے اسے تکلیف اٹھانا نہ پڑے۔ مرید کے لیے لازم ہے کہ از روئے محبت پیر کے پاؤں دبائے۔ رات سوتے وقت خواہ تمام رات جاگنا پڑے پیر کو سنانے میں آرام اور آسانی ہتیا کرے۔ یہ عمل بھی عبادت اور حُب میں شامل ہے۔ پیر کی گھریلو ضروریات کا کھوج لگانا چاہیئے اور پیر کی ضرورتوں کے حصول میں اس کا معاون بننا چاہیئے۔ ہر طرح سے پیر کی خدمت اور اس کے کاموں میں معاونت کر کے پیر کے لیے حصول سامان دنیوی میں مدد کرنی چاہیئے۔ یہ ضابطے حقیقتاً ایک مرید میں پیر اکمل کے ساتھ حُب کا جذبہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسی خدمت سے پیر کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ یہی خوشنودی ایک طالب صادق کے لیے بلند مراتب کے حصول کے لیے ضامن بن جاتی ہے اور مرید بلا محنت و مجاہدہ معرفت الہی کے مراتب میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دل اکمل اپنے مرید کو ایک آن میں معرفت الہی میں مکمل بلکہ اکمل کر دیتا ہے۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ پیر سے بے غرض حُب اور خدمت اصل عمل ہے۔ جب کہ پیر اکمل ایک آن میں مرید کو مراتب عطا کر سکتا ہے تو مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کے آگے نہ دنیوی معاملات میں نہ حصول معرفت میں اپنی طرف سے مطالبہ کرے۔ کیونکہ یہ امر عہد اور بیع کے خلاف ہے ایسا کرنا۔ مشاہدات میں طوالت پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ مرید کیلئے لازم ہے کہ حصول معرفت میں اپنی خواہش کو داخل نہ کرے بلکہ پیر کی مرضی پر قانع ہو کہ صبر و تحمل سے کام لے۔ اس طرح قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور مشاہدات کھل جاتے ہیں۔ مرید کو اپنے پیر کے آداب میں محتاط رہنا چاہیئے۔ مبادا مرید کی کوئی حرکت پیر کو ناگوار گزرتے۔ ایسی حالت میں۔ اگر پیر سے اظہار غضب ہوا تو دل میں رنج محسوس نہ کرے۔

نہ خود رنجیدہ ہو۔ محبوب کو منانے کے لیے ہر جتن کیا جاتا ہے۔ اس کی حرکت سے رنجیدہ ہونا خلافِ حُب ہے۔ جانو پیر کا غضب بھی رحمت اور کامیابی کا اثر رکھتا ہے۔ پیر کے غضب میں بھی توجہ ہوتی ہے جس توجہ سے مشاہدہ بھی کھل جاتا ہے۔ مراتب بھی مل جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی خصوصیت میں ایسے واقعات پیش آتے دیکھے جن میں آپ کے غضب سے کئی گستاخ کھل گئے اور ان کو فوراً مشاہدہ حضوری حاصل ہوا۔ آپ کے غصہ سے مرید کا مشاہدہ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کھل جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور کے مریدوں میں سے ایک اور مرید ڈاکٹر غلام محمد علاقہ بند کا قلعہ بیان کیا جاتا ہے۔

جناب عبدالکریم زرگر صاحب کے لڑکے کی شادی میں بہرام پورہ میں حضور قبلہ عالم اور بہت سے مرید مدعو تھے۔ جن میں قبلہ سخی صاحب، محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ۔ ماسٹر غلام محمد۔ جناب ارسلان خان صاحب۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ۔ ڈاکٹر غلام محمد علاقہ بند۔ جوان دنوں سو پور سول ہسپتال میں متعین تھے۔ یہ خاکسار (نور الدین) اور بہت سے مرید مدعو تھے۔ حضور قبلہ عالم باہر گھومنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم سب مرید حضور کے ساتھ تھے۔ اثناءِ راہ ڈاکٹر غلام محمد ارسلان خان سے مذاق کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب ارسلان خان کو ایک سادہ دیہاتی سمجھ کر کچھ حقارت کا اثر اپنی گفتگو میں رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جناب ارسلان خان صاحب کو حقارت سے ”گو جہ“ کہہ کر مذاق کرتے رہے۔ یہ طرزِ کلام ارسلان خان کو برا محسوس ہوا۔ اس دوران حضور ارسلان خان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے طنز پر ارسلان خان پر غصہ طاری ہونے لگا۔ احتمال تھا کہ اگر ارسلان خان صاحب ڈاکٹر کی طرف نظر اٹھاتے تو کوئی حادثہ رونما ہو جاتا مگر حضور کا ادب انہیں مانع ہوا۔ یہ کیفیت ڈاکٹر صاحب نہ پہچان سکے اور مذاق کرتے رہے۔ حضور نے حالت کی نوعیت سمجھی۔ اور ڈاکٹر صاحب کو سختی سے جھاڑ دیا۔ اور شدید غضب کا اظہار فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب حضور کو غضبناک دیکھ کر ہم گئے۔ اور دل میں رنج بھی محسوس کیا۔ ہم سب مرید اپنی اپنی جگہ ہم گئے۔ میں نے غلطی سے حضور سے سفارش کرنے کی جڑات کی کہ حضور اسے



معاف فرمادیں۔ میرا یہ عرض کرنا تھا۔ کہ قبہ سخی صاحب۔  
 مجھ پر غضبناک ہو گئے۔ اور سختی سے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔  
 میں بے خبر تھا۔ میں خود بھی ڈر گیا۔ اب سب پر خاموشی طاری  
 ہو گئی۔ حضور غضبناک حالت میں واپس خواجہ صاحب کے گھر تشریف  
 لائے۔ تھوڑی دیر میں شدت کی کیفیت اعتدال میں بدل گئی۔ اور حضور  
 سے غضب کے آثار ختم ہو گئے۔ تو آپ نے۔ آدابِ طریقت پر  
 وعظ فرمایا۔

آپ نے فرمایا۔ کہ طریقت میں امیر و غریب کی تخصیص نہیں۔ طریقت کے ذمہ  
 میں ہر شخص یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ ایک غریب فرد میرا تب کے لحاظ سے امیر سے برتر  
 ہوتا ہے۔ کسی شخص کے لباس اور ظاہری ہیئت مراتب کی کسوٹی نہیں۔ ایک شخص کے  
 قرب پر اور مراتب کو صحیح طور پر پہچان کر اس کی عزت کرو۔ آپس کی دنیاوی اور ظاہری  
 ہیئت کی بنا پر ایک دوسرے کی تحقیر کرنا یا اعلیٰ ادنیٰ کا اندازہ کرنا شریعت و طریقت  
 میں سخت منع ہے۔ ڈاکٹر غلام محمد کی طرف متوجہ ہوئے اور بتایا کہ تمہیں تاریخ اسلام اور  
 اولیاء کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ طریقت میں مراتب ظاہری  
 شان و شوکت سے نہیں بلکہ صفائی قلب اور حُب سے ملا کرتے ہیں۔ اس حقیر گوہر کی  
 جلالی توجہ تمہیں خرابی دیتی اس سے معافی مانگ لو۔ ڈاکٹر صاحب سمجھا رہے تھے۔ ارسلان  
 خان صاحب سے معافی مانگ لی اور حضور کے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگے۔ حضور  
 کو ڈاکٹر کی یہ ادا پسند آئی۔ ڈاکٹر سے خوش ہو گئے۔ ڈاکٹر کو گلے سے لگایا۔ اور فرمایا۔  
 ڈاکٹر ہم تم سے خوش ہوتے۔ باؤ اب تم بڑے ڈاکٹر بنو گے۔ اور فقیر بھی بنو گے۔  
 اس جلالی فرمان کا ہم نے بچشم خود اثر دیکھا۔ فی الواقع ڈاکٹر ایک اعلیٰ عہدے پر ترقی کر  
 گئے۔ اور حضور سے عقیدت میں کامل ہو کر انہیں فیض بھی عطا ہوا۔ لہذا لازم ہوا کہ پیر  
 کے غضب پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ حُب کے لیے جائز نہیں کہ اپنے محبوب کی وقتی  
 ناراضگی پر کبیدہ خاطر ہو۔ یہ امر حُب کے سراسر خلاف ہے اور نامکمل حُب کی علامت ہے۔

کیونکہ یہ صفت غرور کی علامت ہوتی ہے جو طالب کے لیے فتنہ کا سبب بنتی ہے۔ جہاں تک پیر سے صحبت رکھنے کا تعلق ہے۔ ظاہری طور پر بھی آداب مریدی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پیر کی صحبت میں رہ کر پیر کی موجودگی میں ماسوا کا تصور دل میں باقی نہ رکھنا چاہیے نہ کسی شے کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ پیر کی صحبت میں رہنے کا مقصد — پیر سے معرفت کا علم حاصل کرنا۔ معرفت و قرب کے آداب سمجھنا — اور توجہ حاصل کرنا ہے — یہ عمل وِیْزِ کَیْہِمُ کے زمرہ میں آتا ہے کہ پیر ظاہری طور پاکیزگی کا طریق — علم سے سکھاتا ہے — اور پیر کی صحبت قرب میں ”توجہ“ کا اثر ہوتا ہے — پیر کا مرید کو بار بار دیکھنا توجہ کا اثر رکھتا ہے کہ پیر کے قلب سے مرید کے قلب پر نوری توجہ پڑتی رہتی ہے۔ جس سے قلب منور ہو کر لائق مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ یہ عمل روحانی ہوتا ہے جو وِیْزِ کَیْہِمُ کے روحانی عمل میں شامل ہے — پیر سے مستقل صحبت کا ایک خصوصی اثر یہ بھی ہے کہ صحبت پیر سے حُب کو تقویت ملتی ہے اور تصور کامل ہو جاتا ہے تصور پیر کامل ہوا — تو حقیقی مشاہدہ — مشاہدہ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بعض حالتوں میں پیر پر جذبی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ یعنی بعض اوقات — کلام و عظیمیں جب پیر اسرار الہی — معرفت الہی کے آثار بیان کرتا ہو — تو جذبی حالت میں وہ ان مراتب میں سیر بھی کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ خاص موقع ہوتا ہے۔ کہ جو مرید پیر کی نظر میں مقبول ہو۔ اور پیر کی صحبت میں رہ کر خدمت گزاری میں مصروف ہو۔ پیر کے ذہن میں اس کا تصور رہتا ہے۔ مراتب کی سیر میں پیر مرید کو ساتھ رکھتا ہے۔ ایسے موقع پر پیر خوشنودی کے جذبہ میں مرید کو بغیر محنت اُونچے مراتب پر فائز کر دیتا ہے۔ لہذا مرید کے لیے لازم ہے کہ حتی الامکان پیر کی صحبت حاصل کرے اور اپنی خدمت گزاری سے پیر کے قلب و ذہن میں جگہ حاصل کرے — یہی صحبت — یہی خدمت — یہی حُب — طریقت کی اصل ہے۔ جس سے مرید کو بلا مجاہدہ مراتب و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ لہذا مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کی صحبت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ پیر ہی مرید کے گھر آئے (مرید اکثر پیر کے آستانہ پر حاضری دینے جایا کرے اور پیر کی صحبت اختیار کرے) اور پیر کی صحبت سے توجہ حاصل کرتا ہے۔



## آدابِ مریدی میں خدمتِ پیر کے چند آداب

خدمت و صحبتِ پیر میں مرید کے لیے لازم ہے کہ جب پیر کے آستانہ پر حاضر ہو۔ تو اپنے ساتھ تحفہ کے طور ضروری کارآمد چیزیں لے جائے جن میں ایشائے خوردنی۔ یا لباس کے لیے کپڑا۔ وغیرہ تاکہ پیر کو مرید کے لیے ہمانداری میں دقت کا سامنا نہ ہو۔ اس کے علاوہ پیر کے ذاتی مصرف کے لیے تحائف لے کر جائے۔ یہ سنت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگ تحائف پیش کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبول فرماتے۔ مرید کے لیے لازم ہے کہ پیر کے آستانہ پر حاضر ہو کر۔ بحیثیت ہمان نہ رہے بلکہ خادم کی حیثیت میں پیر کے گھر میں کام کاج میں مستعد ہو جائے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے ضروری کام انجام دے۔ گھر کا جھاڑو دے۔ کپڑے دھوئے۔ جوتے مرمت کرے۔ پانی بھر دے۔ کھانا پکانے میں خادم کا کام انجام دے۔ اس طرح پیر کو مرید کی آمد پر زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ چند دن قیام کی صورت میں پیر کی صحبت میں رہ کر پاؤں دبائے اور ہر طرح پیر کی خدمات انجام دے۔ مرید ہر حال میں خادم ہوتا ہے لہذا اس کی خدمت کا بہتر مقام پیر کے گھر میں خادم کی حیثیت میں خدمت انجام دینا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ طریقت میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ یکساں درجہ رکھتا ہے جیسا ادنیٰ مرید کے لیے پیر کی خدمت لازم ہے۔ اسی طرح اعلیٰ عہدہ و نسب کے حامل مرید کے لیے بھی یہی مقام ہے۔ اس کے لیے بھی یہ خدمت لازم ہے۔ کسی اعلیٰ شخصیت کو پیر کے سامنے اپنی حیثیت کا احساس کرنا۔ کبر و نخوت کی علامت ہے۔ فقیر کے لیے اپنی ”انا“ کا احساس مراتب و مشاہدہ میں محرومی کا سبب بنتا ہے۔ مرید بیع کی صورت میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ غلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ غلام کے لیے اپنی ذاتی ”انا“ کا احساس اسے غلامی اور بیع سے خارج کر دیتا ہے۔ لازم ہے کہ اگر پیر گھر میں آئے تو اپنے عزیز و اقارب یا اولاد یا ملازم کو پیر کی خدمت کے لیے مامور نہ کرے۔ بلکہ خود پیر کی خدمت کرے۔ اپنے بغیر کسی ادنیٰ درجہ کے ملازم۔ یا اور کسی افراد کنبہ سے پیر کی خدمت کرانا۔ اور خود بیٹھے رہنا۔ پیر کے احترام میں

فرق ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس لیے پیر کی خدمت کا جذبہ کامل ہونا چاہیے۔ پیر کی خدمت میں اگر جماعت کی صورت میں حاضر ہونا ہو۔ تو لازم ہے۔ تعداد کے مطابق اپنی ضرورت کی اشیاء اور قیام کی دوسری ضروریات ساتھ لے جائیں۔ تاکہ کثیر افراد کی خدمت کے لیے پیر کو تکلیف یا الجھن کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ بلکہ ایسے مواقع پر ہر کام خود کرنا چاہیے۔ اور قیام کے دوران پیر خانہ سے فاصلہ پر قیام رکھنا چاہیے۔ یہ انتظام کرنا مریدوں کے لیے ضروری ہے۔ تاکہ پیر کی خلوت میں فرق نہ آئے اور پیر کو علیحدگی میں رہتے ہوئے۔ اپنی ذاتی مصروفیات پوری کرنے کا موقع میسر ہو۔ اور پیر کو مریدوں کی صحبت میں رہ کر اپنے کام کاج اور اندرون خانہ لوازمات میں خلل واقع نہ ہو۔ لازم ہے کہ پیر کی مصروفیات کا اندازہ کیا جائے۔ اخلاقاً پیر کو اپنے محبوبوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں پیر کو اپنے کام کاج چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اس لیے دور فاصلہ پر رہنے سے پیر صحبت سے علیحدہ ہو کر فراغت حاصل کر سکتا ہے۔ پیر اگر زیادہ مصروف ہو۔ تو لازم ہے۔ کہ پیر کے آستانہ پر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خود اس ادب کی نشاندہی کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ  
لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظِيرٍ لَهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا  
فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ  
كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَعْجِلُ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعْجِلُ مِنَ الْحَقِّ ط

(پارہ ۲۲ سورہ ۲۳ آیت ۵۳)

اے ایمان والو! مت داخل ہو نبی کے گھر میں رکھلے بندوں، مگر اس وقت کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لیے۔ بغیر انتظار کیے ہوئے اس کی تیاری کا۔ اور لیکن جب تم کو بلایا جائے پس داخل ہو۔ پس جب تم کھا چکو تو اٹھ کر پہلے جاؤ۔ اور نہ رغبت رکھو باتیں کرنے کی۔ بیشک تمہاری یہ حرکت تکلیف دہ ہوتی ہے نبی کے لیے لیکن وہ تمہیں گھر سے باہر نکل جانے کے لیے خود کہنے سے شرم کرتے ہیں۔ مگر اللہ تم سے حق کہنے سے



نہیں شرماتا۔

اس آیت میں صحابہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھلے بندوں داخل ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت میں خلل انداز ہونے سے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ صحابہ کو اٹھ کر جانے کا حکم دینے سے مانع ہوتا ہے۔ مبادا ان کے دلوں کو چوٹ لگے کہ وہ توحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کے تحت قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمنی ہوتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کا اندازہ ہے کہ صحابہ کا زیادہ دیر بیٹھنے سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون میں فرق آتا ہے۔ اس حال میں نبی کو ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ یہ چیز اللہ کو پسند نہیں اس لئے مومنوں کو نبی کی صحبت میں زیادہ دیر قیام کرنے سے منع کیا۔ قائم مقام۔ نائب رسول۔ اولی الامر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ مرید اگرچہ جذبہ حب کے تحت پیر کا قرب و صحبت حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ مرید کے زیادہ دیر پیر کے گھر قیام میں پیر کو بھی اخلاقاً مرید کی دلجوئی کے لیے اس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے۔ اصولاً یہ بات معیوب ہے کہ پیر مرید کی دلجوئی کے لیے ضرورت سے زیادہ وقت اس کے پاس بیٹھے۔ اس طرح پیر کو بھی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ اس لیے جب بھی پیر کے گھر حاضر ہونا ہو تو اولاً پیر کے آستانہ سے دور قیام رکھا جائے تاکہ پیر کو مرید کی صحبت میں سارا وقت بیٹھنے کی زحمت نہ ہو بلکہ جب دل چاہا جب موقع مناسب ہو پیر چند لمحات مریدوں میں قیام کر کے اپنے گھر جائے اس طرح پیر کو ذہنی کوفت نہ ہوگی۔ اور مرید کو مقابلتا زیادہ دیر پیر کی صحبت میں رہنا نصیب ہوگا۔ ورنہ اگر پیر کے گھر ہی رہنا پڑے تو قیام میں جلدی کرنی چاہیے یا دوسری صورت یہ ہے۔ کہ پیر کے گھر یلو کام کاج میں۔ گھر کا کام خود کرتا رہے۔ بحیثیت خدمت گار کے پیر کی خدمت کرتا رہے۔ اور اپنی ذات کے لیے کسی ضرورت میں پیر پر بوجھ نہ ڈالے۔ یہ آداب پیر و مرید کے درمیان حقیقی حب کا جذبہ پیدا ہونے کا ذریعہ ہیں جس سے مرید پیر کی حب میں۔ عہد۔ وعدہ۔ بے تکمیل میں کامیاب رہتا ہے۔ اور خوشنودی پیر حاصل کر کے اپنے مقصد حقیقی معرفت الہی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

## ہمہ اوست و ہمہ دراوست کی تفصیل

اس کارگاہِ حیات میں خالق و مخلوق کا ایک اٹل اور فطری نظام قائم ہے۔ جس میں دو ہیئتیں محسوس کی جاتی ہیں۔ ایک خالق — اور دوسری مخلوق — خالق سے مراد — ایک ازلی — مستقل اور لامحدود — غیر فانی وجود — جس کی ہیئت کا تصور اُحد میں قائم ہوتا ہے — اُحد سے مراد ایک لامحدود ذات — جس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا وجود موجود ہونا ممکن نہیں — اس کی لامحدودیت کے زمان و مکان کا کوئی تعین نہیں — نہ ہی کوئی ابتداء و انتہا ہو سکتی ہے — بہ اعتبار کیفیت یہ وجود یکسر نوری وجود کہلاتا ہے — اُحد کی حیثیت میں — اس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا پایا جانا ممکن نہیں — جب کہ لامحدود ہیئت کے اعتبار سے کسی دوسرے وجود کے لیے — زمان و مکان کی — اس نور ازلی سے سوا — گنجائش نہیں — لیکن نور ازلی سے سوا کائنات میں نار — اور خاک کی ہیئت میں کیفیتیں محسوس کی جاتی ہیں — جب کہ فطری طور ان کے وجود کے لیے — مکان میسر نہیں ہو سکتا — تو ان دو کیفیتوں کا وجود — اور ظہور کیسے ہوا؟ — اور ان کے لیے مکان و مقام و جگہ کیسے میسر آیا؟ — اسی تحقیق و فکر میں ہمہ اوست اور ہمہ دراوست کا مسئلہ سامنے آتا ہے — کہ بنیادی وجود — نور ازلی — نور لامحدود — اُحد کے سوا کسی وجود کا تصور مستقل نہیں جسے ”لا“ سے تعبیر دیا جاتا ہے — اور بغیر ذات جو وجود بھی قائم ہے — اس کا خالق خود — ذاتِ اُحد ہے — اس اعتبار سے — اُحد — خالق ہے — اور ما سوا — اُحد — مخلوق کہلاتا ہے — اور مخلوق کا وجود خارجی نہیں — بلکہ اُحد کے وجود سے ہی پیدا ہوا — اس کے سوا مخلوق کے وجود کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہو سکتی — ایسی صورت میں — جب کہ مخلوق کا وجود ممکن نہیں — تو ظاہر ہے کہ مخلوق وجود — ہمہ اوست سے تعبیر دیا جاتا ہے — اور جب کہ مخلوق کے لیے زمان و مکان میسر نہیں ہو سکتا تو اس کا مکان و مقام (ہمہ دراوست سے تعبیر دیا گیا) — اس کیفیت کے فکر و تحقیق میں — قرآنی آیت کی روشنی میں — حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا — فکر سے تعبیر ہے —



فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ -

پھر زمین میں پس دیکھو مخلوق کی تخلیق کی ابتداء کیسے ہوئی۔

تخلیق کی ابتداء سے لے کر انتہا تک تحقیق میں — مخلوق کے بنیادی وجود و سبب علت — تخلیقی ترکیب و ترتیب اور — زمان و مکان کا علم ہوگا —

حضور قبلہ عالم خالق و مخلوق کے وجود پر تحقیق کو ”فکر“ سے تعبیر دیتے ہیں ”فکر“ ذہنی بھی ہوتا ہے۔ اور قلبی بھی — فرماتے ہیں — ذہنی فکریہ ہے۔ کہ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَ  
فِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝

تحقیق پیدائش کائنات (آسمان و زمین) میں خالق و مخلوق — اور تخلیق میں خالقیت اور مخلوقیت کے آثار مل سکتے ہیں۔ جو أَفَلَا تُبْصِرُونَ — بصر — یعنی حواس و عقل کی تحقیق سے علم میں آسکتے ہیں — وہ ہے — اشیائے کائنات میں — سائنسی تحقیق کے ذریعہ — ہر شے کے مرکبات و اجزاء کا تجزیہ کر کے — روح و جسم کی تخلیق اور اس کے اصل بنیادی وجود کا کھوج لگانا — یا علم حاصل کرنا — دوسرے قلبی فکریہ ہے — کہ روحانی حیثیت میں —

اشیاء کائنات کے وجودوں کے بنیادی وجودوں کا مشاہدہ کرنا — یا علم حاصل کرنا — پہلی نوع — حواس و عقل سے تحقیق محدود انداز میں ہوتی ہے — جہاں تک ان کی رسانی ہے — کہ حواس و عقل سوائے مادی اشیاء کی تحقیق کے — غیر مادی — روحانی — یا نوری کیفیتوں کا ادراک نہیں کر سکتے — اس کے لیے دوسری نوع قلبی فکر — یا روح کے ذریعہ —

روحانی یا نوری کیفیتوں کا بالمشاہدہ ادراک کرنا — قلبی یا روحانی تحقیق کی وسعت وہاں تک ہے — جہاں تک نوری وجود (عالم بالا کے نورانی مراحل و منازل) موجود ہے — نوری وجود — زمین سے لے کر آسمان — اور آسمان سے لے کر مادی عالم — عالم ملکوت —

جبروت — لاہوت تا نور الہی وسعت پذیر ہیں ان کیفیتوں کی تحقیق میں — روحانی طور تحقیق مشاہدہ — فکر سے تعبیر ہے — جہاں تک — خالق و مخلوق کے تصور کا تعلق ہے — اس میں ”نور“ اور ”ظلمت“ کے دو تصور پائے جاتے ہیں — نور الہی سے زمین کی ادنیٰ درجہ کی کیفیت کا قرآن نے اس آیت میں تصور دیا —

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
 اللہ مومنوں کو دوست بناتا ہے۔ اور اندھیرے سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا  
 ہے۔ اس آیت میں وجود کائنات کے ظلمات (اندھیرا) اور نور کے دو تصورات دیتے  
 گئے ہیں۔ نور ازل سے ہے اور ظلمات۔ نور کی آخری تنزلی ہئیت۔ زمین سے متصور ہے  
 — انسان صاحب فکر کا مقام۔ زمین میں ہے۔ جو ظلمات سے تشبیہ ہے۔ لہذا انسان  
 نے۔ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ — اور وَفِي أَنْفُسِكُمْ — اشیاء کا اراضی۔ ظلماتی۔  
 اور اپنی ذات سے تحقیق و فکر کی ابتدا کرنی ہے۔ اسی لیے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔  
 کہ ”فکر“۔ باطل۔ ظلمت سے — حق۔ نور ازل۔ کی طرف رجوع کرنے کا نام یعنی ”جز“  
 (مخلوق) میں ”کل“۔ (نور ازل) کا مشاہدہ کرنا کہ مخلوق کا وجود خارجی نہیں ہو سکتا۔ جب کہ نور ازل  
 — احد سے تعبیر ہے تو لازم ہے۔ کہ ہر وجود کا بنیادی وجود — نور احد ہی ہو سکتا ہے۔  
 جیسا کہ بیان ہوا — فکر ذہنی بھی ہوتا ہے۔ اسے استدلالی بھی کہا جاتا ہے استدلال  
 سے مراد — عینی مشاہدہ کے ساتھ (حواس و عقل کے ذریعہ سائنسی تحقیق سے) کیفیات  
 کے تجزیہ میں۔ اشیاء کے مرکبات اور ان کے بنیادی وجود کا علم حاصل کرنا۔ یہ طریق قابل  
 تسلیم ہے۔ کہ اس طریقہ سے اشیاء کی ہئیتیں عین الیقین کی حد میں آتی ہیں۔ جو طریق ایک  
 علم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جو سائنسی تحقیق کے علم کی اساس بنتی ہے۔ لیکن یہ تحقیق و  
 علم۔ نامکمل ہے۔ بسبب اس کے کہ اس تحقیق سے اشیاء کائنات کی بنیادی علت کا ادراک  
 احاطہ نہیں ہو سکتا سوائے۔ غیر مادی۔ روحانی ہئیتوں کا تصور۔ اسی علمی اساس ”پرقیاسی“  
 یا وہمی تصور حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور۔ وہمی ہونے کے باعث اصل قرار نہیں دیا  
 جاسکتا جب کہ ان مادی ادراک کیفیتوں کے وجود کا کسی طور۔ نہ عین الیقین۔ کی صورت  
 میں نہ علم الیقین کی صورت میں مشاہدہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا فکر میں یہ تحقیق و علم ازل وجود  
 کے تسلیم میں ناقص۔ بلکہ کسی حد تک گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اس حال میں کہ  
 قیاس و وہم کسی کیفیت کی اصل ماہیت کا علم حاصل کرنے میں کامل نہیں۔ بلکہ ناقص قرار  
 دیا جاتا ہے۔ دوسرا طریق ذہنی فکر کا یہ بھی ہے۔ تحقیق محض۔ تخیل۔ (تخیلات کی جولانی پر) پہنچتی ہے۔



جس میں کیفیات کا وہی تصور پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم الشمس سورج کی تحقیق میں سورج کے وجود کا احاطہ بغیر عینی مشاہدہ خیالی۔ یا عقلی طور کریں۔ تو ہم ان فی خلق الارض میں زمین پر تحقیق کریں۔ تو زمین کی ابتداء سے ناری تک ہماری فکر پہنچ جاتی ہے۔ اور زمین اور سورج کے تعلق میں۔ روشنی۔ تپش دن رات کے وجود کا سورج سے نسبت ہونا۔ زمین کا سورج کی کشش میں محصور ہونا ہمیں یہ یاد کرانا ہے۔ کہ زمین کی علت سورج ہی ہو سکتی ہے۔ اور زمین کی جسدہ صفات پر ہم سورج کی ہیئت و صفت کا تعین کر سکتے ہیں۔ لیکن سورج کی اصلی ہیئت۔ پر ذہنی فکر سے (عینی مشاہدہ کے ذریعہ) احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا زمین کی صفات کے مطابق ہم سورج کی ان خاصیات کا جو عینی مشاہدہ میں نہیں آسکتیں ایک قیاسی تصور قائم کر لیتے ہیں۔ قیاس۔ عقل کے ساتھ محدود ہے۔ وہی تصور میں غلط تصورات کا پایا جانا یقینی ہے۔ لہذا۔ ایسی تحقیق میں حاصل کیا ہوا علم استدلالی یا قیاسی علم تعبیر دیا جاتا ہے۔ جو اپنے علم میں غلط تصورات پیش کر کے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا فکر استدلالی۔ ناقص علامت تعبیر دی جاتی ہے۔ اس فکر میں کیفیات کے تصورات میں جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں حیرت (عجب) کا تاثر پایا جاتا ہے۔ یعنی ایسے فکر میں۔ کائنات کے وجود میں۔ عجائبات کے حیرت انگیز تصور ہیں۔ انسانی ذہن پر جو وجدان پیدا ہوتا۔ اس کی بنیاد وہم و قیاس پر ہوتی ہے۔ ایسی حیرت۔ حیرت مجازی کہلاتی ہے۔ یعنی بلا مشاہدہ کسی کیفیت کی تحقیق میں۔ تعجب خیز ترتیب آثار کے تصور میں انسانی ذہن پر وجدانی کیفیت کا طاری ہونا جس کی حقیقت مسلم نہ ہو۔ ناقص اور گمراہ کن قرار دی جاتی ہے۔ کہ اس تصور میں انسان حقیقت حق کی اصل تک نہ پہنچ سکتا ہے۔ نہ اصل بنیادی وجود کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں اصل فکر یہ ہے۔ کہ باطل (ظلمت) سے نکل کر۔ حق (نور انلی) کی سمت۔ صحیح راہنمائی حاصل ہو۔ اور اس راہ کی حقیقی ہیئتوں۔ کیفیتوں۔ ان کے بنیادی وجود بے کا حقیقی تصور حاصل ہو۔ اس طریق کو ”فکر حقیقی“ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ فکر فکر قلبی۔ یا مشاہدہ روحانی سے حاصل ہوتا

ہے۔ اس فکر کے حامل اولیاء اللہ ولی الذین آمنوا۔ مومنوں میں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا دوست رکھ کر۔ قلبی۔ روحانی مشاہدہ کے ساتھ۔ نورانی اسرار و آثار کا مشاہدہ دے کر مخلوق اور خالق کا حقیقی تصور عطا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسے محققین اولیاء نے مشاہدہ حقیقی کے ساتھ۔ کائنات کی تخلیق میں خالق و مخلوق پر فکر کر کے ایک خاص تصور پیش کیا جسے ”ہمہ دوست“ کہا گیا۔ جس میں ایک خالق کے وجود کو اس کی ذات اور صفات کے ساتھ تصور میں لایا۔ جسے اَحَدٌ ”کل“ سے موسوم کیا گیا۔ اس کے سوا۔ مخلوق کی تحقیق میں۔ اس کے بنیادی وجود میں۔ اسی گل کا مشاہدہ کر کے ”لا“ کا تصور دیا اور اس کی تخلیقی ترکیب کو پا کر۔ کائناتِ مخلوق کے وجود کو۔ اس کے زمان و مکان کو ”ہمہ در دوست“ سے تعبیر دیا۔ حضور قبلہ علم ان دو کیفیتوں پر اپنے منظوم اشعار میں۔ ایک حقیقی تصور پیش کرتے ہیں۔

دو طریقہ دال فنا فی اللہ را  
 بشنو تفصیل ہر یکے را ماجرا  
 اول ”ہمہ دوست“ نزد صوفیا  
 از برائے حل شدن مسئلہ فنا  
 دوم ”ہمہ در دوست“ از اصل فقر  
 اندر اصطلاح صوفیا کلمہ مقرر  
 یعنی ہمہ دوست اینکہ گل جہاں  
 عدم ہست ہر جا وجود اُدعیال  
 یعنی ہر ذرہ ہر چیز ہر اشیا  
 گشتہ فانی در وجود اللہ بقا  
 معنی ہمہ در دوست ایں کہ گل جہاں  
 عدم گشتہ در وجود اللہ نہاں  
 ایں ہمہ عالم شد محمود فنا



دُر وجودِ ذاتِ اُو دائم بقار  
دُر نتیجہ ہر دو معنی یک شدند  
گرچہ از الفاظ ظاہر دو بودند

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق میں — خالق نور ازلی ہے —  
یہ نور ازلی — ابدی — دائماً — قائماً — فرداً — دتراً — حیثاً ایک مستقل  
نور ہے — جسے اللہ کے تصور میں پایا جاتا ہے۔

یعنی اللہ کے معنی جس کی ذات پر فکر کیا جائے۔ تو اس کی ازلی۔ ابتدا پانے میں —  
زمان و مکان کی لا محدودیت میں پرواز کرنے میں عقل — شعوری — روحانی حیثیت  
میں — انسانی شعور کے پر پرواز غیر معینہ مدت تک پرواز کے تصور میں حیرت و درماندگی  
میں پڑ جاتے ہیں۔ تو زبان سے اللہ کی آواز نکلتی ہے۔ جہاں علم و شعور کے پر پرواز  
کر کے تھک کر حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ لہذا اس کی ذات پر فکر لا حاصل  
اور اس ذات کے تصور میں کوئی مستقل تصور قائم کرنا ممکن نہیں۔ لہذا اس کی ذات پر فکر  
میں کوئی تصور قائم کرنا — یا اس ذات کی کامل پہچان معرفت کا دعویٰ باطل ہے سوائے  
اس کے کہ اس کی صفات پر فکر کیا جائے — اس کی صفات میں مخلوق کی تخلیق کے آثار و  
اسرار۔ یعنی اس کی خالقیت کے کرشمات کا مشاہدہ اور ان کی پہچان ہی کے لیے معرفت  
(پہچان) و تحقیق محدود ہوتی ہے — البتہ اس لا محدود تصور میں اللہ کی ذات کے لیے  
ایک ہی تصور قائم ہوتا ہے — وہ اَحَدٌ ہے — احد سے مراد اس وسیع و لا محدود ذات  
کے سوا کسی دوسرے وجود کا ہونا قطعاً ممکن نہیں۔ اس حال میں کہ کسی دوسرے وجود کیلئے۔  
نہ خارجی مواد MATERIAL موجود ہو سکتا ہے۔ نہ زمان و مکان کی کسی دوسرے

وجود کے قیام کی ماسوائی اللہ کوئی مقام ہو۔ جہاں اس کا قرار و قیام ممکن ہو  
— ایسی حالت میں کسی غیر اللہ کا تصور۔ اللہ کی ذات کے مقابلہ میں۔ قائم ہونا — یا قائم  
کرنا شرک کے مترادف ہو تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ —  
اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اللہ کے مانند ذات و صفات میں پانا — یا تصور میں لانا۔

ظلمت — گمراہی اور خسران و نامرادی ہے — لیکن ماسوئی اللہ بہر حال ایک وجود۔  
 موجود بھی ہے۔ جسے کائنات کے تصور میں محسوس کیا جاتا ہے تو عقلمندی کا تقاضا ہے کہ  
 احد کی حیثیت میں۔ اس وجود کے لیے۔ نہ خارجی مواد MATERIAL کا میسر ہونا تسلیم کیا  
 جاسکتا ہے۔ نہ اس وجود کے قیام کے لیے احد سے خالی کوئی مقام ہو سکتا ہے جہاں اس  
 وجود کا قرار ہو۔ تو سوائے اس کے نہیں۔ کہ اس وجود کو بھی اللہ کی ذات سے نسبت  
 دیا جائے۔ ہاں اس وجود کے تصور میں۔ یہ کیفیت عیاں ہے۔ کہ ذات احد کی موجودگی  
 میں۔ یہ ثانوی وجود۔ ذات الہی سے سوا۔ دوسرا مخلوقی نور محدود۔ اللہ کے نور کی جُز ہی ہوگا۔  
 محدود ہیئت کے تصور میں اس وجود کو ”مخلوق“ کہا جاتا ہے۔ مخلوق سے مراد۔ محدود۔  
 اور غیر مستقل اس حال میں کہ ماضی میں اس کا مستقل وجود نہ تھا۔ اور محدودیت کے  
 اعتبار سے یہ وجود مستقبل میں۔ پھر عدم ہونے کی خاصیت رکھتا۔ جیسا کہ ماضی میں عدم  
 تھا۔ ایسی صورت میں غیر اللہ وجود کی نہ اپنی کوئی خارجی حیثیت قائم ہوتی ہے۔ نہ اس  
 کا کوئی ذاتی مستقل وجود تصور میں آتا ہے۔ اس تصور میں یہ وجود ”لا“ کی صفت سے متصف  
 ہوتا ہے۔ کہ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ اس تصور کے ساتھ۔ کہ یہ وجود بھی اللہ کا وجود  
 تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا مخلوقی وجود کی نفی کے تصور میں ہی۔ ”ہمہ اوست“ کا تصور پختہ ہو  
 جاتا ہے۔ کہ کائنات میں جو موجود ہے۔ وہ سب اللہ کی ذات ہے۔ لیکن مخلوقی حیثیت کے  
 اعتبار سے۔ جب کہ ایک غیر مستقل وجود کا تصور سامنے آتا ہے۔ تو لازمی طور پر غیر مستقل  
 وجود کو۔ غیر مستقل حیثیت میں۔ ایک علیحدہ وجود کی حیثیت میں بھی۔ اللہ کے تصور میں لانا  
 شرک سے تعبیر ہے۔ جب تک کہ اس وجود کی وجودی حیثیت کو ”عدم“ تصور نہ کیا جائے۔  
 سو۔ اس وجود کے عدم کا طریق یہی ہے۔ کہ اسے اللہ کی ذات میں ”فنا“ (ضم) کیا جائے۔  
 ظاہر ہوا۔ کہ فنا کے تصور سے ہی مخلوقی وجود کو ”عدم“۔ اور ہمہ اوست کے تصور میں۔  
 لا (اس وجود کی اپنی حیثیت کچھ نہیں) کہا جاتا ہے۔ جس کے متعلق قرآن تصور دیتا ہے۔  
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اللہ کے سوا۔ کوئی دوسرا وجود کیسی حال میں موجود نہیں ہو سکتا۔ اور  
 یہ جو ثانوی وجود مخلوقی ہے۔ اس کا بھی اپنا مستقل وجود نہیں۔ بلکہ



یعنی ہر ذرہ ہر چیز ہر اشیا۔  
گشتہ فانی در وجود اللہ بقا

مخلوق کائنات کے وجود کا ہر ذرہ اپنی کوئی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ نہ اس کے لیے کوئی خارجی مواد (MATERIAL) موجود ہو سکتا ہے۔ اس وجود کا ہر ذرہ نور الہی سے ہی بنا ہے۔ اس تصور کو قائم کرنے کے لیے ہر شے کائنات کو واپس اپنی علت میں ضم کرنے کے تصورات کے ساتھ ”عدم“ کیا جاتا ہے۔ تو مخلوق کے ہر ذرہ کو جب اس تصور سے دیکھا جائے۔ تو ہر شے میں اللہ کا نور ہی نظر آتا ہے۔ اس طرح مخلوق ہیئت کا تصور کسیر معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہمہ ادست سے تعبیر ہے۔ اب ضروری ہے۔ کہ اللہ کی ذات کے تصور کے ساتھ اس کو خالق کی حیثیت میں تصور میں لایا جائے۔ اور مخلوق وجود کے وجود میں آنے کی اس ترتیب و ترکیب کو پہچانا جائے جس کے متعلق قرآن نے اشارہ دیا۔ کہ

فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ۔

کہ اس مخلوق وجود کی۔ ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی وجود کیا ہے۔ اس کا MATERIAL کیا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ کیسے تخلیق ہوا۔ اس کی تخلیقی ترکیب کیا ہے۔ اور اللہ کے نور سے اگر بنا تو ان اشیاء میں اللہ کے نور کو کیسے پہچانا جاتا ہے۔ جب کہ اس مخلوق وجود کی اپنی ایک علیحدہ حیثیت بھی ہے۔ جو غیر اللہ قرار دی جاتی ہے۔ اس فکر کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت ہمہ ادست کی ہے۔ یعنی سوائے اس کے کچھ نہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ذات۔ اللہ کا نور ہے۔ اس حیثیت میں اللہ کا تصور۔ اس کی تسلیم کے ساتھ کہ ہر حال اللہ کی ذات کو تسلیم کرنا ضروری ہوا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ

۱۔ یعنی قبل از تحقیق۔ بلا دلیل اللہ کی ذات کو تسلیم کر کے۔ اس کی ذات سے ہی۔ تحقیق کی ابتداء کرنا۔

دوسری صورت تحقیق کی ابتدا۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ۔ اپنی ذات کی پہچان کر کے اللہ کی ذات تک پہنچنا۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ چونکہ مستقل تصور اللہ أَحَدٌ ہی کا کل کی حیثیت میں پایا جانا ثابت ہے۔ اس لیے پہلے اللہ کی ذات ہی فکر کی ابتدا ہوتی ہے۔ احد کی حیثیت میں کسی دوسرے وجود کے لیے نہ مادہ MATERIAL میسر ہونا ممکن ہے۔ نہ احد سے خالی کوئی مکان ہو سکتا ہے۔ جہاں کسی دوسرے کا قیام و قرار ممکن ہو۔ تو اس کی فطری طور پر ہی صورت ہوگی کہ اس مخلوق نور کو چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں، تو اس کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہوگا۔ لہذا اس نور کی حیثیت نور احد میں ہی ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہوگی۔ بنیادی طور پر یہ نور۔ نور احد ہے۔

إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲)  
جب اللہ ارادہ کرتا ہے کسی شے کے ہونے کا۔ تو وہ ”کُن“ (ہو جا) کے حکم سے اس شے کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ اللہ نے چاہا کہ کائنات بنے۔ تو اس تدبیر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو ”حُب“ کو پیدا کیا۔ دوسری حدیث میں فرمایا أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور مخلوق کیا۔ تو اس تخلیق کی ترکیب یہ ہوگی۔ کہ نور الہی کے وجود سے ”جزر“ کی حیثیت میں۔ ایک نور پیدا ہوا۔ یہ مخلوق نور۔ چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں۔ تو اس نور کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہوگا لہذا۔ اس نور کی حیثیت۔ نور احد میں ہی۔ ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہوگی۔ بنیادی طور پر یہ نور۔ نور احد ہی ہوگا۔ مگر مخلوق حیثیت میں۔ نور مخلوق غیر اللہ تصور ہوگا۔ اس نور کا بنیادی وجود نور الہی ہی ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر یہ وجود بھی نور الہی سے موسوم ہوگا۔ مگر مخلوق حیثیت میں یہ نور ”جزر“ قرار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے جزر

---

لَهُ وَفِي أَنْفُسِكُمْ بغیر تسلیم ذات الہی تحقیق کی ابتدا۔ اپنے وجود اور زمین کی مخلوق میں ان کی بنیادی علتوں کو پہچان کر۔ کائنات کی بدار ابتدا تک پہنچ کر پہچان کرنا۔





ہیں۔ اور آسمان کی آخری جزو آسمان دُنیا کہلاتا ہے۔ یہ نوری ہیئت کی آخری جزو کہلاتا ہے۔ اس کے بعد آسمان دُنیا میں دوسری نوری جزو پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ایسے اس آسمان کی جزو ناری ہیئت میں پیدا ہوتی ہے۔ ان نوری ہیئتوں کی پیدائشی ترتیب میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ کہ ہر جزو سے علت کی صورت میں اس کے مرکز میں ایک جزو پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر جزو نوری سے اس کا معلول بھی نوری خاصیت یا جنس کا حامل ہوگا ہر جزو اپنی پیدائش میں ایک علت کی معلول ہوتی ہے۔ اور یہی معلول اپنے وجود سے دوسری جزو پیدا کر کے اپنی جزو کی علت بن جاتا ہے۔ آسمان دُنیا نوری وجود کی آخری جزو کی حیثیت میں جب علت کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ تو یہاں پیدائشی ترتیب بدل جاتی ہے۔ یعنی یہ نوری جزو جب علت کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ تو اس کے مرکز میں جب کہ اس میں نوری جنس پیدا کرنے کی گنجائش نہیں۔ تو اس سے کثیر تعداد میں ناری وجود (سیارے) پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور فطری تخلیق کے مطابق۔ ہر ناری وجود سے جزو کی حیثیت میں۔ ناری جزو ۱۔ ان کے مرکز میں ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ وجود سے باہر آسمان دُنیا کی فضا میں، منتشر ہو کر معلق ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کثیر تعداد ناری وجودوں سے کثیر تعداد جزو انکل کر آسمان کی فضا میں منتشر حالت میں معلق ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام پر یہ کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ ہر جزو۔ ہر معلول۔ اپنی علت کی گرفت (کشش) میں محصور ہو کر اپنی علت کے گرد طواف کرتی ہے۔ ان ہی ناری وجودوں میں۔ آسمان دُنیا میں ایک سیارہ سورج سے موسوم ہوتا ہے۔ اس سورج کی پیدائشی ترتیب یہ ہے۔ کہ آسمان دُنیا کے پہلے سیارے کی پیدائش کے بعد۔ اس سیارے سے ایک اور سیارہ پیدا ہوتا ہے۔ یا کثیر سیارے پیدا ہوتے ہیں۔ جو سب آسمان اول کی گرفت (کشش) میں محصور ہیں۔ اور ہر سیارے سے سلسلہ وار ایک سے دوسرا سیارہ پیدا ہوتا ہے اور ہر سیارہ۔ یا سیارے اپنی علت کی گرفت میں محصور اپنی اپنی علت کے گرد طواف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح الشمس (سورج) تک چلا آتا ہے۔ کہ سورج بھی کسی سیارے سے پیدا ہو کر فضا میں معلق ہوتا ہے۔ اور اپنی علت میں محصور ہو کر اس کے گرد طواف کرتا ہے۔ اسی طرح۔ کہ ہر سیارہ اپنی علت کے گرد محصور طواف کرتا ہے۔ اور اس معروف سیارہ سورج سے بھی اسی طرح فطری تخلیق کے تابع۔



سیارے نکل کر منتشر ہو کر سورج کی گرفت میں محصور سورج کے گرد طواف کرتے ہیں۔ یہ سب سیارے آسمان کی فضا میں معلق تصور کیے جاتے ہیں۔ ان سیاروں میں جو سورج سے پیدا ہوئے۔ ایک سیارہ زمین (الارض) کے نام سے معروف ہے جو آسمان کی فضا میں سورج کی گرفت (کشش) میں محصور طواف کرتی ہے۔ زمین سورج کی جز کہلاتی ہے۔ زمین میں۔ اگرچہ ہمہ اوست کے تصور کے مطابق بنیادی وجود نوری ہے۔ مگر زمین کی جنس یا بنیادی وجود ناری ہئیت میں عکس ہوتا ہے۔ اس طرح باوجود ہمہ اوست کی صفت میں شامل ہونے کے زمین (یا ہر سیارہ) ناری جنس کے اعتبار سے مخلوق اور غیر اللہ تصور کیا جائے گا۔ کائنات کی تخلیق میں یہی ترتیب مسلسل جاری ہے۔ اور جاری رہے گی۔ جہاں تک وجودوں میں اجزا پیدا کرنے کی گنجائش ہے۔ ناری وجودوں سے ناری اجزا خارج ہوتے رہیں گے۔ اور جہاں گنجائش باقی نہ رہے گی۔ وجودوں سے اجزا خارج ہونا بند ہو جائے گا۔ یا آئندہ اجزا کی ہئیت بدل جائیگی۔ جیسے۔ نور سے نوری اجزا پیدا ہوتے رہے۔ جب آسمان دُنیا کا وجود پیدا ہوا۔ تو اس وجود سے پیدا ہوئے اجزا کی ہئیت ناری ہئیت میں بدل گئی۔ اسی طرح۔ ناری وجود میں جب ناری وجود کی گنجائش باقی نہ رہی۔ تو ناری وجود کی جز خاکی ہئیت میں بدل جائے گی۔ یہی حیثیت ناری سیارہ زمین کی ہے۔ کہ جب تک اس ناری سیارہ میں ناری وجودوں کی گنجائش تھی اس سے سیارے۔ چاند۔ اور چند سیارے پیدا ہو کر زمین کی گرفت میں محصور فضائے آسمانی میں معلق زمین کے گرد طواف کرتے رہیں گے۔ اور جب زمین ناری میں ناری وجود پیدا ہونے کی گنجائش۔ نہ رہی۔ تو اس سے خاکی وجود پیدا ہوں گے۔ اس مقام پر زمین کی اپنی ہئیت میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ کہ ناری وجود خارج ہونے کی صورت میں۔ اس کی اپنی ہئیت تنزل پذیر ہو کر خاکی ہئیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ فطری تخلیق کے تابع اس خاکی وجود میں خاکی اجزا پیدا ہوں گے۔ جو اسی وجود میں قرار کریں گے۔ یہ وجود۔ ہوا۔ پانی۔ ذرات زمینی۔ اجزا کی صورت میں۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کہلاتے ہیں۔ ان ہی وجودوں میں۔ انسان ایک ذرہ کی حیثیت میں ارتقا کر کے۔

بشری شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اب اس تخلیقی ترکیب و ترتیب میں۔ اس کیفیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ جب کائنات مخلوق کے وجود کی ابتدا۔ نور الہی سے ہوتی ہے (بدا)۔ تو ہر شے کائنات میں۔ اس کے ہر جز میں۔ اصل نور الہی ہی ہوگا۔ اس کے سوا۔ ہر تخلیق میں۔ اس کی پیدائش میں۔ اس کے مادہ MATERIAL میں نہ کسی قسم کی تبدیلی آئے گی۔ نہ کسی خارجی مادہ کی اس میں ملاوٹ ہوگی۔ ایسی صورت میں۔ ہر شے نور الہی تصور ہوگی۔ البتہ ذاتی حیثیت میں۔ یہ اشیائے کائنات۔ اگرچہ ان میں نور الہی موجود ہے۔ اللہ کی صفت سے تصور میں نہیں لائی جائیں گی۔ اس لیے کہ ان کیفیات کے وجود لا محدود نہیں۔ بلکہ محدود فانی ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ جز کی حیثیت کل کے مقابلہ میں رکھتی ہیں۔ اور یہ فہم میں لانا ضروری ہے کہ تخلیقی حیثیت میں یہ وجود نور الہی تصور کیے جائیں گے۔ لیکن کائنات کی مخلوق ہئیت میں جزوی اعتبار سے۔ اللہ کے مقابلہ میں اپنی ایک علیحدہ حیثیت بھی ہوگی مگر جزوی حیثیت ہونے کی وجہ سے۔ یہ وجود کم تر اللہ کے مقابلہ میں محدود۔ فانی۔ برابر کی شریک کا درجہ نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کے وجود پیدا ہونے سے۔ ہمہ اوست کی حیثیت میں۔ اس کائنات کا اپنا کوئی خارجی وجود نہیں۔ تو اسے عدم تصور کیا جائے گا۔ اور مخلوقی حیثیت میں ہمہ اوست کے تصور کے ساتھ ہی اس کا ایک علیحدہ وجود بھی تسلیم کیا جائے گا۔ یہ تمام تفصیل ”ہمہ اوست“ کی اصل کیفیت پر دلالت کرتی ہے کہ کائنات کا ہر وجود ہمہ اوست بھی ہے مگر جزوی حیثیت میں غیر اللہ۔

ہمہ ذرا اوست در حقیقت کائنات کی تخلیق کی ایک ترتیب کا تصور ہے۔ کہ جب کائنات کے لیے۔ خارج سے نہ مواد میسر ہوتا ہے۔ نہ خارج میں اس کا مقام میسر ہوتا ہے۔ تو اس کا وجود۔ اللہ کے وجود لا محدود میں ظاہر ہو کر۔ ایک نقطہ اور مرکز کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس لیے کہ اول ذات الہی کے سوا خارج میں کوئی مکان (مقام) میسر نہیں۔ اور اگر کوئی صورت خارج میں مقیم ہونے کی ہو۔ تو اس سے لا محدود کی حد کا تصور پیدا ہوگا جو کہ ذات الہی کے لیے ”نقص“ کا تصور پیدا کرتا ہے۔ جب کہ ذات الہی



مُنَزَّةٌ عَنِ النِّقْصِ ہے۔ دوسرے یہ کہ ذاتِ الہی کے لامحدود ہونے کی صورت میں۔ اگر خارج میں کوئی مقام مقرر بھی ہو تو وہ مقام بھی لامحدود ہیئت میں مرکز کی صورت ہی اختیار کرتا ہے۔ لہذا سوائے اس کے نہیں کہ کائنات کی تخلیق کی جو بھی صورت ہو۔ اس کا مقام سوائے نقطہ اور مرکز کے دوسری کوئی ترتیب فطری طور ممکن نہیں۔ اس حیثیت میں کائنات کا وجود۔ ذاتِ الہی کے وجود کے اندر مخلوق ہونا تصور کیا جائے گا۔ جیسا قرآن اس کی شہادت میں ایک تصور پیش کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کرتے ہیں۔ یعنی کائنات اللہ کے پیٹ میں سمائی ہے۔ اور اسی ترتیب پر جب کہ خارج میں کسی وجود کے لیے مقام میسر نہیں۔ تو ترتیب یہی ہوگی۔ کہ آئندہ۔ اللہ کے وجود میں پیدا ہوتے وجودِ مخلوق نورِ ابتدائی۔ یا نورِ اول سے پیدا ہوا معلول دوسرا وجود بھی۔ خارج میں پیدا نہیں ہوگا بلکہ نورِ اول کے مرکز میں نقطہ کی حیثیت میں۔ ”اس کے پیٹ میں“ پیدا ہوگا۔ اسی حیثیت میں ہر وجود نورِ اول سے لے کر آسمانِ دنیا تک ہر وجود مرکزِ ریٹ کی حیثیت میں (اندر) پیدا ہوگا۔ اس ترتیب کے متعلق بھی قرآن نے ایک تصور پیش کیا۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۵)

اللہ کی گرسی نے آسمانوں اور زمین (مجموعہ تمام سیاروں کے) کو اپنے مرکزِ ریٹ میں سما رکھا ہے۔

وَاللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ قَٰیْنِمَا تَوَلَّوْا فَتَوَّجَّهَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ طَرَفٍ کُلٌّ لَّہٗ قَٰنِتُوْنَ ہٗ بِدِیْعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَرَفًا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہٗ

(پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷)

إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کی اس آیت میں مکمل تفصیل اور فطرتِ اللہ کا پورا تصور اور ترتیب دی گئی ہے۔

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہے۔ پس جس طرف تم منہ کرو۔ اسی طرف اللہ موجود ہے کیونکہ اللہ نے کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کر رکھا ہے۔ اور عیسائی لوگ یا دوسرے لوگ بتاتے اللہ کے اولاد۔ یا جس طرح بنی اسرائیل عقیدہ رکھتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں۔ وہ تو اس جننے سے پاک ہے۔ بلکہ اسی کے واسطے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ابتدا کرنے والا ہے زمین و آسمان کا جب ابتدا کرتا ہے کسی شے کو۔ تو حکم دیتا ہے۔ کہ ہو جاؤ۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔

ان آیات میں کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ابتدائی تخلیقی ترتیب اور ترکیب کا پورا نقشہ اور کیفیت پیش کی گئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ سے مراد اللہ مشرق اور مغرب میں موجود ہے۔ یا مشرق و مغرب سب اللہ کے نور سے ہے۔ پس جس طرف بھی تم دیکھو ادھر اللہ موجود ہے۔ ادھر اللہ ہی کو پاؤ گے۔ کیونکہ اس نے کائنات کو پیٹ میں سما رکھا ہے۔ اور بیرون ہر جہت سے کائنات پر احاطہ کیے ہے۔ اللہ کی پیدائشی ترتیب میں ایسا نہیں۔ کہ اسے کوئی جنا ہو۔ بلکہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ نہ اس سے کوئی جنا۔ نہ وہ کسی سے جنا۔ اس ذات کی پیدائش کی کوئی اور علت نہیں جس سے وہ پیدا ہوا۔ وہ پاک ہے۔ جننے سے اور ازلی ابدی۔ احد ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسی کے نور سے بنتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اسی کی نوری کشش رقبضہ قدرت میں پابند و محصور ہے۔ بدیع ہے۔ آسمانوں اور زمین کا بنیادی وجود اسی کا نور ہے اور جب اس نے چاہا کہ میں کائنات بناؤں۔ کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرے۔ تو حکم دے کہ ہو جاؤ۔ اس کا امر کیسے ہوتا ہے؟ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ یعنی نہیں ہمارا امر حکم مگر ایک بار۔ اس امر کی ترکیب کیا ہے؟۔ جیسے کن آنکھیوں سے کسی شے کی طرف آنکھ سے اشارہ کرنا۔ پس سوائے اس کے نہیں کہ وہ کہتا ہے (امر کی طرح) ہو جا۔ پس وہ شے ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بدیع کے تصویں کائنات کی ابتدائی تخلیق شامل ہے۔ کہ وہ کائنات کا مبداء منبع ہے۔ اسی کے نور سے کائنات بنی ہے۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امر کی نوری حیثیت میں صرف کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ



توجہ کی تو نورِ اول پیدا کیا اور اسی نور سے کائنات بنائی۔ اس اعتبار سے اللہ کائنات پر واسع ہوا۔ تو ظاہر ہے جس طرح بھی دیکھو ادم اللہ موجود ہو گا۔ حدیث اس امر کی تائید کرتی ہے۔

وَالَّذِي نَفْسٌ مُحَمَّدٌ بِيَدِهِ لَوْ أَتَاكُمْ دَلِيلٌ يُخْبِلُ إِلَى  
الْأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ رَمْسُكُورَةٌ

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ کہ یہ ایک حقیقت ہے) اگر تم ایک ڈول زمین سے نخل سمت پھینکو تو وہ ڈول اللہ پر اترے گا۔ یہ عربی اصطلاح قریش کا استعارہ ہے کہ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اللہ اوپر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر تم زمین کے مشرق و مغرب شمال و جنوب (اوپر نیچے) دیکھو فَشَمَرُ وَجْهِ اللَّهِ ہے۔ اللہ ہر طرف موجود ہے۔ اسی کیفیت کو "واسع" کے تصور میں پیش کیا گیا بدیع کا حقیقی تصور یہی ہے کہ اسی کے نور سے ہر شے کائنات کی تخلیق ابدا ہوتی ہے۔ اس ترتیب میں کہ تمام کائنات اللہ کے نور میں نقطہ و مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کائنات کی تخلیق کی ابتدا نورِ الہی سے ہی ہوتی ہے۔

یعنی تخلیقی ترتیب میں۔ جب۔ ابھی آسمانوں کا وجود ظاہر نہ ہوا تھا۔ تو ایک نوری وجود تھا۔ اسی نوری وجود کے مرکز میں ایک نور اس نور کا معلول (پیدا ہوا) اسی ترتیب پر نوری وجود پیدا ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہر نوری وجود میں ایک نوری علم (وجود) مرکز میں پیدا ہوا۔ اور آخر میں ایک نوری وجود کسی کے نام سے ظاہر ہوا جس کے مرکز میں ایک نور پیدا ہوا۔ یہ نور سات آسمانوں کا مرکب تھا۔ اس نور کو ساتواں آسمان کہا جاتا ہے۔ اسی ساتویں آسمان سے اس کا معلول۔ مرکز میں پیدا ہوا۔ اسے چھٹا آسمان

۱۔ اس بارے میں مزید معلومات کے لیے "منازلِ فقر" کی تشریح ملاحظہ فرمائیے تخلیق کائنات کے باب میں اس پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور نقشوں سے وضاحت کی گئی ہے کہ آسمان ایک دوسرے کے ارد گرد کس طرح تخلیق کیے گئے ہیں۔

کہا گیا۔ چھٹے آسمان کے مرکز میں پانچواں آسمان پیدا ہوا۔ اسی طرح ہر آسمان مرکز میں لپیٹ میں پیدا ہوتا رہا۔ اور آسمان دُنیار آسمان اول، دوسرے آسمان کے پیٹ میں پیدا ہوا۔ آسمان اول۔ آسمان دُنیار کہلاتا ہے۔ تو اس آسمان کے متعلق قرآن نے ایک تصور دیا۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ - (پارہ ۲۹ سورۃ ۲۴ آیت ۵)

البتہ ہم نے سجایا آسمان دُنیار کو چراغوں سے۔ یعنی آسمان دُنیار کے پیٹ میں ستارے رناری ہئیت میں پیدا ہوئے۔ اس تخلیقی ترکیب میں۔ جب کہ ایک وجود۔ مرکز کی صورت میں معلول حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ تو فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کی علت ایک دائرے کے تصور میں آتی ہے۔ کہ اس نے اپنے معلول پر ہر جہت سے احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر وجود کی بازگشت ایسی ترتیب سے تصور میں لائی جاتی ہے۔ تو اس کی ابتدا کا تصور اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کا تصور محقق ہو جاتا ہے۔ اس تخلیق میں تخلیقی ترتیب میں ہمہ در اوست کا تصور واضح اور محقق ہو جاتا ہے۔ اسی ترتیب سے کائنات کو ہمہ در اوست تعبیر دیا جاتا ہے۔ اب اس کے بعد دوسری صورت فکر کی ہے جس کی ابتداء وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے ہوتی ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - اٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۝ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

تحقیق۔ پیدائش کائنات میں۔ اس کی وجودی ہئیت MATERIAL - اس کی تخلیقی ترکیب میں۔ حواس و عقل سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے تم اپنی ذات پر فکر کرو تو تمہیں کائنات کی تخلیقی ترکیب و ترتیب۔ اس کی حقیقی ہئیت کا تصور۔ عالم خاکی۔ عالم ناری۔ عالم نوری۔ یا ذات الہی ہو کر تمہیں اللہ کی ذات کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ

فِطْرَتِ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۖ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)

اللہ کی ذات کا تصور۔ اس کی تخلیقی ترتیب کا تصور۔ تمہیں اپنی ذات پر عقل طور بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک انسان سالم الوجود ہے۔ نور۔ نار۔ خاک کا مرکب



ہے۔ حکمت کی رُو سے۔ سائنسی تحقیق سے۔ انسان لا تعداد ذرات کا مجموعہ ہے۔ ہر ذرہ اس کا جاندار۔ رُوح و جسم کا مرکب ہے۔ اس ترکیب کا عقل سلیم سے تصور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ایک انسان ایک طرف واحد الشخص ہے۔ یعنی ایک رُوح و جسم کا مرقع نظر آتا ہے۔ مگر اس کی جسمانی ہئیت پر فکر کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ اس مرقع میں لا تعداد۔ جاندار۔ رُوح و جسم کے وجود پائے جاتے ہیں۔ جو بجائے خود ایک رُوح و جسم کا وجود رکھتے ہیں۔ ان ہی وجودوں کے مرکب سے ایک جاندار۔ رُوح و جسم کا انسانی وجود محسوس کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کی ذاتی شخصیت کی ہئیت ہے۔ اب دوسرے مقام پر اسی انسان سے دوسرا انسان پیدا ہوتا ہے۔ یہ انسان خارجی وجود نہیں رکھتا۔ بلکہ ان ہی انسانی ذرات میں سے ایک ذرہ ہے۔ جن ذرات سے انسان کا جسم مرکب ہے۔ یہ ذرہ ان تمام خاصیات کا حامل ہے جو خاصیتیں انسان میں پائی جاتی ہیں۔ یہی ذرہ۔ عورت کے رحم میں مختلف مراحل سے گزر کر اسی انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ انسان محض ایک انسان نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ذرہ پیدائش کے ساتھ انسان کہلاتا۔ جس کی ہئیت و ساخت بعینہ باپ کی ہئیت و ساخت کے مشابہ ہوتی ہے۔ یعنی ”زید“ ایک انسان ہے۔ اس کے وجود سے پیدا ہوا وجود ”بکر“۔ بیٹا کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے جب دوسرا انسان بھی باپ کی صفت و ہئیت میں پیدا ہوا تو اسے بھی زید کہا جاسکتا ہے۔ مگر۔ نہیں۔ اسے بیٹا۔ یا بکر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ باپ کی جز سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اپنی جسمانی ارتقاء و تکمیل پر باپ اور بیٹے کے وجود میں ایک ذرہ کا فرق نہیں۔ اس حال میں کہ بیٹے کا وجود بھی۔ باپ کے برابر ایسے ہی لا تعداد ذرات کا مجموعہ ہے۔ لیکن تخلیقی ترتیب کے مطابق چونکہ یہ جز سے پیدا ہوا۔ بیٹے کو باپ کے تصور پر پکارا نہیں جاتا۔ یہی کیفیت جیسا کہ ہمہ اوست میں

---

۱۔ مادہ منویہ جو لاکھوں ذرات پر مشتمل ہے۔ اسی مادہ کا ایک ذرہ۔ جو دوسرے انسان کے وجود کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق میں ابتدائی پیدائش میں ترتیب بیان کی گئی۔ ایک ہی تصور پاتے ہیں یعنی بیٹے کے وجود میں بنیادی مادہ: MATERIAL۔ باپ کا ہی موجود ہے اور یہی خاص ترتیب پیدائش کی مقرر ہے۔ باوجود ایک ہی وجود کی کیفیت ہونے کے جزوی حیثیت میں۔ باپ اور بیٹے کا الگ الگ تصور قائم ہوتا ہے۔ فِطْرَتُ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا وَفِيْہِ اَنْفُسُکُمْ میں انسانی جسمانی مرکبات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ تمہارے وجود میں نور۔ نار۔ خاک تین کیفیتیں ہیں۔ اور کائنات کے وجود میں بھی یہی تین کیفیتیں نور۔ نار۔ خاک یعنی۔ عالم نوری تا آسمان۔ آسمان دنیا کی مخلوق ناری سیارے۔ اور زمین خاک۔ زمین خاکی نور و نار کی تنزل ANALYSED کیفیت ہے۔ زمین کا وجود خارجی نہیں بلکہ نور و نار کا معلول ہے۔ وَفِيْہِ اَنْفُسُکُمْ سے ابتدا کی جائے۔ تو ہمیں کائنات کی تخلیق میں ہر علت کی طرف بازگشت کرنا ہوگی۔ یعنی ہر علت کی ابتدائی ہیئت کا تصور قائم کرنا ہوگا۔ اس حال میں کہ اس سے اس کے معلول کا ظہور نہیں ہوا۔ یا اس کا معلول ابھی اس کے وجود میں موجود ہے۔ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

ظاہر ہے۔ زمین کی ہر شے زمین کے اجزاء سے پیدا ہوئی۔ اور انسان بھی زمین کے اجزاء سے پیدا ہوا۔ اِنِّیْ خَالِقُ الْبَشَرِ مِنْ طِیْنٍ۔ بشر مٹی سے بنا۔ انسان زمین کا معلول ہے تصور کرو۔ جب انسان موجود نہ تھا۔ تو اس کا وجود زمین میں ردّہ کی ہیئت میں موجود تھا۔ اس مقام پر انسان عدم تصور ہوتا ہے۔ اور پھر ہر شے کی علت کی ہیئت کا اندازہ اس کے معلول سے لگایا جاتا ہے۔ جو صفت معلول میں ہے۔ وہ خارجی صفت نہیں۔ بلکہ اس کی علت کی خاصیت و صفت ہے۔ لہذا۔ ہر علت کی ذات و صفات کی دلیل اس کے معلول کی خاصیت و صفت پر محقق ہو جاتی ہے۔ انسان۔ بولتا ہے۔ سُنتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ فہم رکھتا ہے۔ یہ صفات خارجی نہیں۔ بلکہ اس ذرہ میں یہ

---

۱۔ اللہ کی ذات اور اس کی تخلیق سے مخلوق کے پیدا ہونے کی مثال۔ باپ سے بیٹا ہونے کی مثال کے مانند ہے۔



صفات موجود ہیں۔ جو باپ کے لطفہ میں پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہوا جو صفات معلول میں جزوی حیثیت میں پائی جاتی ہیں ان کا بدرجہ اولیٰ لطفہ میں ہونا لازمی ہے۔ بیٹے کی صفت پر ہی باپ کی صفات کا تصور قائم کیا جاتا ہے۔ انسان زمین کی پیداوار (محلول) ہے۔ لہذا لازم ہوا۔ انسان کی ہر خاصیت زمین کی خاصیت سے جزوی حیثیت میں منتقل ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے تسلیم کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ کہ محلول کی تمام صفات رجو زمین سے پیدا ہوئیں (کا کل کی حیثیت میں زمین میں پایا جانا فطری تخلیق کے عین مطابق ہے۔ کہ زمین میں۔ لہجے۔ سننے۔ دیکھنے۔ فہم و ارادہ حرکت کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ ان ہی خصوصیات کے ساتھ ہر وجود کے بنیادی وجود کے تصور میں۔ ہر محلول کی بازگشت میں ہر علت کا تصور کیا جاتے۔ تو ہر علت کے محلول کو عدم تصور کیا جاتے۔ تو یہ محلولی وجود عدم ہو کر اپنی علت میں سمایا نظر آتا ہے۔ محلول کے عدم تصور کرنے سے محلول خود اپنی علت کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ اس ترتیب و تصور کو ”فنا“ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ کہ کُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَى أَصْلِهِ یعنی ہر محلولی ہئیت۔ اپنی علت سے علیحدہ ہونے کے ایک مدت قائم رہنے کے بعد فطری طور ہئیت بدلنے کی خاصیت رکھتی ہے۔ یہ ہئیت بدلنے کی خاصیت ”فنا“ کہلاتی ہے۔ فنا کی صورت میں ہر محلول کے وجود کا اعادہ اس کی علت میں ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر محلول اپنی علت میں واپس سما جاتا ہے۔ جو اس کی اصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کہ انسان نور۔ نار۔ خاک کا مرکب ہے۔ نور اس وجود میں اضافی کیفیت ہے۔ کیونکہ یہ زمین کی جز خاکی جنس سے نہیں۔ نہ انسان کی تخلیقی ترکیب میں شامل ہے بلکہ ارادۃ الہی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس نوری قوت کو نوری وجود کی جہزے کر انسان میں نفع کرتا ہے اس کے ماسویٰ۔ زمین ناری ہے۔ اس کی جہز ناری ہے۔ اور پھر ایک مقام پر زمین خاکی ہوتی ہے۔ تو اس کی جہز خاکی ہئیت میں پائی جاتی ہے۔ یہی دو اجزا انسانی جسم میں پائے جاتے ہیں یہ دو اجزا انسان کو اپنی علت (زمین) سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ ایک مدت زمین پر قیام کے بعد انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اس کے وجود کی بازگشت اس کی علت میں

ہو جاتی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ۝

(پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۵۵)

وہ اللہ ہے جس نے ہمیں زمین سے نکالا۔ اور پھر تمہاری بازگشت اسی زمین میں ہو گی۔ یعنی انسان کی ناری رُوح ناری زمین کی ناری ہئیت میں سما جائے گی۔ خاکی جسم زمین کی مٹی میں سما جائے گا۔

یہی کیفیت فنا سے تعبیر ہے۔ اسی لیے موت کو فنا سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہ کائنات کے ہر وجود کے لیے فطری تخلیق کے تابع دوام نہیں۔ بلکہ ایک دن اسے فنا ہونا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ کائنات کی ہر شے ہر وجود کے لیے ہئیت تبدیل کرنا مقرر ہے۔ فضائے آسمانی کے ناری سیاروں کے لیے بھی۔ اور زمین کے لیے بھی۔ اور زمین کی مخلوق کیلئے بھی اس فنا کیلئے۔ ہر نوری۔ ناری۔ خاکی ہئیتوں کے لیے۔ ان کی قوتوں کے مطابق جلد یا بدیر فنا لازمی ہے۔ اسی طرح انسانی وجود۔ جب موجود نہ تھا تو یہ اپنی علت زمین کی ہئیت میں موجود تھا۔ زمین سے علیحدہ ہونے پر یہ متحرک۔ علیحدہ ہئیت میں محسوس ہوا۔ اس کیفیت کو ”حیات“ سے تعبیر کیا گیا۔ اور ایک وقت زمین پر قائم رہنے کے بعد انسان پر موت طاری ہوگی تو یہ اپنی جسمانی ہئیت تبدیل (فنا) کر کے اپنی علت زمین میں سما جائے گا۔ اور ابتدا کی طرح پھر زمین میں سما کر زمین کی ہئیت میں محسوس ہوگا۔ اسی کیفیت کی طرف حضور قبلہ عالمؐ کا اشارہ ہے۔ کہ

معنی ہمہ در دوست این کہ کل جہاں

عدم گشتہ در وجود اللہ نہاں

یعنی ہر وجود کی خاصیت فنا ہو کر اپنی اصل میں لوٹ جانا ہے۔ اور جس طرح ابتدا

میں ہر معلول اپنی علت میں۔ علت سے ہی محسوس کیا جاتا تھا۔ اسی طرح فنا کے بعد۔

اس کی بازگشت اپنی علت میں ہو کر اپنی پہلی حالت و ہئیت میں محسوس ہوگا۔ اس حال

میں کہ اس کا معلول وجود ”عدم“ محسوس گا۔ ظاہر ہوا۔ کہ فطری تخلیق کا فاصلہ ہے۔ کہ ہر شے اپنی



باز گشت (واپسی) میں عدم ہو کر مکسرٹ نہیں جاتی۔ بلکہ اپنی ابتدائی علت (اصل) میں سما جاتی ہے۔ اس حال میں کہ اس "عدم" میں۔ وہ اپنی علت کی صفت میں محسوس ہوتی ہے۔ یہ عمل اس کے (محل) کا علت میں سما جانا اور باقی رہنا (ارتقاء سے تعبیر ہوتا ہے کہ ہر ہیئت تحلیل ہو کر اپنی علت میں سما کر وہی ہیئت اختیار کرتی ہے۔ جو اس کی علت کی صفت ہے اور ہر جنس اپنی جنس میں ہی مل جاتی ہے۔

قرآن نے کائنات کی بناوٹ پر تحقیق و فکر سے۔ خالق و مخلوق۔ اور تخلیقی ترکیب و ترتیب کا حقیقی تصور پانے کے لیے واضح اشارہ دیا۔ وَ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ۔

یقین رکھنے والوں کے لیے زمین کی اشیاء پر تحقیق و فکر کرنے سے۔ کائنات کی اصلی ہیئت۔ اور ہیئت ترکیبی۔ ہیئت مخلوقی۔ وجودی خلصیت۔ اور بداء۔ ابتدا کہ اس کا وجود۔ کس ہیئت سے بنا۔ کس طرح بنا۔ ابتدا سے انتہا تک تخلیقی تسلسل کا راستہ اور سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لیے وَ فِي أَنْفُسِكُمْ مِنْ آيَاتٍ لِّكُلِّ نَفْسٍ مِّنْكُمْ لَعَلَّهَا تَهْتَدُ۔ انسان زمین کی جز۔ محل۔ ہے انسانی صفات تمام زمین سے درخت میں آتی ہیں۔ انسان کا بولنا۔ سنا۔ دیکھنا۔ فہم و ارادہ۔ کی صفات اس وقت تک نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ ان صفات کا زمین میں پایا جانا محقق نہ ہو۔ ایک بیج میں درخت کی تمام صفات۔ تنا۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول اور میوہ۔ یہ سب صفات بنیادی طور پر بیج میں پائی جاتیں تو درخت کی ہیئت میں ان کا ظہور ہوگا۔ اور جو شے بیج میں موجود نہ ہو وہ درخت میں ظاہر نہیں۔ لہذا۔ درخت کے اجزاء بیج کی معلول کہلاتے ہیں۔ گویا۔ درخت کے ظہور میں جملہ صفات پڑی۔ بیج کی صفت کا تصور حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس حال میں بظاہر بیج کے وجود میں۔ کیفیتیں دیکھی یا محسوس نہیں کی جاسکتیں۔ اس کے باوجود بیج کے معلول کو دیکھ کر۔ اُن دیکھی حالت میں۔ بیج کی صفت تسلیم کرنا لازمی ہوگا۔ اس کے بعد زمین اشیاء۔ ارضی کی علت قرار دی جاتی ہے۔ اور اس کی معلول ہیئتوں پر ہی۔ زمین کو ان تمام صفات (یعنی مرکب و مجموعہ) کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ جو زمین کی معلول میں ظاہر ہیں۔ خصوصاً انسان میں۔ کہ اس میں قوت کلام (بولنا) قوت بصر (دیکھنا) قوت سمع (سنا) قوت عقل و شعوری فہم (حرکت و ارادہ)۔ ان سب صفات کا انسان کی علت میں پایا جانا لازمی ہے۔



اس حال میں۔ کہ مانندِ سِج۔ اگرچہ اس میں معلول صفات محسوس نہیں ہوتیں لیکن ان کا ہونا مسلمہ ہے۔ زمین خود مستقل نہیں۔ بلکہ سورج کی معلول ہے۔ سورج یکسر ناری ہئیت رکھتا ہے۔ ناری ہئیت میں اسکی اپنی ناری صفات بھی موجود ہیں۔ جو خاک وجود میں پائی نہیں جاتیں۔ سوائے اسکے زمین کی معلول حیثیت میں زمین میں۔ جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ علت کے اعتبار سے وہ سب ناری سورج کی ہی صفات ہیں۔ جو زمین کو معلول کی حیثیت میں۔ سورج سے ورثہ میں ملتی ہیں۔ لہذا سورج کی صفات کا تعین زمین کی صفات کے تصور میں کیا جاتا ہے۔ کہ سورج میں بھی قوت کلام۔ قوت سمع۔ قوت بصر۔ فہم۔ ارادہ حرکت پایا جانا یقینی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اگر سورج میں نہ ہوں۔ تو نہ زمین میں اور نہ ہی انسان میں ان صفات کا پایا جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس طرح سورج کی صفات کا تصور زمین اور انسان سے ہی حاصل کیا جاتا ہے۔ سورج بھی مستقل نہیں۔ یہ بھی کسی سورج کا معلول ہے۔ لہذا۔ اس سورج کا جو ہمارے ادراک سے ماوراء ہے۔ اس کی خاصیت و صفت کا تصور ہمیں سورج کی صفت پر ہی مل سکتا ہے۔ یہاں یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ ہر معلول اپنی علت کی جز ہوتی ہے۔ جز کے اعتبار سے۔ ہر علت۔ اپنے معلول کی صفات۔ اور وجودی ہئیت میں معلول سے۔ وسیع و قوی ہوگی۔ مثال کے طور پر۔ سورج سے کثیر تعداد سیارے۔ اور زمین۔ جو کی حیثیت میں الگ ہوئے۔ ہر معلول میں جزوی حیثیت میں ایک قوت و صفت پائی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سورج کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے تمام سیاروں کے مقابلے میں سورج کی قوت و وسعت۔ اس کے معلول سے وسیع قوی ہونا محقق و مسلم ہوگا۔ اور ان سیاروں کی بازگشت میں۔ جب ان تمام سیاروں کو ابتدا میں۔ جب کہ ان کا وجود ابھی ظاہر نہ ہوا تھا۔ عدم کی حالت میں۔ ان تمام سیاروں کے مجموعہ کے ساتھ۔ وسیع و قوی تصور کیا جائے گا۔ اور ان تمام سیاروں کی انتہا پر ان کے عدم کے تصور میں۔ ہر سیارہ کو سورج کے تصور میں دیکھا جائے گا۔ اس حال میں کہ ان سیاروں کا وجود سورج میں موجود۔ یا سورج میں فنا تصور کیا جائے۔ اس کے بعد کائنات کی تخلیق میں۔ ہر وجود کی ابتدائی ہئیت کا تصور۔ ہر علت کا تصور۔ اس کے معلول کے مجموعہ کے مطابق مسلم ہوگا۔ یعنی۔ تمام سیارے آسمان دنیا کی معلول ہیں



زمین بھی آسمان دنیا کے معلول میں شامل ہے۔ زمین کی تحقیق پر ہم نے یہ جان لیا کہ انسان کی صفات کے مشاہدہ میں۔ قوت کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم ارادہ۔ زمین کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ لہذا علت کے اعتبار سے سورج میں بھی۔ ناری ہیت کے مطابق ان قوتوں کا بدرجہ اولیٰ پایا جانا۔ یقینی ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی آسمان کی وسعتوں میں ناری قوتوں کی تحقیق و فکر میں۔ ان کی جملہ خصوصیات کو سامنے رکھنا ضروری ہے جو عقلی طور پر بھی انسانی تحقیق میں آسکتی ہیں۔ وہ یہ کہ آسمان دنیا کے معلول سیاروں میں چند خاص کیفیتوں کو نظر میں لانا۔ یعنی فطری تخلیق کے مطابق اشیاء کائنات میں۔ نور۔ نار۔ خاک کی ہتھیں مسلم و محقق ہیں۔ ان کیفیتوں کی تحقیق میں تین کیفیتیں تصور میں آتی ہیں۔ ایک ہر وجود کا حجم (طول و عرض)۔ تپش (جیسے سیاروں کی گرمی)۔ روشنی (جیسے سورج کی روشنی)۔ سورج کے وجود میں۔ وسعت (حجم)۔ روشنی۔ تپش۔ اس کے ساتھ۔ قوت سماع۔ بصر۔ کلام۔ فہم۔ ارادہ بھی ثابت ہے۔ آئندہ تحقیق میں ہر وجود (علت) میں ان کا تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔

آسمان دنیا کے سیاروں میں۔ آسمان سے قریب سیاروں کی ہتھیت وجودی (جسمانی) مقام کے لحاظ سے انتہائی وسیع ہے۔ جیسا کہ محققین مغرب کی تحقیق میں سورج کے قریبی سیاروں کا علم ہو چکا ہے۔ کہ فضائے آسمانی میں ایسے سیارے موجود ہیں۔ جو معروف زمینی سورج سے حجم۔ تپش۔ روشنی میں۔ اربوں درجہ قوی و وسیع ہیں۔ اسی طرح ان سورجوں۔ سیاروں سے ماوری۔ سیلے بھی۔ حجم۔ تپش۔ روشنی میں قوت لا انتہا درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سب سیارے آسمان دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں۔ یہ امر بھی محققین مغرب کی تحقیق سے ثابت ہے۔ کہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے کے درمیان کروڑوں اربوں میل کا

---

لہ ہم اوست میں۔ بَدَا الْخَلْقَ میں۔ بہر تخلیق کی ہر خصوصیت و صفات کا ساتھ ساتھ تصور قائم و شامل رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر ان خصوصیات کی شمولیت کے انسانی فکر۔ گمراہی اور غلط فہمی اور غلط نظریات کا شکار ہوگا۔



فاصلہ پایا جاتا ہے۔ سیاروں کی ان صفات و خصوصیات پر آسمان دُنیا کا تصور حاصل ہوگا۔ کہ آسمان دُنیا کے اندر ناری فضا کی وسعت کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ جہاں زمین سے قریبی سیاروں کا اتنا غیر محدود فاصلہ تصور میں آتا ہے۔ وہاں زمین سے دُور۔ آسمان دُنیا کی نوری ہئیت کی وسعت بھی لا محدود میں شمار ہو سکتی ہے۔ جہاں میلوں کے فاصلہ کا تعین انسانی تصور سے یا ہر ہے۔ اب ان سیاروں کی اپنی علت میں بازگشت پر جب آسمان دُنیا کی ابتدائی ہئیت کا اس حال میں تصور کیا جائے۔ کہ ابھی آسمان دُنیا سے یہ سیارے معلول نہیں ہوئے۔ تو آسمان دُنیا کے لیے تپش۔ روشنی اور حجم (طول و عرض) کا تصور غیر معین ہوگا۔ یعنی لا محدود وسعت۔ لا محدود تپش۔ لا محدود روشنی۔ اس حال میں کہ یہ تمام سیارے ”عدم“ تصور ہوتے ہیں۔ لیکن آسمان دُنیا کی علت میں ان کا وجود موجود ہے۔ یہی کیفیت سَبْعَ سَمَوَاتٍ کی تخلیقی ترتیب کی ہے کہ ہر آسمان اندر (وسیع کے تصور میں) وسعت تپش۔ روشنی میں۔ لا انتہا کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کا تصور ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ سوائے اس۔ کہ ان قوتوں کا ایک موہوم تصور قائم کیا جائے۔ اسی تصور پر وَسِعَ کُرْسِيِّہُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کا۔ زمین سیاروں۔ ان کے درمیانی فاصلوں۔ حجم تپش۔ روشنی (نور) کے مطابق سات آسمانوں پر احاطہ کیے ہوئے نوری وجود کا ہوگا۔ کرسی پر عرش کا احاطہ۔ عرش پر سدرۃ المنتہی کا احاطہ۔ سدرۃ المنتہی پر۔ اس کی علت کا احاطہ۔ اسی طرح عالم بالا کے نوری وجودوں کا احاطہ۔ یہ سلسلہ برابر اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں ان نوری وجودوں کی بازگشت پر۔ وہ نوری وجود آتا ہے۔ جو ہمہ اوست کی تحقیق و فکر میں۔ ذات الہی۔ نور الہی کے وجود سے پیدا ہوا۔ نور ابتدائی نورِ اول کا مقام ہے۔ اور اس نوری وجود کی ہئیت کا تصور۔ اسی ہمہ در اوست کی ترتیب کے مطابق۔ وسیع وسعت (طول و عرض)۔ وسیع تپش۔ وسیع روشنی۔ جو قطعی لا محدود و لا انتہا کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ نور مخلوقی وجودوں کی علتِ اول قرار دی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ۔ اگر تمام مخلوقی وجودوں کو نورِ الہی کا معلول تصور کیا جائے۔ تو اصولی طور پر علتِ نورِ احد میں شمار ہو کہ اللہ کی صفت سے متصف ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہئیتیں۔ محدود۔ کہ ہر ہئیت۔ علت و معلول کی



صورت میں ایک حد رکھتی ہے۔ غیر مستقل و فانی ہیں۔ کہ اپنی مستقل ہئیت نہیں رکھتیں اور فانی صورت میں اپنی علتوں کی طرف رجوع کرنے کی خاصیت رکھتی ہیں اس لیے ان کا غیر اللہ ہونا لازمی ہے۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ کے بعد اللہ کے نور سے پیدا ہوئی مخلوقی ہئیت سے ان کی نسبت قرار دے کر۔ نور ابتدائی کو ان تمام وجودوں کی علت قرار دیا جاتے۔ اس طرح ایک طرف ان کے بنیادی وجود کو ہمہ اوست کے تصور میں دیکھا جائے گا۔ مگر معلولی حیثیت میں وجود مخلوق قرار دے کر غیر اللہ قرار دیئے جائیں گے۔ اور اس مقام پر نورِ اول پر علت و معلول کا سلسلہ ختم ہو کر ایک ہی تصور باقی رہتا ہے۔ کہ نور ابتدائی علت کائنات ہے۔ اور اس کی وسعت۔ تہش۔ روشنی۔ لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ معلول حیثیت میں اس نور کی بھی مخلوقی حیثیت کے اعتبار سے ایک حد ہے۔ لہذا اس نور کی بھی ایک علت باقی ہے۔ ہاں اس مقام پر یہ تصور شامل رکھنا ضروری ہے۔ کہ آسمانوں میں بھی ”زمین کی صفت کے اعتبار سے“ قوتِ کلام۔ قوتِ بصر۔ دیکھنا۔ سنا۔ فہم۔ ارادہ پایا جاتا ہے جس کی خود قرآن سے شہادت ملتی ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ

ر پارہ ۲۲ سورۃ ۴۱ آیت ۱۱

لے وَهِيَ دُخَانٌ۔ آسمان کے متعلق ”دھواں“ کا تصور دیا گیا۔ یہ تصور تمثیلی ہے کیونکہ۔ اہل دھواں مادی ”ارضی“ کیفیت ہے۔ اور آسمان یکسر نوری کیفیت ہے۔ نوری کیفیت مادی ”دھواں“ سے متصف ہونا۔ یا تصور کرنا خلافِ فطرت ہے۔ جبکہ آسمان یکسر نور ہے۔ وَهِيَ دُخَانٌ سے مراد۔ ایک نوری فضا۔ جو تمثیلی تصور میں۔ دھویں کی مانند فضا تصور میں لائی جاسکتی ہے۔ ورنہ درحقیقت آسمان دھویں کے تصور میں نہیں لایا جاسکتا۔ لے اَتَيْنَا طَائِعِينَ تم دونوں۔ ”آسمان“۔ اور ”زمین“۔ اس مقام پر۔ آسمان کے مقابلہ میں زمین کی حیثیت دونوں میں۔ دو کی ہے۔ مگر آسمان کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ آسمان مَبْعَعُ مَلٰٓئِكَةٍ کا مجموعہ تصور ہوتا ہے اور زمین۔ آسمان اول کے اجزا (تمام ستاروں) میں جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ زمین کو آسمانوں کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت دینا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف اور وہ دھوئیں کی فضا کی مانند ایک نوری دھواں تھا۔ پس کہا میں نے آسمانوں اور زمین سے میری طرف آؤ۔ خواہ رضا سے خواہ جبر سے۔ کہا انہوں نے ہم آتے ہیں مطیع ہو کر۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر حکم جاری کیا۔ کہ میرے سامنے محکوم ہو کر حاضر ہو جاؤ۔ تو انہوں نے کہا۔ ہم محکوم ہو کر تیرے آگے سر بسجود ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ کا کلام آسمانوں کا سننا۔ جواب دینا بولنا۔ دیکھنا۔ فہم۔ ارادہ ثابت ہے۔ دوسری آیت میں بھی اس امر کی واضح شہادت ملتی ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَبَى  
وَاسْتَكْبَرَ۔ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔

دوسری آیت اس سے بھی واضح ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔  
قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج

ان آیات میں۔ اللہ کا کلام سننا۔ ملائکہ۔ نوری آسمانوں کی ہیئت کا کلام کرنا۔ قَالُوا۔  
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ۔ ”کلام سننا“ اتَجْعَلُ فِيهَا۔ ”دیکھنا“۔ يُفْسِدُ فِيهَا۔ ”فہم“۔ فَسَجَدَ  
الْمَلَائِكَةُ۔ ارادہ اختیار۔ یہ صفات نوری وجود کی ہی تصور کی جاتی ہیں۔ اسکے ساتھ ناری وجود میں  
ان صفات کی شہادت ناری قوت کے اظہار سے ثابت ہوتی ہیں۔ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ۔ قَالَ  
أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ ابلی۔ شیطان ناری وجود کی پیداوار ہے۔ ناری وجود پر حکم ہوا۔ کہ فَسَجَدُوا۔ یہ  
ناری وجود کا سننا ہے۔ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ یہ قوت کلام۔ دیکھنا۔ اور فہم رکھنے سے تعلق  
رکھتا ہے۔ ظاہر ہے۔ علت کے اعتبار سے ان قوتوں کا وجود۔ عالم نوری سے ہی درجہ میں آیا۔  
لہذا ہر مقام پر ہر عالم نوری میں یہ صفات پایا جانا یقینی ہوگا۔ اور ابتداء پر۔ نورِ اول میں جو کائنات کی  
علتِ اولیٰ ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ ان صفات کا حامل ہونا یقینی ہے جیسے بیج میں درخت کی صفات

در بقعۃ حاشیہ صفحہ ۶۹۵

اس تصور کے ساتھ ہے۔ کہ باقی سیاروں کے مقابلہ میں زمین کی اطاعت محض انسانی تخلیق کی خصوصیت  
اور اس کی اطاعت کی خصوصیت کے تصور میں مخصوص کی جاتی ہے۔



— علتِ اولیٰ — نورِ ابتدائی — خود نورِ احد کی معلول ہے — اور فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کیلئے علت کا وجود ثابت ہونا ضروری ہے — علتِ اولیٰ کے لیے بھی بحیثیت معلول ایک علت کا ہونا ضروری ہے — لہذا اس معلول کے لیے ایک علت کا لازمی تصور قائم ہو جاتا ہے — یہ علت جو نورِ ابتدائی کی علت تصور کی جاتی ہے — اس کی صفات پر اس علت کی ہیئت کے تصور میں بھی — ان خصوصیات کو سامنے رکھنا ہے کہ اس علت میں — قوتِ سمع — قوتِ بصر — جسے قرآن نے سَمِيعٌ یَّصِیْرٌ کی صفت میں ذکر کیا —

لَا تُذِرُكَ الْاَبْصَارُ ذُوْهُوَ یُذِرُكَ الْاَبْصَارُ رِپارہ ۴، سورۃ ۶ آیت ۱۰۴

اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا — نہ اس کا تصور عقلِ حیثیت میں پایا جاسکتا ہے — کیونکہ وہ لَطِیْفُ الْخَبِیْرُ وہ نورِ محض ہے — نورِ محض لطیفِ ہیئت میں ادراک میں نہیں آسکتا — وَهُوَ یُذِرُكَ الْاَبْصَارُ وہ اپنی نوری ہیئت کے اعتبار سے کائنات کی ہر شے کا ادراک رکھتا ہے — اس حال میں کہ وہ مثل انسان — مادی آنکھ — مادی کان — مادی زبان — مادی ذہن — سے منزہ ہے — کیونکہ ان قویٰ کا ہونا — مادی ہیئت سے متعلق ہے — اس کے مقابل — ملائکہ سے بھی بغیر ان قویٰ کے — نوری حیثیت میں قوتِ کلام — سمع — بصر — فہم و ارادہ — کا اظہار ہوتا ہے — اسی طرح اس علت سے بھی ان صفات کا اظہار ہوتا ہے — کہ اس علت میں قوتِ فہم و ارادہ کائنات کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ پایا جانا لازمی ہے — اور اس کے ساتھ ہی اس علت کی ہیئت میں وسیع و سعت رجم — طول و عرض — وسیع تپش — وسیع روشنی اس حد تک وسیع کہ اگر اس وجود میں اس کی حد پائے کے لیے پرداز کی جائے — تو اس قدر لامحدود و وسعت اختیار کر جاتی ہے — کہ غیر معین زمانہ تک اس میں پرداز کی جائے تو اس کی حد سلسلے نہیں آتی — لامحدود زمانہ تک بازگشت کی جائے — تو اس کی حد میں کہ کبے تھا — کوئی حد تصور میں نہیں آتی — لازم ہے کہ فطری تخلیق کے اعتبار سے — اس علت کی پیدائش کی حد کا علت کا ایک تصور قائم ہونا چاہیے — لیکن اس علت میں ارادہ و فہم کا تصور — سامنے رکھا جائے — تو ان قوتوں کے استعمال کی صورت میں یہ علت اپنے ارادہ و فہم کو استعمال کرنے کا حق رکھتی ہے — کہ اس علت کا اپنا ارادہ استعمال ہوا — کہ میں پہچانا جاؤں —

میں اپنی ذات سے ایک معلول پیدا کروں جیسا کہ ہمہ ادست کی ابتدا میں تفصیل پیش کی گئی۔ تو اس مقام پر جب اس علت کا ارادہ و فہم استعمال ہوا۔ تو یہی علت۔ نور اول۔ اور کائنات کے وجودوں کی خالق تصور کی جائے گی۔ اس حال میں کہ یہ علت اتنی وسیع تصور کی جاتی ہے۔ کہ اس علت کی حد کا کوئی تصور قائم ہوتا ہے۔ نہ اس کی حد سامنے آتی ہے۔ اس علت کو علت لا محدود قرار دیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک اس وجود کی تحقیق و فکر میں۔ فکر کی پرواز کو کوئی حد نہیں ملتی۔ تو انسانی فکر حیرت و درماندگی میں پڑ جاتی ہے۔ اسی حیرت و درماندگی کے تاثر کو عربی میں اللہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے معنی۔ یہ کہ جس ذات کی تحقیق و فکر میں غور کیا جائے۔ کہ ”زمان“ (وقت۔ زمانہ) کے تصور میں کب سے تھا مکان (وسعت) کے تصور میں کتنا وسیع ہے۔ اور جب اس کے زمان و مکان میں کسی مقام پر ذہن قرار نہیں کرتا۔ تو غیر معین زمان و مکان میں انسانی ذہن بے بس ہو کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ نسل انسانی میں۔ ہر قوم کے محققین نے اس علت کے لیے یہی تاثر پایا۔ تو ہر زبان نے۔ اس علت کو۔ الہ۔ ولہ۔ الہیات۔ لہ اور اللہ کی صفت سے پکارا۔ جس کے معنی حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا۔ یہی وہ ذات ہے۔ جو علت اولیٰ کا بنیادی نور (وجود) ہے اور اسی ابتدائی نور سے تمام کائنات کا وجود۔ مخلوق اور فانی بنا۔ اس ترتیب میں۔ یہ کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ بنیادی حیثیت میں۔ ہر شے کا بنیادی وجود اس کے ہر جزا میں اللہ کا نور ہے۔ اس لیے کائنات کے تصور میں ہمہ ادست کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن کائنات۔ اللہ نہیں بن سکتی کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ اس لیے اس کائنات کے وجود میں اس کے بنیادی وجود میں نور ابتدائی کو بنیادی وجود قرار دے کر۔ اسی نور کی پہچان کی جاتی ہے۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوقی ترتیب ”ہمہ را دست“ پر فکر کرنے سے۔ کائنات کی ہر شے کے وجود میں۔ نور اول۔ نور ابتدائی۔ نور مخلوقی کا وجود ہی نظر آتا ہے۔ اور یہی نور ہر معلول میں پہچانا جاتا ہے۔ اس پہچان کو عربی میں ”مَحْدّ“ سے تعبیر دیا جاتا ہے اور جب کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود نور اول پہچانا گیا۔ تو اس نور کو عربی اصطلاح میں ”مَحْدّ“ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ جب تک نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کی ہر شے کے وجود



میں تصور میں نہ لایا جاتے۔ ہمہ اوست کے تصور میں ہر شے کو اللہ کے تصور میں لانا لازم ہوگا۔ جو کہ شرک کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اللہ کے نور کے مقابلہ میں کائنات کے وجود کو مخلوق حیثیت میں ایک علیحدہ ہئیت تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا اس نقص کو مٹانے کا یہی ذریعہ ہے۔ کہ اس کائنات کو علیحدہ حیثیت دے کر اسے نورِ اول۔ نورِ محمدی سے نسبت دے کر یہ نقص ختم ہو جاتا ہے۔ کہ باوجود نورِ الہی بنیادی وجود ہونے کے۔ ارادہ الہی۔ اور منصوبہ الہی میں۔ یہ ترتیب مقرر ہے۔ کہ نورِ اول سے کائنات کی ہر شے کا وجود موجود ہو۔ تو ایسی صورت میں جب کائنات کے وجود کو اس کی بازگشت میں۔ عدم کیا جاتے۔ تو اس مقام پر ہر شے کی نفی لا ہو جاتی ہے۔ تو باقی رہتا، محمد کا وجود تصور میں آتا ہے۔ اس مقام اس تخلیقی ترتیب کے تصور میں۔ کائنات کے لیے بجائے ہمہ اوست کے ہمہ محمد کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی فطری تخلیقی ترتیب میں کائنات کی ہر شے کے بنیادی مرکب میں نورِ اول و نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح جب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بازگشت میں۔ نورِ الہی میں فنا کیا جائے۔ تو یہ نور فنا فی اللہ ہو کر۔ نورِ الہی کے تصور میں آتا ہے۔ البتہ ابتدائی مقام پر جہاں کائنات کو محمد کے نور میں فنا و عدم کیا جاتے۔ تو اللہ سے سوا۔ محمد باقی رہ جاتا ہے۔ تو اس ترتیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کائنات کے عدم سے محمد کے وجود (نورِ اول) کا اثبات ہو جاتا ہے۔ یعنی کائنات کے لیے محمد کے نور میں فنا ہونا مقرر ہے۔ اور خود محمد کیلئے ہی فنا فی اللہ ہونا مقرر ہے۔ اس حال میں کہ کل کائنات محمد کے نور میں فنا پا کر محمد کی ہئیت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی حیثیت میں کائنات کے فنا فی اللہ ہونے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہذا ہمہ اوست اور ہمہ در اوست کے نتیجہ میں جو تصور قائم ہوتا ہے۔ وہ کائنات کے عدم تصور ہونے کی صورت میں صرف لا۔ اللہ احد کے سوا کسی وجود کا کوئی مستقل وجود تصور نہیں۔ صرف اللہ ہی ہے۔ اور جو دوسرا وجود ایک علیحدہ حیثیت میں کائنات کی شکل میں، پایا جاتا ہے۔ اِلَّا اللہ۔ اللہ کے سوا۔ وہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ ہے۔ اللہ کے نور سے پیدا کی گئی جس نورِ محمدی ہے۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ نُورِیَّ وَخَلَقَ كُلُّهُم مِّنْ

نُورِی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو بنایا۔ وہ میرا نور ہے۔ اور بنایا تمام مخلوق کو میرے نور سے۔ اور یہی نور کائنات کے تمام وجودوں کی علت قرار دی جاتی ہے۔ جو محمد کی صورت میں کائنات کے ہر وجود کا بنیادی وجود ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے سوا کسی اور وجود کا تصور باقی نہیں رہتا۔ اللہ خالق۔ اور محمد مخلوق اس کے سوا کچھ نہیں ”لا“

## رُوحانی اور مادی محقق میں فرق

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ فکر و طرح سے ہے۔ ایک عقلی استدلالی۔ اس کی تفصیل ہمہ در اوست میں وضاحت سے بیان کی گئی۔ دوسری قلبی یا روحانی۔ عقل محققین اسی عقلی ترتیب سے کائنات اور اللہ کا ایک مبہوم تصور قائم کرتے ہیں۔ لیکن عقل۔ آنکھ۔ کان کی محتاج ہے۔ کہ بغیر آنکھ کے عقل سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ آنکھ کا ادراک محدود ہے۔ اس لیے عالم زرائی کی کیفیات کا حقیقی تصور یا نہیں سکتی۔ کہ ان کیفیتوں کی اصل ماہیت کیا ہے۔ سوائے اسکے روحانی حیثیت میں ان کیفیتوں کا عین یقین۔ اور حق یقین کی حد تک ادراک و علم حاصل کیا جائے۔ یہی طریق ہے۔ جسے طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ کہ ولی رُوحانی قوت سے ان تمام کیفیتوں کا ادراک و علم حاصل کرتا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ کائنات تین کیفیتوں سے مرکب ہے۔ پہلی ازلی کیفیت نور۔ دوسری نور کی تنزلی منقسم ANALYSED کیفیت نار۔ تیسری نار کی تنزلی کیفیت خاک۔ ان ہی تین کیفیتوں سے انسانی وجود مرکب ہے۔ نور رُوح رحمانی (نار رُوح حیوانی) خاک (جسم)۔ جسم کی وسعت علمی عالم خاک کی تک ہے۔ روح حیوانی کی رسائی اور وسعت علمی۔ عالم ناری کے تمام سیاروں تک ہے۔ روح رحمانی کی رسائی اور وسعت علمی۔ عالم نوری۔ (نور ابتدائی) تک وسیع ہے۔ انسان جسمانی حیثیت میں حواس و عقل سے عالم خاک کی تک ادراک کر سکتا ہے۔ رُوح حیوانی۔ روحانی حیثیت میں اپنی صفت ناری کے مطابق۔ تمام سیاروں میں پرواز کر کے ان کے وجود کا علم حاصل کر سکتی ہے۔ اور روح رحمانی۔ روحانی حیثیت میں۔ اپنی صفت نوری کے مطابق۔ تمام



عالم نوری کا ادراک کر سکتی ہے۔ اس ادراک کا طریق ”فنا“ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یعنی ہئیت تبدیل کرنا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ انسان آج سے چار کروڑ سال ماضی بعید کی کیفیت کا ادراک کرنا چاہتا ہے تو رُوح حیوانی کے ذریعہ اس زمانہ کا تصور کیا تو اس کے مشاہدہ میں اس زمانہ کی تمام کیفیت کہ زمین کی ہئیت کیسی تھی۔ اس پر کیا کیفیاتیں پہاڑ، درخت، دریا، حیوانات، جمادات وغیرہ موجود تھیں۔ ان سب کیفیتوں کا ادراک عین الیقین کی طرح مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہ مشاہدہ ماری رُوح (رُوح حیوانی) کے ذریعہ (جس کا مخزن دماغ ہے) ہوتا ہے کہ رُوح کا فضائے ایثری (ETHER) کی ان کیفیات کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ جو اس زمانہ کی کیفیت قوت ایثر میں محفوظ ہیں۔ تو اس زمانہ کی تمام کیفیت اسی ہئیت میں مشاہدہ میں آکر ماضی بعید کے واقعات و کیفیات کا علم و مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان فضائے آسمانی کے اس سورج کا ادراک حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جو اس سورج کی علت اربوں میل دور فاصلہ پر ہے تو اس کے تصور کے ساتھ رُوح حیوانی کا (ایثر کے ذریعہ) اس سورج سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسانی ذہن پر اس سورج کا عکس آ جاتا ہے۔ اس حالت میں۔ رُوح ماری اس سورج کی ہر کیفیت مشاہدہ عین الیقین کی صورت میں۔ رنگ و ہئیت۔ وسعت۔ تپش۔ روشنی کا مشاہدہ کر کے اس ستارہ کی اصل ماہئیت کا علم حاصل کر لیتی ہے۔ یہی فرق مادی محقق اور رُوحانی محقق کا ہے۔ کہ مادی محقق کے پاس سوائے مادی ذریعہ۔ جو اس عقل کے اور کوئی ذریعہ قابل استعمال نہیں۔ عقلی طور وہ اس کا احساس کرتا ہے۔ علم الہیت و ابجد کے ذریعہ وہ بھی اس سورج کے وجود کا احساس کرتا ہے۔ لیکن آنکھوں سے دیکھے بغیر اس ہئیت کا حقیقی تصور عین الیقین کی صورت میں نہیں کر سکتا۔ ایک شخص سنتا ہے۔ کہ آسمان میں ایک سیارہ ہے۔ مگر اسکے پاس سیارے کے وجود کو تسلیم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ جب تک کہ اس وجود کو آنکھوں سے نہ دیکھے۔ ولی روحانی حیثیت میں۔ رُوح کے ذریعہ اس وجود کو اس کی تمام صفات کے ساتھ مشاہدہ کر لیتا ہے۔ یہی کیفیت رُوح رحمانی کی ہے۔ کہ رُوح حیوانی علم ماری (سیاروں) سے ماوری۔ علم نوری آسمانوں تک رسائی

حاصل نہیں کر سکتی۔ اس عالم نوری کا ادراک رُوحِ رحمانی سے ہوتا ہے۔ انسان آسمانِ اول۔  
 یا ہفتم کی کیفیت جاننا چاہتا ہے۔ تو وہ اس آسمان کا تصور کرتا ہے تصور سے ایثر (ETHER)  
 ایثر نوری کے ذریعہ رُوح کا ساتویں آسمان سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ تو انسانی قلب پر ساتویں  
 آسمان کا وجود منعکس ہو جاتا ہے۔ تو اس رُوح کے ذریعہ عین الیقین کی صورت میں ساتویں آسمان  
 کی نوری ہئیت۔ اس میں مخلوق ملائکہ اور جو کچھ اسرار اس میں ہیں مشاہدے میں آتے ہیں۔  
 یہ ایک صورت رُوح سے (ایثر کے ذریعہ) رابطہ رکھنے سے کیفیات نوری۔ ناری۔ خاکی کا علم حاصل  
 کرنے کا ہے۔ دوسری صورت۔ رُوح کا ”عروج“۔ یعنی ان قوتوں تک رسائی پا کر بغیر ایثری ذریعہ  
 کے ان کے وجود کا احساس کرنا۔ اس طریق میں ”فنا“ کا طریق استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ  
 حضور قبلہ عالم فنا کے متعلق فرماتے ہیں۔

چیت معنی ”فنا“ نزدِ دل  
 محو شدن صفتِ او جلِ خفی  
 یعنی ہمہ اوصاف کہ دارد بشر  
 محو شدہ ظاہر آید چوں حشر  
 کہ وہ ہمہ اوصافِ بشری را فنا  
 از اوصافِ ذاتِ حق باحق پناہ

اصولِ طریقت میں فنا سے مراد۔ رُوح کا اپنی جنس سے رابطہ و اتصال کر کے۔ اپنی  
 جنس میں ضم ہونا۔ اس حال میں کہ رُوح کا وجود اسی جنس سے پیدا ہوا۔ مثال کے  
 طور۔ رُوح حیوانی۔ ناری سیاروں کی جنس سے معلول ہوئی اور اب انسان۔ تصور و  
 رابطہ سے ناری ہئیت (مثال آفتاب) سے اتصال کرتا ہے۔ کہ اپنی بازگشت میں (تزکیہ نفس  
 سے) آفتاب میں ضم ہو کر آفتاب کی (ابتدائی) ہئیت اختیار کر جاتا ہے۔ لہذا مَنْ عَرَفَ

لے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس طریق مشاہدہ میں رُوحِ رحمانی۔ مقامِ قلب میں رہ کر دُور سے قوتِ  
 ایثری کے ذریعہ آسمانی ایثر نوری ایثر سے رابطہ قائم کر کے عکس حاصل کرتی ہے۔



نفسہ کے ارشاد کے مطابق۔ ایک شاہد کو اپنا وجود آفتاب میں ضم ہوا بذاتہ آفتاب محسوس ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ آفتاب کی تمام ہئیت پر اسے ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ آفتاب کی ہئیت کیا ہے۔ اس کا مرکب کیا ہے۔ اس مرکب میں کون سے اجزا پائے جلتے ہیں۔ اسی طرح آفتاب کا وجود پانے کی حیثیت میں انسان۔ آفتاب کی علت کا تصور کر کے اس آفتاب سے رابطہ کرتا ہے۔ تو (تزکیہ نفس سے) وہ علت آفتاب سے اتصال کر کے اس آفتاب میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس تصور میں کہ اپنی روح حیوانی کو عدم تصور کرتا ہے اور اسی جسم میں محسوس کرتا ہے جس میں وہ ضم ہوا۔ اس ترتیب کو فنا فی النار یا فنا فی الشمس سے تشبیہ دیا جاسکتا ہے۔ اور اس فنا کی حد آسمان دنیا کے ستاروں تک محدود ہے۔ البتہ روح حیوانی۔ حقیقتاً۔ نوری آسمان کی درجہ بدرجہ معلول ہے۔ کیونکہ ہر معلول اپنے پیشتر وجود (علت) کی پیداوار ہوتا ہے۔ نار نور کی پیداوار ہے۔ اس مقام پر جہاں آسمان اول کا تصور ابتدائی کیا جائے۔ تو لازمی طور آسمان دنیا سے پیدا ہوئے ہر کیفیت کا وجود اس میں سمایا ہوتا ہے۔ جو درجہ بدرجہ اپنے وقت اور مقام پر پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور حال کا ایک بیج۔ ماضی کے اس بیج (ذرہ) کا معلول ہے۔ جس زمینی ذرہ سے اس بیج کی ابتدا ہوتی۔ گویا اگر اس ابتدائی بیج میں حال کے بیج کا مواد موجود نہ ہوتا۔ تو اس بیج کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حال کے بیج میں ایک ہزار سال مستقبل زمانہ کی مدت تک پھیلنے کی قوت پائی جاتی ہے تو مستقبل زمانہ کی مدت کا بیج۔ حال کے بیج میں موجود ہو۔ تو پیدا ہوگا۔ اگر نہیں ہو۔ تو اس وقت بیج کا وجود ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ ماضی کے وجود میں۔ حال مستقبل کا جس قدر وجود موجود ہو۔ وہی وجود اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے آسمان دنیا میں جس قدر سیاروں کا وجود موجود ہوا نہیں وجودوں کے مطابق سیارے پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہوا۔ ماضی میں تمام سیاروں۔ آفتاب زمین کا وجود

---

۱۔ گویا انسان اپنی بازگشت علت میں سما کر علت بن کر اپنے وجود کو ہی پہچانتا ہے۔  
اپنے وجود کی فنا سے۔ خود کو پہچانتا ہے۔

آسمانِ دُنیا میں موجود ہونا ثابت ہے۔ اور زمین میں انسان کے وجود کا ہونا بھی ثابت ہوا۔ جو اپنے وقت پر زمین میں ظہور کرتا ہے۔ اب انسان (روح حیوانی) اپنی علتوں۔ زمین۔ آفتاب۔ ابتدائی علتوں کے آفتابوں سے فنا ہو کر اپنی بازگشت میں۔ آسمانِ دُنیا تک رسائی پا کر اس میں ضم ہو کر۔ خود کو عدم کر کے آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت اسے مشاہدہ کی صورت میں محسوس ہوتی ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا ناری وجود کی حذاری سیاروں تک ہے۔ لیکن اس روح میں چونکہ بنیادی طور ناری روح کا بنیادی وجود نوری علتوں سے چلا آتا ہے۔ اس لیے اس روح (روح حیوانی۔ ناری) کی استطاعت میں یہ خاصیت ہے۔ کہ اگر اسے انتہائی تزکیہ حاصل ہو تو یہ ناری ہیئت سے نوری ہیئتوں میں انتقال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ لیکن یہ امر انسانی قوت سے محال ہے۔ کہ وہ اس قدر شدید تزکیہ نفس کا متحمل ہو۔ اس لیے فطری طور۔ ناری حدود سے ماوری۔ انسان روحِ رحمانی کو استعمال کرتا ہے۔ روحِ رحمانی بھی فطری تخلیق کے تابع نوری جنس کی پیداوار ہے۔ انسان کے لیے یہ آسان ہے۔ کہ وہ روحِ رحمانی کے ذریعہ نوری آسمان سے تصور و رابطہ کرے۔ تزکیہ اس سے۔ نوری آسمان سے اتصال کر کے اس میں ضم ہو جائے۔ اس مقام پر خود کو عدم تصور کر کے۔ آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ کہ میں آسمان ہوں اَنَا السَّمَاءُ اسی ترتیب سے روحِ رحمانی اپنی بازگشت میں علت در علت۔ سَبْعَ سَمَوَاتٍ۔ کُرسی۔ عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عالم بالا کی نوری ہیئتوں کے تصور و رابطہ سے اتصال کر کے خود کو عدم کر کے ہر ہیئت میں۔ سَبْعَ سَمَوَاتٍ۔ کُرسی۔ عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عالم بالا کی کیفیتوں میں انتقال کرتی۔ اپنی بازگشت میں۔ فوراً اول سے تصور و رابطہ کے ذریعہ اتصال کر کے اس نور میں ”فنا“ حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس فنا میں انسان ہر مقام کے فنا میں۔ ہر مقام کی ذاتی ہیئت۔ اس کی صفات پیدائشی ترتیب کا عرفان کر لیتا ہے۔ تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ان تمام علتوں۔ نوری۔ ناری۔ وجودوں کی بنیاد علت نورِ ابتدائی ہے۔ اور وہ ان نوری ہیئتوں کے تمام اسرار و آثار کا ”فنا“ کی صورت میں حق یقین کی حد تک علم و ادراک حاصل کر لیتا ہے۔ اس کیفیت کو بھی۔ عرفان و معرفت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔



لیکن رُوحِ حیوانی کے ذریعہ ایسی فت حاصل کرنا۔ انسانی طاقت و تزکیہ سے باہر ہے۔  
 سوائے ایک ذات کے۔ وہ خود حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جنہیں  
 جسمانی طور معراج فنا معرفت الہی حاصل ہوئی۔ تَشَدَّدْنَا فِتْدَلٰی۔ اور حضور نے جسم سے  
 ذاتِ الہی میں فت حاصل کی۔ بقیہ مخلوق یہ فنا رُوحِ رحمانی کے ذریعہ حاصل کرتی ہے۔ چونکہ  
 یہ کائنات نورِ ابستدالی سے بنی ہیں۔ اور ہر وجود میں اسی بنیادی نور کو پہچانا  
 جاتا ہے۔ اس لیے اس تحقیق و فکر میں حقیقتِ محمدی کا عرفان ہوتا ہے حقیقت  
 محمدی کے عرفان میں رُوحِ رحمانی کے نورِ محمدی میں فنا حاصل ہونے سے۔ انسان۔ خود کو  
 عدم کر کے۔ نورِ محمدی کی فنا میں۔ خود کو اسی نور سے متصف پاتا ہے۔ تو خود کو محمدؐ  
 کی صورت میں محسوس کرتا ہے۔ تو یہ کیفیت انا محمد رسول اللہ کے تاثر میں حاصل  
 ہوتی ہے اور نورِ محمدی کی علت کے تصور میں۔ جانو۔ انسان محمد کی حیثیت میں  
 تصور و رابطہ کرتا ہے۔ اور اس اتصال میں رُوحِ رحمانی۔ نورِ محمدی کی ہیئت حاصل  
 کر کے نورِ الہی میں فت حاصل کرتی ہے۔ لہذا۔ لازم ہے۔ کہ جب تک رُوحِ محمدی  
 کی فنا حاصل نہ ہو۔ کوئی رُوحِ فنا الہی حاصل نہیں کر سکتی۔ اور جب نورِ الہی میں فنا  
 ہوئی۔ تو یہ رُوحِ خود کو اللہ کے نور کی حیثیت میں محسوس کرتی ہے۔ اس مقام پر کل کائنات  
 کو عدم قرار دے کر کائنات کی نفی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان خود کو۔  
 اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کے تصور میں محسوس کرتا ہے۔ اور ان تمام صفات سے متصف  
 ہو جاتا ہے۔ جو صفاتِ الہی۔ اللہ میں موجود ہیں۔ یہی صورت ہے۔ جہاں  
 فنا فی اللہ ہو کر۔ اللہ کی لا محدودیت کا حقیقی تصور پاتا ہے۔ اسی۔ فنا سے ہمہ اوست  
 اور ہمہ در اوست کی ترتیب کا عرفان ہو جاتا ہے۔ ہمہ اوست میں۔ جب کہ ہر شے  
 کائنات کے وجود میں نورِ الہی بنیادی وجود ہی اصل ہے۔ اگر ہمہ در اوست کی ترتیب میں

---

لے اَنَا مُحَمَّدٌ۔ اس فنا کو طریقت میں فنا فی الرسول سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

اِذَا اَدَّ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ كِي تَرْتِيب ميں۔ نور ابتدائی کا تصور شامل نہ رکھا گیا۔ تو ہر شے کائنات کو خدا کے تصور میں لا کر مخلوق کے لیے سجدہ واجب ہونا قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ تصور شرک قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ مخلوق خالق کی صفت میں لائق سجدہ نہیں ہو سکتی۔ اور نورِ اول کو مخلوق حیثیت میں کائنات کی علت قرار دیا جائے۔ تو باوجود بنیادی نور۔ نورِ الہی ہونے کے کائنات کی حیثیت مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ جس کے لیے۔ خالق یا سجدہ کا تصور باقی نہیں رہتا۔ ثابت ہوا۔ ہمہ ادست کی تحقیق میں۔ اللہ کے ساتھ مُحَمَّدؐ کا وجود۔ بعد از اللہ تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اور جب تک مُحَمَّدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور شامل نہ کیا گیا۔ ہر محقق کی فکر کا نتیجہ شرک پر منتج ہوگا۔

## نظریہ ڈارون و نظریہ آواگون کا رد اور مسئلہ وحدت الوجود

اس مسئلہ ہمہ ادست میں انسان کی ذاتی تحقیق میں مغربی علم کا نظریہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ ہیئت کہلاتا ہے۔ قرآنی دلائل سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ مغربی علم و علم الہیت و سائنس کی رو سے بھی یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ علم الہیت کے محققین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور جملہ حشرات الارض کے ہر وجود کے لیے ایک منفرد ذرہ (روح۔ وجود) مخصوص ہوتا ہے۔ یعنی ہر وجود ایک منفرد ذرہ سے ہی اپنی ایک منفرد ہیئت اختیار کرتے ہوئے اپنی آخری جسمانی ہیئت پر قرار کرتا ہے۔ اس انتقالِ ہیئت میں۔ یہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت اختیار کرنے کی فطری طور خاصیت نہیں رکھتا کہ چیونٹی سے مکڑی بن جائے۔ یا بلی سے شیر بن جائے۔ یا گدھے سے گھوڑا بن جائے۔ یا کتے سے بندر بن جائے۔ یا بندر سے بن مانس بن جائے۔ یا جیسا کہ ڈارون (DARWIN) کا نظریہ ہے۔ کہ انسان بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔ بن مانس سے انسان بننے یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ ہر ذرہ بنیادی حیثیت میں اپنی ایک منفرد ہیئت اور شکل و صورت رکھتا ہے۔ اسی ذرہ کی ہیئت پر اس کا جسمانی وجود ظاہر ہوتا ہے اور ہر وجود کے لیے ازلی طور ایک ذرہ مخصوص ہوتا ہے۔ یہ ذرہ ”روح“



کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی رُوح مٹی کے ذرات میں مل کر جسمانی شکل اختیار کرتی ہے جیسا کہ مغربی محققین کی تحقیق سے یہ امر پابہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے۔ کہ کائنات نوری۔ ناری۔ خاکی ہر قوت در حقیقت ناری۔ نوری۔ خاکی ذرات کا مجموعہ ہے۔ اور ہر ذرہ کی اپنی ایک علیحدہ اور منفرد حیثیت۔ ہیئت۔ شکل و صورت ہوتی ہے۔ جو نہ ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے نہ ایک ذرہ دوسرے ذرہ میں انتقال کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ اس طرح نظریہ ڈارون کے مطابق۔ انسان کی پیدائشی حیثیت یہ ہے کہ انسان کے لیے بھی ایک ذرہ مخصوص ہے۔ یہ ذرہ حقیقتاً انسانی رُوح سے موسوم ہے۔ یہی ذرہ حَمَایَ مَسْنُونِ میں انسانی ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ البتہ انسانی ذرہ اپنی ابتدائی ہیئت سے لے کر بشری شکل اختیار کرنے تک ذرہ سے لے کر انسانی ہیئت تک ارتقاء کرنے میں مختلف ہیئتوں میں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے مقابل بن مانس بھی ایک ذرہ سے لے کر بن مانس کی ہیئت تک جسمانی ارتقاء و انتقال میں سے گزرتا۔ یہاں تک کہ بن مانس کی ہیئت پر قرار کرتا ہے۔ اس فطری ترتیب پیدائش میں۔ دونوں وجود ایک ہی ہیئت میں عروج کرتے ہیں۔ اس وجہ سے۔ بن مانس اور انسان کے وجود میں صرف شکل و صورت میں مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ہر ذرہ کے منفرد ہونے کی حیثیت میں۔ دونوں وجودوں میں۔ وجودی مماثلت نہیں ہو سکتی۔ ہم شکل ہونے کی صورت میں بن مانس کی اپنی حیوانی صفت انسانی وجود کے برابر نہیں۔ بلکہ بن مانس کا اپنا۔ علیحدہ وجود ہے اور انسان کا اپنا الگ وجود۔ بن مانس کے ذرہ کی اپنی ہیئت کے مطابق اس کا ارتقاء بن مانس کی ہیئت۔ شکل و صورت پر ختم ہو جاتا ہے اور اسی شکل و صورت میں اگرچہ انسان بن مانس کے مشابہ محسوس ہوتا ہے۔ مگر اس کا جسم انسانی ہوتا ہے۔ جو انسانی شکل بشری تک عروج کر کے مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے۔ ڈارون عقل ٹھوکر کھا گیا کہ اس نے شکلی مماثلت پر یہ دھوکہ کھایا۔ کہ بن مانس کی ترقی۔ اس کے آخری وجود پر باقی رہ کر انسانی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ حالانکہ فطری تخلیق کے تابع بن مانس کا ذرہ منفرد حیثیت میں بن مانس کی شکل پر ظہور کر کے اپنی ہیئت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس میں انسانی ہیئت میں انتقال کرنے کی خاصیت موجود نہیں ہوتی۔

ہمہ اوست کے نظریہ میں ہندو فلسفہ کا مسئلہ بھی۔ ان کے نزدیک ایک نظریہ رکھتا ہے۔ کہ کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود اللہ کا نور ہے۔ اس لیے ہر شے کی پوجا (سجدہ) جائز ہو سکتی ہے۔ اس کا سبب بھی یہی ہے۔ کہ کائنات کی ابتدائی تخلیق کے علم پر اعاطہ نہ کیا گیا۔ کہ کائنات کی بنیادی علت۔ نور ابتدائی۔ نور اول۔ قرار دی جاتی ہے۔ اس تخلیقی عمل میں۔ نور اول۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور شامل نہ رکھا گیا۔ جو کائنات کی تخلیق کا بنیادی نقطہ ہے۔ اس لیے ان کا عمل شرک قرار دیا جاتا ہے۔ اسی بنیادی ٹھوک پر۔ انسانی تخلیق کی ابتدائی ترکیب کا علم نہ ہونے کے سبب۔ جبکہ ان کے نزدیک ہر وجود کے لیے اس کی پیدائش پر ایک روح پھونکی جاتی ہے۔ جو اپنے عمل کے مطابق دوبارہ حیوانی شکل میں ظہور کرتا ہے۔ نظریہ آواگون پیدا کیا گیا۔ اس کی تصدیق میں ہندو فلسفہ اسلامی نظریہ تخلیق آدم میں علماء اسلام کے نظریہ آدم سے حمایت حاصل کرتا ہے۔ کہ بعض علماء اسلام کے نزدیک انسانی جسم پتلے کی شکل میں بنایا گیا اور اس میں جسم کی تکمیل کے بعد روح پھونکی گئی۔ اس تائید کی روشنی میں۔ ہندو فلسفہ کا نظریہ یہ ہے۔ کہ ایک انسان کی روح۔ دوسرے انسان یا حیوان اپنے عمل کے مطابق۔ عروج و تنزل کی صورت میں حلول کر کے نئی صورت میں پیدا ہوتا ہے یا جہنم لیتا ہے۔ حالانکہ تخلیق کے مطابق یا قرآنی نظریہ تخلیق کے مطابق یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ فطری طور پر ہر حیوان کے لیے اپنا ایک منفرد وجود۔ روح و جسم مخصوص ہے۔ تو ایسی صورت میں۔ نہ کوئی ایسی روح ہو سکتی ہے۔ جس کے لیے کسی دوسرے۔ حیوان یا انسان میں حلول کرنے کی گنجائش ہو۔ نہ کوئی جسم ہو سکتا ہے جس کے لیے خارج سے کسی روح کے حلول ہونے کی گنجائش ہو۔ اصولی طور۔ ہر وجود کی عملی زندگی میں اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قانون فطری کے مطابق۔ ہر وجود حیوانی۔ ناری ذرہ (روح) سے اپنے وجود کو عروج کر کے اپنی جسمانی ہئیت میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کی عملی زندگی اس کے آخری وجود پر ختم ہو کر ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ لہذا۔ ہر حیوان کا جسم اپنی اصل مٹی میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور اس کی روح۔ چونکہ زمین کی ناری ہئیت کی جڑ ہوتی ہے۔ لہذا۔ یہ روح بھی اپنی اصل میں نرب



ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ رُوح کسی اور جسم میں منتقل ہو کر نیا جسم اختیار کرے۔ علم الہیت کی رُوسے یہ ثابت ہوتا ہے زمین کی ناری ہتیت ایثر (ETHER) کے مشابہ ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر۔ ہر حیوان کی رُوح ایثری قوت کی جُز ہے۔ اس لیے ہر حیوان کی رُوح اپنی اصل ایثری وجود میں تحلیل ہو کر سما جاتی ہے۔ اور انسان کی رُوح بھی زمین کی صصلی قوت ایثری سے مشابہ ہے۔ یہ ناری ہتیت ہے اس لیے انسان کی رُوح اپنی جنس ایثر (برج) میں داخل ہوتی ہے۔ ایثری قوت کی وسعت ناری۔ نوری قوت تک وسیع ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایثر۔ ایک کائناتی قوت ہے جو عالم نوری میں نوری ایثر سے موسوم ہے۔ ناری علم میں ناری ایثر سے موسوم ہے۔ اور خاکی (ارضی) عالم میں ارضی ایثر سے تعبیر ہے۔ اسی ناری ایثر کی ایک اعلیٰ جز انسانی رُوح کے لیے مخصوص کی گئی۔ جو انسانی رُوح

لے اس ایثر کے متعلق قرآن نے واضح بیان پیش کیا۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ طَقُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُدْرِيكَ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت ۸۵) اہل تورۃ ”یہود“ اہل انجیل ”نصاری“ آپ سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ نبی اور رسول کے لیے انہیں بطور دلیل رُوح کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ایسا نہیں۔ اگر آپ انہیں رُوح کی حقیقت سے آگاہ بھی کر دیں تو یہ اس حال میں بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ رُوح کی حقیقت سمجھنا یا بتانا نبوت یا رسالت کی دلیل سمجھا جائے۔ جب تک کہ آپ کی ذاتی شخصیت پر بنی دلیل (الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ) کی صورت میں ایمان نہ لائیں۔ ان کے لیے اتنا بتانا کافی ہے۔ ہر رُوح (نوری۔ ناری) میرے رب کے حکم سے بنی ہے کہ ہمہ اوست کی ترتیب کے مطابق تخلیقی ترکیب میں ہر وجود نوری۔ نوری ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ناری وجود بھی ناری ذرات کا مجموعہ اور مرکب ہے۔ انہی ذرات میں اللہ اپنے ارادہ و حکم سے بعض ناری ذرات کو مخصوص وجودوں کی ہتیت میں منتخب کر کے ایک علیحدہ ہتیت دیتا ہے۔ جیسے ملائکہ اور جنات وغیرہ۔ یہ وجود بھی رُوح سے موسوم ہے۔ جیسے ملائکہ کو قرآن نے رُوح سے تشبیہ دیا۔ اور جو علم تمہیں انبیاء و محققین سے رُوح کے متعلق ملا ہے تم اس علم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (باقی ماثیہ اگلے صفحہ پر)

سے تعبیر ہے۔ اسی ایثر کے تصور میں۔ عالم نوری کی ابتدا نور الہی سے ہوتی ہے۔ نور الہی کو ایشر کے تشیل تصور میں ہندو فلسفہ میں ایشر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دراصل ہندو فلسفہ میں ایشر کا تصور اسی ایثر کے تصور سے قائم کیا گیا۔ لہذا یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ ہر رُوح اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے اپنی اصل میں ضم ہو جاتی ہے۔ انسان کی دور میں۔ روح رحمانی۔ نوری وجود کی جز ہے۔ ناری رُوح (روح حیوانی) ناری وجود کی جز ہے۔ اور جب کہ انسان کے لیے عبادت کی صورت میں اس کا ایک خصوصی عمل مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا اس کے عمل سے اس کی رُوح عروج پاتی ہے۔ اس کے عمل کے مطابق ناری رُوح اپنے عروج میں ناری وجود میں اعلیٰ و ادنیٰ مقام پاتی ہے۔ نیک عمل ہو تو اسکی وسعت نوری وجود تک ہوتی ہے۔ اس مقام کو شریعت اسلامی عَلٰی عَلَیَّتِین سے موسوم کرتی ہے۔ بد اعمال ہوں۔ تو اس کی ناری رُوح تنزل پذیر ہو کر خاکی ایثر (جس ایثر میں حیوانوں کی رُوح جذب ہوتی ہے) میں اندھیرے میں مقید ہو جاتی ہے۔ اس مقام کو شرعی اصطلاح میں سِجِّین کہا جاتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی میں جو نتیجہ حاصل کرتا ہے اسی نتیجہ کے مطابق عالم ایثری میں اس کا مقام ہوتا ہے اور انسانی زندگی میں اس کے عمل کا ایک تعین ہے کہ وہ ایک بار دنیوی زندگی میں رُوح و جسم کے اتصال سے عمل کر کے اپنی موت پر ایک متعین مقام حاصل کرتا ہے جس کے بعد اس کی عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کی عملی زندگی کو دوبارہ عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے ہر انسانی زندگی اپنے عمل کے مطابق۔ نور و ظلمت میں مقام حاصل کر کے اپنے مقام میں پابند و مقید ہو جاتی ہے۔ اس مقام کو عالم برزخ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً عالم برزخ عالم ارضی کا ناری مقام (وجود ہے) ہر انسان کی رُوح اسی ناری وجود کی جز ہوتی ہے۔ بعد موت ہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۹)

دلیل نبوت چاہتے ہو۔ یہ تمہارا علم خود محدود ہے۔ تمہیں خود رُوح کے متعلق کُلّی علم حاصل نہیں۔ اس محدود علم پر نبی کی نبوت کی دلیل لیٹا بے معنی ہے۔ تم رُوح کی حقیقت سے ابھی کاملاً آگاہ نہیں ہو۔



انسان کی روح عالم ظاہری سے منتقل ہو کر اسی عالم میں جذب (داخل) ہو جاتی ہے۔ اور پھر کسی روح کو کسی مقام پر حاضر ہونے کا اختیار یا قدرت نہیں۔ جیسا کہ محققین مغرب حاضرات ارواح کا کھیل کھیلتے ہیں) نہ کسی وجود میں (ہندو نظریہ آداگون کے عقیدہ کے تحت) حلول ہونے کا موقع آتا ہے۔ اس حال میں کہ ہر وجود کے لیے اپنی ایک منفرد روح پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔ جس روح سے اس وجود کی تخلیق (پیدائش) ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندو عقیدہ۔ آداگون۔ ایک غلط نظریہ ہے۔ جبکہ فطری تخلیقی عمل کے مطابق کسی روح کے لیے کسی وجود میں داخل یا حلول ہونے کی گنجائش نہیں اور جب گنجائش نہیں۔ تو آداگون کا نظریہ خود بخود رد ہو جاتا ہے۔ لہذا — سوائے اس کے نہیں کہ ہمراہی کے تصور میں ہمہ درہمراہی کی ترتیب میں — نور الہی بہ اعتبار لامحدود۔ احد ہونے کے اشیاء کائنات میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ کہ سالم وجود منتشر ہو۔ ایسی صورت میں ہمراہی کے تصور میں اللہ کی ایک جز کا کائنات کی صورت میں تقسیم (ANALYSE) ہونا منظور ہوتا ہے۔ اس جز کو مخلوق جز کے تصور میں کائنات کی ہر شے میں پہچانا جاتا ہے۔ لہذا جب تک کائنات کے بنیادی وجود میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانا جائے کائنات کی تحقیق و فکر میں معرفت الہی — حاصل نہیں ہو سکتی۔ بغیر اس حقیقی تصور کے ہر تحقیق بجائے حق حاصل ہونے کے شرک و گمراہی کی طرف بے جاتی ہے۔

ان فرمودات میں حضور قبلہ عالم — حضرت محمد امین صاحب ادیسی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اساس اگرچہ قرآنی دلائل پر موقوف ہے۔ لیکن حضور قبلہ عالم کی علمی حیثیت صرف قرآنی دلائل تک محدود نہیں (اگرچہ قرآنی دلائل ہر علم پر غالب حیثیت رکھتے ہیں) گو حضور قبلہ عالم کو مغربی علوم سے مس نہیں تھا — خواہ وہ مشرقی علوم ہوں۔ یا مغربی یونانی علوم ہوں یا عربی علوم — علم منطق ہو یا فلسفہ — علم الہیت ہو یا سائنسی علم — آپ کے دلائل کو ہر علم سے تائید حاصل تھی۔ حضور قبلہ عالم نے قرآنی نظریات کی دلیل کے ساتھ ہر علم کے اصل نظریات سے ہر کیفیت کے لیے دلائل پیش کیے ہیں کہ حضور کو علم لدنی (روحانی عطا ہوا تھا)۔ کائنات کے وجود میں اس کی تحقیق و فکر میں باطنی طور پر — روحانی مشاہدہ کے

ساتھ ہر کیفیت کا علم و ادراک حاصل تھا۔ کہ آپ بالمشاہدہ عین الیقین۔ حق الیقین کی حد تک ہر کیفیت کی اصل حقیقت اور اس کے جملہ اجزاء سے آگاہ تھے۔ کیونکہ آپ دل اکمل کا مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کو معرفت الہی میں ”فنا“ کے ساتھ۔ کائنات کے تمام اسرار و آثار کا مشاہدہ حاصل تھا۔ جو ولی۔ اور ولایت کی اصل حقیقت ہے۔ لیکن اس حال میں بھی وَالْعِجْزُ فَخَرِي۔ کا دعویٰ تھا۔ کہ آپ نے ذاتی طور اپنی کسی علوم مرتبت یا خصوصیت کا اظہار نہ فرمایا۔ نہ اس خصوصیت کو اپنی ذاتی شخصیت کے لیے استعمال کیا۔ آپ نے باوجود دل اکمل ہونے کے ایک سادہ انسان جیسی زندگی گزاری۔ اپنی تبلیغ میں سوائے اس کے کہ آپ سے ہزاروں طالبانِ حق نے حضوری اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفتِ الہی میں اکمل درجہ حاصل کیا۔ آپ نے اپنی ذاتی زندگی میں حصول دنیا میں ایک دُنیا دار کی حیثیت میں فہم و تدبیر سے کام لیا اور ہر کاروبار میں ذاتی تدبیر و عقل کو استعمال کیا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی یہی تلقین فرماتے رہے کہ عبادتوں کو دارِ آخرت کیلئے وقف کرو۔ اسے حصول دُنیا کے لیے خرچ نہ کرو۔ جیسا کہ قرآن اس امر کی ہدایت کرتا ہے۔

اَلتَّائِبِدُّوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَذْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ دِرْپَارہ ۲۱ سورۃ ۲ آیت ۶۱

عبادتوں کا اجر لامحدود اور عظیم بدل ہے۔ دُنیا فانی۔ قلیل اور ادنیٰ ہے۔ حقیقتاً عبادات کا اجر یومِ حشر پر موقوف ہے۔ اس لیے اعلیٰ جنس کو ادنیٰ جنس حاصل کرنے پر خرچ نہ کرو۔ یہ صرف بھی تَبْذِیْرًا (فضول خرچی) میں شمار ہوتا ہے۔ آپ تلقین فرماتے اللہ تعالیٰ نے حصول دُنیا کے لیے دنیا میں آسانی کی خاطر حواس و عقل عطا کیے ہیں۔ انسان ان ہی قوتوں سے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۚ رِپَارہ ۲۱ سورۃ ۲۲ آیت ۷۹

کی خصوصیت بیان کرنے میں یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ یہ قوتیں حصول دُنیا میں آسانی اور کامیابی کے لیے عطا کی گئی ہیں۔ اس لیے حصول دُنیا میں فہم و تدبیر سے کام لیا کرو۔

حضور قبلہ عالمِ خالی درویش ہی نہ تھے۔ بلکہ دنیوی حیثیت میں بھی۔ وسیع فہم و تدبیر کے مالک تھے۔ آپ اپنے مریدوں کی مشکلات میں۔ بنفسِ نفیس شریک ہو کر بجائے کرامات



سے مشکلات حل کرنے کے فہم و تدبیر سے ان کے مسائل حل کرنے میں مدد فرماتے۔  
 آپ نے دُنیا میں رہ کر دُنیا کی ہر تکلیف کو گوارا کیا۔ اور صبر و استقلال سے برداشت کیا۔  
 اس تصور کے ساتھ کہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ پر توکل ایمان کی رُوح ہے۔  
 توکل کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے۔  
 اور اس پر صبر کیا جائے۔ حضور قبلہ عالم ”صبر“ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر مشکل میں  
 انسان اضطراب و بے چینی کا شکار ہوتا ہے۔ ”صبر“ کی صورت میں یہ تصور کرنا بہتر ہے۔ کہ یہ  
 مشکل رضائے الہی کے تابع ہے۔ اس کی طرف سے ڈال گئی آزمائش نتیجتاً ایک بہتر مستقبل  
 کی ضمانت ہوتی ہے۔

وَكَبِّرِ الصَّابِرِينَ ۖ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ

ہر تکلیف میں ایک بہتر مستقبل کی بشارت خود قرآن دیتا ہے۔ صبر یہ ہے۔ کہ مصیبت  
 پر دل کو اضطراب و بے چینی کے اثرات سے متاثر نہ ہونے دے۔ اس کا ایک نتیجہ ہے۔  
 کہ انسان ذہنی پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور ہر مشکل پر قابو پانے کے لیے عقل و تدبیر  
 سے کام لینے کے لیے عقل و فرد بجائے خود الجھن میں گرفتار ہونے کے بہتر تدبیر۔ بہتر نتیجہ  
 حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اصل نتیجہ اللہ تعالیٰ ایسے صابر کو شر سے نکال کر  
 دین و دُنیا کی خیر کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

حضور قبلہ عالمؐ نے۔ دُنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ اور بطریق احسن امور دنیوی کی  
 انجام دہی میں جدوجہد کرتے رہے۔ ایک طرف اجرائے شریعت و طریقت میں ہر لمحہ  
 اصلاح انسانی میں جانفشانی سے جدوجہد کرتے رہے۔ دوسری طرف اپنی اور مخلوق خدا  
 کی خیر و فلاح میں برابر شریک ہو کر محنت اٹھاتے رہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا کو انسانیت کی مظلومی اور تنزل پر بییدگی  
 ہوتا تھا۔ حضور حد درجہ حساس قلب رکھتے تھے۔ آپ حالات زمانہ کے مطابق انسانیت  
 کی گمراہی و ذلت پر تاسف فرماتے کہ انسان جان بوجھ کر گمراہی کی طرف جا رہا ہے اس وجہ سے  
 آپ کی عمر کا دور آپ کے لیے پُر مشقت اور فکر مند احساس کا دور رہا۔ یہ زمانہ آپ کیلئے

بے حد محنت و مشقت کا دور تھا۔ جس کے نتیجے میں آپ قبل از وقت۔ ضعف و نقاہت کا شکار ہو گئے۔ ذہنی مشقت کی وجہ سے۔ آپ حادثہ کا شکار ہو گئے۔ آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بشارت دی تھی کہ رگ پھٹنے سے فاجعہ نہیں گرے گا۔ مسلسل چار یوم کے علاج کے بعد آپ اٹھ بیٹھے اور جنگل کی طرف سیر کے لیے چلے گئے۔ ہمارے اصرار کے باوجود آپ نے بستر پر جانا منظور نہیں کیا اور روزمرہ کام میں لگ گئے۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ مگر اس تکلیف کا اثر آپ کی آخری عمر تک موجود رہا۔ حضور کی فطری خصوصیات کے بد نظر۔ اللہ نے آپ کو قائم مقام نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم منتخب کر کے ایک اہم اور خصوصی منصب آپ کے سپرد کیا۔ وہ منصب حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق تمام انتظام کی تکمیل آپ کے سپرد کی گئی۔ حضور قبلہ عالم نے اس منصب کو بطریق احسن پورا کیا۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بیان میں ذکر ہوا۔ اور وقت آیا کہ اس منصب کی تکمیل کامل ہو گئی۔ حضور کا مشن مکمل ہو گیا۔ اور اس مشن کی نشاندہی آپ کے مریدوں کے مشاہدہ میں لائی گئی۔ اور یہ مشن منصوبہ قرآنی آیت کے اشارہ کے مطابق اپنی تکمیل کو پہنچا۔

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اور اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ  
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝

ایک طرف حضور قبلہ عالم کے سلسلہ اویسیہ امینیہ میں۔ مشرق و مغرب کے طالبان حق داخل ہو کرے یا مراد ہو گئے۔ دوسری طرف ظہور مہدی علیہ السلام کے منصوبہ کی باطنی طور پر تکمیل ہو گئی۔ ظاہر تھا۔ یہ تکمیل آپ کی اپنے محبتوں کے لیے جدائی کا پیغام لائی تھی۔ اور حضور رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے دو مہینے پہلے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ اب میری عمر کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اگر اپنی دعا کے نتیجے میں اپنی قبر کا مدینہ منورہ میں میری ہمسائیگی میں ہونا منظور ہے تو دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤ۔ مگر مریدوں کی محبت اس ارادے میں آڑے آئی۔ اور قبلہ عالم فِداہ اُمّی و اُپی۔ حضرت مولانا الحاج محمد امین کشمیری۔ قریشی۔ اویسی۔ قادری۔



نقشبندی قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء کو رات کو ۹ بج کر ۵۵ منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔  
خدا رحمت کنندہ این عاشقانِ پاک طینت را

اس شر کے زمانہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات ایک روشن ستارہ کی مانند حق کی راہنمائی کرتی رہی۔ یہ شرف طریقِ اولیسیہ کو حاصل ہے کہ آپ کی ذات سے دُعائے اولیسیہ کی قبولیت کے اظہار میں اس شر و فساد کے زمانہ میں عوام الناس کج ہدایات و معرفت حق کا سامان میسر آتا رہا۔ ہزاروں لوگ ان سے ہدایت کا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کامل اکمل ول۔ صاحب تدبر و فہم مجاہد نے اپنی تربیت ظاہری باطنی سے۔ ایسی کامل اکمل جماعت ترتیب دے کر مخلوقِ خدا کی راہنمائی کے لیے چھوڑ دی۔ جس کا سلسلہ دُعائے اولیسی۔ اور مقامِ محمود کی تکمیل میں قیامت تک مسلسل چلتا رہے گا۔ سلسلہ اولیسیہ تا قیامت روشن طریقہ پر قائم رہے گا۔ اور ہر زمانہ میں۔ طالبانِ حق کو اس سلسلہ کا فیض میسر آتا رہے گا۔ بلاشبہ آپ کی وفات مخلوقِ خدا کے لیے باعثِ غم و اندوہ ثابت ہوئی۔ حضور قبلہ عالم کی وفات کی اندوہناک خبر سُنکر مفتی رشید الدین صاحب نے بچشمِ پرہِ غم فرمایا۔  
”افسوس طہارت و تقویٰ کا سورج ڈوب گیا۔“

لے ایسی ہی جماعت کا ایک فرد حاجی غلام رسول ملک تحصیل بھدرwah کشمیر کے ایک دُور دراز علاقے میں سلسلہ اولیسیہ کی خدمت انجام لانے کے لیے حضور نے خود اپنے دستِ مبارک سے منتخب کیا۔ ماسٹر غلام رسول ملک صاحب نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا۔ جب ۱۵ سال گزرنے کے بعد خواب میں دیکھی ہوئی بزرگ ہستی سامنے آئی تو اپنے آپ کو ان کے حضور میں فروخت کر دیا۔ بھدرwah کے دُور دراز جنگلوں میں سلسلہ اولیسیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور لوگوں کو راہِ حق سے روشناس کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو زیادہ ہمت عطا کرے۔ آمین

پروفیسر محمد طیب صاحب صدیقی ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل نے حضور کی تاریخ وفات  
کو ان اشعار میں نظم کیا۔

آن اویسی امین حق آگاہ  
قطب الاقطاب بود والا جاہ  
نائب حضرت رسول امین  
ما دیتے گمراہان نامہ سیاہ  
روح پاکش بسوی عرش پرید  
در حریم وصال زد خرگاہ  
ہتر دہم بد زماہ ذی حج  
بست احرام کعبۃ اللہ  
فکر کردم ز سال رحلت او  
ہاتف از دل کشیدہ نالہ آہ  
گفت ضیغم بجوز زیب شرع  
عرش پرواز بود طالب ثراہ

۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء

تمت بالخیر







بسم الله الرحمن الرحيم      سنة الفردوس من منازل العرفان

اللهم محمد كاتر في ولف على حبك والكاير في اوجده فان افي في الدين  
محمد راسن نور الله عليه قد اشتغل سدي وعده حتى مرشدي ووالدي واستاذي  
الفاضل لثاني العالم رباني القلب النان رعتي محمد نور النان قدس سره  
العزيز الرحمن برفه النان فقد كسر الله عليه من منازل العرفان والتملات  
ابنوة وحقيقة المحمدية ومن جميع منازل اللولكية ومن الاصول والذلل  
والشيون واصول الاصول فقد وصدت الله عليه بالمجودة فقدر في تعلقين انما  
من جميع الطرق خصوصاً من الطريقة الدورية والقادرية والقنصرية واوسيه  
بتقوى الله والاعتراف بالرسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك المجدد انه وان ركن الصلوة  
على ابني صل الله عليه وسلم اللهم اجعله شاملاً بارغب في الدين والادب والافرة  
افرد عورتا ان الحمد لله رب العالمين ومنع الله على عبده محمد والوسلم

انما اراد  
فزانان بغير حق



# سلسلہ عالیہ اولیئہ کے مجموعہ کتب کا ایک مختصر تعارف

نور العرفان جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب اویسی کشمیری قطب الاقطاب کی  
سوانح عمری

اس کتاب میں ایک ولی اکمل صاحب طریقت ہستی کے کمالات ملکوتی اور آپ کی ذاتی سیرت میں اسوۂ حسنہ (اوصاف حمیدہ) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ اہل طریقت سے سواء عام حیثیت میں عام عقل انسانی کے لیے بھی حصول مقصد حقیقی میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کتاب کے مطالعہ کے لیے ہر مکتب فکر کی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے کہ یہ کتاب ہر نوع فکر کے لیے راہنما اصول طریقہ عمل اور راہ عمل کی شاندرہی کرنے میں عالمگیر عملی مواد پیش کرتی ہے۔

میں تصنیف: اعلیٰ حضرت مولائی و مرشدی الحاج محمد امین صاحب اویسی کشمیری قطب الاقطاب

رسالہ "منازل فقر" طالبان راہ معرفت اور بالخصوص غلامان سلسلہ حلقہ اولیہ عالیہ بغرض ضابطہ منازل شائع کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص کا قرآن کی روحانیت کی طرف رجوع ہو، اور وہ اسی طریقہ عمل کے تحت قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ چونکہ اس طریقہ کا تعلق متشابہات سے ہے اور منازل فقر بھی متشابہات میں شمار ہیں، اس لیے یہ رسالہ "منازل فقر" طالبان راہ طریقت کے لیے خصوصی طور پر ایک کسوٹی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ منازل فقر کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص ولایت کے دعویدار میں ان خصوصیات کو تلاش کرے کہ ایسا ولی ان منازل کو طے کر کے مقام فناہ قرب الہی اس حد تک پا چکا ہے کہ اسے ولی اکمل کا درجہ حاصل ہو۔

منازل فقر  
مع  
شرح



## تایخ طریقت

### حقیقت تصوف

سلسلہ ادویہ کی نسبت سے اس کتاب میں طریقت اور تصوف کی ابتدا، طریقت کا حقیقی مفہوم، طریقت سے متعلق علم و عمل، طریق عمل اور طریقت میں مشاہدہ کے عمل کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کے لیے طریقت کے بنیادی تصور کو زیر نظر رکھ کر حقیقت تصوف کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

تصنیف و تالیف: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری

کائنات کے نظام تخلیق میں جو اشیائے کائنات کی تخلیق میں آثار مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان اشیاء کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک منظم نظام کے تحت یہ کائنات ازل سے ابد تک بنائی ہے۔ اس کتاب میں ان حقائق کو پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی میں مقصد تخلیق واضح ہے جس مقصد پر کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔

تصنیف و تالیف: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری  
اللہ تعالیٰ نے اپنے علم الہی کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدس تک۔ ازل سے۔ ابد تک ایک مستحکم علم کی صورت میں انبیاء کے ذریعہ مخلوق انسانی کی فلاح و نجات کے لیے پیش کیا خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے تمام مخلوق ارضی پر کائنات کی سب سے عظیم کتاب الہی ”قرآن“ کی شکل میں پیش کیا۔

اس کتاب میں علم حاصل کرنے کے ذرائع حواس خمسہ اور ان کے افعال و باطنی حصص تخلیق آدم۔ شریعت و طریقت۔ نتیجہ اعمال طریقت۔ علم کی کیفیات تصور انسانی وجود تمثیلی اور اس کی اقسام۔ روح رحمانی۔ اولیاء اللہ کے مدارج طریقت کے معبر سلسلے اور کئی دیگر مضامین پر قرآنی علم کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

## علم العرفان



# تاریخ

## خلافتِ اسلامی

تصنیف و تالیف: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری

قرآنی تاریخ سے خلافتِ اسلامی کی ابتداء۔ اس قرآنی حوالہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصوبہ ازل کے مطابق زمین میں حضرت آدمؑ راوران کی ذریت کو خلیفہ کی صفت پر پیدا کیا۔ کہ آدمؑ کی پیدائش کا بنیادی مقصد تسبیح و عبادت سے۔ تخلیق کائنات کے اسرار سے آگاہ ہونا ہے جس میں معرفتِ الہی حاصل کرنا بھی لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبہ الہی میں تھا کہ دنیا پر ایک ایسی اولوالعزم ہستی کا ظہور ہو۔ جن کا الدین الاسلام۔ اسلامی لائحہ عمل۔ شریعتِ اسلامی تمام دُنیا۔ کائنات ارضی پر غالب ہو کر۔ انسان کو اس کی عظمت۔ ”خلیفہ“ کی عظمت کا نشانِ راہ۔ قیامت تک میسر ہو۔ وہ ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جن کی خلافتِ عظمیٰ کی تفصیل۔ خلافتِ اسلامی میں بیان کی گئی ہے۔

پیش کردہ: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری

سیرت سے مراد کسی شے میں اس کی ظاہری باطنی خوبیوں اور ذاتی کمالات کا پایا جانا۔ اور نبی۔ النبی سے اشارہ مخصوص ذات کی طرف ہے۔ یعنی ایک نبی کی سیرت یا ایک نبی میں اس کے ذاتی صفاتی کمالات کا تذکرہ۔

اس کتاب میں اللہ خالق اور مخلوق کی تحقیق میں کائنات کے آثار و اسرار میں صفات و خصوصیات کے مشاہدہ و علم کو بنیاد بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس۔ قرآنی مفہوم پر۔ سیرت۔ سیرتِ النبی (ترتیب دی گئی ہے۔

سیرت النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم



## روح البیان

پیش کردہ: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری

اس کتاب میں اہل ذوق حضرات کی دلچسپی کے پیش نظر چند متفرق مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ علم القرآن و حدیث کی روشنی میں درج ذیل مضامین پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اصول تصوف۔ موت و حیات۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ مشاہدہ۔

## فتنہ مرزا بیت

تحریر: جناب محمد نور الدین صاحب اویسی امینی کشمیری

(ایک تجزیہ)

یہ مختصر سا مقالہ اہل علم و دانش حضرات کے لیے اس تاریک دور میں انمول موتی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقالہ میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش کر کے علم نبوت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس سے اُمت مسلمہ میں پیدا شدہ غلط تصورات کو مٹانے کی احسن کوشش کی گئی ہے۔ جو حضرات اپنے ذہن کو پہلے سے پیداشتہ تصورات سے پاک کر کے اس مقالہ کو مطالعہ میں لائیں گے۔ ان شاء اللہ ان کے لیے مسئلہ علم النبوت کو فہم میں لانا بے حد آسان ہو گا۔ علمائے اسلام کے لیے دعوتِ فکر ہے۔

ملنے کا پتہ: شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ اولیہ

3404۔ لنک روڈ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان

جھنگ روڈ۔ جینیوٹ۔ پاکستان